مہرِ منیر
سوانح حیات
حضرت سید پیر مہر علی شاہ صاحب
نوّر اللہ مرقدہٗ

کتھے مہر علی کتھے تیری ثنا گستاخ اکھیں کتھے جا اڑیاں
سوانح حیات
حضرت سید پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑہ شریف
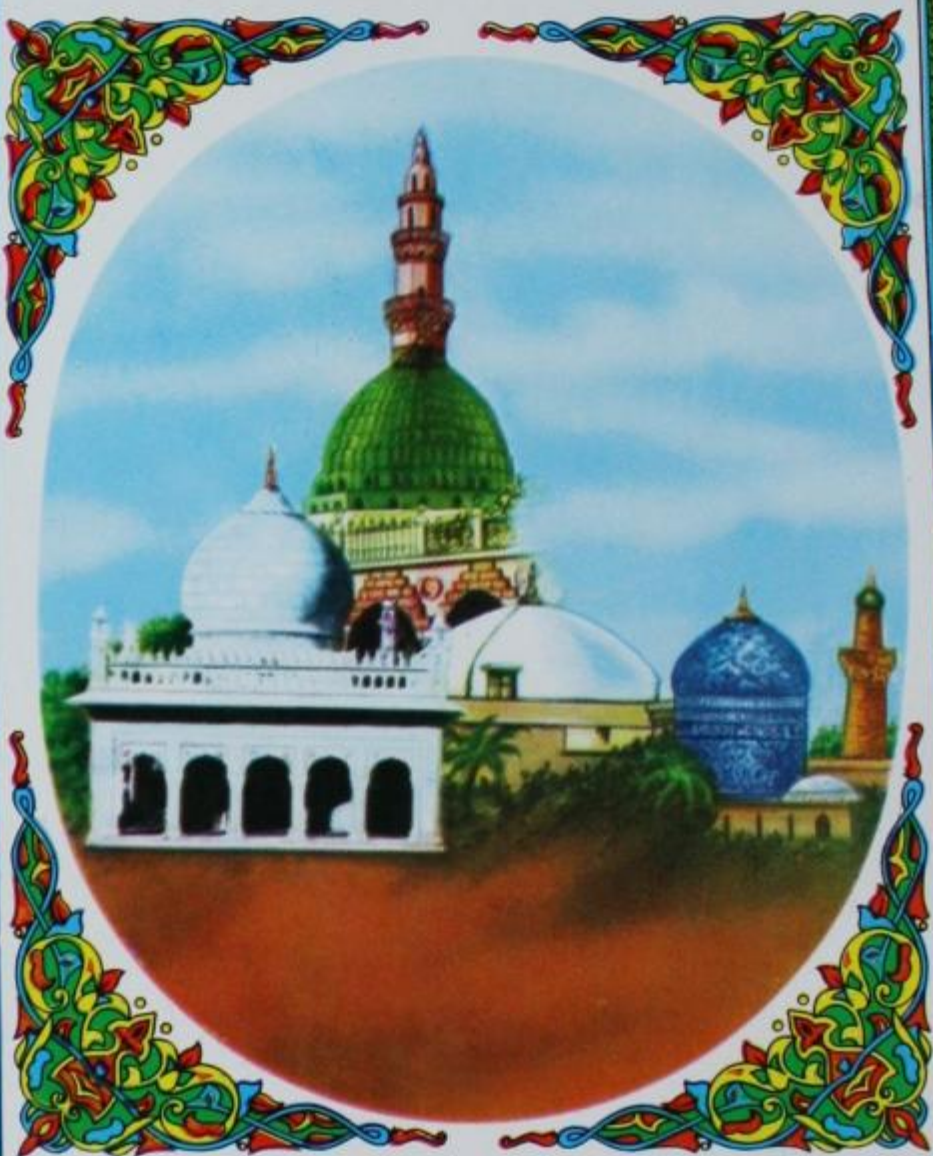
غرض ادائے نیاز است ورنہ حاجت نیست   کمالِ حشمتِ محمود را بعجزِ ایاز

مہرِ منیر

سوانح حیات

فانی فی اللہ باقی باللہ آیت من آیاتِ اللہ

حضرت سیّد پیر مہر علی شاہ صاحب نوّر اللہ مرقدہٗ

گولڑہ شریف۔ ضلع راولپنڈی

تالیف

مولانا فیض احمد صاحب فیض، جامعہ غوثیہ، گولڑہ شریف

باجازت

حضرت سیّد پیر غلام محی الدّین شاہ صاحب قدّس سرّہٗ

باہتمام

جناب سیّد پیر غلام معین الدّین شاہ صاحب و سیّد پیر شاہ عبد الحق شاہ صاحب مدظلّہما العالی

بار ________ ہشتم

تعداد ________ چار ہزار (۴۰۰۰)

مقامِ اشاعت ________ گولڑہ شریف، ضلع اسلام آباد

تاریخِ اشاعت ________ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ مطابق اگست ۱۹۹۷ء

ہدیہ ________ روپے

خطاطی : خوشی محمد ناصر قادری خوش رقم جالندھری (مرحوم)
بنک کالونی۔ سمن آباد۔ لاہور

مطبوعہ ________ پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
۱۱۸۔ جی ٹی روڈ۔ سمن زار سٹریٹ لاہور ۵۴۹۲۰
فون : ۶۸۱۴۳۳۹، ۶۸۶۴۱۶۴، ۶۸۶۵۰۱۰

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تعارفِ مؤلّف

حضرت اُستاذ العلماء مُفتی فیض احمد خطیب جامع دربارِ عالیہ گولڑہ شریف اسلام آباد

آپ ۲۲۔مارچ ۱۹۲۱ء کو اپنے آبائی قصبہ بستی بختاور ڈھانڈلہ تحصیل و ضلع بھکر میں ایک مشہور علمی گھرانہ میں پیدا ہُوئے جس کے مورثِ اعلیٰ حضرت میاں محمودؒ اور اُن کے پوتے حضرت حافظ میاں عیسیٰؒ سلسلہ عالیہ قادریہ کے مشہور صاحبِ علم و فقر بزرگ ہُوئے ہیں جن کے حالات کتاب مناقب سُلطانی بابِ دہم میں مذکور ہیں۔ آپ کے والد حافظ غلام محمد صاحبؒ اور چچا حافظ اللہ بخش صاحبؒ نے اُستاذ الاساتذہ علامہ غلام محمد گھوٹوی شیخ الجامعہ عباسیہ بہاول پُور سے اکتسابِ علم کیا اور اُنہی کے ذریعہ اُن کے شیخِ طریقت سند المحققین حضرت مولانا سید پیر مہر علی شاہ صاحب گیلانی قادری چشتی قدس سرّہٗ سے بیعت کا شرف حاصل کیا۔ آپ نے مقامی مڈل سکول میں تعلیم کے علاوہ گھر پر بھی دینی تعلیم حاصل کی اور ۱۹۳۷ء کی ابتدا میں حضرت گولڑویؒ کی بیعت سے مشرّف ہُوئے اور جنوبی پنجاب کے دینی و رُوحانی مراکز ملتان و تونسہ شریف میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد حضرت علامہ گھوٹویؒ کے شاگردِ رشید اور حضرت گولڑوی قدس سرّہٗ کے مخلص مُرید اُستاذ العلماء حافظ مہر محمد صدر مدرّس جامعہ فتحیہ اچھرہ لاہور کی خدمت میں درسِ نظامی کی تکمیل کی اور سند حاصل کی۔ اُستاذ صاحب کو آپ کی علمی قابلیت پر اس قدر اعتماد تھا کہ فارغ التحصیل ہونے کے بعد ۱۹۴۶ء میں جامعہ میاں صاحب شرقپُور شریف میں تدریس کے لیے بھیج دیا اور پہلے ہی سال آپ نے درسِ نظامی کی بڑی بڑی کتابیں پڑھائیں۔ اچھرہ کے قیام کے دَوران تحریکِ پاکستان عرُوج پر تھی۔ آپ نے اپنے مشائخ کی ہدایت پر ہم خیال دینی طُلباء کے ساتھ مل کر تحریک میں بھرپُور حصّہ لیا۔

آپ نے ۱۹۴۶ء سے ۱۹۶۰ء کی ابتدا تک جامعہ میاں صاحب شرقپوری، جامعہ فتحیہ اچھرہ، مدرسہ نعمانیہ مُلتان اور جامعہ محمودیہ پپلاں ضلع میانوالی میں سینکڑوں شائقینِ علم کو مُستفید کیا اور اپریل ۱۹۶۰ء میں حضرت السیّد پیر غلام محی الدّین گیلانی قادری چشتی المعرُوف بابُوجی علیہ الرحمۃ کے حکم سے جامعہ غوثیہ گولڑہ شریف میں تدریس، فتویٰ نویسی اور خطابت کے فرائض سنبھالے اور اُنہی کے حسبِ ارشاد حضرت السیّد پیر مہر علی شاہ گیلانی قادری چشتی گولڑوی قدس سرّہٗ کی مُستند اور جامع مفصّل سوانح حیات "مہرِ مُنیر" تالیف کی جو اندرُون و بیرُونِ مُلک نہایت مقبول ہے نیز حضرت پیر صاحبؒ کی فارسی تصانیف و ملفوظات کا اُردو ترجمہ اور آپ کے فتاویٰ کو مرتّب کر کے شائع کرانے میں اہم خدمت سر انجام دی۔ ۱۹۶۹ء میں جب کچھ لادینی اور سیکولر نظریات کا پرچار مملکتِ اسلامیہ جمہوریہ پاکستان میں شرُوع ہونے لگا تو آپ نے بغداد شریف کی تنظیم العلماء کے معرُوف ادارہ تربیت الاسلامیہ کے ایک مشہُور عالم حضرت مولانا شیخ ساطع الجُمیلی کے ساتھ پاکستان کے اکثر بڑے شہروں میں مختلف مکتبِ فکر کے عُلماء کو لادینی نظریات کے خلاف متّحد ہونے کی اہمیّت سے خبردار کیا۔ اور شیخ مذکور مدظلّہٗ کے خطبات کی ترجمانی کی جس پر اُنہوں نے آپ کو اپنے ادارہ کی طرف سے اعزازی سند دی۔ شیخ مذکُور مدظلّہٗ جامعہ ازہر مصر کے سند یافتہ ہیں اور آپ عراقی عُلماء کے مشورہ پر جنوبی امریکہ، قرطبہ، ارجنٹائن میں اسلامی تبلیغی مرکز کے سربراہ ہیں۔ اِس سے قبل آپ کو پاکستان کی مشہُور علمی شخصیت علامہ سیّد احمد سعید شاہ کاظمی صدر جماعت اہل سُنّت و تنظیم المدارس نے اپنے جامعہ انوار العلوم ملتان کی اعزازی سند عطا فرمائی جو آپ کی دینی خدمات کے اعتراف کا مظہر ہے۔

حضرت بابُوجیؒ کے حسبِ ارشاد ۱۹۷۰ء میں حضرت شیخ الاسلام خواجہ قمرالدین سیالوی رحمہ اللہ کے زیرِ صدارت منعقدہ سُنّی کانفرنسوں میں آپ نے اسلامی نظام کے موضوع پر خطاب کیا۔ ۱۹۷۴ء کی تحریکِ ختمِ نبوت اور ۱۹۷۷ء کی تحریکِ نظامِ مُصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم میں اپنے خطبات و فتاویٰ اور تقریروں میں جمہور اہلِ اسلام کے جذبات کی بھرپُور ترجمانی کی۔ اور اس کے بعد اسلامی نظام کے نفاذ کے عمل کی تکمیل کے لیے تقریر و تحریر و فتاویٰ کے ذریعہ کوشاں ہیں۔ گولڑہ شریف جیسے مرکزی مقام میں اس قدر طویل عرصہ تک خدا تعالیٰ کے فضل سے ان دینی خدمات کی وجہ سے آپ کو دینی علوم خصُوصاً اسلامی فقہ پر کافی عبُور حاصل ہے۔ اور آپ کے فتاویٰ اندرُون و بیرُونِ مُلک مستند سمجھے جاتے ہیں۔ اور آپ کی تقریر جو کتاب و سُنّت و اقوالِ اکابرِ ملّت کی روشنی میں نہایت جامع ہوتی ہے، عوام و خواص میں اثر انگیز ہوتی ہے۔ متعدّد بار حج و زیارتِ حرمین شریفین سے مشرّف ہُوئے اور حضرت بابُوجیؒ کے ساتھ عراق و افغانستان کا دورہ بھی کیا اور وہاں کے زُعماء و عُلماء سے اتّحادِ اسلامی پر تبادلۂ خیال کیا جس کی اس وقت اُمّتِ مُسلمہ کو نہایت ضرُورت ہے۔ اور یہی مسلک آپ کے شیخ طریقت حضرت مجدّدِ ملّت گولڑوی قدس سرّہٗ اور آپ کے اسلافِ کرام کا رہا ہے جو سلسلۂ عالیہ قادریہ کے صاحبِ کمال بزرگ ہوئے ہیں اس کی تفصیل "مہرِ مُنیر" کے مطالعہ سے واضح ہو جاتی ہے۔

مُحمّد حیات خان

مُحمّد فاضل خان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ مؤلّف

اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور آپؐ کی آل پاک پر درود و سلام کے بعد عرض ہے کہ حضرت قبلۂ عالم گولڑوی پیر سیّد مہر علی شاہ قدس سرہ العزیز کے حالاتِ زندگی کے متعلق ایک جامع تذکرہ کوشش بسیار کے باوجود ایک طویل مدّت تک عالمِ وجود میں نہ آنے کے کئی وجوہات تھے۔

اوّل تو یہ کہ اللہ جلّ شانہٗ نے علم و فقر میں حضرت قبلۂ عالمؒ کو جو مرتبہ و مقام عطا فرمایا تھا، اُس کا صحیح ادراک و بیان ہر کس و ناکس کا کام نہ تھا۔ کیفیاتِ قلبی اور مشاہداتِ باطنی کا استفہام اور پھر اُن کا الفاظ میں اظہار صرف دُشوار ہی نہیں بلکہ قریباً محال تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اُستاذ العلماء مولینا محمد غازیؒ جیسے مُتبحر عالم نے بھی، جن کے علم کے متعلق خود حضرت قبلۂ عالمؒ کامل اعتماد کا اظہار فرمایا کرتے تھے، تقریباً پچاس سال کی طویل صُحبت و استفادہ کے باوجود بالآخر متاسفانہ انداز میں یہی کہا کہ افسوس ہم حضرتؒ کو پہچان نہ سکے۔ چُنانچہ ع آفتاب آمد دلیلِ آفتاب پر اکتفا کرتے ہُوئے اِس میدان میں قدم بڑھانے کی جُرأت کسی کو نہ ہوتی تھی۔

دوم یہ کہ اپنی حینِ حیات ہی میں بعض مُخلصین کی جانب سے قلمبندیٔ حالات کی استدعا پر حضرت قبلۂ عالمؒ نے منع فرما دیا تھا کہ میرے متعلق کوئی کچھ نہ لکھے۔ لہٰذا ایک تو اِس کام کا فی ذاتہٖ مشکل ہونا، دُوسرے آنجنابؒ کا حکمِ امتناعی رہے سہے حوصلے بھی پست ہونے کا باعث ہُوا۔ اور مئی ۱۹۳۷ء یعنی آپؒ کے وصال تک کسی کو اِس طرف توجّہ کرنے کی جسارت نہ ہُوئی۔

سوم یہ کہ آنجنابؒ کے بعد آپ کے خلفُ الصّدق پیر سیّد غلام محی الدّین شاہ المعروف حضرت قبلہ بابُوجی مدظلّہ العالی نے بھی "من نخبیئم و پدرم پُنہاں" کے دعوے سے یکسر مُبرّا اور تواضع و انکسار کا مجسّم پیکر ہونے کے باعث حضرت قبلۂ عالمؒ کے ارشاد کے خلاف کسی کی حوصلہ افزائی نہ فرمائی۔ البتّہ حالاتِ زمانہ، ضرُورتِ وقت، جذبۂ اخلاص و نیاز اور استفاضۂ خلق کے پیشِ نظر بعض حضرات نے ازخود خفیہ طور پر کچھ نہ کچھ یادداشتیں مرتّب کرنا شرُوع کر دیں۔

سب سے پہلے حضرتؒ کے نیازمند اور جامعۂ عبّاسیہ، بہاول پُور کے شیخ الجامعہ مولینا غلام محمدؒ نے اِس سلسلہ میں قدم اُٹھایا اور حضرت قبلۂ عالمؒ سے خود سُنے ہُوئے یا دیگر معتبر ذرائع سے معلوم کردہ واقعات کو جمع کرنا شرُوع کر دیا۔ مگر وقتِ معیّن آجانے کے باعث اِس سعیِ جمیلہ کو تشنۂ تکمیل ہی چھوڑ کر ۱۳۶۷ھ یعنی ۱۹۴۸ء میں راہیٔ مُلکِ بقا ہو گئے۔

ایک اور نیازمند ملک سُلطان محمود ٹوانہ نے، جو حضرت قبلۂ عالمؒ کے زمانہ میں اور کافی عرصہ بعد بھی آستانۂ عالیہ

کے شعبۂ خط و کتابت پر مامُور رہے تھے، اِس ضمن میں کوشش شرُوع کی۔ اُنہوں نے مولٰینا محبُوب عالمؒ سے، جو کافی عرصہ تک حضرت قبلۂ عالمؒ کے سفر و حضر میں مصاحب رہے تھے، حضرتؒ کے متعلّق اُن کے چشم دید یا دیگر ذرائع سے معلوم شُدہ حالات کو فراہم کرنا شرُوع کیا۔ مگر افسوس کہ یہ دونوں حضرات بھی جلد ہی داعیٔ اجل کو لبّیک کہہ گئے۔ یعنی مولٰینا محبُوب عالمؒ کا ۱۹۵۲ء میں اَور ملک سُلطان محمُود کا ۱۹۵۶ء میں اِنتقال ہوگیا اَور مسوّدہ پھر نامکمّل رہ گیا۔

اس کے بعد حضرت قبلہ بابُوجی مدظلّہ کے ایک عقیدت مند راز عزیز دانی رام پُوری نے اس ضمن میں بہت اصرار کے بعد قبلہ بابُوجی سے مشرُوط اجازت حاصل کی۔ قبلہ بابُوجی نے فرمایا: "لکھیے، مگر خیال رہے کہ آپ کے قلم سے مَیں اپنا ذکر نہیں چاہتا۔ ایسا نہ ہو کہ آپ بات سے بات نکال کر میرا ذکر چھیڑ دیں اَور آپ کی عقیدت کتاب کو افسانہ ہی بنا دے۔" گویا حضرت بابُوجی مدظلّہ نے وضاحت فرمائی کہ حضرت قبلۂ عالمؒ کا منع فرمانے سے مطلب یہ تھا کہ لوگ بعید از حقیقت باتیں لکھ کر "پیراں نمی پرند مُریداں ہمی پرانند" کا مصداق بنتے ہیں۔ راز صاحب کے مسوّدہ کے مآخذ زیادہ تر مولٰینا شیخ الجامعہ اَور نوّاب زادہ واجد علی اشکؔ رام پُوری کی تحریریں و روایات تھیں۔ اشکؔ رام پُوری والیانِ رام پُور کے خاندان میں سے تھے۔ یورپ میں اعلیٰ تعلیم پائی تھی۔ دینیات سے واقفیّت اَور شاعری سے شغف تھا۔ خُوب شعر کہتے تھے۔ عُمر کا آخری حصّہ درویشانہ رنگ میں آستانۂ عالیہ گولڑہ شریف پر بسر کیا۔ انہیں حضرت کے اکثر دیرینہ اِرادت مندوں سے ملنے کے مواقع میسّر آئے۔ ۱۹۵۸ء میں یہیں فوت ہو کر گولڑہ شریف میں ہی مدفُون ہُوئے۔

متذکرہ بالا تینوں مسوّدات جو زیادہ تر حضرت قبلۂ عالمؒ کے متفرّق حالات پر مشتمل تھے۔ مگر آپ کی تعلیمات کا ان میں بہت کم ذکر تھا، ۱۹۵۸ء تک جُوں کے تُوں دھرے رہے اَور اُن کی تکمیل و اشاعت کا کام نہ ہو سکا۔ تاہم بعض عقیدت مند اَور دیگر اہلِ قلم حضرات وقتاً فوقتاً اپنے طور پر حضرت قبلۂ عالمؒ کے متعلّق اپنے مضامین مُختلف اخبارات و رسائل میں شائع کراتے رہے۔ جن میں بعض حالات صحیح اَور بعض خلافِ حقائق بھی ہوتے تھے۔ چند قادیانی اَور غیر مقلّد مؤلّفین نے بھی حضرتؒ سے اختلاف کے باعث واقعات کو توڑ موڑ کر شائع کرنا شرُوع کر دیا، جس کی وجہ سے سخت ضرُورت محسُوس ہُوئی کہ حضرت قبلۂ عالمؒ کے صحیح اَور مُستند حالات مع تعلیمات منظرِ عام پر لائے جائیں تاکہ وُہ مشن جو آپؒ نے اپنی حیاتِ طیّبہ میں جاری فرمایا تھا، بطریقِ احسن جاری رہے۔ چنانچہ ۱۹۶۰ء میں جب کہ راقم الحرُوف آستانۂ عالیہ پر اقامت کی سعادت سے مشرّف ہُوا تو حضرتؒ کے اِرادت مندوں میں یہ احساس شدّت اختیار کر چکا تھا۔

اِتّفاقاً اُن ہی ایّام میں جناب سیّد غلام مُصطفےٰ شاہ خالد گیلانی مقیم راولپنڈی نے قبلہ بابُوجی مدظلّہ العالی کی خدمت میں عرض کیا کہ مَیں "افکارِ راولپنڈی" کے نام سے ایک کتاب شائع کر رہا ہُوں، جس میں مشاہیر حضرات کا بھی ذکر ہو گا، اِس لیے حضرت قبلۂ عالمؒ کے حالات قلم بند کرنے کی اجازت بخشی جاوے۔ شاہ صاحب کے اصرار پر قبلہ بابُوجی نے راقم الحرُوف کو متذکرہ بالا مسوّدات میں سے کُچھ مختصر واقعات تحریر کر دینے کا اِرشاد فرمایا۔ جو شاہ صاحب نے لے کر بعینہٖ کتاب مذکُور میں شائع کرا دیئے۔ یہ سب سے پہلا موقع تھا کہ جناب بابُوجی کی اجازت سے حضرت قبلۂ عالمؒ کے کُچھ حالات باضابطہ طور پر کتابی صُورت میں ظہور پذیر ہُوئے۔

بالآخر قبلہ بابُوجی نے متوسّلین کی گزارشاتِ پیہم اَور ضرُورتِ وقت کے خیال سے مجھے اِرشاد فرمایا کہ گو حضرت قبلۂ عالمؒ کا اِرشادِ گرامی اَب بھی میرے پیشِ نظر ہے، مگر بعض لوگوں کی افراط و تفریط کے مدِّ نظر مُناسب یہی معلوم ہوتا ہے

کہ حضرتؒ کی سوانح حیات تحریر کی جائے، لیکن کوشش اِس امر کی ہو کہ حالات مُستند ہونے کے ساتھ ساتھ یہ آپ کے مسلک اَور تعلیمات کے بیان، آپ کی تصانیف، مکتُوبات، ملفُوظات اَور فتاویٰ وغیرہ پر مبنی ہو۔ غیر ضروری حالات و کرامات کے ذِکر سے حتی الوسع اِجتناب کیا جائے، کیونکہ حضرتؒ کی شان محتاج بیان نہیں اور نہ اظہارِ کمال میرے مشائخ کرام کا مسلک ہے۔

پہلے تو اِس عظیم ذمہ داری کی برداشت سے خُود کو عاجز پاکر مجھے خیال پیدا ہُوا کہ معذرت کر دُوں مگر بحمداللہ تعالیٰ کی تائید اَور حضراتِ مشائخ کرام علیہم الرضوان کی نظر کرم پر تکیہ کرتے ہُوئے، خُدا کا نام لے کر سلسلۂ تالیف شرُوع کر دیا۔ بہرحال یہ ذرّہ نوازی حضرت قبلۂ عالم کی محض اُس نگہ کرم کا صدقہ ہے، جو اِس ہیچمدان کو آنجنابؒ کے وصال سے فقط تین چار روز قبل حاضری کے وقت نصیب ہُوئی۔ ورنہ من آنم کہ من دانم۔ کہاں حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کی سوانح مُبارکہ کی ترتیب و تدوین اَور کہاں یہ ظلُوم وجہُول بے بضاعت۔ ع "چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک!"

اِس کتاب کی تالیف میں مذکُورہ بالا مسوّدات کے علاوہ حضرت قبلۂ عالم کی تصانیف، مکتُوبات، ملفُوظات اَور بعض قلمی تحریروں کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہے۔ ساتھ ہی آنجنابؒ کے صحبت یافتہ اَور دیرینہ متوسّلین سے بالمشافہ اَور بذریعہ خط وکتابت بھی معلُومات حاصل کی گئی ہیں۔ حضرتؒ کے مشائخ کرام و آباؤ اجداد کے حالات اَور بعض ضمنی مباحث کے سِلسلہ میں متعدد معتبر کتابوں سے بھی مدد لی گئی ہے، جن کا ذِکر اپنے اپنے موقع پر کر دیا گیا ہے۔

اکثر امُور میں حضرت قبلہ بابُوجی مدظلہٗ سے رہنمائی حاصل کر کے حضرت قبلۂ عالمؒ کی تعلیمات اَور مسلک کی تشریح کی گئی ہے۔ اِس لیے اِن مقامات پر جناب بابُوجی کا ذِکر بھی ناگزیر ہو گیا ہے۔

حضرت قبلۂ عالمؒ کی کرامات، اولاد امجاد، متوسّلین و معاصرین کا ذکر فقط اُس حد تک کیا گیا ہے، جو اِس سوانح کی تکمیل کے لیے ضروری تھا ورنہ "تفصیل را دفترے دیگر باید"۔ بعض اہم مسائل میں علمائے ہم مسلک کے ساتھ بھی تبادلۂ خیالات کر لیا گیا ہے اَور اللہ تعالیٰ کا شُکر ہے کہ آج کئی برسوں کی پیہم اَور عاجزانہ مساعی کا ثمرہ کتاب "مہرِ مُنیر" کی صُورت میں پیش خدمت ہے۔ ع گر قبول اُفتد زہے عزّ و شرف۔

یہ کتاب گیارہ ابواب پر مشتمل ہے:۔

بابِ اوّل میں خاندان و آبائے کرام کا ذکر ہے۔

بابِ دوم میں زمانۂ طفُولیّت اَور کسبِ علم کے حالات ہیں۔

بابِ سوم زمانۂ درس و تدریس سے تعلق رکھتا ہے۔

بابِ چہارم جذب و سیاحت کے حالات پر مبنی ہے۔

بابِ پنجم میں مسندِ ارشاد کے کوائف ہیں۔

بابِ ششم حضرتؒ کے وصال، اَولاد و متوسّلین کے اذکار پر مشتمل ہے۔

بابِ ہفتم حضرتؒ کے معاصرین کے ذِکر میں ہے۔

بابِ ہشتم میں آنجنابؒ کے بعض مناظرات و مذاکرات ہیں۔

بابِ نہم میں آپؒ کے اِرشادات یعنی ملفُوظات، مکتُوبات و کلامِ منظوم مندرج ہیں۔

باب دہم تصانیف اور بعض فتاویٰ سے متعلق ہے۔
باب یازدہم بعض کرامات کے ذکر میں ہے۔
مضامین کی فہرست کتاب کے آغاز میں دے دی گئی ہے۔

خاتمۂ کلام پر میں جناب ملک محمد خدا بخش ٹوانہ، ریٹائرڈ سپرنٹنڈنٹ پولیس، اپنے برادرِ عزیز مولوی مشتاق احمد فاضل جامعہ غوثیہ گولڑہ شریف وایم۔اے جامعۂ اسلامیہ بہاولپور اور خان محمد اقبال خان مرحوم ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جنہوں نے اس تالیف و تدوین میں بے حد محنت و انہماک سے میرا ہاتھ بٹایا۔ افسوس کہ موخر الذکر اس کتاب کی اشاعت سے پہلے ہی اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے اور آستانۂ عالیہ میں مدفون ہوئے۔ اُن کی وفات کے بعد اُن کے دونوں بھائیوں محمد حیات خان اور محمد فاضل خان نے اُسی جذبہ اور اخلاص سے کتاب کی طباعت و تکمیل میں نمایاں حصّہ لیا۔ اللہ تعالیٰ اپنے اُن مقبول بندوں کے طفیل جن کے ذکرِ خیر پر یہ کتاب مشتمل ہے، اس بندۂ پُر تقصیر اور اس کارِ خیر میں حصّہ لینے والے تمام حضرات کی مساعیٔ جمیلہ کو قبول فرما کر فوز و فلاح دارین اور جملہ قارئین کرام کے لیے سعادتِ دارین کا موجب بنائیں آمین ثم آمین آمین ثم آمین

نیاز مند بارگاہِ مہریہ **فیض احمد فیض عُفیَ عنہُ**
آستانۂ عالیہ غوثیہ گولڑا شریف ضلع راولپنڈی

تاریخ تالیف { ۲۹ صفر المظفر ۱۳۸۹ھ
مطابق ۱۷ مئی ۱۹۶۹ء

قطعۂ تاریخ طباعت "مہرِ منیر"

مطبوع گشت تذکرۂ عارف اللہ ۔۔۔ عالی جناب مہر علیؒ شاہ پادشاہ
در سنِ طبعش آمدہ از غیب ایں ندا ۔۔۔ "مہرِ منیر" آمدہ اندر ظہور واہ

فیض ۱۹۷۳ء

پیش لفظ طبع سوم

"مہرِ منیر" کی طباعت کے تھوڑے ہی عرصہ بعد آستانۂ عالیہ کے ملنے والوں کو بالخصوص اور اہالیانِ پاکستان و ممالکِ اسلام کو بالعموم ایک سانحۂ عظیم سے دوچار ہونا پڑا یعنی سیدنا پیر مہر علی شاہ صاحبؒ کے فرزند جلیل حضرت سید غلام محی الدین شاہ صاحبؒ المعروف بہ بابُوجی قریباً چھ ماہ علیل رہنے کے بعد ۲ جمادی الثانی ۱۳۹۴ھ مطابق ۲۲ جون ۱۹۷۴ء بوقت ۱۱ بجے شب اپنے لاکھوں ملنے والوں کو سوگوار چھوڑ کر مالکِ حقیقی سے جا ملے۔ اور اس طرح ہماری آنکھیں سلسلہ کاملین و صالحین کے اس نہایت ہی درخشندہ ستارے کی زیارت سے محروم ہوگئیں۔ حضرت بابُوجیؒ کے اوصافِ حمیدہ یا اُن کے حالاتِ زندگی کو یہاں پر بیان کرنا ممکن نہیں صرف آپ کی حیاتِ طیبہ کے آخری ایام اور وصال کے مختصر حالات اس کتاب کے آخر میں دیئے جا رہے ہیں۔ آپ کی مفارقت ہمارے دلوں پر ایک کبھی نہ مٹنے والا داغ چھوڑ گئی ہے۔ آپ کے تشریف لے جانے سے آپ کے ملنے والوں کی حالتِ قلبی کو مولانا نعمت اللہ صاحب الہ آبادی کا ایک مصرعہ جو اُنہوں نے حضرت اعلیٰؒ کے وصال پر کہا تھا خوب بیان کرتا ہے
ع وُہ تو زندہ ہی رہے نعمت مگر ہم مر گئے۔ اللہ تعالیٰ اُن کی میٹھی اور دلنشین یاد کو ہمیشہ زندہ رکھے اور ہمیں اُن کے اوصافِ حسنہ کی پیروی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

فیض احمد فیض عُفیَ عنہُ
۲۹ صفر المظفر ۱۳۹۶ھ مطابق یکم مارچ ۱۹۷۶ء

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ

آٹھویں فصل
حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ اور حکومتِ برطانیہ

نویں فصل
حضرت دیوان صاحب پاکپتن شریف کی عقیدت

دسویں فصل
والیانِ مُلک اور رؤسائے عظام کا آپؒ سے توسّل

گیارھویں فصل
آزمائش کی چند گھڑیاں

بارھویں فصل
حضرتؒ کے بعض ہنگامی اور مقررہ سفر

مضمون	صفحہ

باب ہفتم
معاصرین کرام

باب ہشتم
بعض مذاکرات و مناظرات

دوسری فصل

ملفوظاتِ طیبات

تیسری فصل

کلامِ منظوم

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
چھٹی فصل		شریعت کا غیر متزلزل ضابطہ	۵۷۳
"تصفیہ مابین سُنّی و شیعہ"		قضاوقدر کا نادر شاہکار مردِ حق	۵۷۴
تقریبِ تالیف	۵۵۴	جمالِ ظاہری کی کرامتِ اوّلین	۵۷۵
اثباتِ خلافتِ راشدہ بہ آیاتِ قرآنیہ	۵۵۵	اِس کرامت پر جان کی قسم کھانے والے	۵۷۵
بعض مطاعن اور ان کا جواب ــ مسئلہ قرطاس	۵۵۹	علومِ لدنیہ کی کرامتِ عظیمہ	۵۷۷
حدیثِ خُمِ غدیر	۵۶۰	شرفِ نسب کی سرمدی کرامت	۵۷۷
قضیۂ باغِ فدک	۵۶۰	صلۂ اُمّت کی بشارت	۵۷۷
آیۂ مباہلہ کی تشریح اور تفسیر	۵۶۱	قادیانیت کا مقابلہ	۵۷۸
آیتِ تطہیر	۵۶۲	گاندھی ازم کا سدِّ باب	۵۷۸
آیتِ مودّت	۵۶۳	اِستقرارِ پاکستان میں حضرتؒ کے افادات اور برکات کا حصّہ	۵۷۹
حدیثِ ثقلین	۵۶۳	پاکستان کے لیے دُعا	۵۷۹
حدیث اَنَا مَدِیْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا	۵۶۳	پاکستان کی پیش گوئی	۵۷۹
لفظِ "مولیٰ" کی تشریح	۵۶۴	۱۹۶۵ء میں جنگِ ہندوستان کے متعلق خواب میں قبل از وقت فتحِ پاکستان کی بشارت	۵۷۹
ایک ضروری تنبیہ	۵۶۵	حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زمانے کے ولی سے خدمت لے کر اُمت کی کارسازی فرماتے ہیں	۵۸۰
ساتویں فصل		مہرِ عالم کے جلووں کا عکس	۵۸۰
"فتاویٰ مہریہ"		اس ولایتِ کبریٰ کی وسعت	۵۸۰
طلاقِ ثلاثہ کے متعلق حضرتؒ کا ایک فتوے	۵۶۶	حضرت سیّد لعل شاہ صاحبؒ کے مکاشفات	۵۸۱
اُردو میں فتویٰ کا مختصر مطلب	۵۶۸	حضرت سیّد عباس علیشاہ صاحب بخاری ساندہ خورد کا خواب	۵۸۱
فتویٰ متعلقہ نماز جمعہ	۵۶۹	انقلابِ افغانستان میں شہرِ کابل کی نگہداشت	۵۸۲
بنی ہاشم پر حُرمتِ صدقاتِ فرضیہ کے متعلق فتوے	۵۶۹	مُلّا صاحب ہڈہ کی غزا میں نظر آنا	۵۸۲
باب یازدہم		حلِّ مشکلات کے لیے مدینہ منورہ سے ایک تار	۵۸۲
کرامات		ایران میں اونگھتے ہوئے مرید کو اشارہ کر کے لاری کے حادثہ سے بچا لیا	۵۸۳
کرامت کی تعریف	۵۷۳	مرید کو اشارہ کر کے ڈوبنے والے جہاز سے اُتروالیا	۵۸۳
کرامتِ حسیہ	۵۷۳		
کرامتِ معنویہ	۵۷۳		

فہرست تصاویر

بابِ اوّل

خاندان و آبائے کرام

پہلی فصل

خاندان

شجرۂ نسب

تیری نسلِ پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا تو ہے عینِ نور، تیرا سب گھرانہ نور کا

حضرت قبلۂ عالم پیر سید مہر علی شاہ جیلانی، رزاقی، قادری چشتی (نظامی و صابری)، حنفی قدس سرّہٗ کے نسب پاک کا سلسلہ پچیس[۲۵] واسطوں سے حضرت غوث الاعظم[رض] اور چھتیس[۳۶] واسطوں سے حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا ملتا ہے۔ اس کی تفصیل بحوالہ "مخازن القب" مصنفہ میر عبد الحق ابن میر سیف الدین قادری خاندانی شجرہ جاتِ قلمیہ درج ذیل ہے:-

سید مہر علی شاہ[۱] ابن سید نذر دین شاہ[۲] ابن سید غلام شاہ[۳] ابن سید روشن دین شاہ[۴] ابن سید عبد الرحمن[۵] نوری ابن سید عنایت اللہ[۶] ابن سید غیاث علی[۷] ابن سید فتح اللہ[۸] ابن سید اسد اللہ[۹] ابن سید فخر الدین[۱۰] ابن سید احسان[۱۱] ابن سید درگاہی[۱۲] ابن سید جمال علی[۱۳] ابن سید محمد جمال ابن سید ابی محمد[۱۵] ابن سید میراں محمد کلاں[۱۶] ابن سید میراں شاہ قادر قمیص[۱۷] ساڈھوروی ابن سید ابی الحیات[۱۸] ابن سید تاج الدین[۱۹] ابن سید بہاؤ الدین[۲۰] ابن سید جلال الدین[۲۱] ابن سید داؤد[۲۲] ابن سید علی[۲۳] ابن سید ابی صالح نصر[۲۴] ابن سید تاج الدین[۲۵] ابوبکر عبد الرزاق ابن سیدنا غوث الاعظم میراں محی الدین ابی محمد عبد القادر جیلانی[۲۶] ابن سید ابو صالح[۲۷] ابن سید عبد اللہ جیلی[۲۸] ابن سید یحییٰ زاہد[۲۹] ابن سید شمس الدین زکریا[۳۰] ابن سید ابوبکر داؤد[۳۱] ابن سید موسیٰ ثانی[۳۲] ابن سید عبد اللہ صالح[۳۳] ابن سید موسیٰ الجون[۳۴] ابن سید عبد اللہ[۳۵] محض ابن سید حسن مثنیٰ[۳۶] ابن سیدنا امام حسن المجتبیٰ[۳۷] ابن سیدنا علی[۳۸] کرم اللہ وجہہ الکریم (رضی اللہ عنہم اجمعین)

حضرت قبلۂ عالم کی والدۂ ماجدہ بھی اسی خاندانِ پاک گیلانیہ رزاقیہ میں سے تھیں، جن کا شجرہ شریف مندرجہ ذیل ہے:-

حضرت معصومہ موصوفہ[۱] بنت پیر سید بہادر شاہ[۲] ابن سید شیر شاہ[۳] ابن سید چراغ شاہ[۴] ابن سید امیر شاہ[۵] ابن سید عبد اللہ شاہ[۶] ابن سید مبارک شاہ[۷] ابن سید حسین شاہ[۸] ابن سید امیر شاہ[۹] ابن سید محمد مقیم شاہ[۱۰] ابن سید عبد المعالی[۱۱] ابن سید نور شاہ[۱۲] ابن حضرت سید لعل بہاؤ الدین[۱۳] المعروف بہاول شیر قادری سکنہ حجرہ شاہ مقیم ضلع ساہی وال ابن سید محمود[۱۴] ابن سید علاؤ الدین[۱۵] ابن سید مسیح الدین[۱۶] ابن سید صدر الدین[۱۷] ابن سید ظہیر الدین[۱۸] ابن سید شمس العارفین قادری[۱۹] ابن سید مؤمن[۲۰] ابن سید مشتاق[۲۱] ابن سید علی[۲۲] ابن سید ابی صالح نصر[۲۳] ابن سید تاج الدین[۲۴] ابوبکر عبد الرزاق ابن سیدنا غوث الاعظم[۲۵] محی الدین ابی محمد عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

آنجناب کا رشتۂ ازدواج بھی اسی خاندانِ عالیہ میں یعنی آپ کی والدۂ ماجدہ کے عم زاد بھائی سید پیر چراغ علی شاہ کی صاحبزادی سے ہوا۔ یہ خاندان حجرہ شاہ مقیم سے نقل مکانی کر کے حسن ابدال ضلع کیمبل پور میں آباد ہو چکا تھا۔

حسنینِ پاک اور اُن کی ذُرّیت فرزندانِ رسولؐ ہیں

آنحضرتؐ سے قُرب و قرابت کا جو شرف اہلِ بیتِ کرام میں سے حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا، سرکارِ ولایت سیّدنا علی اور حسنین شریفین علیہم السلام کو ہے، اس میں کوئی بھی اُن کی برابری نہیں کر سکتا۔ اس کے لیے آیۂ مبارکہ:-

فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ (آلِ عمران، آیت ۶۱)

تو کہہ دے "آؤ، ہم اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنی جانیں اور تمہاری جانیں بُلائیں۔

اور اِس پر آں حضورؐ کا حسنینؓ پاک کو بطور اپنے بیٹوں کے ہمراہ لینے کا عمل ہی کافی ثبوت ہیں۔ چنانچہ علامہ سُلیمان حنفی نے "ینابیع المودۃ" میں علامہ زرقانی المالکی نے "شرح مواہب اللدنیہ" میں، علامہ سمہودی الشافعیؒ نے جواہر العقدین" میں اور شیخ عبدالحق محدّث حنفی دہلوی نے "مدارج النبوۃ" میں اس مسئلہ کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ فرزندانِ رسولؐ کہلانے کا شرف صرف حسنینؓ پاک اور اُن کی ذُرّیت کو حاصل ہے۔

علامۂ زمان شیخ محمد ابنِ علی صبان مصری اپنی کتاب "اسعافُ الرّاغبین فی سیرۃ المصطفٰے و اہلِ بیتہِ الطّاہرین" میں فرماتے ہیں:-

"اور اہلِ بیتؑ کے فضائل میں سے ہے کہ جناب فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد آنحضورؐ کی اولاد و فرزند کہلاتے ہیں اور آنجنابؐ کے ساتھ صحیح نسبت سے منسوب ہیں۔ امام غزالیؒ نے آں حضورؐ کی حدیث نقل کی ہے کہ آں حضورؐ نے فرمایا، "اللہ تعالیٰ نے ہر نبیؑ کی ذُرّیت کو اُس کی اپنی پُشت میں رکھا، مگر میری ذُرّیت علیؓ بن ابی طالب کی پُشت میں رکھی"۔ طبرانی وغیرہ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: "ہر ماں کی اولاد اپنے آبائی خاندان کی طرف منسوب ہوتی ہے بجز اولادِ فاطمہؓ کے جن کا ولی اور عصبہ میں ہُوں"۔ ایک اور صحیح روایت میں ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: "ہر عورت کی اولاد کا عصبہ اُن کے باپ کی طرف سے ہوتا ہے ماسوائے اولادِ فاطمہؓ کے، کیونکہ اُن کا باپ اور عصبہ میں ہُوں"۔ یہ خصوصیت صرف اولادِ فاطمہؓ کے لیے ہے۔ آں حضورؐ کی دُوسری صاحبزادیوں کی اولاد اس میں شریک نہیں۔ اُن کے لیے حضورؐ کو باپ نہیں کہا جائے گا۔ البتہ آپؐ کی ذُرّیت و نسل کہہ سکتے ہیں۔"

حضرت قبلۂ عالمؒ کی اپنے نسب کے متعلق اپنی ایک تحریر آپ کے قلمی شجرۂ نسب میں سے نقل کی جاتی ہے، کیونکہ بعض لوگ مشاہیر سادات کے متعلق اعتراض کرتے ہیں کہ اُنہوں نے اپنے سیّد ہونے کے متعلق خود دعویٰ کیوں نہیں فرمایا۔ اسی لیے جناب غوث الاعظمؓ نے قصیدۂ غوثیہ میں فرمایا ہے:-

اَنَا الْحَسَنِیُّ وَالْمَخْدَعُ[۱] مَقَامِیْ ‏ وَاَقْدَامِیْ عَلٰی عُنُقِ الرِّجَالِ

(میں سیّدِ حسنی ہُوں اور میرا مقام عالمِ باطن میں "مخدع" ہے۔ اور میرا قدم مردانِ خُدا کی گردنوں پر ہے)

ایک اور قصیدہ میں فرماتے ہیں:-

---

[۱] "مَخْدَع" عالمِ سِرّ اور غیبُ الغیب میں ایک بہت ہی بلند مقام ہے۔ جہاں نہایت ہی بلند پرواز و اکمل ترین اولیاء کرام کو رسائی حاصل ہوتی ہے۔ اور اس کی حقیقت سے بے خبری کے باعث بہت سے اولیاء کرام اس مقام والی شخصیت کے متعلق دھوکا کھا گئے جیسے حضرت غوث الاعظمؓ کے وقت میں ایک ہم عصر بزرگ شیخ عبدالرحمٰن طفسونجیؒ کا واقعہ "نفحات الانس" میں تحریر ہے۔

وَمَنْ فِي رِجَالِ اللّٰهِ نَالَ مَكَانَتِي وَجَدِّي رَسُوْلُ اللّٰهِ فِي الْاَصْلِ رَبَّانِي

(اور مردانِ خدا میں کون ہے جس نے میرا مرتبہ پایا؟ کیونکہ میری تربیت میرے جدِ امجد رسول اللہ نے خود فرمائی ہے)

وَوَالِدَتِي الزَّهْرَاءُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ اَبُوْهَا رَسُوْلُ الْخَلْقِ عَزَّ بِهِمْ شَانِي

(اور میری والدہ جناب زہرا بنت محمد علیہ السلام ہیں جن کے والد تمام خلق کے رسول ہیں اور اُن کی وجہ سے میری شان عزیز ہے)

حضرت قبلہ عالمؒ کی تحریر اپنے نسب کے متعلق مع سند بغداد شریف

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ فَيَقُوْلُ الْعَبْدُ الْمُعْتَصِمُ بِحَبْلِ اللّٰهِ الْمَعْرُوْفُ بِمِهْرِ عَلِي شَاه عَفٰى عَنْهُ رَبُّهٗ اِنَّ مَا بِهٖ يَنَالُ نَوْعُ الْاِنْسَانِ الشَّرَفَ وَالْعُلٰى وَالْعُرْوَةَ الْوُثْقٰى عِنْدَ رَبِّهِ الْاَعْلٰى كَلِمَةُ التَّقْوٰى بِشَهَادَةِ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى وَبِدَلَالَةِ:۔

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاكُمْ۔ وَاِنَّ الْمَنَاطَ لِهٰذَا الْمَقْصَدِ الْاَعْلٰى حُصُوْلُ الْاِنْتِسَابِ وَالْاِرْتِبَاطِ بِمَنْ قَامَ مَقَامَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى۔ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ مِنَ اللّٰهِ الْاَعْلٰى وَمِمَّنْ سِوَاهُ۔

اِمَّا عَلٰى وَجْهِ الْكَمَالِ اَعْنِي حَسَبًا وَنَسَبًا اَوْ لَا اَعْنِي حَسَبًا فَقَطْ، بِمُقْتَضٰى اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا۔ وَبِفَحْوَاءِ: يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ۔ وَبِمَنْطُوْقِ: مَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّيْ اَحَبَّهُمْ وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِيْ اَبْغَضَهُمْ۔ وَبِمَدْلُوْلِ: اَهْلُ بَيْتِيْ كَسَفِيْنَةِ نُوْحٍ مَنْ رَكِبَهَا نَجٰى۔

وَمَا زِلْتُ اَتَرَدَّدُ فِي سِيَادَةِ اَهْلِ هٰذِهِ الدَّارِ اَعْنِي دَارَ الْهِنْدِ حَتّٰى فِي شَانِي نَظْرًا اِلٰى حَسَبِيْ وَاِنْ كَانَ الْكُتُبُ الْمُعْتَبَرَةُ فِي هٰذَا الْفَنِّ فِي هٰذِهِ النَّاحِيَةِ مَوْجُوْدَةً عِنْدَ جَدِّيْ وَمُرْشِدِيْ فِي الطَّرِيْقَةِ الْقَادِرِيَّةِ سَيِّدِ السَّادَاتِ پِيْرِ فَضْلِ دِيْنٍ قُدِّسَ سِرُّهٗ وَقَدْ كَانَ يُقَرِّرُ بِشَفْقَتِهِ الْعَمِيْمَةِ الْجِبِلِّيَّةِ الْجَلِيَّةِ فِي هٰذَا الْاَمْرِ حَتّٰى اَعْرَفَنِيْ عِنْدَ سُدَّةِ الظَّنِّ وَاَرَانِيْ مَنَصَّةَ الْيَقِيْنِ بِرِوَايَتِهٖ عَنْ سَيِّدِيْ وَشَيْخِي الْمُتَمَسِّكِ بِشَرِيْعَةِ الْمُصْطَفٰى حَضْرَتْ مِسْكِيْن شَاه رَحِمَهُ اللّٰهُ اَنَّ عَمِّيْ شَيْخَ الْمَشَائِخِ حَضْرَتْ پِيْرِ رَوْشَنْ دِيْن وَوَالِدِيْ سَيِّدَ السَّادَاتِ سَيِّدْ رَسُوْل قَدْ حَصَلَ لَهُمَا السَّنَدُ فِي بَغْدَادِ الْمُنِيْفِ عَنْ صَاحِبِ السَّجَّادَةِ السَّيِّدِ حَبِيْب مُصْطَفٰى ابْنِ السَّيِّدِ قَاسِمِ الْقَادِرِيِّ فِي الْاِنْتِسَابِ اِلٰى غَوْثِ الثَّقَلَيْنِ قُدِّسَ سِرُّهٗ۔

ترجمہ: سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو سب جہانوں کا پالنے والا ہے اور صلوٰۃ وسلام جناب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی جملہ آل رضی اللہ عنہم واصحاب رضی اللہ عنہم پر۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے سلسلہ کو پکڑنے والا بندہ المعروف بہ مہر علی شاہ اللہ تعالیٰ اُسے معاف فرمائے، عرض گزار ہے کہ نوعِ انسانی میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو چیز شرف کا باعث اور عروۂ وُثقیٰ ہو سکتی ہے وُہ کلمۃ التقویٰ یعنی پرہیزگاری ہے۔ اس کی شہادت اللہ کا فرمان وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ (یعنی جو شخص اپنے پروردگار کے حضور میں جواب دہی سے ڈرا اور اپنے نفس کو حرص وہوا سے بچاتا رہا اُس کا ٹھکانا جنّت ہے) دے رہا ہے اور اِس پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (یعنی بے شک تم میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا وُہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے) دلالت کر رہا ہے۔

اور بلاشبہ اِس مقصدِ عظیم کا دارومدار اُس ذات صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نسبت اور تعلق کا حصول ہے جو مقامِ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی کا صاحب ہے۔ اُن صلی اللہ علیہ وسلم پر اور اُن کی آل رضی اللہ عنہم پاک پر اللہ تعالیٰ کا دُرود وسلام ہو۔

یہ نسبت اور تعلق خواہ کامل ہو یعنی حسب ونسب دونوں لحاظ سے ہو یا فقط حسب کے لحاظ سے آیۂ تطہیر:

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا۔ (الاحزاب: ۳۳)

اے اہلِ بیتِ نبی! اللہ چاہتا ہے کہ تم سے ناپاکی کو دُور فرمادے اور جیسا کہ پاکیزگی کا حق ہے تمہیں پاکیزہ بنا دے

اور فرمانِ الٰہی:

یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ۔ (الاحزاب: ۳۲)

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بی بیو! تم عام عورتوں کی مانند نہیں ہو۔

اور احادیثِ پاک:

مَنْ اَحَبَّھُمْ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّھُمْ وَمَنْ اَبْغَضَھُمْ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَھُمْ۔

جس نے اُن رضی اللہ عنہم کے ساتھ یعنی میرے اہلِ بیت رضی اللہ عنہم کے ساتھ محبّت رکھی میری ہی محبت کے باعث رکھی اور جس نے اُن رضی اللہ عنہم کے ساتھ بُغض رکھا، میرے ہی ساتھ بُغض کی وجہ سے رکھا۔

اَھْلُ بَیْتِیْ کَسَفِیْنَۃِ نُوْحٍ مَنْ رَکِبَھَا نَجٰی۔

میرے اہلِ بیت رضی اللہ عنہم کشتیٔ نُوح علیہ السلام کی مانند ہیں۔ جو اس میں سوار ہُوا، نجات پاگیا۔

اِس کو ثابت کر رہے ہیں۔

مَیں اس مُلک یعنی ہندوستان کے سادات کی سیادت کے مُعاملے میں ہمیشہ مُتردّد رہتا تھا۔ حتّٰی کہ مجھے اپنے حسب[۱] یعنی کمالاتِ کسبیہ کے پیشِ نظر اپنے متعلق بھی ایسے ہی خیالات آتے رہتے تھے۔ حالانکہ علمِ نسب کی وُہ تمام کُتب جو اس نواح میں مُعتبر شمار کی جاتی ہیں، میرے جدِّ بزرگوار اور مُرشد طریقہ قادریہ سیّد السادات پیر فضل دین قُدّس سرّہٗ کے پاس بطور سند موجود تھیں۔ اور آنجناب اپنی شفقتِ عمیمہ، فطری، جبلّی کے باعث

---

[۱] یہ طریق تحریر بہ انداز کسرِ نفسی ہے۔

مجھے اِس ضمن میں مطمئن کرنے کی کوشش فرمایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اُنہوں نے سیّدی وشیخی، پابندِ شریعتِ مُصطفوی، حضرت مسکین شاہ سے یہ روایت بیان فرما کر مجھے ظنِ غالب اور حدِ یقین تک پہنچا دیا تھا کہ آنجناب کے عمِ بزرگ شیخ الشیوخ حضرت پیر سیّد روشن دین اور آنجناب کے والدِ بزرگوار سیّد السّادات حضرت پیر سیّد رسُول شاہ کو بغداد شریف میں حضرت سیّد حبیب مصطفیٰ ابن سیّد قاسم قادری سجادہ نشین بارگاہ غوثیہ نے اس امر کی سند عطا فرمائی تھی کہ ان کا نسبی تعلق حضرت سیّدنا غوث الاعظم قدس سرّہٗ کی ذاتِ گرامی سے صحیح اور درست ہے"۔

اِس تمہید کے بعد حضرت قبلۂ عالمؒ نے اُس طویل سند کی نقل درج فرمائی ہے جو آپ کے اصل شجرۂ نسب کے ساتھ دربار گولڑہ شریف میں محفوظ ہے۔ اِس سند کا سنِ تحریر ۱۲۱۱ھ ہے اور اس میں جناب سجادہ نشین صاحب بغداد شریف تحریر فرماتے ہیں کہ :-

"یہ دونوں حضرات پیر سیّد روشن دین صاحب اور پیر سیّد رسُول شاہ صاحب حسَب ونسب کے لحاظ سے حضرت سیّدنا شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد ہیں اور فیض وبرکت میں آنجنابؓ کے صحیح وارث ہیں اور میرے لیے بمنزلہ اپنی اولاد کے ہیں سلسلۂ عالیہ قادریہ کے متوسلین کو چاہیئے کہ اِن کے ہاتھ کو میرا ہاتھ اور ان کی زبان کو میری زبان سمجھیں"۔

حضرت قبلۂ عالمؒ کی مندرجہ بالا تحریر سے اُمورِ ذیل واضح ہوتے ہیں :-

اوّل یہ کہ انسان کے شرف، بزرگی اور عزت کا دار و مدار تقویٰ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ صحیح اور قوی تعلق پر ہے۔

دوم یہ کہ تقویٰ و تعلق باللہ کا حصُول جناب سرورِ کائناتؐ کی ذاتِ والاصفات کے ساتھ وابستگی اور آنجنابؐ کی پیروی پر ہے۔

سوم یہ کہ جناب سرکارِ کونینؐ کے ساتھ نسبت اور تعلق شرعی لحاظ سے صرف دو صُورتوں میں معتبر شمار کیا جاتا ہے۔

پہلی صُورت کامل ترین تعلق کی ہے، جو حسَب ونسَب ہر دو لحاظ سے ہو۔ (حسَب ذاتی کمالاتِ کسبیہ اور نسب باپ کی طرف سے جدّی خُونی تعلق کو کہتے ہیں)

دُوسری صُورت فقط حسَب یعنی کمالات کسبیہ کے لحاظ کی ہے۔

اِس ضمن میں ایک تیسری صُورت بھی ہے یعنی محض نسب کے لحاظ سے۔ جو حسب یعنی دولتِ ایمان اور اعمالِ صالحہ سے، حضرت نوحؑ کے بیٹے کی طرح مُعرّا ہے شرعی طور پر اس تیسری قسم کے تعلق کی کوئی اہمیت نہیں ہے، اس لیے حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہ العزیز نے اِس کا ذکر بھی نہیں فرمایا۔ ویسے یہ صُورت جیسے کہ آئندہ اوراق میں واضح کیا جائے گا، آں حضورؒ کی اولادِ کرام میں متصوّر بھی نہیں اور خارج از بحث ہے۔

گویا تمام تر بزرگی و کمال کا انحصار محض تقویٰ و پرہیزگاری پر ہے۔ اور تقویٰ و پرہیزگاری اُسی قدر زیادہ ہوگی، جتنا آنحضورؐ سے تعلق قوی ہوگا۔ اور آں حضورؐ کا تعلق جیسے کہ اُوپر ذکر آچکا ہے حسبی و نسبی دونوں لحاظ سے اہلِ بیت کرام کو ہی حاصل ہے اور فقط حسبی لحاظ سے کامل طور پر حضراتِ صحابہ کرام کو حاصل ہے جس کے اعلیٰ ترین مظہر حضرات خُلفائے ثلاثہ علیہم الرّضوان ہیں۔

پہلی قسم کے اوّلین مصداق سیّدنا علیؓ، حسنین شریفینؓ اور جناب فاطمہؓ ہیں۔ ان کی اولاد سے ہر دور میں اس قدر عُلماء و عُرفاء پیدا ہوتے رہے ہیں کہ اُن کے اسمائے گرامی کی فہرست تیار کرنا ممکن نہیں۔ بہرحال علم و فضل، جُود و سخا، شجاعت و جلادت، شریعت و طریقت یعنی جُملہ فضائل و کمالات میں ان کی اولاد ہمیشہ سرآمدِ روزگار رہی اور بفضلہ تعالےٰ رہے گی۔ اور اسی شجرۂ شریفہ کی آخری شاخ سیّد السّادات حضرت امام مہدیؑ ہوں گے۔ اہلِ بیتِ کرام کے انسابِ پاک اور فضائل پر معالم العترۃ النّبویۃ"

اور "کتاب الانساب" از علّامہ سمعانی اور دیگر علمائے اہلِ سُنّت کی تصانیف موجود ہیں۔ حضرت شیخ عبدالحقؒ محدث دہلوی مقدمہ "اخبار الاخیار" میں فرماتے ہیں ؎

ظاہر از اہلِ بیتؑ نورِ نبیؐ ہمچو در ماہ نورِ خورشید است

از ازل تا ابد بود ظاہر زانکہ ایں نور، نورِ جاوید است

یعنی اہلِ بیتِ کرام سے آں حضورؐ کا نور یوں ظاہر ہو رہا ہے جیسے سورج کا نور چاند سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور یہ نور تا ابد اسی طرح ظاہر ہوتا رہے گا، کیونکہ یہ ابدی اور سرمدی ہے۔

دوسری قسم یعنی صحابہ کرام خصوصاً خلفائے ثلاثہ علیہم الرضوان کی اولاد کے متعلق کتبِ سِیَر، اسماء الرجال و انساب کے مطالعہ سے اظہر من الشمس ہے کہ اہلِ بیتِ کرام کے بعد جس قدر اربابِ کمال اِن کی اولاد سے ہوئے ہیں، دوسرے خاندانوں میں اُن کا عشرِ عشیر بھی نہیں پایا جاتا۔ مثلاً مشتے نمونہ از خروارے، حضرت صدیقِ اکبرؓ کی اولاد سے تابعین میں حضرتِ قاسمؓ اپنے وقت کی ایک نہایت ہی ممتاز شخصیت تھے، جنہیں امام بخاریؒ نے اپنے زمانے کے فاضل ترین حضرات میں شمار کیا ہے۔ قرونِ وسطیٰ میں حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردیؒ اور حضرت مولینا جلال الدین رومیؒ اور متاخرین میں مجددِ طریقت حضرت کلیم اللہ جہان آبادیؒ، حضرت خواجہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ، حضرت شیخ عبداللہ شطاریؒ سرِ سلسلۂ شطاریہ بہت بڑے بزرگان میں سے ہوئے ہیں۔

حضرت فاروقِ اعظمؓ کی اولاد سے قرونِ اولیٰ میں حضرت سلطان ابراہیم ادھم بلخیؒ متعدد سلسلوں کے پیشوا تھے۔ اور قرونِ وسطیٰ میں اور متاخرین میں حضرت شیخ کبیر فریدالدین مسعود گنج شکرؒ، حضرت صوفی حمیدالدین ناگوریؒ، حضرت شیخ نجم الدین کبریٰؒ، حضرت خواجہ نصیرالدین محمود چراغ دہلوی، قطب العالم حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ، امامِ ربانی حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی، حضرت شیخ سلیم چشتیؒ اور ہندوستان کا مشہورِ عالم خاندانِ ولی اللّٰہیؒ اور علمائے خیر آبادیؒ ہوئے ہیں۔

حضرتِ عثمان غنیؓ کی اولاد سے پانی پت میں مشہورِ زمانہ ولی حضرت شیخ جلال الدینؒ کبیرُ الاولیا اور مشہور محقق جناب قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ گزرے ہیں۔ مزید تفصیل کے لیے "نفحات الانس" مولینا جامیؒ، "اخبار الاخیار" شیخ عبدالحق محدثؒ دہلوی، "طبقاتِ کبریٰ" از امام شعرانیؒ اور "تذکرہ علمائے ہند" وغیرہ کتب دیکھی جاسکتی ہیں۔

نسب بحیثیتِ عمومی کا شرف

بعض لوگ فقط حسب یعنی ذاتی کمالات کو ہی شرف و کمال کا موجب سمجھتے ہیں اور نسب یعنی خاندانی شرافت کی فضیلت کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ حالانکہ نسب کا شرف دیگر مذاہب میں بالعموم اور اسلام میں بالخصوص قابلِ احترام ہے۔ نسب سے ہی نکاح میں کفو کا اعتبار ہے۔ خلافت و امامت کے لیے اسلام میں قریشی ہونے کی تخصیص بھی شرفِ نسب کے باعث ہے۔ اسلاف و آبا کی شرافت اولاد کے لیے دنیا و آخرت ہر دو میں مسلّمہ طور پر عزت کا باعث ہے اور اقوامِ عالم میں نسب کا احترام ایک امرِ مسلّم ہے۔ خود قرآن کریم اور احادیثِ صحیحہ سے اِس کی تائید و تصدیق ہوتی ہے۔ مثلاً:-

۱۔ سورۂ کہف کی ۸۲ ویں آیت میں دو یتیم بچّوں کی دیوار کا، جس کے نیچے اُن کا مال مدفون تھا، اللہ تعالیٰ کا حضراتِ موسیٰ و خضر علیہما السلام کے ذریعے، بلا اُجرت تعمیر کرانے کا ذکر ہے۔ اس کارِ خیر میں اللہ تعالیٰ کی جو عنایت اور رحمت کارفرما

تھی، اُس کا باعث قرآن مجید نے وَکَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا (اور اُن کا باپ نیک آدمی تھا) بیان فرمایا ہے۔
علامہ آلوسیؒ نے تفسیر "رُوح المعانی" میں اُس صالح شخص کو اُن بچوں کی ساتویں یا دسویں پُشت کا ایک جدِ بزرگ تحریر فرمایا ہے۔
گویا باپ دادا کے نیک اور شریف ہونے کا فائدہ اولاد کو پہنچا اور اِسی شرافتِ نسب کے سبب سے اللہ تعالیٰ نے بچوں کا لحاظ و احترام فرمایا۔

امام ابن ابی شیبہؒ اور امام احمدؒ اور ابن ابی حاتمؒ نے حضرت خیثمہؓ سے حضرت عیسٰی علیہ السلام کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ خوش خبری اور مُبارک ہو مومن کی اولاد کے لیے کہ وُہ اس کی برکت سے اُس کے بعد محفوظ و مامون رہیں گے۔ پھر حضرت خیثمہؓ نے اِس کی تائید میں سورۂ کہف کی مندرجہ بالا آیت پڑھی۔

اسی طرح "رُوح المعانی" میں امام عبد بن حمیدؒ اور ابن المنذرؒ کے ذریعے حضرت وہبؓ سے نقل ہے کہ حضرت امام حسنؓ نے ایک خارجی سے دریافت فرمایا کہ تمہیں معلوم ہے، سورۂ کہف کے یتیموں کا مال اللہ تعالےٰ نے کیوں محفوظ رکھا؟ اُس نے کہا کہ باپ کی صالحیت اور نیکی کے باعث۔ آپ نے فرمایا "بخدا! میرے باپؓ اور جدِ اکرمؐ کی صالحیت اُن کے باپ کی صالحیت سے بدرجہا بہتر تھی"۔

۲۔ سورۂ طور آیت ۲۱ میں تحریر ہے :-

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّیَّتُهُمْ بِاِیْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ۔	اور جو لوگ ایمان لائے اور اُن کی اولاد نے بھی ایمان لانے میں اُن کی پیروی کی تو ہم (آخرت میں) اُن کی اولاد کو اُن ہی کے ساتھ مِلا دیں گے اور اُن کے اپنے اعمالِ صالحہ کے انعامات میں سے بھی کوئی کمی نہ کریں گے۔

اِس آیت کی تفسیر کے تحت بھی علامہ آلوسیؒ نے کئی محدثین اور مفسرین کے حوالوں سے حضرت ابن عباسؓ کی زبانی تحریر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ مومن کی اولاد کو بہشت میں اُس کے ہمراہ اُسی درجہ و مقام میں رکھیں گے تاکہ اُس مومن کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں۔

گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ شرفِ نسب ہی کا احترام اور لحاظ ہے۔

۳۔ اِسی مضمون کی تائید میں حضرت قبلۂ عالم قدس سرہ العزیز نے قرآن مجید کا جو حوالہ پیش فرمایا تھا، عدیم المثال ہے مُلتان کی ایک مجلس میں کسی نے آپؒ سے سوال کیا "کیا سید بنی فاطمہؓ کی تعظیم کے لیے نص میں کوئی ثبوت موجود ہے؟" تو آپؒ نے جواب دیا کہ نسب کا شرف قرآنِ کریم سے ثابت ہے اور یہ آیت تلاوت فرمائی :-

قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِیْنَ۔ (سورہ الزخرف آیہ ۸۱)	یا رسول اللہ (اِن عیسائیوں سے) کہہ دیجئے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا کوئی بیٹا ہوتا تو سب سے پہلے میں اُس کی عبادت کرتا۔

گویا اللہ تعالیٰ کے فرزند کی عبادت اُس کے نسب کی وجہ سے ہوتی۔

یہاں یہ عرض کرنا نامناسب نہ ہوگا کہ جو لوگ نسب کے شرف کو تسلیم نہیں کرتے، وُہ بالعموم اِس آیت سے استدلال کرتے ہیں :-

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔ — بلاشبہ اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت والا وُہی ہے، جو تُم میں سے زیادہ پرہیزگار ہے۔

صاحبِ "رُوح المعانی" اس آیت کی تفسیر میں علّامہ مناویؒ و علّامہ ابنِ حجرؒ کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں کہ نہ تو یہ آیت شرفِ نسب کے خلاف ہے اور نہ وُہ احادیث ہی اِس مضمون کے منافی ہیں، جن میں نسب پر فخر کرنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ البتہ ہنود و یہود کی طرح نسب کی وجہ سے لوگوں پر تکبّر کرنا اور کسی کو اپنے برابر نہ سمجھتے ہُوئے ذلیل و حقیر خیال کرنا صحیح نہیں بطورِ تحدیثِ نعمت نسبِ ذاتی کے شرف کا اظہار خُود آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے بھی فرمایا ہے۔ آپؐ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولادِ اسمٰعیلؑ سے کنانہ کو منتخب فرمایا۔ پھر قریش کو کنانہ سے اور بنی ہاشم کو قُریش سے اور مجھے بنی ہاشم سے چُن لیا۔ علّامہ آلُوسیؒ نے تمام مخالف اقوال کا جواب دے کر آخر میں فیصلہ فرمایا ہے: وَبِالْجُمْلَۃِ شَرَفُ النَّسَبِ مِمَّا اعْتُبِرَ جَاہِلِیَّۃً وَّاِسْلَامًا۔ یعنی خُلاصۂ بحث یہ ہے کہ نسب کا شرف جاہلیّت اور اِسلام دونوں میں مُعتبر تسلیم کیا گیا ہے۔

آلِ نبیؐ کے نسبِ طاہر کا شرف

اَب تک تو مُطلق نسب کا ذِکر تھا۔ اَب آنحضرتؐ کے نسبِ پاک پر کتاب و سُنّت اور عُلمائے اُمّت کے ارشادات مُلاحظہ فرمایئے:۔

۱۔ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِیْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ۚ لَھُمْ مَّا یَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّھِمْ ؕ ذٰلِکَ ھُوَ الْفَضْلُ الْکَبِیْرُ ۝ ذٰلِکَ الَّذِیْ یُبَشِّرُ اللّٰہُ عِبَادَہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ قُلْ لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی۔ (سُورۃ شوریٰ: ۲۲-۲۳)

جو لوگ ایمان لائے اور اُنہوں نے نیک عمل کیے، وُہ جنّت کے باغوں میں ہوں گے۔ اُن کے لیے اُن کے پروردگار کے یہاں وُہ سب کچھ ہے، جس کی وُہ خواہش کریں گے۔ یہ بڑے فضل و بزرگی کی بات ہے۔ یہی وُہ چیز ہے، جس کی اللہ تعالیٰ اپنے اُن بندوں کو خُوشخبری دیتا ہے جنھوں نے ایمان لاکر نیک کام کیے۔ کہہ دیجئے، میں تم سے اِس چیز کا کوئی اجر نہیں مانگتا، بجُز اہلِ قرابت کی دوستی کے۔

علّامہ صاویؒ نے حاشیۂ "جلالین" میں تحریر فرمایا ہے کہ یہاں اِستثنار منقطع ہے۔ یعنی مَیں تم سے تبلیغ کے صِلے میں کوئی اجر نہیں مانگتا۔ ہاں، اِس قدر چاہتا ہُوں کہ تم میرے اہلِ قرابت سے محبّت رکھو۔ صاحبِ "رُوح المعانی" نے بھی ابنِ جبیرؓ، سُدّیؒ اور عُمر بن شعیبؓ جیسے اکابر تابعین سے اِس آیت کی یہی تفسیر نقل کرتے ہُوئے لِکھا ہے کہ اِس سے اہلِ بیتِ رسولؐ کی محبت کا واجب ہونا مُراد ہے۔ علّامہ سیوطیؒ نے بھی "دُرِّ منثور" میں کئی مُحدثین کے حوالے سے حضرت ابنِ عبّاسؓ کی روایت نقل کی ہے کہ اِس آیت کے نازل ہونے پر صحابہ کرامؓ نے عرض کی: یارسُول اللہؐ! آپؐ کے وُہ کون اہلِ قرابت ہیں، جن کی محبّت واجب کی گئی ہے؟ تو آں حضُورؐ نے اِن چار حضرات یعنی حضرت علیؓ، سیدہ فاطمۃ الزہراؓ، حضرت اِمام حسنؓ اور حضرت اِمام حسینؓ کا ذکر فرمایا (چونکہ اُس وقت حضرت امام حسنؓ و امام حُسینؓ کے اولاد

نہیں تھی، اس لیے آں حضورؐ نے صرف ان چار ناموں کے ذکر پر ہی اکتفا فرمایا، ورنہ جیسے کہ دیگر دلائل سے ثابت ہے آنجناب کے اس ارشاد میں اُن کی اولاد بھی شامل ہے)۔ تفسیر بالا کی تائید میں صاحب "رُوح المعانی" نے ائمۂ اہل بیت کرامؓ سے کئی روایات نقل کی ہیں کہ اس آیت کی رُو سے تمام اُمّت پر اہل بیت کرامؓ کی محبت لازم کی گئی ہے۔ نیز مُسلمؒ، ترمذیؒ، نسائیؒ، طبرانیؒ، حاکمؒ، بیہقیؒ، ابن حبانؒ وغیرہ محدثین سے کئی احادیث نقل کرتے ہُوئے لکھتے ہیں کہ اس مضمون کی تائید میں اس قدر احادیث ہیں کہ اُن کا شمار مشکل ہے۔ پھر اس اختلاف کا ذکر کرتے ہُوئے کہ آیا اس آیت کا تعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے مؤمن قرابت داروں سے ہے یا عام اہل قرابت کے ساتھ۔ لکھتے ہیں کہ حق یہ ہے کہ آں حضرتؐ کے اقربا کی محبت محض اس حیثیت سے واجب ہے کہ وُہ آپؐ کے اقربا ہیں۔ اور یہ شعر بھی تحریر کیا ہے:-

دَارَیْتُ قَوْمًا فِیْ هَوَاكَ وَهُمْ عِدَیٰ ۔۔۔ وَلِاَجْلِ عَیْنٍ اَلْفُ عَیْنٍ تُکْرَمُ

(اے دوست! تیری محبت میں ایسی قوم کی بھی میں نے تواضع کی ہے، جو دُشمن تھے۔ کیوں نہ ہو، ایک آنکھ کی رعایت سے ہزار آنکھ کی عزت کی جاتی ہے)

اس کے بعد مُفسّر موصوف لکھتے ہیں کہ جس قدر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے قرابت زیادہ اور قوی ہو گی، وُہ اُسی قدر زیادہ محبت کی متقاضی ہوگی۔ لہٰذا اگر آں جنابؐ کی قرابت سے مُراد عام اولادِ عبدُ المطلب لی جائے تو بنو فاطمہؓ زیادہ قریبی ہونے کے باعث زیادہ محبت و احترام کے مستحق ہوں گے۔ عام لوگوں نے اس ضمن میں بہت بے توجہی سے کام لیا ہے۔ حتّٰی کہ موجُودہ دور میں جو شخص اہلِ بیتِ رسولؐ کے ساتھ محبت کا اظہار کرے، اُس پر رافضی یعنی شیعہ ہونے کا گمان کیا جاتا ہے۔"

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے اہلِ قرابت کے مؤمن یا غیر مؤمن ہونے کی بحث جس کا حوالہ مُفسّر موصوف نے دیا ہے۔ جناب سیّدۃُ النساءؓ کی اولادِ کرام سے تعلق نہیں رکھتی، کیونکہ اکثر عُلمائے مُحقّقین نے، جیسے علّامہ زرقانیؒ نے "شرح مواہب" اور شیخ عبدُالحق مُحدّث دہلویؒ نے "مدارجُ النبوۃ" میں اکثر احادیث سے ثابت کیا ہے کہ جنابِ سیّدہؓ کی اولاد کُفر سے مامُون و محفُوظ ہے۔ کیونکہ آخرت میں کافر کی مغفرت شرعاً ناممکن ہے اور آیۂ تطہیر، الاحزاب ۳۳ کی رُو سے اولادِ رسُولؐ کو پاکیزگی اور مغفورُ الحشر ہونے کا مفاد پہنچتا ہے اور یہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل و عطا کی وجہ سے ہے۔ لیکن جو لوگ اس امر کے قائل ہیں کہ بنُو فاطمہؓ سے کُفر کا صدور ہو سکتا ہے، وُہ بھی قرابتِ رسُولؐ کے باعث اُن کی محبت اور احترام کو لازم قرار دیتے ہیں۔"

(۲) آیۂ تطہیر کے متعلق حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ کی "فتُوحاتِ مکّیہ" کے باب ۲۹ میں مندرجہ تشریح و تفسیر کو مدّنظر رکھتے ہُوئے حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہُ العزیز نے اپنے ایک فتوٰی میں حسبِ ذیل نتائج اخذ فرمائے ہیں:-

اوّل یہ کہ آلِ عبا یعنی حضرت سیّدۃُ النساء اور حضرات علی و حسنین علیہمُ السلام اور تمام بنُو فاطمہؓ اس آیت کی بشارت میں شامل ہیں۔

دُوم یہ کہ الفاظِ اذہاب، رجس اور تطہیر کے معنی مغفرت اور عفو کے ہیں نہ کہ احکام و ہدایاتِ شرعیہ سے آزادی کے۔

سوم یہ کہ اس تطہیر کا اثر حشر کے روز ظاہر ہو گا جب کہ بنُو فاطمہؓ خواہ کیسے ہی گنہگار ہوں، پاک اور مغفور اُٹھائے جائیں گے اور یہ محض آں حضرتؐ کے شرف کے باعث اللہ تعالیٰ کا فضل اور عنایت ہے، کسی عمل کا نتیجہ نہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں

کہ ان سے دُنیا میں کوئی خطا سرزد نہ ہوگی یا یہ کہ کسی شرعی حد یعنی سزا سے مستثنیٰ ہوں گے۔ بلکہ دُنیا میں احکامِ شرعیہ کے یہ بھی اُسی طرح پابند ہوں گے جیسے عام لوگ۔ چوری، زنا، شراب خوری وغیرہ میں باوجود ذَالِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ ہونے کے بھی حاکم سے اُسی طرح شرعی سزا کے حقدار ہوں گے جس طرح دُوسرے لوگ، مگر ان کا حشر مغفرت پر ہوگا۔

(۳) اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ۔ (احزاب ۶)

نبی کریمؐ مسلمانوں پر اُن کی جانوں سے بھی زیادہ شفیق ہیں اور نبیؐ کی ازواجؓ اُن کی مائیں ہیں اور اللہ تعالےٰ کی کتاب میں بعض قرابت والے، بعض دُوسروں سے اَور دیگر مومنین و مہاجرین سے اُن کے نزدیک تر ہیں۔

(۴) لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ج (اٰلِ عمران ۱۶۴)

یقیناً اللہ تعالیٰ نے مومنین پر احسان کیا، جو اُن میں اُنہیں میں سے رسُول بھیجا، جو اُن پر اللہ کی آیات تلاوت فرماتا ہے اَور اُن کا تزکیہ فرماتا ہے اَور اُنہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اِس احسانِ عظیم کا سب سے زیادہ حصّہ آلِ نبیؐ کو عطا ہوا جو بلاشبہ شرفِ عظیم ہے۔

(۵) وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ۔ (انفال ۷۵)

اور جو لوگ اِس کے بعد ایمان لائے اَور گھر چھوڑے اَور تمہارے ساتھ ہو کر لڑے، سو وُہ لوگ بھی تم ہی میں سے ہیں اَور اللہ کی کتاب میں بعض قرابت والے بعض دُوسروں سے نزدیک تر ہیں۔

اِس کی رُو سے اہلِ قرابت کو آں حضرتؐ کے زیادہ نزدیک ہونے کا شرف حاصل ہے۔

(۶) اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآءِ ذِي الْقُرْبٰى۔ (النحل ۹۰)

بے شک اللہ تعالیٰ عدل اَور احسان کا اَور قرابت داروں کو دینے کا حکم فرماتے ہیں۔

یہ حکم آں حضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے لیے بھی وَیسا ہی ہے جیسا عام افرادِ اُمّت کے لیے۔ آں حضُورؐ نے اَپنے قرابت داروں کو مالی میراث نہیں دی بلکہ اِيْتَآءِ ذِي الْقُرْبٰى کے حُکمِ عامہ کی تعمیل میں امامت، ولایت اَور اُمّت کی ہدایت اَور اُمّت کی طرف سے دائمی احترام کی باطنی میراث تفویض فرمائی ہے۔

(۷) وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا۔ (الفرقان ۷۴)

اَور وُہ (فلاح یافتہ) لوگ جو دُعا مانگتے ہیں کہ اَے ہمارے پروردگار ہمیں ہماری اَزواج اَور اَولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اَور ہمیں پرہیزگاروں کا پیشوا بنادے۔

یہ دُعا سب سے پہلے آں حضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی زبانِ مُبارک پر جاری ہُوئی اَور ہمیشہ تلاوتِ قرآنِ پاک کے دَوران بعد میں بھی آپؐ پڑھتے رہے۔ آپؐ امامُ المتقین ہیں اَور سادات بنی فاطمہؓ آپؐ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں۔

(۸) حاکمؒ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:-

وَعَدَنِيْ رَبِّيْ فِيْ اَهْلِ بَيْتِيْ مَنْ اَقَرَّ

میرے پروردگار نے میرے اہلِ بیت کے معاملے

مِنْهُمْ بِالتَّوْحِيْدِ وَلِیْ بِالْبَلَاغِ اَنْ لَّا یُعَذِّبَهُمْ۔

میں مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ اُن میں سے جو کوئی اُس کی توحید اور میری رسالت کا اقرار کرے گا، اُسے عذاب نہیں فرمائے گا۔

(۹) طبرانی، حاکم اور ابو یعلیٰ کی طرف سے روایت ہے کہ آں حضرتؐ نے سیدہ فاطمہؓ کا نام لے کر فرمایا کہ میری بیٹی فاطمہؓ عفیفہ ہے۔

نَحَرَّمَهَا اللّٰهُ وَذُرِّیَّتَهَا عَلَی النَّارِ۔

اللہ تعالیٰ نے اُسے اور اُس کی اولاد کو آگ پر حرام کر دیا ہے۔

حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کے نسب کے متعلق کراماتی ثبوت

حضرت قبلۂ عالم کی تحریر سے، جو ابتدائے باب میں درج ہو چکی ہے، واضح ہوتا ہے کہ آپؒ نے مکمل تحقیق کے بعد اپنے آپ کو اس نسلِ پاک سے منسوب فرمایا ہے اور اپنے حسب یعنی کمالاتِ کسبیہ کا ذکر بہ اندازِ کسرِ نفسی فرمایا ہے۔ آئندہ صفحات کے مطالعہ سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے گا کہ آں جنابؒ کی ذاتِ گرامی حقیقتاً صفاتِ بنی فاطمہؓ کی حامل تھی اور اس شعر کا صحیح مصداق تھی ؎

سیّد کسے بُود کہ ہویدا شود ازو — خُلقِ محمّدی، کرمِ مرتضےٰ علیؓ

جب عنایتِ الٰہی سے حضرت قبلۂ عالمؒ کے دادا بزرگوار کے والدِ محترم حضرت پیر سیّد روشن دینؒ اور اُن کے چھوٹے بھائی پیر سیّد رسول شاہ کو اس نواح کی باطنی ولایت عطا ہوئی اور وہ اپنے وطن ساڈھورہ شریف حال ضلع انبالہ (بھارت) سے نقل مکانی کر کے گولڑہ شریف میں آباد ہوئے تو اپنے ذاتی کمالاتِ جذب و سلوک کے باعث خاص و عام میں مقبول ہو کر مرجع خلائق بن گئے اور ہر کس و ناکس حصولِ فیض کی خاطر کشاں کشاں آکر اپنا مقصد حاصل کرنے لگا۔ یہ صورتِ حال نواحی بستیوں کے سادات کو، جو اکثر و بیشتر شیعہ تھے، پسند نہ آئی اور اُنھوں نے اس نووارد خاندان کی وقعت لوگوں کی نظروں میں کم کرنے کی خاطر ان کے نسب پر اعتراضات شروع کر دیئے۔ اس دوران میں حسن ابدال کے گیلانی سادات کو، جو حجرہ شاہ مقیم ضلع ساہی وال سے آکر وہاں آباد ہوئے تھے۔ یہ ثابت ہو چکا تھا کہ یہ حضرات اُن ہی کے خاندان سے ہیں۔ نیز چونکہ ہر مقام پر جناب غوث الاعظمؓ کے تصرفِ باطنی نے بھی دستگیری فرمائی۔ اس لیے حاسدین کو سوائے شرمندگی کے اور کچھ حاصل نہ ہوا۔

یہ بنو فاطمہؓ کی ٹوپی ہے

ایک نواحی گاؤں، جس کا نام ضبطِ تحریر میں لانا مناسب نہیں، کے سادات نے حضرت پیر سیّد روشن دینؒ کو اُن کے ایک نیازمند گولڑہ رئیس کے ذریعے بہت اصرار سے اپنے ہاں کسی تقریب پر دعوت دی اور برسرِ مجلس نامناسب انداز میں آپؒ کے شجرۂ نسب کے متعلق بحث چھیڑ دی۔ آپؒ نے فرمایا، اس موقع پر ایسا تذکرہ آدابِ مہمان نوازی کے خلاف ہے البتہ کسی روز میرے یہاں تشریف لا کر آپ صاحبان شجرے اور سندات دیکھ کر اطمینان کر سکتے ہیں۔ مگر وہ لوگ چونکہ آپؒ کے خلاف ناموافق فضا پیدا کرنے پر تُلے ہوئے تھے، اس لیے نہ مانے اور کہنے لگے کہ یہاں کسی نووارد کو اُس وقت

تک سیّد کہلانے کا حق نہیں پہنچتا جب تک وُہ مصدّقہ شجروں کے ذریعے مقامی سادات میں اپنی سیادت تسلیم نہ کرالے۔ آپؒ نے اپنے ہمراہی گولڑہ رئیس کے ذریعے بھی اُنہیں سمجھانے کی کوشش کی، مگر وُہ خاموش نہ ہُوئے بلکہ اُن میں سے کسی زباں دراز نے یہاں تک کہہ دیا کہ "کاٹھ دی کُنّی نئیں تے سیّد سُنّی نئیں"، یعنی لکڑی کی ہنڈیا نہیں ہو سکتی اور سیّد اہل سُنّت والجماعت نہیں ہو سکتا۔ یہ سُن کر آپ کا چہرۂ مُبارک قدرے مُتغیّر ہوا اور آپؒ نے ایک جلالی کیفیت میں اپنے سرِمُبارک سے ٹوپی اُتار کر مجلس کے فرش پر رکھ دی اور تمام مُدّعیانِ سیادت کو جو نامُناسب باتیں کر رہے تھے، مُخاطب کر کے فرمایا کہ فقیر کا شجرۂ سیادت اِس ٹوپی میں ہے، جس کسی کو نجیبُ الطّرفین سیّد ہونے کا دعویٰ ہو، وُہ اِس ٹوپی کو اُٹھا کر اور پہن کر دکھائے۔ یہ الفاظ سُن کر دُوسرے فریق کا ایک سرکردہ بزرگ بڑے طمطراق سے اُٹھا اور ٹوپی کو اُٹھانے کی کوشش کی، مگر لاکھ جتن کے باوجود اُسے ہلا تک نہ سکا۔ حضرتؒ نے بآوازِ بُلند فرمایا۔ "یہ بنی فاطمہؓ کی ٹوپی ہے اور چودہ طبق پر بھاری ہے۔" آپؒ کے الفاظ اور فریقِ مخالف کی عاجزی دیکھ کر حاضرینِ مجلس سناٹے میں آگئے اور دُوسرے فریق کے چہروں پر ہوائیاں اُڑنے لگیں۔ بالآخر اُن لوگوں نے عاجزی اور معذرت کی تو آپؒ نے فرمایا "اچھا، اُٹھا لو۔" اِس پر اُن حضرت نے بصد احترام کُلاہِ مُبارک کو اُٹھایا اور بوسہ دے کر آپ کے پیش کیا۔ بھری محفل میں یہ کرامت دیکھ کر لوگ اُدھر سے منقطع ہو کر اِس طرف پلٹ پڑے۔ آج کل اُن صاحبان کا پیری مُریدی کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے اور فقط کاشت کاری اور مُلازمت پر دار و مدار ہے۔ ان کے خاندان کی ایک شاخ حضرت قبلۂ عالم کے حلقۂ اِرادت میں شامل ہے۔

تائید و تصدیقِ غوثیہ رضؓ

دُوسرا واقعہ حضرت قبلۂ عالمؒ کے والدِ بزرگوار حضرت پیر سیّد نذر دینؒ شاہ کو پیش آیا تھا۔ ایک مرتبہ آپ موضع سالگراں علاقہ کہوٹہ ضلع راولپنڈی میں، جو ایک پہاڑی علاقہ ہے، اپنے ایک اِرادت مند چودھری فتح محمّد گوجر کے یہاں رونق افروز تھے کہ اِس گاؤں کے رہنے والے ایک اور عقیدت مند نے بہت سے حاضرین کی موجُودگی میں عرض کی کہ فُلاں شخص ہم سے بحث کرتا رہا ہے کہ تمہارے پیر سیّد نہیں ہیں۔ حضرت نے فرمایا "کیا کہتا ہے، مَیں سیّد نہیں؟" اور آپ کا چہرۂ مُبارک مُتغیّر ہو گیا۔ پھر سامنے دیکھ کر فرمایا "سُنو، میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا۔ بلکہ وُہ سامنے حضرت غوث الاعظمؓ اپنے تخت پر جلوہ فگن فرما رہے ہیں کہ کہہ دو، میرے سیّد ہونے کی دلیل یہ ہے کہ میرے اِرادت مند چودھری فتح محمّد کو جو اِس وقت تک صاحبِ اولاد نہیں ہے، اِسی سال اللہ تعالیٰ ایک فرزند عطا فرمائیں گے، جو شکمِ مادر سے شش ماہ کا پیدا ہو گا۔" چُنانچہ جس طرح آپؒ نے فرمایا تھا، اُسی طرح ظہُور پذیر ہوا۔ چودھری فتح محمّد گُوجر کی عُمر اُس وقت پچاس سال کے لگ بھگ تھی اور وُہ اولاد سے قریباً مایُوس ہو چکا تھا۔ اُس کا یہ فرزند چودھری محمّد بخش حضرت پیر سیّد نذر دین شاہؒ کی زندہ کرامت کے طور پر عُمرِ طبعی کو پہنچا اور حضرت قبلۂ عالمؒ کے حلقۂ اِرادت میں شامل ہوا۔ اُس کا فرزند چودھری غلام حسن گوجر حضرت قبلۂ عالمؒ کے خلفُ الصّدق اور سجّادہ نشین سیّدنا غُلام محیُ الدّین المعرُوف جناب بابُوجی مدظلّہٗ کا اِرادت مند ہے اور اِس واقعہ کی تصدیق کرتا ہے۔

کرامتِ جاریہ

حضرت قبلۂ عالمؒ کی سیادتِ نسبی کی تصدیق و تائید میں مندرجہ بالا دونوں واقعات کرامتِ فقر کی قسم سے ہیں۔ ایک تیسرے واقعے کا تعلق کرامتِ علم سے ہے۔ اور چونکہ اس نے ایک کتابی مسئلے اور دائمی علمی معیار کی صورت اختیار کرلی ہے اس لیے اِسے ایک کرامتِ جاریہ کہا جاسکتا ہے:۔

جن لوگوں نے حضرت قبلۂ عالم کی تصانیف اور فتاوٰے کا مطالعہ کیا ہے، وُہ جانتے ہیں کہ ان میں شیخ محمدؐ بن عبدالوہاب نجدی کے بعض متشدّدانہ نظریات پر تنقید کی گئی ہے۔ اس سے اہلِ حدیث کے ایک گروہ نے ناراض ہوکر مناظرانہ مباحث کی بنا ڈالی اور ۱۳۲۵ھ یعنی ۹-۱۹۰۸ء میں راولپنڈی کے ایک مولوی عبدالاحد خانپوری کو سامنے لاکر حضرت قبلۂ عالمؒ پر دس علمی سوالات شائع کیے اور اعلان کیا کہ جوابات کی صورت میں حضرت قبلۂ عالمؒ کو بھی اُن کی جماعت پر سوالات کرنے کا حق ہوگا۔ چنانچہ حضرتؒ نے اپنی تصنیف "الفتوحات الصمدیہ" میں اُن دس سوالوں کے جواب باصواب دے کر اپنی طرف سے اُن پر بارہ سوالات شائع کرکے یہ پیش گوئی بھی فرمادی کہ وُہ لوگ اِن کے جوابات نہیں دے سکیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ آج نصف صدی ہونے کو آئی، مگر اُس جماعت کی طرف سے کسی ایک سوال کا بھی جواب نہیں دیا جاسکا۔

اِس واقعہ سے حضرتؒ کے سیادتِ نسب کا پہلو اس طرح نکلتا ہے کہ آپؒ نے اِن بارہ سوالات کے وقت اپنے احباب حضرت مولٰینا محمد غازی اور مفتی غلام مرتضےٰ وغیرہ سے فرمادیا تھا کہ اِن سوالات کا تعلق بنی فاطمہؓ کے صدری علوم سے ہے اور اِن کے جواب دینے کے لیے جواب دینے والے کا علومِ رسمیہ پر مکمل عبور رکھنے کے ساتھ ساتھ سیّد بنی فاطمہؓ ہونا بھی اشد ضروری ہے۔ اِن سوالات کی تفصیل اِس کتاب کے باب تصانیف میں دی گئی ہے۔ بعدمیں حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کے اپنے ملفوظات میں اِن سوالات کے بعض دقیق نکات کی کہیں کہیں عُقدہ کُشائی ہوتی رہی ہے۔

وادیٔ حمرا کا رُویائے صادقہ

سفرِ مدینہ شریف کے دَوران ایک مرتبہ آپؒ کا قافلہ وادیٔ حمرا میں شب باش ہوا۔ بدّوؤں کے حملے اور قافلے والوں کے خوف و ہراس اور اضطراب کے باعث حضرت قبلۂ عالمؒ نمازِ عشاء کی ابتدائی سُنتیں ادا نہ کرسکے تو خواب میں آں حضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کی زیارت نصیب ہوئی۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ آلِ رسولؐ کو سُنّت ترک نہیں کرنا چاہیئے۔ گویا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے خواب میں آپؒ کے آلِ رسولؐ ہونے کی تصدیق فرمائی اور جس خواب میں آں جنابؐ کی زیارت ہو، وُہ حسبِ فرمانِ نبویؐ مَنْ رَاٰنِی فَقَدْ رَاَی الْحَقَّ بالکل حق اور صحیح ہوتا ہے۔ چنانچہ بعدمیں ایک موقع پر جب حضرت سیّد ابراہیم گیلانی بغداد شریف سے راولپنڈی تشریف لائے تو کسی مخلص نے حضرت قبلۂ عالمؒ سے اپنے شجراتِ نسب اُن سے تصدیق کرالینے کے لیے عرض کی تو آپؒ نے فرمایا کہ شجرے وغیرہ تو پہلے ہی تصدیق شدہ موجود ہیں، مگر ان شجروں کے علاوہ میرے پاس ایک ایسی قوی دلیل ہے، جس کے بعد اطمینان کے لیے کسی مزید ثبوت کی حاجت نہیں اور اس سے آپؒ کا اشارہ مندرجہ بالا رُویائے صادقہ کی طرف تھا۔ اِس ضمن میں آپؒ کی مفصّل تحریر باب چہارم میں درج کی گئی ہے۔

ایک جنّ کی شہادت

حسبِ آیاتِ قرآنیہ :-

يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ (سورۃ الانعام ۱۳۱)

اے جنّوں اور انسانوں کی جماعت! کیا تمہارے پاس تُم میں ہی سے رسُول نہیں آئے تھے ؟

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (سورۃ الذّٰریٰت ۵۶)

اور میں نے جنّوں اور اِنسانوں کو جو بنایا ہے تو صِرف اپنی بندگی کے لیے۔

جنّات و اِنسان کا علیحدہ علیحدہ مخلوق ہونا ثابت ہے۔ جنّات کی عمریں بھی طویل ہوتی ہیں۔ جناب بابُوجی مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ ضلع کیمبل پُور کے مولوی شاہ ولی کی اہلیہ کو آسیب کی شکایت تھی۔ جب کسی اور جگہ علاج وغیرہ سے افاقہ نہ ہوا تو اُسے حضرت قبلۂ عالمؒ کی خِدمت میں گولڑہ شریف لے آئے۔ آپؒ مریضہ کی طرف متوجہ ہوئے تو جن حاضر ہو کر بولنے لگا اور کہا کہ وُہ دربارِ غوثیہ بغداد شریف کا خادم ہے اور ایک مرتبہ جناب غوث الاعظمؒ کی معیت میں گولڑہ شریف بھی آچکا ہے۔ حضرت قبلۂ عالمؒ نے اِس کا ثبوت مانگا تو کہنے لگا کہ ایک دفعہ آپؒ بعارضہ پیچش بیمار تھے اور علاج سے افاقہ نہیں ہو رہا تھا۔ خُدام پریشان تھے اور آپؒ کی چارپائی حضرتِ اجیؒ[1] صاحبؒ کے مزارِ شریف کے قریب درخت سرس کے نیچے تھی۔ محمد خان خادم آپؒ کے پاؤں دبا رہا تھا کہ جناب غوث پاکؓ تشریف لائے اور چارپائی کے سرہانے کھڑے ہو کر فرمایا کہ علاج کراؤ، اِنشاء اللہ صحت ہو گی۔ میں اُس وقت حاضر تھا۔ جناب غوث پاکؓ نے مجھے فرمایا ہوا ہے کہ یہاں میری اولاد رہتی ہے اور جب کبھی اِدھر سے گزرُوں تو یہاں سے ہو جایا کرُوں۔ حضرت قبلۂ عالمؒ نے اِس واقعہ کی تصدیق فرمائی۔

---

[1] اجی پٹھواری زبان میں باپ کو کہتے ہیں۔ حضرت قبلۂ عالمؒ کے والدِ ماجد مُراد ہیں۔

دُوسری فصل

فضائلِ اہلِ بیتِ کرامِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

فضائلِ اہلِ بیت پر اکابرینِ اُمّت کی کُتب

حضرات اہلِ بیتؓ کرام کی شان میں اکابرینِ اُمّتِ محمّدیہ نے ضخیم کُتب تحریر کی ہیں اور اس قسم کی تحریرات کا سلسلہ بفضلہٖ تعالیٰ قیامت تک جاری رہے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اَولاد کی تعریف درحقیقت آں جنابؐ ہی کی منقبت وتعریف ہے اور آں حضرتؐ کے ذکرِ خیر کو اللہ تعالیٰ نے حسبِ ارشادِ قرآنی وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ وہ رفعت عطا فرمائی ہے، جس کا احاطہ علمِ انسانی اور زورِ قلمِ انسانی سے باہر ہے۔ لہٰذا یہ سلسلہ توصیف وتعریف کبھی ختم ہونے کا نہیں اور انشاء اللہ ہمیشہ ہمیشہ جاری رہے گا اور بالخصوص اس لیے بھی کہ تمام قرآن پاک آں جنابؐ کی تعریف وتوصیف سے بھرا پڑا ہے اور بمصداق :-

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ط يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔ (الاحزاب ۵۶)	بے شک اللہ تعالیٰ اور اُس کے فرشتے نبیؐ پر دُرود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی اُس پر دُرود اور سلام بھیجو۔

اللہ تعالیٰ خُود اور اُس کے فرشتے بھی نبی کریمؐ پر دُرود بھیجتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو بھی آنحضرتؐ پر دُرود و سلام بھیجنے کا تاکیدی حُکم فرماتے ہیں۔

مولوی عبید اللہ امرتسری نے اپنی کتاب "ارجح المطالب" کے آغاز میں اُن مشہور علمائے اُمّت کی ایک طویل فہرست دی ہے، جنہوں نے اہلِ بیت نبیؐ کے فضائل پر مستقل کُتب تحریر کی ہیں۔ اُن میں سے بعض مشاہیر کے اسماء گرامی مع اُن کی تصانیف کے درج ذیل کیے جاتے ہیں :-

مصنّفین	کُتب
حضرت امام احمد بن حنبلؒ	المناقب
حضرت امام نسائیؒ	الخصائص
حضرت حافظ الحدیث ابُو نعیم اصفہانیؒ	منقبۃ المطہرین
حضرت امام ابی الحسن علی بن عبد اللہ سمہودیؒ	جواہرُ العقدین
علاّمہ محب طبریؒ	ذخائرُ العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ
علاّمہ نُورالدین ابن صباغ مالکیؒ	الفصول المہمۃ فی معرفۃ الائمۃ
عالمِ ربّانی سیّد علی ہمدانیؒ	مودّۃ القربیٰ

علامہ سلیمان حنفی بلخیؒ	ینابیع المودۃ
علامہ محمد بن علی صبان مصریؒ	اسعاف الراغبین فی سیرۃ المصطفٰے واہل بیتہ الطاہرینؓ
علامہ یوسف سبط ابن جوزیؒ	تذکرۃ خواص الامۃ فی احوال الائمۃؓ
حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ	مناقب ائمۃ اثنا عشرؓ
امام حاکمؒ صاحب "مستدرک"	فضائل فاطمۃ الزہرا علیہا السلام
امام ابی اسحٰق اسفرائینیؒ	نور العین فی مشہد الحسینؓ
امام جلال الدین سیوطیؒ	احیاء المیت بفضل اہل بیتؓ
حضرت مولینا عبد الرحمٰن جامیؒ	شواہد النبوت
علامہ رشید الدین خان دہلویؒ	اَلفتح المبین فی فضائل اہل بیتؓ سید المرسلینؐ
ملا محمد مبین سہالویؒ	وسیلۃ النجات فی فضائل الحضراتؓ
علامہ مومن مصریؒ	نور الابصار فی مناقب النبیؐ وآلہ المختار علیہم السلام
حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ	سر الشہادتین
حافظ الحدیث محمد ابن احمد ذہبیؒ	فتح المطالب
سید عبد الرحمٰن اجہوری شافعیؒ	رسالہ فضائل اہل بیتؓ
علامہ عبد الرؤف مناویؒ	کتاب الصفوۃ بمناقب اہل بیت النبوۃ
علامہ ابن اخضرؒ	معالم العترۃؓ النبویہ
علامہ ابن حجر ہیتمیؒ	صواعق محرقہ

ان علمی خزائن کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اہل بیتؓ رسولؐ کس شان کے مالک ہیں۔ نیز تاریخ اسلام اور بزرگان دین کے احوال سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ کمالات محمدیہ کا جو خصوصی ظہور آپؐ کی پاک وطیب اولاد کے بعض کاملین سے ہوا ہے، اس کی مثال دیگر اکابرین ملت میں کہیں نظر نہیں آتی، کیونکہ ان حضراتؓ کو کمالات کسبیہ کے علاوہ جو فضائل بطور وراثہ وہبی طور پر عطا ہوئے ہیں، ان میں یہ اپنی مثال آپ ہیں۔ اور یہ فضائل درحقیقت وہی فضائل وکمالات محمدیہ ہیں، جو اس پاک خاندان میں نسلی طور پر اور بطریق وراثت جلوہ گر ہوتے چلے آرہے ہیں۔ کیونکہ جیسے کہ پہلے عرض ہو چکا ہے، انبیا علیہم السلام کی وراثت یہی جوہر فضل وکمال ہے نہ کہ مال ومنال دنیوی۔

اسی وجہ سے حضرت قبلہؓ عالم نے اپنے ملفوظات وتحریرات میں وضاحت فرمائی ہے کہ چونکہ فضائل اہل بیت کرامؓ موہوبی ہیں، اس لیے کوئی شخص ریاضات ومجاہدات سے، خون نبویؐ کی تاثیر وفیوض وبرکات کو نہیں پہنچ سکتا، کیونکہ جو کچھ بھی حضرات اہل بیتؓ کرام کو اس طور پر عطا ہوا وہ ان کی کوشش کا نہیں بلکہ محض عنایت ازلی کا نتیجہ ہے۔ جیسا کہ آیہ تطہیر سے ثابت ہے۔ اور طالب جب تک اس مقام پر نہ پہنچے، اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کے ذوق وشوق سے روشناس نہیں ہو سکتا۔ ان حضراتؓ کی رفعت شان کے متعلق کچھ ارباب بصیرت وکشف وشہود اور قلندران اویسیہ ہی بتلا سکتے ہیں۔

فضائل اہل بیتؓ پر بعض اکابرین کے ارشادات

"بخاری" شریف میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ فرمایا کرتے تھے۔ اُرْقُبُوْا مُحَمَّدًا فِیْ اَہْلِ بَیْتِہٖ (اے مسلمانو! نبی کریمؐ کے اہل بیتؓ کے معاملے میں آں حضرتؐ کا لحاظ و احترام ملحوظ رکھو) نیز فرمایا کہ "مجھے اپنی قرابت سے آں حضرتؐ کی قرابت زیادہ عزیز ہے۔"

"شفاء" مصنفہ قاضی عیاضؒ میں ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ حضرات حسنینؓ کو محبت و احترام سے اپنے کندھوں پر اُٹھایا کرتے تھے۔

"ابن عساکر" میں اور تاریخ اسلام مؤلفہ شاہ معین الدین احمد ندوی میں تحریر ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ جناب رسالت مآبؐ کے تمام متعلقین کا پاس و لحاظ اپنی اولاد سے زیادہ کرتے تھے۔ جب وظائف مقرر کرنا چاہے تو اکابر صحابہؓ کی رائے تھی کہ بحیثیت امیر المومنین آپ مقدم رکھے جائیں۔ لیکن حضرت عمرؓ نے انکار کیا اور آنحضرتؐ کے ساتھ قرب و بُعد کے لحاظ سے وظائف مقرر کیے۔ چنانچہ سب سے پہلے بنی ہاشم اور اُن میں سے حضرت علیؓ و حضرت عباسؓ کو مقدم رکھا۔ سب سے زیادہ تنخواہیں بدری صحابہؓ کی تھیں۔ اور اگرچہ حسنین علیہما السلام اُن میں سے نہ تھے مگر آں حضرتؐ کی ذرّیت کے تعلق سے اُن کی تنخواہیں بھی بدری صحابہؓ کے برابر مقرر کیں۔ آں حضرتؐ کے غلام حضرت زیدؓ کے صاحبزادے اُسامہؓ کی تنخواہ اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ سے جو ذی قدر صحابی تھے، زیادہ مقرر کی۔ ان ہر دو معاملات میں حضرت عبداللہ نے عُذر کیا تو فرمایا کہ حسنین شریفینؓ کی والدہ ماجدہؓ جیسی والدہ، اُنؓ کے باپؓ جیسا باپ اور اُنؓ کے نانا جیسا نانا لاؤ اور پھر ہمسری کا دعویٰ کرو۔ حضرت اُسامہؓ کے معاملے میں فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُسامہؓ کو تجھ سے اور اُسامہؓ کے باپؓ کو تیرے باپؓ سے زیادہ محبوب رکھتے تھے۔

"نور الابصار" میں تحریر ہے کہ حضرت امام حسنؓ کے پوتے حضرت عبداللہ کسی کام سے خلیفۂ وقت حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز کے پاس گئے تو خلیفہ نے عرض کیا کہ اگر آپ حضرات کو کوئی کام ہو تو مجھے رقعہ لکھ بھجا کیجیے۔ مجھے خدا اور رسولؐ سے شرم آتی ہے کہ آپ میرے پاس کوئی حاجت لے کر آئیں۔

"مدارج" میں تحریر ہے کہ حضرت امام مالکؒ بن انسؓ کو جب عباسی خلیفہ کے حکم سے کوڑے لگائے گئے تو اُنہوں نے ہوش میں آتے ہی فرمایا، "لوگو! گواہ رہنا کہ میں نے اس ظلم کو معاف کیا۔ مجھے شرم آتی ہے کہ روزِ حشر میری وجہ سے آنحضرتؐ کے چچا کی اولاد کا کوئی فرد مستوجب بازپرس ہو۔"

"تاریخ الخلفاء" اور "سیرۃ النعمانؒ" میں لکھا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کو خلیفہ منصور عباسی نے بدیں وجہ قید میں ڈال کر زہر دلوایا تھا کہ اُنہوں نے حضرت سید محمد نفس زکیہ حسنیؒ کے حق میں عباسیوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا تھا۔ اور چار ہزار دینار بطورِ امداد روانہ فرما کے عریضہ تحریر کیا تھا کہ اگر کچھ لوگوں کی امانتیں میرے پاس قابل واپسی نہ ہوتیں، تو ضعیف العمر ہونے کے باوجود بامید شہادت خود جہاد میں شریک ہوتا۔ اُس وقت آپؒ کی عمر تقریباً اسّی برس کی تھی۔

سید سلیمان ندوی نے "حیات مالکؒ" میں لکھا ہے کہ حضرت امام مالکؒ نے بھی ایسا ہی فتویٰ دیا تھا۔

حضرت امام شافعیؒ کی حُبِ اہل بیتؓ کے واقعات ضرب المثل بن چکے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض مخالفین نے

آپؒ پر رفض یعنی شیعہ ہونے تک کی تہمت لگائی۔ "رُوح المعانی" اور "تحفہ اثنا عشریہ" وغیرہ کُتب میں آپؒ کے یہ اشعار تحریر ہیں:-

یَا رَاکِبًا قِفْ بِالْمُحَصَّبِ مِنْ مِنٰی ۔۔۔ وَاھْتِفْ بِسَاکِنِ خَیْفِھَا وَالنَّاھِضِ

سَحَرًا اِذَا فَاضَ الْحَجِیْجُ اِلٰی مِنٰی ۔۔۔ فَیْضًا کَمُلْتَطِمِ الْفُرَاتِ الْفَائِضِ

اِنْ کَانَ رِفْضًا حُبُّ اٰلِ مُحَمَّدٍ ۔۔۔ فَلْیَشْھَدِ الثَّقَلَانِ اِنِّیْ رَافِضٌ

ترجمہ:۔ "اے شتر سوار! مُحصّب میں کہ حدودِ منٰی میں سے ہے، ٹھہر جا اور اُس وادی میں بسنے والوں اور وہاں سے اُٹھ کر جانے والوں سے پُکار کر کہہ دے اور اُن حاجیوں سے بھی کہہ دے، جو علی الصباح دریائے فُرات کی طرح موج در موج منٰی میں وارد ہوتے ہیں کہ اگر آلِ محمدؐ کی محبت کا نام رِفض ہے تو جن و انس گواہ رہیں کہ میں یقیناً رافضی ہُوں۔"

صاحب رُوح المعانی لکھتے ہیں کہ اِس کے ساتھ ہی جو کچھ اہلِ سُنّت والجماعت کا اصحاب کرام کے متعلق مسلک ہے میں اُس سے تجاوز کو بھی دین نہیں سمجھتا اور اُن کے احترام کو بھی حسبِ ارشادِ نبویؐ ضروری سمجھتا ہُوں۔ اکثر لوگ صحابہؓ و اہلِ بیتؓ کرام کے معاملے میں افراط و تفریط میں پڑ گئے ہیں، مگر حق ہر دو کے بین بین ہے۔

حضرتِ امام احمد بن حنبلؒ نے "المناقب" میں اہلِ بیتؓ کی فضیلت میں بہت سی احادیث بیان کی ہیں۔ "تاریخ الخلفا" میں اُن کا یہ قول تحریر ہے کہ جس قدر اَحادیث حضرت علیؓ کی شان میں ہیں، کسی اور صحابی کی شان میں نہیں۔ "صواعق محرقہ" میں ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ کسی سیّد زادے کو دیکھ پاتے تو فوراً تعظیماً کھڑے ہو جاتے تھے۔

حضرت شیخ اکبر محی الدینؒ ابن عربی "فتوحاتِ مکیّہ" میں آیتِ تطہیر کی تشریح کرتے ہُوئے لکھتے ہیں کہ تمام سادات بنو فاطمہؓ اور حضرت سلمان فارسیؓ کی طرح اور لوگ بھی جو اہلِ بیتؓ میں شمار کیے گئے ہیں، سب بضمنِ حکمِ مغفرت اِس آیت میں داخل ہیں۔ وُہ طاہر و مطہر ہیں۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی اُس عنایتِ خصوصی کا نتیجہ ہے جو آں حضرتؐ کے حال پر ہے۔ کسی مسلمان کو زیبا نہیں کہ اُن حضرات کی مذمت کرے، جن کی پاکیزگی کی اور بُرائی سے تحفظ کی خُود اللہ تعالیٰ نے شہادت دی ہے۔ یہ فضل و کرم اُن کے کسی عملِ خیر کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ محض عنایتِ ربانی ہے اور اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے، اپنا فضل کرتا ہے۔

امام عبدالوہاب شعرانیؒ "لطائف المنن" میں حضرت شیخ اکبرؒ کے مندرجۂ بالا ارشاد کی تائید کرتے ہُوئے لکھتے ہیں کہ شیخ نے فضائل اہلِ بیتؓ کرام میں یہ دو اشعار خُوب کہے ہیں:-

فَلَا تَعْدِلْ بِاَھْلِ الْبَیْتِؓ خَلْقًا ۔۔۔ فَاَھْلُ الْبَیْتِؓ ھُمْ اَھْلُ السِّیَادَہ

فَبُغْضُھُمْ مِنَ الْاِنْسَانِ خُسْرٌ ۔۔۔ حَقِیْقِیٌّ وَّحُبُّھُمْ عِبَادَہ!

ترجمہ:۔ اہلِ بیت نبیؐ کے برابر کسی کو مت سمجھو، کیونکہ وُہ اہلِ سیادت ہیں۔ اُنؓ کا بُغض انسان کے لیے حقیقی خسارہ ہے اور اُنؓ کی محبت عبادت ہے۔

پھر لکھتے ہیں کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے کہ مَیں اولادِ رسولؐ کی تعظیم و تکریم کو لازم سمجھتا ہُوں۔ خواہ اُن کے اعمال کیسے ہی ہوں۔ کیونکہ بُرے اعمال کی وجہ سے شرفِ نسب میں کمی نہیں ہوتی۔

حضرت شاہ شرف الدین بُوعلی قلندر پانی پتیؒ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ ایک بیوہ سیّدہ کی شکایت پر اُنہوں نے

مندرجہ ذیل رُباعی سُلطان علاؤ الدین خلجی کو لکھ کر بھیجی تھی :-

سادات افضل اند و بود وصفِ شاں جلی　　اولادِ مرتضیٰؓ و جگر گوشۂ نبیؐ

بر فعل شاں نظر مکن اے خر زجاہلی　　اَلصَّالِحُوْنَ لِلّٰہِ وَالطَّالِحُوْنَ لِیْ

امام فخر الدین رازیؒ صاحبِ "تفسیرِ کبیر" فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ بیتِ نبیؐ کو دُرود و سلام، طہارت و پاکیزگی، حُرمتِ صدقہ اور وجُوبِ محبت میں آں جنابؐ کے ساتھ شامل فرمایا ہے اور یہ صرف اُن ہی کی خصُوصیت ہے۔

حضرت شیخ عبدُ الحق محدّث دہلویؒ "اخبارُ الاخیار" کے دیباچہ میں تحریر فرماتے ہیں :-

"جب خاتمِ نبوّتؐ کی خلافت حضرتِ علیؓ کی ذاتِ گرامی تک پہنچی، تو اس شجرِ علم و ولایت سے درختِ طوبیٰ کی مانند بے شمار شاخیں پھُوٹیں، جن کے کمالات ہر جانب سایہ فگن ہُوئے اور ساری دُنیا حضرت علیؓ کے نُورِ جمالِ ولایت سے رُوشن ہوگئی۔ بالخصوص رسُولؐ اللہ کی اولادِ عالی نژاد نے بحکمِ وراثتِ حقیقی اور مناسبتِ ذاتی ولایت کا پُورا پُورا حصہ اور فیض حاصل کیا اور اپنی عصمتِ ذاتی کی بنا پر ولایتِ معنوی کا علَم بلند کرتے ہُوئے ظاہری حکومت دُوسروں کے لیے چھوڑ دی۔ خاندانِ نبوّت سے نُورِ ولایت نہ تو کبھی منقطع ہوا نہ ہوگا اور آسمانِ ولایت نے بغیر ان اقطاب کے کبھی قرار نہیں پکڑا۔ ان ہی میں سے اللہ تعالیٰ نے جسے چاہا قُطبُ الاقطابِ عالم، غوثِ بنی آدم اور مرجعِ جن و انس بنا کر مشرق و مغرب میں مشہُور و معرُوف کر دیا اور حضرت سیّد عبدُ القادر جیلانیؓ کو دینِ اسلام کا دوبارہ زندہ کرنے والا بنایا۔ اگرچہ جمالِ محمدیؐ تمام آل میں تاباں و درخشاں ہے، مگر محی الدین سیّد عبدُ القادر جیلانیؓ میں اس کا کچھ اور ہی رنگ ہے جو حقیقتاً جمالِ احمدیؐ اور کمالِ محمّدیؐ کا مظہرِ اتم ہے۔"

حضرت مجدّدِ الف ثانی رحمۃُ اللہ علیہ نے مکتُوباتِ شریف دفترِ سوم مکتوب ۱۲۳ میں تحریر فرمایا ہے، جس کا خُلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے واصل ہونے کے دو راستے ہیں۔ پہلا راستہ قُربِ نبوّت سے تعلق رکھتا ہے اور یہی اصل الاصل ہے اور اس راستے کے واصلان انبیاء علیہمُ السّلام ہیں اور اُن کے اصحابؓ اور تمام اُمّتوں میں سے جن کو بھی وُہ اس ذریعۂ دولت سے نوازنا چاہیں اُن میں شامل ہیں۔ دُوسرا راستہ قُربِ ولایت کا ہے۔ جس کے ذریعے اقطاب، اوتاد، ابدال، نُجبا و عام اولیاء واصل باللہ ہوتے ہیں۔ "راہِ سلُوک" اسی کو کہتے ہیں۔ اس راستے کے واصلین کے پیشوا اور اُن کے فیض کا منبع حضرتِ علیُّ المرتضیٰؓ ہیں اور حضرت سیّدہ فاطمہؓ و حضراتِ حسنینؓ رضی اللہ عنہم اس مقام میں اُن کے ساتھ شامل ہیں۔ میں سمجھتا ہُوں کہ حضرت سرکارِ علیؓ قبل از ظہُورِ وجُودِ عنصری بھی اس مقام پر فائز تھے اور اس راہ کے واصلین آپؓ ہی کی رُوحانیّت کے توسُّل و واسطے سے منزلِ مقصُود تک پہنچتے رہے۔ آپؓ کے بعد یہ منصبِ عالی علی الترتیب حسنینِ کریمینؓ کو تفویض ہوا اور پھر یکے بعد دیگرے ائمّۂ اہلِ بیتِ کرام اس مقام پر فائز ہُوئے۔ ان سے ماسوا جن کو بھی مذکورہ مقامات عطا ہُوئے اِن ہی حضرات علیہمُ السّلام کے واسطے سے ہُوئے۔ حتّیٰ کہ حضرت غوثُ الاعظمؓ کا دور آنے پر یہ منصبِ عظیم یعنی قُطبیّتِ کبریٰ آپؓ کی ذات سے مختص کر دیا گیا۔ اب جس کسی کو بھی اس راستے سے فیض و برکات حاصل ہوتی ہیں، آنجنابؓ کے توسط سے ہی ہوتی ہیں۔

اس کے بعد حضرت مجدّدِ الف ثانیؒ نے اپنے متعلق لکھا ہے کہ مجھے بھی حضرت غوثِ اعظمؓ کی نیابت کے طور پر یہ مقام حاصل ہوا ہے۔

علامہ آلوسی بغدادیؒ نے تفسیر "رُوح المعانی" میں آیۂ تطہیر کی تشریح کے ضمن میں لکھا ہے کہ اسی تطہیرِ الٰہی کا نتیجہ ہے

کہ اخلاق، اعمال اور فضائل کے لحاظ سے اہلِ بیتؓ کرام ہر دور میں دوسروں سے پیش پیش نظر آتے ہیں۔ اس میں یہی اشارہ ہے کہ ان کے اعمال مقبول ہیں اور ان پر آثارِ جمیلہ کا مترتب ہونا یقینی امر ہے۔ یہ ان کی ایسی خصوصیت ہے جس میں ان کا کوئی شریک نہیں۔ اسی لیے اربابِ کشف نے تصریح فرمائی ہے کہ ہر دور میں قطب اسی خاندان سے ہوتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بھی "لمعات" "المقالۃ الوضیہ" وغیرہ میں تحریر فرمایا ہے کہ مقامِ جذب و ولایت کے فاتح اول سیدنا علی کرم اللہ وجہہ ہیں اور سیدۃ النساءؓ و حضرات حسنینؓ کریمین اس مقام میں آپؓ کے ساتھ شامل ہیں بقیہ ائمۂ اہلِ بیتؓ بھی اسی نسبت کے اقطاب ہیں اور سیدنا غوث الاعظمؒ کی اس مقام میں ایک خصوصی شان ہے۔

علامہ اقبالؒ نے جناب سیدۃ النساءؓ کی شان میں کیا خوب کہا ہے:-

مریمؑ از یک نسبتِ عیسیٰ عزیز ... با سہ نسبت حضرتِ زہراؓ عزیز

نورِ چشمِ رحمۃٌ للعالمیں ... آں امامِ اولین و آخرین

بانوئے آں تاجدارِ ھل اتیٰ ... مرتضےؓ، مشکل کشا، شیرِ خدا

مادرِ آںؓ قافلہ سالارِ عشق

مادرِ آںؓ مرکزِ پرکارِ عشق

حدیثِ خمِّ غدیر

متذکرۂ بالا اقوال کی تائید حدیثِ خمِ غدیر مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ۔ اَللّٰھُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاہُ وَعَادِ مَنْ عَادَاہُ۔ (جس کا میںؐ محبوب ہوں، یہ علیؓ بھی اس کا محبوب ہے۔ الٰہی! جو اسؓ کے ساتھ محبت رکھے تو بھی اس کے ساتھ محبت رکھ اور جو اسؓ کے ساتھ عداوت رکھے، تو بھی اس کے ساتھ عداوت رکھ) اور حدیث شریف: اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا۔ (میںؐ علم کا شہر ہوں اور علیؓ اس کا دروازہ ہے) سے ہوتی ہے۔ ان احادیث میں آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ کو کائنات کا مولا اور اپنے علومِ مقدسہ کے شہر کا دروازہ قرار دیا ہے۔ علامہ مناویؒ شرحِ جامع صغیر میں لفظِ مولا کی تشریح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مولا اسے کہتے ہیں جو لازم الولایت اور اس پر ہمیشہ قائم رہنے والا ہو۔ دیگر احادیث سے بھی یہی ثابت ہے۔ "نسائی" اور "مسند احمد" میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ "علیؓ مجھ سے ہے اور میںؐ علیؓ سے ہوں اور میرےؐ بعد وہؓ ہر مومن کا ولی ہے۔ تمام سلاسل صوفیائے کرام اور محققین علمائے عظام کا اتفاق ہے کہ یہاں ولایت سے مراد ولایتِ باطنیہ ہے جس کا بلافصل یعنی مسلسل ہونا لازمی امر ہے۔ بعض حضرات ان احادیث کو ضعیف شمار کرتے ہیں، مگر وہ غلطی پر ہیں، کیونکہ ثقہ محدثین نے ان کی توثیق کی ہے۔ اسی طرح وہ صاحبان بھی غلطی پر ہیں جو ان کو خلافتِ ظاہرہ کے تسلسل اور بلافصل ہونے کی دلیل تصور کرتے ہیں۔ اس مسئلے کی تفصیل "ازالۃ الخفا" مصنفہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور رسالہ "فخر الحسن" مصنفہ حضرت مولینا فخر الدین چشتی نظامیؒ کی شرح "القول المستحسن" میں موجود ہے۔ یہ شرح مولانا احسن الزمان محدث حیدر آبادی خلیفۂ حضرت خواجہ محمد علی چشتی سلیمانی خیر آبادیؒ نے تحریر کی ہے۔ اور اس میں سلسلۂ چشتیہ کے سرگروہ حضرت خواجہ حسن بصریؒ کے حضرت سیدنا علیؓ سے براہِ راست نسبت و استفاضہ کو قوی دلیل سے ثابت کیا گیا ہے جس سے خلافتِ باطنیہ جناب رسولِ کریمؐ کے بعد حضرت علیؓ اور انؓ کے بعد انؓ کے توسط سے دیگر حضرات تک اکثر سلاسل میں ثابت ہے

اس رسالہ کے اقتباسات حاشیہ "نبراس" بحث خلافت میں بھی موجود ہیں۔

مقامِ ولایت کے مرکزِ اعلیٰ علیؓ

مذکورہ بالا حوالہ جات سے واضح ہے کہ جس طرح مقامِ نبوت کے مرکزِ اعلیٰ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں، اُسی طرح مقامِ ولایت کے مرکزِ اعلیٰ سیدنا علیؓ ہیں۔ آیۂ کریمہ:-

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّحِکْمَۃٍ ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ (آل عمران - ۸۱)

اور جب اللہ نے نبیوں سے عہد لیا کہ جو کچھ میں تمہیں کتاب اور علم سے دُوں پھر تمہارے پاس پیغمبر آئے، جو اس چیز کی تصدیق کرنے والا ہو، جو تمہارے پاس ہے تو اُس پر ایمان لے آنا اور اُس کی مدد کرنا۔

اور حدیث شریف:-

کُنْتُ نَبِیًّا وَّاٰدَمُ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ۔

مَیں اُس وقت بھی نبی تھا جب آدمؑ ابھی رُوح اور جسم کے درمیان تھے۔

کی تشریح میں امام سیوطیؒ نے خصائص کبریٰ میں اور حضرت شیخ اکبرؒ نے فتوحاتِ مکیہ میں تحریر فرمایا ہے کہ حقیقتِ کُلیہ اور تجلّیِ اوّل میں قبولِ فیض کے لحاظ سے تمام حقائق سے قریب تر حقیقت محمدیہ ہے اور اُس کے بعد سیدنا علیؓ کی حقیقت ہے۔

حضرتِ غوث الاعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے حضرت ابُوہریرہؓ سے مرفوعاً روایت فرمایا ہے کہ آں حضرتؐ نے فرمایا، جب اللہ تعالےٰ نے آدم علیہ السلام میں رُوح پھُونکی، تو اُنہیں عرشِ معلّٰی کی دائیں جانب پانچ انوار رکوُع و سجوُد میں مصرُوف نظر آئے۔ آپؑ کے اِستفسار پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ تیری اُولاد کے پانچ افراد ہیں۔ اگر یہ نہ ہوتے۔ تو مَیں جنّت، دوزخ، عرش، کرُسی، آسمان، زمین، فرشتے، اِنسان، جنّ وغیرہ کو پیدا نہ کرتا۔ جب تمہیں کوئی حاجت پیش آئے، تو اِن کے وسیلے سے سوال کرنا۔ (ارجح المطالب جلد ۴، صفحہ ۴۶۱)

اِس حدیث کو امام ابُوالقاسم رافعیؒ وغیرہ نے بھی نقل کیا ہے۔ صاحبِ "ارجح المطالب" نے اِمام احمد بن حنبلؒ اور اُنؒ کے فرزند عبداللہؒ اور علامہ ابنِ عساکر اور مُحبّ طبری وغیرہ عُلمائے کرامؒ کی کُتب کے حوالے سے اِس مضمُون کی اور بھی کئی احادیث کو نقل کیا ہے، جن میں آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ "میں" اور "علیؓ" ایک ہی نوُر سے پیدا کیے گئے ہیں۔

حضرت شاہ عبدُالعزیز محدّث دہلویؒ نے بھی اپنی تفسیر "عزیزی" میں اُن کلمات کی تفسیر لکھتے ہوئے، جن کے توسّل سے حضرت آدمؑ کی توبہ قبول ہُوئی۔ مذکورہ بالا احادیث کے ہم معنی روایات نقل فرمائی ہیں۔ لیکن یہ خیال رہے کہ جیسے "شرح العقائد" و "نبراس" میں تحریر ہے، حضرتِ علیؓ کے یہ فضائل مسئلہ فضیلت شیخینؓ کے منافی نہیں ہیں۔ ان سے حضرات شیخینؓ کی فضیلت میں کسی طرح کی کوئی کمی واقع نہیں ہوتی ہے۔

نسبتِ اُویسیؓ

مُندرجہ بالا حقائق سے حضرت قبلۂ عالم گولڑوی قُدّس سِرّہ العزیز کے سابقہ ملفوظِ گرامی کی تصدیق ہوتی ہے اَور اویسی قلندروں سے اہلِ بیتؓ کی شان دریافت کرنے کے متعلق جو آپؒ نے فرمایا ہے، اُس میں الفاظ "اویسی قلندروں" میں اپنے متعلق بھی اِشارہ فرمایا ہے۔ کیونکہ اِصطلاحِ صُوفیہ میں اویسی اُن حضرات کو کہتے ہیں، جو باطنی طور پر آں حضرتؐ یا دیگر اَرواحِ کاملین سے براہِ راست تربیت پائیں۔ اَور یہ اَمر ثابت شُدہ ہے کہ حضرت قبلۂ عالم کو علاوہ اُس فیض کے جو ظاہری طور پر مشائخِ طریقتؒ کی توجہاتِ عالیہ سے حاصل ہُوا، براہِ راست امام الاولیا سرکارِ علیؓ اَور سیدنا غوث الاعظمؓ کی توجہاتِ گرامی سے بھی کمالاتِ خصوصی عطا ہُوئے، جن کا اِظہار آپؒ نے متعدّد مقامات پر فرمایا ہے۔ اِسی ضمن میں ایک فارسی غزل میں آپؒ کا یہ شعر قابلِ مُلاحظہ ہے ؎

تا یافتہ ام خبرے از بابِ علومِ دِل ۔۔۔ دِلدادہ بہ مہرِ آں شہ حیدرؓ کرّارم

مہر ہے ساری علیؓ دی

ایک اَور پنجابی نعت میں اِرشاد فرمایا ہے :۔

مہر ہے ساری علیؓ دی، شک نہ رہیا اِک ذرّہ
تاہیں اوہ پیاں دِسدیاں سانوں ماہی والیاں ٹاہلیاں

دُوسرے مصرعے کی تشریح آپؒ نے ایک مقام پر "نفسُ الرحمٰن" اَور "حضرات الاسمار" کے ساتھ فرمائی ہے۔ اِسی نعت میں حضرت سیدنا غوثُ الاعظمؓ کے فیوض وبرکات کا اِن الفاظ میں اِظہار فرمایا ہے ؎

ہے جو تنزیہہ عینِ تشبیہہ جمع حق مشہُود ہے
کرم کیتا غوثِ اعظمؓ اپنے سردیاں والیاں

فی الحقیقت تربیت اَور استفاضہ کے مُعاملے میں حضرت قبلۂ عالم کی ذاتِ گرامی میں تمام تر وُہی نقشہ نظر آتا ہے جو آپؒ کے جدِّ امجد، سرکارِ بغدادؓ کے متعلق کُتبِ سِیَر میں مرقُوم ہے۔ حضرتِ غوثُ الاعظمؓ نے بھی اپنے اِرشاد ؏

وَجَدِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ فِی الْاَصْلِ رَبَّانِیْ

کے مُطابق باوجُود سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے براہِ راست مُستفیض ہونے کے حسب قاعدۂ طریقت، اپنے وقت کے متعدّد اہلِ باطن حضرات سے خرقۂ خلافت حاصل فرمایا تھا۔ لہٰذا حضرت قبلۂ عالم کا بمصداق اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْہِ اپنے جدِّ بزرگوار کے نقشِ قدم پر ہونا ثابت ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ "ہمعات" میں بضمن "نسبتِ اویسیہؓ" فرماتے ہیں :۔

"مزید برآں مِلّتِ مُصطفویہ میں بالعمُوم اَور اِس زمانے میں بالخصُوص اِن دو بزرگان یعنی سیدنا علیؓ و سیدنا عبدُالقادر جیلانیؓ سے بڑھ کر اَور کوئی بزرگ خرقِ عادات وکرامات کے ضمن میں مشہُور نہیں ہے اَور یہ امر اِس بات کا مقتضی ہے کہ سالک جب عالمِ غیب کی طرف توجہ کرے تو اُسے اِن ہر دو بزرگان میں سے کسی نہ کسی صُورت میں متشکّل دیکھے۔"

اب اِس مُبارک موضوع کو اپنے مُندرجہ ذیل اشعار پر بدیں اُمید ختم کرتا ہُوں کہ شاید اللہ تعالیٰ اِن پاک ہستیوں کے ذکرِ خیر کی برکت سے میرا بھی اہلِ بیتِ رضی کرام کے ثناخوانوں میں حشر کرے :۔

رضائے حق ہے رضائے نبیؐ و آلِ نبیؐ — ولائے حق ہے ولائے نبیؐ و آلِ نبیؐ
دُعائے رحمت کو پڑھ کر یہ راز فاش ہُوا — لقائے حق ہے لقائے نبیؐ و آلِ نبیؐ
نہیں نماز وُہ منظورِ بارگاہِ خُدا — کہ جس میں ہو نہ ثنائے نبیؐ و آلِ نبیؐ
انہیںؓ کے گھر میں ہی نازل ہوا کلامُ اللہ — انہیںؓ کے گھر سے ہدایت ملی، جسے بھی ملی
نجات انہیںؓ سے ہے وابستہ بحرِ ظُلمت میں — بغیر انؓ کے نہ کشتی کوئی بھی پار ہُوئی
صداقت اور عدالت انہیںؓ پہ ہے نازاں — امامت اور ولایت کے ہیں مدار یہی
گواہ انؓ کی طہارت پہ آیۂ تطہیر — نشان انؓ کی شہادت سے کربلا کی گلی
سیادت انؓ کی مُسلّم ہے دونوں عالم میں — غُلام انؓ کے ہیں شاہ و گدا، فقیر و غنی
شجاعت انؓ کی ہے ضربُ المثل زمانے میں — لقب انہیںؓ کا ہے شیرِ خدائے لم یزلی
سخاوت انؓ کی، خُدا کی قسم، کہ کیا کہنا — "نہیں" تو انؓ کی زباں سے نہیں کسی نے سُنی
ہیں علمِ ظاہر و باطن کے بحرِ بے پایاں — خُدا نے انؓ کو سجھائے ہیں رازہائے خفی

نہیں جو انؓ سے تعلق تو فیض کچھ بھی نہیں
کہ دین انؓ کے سوا ہے تمام تُو لہی

تیسری فصل

آبائے کرام رض

مولائے کائنات جناب علی رض

اِس خاندانِ ذی شان کے اَسلافِ کرام رض نے ہر دَور میں باطل کے خلاف نبرد آزما رہ کر اِسلام کی سربُلندی کے لیے بیش بہا خدمات انجام دی ہیں۔ سب سے پہلے سیّدنا علی مُرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خِدمات کا تاریخی جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ رض نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے ہم رکاب تقریباً تمام غزوات میں شریک رہ کر ایسے کارہائے نمایاں انجام دیئے جو تاریخ اِسلام میں ہمیشہ ہمیشہ سُنہری حرُوف میں لکھے جاتے رہیں گے۔ صرف غزوہ تبوک میں آں حضرت نے آپ رض کو مدینہ میں اپنا نائب بنا کر چھوڑا تو آپ رض مغموم ہُوئے۔ اِس پر آں حضرت نے فرمایا۔ اَمَا تَرضٰی اَن تَکُونَ مِنّی بِمَنزِلَۃِ ھَارُونَ مِنْ مُوسٰی (کیا تم رض اِس بات پر راضی نہیں ہو کہ تمہیں میرے ساتھ وُہ نسبت ہو جو حضرت ہارُون ع کو حضرتِ مُوسیٰ ع کے ساتھ تھی؟)

جنگِ بدر میں کُفّار کے ستّر مقتولین میں سے اکیس (۲۱)، صِرف آپ رض کی تلوار کا شکار ہُوئے۔ اُس وقت آپ رض کی عُمر شریف صِرف ستّرہ برس کی تھی۔ جنگِ اُحد کے بائیس (۲۲) مقتولوں میں سے سات (۷) آپ رض کے ہاتھ سے مارے گئے۔ جنگِ احزاب میں، جب عَمرو ابنِ عبدوُد، جو عرب میں ایک ہزار پہلوانوں کا مقابل سمجھا جاتا تھا، آپ رض کے ہاتھ سے کیفرِ کردار کو پہنچا تو آں حضرت نے فرمایا: علی ع کی یہ ضرب اُس کے تمام دُوسرے اَعمال پر سبقت لے گئی ہے۔ اُس زمانے کے دستُور کے خلاف آپ رض مقتوُل کے اسلحہ و پارچات پر تصرُّف نہیں فرماتے تھے۔ اِس پر عمرو کی بہن نے ایک مرثیہ میں کہا کہ بھائی! مَیں تیری لاش پر ابرِ بہار کی طرح روتی، مگر یہ دیکھ کر میرے آنسُو خشک ہو گئے کہ تو ایک مردِ شجاع کے ہاتھوں قتل ہوا ہے۔

میدانِ جنگ میں جو شخص بھی اِس شیرِ خُدا کے مُقابل ہوا، قتل ہوا۔ کسی فارسی شاعر نے کہا ہے ؎

نہ شُد فضلے بروز کارزارش زعزرائیل ع و ضربِ ذُوالفقارش

صِرف دو مقابل بچ نِکلے تھے۔ ایک اپنی پُشت برہنہ کر کے بھاگا تھا اور آپ رض نے مُسکرا کر مُنہ پھیر لیا اور دُوسرے نے آپ رض کے چہرۂ مُبارک پر تھوک دیا، جس سے آپ رض نے تلوار نیام میں کر لی کہ مبادا عمل فی سبیل اللہ میں اِس ذاتی رنج و غصّہ کی وجہ سے خلل آ جائے۔

جہاد بالسّیف کے عِلاوہ اشاعتِ علومِ نبویہ، تبلیغِ دین اور ہدایتِ خلق کے معاملہ میں مساعی کا جو ظہُور آں جناب رض کی ذاتِ گرامی سے ہوا، اُس پر خُود صحابہ کرام رض، ائمۂ تابعین اور تمام سلاسل کے اَولیائے عظام کے اقوال شاہد ہیں۔ "مسندِ امام احمد" میں ہے کہ حضرت عُمر رض باایں جلالتِ شان فرمایا کرتے تھے کہ "اللہ تعالیٰ ایسی مشکل سے پناہ دیں، جس کے حل کے لیے

ابُوالحسنؓ یعنی حضرت علیؓ نہ ہوں "۔

حسنینؓ کریمین

مولائے مُشکل کُشاؓ کے بعد آپؓ کے دونوں فرزندانِ ارجمند حسنینؓ کریمین کی دینی خدمات اور اشاعتِ طریقۂ نبویہؐ پر تمام اُمت کا اتفاق ہے۔ سیدنا امام حسنؓ کا ظاہری خلافت سے دستبردار ہوکر، حسبِ پیشگوئی آں حضرتؐ، اُمتِ مسلمہ کو خانہ جنگی سے بچالینا ایک عظیم کارنامہ ہے اور جناب امام حسینؑ کا یزیدِ شقی کے خلاف آوازِ حق بلند کرکے حدودِ شرعیہ کے تحفظ کے لیے سب کچھ قربان کردینا اپنی مثال آپ ہے ؎

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم　　نہایت اس کی حسینؑ، ابتدا ہے اسمٰعیلؑ
(اقبالؒ)

حسنینؓ کریمین کی اولادِ امجاد

حسنینؓ کریمین کی اولادِ گرامی بھی اشاعتِ حق اور ازالۂ باطل میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی رہی۔ سیدنا امام حسینؑ کے پوتے جناب زید شہیدؒ نے بھی مروانیوں کی غیر شرعی حکومت کے خلاف جہاد کرتے ہوئے میدانِ کربلا کا نقشہ از سرِ نو پیش کیا۔ حضرت امام حسنؓ کے فرزند جناب حسنؒ مثنّیٰ جو میدانِ کربلا میں زخمی ہوئے تھے اور جنہیں اسماء بنتِ حکیم فرازیؒ نے سفارش کرکے ابنِ زیاد ملعون سے چھڑایا تھا، کے پوتے سید محمد نفس الزکیہؒ، سید ابراہیمؒ اور سید یحییٰ زاہدؒ نے منصور عباسی وغیرہ کے دورِ حکومت میں آوازِ حق بلند کی اور شجاعت کے وہ جوہر دکھائے کہ علویؓ شان کی یاد تازہ ہوگئی ؎

علیؓ کا گھر بھی کیا گھر ہے کہ جس گھر کا ہر اک بچہ　　جہاں پیدا ہوا شیرِ خدا معلوم ہوتا ہے

یہ مسلّمہ امر ہے کہ عالمِ اسلام کی دینی، دُنیوی، اخلاقی، مُعاشرتی، ذہنی اور رُوحانی اقدار اپنے قیام و بقا میں اسی گھرانے کی مرہُونِ منت ہیں۔ اہلِ سُنت و الجماعت کے چاروں فقہی ائمہ، اہلِ بیتِ کرامؓ کے شاگرد اور خوشہ چین ہیں۔ امام ابُوحنیفہؒ اور امام مالکؒ حضرت امام جعفر صادقؓ کے اور امام شافعیؒ امام مُوسیٰ کاظمؓ کے تربیت یافتہ ہیں۔ اسی طرح امام احمد بن حنبلؒ نے امام شافعیؒ کا شاگرد ہوکر بالواسطہ اسی خاندانِ پاک کا شرفِ تلمذ حاصل کیا۔ حدیث، فقہ، تفسیر، سیرت، تعبیر، ہندسہ، بلاغت و طب وغیرہ عُلوم کے اکابر عُلماء اسی گھرانے کے ارادت مند اور فیض یافتہ تھے حتیٰ کہ معتزلہ بھی "نہج البلاغہ" کے ثبوت پر اصحابِ علیؓ ہونے کے دعوے دار تھے۔ الغرض رُوحانیت کے سارے سلسلے اور طریقے اسی دریا کی نہریں ہیں۔ نقشبندیہ سلسلہ حضرت امام جعفر صادقؓ کے واسطے سے اُن کے جدِ مادری حضرت صدیقِ اکبرؓ سے منسلک ہے اور دیگر سلاسل قادریہ، چشتیہ، سُہروردیہ، اویسیہ، رفاعیہ، مولویہ، شاذلیہ، شطاریہ اور بندگیہ وغیرہ سب کے سب براہِ راست امیرالمؤمنین سیدنا علیؓ ابن ابی طالب سے متعلق ہیں۔

غوث الثقلینؓ

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی اولاد میں سے جناب غوثِ پاک، پیرانِ پیر، دستگیر، سیدنا محی الدین ابی محمد عبدالقادر

جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ احیائے دین کے سلسلے میں وُہ بطلِ جلیل اور رہبرِ عظیم ہیں، جن کے دستِ برکت نے دینِ اسلام کو ایک مثالی شکل میں مریض پاکر حیاتِ نو بخشی اور چار دانگِ عالم میں محی الدین کے لقب سے مشہور ہُوئے۔ علماء، محدثین اور اکابرِ سلف کی ایک کثیر تعداد نے آپؓ کے فضائل اور مناقب میں ضخیم کتب تحریر کی ہیں۔ اِن میں سے مندرجۂ ذیل یہاں عربی زبان میں دستیاب ہوسکتی ہیں اور بعض کے اُردُو اور فارسی ترجمے بھی شائع ہوچکے ہیں:۔

۱۔ نورُ النّاظر فی اخبار الشیخ عبدُ القادرؒ، از علامہ ابُوبکر عبدُ اللہ تمیمیؒ عراقی

۲۔ بہجۃُ الاسرار، از علامہ نورالدین ابُوالحسن علی بن یُوسف شطنوفی

۳۔ راس المفاخر فی مناقب الشیخ عبدُ القادرؒ، از امام عبدُ اللہ ابن السعد الیافعی الشافعی

۴۔ دُررُ الجواہر فی مناقب الشیخ عبدُ القادرؒ، از علامہ سراجُ الدین ابُوحفص عُمر ابنِ علیؒ

۵۔ رَوضۃُ النّاظر فی مناقب الشیخ عبدُ القادرؒ، از علامہ مجدالدینؒ فیروز آبادی مصنف "قاموسُ اللُّغت"

۶۔ الروضُ الزّاہر فی مناقب الشیخ عبدُ القادرؒ، از علامہ ابُوالعباس احمد قسطلانیؒ۔

۷۔ نُزہۃُ الخاطر الفاتر فی مناقب الشیخ عبدُ القادرؒ، از علامہ علی بن سُلطان محمد قاریؒ حنفی صاحب "مرقاۃ شرحُ المشکوٰۃ"

حضرتِ غوثُ الاعظمؓ دُنیا کے تمام اولیاء اللہ کے سردار اور نبوّت کے بعد ولایت کے اُس مقامِ اقصیٰ پر فائز ہیں، جہاں اور کسی کو رسائی نصیب نہیں ہُوئی۔ آں جنابؓ کی وِلادت ۴۷۱ھ میں ہُوئی۔ اکانوے برس کی عُمر پائی اور ۵۶۲ھ میں وصال ہوا۔ وِلادت کی تاریخ لفظ "عاشق" سے اور عُمر شریف لفظِ "کمال" سے نکلتی ہے۔ اِسی طرح سِن وصال کے الفاظ بحساب ابجد "معشوقِ الٰہی" ہیں۔ لہٰذا کیا خُوب کہا ہے ؎

سنینش "کامل" و "عاشق" تولّد وصالش داں زِ "معشوقِ الٰہی"

پیدائش کے وقت عالمِ اسلام کی حالت

تاریخ کے مُطالعہ سے پایا جاتا ہے کہ جنابِ غوثُ الاعظمؓ کی پیدائش سے قبل دُنیائے اِسلام پر زوال و انحطاطِ عمُومی کا دور شروع ہوچکا تھا۔ اگرچہ بظاہر اِسلامی سلطنتوں کے اِقتدار کا سلسلہ اُندلس سے لے کر ہندوستان تک پھیلا ہوا تھا مگر اندرُونی طور پر حالات نہایت خراب و ناگفتہ بہ تھے۔ دُنیائے اِسلام کی مرکزی طاقت یعنی خلافتِ بغداد بہت کمزور ہوچکی تھی۔ اور باقی ہر طرف طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا۔ سیاسی و معاشرتی لحاظ سے ہر جگہ اِنتشار تھا۔ علامہ شبلی نعمانیؒ، سید سلیمان ندویؒ نے اپنی تاریخی کتابوں اور علامہ ابنِ جوزیؒ نے "المنتظم" میں اُس وقت کے اسلامی ممالک کے جو حالات تحریر کیے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ بدکاری، فسق و فجُور، سیاسی اَبتری اور اَخلاقی انحطاط انتہا کو پہنچ چکے تھے۔

اُندلس میں امیر عبدُالرحمٰن اُموی کی قائم کردہ حکومت کی مرکزی حیثیت ختم ہوچکی تھی۔ یورپ کی عیسائی حکومتیں موقع کی تاک میں تھیں کہ مُسلمانوں کو ختم کرکے اپنی حکومت قائم کریں۔

مصر میں سلطنتِ باطنیہ عُبَیدیہ جسے علامہ سیُوطیؒ نے "تاریخُ الخُلفاء" میں دولتِ خبیثہ کے نام سے پکارا ہے الحاد اور بے دینی کے نظریات پھیلا رہی تھی۔ اُس کے اربابِ اِختیار نے جس قدر اِسلامی اَقدار کو نقصان پہنچایا، اُس کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔

بیت المقدس پر عیسائیوں کا قبضہ ہو جانے کے بعد وُہ لوگ عراق و حجاز پر حملے کی تیاریوں میں مصرُوف تھے۔ گویا مسیحی دُنیا کی مُتحدہ قوّت اِسلام کو مِٹانے پر تُلی ہُوئی تھی۔

مشرقِ وُسطیٰ میں دَولتِ عباسیہ کا وجود برائے نام ہوتا جا رہا تھا اور سلجُوقی و دیگر ماتحت سلاطین خانہ جنگیوں میں مُبتلا تھے۔ جس سُلطان کی طاقت بڑھ جاتی، بغداد میں اُسی کا خُطبہ شرُوع ہو جاتا۔

افغانستان و ہندوستان کے شمال مغربی علاقے میں سُلطان محمُود غزنوی کے جانشینوں کا زوال شرُوع ہو چُکا تھا اور ہندُو راجے مہاراجے اپنی سابقہ شکستوں اور ذلّتوں کا انتقام لینے کے لِیے صلاح مشورے کر رہے تھے۔

اِس کے علاوہ مُسلمانوں کی اخلاقی حالت بھی گر چُکی تھی۔ طبقۂ اُمراء عیش و عشرت میں مُبتلا تھا۔ مشرقِ وُسطیٰ کے ایک اَوسط درجے کے رئیس اِبنِ مروان کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ اُس کی حرم سرائے میں صرف گانے بجانے والی لونڈیوں کی تعداد پانچ صد کے قریب تھی اور بقول اِمام یافعیؒ قرطبہ کے ایک امیر معتمد نامی کے ہاں ایسی آٹھ صد عورتیں تھیں۔ ہسپانیہ کے نقاب پوش سلاطین کے دَور میں اِسلامی پردہ بھی ختم ہو چکا تھا۔ مردوں نے نقاب پہننا شرُوع کر دیا تھا اور عورتیں کُھلے مُنہ پھرتی تھیں۔ بدکاری و شراب نوشی عام تھی۔ عوام کا تو ذکر ہی کیا، اُمراء، سلاطین اور عُلماء تک وجاہت پرستی اور دُنیوی عیش کا شکار تھے۔

مذہبی اور رُوحانی صُورتِ حال اِس سے بھی بدتر تھی۔ قرامطہ اور باطنیہ نیز اہلِ رفض و اعتزال و عُلمائے سُوء کے فِتنوں اور لاتعداد پیدا ہو جانے والے دیگر فرقوں نے اِسلام کے مرکزی شہر بغداد تک میں اُودھم مچا رکھا تھا۔ ہر روز بے شمار مشائخ، عُلماء، اُمراء اور دیگر سرکردہ مُسلمان فرقۂ باطنیہ کی سازشوں اور خنجرِ خُون آشام کا شکار ہو رہے تھے۔ مشہُورِ زمانہ سلجُوقی وزیر نظام الملک طُوسی اور اُس کے بعد ۴۸۵ھ میں سلجُوق فرماں روا ملک شاہ بھی ان خُدا ناترس قاتلین کے ہاتھوں جامِ شہادت نوش کر چکے تھے۔ یُونانی فلسفہ الگ اِسلامی عقائد و نظریات کی جڑیں کھوکھلی کر رہا تھا اور عُلمائے اِسلام اِس سے متاثر ہو کر دِین سے بتدریج دُور ہوتے جا رہے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مسٹر گبن و دیگر یورپین مؤرّخوں نے اِس زمانے کو دُنیائے اِسلام کا ایک تاریک دَور شُمار کیا ہے۔

اِمام غزالیؒ "اِحیاء العلوم" میں اِس زمانے کے عُلماء کے متعلق لِکھتے ہیں کہ وُہ ہر وقت شیعہ، سُنّی، حنبلی اور اشعری مناظرات میں مصرُوف رہتے تھے۔ گالی گلوچ اور کُشت و خُون تک نوبت پہنچنا ایک معمُولی بات تھی۔ اور کُچھ نہ ہو تو صدر نشینی پر ہی جھگڑا کھڑا ہو جاتا تھا۔ مُعاشرے کا یہی وُہ سیاسی اور رُوحانی اِدبار تھا، جسے آں حضرتؐ نے مُسلمانوں کے لِیے سب سے زیادہ خطرناک قرار دِیا تھا۔ صحاحِ ستّہ میں بالفاظِ مُختلفہ یہ حدیث شریف تحریر ہے: "خُدا کی قسم، غُربت و افلاس کا تمہارے متعلق مجھے کوئی خوف نہیں، بلکہ مجھے اِس بات کا ڈر ہے کہ تم پر دُنیا کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور پھر جیسے تم سے پہلی اُمتوں میں مُقابلے کا بازار گرم ہوا، اُسی حالت میں تم بھی مُبتلا ہو جاؤ گے۔ یعنی اِس حالت میں اغیار نہیں بلکہ خُود مُسلمان ہی مُسلمانوں کو ختم کرنے کے درپے ہو جائیں گے۔"

اِسی رُوحانی اِدبار کے متعلق "فیضُ الباری" "تعلیقاتِ بُخاری" میں بھی علّامہ انور شاہ کشمیری نے ایک روایت نقل کی ہے کہ آں حضرتؐ نے فرمایا: "پانچویں صدی کے قریب میری اُمّت پر آفت کی ایک چکّی چلے گی۔ اگر اِس سے یہ بچ نکلی تو پھر کُچھ مدّت کے لِیے اِسے استقامت حاصل ہو جائے گی۔"

چُنانچہ اِن حالات میں ایک ایسی ہی رُوحانی قوّت کی ضرورت تھی، جو تمام طاغوتی طاقتوں کو مغلوب کر کے اپنے

عالم گیر اثر کے باعث بنی نوع انسان کو از سر نو دینِ اسلام پر قائم کرے اور دین کی تقویّت و غلبہ کا موجب ہو۔ جس کی نظر میں تمام کائنات رائی کے ایک دانے کے برابر ہو۔ جس کا علم علومِ الٰہیہ کا اور جس کی طاقت قادرِ حقیقی کی قدرت کا مظہر ہو۔ جو سلطان الوقت اور بموجب تصریحات اکابرینِ دین متصرّف علی الاطلاق ہو، جو نوعِ انسانی کو مادیت کی ذلتوں، نفس پرستیوں اور اخلاقی پستیوں سے نکال کر روحانی بلندیوں اور اخلاقی استواریوں سے روشناس کرائے۔ ان کمالات و تصرفاتِ روحانی کا حامل اُمّتِ مرحومہ کا یہی بطلِ جلیل اور مردِ عظیم تھا، جسے قیامت تک دنیا پیرانِ پیر، غوث الاعظمؓ اور محی الدینؓ کے مبارک ناموں سے پکارتی رہے گی ؎

بے شک کلیدِ قفلِ درِ مدعا ہو تمؓ
اولادِ خاصِ سبطِ رسولِ خدا ہو تمؓ

یہ اسی مبارک و کریم النفس انسانِ کامل کی برکت تھی کہ نہ صرف دینِ اسلام سنبھل گیا اور مسلمانوں کے اندرونی و بیرونی حالات اصلاح پذیر ہونا شروع ہو گئے بلکہ اُن میں اُس فتنۂ عظیم سے نبرد آزما ہو کر ایمان سلامت لے نکلنے کی صلاحیت و حوصلہ بھی پیدا ہو گیا جو کہ آں جنابؓ کے وصال کے تقریباً نصف صدی بعد تاتاری طوفان و غارت گری کی صورت میں قیامتِ صغریٰ بن کر نمودار ہوا اور دنیائے اسلام پر ٹوٹا۔

حضرتِ غوث الاعظمؓ نے اپنے اِن خداداد کمالات کا بطورِ تحدیثِ نعمت قصیدۂ غوثیہ میں ذکر فرمایا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ بھی "ہمعات" میں اس کے متعلق فرماتے ہیں:-

"اصل نسبتِ حضرت غوث الاعظمؓ نسبتِ اویسیہ است بامزجے از برکاتِ نسبتِ سکینہ بایں معنی کہ ایں کس مُراد و محبوب نقطہ کہ با ذالِ ذاتِ الٰہیہ است در شخصِ اکبر، در ضمن حُبّ نفوسِ فلکیہ و ملاءِ اعلیٰ و ارواح کُمّل گردد۔ واز راہ ایں حُبّ سیلان کند بروئے تجلّی از تجلیاتِ الٰہیہ کہ جامع است میانِ ابداع وخلق و تدبیر و تدلّی۔ و ظاہر شود اُنسے و برکتے کہ انتہا ندارد۔ دریں صورت قصدِ ایں کمال و توجہ بداں کردہ باشد یا نہ۔ گویا امرے منتظم بغیر ارادہ وے ظہور می کند۔ ازینجاست کہ حضرتِ غوث الاعظمؓ بہ تفاخر و کلماتِ کبریائیہ متکلم شدہ اند و تسخیرِ عالم از ایشاں ظاہر می شد۔" (ہمعہ ۱۶)

ترجمہ:- حضرتِ غوث الاعظمؓ کی اصل نسبت نسبتِ اویسیہ ہے جس میں نسبتِ سکینہ کی برکات بایں معنی شامل ہیں کہ یہ شخص ذاتِ الٰہیہ کی ذال کے نقطے کی طرح شخص اکبر میں ارواحِ کاملہ و ملاءِ اعلیٰ کے نفوسِ فلکیہ کی محبت میں محبوب و مراد بن جاتا ہے اور اس مقامِ محبوبیت کے ذریعے اُس کے ارادہ و توجہ کے بغیر تجلیاتِ الٰہی میں سے وُہ تجلّی جو ابداع، خلق، تدبیر و تدلّی کی جامع ہے، اُس پر ظہور کرتی ہے، جس کے باعث ایسے اُنس و برکات کا ظہور ہوتا ہے، جن کی انتہا نہیں۔ گویا انتظامی امورِ کائنات خود بخود ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں۔ اسی وجہ سے حضرتِ غوث الاعظمؓ نے کلماتِ فخریہ فرمائے ہیں اور اُن سے تسخیرِ عالم کا ظہور ہوا ہے۔"

اس کی تائید بخاری شریف کی حدیثِ قدسی سے ہوتی ہے جو مشکوٰۃ شریف باب ذکر اللہ و التقرب الیہ میں مذکور ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے۔ "اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "جو شخص میرے ولی سے عداوت رکھتا ہے بلاشبہ میں اُس سے لڑائی کا اعلان کرتا ہوں۔ اور میرے تقرّب کے لیے فرائض سے بڑھ کر کوئی چیز بندہ کے لیے نہیں۔ اور ہمیشہ میرا بندہ فرائض کے علاوہ

نوافل عبادات سے میرا تقرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ مَیں اُس سے محبّت کرتا ہُوں۔ اَور جب وُہ میرا محبُوب ہو جاتا ہے تو مَیں اُس کی سمع ہو جاتا ہُوں جس سے وُہ سُنتا ہے۔ اَور مَیں اُس کی بصر ہو جاتا ہُوں جس سے وُہ دیکھتا ہے۔ اَور مَیں اُس کا ہاتھ ہو جاتا ہُوں جس سے وُہ پکڑتا ہے۔ اَور اُس کا پاؤں ہو جاتا ہُوں جس سے وُہ چلتا ہے۔ اگر وُہ مجھ سے سوال کرے تو ضرُور دیتا ہُوں، اگر میری پناہ چاہے تو ضرُور اُسے پناہ دیتا ہُوں"۔

غوثُ الاعظم رضؓ کی تشریف آوریٔ بغداد

حضرت غوثُ الاعظم رضؓ ۴۸۹ھ میں بغداد تشریف لائے اَور آپ رضؓ کے وُرُودِ بغداد کے ساتھ ہی رُوحانیت کا کُچھ ایسا معنوی دَور چلا کہ عراق میں بڑے بڑے وجاہت پسند عُلماء اَور اُمراء میں رُوحانی انقلاب نمُودار ہونا شرُوع ہو گیا۔ لوگ دین کی طرف زیادہ راغب ہو گئے۔ عُلماء جو وجاہتِ ذاتی کے لِیے باہم دست و گریبان رہتے تھے، عبادات و ریاضات میں ایک دُوسرے پر سبقت حاصل کرنے کی کوششوں میں لگ گئے۔ امام غزالیؒ جن کا ظاہری طور پر تو حضرتِ غوثُ الاعظم رضؓ سے استفادہ ثابت نہیں آپ رضؓ کی تشریف آوریٔ بغداد سے کُچھ عرصہ پہلے صدارتِ نظامیہ پر متمکّن تھے اَور علمی شان و شوکت کے ساتھ قیمتی چُغے اَور عبائیں زیب تن کر کے نظامیۂ بغداد کی صدارت پر جلوہ گر ہُوا کرتے تھے۔ حضرت غوثُ الاعظم رضؓ کی محض تشریف آوری کے رُوحانی اثر سے ظاہری وجاہت ترک کر کے طریقت و سلوک کی طرف متوجہ ہو گئے اَور بقیۂ عُمر مروجہ دہریّت کے خلاف جہاد میں بسر کی۔

شیعہ، سُنّی اَور حنبلی، اشعری تنازعات ختم ہو گئے۔ سلجوقیوں کی خانہ جنگی بھی، جس میں مُسلمانوں کا بے شمار اتلافِ جان ہو رہا تھا، بتدریج بند ہو گئی۔

حضرت غوثُ الاعظم رضؓ کے مسندِ ارشاد پر تشریف فرما ہوتے ہی آپ رضؓ کے خُلفاء و شاگرد مشرق و مغرب میں پھیل گئے۔ اَور آپ رضؓ کی تعلیم کے مُطابق تبلیغ و احیائے دین کے مُبارک مشن کو اِس خوش اسلوبی سے سر انجام دیا کہ ہر مُلک میں عوام و خواص اللہ کے رنگ میں رنگے جانے لگے اَور آپ رضؓ کی ذاتِ گرامی کا پیرانِ پیر اَور غوثُ الاعظم رضؓ کے القابِ گرامی سے چار دانگِ عالم میں شُہرہ ہو گیا۔

آپ رضؓ کے رُوحانی تصرّفات

آپ رضؓ کے مُبارک دَور میں عراق و عرب کی مُتذکرہ بالا اِصلاحی صُورت میں آپ رضؓ کے ساتھ آپ رضؓ کے خلیفہ حضرت عبدُالقاہرؒ اَور اُن کے بعد اُن کے بھتیجے شیخ الشیُوخ حضرت شہابُ الدّین سُہروردیؒ اَور اُن کے خلیفہ حضرت شیخ سعدی شیرازیؒ کی مساعیٔ جمیلہ کو بھی دخل تھا۔

اُندلس میں حضرتِ عمّار بن یاسرؒ اُندلسی جو حضرت عبدُالقاہرؒ متذکرہ صدر کے خلیفہ تھے اَور حضرت ابُو مدینؒ مغربی و حضرت شیخ مُحی الدّین ابنِ عربی کے اِرشاد و تبلیغ اَور کشف و کرامات کے باعث موَحّدینؒ کی سلطنت معرضِ وجُود میں آئی، جس کی وجہ سے اُس نواح میں آئندہ کئی صد سالوں کے لِیے اِسلام کو اِستحکام نصیب ہو گیا۔ حضرت عمّار بن یاسرؒ کے خلیفہ حضرت نجمُ الدّین کُبریٰؒ تھے، جن کے سلسلۂ ارادت سے حضرت شمسُ الدّین تبریزیؒ، شیخ بہاؤُ الدّینؒ (والدِ حضرت مولینا رُومؒ) اَور مولینا فخرُ الدّین رازیؒ جیسے سر آمدِ رُوزگار ظاہر ہُوئے۔

(حضرت قبلۂ عالم گولڑوی قُدّس سرّہ العزیز کے سلسلہ ہائے طریقت میں سے ایک قادری سلسلہ تو حضرت شیخ عبدالقاہرؒ کے

واسطہ سے اور دوسرا قادریہ جدّیہ سلسلہ آپؒ کے جدِّ امجد حضرت میراں شاہ قادر قمیصؒ و جناب غوثِ پاکؒ کے منجھلے صاحبزادے حضرت شیخ عبدالرزاقؒ کے واسطہ سے جو حضرت قبلۂ عالمؒ کے جدِّ اعلیٰ بھی ہیں، حضرتِ غوث الاعظمؓ سے جاملتا ہے۔ گویا حضرت قبلۂ عالمؒ جسمانی و روحانی ہر دو طور پر حضرت سرکارِ بغدادؒ کی اولاد ہیں)

مصر کی حکومتِ باطنیہ بھی آپؓ ہی کے وقت میں زوال پذیر ہو کر بالآخر ۵۶۷ھ میں، یعنی آپؓ کے وصال کے بعد پانچ سال کے اندر اندر صفحۂ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح مٹ گئی اور اُس کی جگہ سلطان نورالدینؒ زنگی اور پھر سلطان صلاح الدین ایوبیؒ بساطِ حکومت پر نمودار ہوئے، جنہوں نے مرکزی خلافت سے تعلق جوڑ کر اپنی سلطنتوں کو وحدتِ اسلامی میں منسلک کرتے ہوئے عباسی خلیفہ کا نام خطبے میں پڑھوانا شروع کیا اور پھر اپنے اپنے وقت میں یورپ کی متحدہ صلیبی طاقت کو کئی لڑائیوں میں کمر توڑ شکستیں دے کر بیت المقدس کو آزاد کرالیا۔ امام یافعیؒ اور ابنِ اثیرؒ نے اپنی کُتبِ تاریخ میں ان دیندار حکمرانوں کی تعریف میں نہایت شرح و بسط سے تحریر کیا ہے۔

اِن ہی ایام میں غزنویوں کی تباہ شدہ سلطنت کی جگہ غوری خاندان نے ہندوستان میں ایک نئی اور وسیع تر اسلامی حکومت کی داغ بیل ڈالی۔ جس میں حضرت غوث الاعظمؓ کے قریبی عزیز و فیض یافتہ حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین اجمیریؒ کا بھی ہاتھ تھا۔ بعد میں آپؒ کے خلفاء و شاگردوں اور مشائخ چشت اہل بہشت اور مشائخ سہروردیہ حضرت شیخ بہاؤالدینؒ زکریا، شاہ صدرالدین عارفؒ، ابوالفتح شاہ رُکن عالم ملتانیؒ، سیّد جلال الدین بخاریؒ اوچی، مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ اوچی و جناب لعل شہباز قلندرؒ سندھی وغیرہ بزرگان نے اس برصغیر میں دور و نزدیک اپنی اَن تھک مساعی سے لوگوں کو دولتِ اسلام سے سرفراز فرمایا۔

گویا حضرتِ غوث الاعظمؓ اور آپ کے بلاواسطہ و بالواسطہ فیض یافتگان کی کوششوں سے نہ صرف دینِ اسلام میں نئی زندگی نمودار ہوئی بلکہ جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے اُس کی روحانی قوّتِ دفاع اس حد تک بیدار و استوار ہوگئی کہ جب ساتویں صدی کے آغاز میں یعنی ۶۱۵ھ میں تاتاریوں کی قیامت خیز یلغار سے نصف صدی یعنی ۶۵۶ھ تک اسلامی سلطنتوں کی اینٹ سے اینٹ بج گئی تو ظاہری حالات کے تقاضوں اور عام توقعات کے برعکس، اسلام کا چراغ گُل ہونے کی بجائے نہ صرف روشن رہا، بلکہ صرف پچیس سال کے اندر اندر یعنی ۶۸۰ھ تک خود اِن غارت گروں کو اپنا حلقہ بگوش بنانے میں کامیاب ہوگیا۔ سچ ہے ؎

چراغے را کہ ایزد بر فروزد کسے کو تُف زند ریشش بسوزد

اور یہ معرکہ کسی شاہی لشکر یا دُنیوی طاقت سے سر نہیں ہوا، بلکہ اُسی سلطان الوجود، قطب الوقت، خلیفۃ اللہ فی الارض، وارثِ کتاب و نائب رسولؐ، المتصرّف فی الوجود علی التحقیق، مظہر اسمائے الٰہی، غوث الاعظمؓ دستگیر کے روحانی تصرّف کا اعجاز تھا کہ دشمنانِ اسلام نے اسلام قبول کر کے اس کی وہ خدمات انجام دیں کہ باید و شاید۔

تاتاریوں کا قبولِ اسلام

تاتاریوں کے قبولِ اسلام کا واقعہ بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔ کُتبِ تاریخ میں لکھا ہے کہ تاتاریوں کے غلبے کے بعد سلسلۂ عالیہ قادریہ کے ایک خراسانی بزرگ اشارۂ غیبی کے تحت ہلاکو خان کے بیٹے تگودار خان کے پاس پہنچے۔

وُہ شکار سے واپس آرہا تھا اور اپنے محل کے دروازے پر اِس درویش کو دیکھ کر باندازِ تمسخر و حقارت کہنے لگا کہ "اے درویش! تمہاری داڑھی کے بال اچھے ہیں یا میرے کُتّے کی دُم؟" آپ نے جواباً فرمایا کہ "میں بھی اپنے مالک کا کُتا ہُوں۔ اگر مَیں اپنی جاں نثاری و وفاداری سے اُسے خُوش کر پاؤں تو میری داڑھی کے بال اچھے ہیں، ورنہ آپ کے کُتّے کی دُم اچھی ہے جو آپ کی فرماں برداری کرتا ہے اور آپ کے لیے شکار کی خدمت انجام دیتا ہے۔" تگو دار خان پر اِس اندازِ گفتگو کا بہت اثر ہُوا اور اُس نے آپؒ کو اپنا مہمان رکھ کر آپؒ کی تعلیم و تبلیغ کے زیرِ اثر درپردہ اسلام قبول کر لیا، مگر اُسے اِس خیال سے ظاہر نہ کیا کہ ناسازگاریٔ حالات کے پیشِ نظر کہیں اپنی قوم کی مخالفت کا سامنا نہ کرنا پڑے بعد ازاں اُن کو یہ کہہ کر رُخصت کر دیا کہ کچھ عرصہ بعد تشریف لائیے گا تاکہ میں اِس دوران اپنی قوم کو ذہنی طور پر یہ نیا مذہب قبول کرنے کے لیے تیار کر سکوں۔ وُہ درویش واپس وطن تشریف لے گئے، مگر چُونکہ وقت پُورا ہو گیا تھا اِس لیے بقضائے الٰہی داعیٔ اجل کو لبیک کہہ گئے۔ بمصداق "ہر چہ پدر نتوانست، پسر تمام کُند" کچھ عرصے بعد اُن کے صاحب زادے باپ کی جگہ حسبِ وصیّت تگو دار خان کے پاس پہنچے تو اُس نے کہا کہ باقی سردارانِ قوم تو قریباً مائل ہو گئے ہیں، مگر ایک سردار جس کے پیچھے کافی جمعیّت ہے، آمادہ نہیں ہو رہا ہے۔ حضرتؒ نے تگو دار خان کے مشورے سے اُسے بُلوایا اور تبلیغ فرمائی، مگر اُس نے کہا، مَیں ایک سپاہی ہُوں، جس کی ساری عُمر جنگ میں گزری ہے۔ مَیں صِرف طاقت میں ایمان رکھتا ہُوں، اگر آپ میرے پہلوان کو کُشتی میں پچھاڑ دیں تو میں مُسلمان ہو جاؤں گا۔ یہ بات سُن کر آپؒ نے تگو دار خان کے منع کرنے کے باوجود اُس سردار کا چیلنج منظور کر لیا اور مُقابلے کے لیے تاریخ و وقت کا تعیّن کر کے اجتماعِ ناظرین کے خیال سے اعلانِ عام کرا دیا۔ تگو دار خان نے بہتیرا کہا کہ ایک تاتاری نوجوان پہلوان سے ایک سن رسیدہ و کمزور جسم درویش کا مقابلہ ناانصافی اور قتلِ عمد کے مُترادف ہے۔ مگر مُخالف سردار نے کہا کہ یہ مقابلہ ہو کر رہے گا۔ اوّل تو اِس لیے کہ اِس درویش کے قتل سے اِس قسم کے دُوسرے دخل در معقُولات کرنے والوں کو عبرت ہو گی اور دُوم اِس لیے کہ خانِ اعظم یعنی تگو دار خان آئندہ اِس قسم کے چلتے پھرتے لوگوں کی باتوں کو درخورِ اعتنا نہ سمجھا کریں گے۔

پاسباں مِل گئے کعبہ کو صنم خانے سے

چُنانچہ مقرّرہ دِن ہزارہا مخلوق کی موجُودگی میں مقابلہ ہُوا۔ حضرتؒ نے جاتے ہی ایک طمانچہ اِس زور کا اُس تاتاری پہلوان کے مُنہ پر رسید کیا کہ اُس کی کھوپڑی ٹُوٹ گئی اور لوگوں میں شور مچ گیا۔ سب لوگ حیران تھے کہ یہ کیا ہو گیا ہے۔ اِنہیں کیا معلُوم کہ یہ مُنحنی قِسم کا درویش کِس کا پہلوان تھا۔

تِری خاک میں ہے اگر شرر تو خیالِ فقر و غنا نہ کر
کہ جہاں میں نانِ شعیر پر ہے مدارِ قُوّتِ حیدریؓ

چُنانچہ اُس کا یہ اثر ہُوا کہ نہ صرف اُس سردار نے حسبِ وعدہ میدان میں نکل کر آپؒ کے ہاتھ کو بوسہ دے کر اپنے قبُولِ اِسلام کا اعلان کیا، بلکہ اکثر حاضرین بھی اِسلام لے آئے اور تگو دار خان نے بھی اپنے اِسلام کا اظہار کر کے اپنا نام "احمد" رکھا۔ تاریخ میں اُس کا یہی نام (۱۲۸۱ء تا ۱۲۸۴ء) تحریر ہے۔ اپنے دورِ اقتدار میں اُس نے سلاطینِ مِصر سے بھی تعلقات استوار کرنے کی کوشش کی لیکن تاتاری جرنیلوں نے بالعموم اُس کے اِسلام لانے کو پسند نہ کیا اور بغاوت کی۔ احمد

باوجود مقابلہ کے کامیاب نہ ہوسکا اور شہید ہوا۔ مؤرخین نے اِس واقعہ کو قدرت کی ایک عجیب ستم ظریفی قرار دیا ہے کہ باپ، یعنی ہلاکو خان تو اِسلام اور عرب تہذیب کو تباہ کرے اور بیٹا، یعنی احمد (تگودار خان) اُسی تہذیب اور اِسلام کے تحفظ کے لیے اپنی جان قربان کر دے۔

اگرچہ اِس واقعہ سے تاتاریوں میں اشاعتِ اِسلام کی رفتار قدرے سُست پڑ گئی، مگر چونکہ دُوسری طرف ہلاکو خان کا ایک چچازاد بھائی "برکہ" (۱۲۵۶ء تا ۱۲۶۶ء) بھی حضرت شیخ شمس الدین باخوریؒ کے دستِ حق پرست پر اِسلام قبول کر چکا تھا اور پھر احمد یعنی تگودار خان کے بھتیجے کے بیٹے غزن محمود (۱۲۹۵ء تا ۱۳۰۴ء) نے بھی اِسلام قبول کر لیا۔ اِس لیے وسطِ ایشیا کی تاتاری حکومت، تاتاری اِسلامی حکومت میں بدل گئی۔ اِس غزن محمود کے خلاف بھی اُس کے جرنیلوں نے تبدیلِ مذہب کے باعث بغاوت کی، مگر وُہ سب کو شکست دے کر غالب آنے میں کامیاب ہوگیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تقریباً تمام تاتاری قبائل اِسلام لے آئے ؎

ہر بنائے کہنہ کآباداں کُنند اوّل آں بُنیاد را وِیراں کُنند

ایک وُہ وقت تھا کہ تاتاری کُفّار کے اِبتدائی حملے کے وقت سُلطان علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ نے بقولِ مشہور یہ کہہ کر اپنا گھوڑا لوٹا لیا تھا کہ اُسے ملائکہ اور اولیاء اللہ کی ارواح چنگیزی لشکر کے سروں پر سایہ فگن یہ کہتی نظر آئی ہیں: اَيُّهَا الْكَفَرَةُ اُقْتُلُوا الْفَجَرَةَ (اے کافرو! اِن فاجروں کو قتل کرو) جس کے نتیجے میں لاکھوں اور کروڑوں مُسلمانوں کا خُون بہا۔ اور ایک وقت یہ آیا کہ ایک تنہا درویش نے اپنی قُوّتِ یدُاللّٰہی کا مظاہرہ کر کے لاتعداد تاتاریوں کو حلقہ بگوشِ اِسلام کیا۔ گویا ہر دو صُورتوں میں مشیّتِ ایزدی، حسبِ تقاضائے وقت و احوال اُسی تجلّی کی شانِ تدبیر کارفرما تھی۔ سچ ہے ؏ از ماست کہ بر ماست۔ آیاتِ ذیل:-

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ (رعد: ۱۱)	بے شک اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وُہ خود اپنی حالت کو نہ بدلے۔
وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّ اَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ (ھُود: ۱۱۷)	اور تیرا ربّ ہرگز ایسا نہیں ہے جو بستیوں کو زبردستی ہلاک کر دے اور وہاں کے لوگ نیک ہوں۔
اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِ اَهْلِهَا اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۔ (الاعراف: ۱۰۰)	کیا اُن لوگوں پر جو زمین کے وارث ہوتے ہیں، وہاں کے لوگوں کے ہلاک ہونے کے بعد یہ ظاہر نہیں ہوا کہ اگر ہم چاہیں، تو اُنہیں اُن کے گناہوں کے سبب سے پکڑ لیں۔
وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ (ھُود: ۱۰۲)	اور تیرے ربّ کی پکڑ ایسی ہی ہوتی ہے جب وُہ ظالم بستیوں کو پکڑتا ہے اور اُس کی پکڑ سخت تکلیف دہ ہے۔

اِسی کو ثابت کرتی ہیں کہ جب کوئی قوم اپنی بد اعمالیوں کے باعث صراطِ مُستقیم سے ہٹ جاتی ہے تو اللہ تعالےٰ اُسے ہلاک کر کے اُس کی جگہ کوئی دُوسری قوم دِین کی خدمت کے لیے لا کھڑا کرتے ہیں۔

جب احیائے دین کے ظہورِ کامل کا وقت آتا ہے تو غلاموں سے سلاطین تک پاکیزہ زندگی کے نمونے بن جاتے ہیں سُلطان قطبُ الدین ایبکؒ ارکانِ دین کی پابندی کے ساتھ ساتھ غریب پروری و مسکین نوازی کے سبب لکھ داتا مشہور ہوتا ہے۔ سُلطان شمسُ الدین التمشؒ جناب قطبُ الدین بختیار کاکیؒ کے حسبِ وصیت اُن کی نمازِ جنازہ پڑھا کر عصر کی سُنتوں اور تہجد کے نوافل کا ہمیشہ ادا کرنے والا اور جنسی پاکیزگی کا مُرقع ثابت ہوتا ہے اور سُلطان ناصرُ الدین محمودؒ سرکاری خزانے کو پبلک کی امانت سمجھتے ہُوئے کتابتِ قرآن کو اپنا اور اپنے اہلِ خانہ کا ذریعۂ معاش بناتا ہے۔ اُمراء و سلاطین تبلیغِ اسلام میں خواجہ بہاؤ الدین نقشبندؒ، خواجہ غریب نوازؒ، حضرت گنج شکرؒ اور غوث بہاؤ الحقؒ کے احکام کی خُدّام خانہ زاد کی طرح تعمیل کرتے ہیں اور اِن خدمات کے صِلے میں ہند وچین جیسے کفرستانوں کے تخت و تاج سات سات اور آٹھ آٹھ سو سال کے لیے اپنے خاندانوں کے لیے وقف کرا لیتے ہیں۔

غوثُ الاعظمؓ کے کوائفِ زندگی

صاحبِ "بہجۃ الاسرار" حضرت غوث الاعظمؓ کی ولادتِ باسعادت رمضان ۴۷۱ھ کی چاندرات بمقام قصبہ جیال علاقہ جیل ہونا تحریر کرتے ہیں جیل طبرستان سے کچھ آگے بحیرۂ اخضر کے قریب کے علاقے کا نام ہے۔ آپؓ والد کی طرف سے حسنیؓ اور والدہؒ کی طرف سے حُسینیؓ یعنی نجیب الطرفین سید ہیں۔ آپؓ کے والدِ ماجد حضرت سید ابُو صالحؒ ولی کامل تھے۔ اور جنگ و جہاد سے بہت اُنس رکھنے کی وجہ سے "جنگی دوست" مشہور تھے۔ حضرت غوثُ الاعظمؓ کے نانا بزرگوار سید عبدُاللہ صومعیؒ بھی جیلان کے مشہور مشائخ درویشوں میں سے تھے۔

کہتے ہیں کہ عنفوانِ شباب میں سید ابُو صالحؒ بہ سلسلۂ ریاضات ایک دریا کے کنارے جا رہے تھے۔ اور کئی روز سے کچھ نہیں کھایا تھا۔ دریا کے کنارے پر ایک سیب پڑا ہوا دیکھا تو بسم اللہ کہہ کر کھا لیا۔ کھانے کے بعد خیال پیدا ہوا کہ پتہ نہیں کس کا سیب تھا جو میں نے بلا اجازت کھا لیا ہے۔ اِس لیے پریشانی کے عالم میں دریا کے ساتھ ساتھ سیب کے مالک کی تلاش میں چل پڑے تاکہ اُس سے اجازت حاصل کریں چند فرلانگ کی مُسافت کے بعد دریا کے کنارے سیبوں کا ایک باغ نظر آیا جس کے درختوں سے پکے ہُوئے سیب پانی پر لٹکے ہُوئے تھے۔ سید ابُو صالحؒ سمجھ گئے کہ وُہ سیب اِن ہی درختوں کا تھا۔ دریافت پر معلوم ہوا کہ یہ باغ سید عبدُاللہ صومعیؒ کا ہے۔ لہٰذا اُن کی خدمت میں حاضر ہو کر بصد ادب بلا اجازت سیب کھا لینے کے لیے معافی کے خواستگار ہُوئے۔ سید عبدُاللہؒ چُونکہ خُود خاصانِ خُدا میں سے تھے، سمجھ گئے کہ نیک و ہونہار نوجوان ہے۔ چُنانچہ کچھ عرصے کے لیے باغ کی رکھوالی کی شرط پیش کر کے کہا کہ اتنا عرصہ یہ خدمت انجام دو۔ اس کے بعد مُعافی کے متعلق غور کیا جائے گا۔ آپؒ نے رضائے الٰہی کی خاطر یہ خدمت منظور کر کے نہایت دیانتداری سے وقتِ مُعین تک اسے انجام دیا اور پھر حاضرِ خدمت ہو کر مُعافی کے طلب گار ہُوئے۔ سید عبدُاللہؒ نے فرمایا، ایک شرط اور باقی ہے، وُہ یہ کہ میری ایک لڑکی آنکھوں سے اندھی، کانوں سے بہری، ہاتھوں سے لُنجی اور پاؤں سے لنگڑی ہے اُسے نکاح میں قبول کرو تو بلا اجازت سیب کھانے کی مُعافی دے دی جائے گی۔ حضرت ابُو صالحؒ نے قبول کیا۔ اور بعدِ نکاح جب اپنی بیوی کو اُن تمام ظاہری عیوب سے مُبرا ہونے کے ساتھ ساتھ حُسنِ ظاہری سے بھی مُتصف پایا تو خیال گزرا کہ یہ کوئی اور لڑکی ہے اور غلطی کے خیال سے بحال پریشان گھر سے باہر نکل آئے۔ حضرتِ عبدُاللہؒ نے فراستِ باطنی سے

پریشانیٔ خاطر کا سبب معلوم کر کے کہا کہ اَے بیٹے! یہی تمہاری بیوی ہے اور میں نے اِس کی جو صفات تُم سے بیان کی تھیں، وُہ سب صحیح تھیں۔ یہ اندھی ہے کہ آج تک کسی غیر محرم پر اس کی نظر نہیں پڑی۔ یہ بہری ہے کہ کبھی خلاف حق بات نہیں سُنی۔ نیز کبھی خلافِ شرع کام نہ کرنے اور گھر سے باہر قدم نہ رکھنے کی وجہ سے لُنجی اور لنگڑی بھی ہے۔ حضرتِ ابُو صالح بہت خوش ہُوئے اور اللہ تعالیٰ کا شُکر ادا کیا۔ حضرتِ غوث الاعظمؓ اِن دو پاکباز ہستیوں کی اَولاد تھے۔ آپؓ کی پیدائش کے وقت آپؓ کی والدۂ ماجدہ اُمّ الخیر سیّدہ فاطمہؒ کی عُمر شریف ساٹھ سال بیان کی جاتی ہے۔ آپؓ مادرزاد ولی کامل تھے۔ آپؓ خود فرماتے ہیں کہ مجھے اپنے ولی ہونے کا علم اُس وقت سے ہو گیا تھا، جب کم سِنی میں مکتب کو جاتے ہُوئے اپنے آگے پیچھے فرشتوں کو دیکھتا تھا۔ جو میرے ساتھ چلتے، میری حفاظت کرتے اور مکتب پہنچنے پر لڑکوں کو کہتے کہ اللہ کے ولی کو بیٹھنے کے لیے جگہ دو۔

آپؓ کے والد و نانا بزرگوار کا انتقال آپؓ کی کم سِنی میں ہی ہو گیا تھا، اس لیے آپؓ کی سرپرستی اور تعلیم و تربیت کا اہتمام سربسر آپؓ کی والدۂ ماجدہؒ کے ذِمّے رہا۔ ایّامِ طفولیّت میں کبھی بچّوں کے ساتھ کھیلنے کے خیال سے باہر نِکلتے تو آواز آتی "اِلَیَّ یَا مُبَارَكْ!" اَے برکت والے! میری طرف آ۔" آپؓ سہم کر والدۂ محترمہ کی گود میں جا بیٹھتے اور کھیل کا خیال ترک کر دیتے۔

جوان ہُوئے تو ایک مرتبہ بیل لے کر ہل چلانے کے ارادے سے اپنی زمین کی طرف جا رہے تھے کہ بیل نے مُڑ کر دیکھا اور بزبانِ انسان کہا۔ "مَا لِهٰذَا خُلِقْتَ وَلَا بِهٰذَا اُمِرْتَ" یعنی اَے عبدُ القادر! آپ کو اِس لیے نہیں پیدا کیا گیا ہے اور نہ اِس کا حُکم دیا گیا ہے۔" آپؓ گھبرا کر واپس آ گئے۔ مکان کی چھت پر چڑھے تو دیکھا کہ حاجیوں کا ایک قافلہ بیتُ اللہ شریف کو جا رہا ہے۔ اُتر کر والدۂ ماجدہ کی خدمت میں عرض کی کہ اگر اجازت ہو تو تحصیلِ علوم اور زیارتِ بزرگان سے فیضیاب ہونے کے لیے بغداد چلا جاؤں۔ آپؓ کی عُمر اُس وقت اٹھارہ سال کے قریب تھی اور والدۂ ماجدہؒ کی اٹھتّر سال۔ وُہ باچشمِ پُرنم اسّی ۸۰ دینار، جو جنابِ غوث الاعظمؓ کے والدِ بزرگوارؒ نے ترکے میں چھوڑے تھے، نکال لائیں، چالیس ۴۰ دینار غوث الاعظمؓ کے پیراہن میں سی دیئے اور چالیس اُن کے چھوٹے بھائی کے لیے رکھ لیے۔ پھر اُن سے ہمیشہ سچ بولنے کا عہد لے کر اُنہیں خُدا کے سپرد کیا اور کہا کہ اَب قیامت کے روز مُلاقات ہو گی۔

اثنائے راہ جب قافلہ ہمدان سے آگے نکلا تو ڈاکوؤں کے گروہ نے اُسے لُوٹ لیا۔ ایک ڈاکو نے حضرت غوث الاعظمؓ سے پُوچھا کہ لڑکے! تیرے پاس بھی کچھ ہے؟" آپؓ نے فرمایا، "ہاں، چالیس ۴۰ دینار ہیں"۔ ڈاکو کو یقین نہ آیا اور مذاق سمجھ کر چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک دُوسرے ڈاکو نے بھی آ کر یہی سوال کیا اور وُہی جواب سُن کر اپنے سردار سے سرسری طور پر اس کا ذکر کیا۔ سردار نے آپؓ کو بُلا کر پُوچھا تو آپؓ نے اُسے بھی سچ سچ بتا دیا اور پیراہن چاک کرنے پر چالیس ۴۰ دینار برآمد ہو گئے۔ اِس پر ڈاکوؤں کا سردار احمد بدوی سخت متعجّب ہو کر بولا۔ کہ لڑکے! تمہیں معلوم ہے، ہم رہزن ہیں جو مُسافروں کا مال لُوٹتے ہیں۔ پھر تُم نے ہم پر اِن دیناروں کا بھید کیوں ظاہر کر دیا۔ جبکہ تم نہایت آسانی سے خفیہ رکھ سکتے تھے۔ غوث الاعظمؓ نے فرمایا، "میں نے وقتِ رُخصت اپنی ضعیف والدہ سے سچ بولنے کا اقرار کیا تھا، اِس لیے چالیس ۴۰ دیناروں کی خاطر خلافِ عہد کیوں کرتا"۔ سردار پر رقّت طاری ہو گئی اور وُہ بہت رویا اور کہنے لگا۔ "اَے بچّے! تجھے اپنی ماں کے ساتھ عہد کا اِتنا پاس ہے اور حیف ہے

مجھ پر جو اتنے سالوں سے اپنے خالق کے ساتھ کیے ہُوئے عہد کو پس پُشت ڈالے ہُوئے ہوں"۔ یہ کہہ کر وُہ اُٹھا اور آپؒ کے ہاتھ پر توبہ کی۔ اُس کے رُفقاء نے بھی اُس کی مُوافقت کی کہ راہزنی میں تُو ہمارا سردار تھا تو توبہ میں بھی تُو ہی ہمارا قائد رہ۔ اور تمام لُوٹا ہوًا مال قافلہ والوں کو واپس کر دیا۔ "بہجۃ الاسرار" میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اِس تائب گروہ کو واصلین باللہ میں سے کیا۔

بغداد پہنچ کر مشیّتِ ایزدی کے تحت فقر و فاقہ، مجاہدات و ریاضاتِ شاقہ اور تحصیل علم میں جس قدر مشقت آپؒ نے برداشت کی، اُس کی مثال نہیں ملتی۔ وُہ چالیس اشرفیاں تو چند روز میں ہم درس طلبہ و مساکین کی ضرورّیات پر خرچ ہو گئی تھیں۔ عرصہ دراز تک یہ حالت رہی کہ قُوتِ لایمُوت کے لیے دجلہ کے کنارے نکل جاتے اور گری پڑی سبزی ترکاری اُٹھا کر شکم پُری کرتے۔ ایک مرتبہ بیس۲۰ روز تک کچھ نہ مِل سکا تو کسریٰ کے محلات کے کھنڈروں کی طرف نکل گئے تا کہ کوئی مباح چیز مِل سکے۔ وہاں دیکھا کہ ستر اولیاء اللہ اسی طلب میں پھرتے تھے۔ اُن کے لیے رُکاوٹ نہ بننے کے خیال سے واپس آ گئے تو ایک آشنا جو آپؒ ہی کی تلاش میں تھا، مِلا اور سونے کا ایک ٹکڑا دیا کہ والدۂ محترمہ نے آپؒ کے لیے بھیجا ہے۔ آپؒ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا، اور اُس سے ایوانِ کسریٰ کے کھنڈروں میں واپس جا کر اُن مردانِ خُدا اور دیگر فقراء کی بھی خدمت کی اور شام تک سب کا سب راہِ خُدا میں خرچ کر دیا۔

بغداد کے قریب ایک ویرانے میں پُرانا بُرج تھا۔ اِس بُرج میں آپؒ نے گیارہ برس تک شب و روز عبادت و ریاضت کی، جس کی وجہ سے اُس بُرج کا نام "بُرج عجمی" پڑ گیا۔ آپؒ فرماتے ہیں، ایک مرتبہ میں نے اپنے پروردگار سے عہد کیا کہ مَیں اُس وقت تک کچھ نہ کھاؤں پیوں گا جب تک کوئی دُوسرا مجھے میرے مُنہ میں لُقمہ دے کر نہ کھلائے گا۔ متواتر چالیس روز بغیر کھائے پئے گزر گئے۔ چالیس۴۰ دِن کے بعد ایک شخص آیا اور کھانا میرے سامنے رکھ کر چلا گیا۔ بھُوک کی شدّت کی وجہ سے میرے نفس نے چاہا کہ کھانا کھا لے، لیکن میں نے اُس کی طرف مُطلق توجّہ نہ کی اور نفس "اَلْجُوع اَلْجُوع" یعنی ہائے بھُوک! ہائے بھُوک! پکارتا رہا۔ اِسی اثناء میں حضرتِ شیخ ابُوسعید مخزُومیؒ اُدھر سے گزرے اور فراستِ باطنی سے اُس شور پر آگاہ ہو کر قریب تشریف لائے اور مجھ سے پُوچھا "اے عبدُالقادر! یہ شور کیسا ہے؟" مَیں نے کہا، یہ اضطرابِ نفس ہے، مگر رُوح یادِ الٰہی میں مطمئن ہے۔ اُنہوں نے فرمایا۔ "میرے غریب خانے پر چلو"۔ اور یہ کہہ کر چلے گئے۔ میں نے دِل میں کہا، جب تک یہاں سے کوئی خُود نہ لے جائے گا، اُس وقت تک نہ جاؤں گا۔ ابھی اِسی خیال میں تھا کہ خِضر علیہ السّلام تشریف لائے اور مجھے حضرت ابُوسعیدؒ کے مکان پر لے گئے۔ جہاں دروازے میں شیخ ابُوسعیدؒ کھڑے اِنتظار کر رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر فرمایا، عبدُالقادر! کیا میرا کہنا کافی نہ تھا کہ خِضر علیہ السّلام کے کہنے کی ضرورت پڑی؟ یہ کہہ کر مجھے گھر میں لے گئے اور اپنے ہاتھ سے میرے مُنہ میں لُقمے ڈال کر کھانا کھلایا۔

عشق فارِغ کرد از دُنیا و مافیہا مرا

اِس دَوران دُنیوی اور شیطانی طاقتیں بھی غافل نہیں رہی تھیں۔ ایک رات متذکرہ بالا کھنڈروں میں دُنیا اپنی مثالی

صُورت میں آراستہ وپیراستہ ہوکر اپنی تمام تر دلکشیوں اَور دِلرُبائیوں کے ساتھ آپؓ کے سامنے آئی اَور یادِ الٰہی سے غافل کرنا چاہا، مگر آپؓ نے اپنے جدِّ اعلیٰ مولائے کائنات سیّدنا علی کرّم اللہ وجہ الکریم کی سُنّت کی پیروی میں فرمایا، مجھ سے دُور رہ کہ میں تجھے تین طلاق دے چُکا ہُوں۔ جب تائیدِ ایزدی سے وُہ بے نیل مرام واپس لوٹ گئی تو آپؓ نے بطورِ تحدیثِ نعمت فرمایا ؎

عِشق فارِغ کرد از دُنیا و مافیہا مرا — کَے تواند بُرد از رہ عشوۂ دُنیا مرا

ایک دفعہ ابلیس لعین آپؓ کے پاس آیا اَور کہا کہ آپؓ نے مجھے اَور میرے اتباع کو بہت تکلیف دی ہے اِس لیے مَیں آیا ہُوں کہ آپؓ کی خِدمت اَور تابعداری میں رہُوں ابھی وُہ بات کر ہی رہا تھا کہ ایک ہاتھ غیب سے نمُودار ہوا اَور اُسے زمین میں دھنسا دیا ؎

مُدّعی آنے لگا راز کی اِس محفل میں — غیب کے ہاتھ نے جھٹ سینے میں اس کے مارا

ایک دُوسرے موقع پر وُہ نیزۂ آتشیں سے مُسلح ہو کر آیا تو غیب سے ایک شمشیرِ برہنہ آپؓ کے ہاتھ میں آگئی، جسے دیکھتے ہی وُہ بھاگ گیا۔

اِسی طرح ایک رات جب کہ آپؓ عراق کے ایک بے آب وگیاہ صحرا میں مصروفِ عبادت تھے آپؓ کو ایک روشنی نظر آئی، جس نے تمام آسمان کو منوّر کر دیا اَور اُس میں سے آواز آئی "اَے عبدُالقادر! مَیں تیرا پروردگار ہُوں اَور تیری عبادت سے راضی ہو کر تجھے اپنی عبادت کی تکلیف سے آزاد کرتا ہُوں"۔ حضرتِ غوثُ الاعظمؓ فرماتے ہیں کہ مَیں نے اَپنے ظاہری و باطنی علوم میں نگاہ کی تو کہیں اِس صُورت کا جواز نظر نہ آیا اَور میں نے خیال کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم باوجود اِس علوِ مرتبت کے عُمر بھر عبادت کے مُکلّف و پابند رہے۔ اُن کو عبادت کی تکلیف سے مُعافی نہ ملی تو اَور کوئی کیونکر اِس سے آزاد ہو سکتا ہے۔ اِس لیے مَیں نے لاحول پڑھا تو شیطان اصلی صُورت میں سامنے آکر کہنے لگا، "مَیں نے اِس مقام پر بہتیرے عبادت گزاروں کو گمراہ کِیا، مگر اَے عبدُالقادر! آپؓ اپنے عِلم کے زور سے بچ نِکلے"۔ مَیں نے پھر لاحول پڑھا اَور کہا، دُور ہو مردُود! مَیں اپنے عِلم کی وجہ سے نہیں، بلکہ محض اللہ تعالیٰ کی تائید اَور فضل وکرم سے محفُوظ رہا ہُوں۔ اِس پر وُہ سر پیٹنے لگا کہ آج مَیں آپؓ سے قطعاً مایُوس ہوا۔ آئندہ آپؓ پر وقت ضائع کرنا بے سُود ہے۔ مَیں نے کہا، مَیں تمہاری کسی بات کا اِعتبار نہیں کرتا اَور ہمیشہ تمہارے مکر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا رہُوں گا۔

مُحی الدّینؓ

سیّدنا غوثُ الاعظمؓ ۴۸۹ھ میں خلیفہ مُستظہر باللہ عبّاسی کے عہد میں بغداد تشریف لائے۔ اَور تیئیس ۲۳ سال کی مُدّت میں جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مکّی و مدنی زمانۂ تبلیغ کا عرصہ ہے، اللہ تعالیٰ نے آپؓ کی ظاہری و باطنی ہر طرح کی تکمیل فرما کر "مُحی الدّین" کے لقب سے ملقب فرما کر مسندِ اِرشاد عنایت فرمائی۔ "بہجۃُ الاسرار" میں تحریر ہے کہ آپؓ نے ایک مرتبہ اپنے مشہُور خلائق لقب "مُحی الدّین" کے متعلق یہ وضاحت فرمائی کہ ۵۱۱ھ میں ایک جُمعہ کے روز میں سفر سے پابرہنہ بغداد کی طرف واپس آرہا تھا

کہ ایک نہایت ہی لاغر اور نحیف بیمار پر میرا گزر ہوا۔ اُس نے کہا "السلام علیک یا عبدالقادر!" میں نے سلام کا جواب دیا۔ کہنے لگا "مجھے اُٹھاؤ"۔ میں نے اُٹھا کر بٹھلا دیا تو اچانک اُس کا چہرہ بارونق اور جسم موٹا تازہ ہوگیا۔ میں حیران ہوا تو کہنے لگا "تعجب کی بات نہیں۔ میں آپؓ کے جدِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا دین ہوں، جو مُردہ ہو رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپؓ کے ذریعے مجھے نئی زندگی عطا فرمائی ہے۔ آپ مُحی الدین ہیں"۔ چنانچہ جب میں جامع مسجد کی حدود میں داخل ہوا تو ایک شخص نے اپنا جوتا اُتار کر مجھے پہننے کو دیا، اور "یا سیدی مُحی الدین" کے الفاظ سے مخاطب کیا۔ نماز جمعہ تمام ہوئی تو لوگ دوڑتے ہوئے میری طرف آئے اور "یا مُحی الدین" "یا مُحی الدین" پکارتے ہوئے میرے ہاتھوں کو بوسے دینے لگے۔ حالاں کہ اِس سے پہلے کبھی کسی نے مجھے اِس نام سے نہیں پکارا تھا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ "شرح مشکوٰۃ شریف" میں فرماتے ہیں کہ "اسلام ظاہری اعمال کا نام ہے"۔ "ایمان باطنی اعتقاد کا۔ اور "دین" اِن ہر دو کے مجموعے کو کہتے ہیں۔ گویا "دین" وُہ جامع نظام ہے جو بنی نوعِ انسان کے عقائد و اعمال، ظاہر و باطن، صُورت و معنی، رُوحانیت و جسمانیت پر مشتمل ہے۔ ایسے نظام کا احیاء نبی مُرسل یا اُس کے کامل ترین نائب کے بغیر ممکن نہیں۔ اگرچہ آں حضرتؐ نے ہر صدی کے سرے پر ایسی ہستیوں کی نشان دہی فرمائی ہے، جن سے تجدیدِ دین کا فریضہ انجام پذیر ہوتا ہے، مگر تجدید اور احیاء میں ایک نمایاں فرق ہے۔ مجددین کی فہرست میں ابتداء سے لے کر اِس وقت تک بہت سے حضرات کے اسمائے گرامی پائے جاتے ہیں، مگر "مُحی الدین" کا لقب کسی اور کو عطا نہیں ہوا۔ تاریخِ اسلام کے مُطالعہ سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتا ہے کہ احیائے دین کا اہم ترین فریضہ حقیقۃً جنابِ غوثُ الاعظمؓ کی ذاتِ گرامی قدر ہی سے پایۂ تکمیل کو پہنچا اور یہ عظیم الشان لقب صرف آپؓ ہی کے وجودِ مسعود پر صادق آتا ہے"۔

آپؓ کی مجالسِ وعظ

سیدنا غوث الاعظمؓ ہفتے میں قریباً تین بار مجلسِ وعظ منعقد فرماتے تھے۔ وعظ کیا ہوتا تھا، علم و حکمت کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہوتا تھا، لوگوں پر وجدانی کیفیات طاری ہو جاتی تھیں۔ بعض اپنے گریبان چاک کر لیتے اور کپڑے پھاڑ لیتے تھے اور بعض بیہوش ہو جاتے تھے۔ کئی مرتبہ لوگ بحالتِ بے ہوشی واصل بحق ہو جاتے۔ آپؓ کی مجالس میں علاوہ رجالُ الغیب، جنّات، ملائکہ اور ارواحِ طیبہ کے، عام سامعین کی تعداد ستر ستر ہزار تک پہنچ جاتی تھی۔ اور آپؓ کی آواز دُور و نزدیک بیٹھے ہُوئے سب لوگ یکساں سُنتے۔ اُس دَور کے اکثر نامور مشائخ بالالتزام اِن مجالس میں حاضری دیتے تھے آپ سے بکثرت خوارق و کرامات کا ظہور ہوتا تھا۔ آپؓ کی مجالس کا انعقاد بغداد میں ہوتا، مگر آپؓ کے ہمعصر اولیاء اللہ یعنی حضرت شیخ عبدالرحمنؒ طفسونجی اور شیخ عدی بن مُسافر وغیرہم اپنے اپنے شہروں میں اُسی وقت پر اپنے اپنے ارادت مندوں اور شاگردوں کے ہمراہ دائرے بنا کر بیٹھ جاتے اور نہ صرف حضرتِ غوثُ الاعظمؓ کے مواعظ سُنا کرتے بلکہ اُنہیں قلمبند بھی کرتے۔ پھر جب کبھی بغداد آنے کا موقع ملتا، اور آپؓ کی مجلس میں قلمبند شُدہ تحریرات کے ساتھ موازنہ کرتے تو سرِ مُو فرق نہ پایا جاتا۔

ایک مرتبہ آپؓ وعظ فرما رہے تھے کہ بحالتِ کیف آپؓ کی دستارِ مبارک کا ایک پیچ کھل گیا۔ یہ دیکھ کر تمام حاضرینِ مجلس نے بہ پاسِ ادب اپنے سروں سے عمامے اُتار کر آپؓ کے منبر کے نیچے پھینک دیئے۔ جب وعظ ختم ہونے پر آپؓ کے حکم سے سب لوگوں نے اپنی اپنی دستاریں اُٹھالیں تو ایک زنانہ سربند پڑا رہ گیا۔ لوگوں کو حیران دیکھ کر آپؓ نے فرمایا کہ اِصفہان میں ہماری ایک عارفہ بہن رہتی ہیں، جنہوں نے جوشِ عقیدت میں اپنا سربند اُتار کر پھینک دیا ہے۔ آپؓ نے وُہ سربند اپنے دوشِ مُبارک پر رکھا۔ جہاں سے وُہ فوراً غائب ہوگیا۔

موازنۂ عقل و عشق

آج راڈار اور ٹیلی ویژن کے زمانے میں اِن حقائق سے کچھ وُہی لوگ اِنکار کر سکتے ہیں جو رُوحانیت سے سر بسر نا آشنا ہوں۔ دَورِ حاضر کا سب سے بڑا سائنسدان آئن سٹائن کہہ گیا ہے کہ مَیں نے ریڈیو دُوربین کے ذریعے ایک اَیسا کہکشاں تو دیکھ لیا ہے جو زمین سے دو کروڑ نوری سال کے فاصلے پر ہے، یعنی روشنی، جو فی سیکنڈ ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل طے کرجاتی ہے، وہاں دو کروڑ سال میں پہنچے گی، لیکن جہاں تک کائنات کی سرحدیں معلوم کرنے کا تعلق ہے۔ اگر میری عُمر ایک بلین یعنی دس لاکھ سال بھی ہو جائے، تو بھی نہیں کر سکتا۔ اِس کے برعکس اِس نُورِ ازل سے منوّر سراجِ مُنیر حضرت غوثُ الاعظمؓ اِس کائنات کے متعلق قصیدۂ غوثیہ میں فرماتے ہیں:۔

نَظَرْتُ اِلٰی بِلَادِ اللّٰہِ جَمْعًا كَخَرْدَلَةٍ عَلٰی حُكْمِ اتِّصَالٖ

(اللہ تعالیٰ کے تمام بلاد میری نظر میں اِس طرح ہیں جیسے ہتھیلی پر ایک رائی کا دانہ)

اِس سے مادِیّت اور رُوحانیّت کا اور عقلِ نارسا اور عشق کامگار کا فرق معلوم ہوتا ہے۔ حضرت خواجہ غریبؒ نواز فرماتے ہیں ؎

حسابِ عُمرِ صد عاقل بحشر بگذرد یک دم حسابِ یک دمِ عاشق بصد محشر نمی گنجد

یعنی حشر کے دِن سو سائنس دانوں کی عمروں کا حساب طرفۃُ العین میں ختم ہو جائے گا، مگر عاشق کی زندگی کے ایک لمحے کا حساب سو حشر بھی بپا ہوں تو ختم نہیں ہو سکے گا۔

اقلیمِ ولایت کی شہنشاہی کا فرمان

حضرت غوثُ الاعظمؓ کی کرامات کی کثرت پر تمام مؤرخین کا اِتفاق ہے۔ مگر آپؓ کی سب سے بڑی کرامت، جس کی بدولت آپؓ دُنیائے ولایت کے شہنشاہ مانے گئے۔ یہ ہے کہ ایک مرتبہ محلّہ حلبہ میں اپنے مہمان خانے میں وعظ فرماتے ہُوئے آپؓ پر حالتِ کشفی طاری ہُوئی اور آپؓ نے فرمایا:۔

قَدَمِیْ هٰذِهٖ عَلٰی رَقَبَةِ كُلِّ وَلِیِّ اللّٰهِ

(میرا یہ قدم ہر ولی اللہ کی گردن پر ہے۔)

اِس مجلس میں عراق کے سب اکابر مشائخ موجود تھے۔ سب نے یہ اِرشادِ گرامی سُن کر اپنی گردنیں خم

کر دیں۔ اور تمام کرۂ ارض پر جہاں جہاں کوئی قطب، ابدال یا ولی تھا، ہر ایک نے آپؓ کے یہ الفاظ سُن کر گردن جُھکا دی اور عارفِ کامل شیخ علیؒ بن ابُو نصر الہیتیؒ نے جو مجلس میں حاضر تھے، اُٹھ کر آپؓ کا قدمِ مُبارک اپنی گردن پر رکھ لیا۔ بعد میں اُنہوں نے اپنے اِرادت مندوں کے اِستفسار پر بتلایا کہ سید عبدالقادرؓ نے یہ بات از خود نہیں کہی بلکہ اسے کہنے کا اُنہیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا۔

خواجہ غریب نوازؒ چشتی کا سر جُھکانا

حضرت خواجہ مُعین الدّین چشتی اجمیریؒ اُن دنوں خُراسان کے پہاڑوں میں مُجاہدات و ریاضات میں مشغُول تھے۔ آپؒ نے بھی رُوحانی طور پر جناب غوث الاعظمؓ کا مندرجہ بالا اِرشادِ گرامی سُن کر اپنی گردن اِس قدر خم کی کہ پیشانی زمین کو چھُونے لگ گئی، اور عرض کی: "قَدَمَاكَ عَلٰی رَاسِیْ وَعَیْنِیْ (آپؓ کے دونوں قدم میرے سر اور آنکھوں پر ہوں)" حضرت غوث الاعظمؓ نے اِس اِظہارِ نیاز سے متاثر ہو کر مجلس میں فرمایا کہ سیّد غیاثُ الدّین کے صاحبزادے نے گردن جُھکانے میں سبقت کی ہے جس کے باعث عنقریب ولایتِ ہند سے سرفراز کیے جائیں گے۔

شیخ صنعانؒ کا اِنکار و توبہ

اِصفہان کے ایک ولی اللہ شیخ صنعانؒ جناب غوث الاعظمؓ کے ہم عصر تھے۔ دریائے علم و عرفان کے زبردست شناور تھے اور کرامات و خوارق اُن سے بکثرت سرزد ہوتے تھے۔ غوث الاعظمؓ کا مذکورہ بالا فرمان رُوحانی طور پر اُنہوں نے بھی سُنا، مگر آں جنابؓ کا مرتبۂ کمال پہچاننے میں ٹھوکر کھا جانے کے باعث گردن خم کرنے میں مُتامّل ہُوئے، جس پر اُسی وقت اُن کی ولایت و بصیرت سلب ہو گئی اور تہی دامن ہو جانے کی وجہ سے ایمان بھی خطرے میں پڑ گیا، بالآخر اُن کے ایک اِرادت مند کی عاجزی و خدمت گزاری کے باعث جناب غوث الاعظمؓ نے مُتوجّہ ہو کر اُنہیں کُفر سے بچا لیا۔ اور توبہ کرنے پر منصب بحال ہوا۔ (اقتباس الانوار)

اِس فرمان کا مفہُوم

جناب غوث الاعظمؓ کی زبانِ مُبارک سے نکلے ہُوئے اِن الفاظ کے متعلق یہ تو سبھی تسلیم کرتے ہیں کہ وُہ بحکمِ الٰہی کہے گئے تھے، مگر وُسعتِ فرمان کے مُعاملہ میں موجُودہ دَور کے بعض حضرات نے اِختلاف کیا ہے، اُن کا خیال ہے کہ آپؓ کا یہ فرمان صرف اولیائے وقت کے ساتھ مخصُوص تھا، کیونکہ اولیائے متقدّمین میں حضرات صحابۂ کرامؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ اور اولیائے متاخرین میں حضرت امام مہدیؑ بھی شامل ہیں۔ لیکن اکثریت اور اکابرین کی رائے یہ ہے کہ اِس قول کے تحت آپؓ کے زمانہ کے اولیائے حاضر و غائب کے علاوہ، تمام اولیائے متقدّمین و متاخّرین بھی آتے ہیں۔ اور اولیاء سے مُراد وُہ ولی اللہ ہیں جو اصحابؓ و ائمۂ اہل بیتؓ وغیرہ کے مختص ناموں سے منسُوب نہیں۔

تصرّفات بعد از وصال

آپؓ کے فیوض و برکات کا سلسلہ آپؓ کے وصال کے بعد بھی بدستور جاری ہے اور بفضلہ تعالٰے ہمیشہ جاری رہے گا جیسا کہ فضائلِ اہلِ بیتِ کرامؓ کے ضمن میں پہلے ذکر ہو چکا ہے، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے حضرت علی کرّم اللہ وجہہ الکریم کو مقامِ جذب و ولایت کا فاتح اوّل قرار دیتے ہوئے جناب سیدۃ النساءؓ، حسنینؓ شریفین و بقیہ ائمہ اہلِ بیتِ کرامؓ کو اسی نسبت کے اقطاب بیان فرما کر سیدنا غوث الاعظمؓ کی اس مقام میں ایک خصوصی شان تحریر کی ہے۔ نیز اپنی کتاب "ہمعات" کے ہمعہ ۱۱ میں لکھا ہے :۔

"و در اولیائے اُمت و اصحابِ طرقِ اقوٰے، کسیکہ بعد تمام راہِ جذب باگد وجوہ، بہ اصل ایں نسبت (اویسیہ) میل کردہ است و در آں جا بوجہ اتم قدم زدہ است، حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی اند، و لہٰذا گفتہ اند کہ ایشاں در قبر خود مثلِ احیا تصرّف می کنند"

"اور اُمت کے اولیائے عظام میں سے راہِ جذب کی تکمیل کے بعد جس شخص نے کامل و مکمل طور پر اس نسبتِ اویسیہ کی اصل کی طرف رجوع کر کے وہاں کامل استقامت سے قدم رکھا ہے وُہ حضرتِ شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانیؓ ہیں۔ اور اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ آں جنابؓ اپنی قبر شریف میں زندوں کی طرح تصرّف فرماتے ہیں"

حضرت شاہ ولی اللہؒ ایک اور جگہ فرماتے ہیں: حق تعالیٰ نے آں جنابؓ کو وُہ قوّت عطا فرمائی ہے کہ دُور و نزدیک ہر جگہ یکساں تصرّف فرماتے ہیں آپؓ اپنے ہم عصر اور بعد میں آنے والے تمام اولیائے کرام کے لیے حصولِ ولایت اور وصولِ فیض کا وسیلۂ کبریٰ اور واسطۂ عظمٰی ہیں۔

شیخ عبداللہ بلخیؒ نے اپنی کتاب "خوارق الاجاب فی معرفۃ الاقطاب" میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت غوث الاعظمؓ نے ایک مجلس میں ارشاد فرمایا کہ ڈیڑھ سو سال بعد بخارا میں ایک درویش بہاؤالدین نامی پیدا ہوگا، جو ہم سے ایک خاص نعمت کا مستحق ہوگا۔ چنانچہ جب حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبندؒ نے میدانِ سلوک میں قدم رکھا تو حضرتِ خضرؑ کے اشارے پر حضرتِ غوث الاعظمؓ کی روحانیت کی طرف متوجہ ہو کر "الغیاث، الغیاث، یا محبوب سبحانی" پکارتے ہوئے سو گئے اور خواب میں آں جنابؓ کے فیوض و برکات سے سرفراز ہوئے۔

اسی طرح فضائل اہلِ بیتِ کرامؓ کے ضمن میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کے ایک مکتوب کا حوالہ بھی آچکا ہے۔ جس میں وُہ ائمہ اہلِ بیتِ کرامؓ کے بعد منصبِ قطبیتِ کبریٰ کا حضرتِ غوث الاعظمؓ کی ذاتِ گرامی سے مختص ہونا بیان کر کے تحریر فرماتے ہیں کہ :۔

"وصولِ فیوض و برکات دریں راہ بہر کہ باشد از اقطاب و نجباء، بتوسطِ شریفِ اُو مفہوم می شود، چہ ایں مرکز غیر اُو رائیسر نہ شدہ۔ ازیں جاست کہ فرمودہ

اَفَلَتْ شُمُوسُ الْاَوَّلِیْنَ وَشَمْسُنَا ۔۔۔ اَبَدًا عَلَی اُفُقِ الْعُلٰی لَا تَغْرُبُ

"اس راہ میں برکات و فیوض کا حصول، اقطاب و نجباء کو جو بھی ہوں، آپؓ ہی کے توسّل سے

ہوتا ہے، کیونکہ یہ مرکزی حیثیت آپؓ کے بغیر کسی دُوسرے کو میسّر نہیں ہُوئی۔ اِسی وجہ سے آپؓ نے اِس شعر میں فرمایا ہے کہ

"اگلوں کے آفتاب غرُوب ہوگئے، مگر ہمارا آفتاب بلندی کے اُفق پر ہمیشہ چمکتا رہے گا، اور کبھی غرُوب نہ ہوگا، یعنی مجھ سے پہلے حضرات کے لیے دائرۂ ولایت کا مرکز ہونے کا شرف وقتِ معیّن کے لیے تھا، مگر میرے لیے یہ مقام اَبدی و سرمدی ہے۔"

"رُوحُ المعانی" میں حضرتِ مجدّدؒ سے نقل ہے کہ قطبیّتِ کُبریٰ کا مقام حضرتِ امام مہدیؑ تک جناب غوثُ الاعظمؓ کی ذاتِ بابرکت کے ساتھ مختص ہے۔

حضرت شیخ محمد اکرم چشتی صابری، قدّوسیؒ "اقتباسُ الانوار" میں آں جنابؓ کے متعلق لکھتے ہیں کہ:-

"جس کسی کو ظاہری باطنی فیض حاصل ہوا، سیّدنا غوثُ الاعظمؓ کی وساطت سے ہی ہوا۔ خواہ اُسے معلوم ہو یا نہ ہو۔ کوئی ولی آپؓ کی مُہر کے بغیر منظور اور مُعتبر نہیں ہو سکتا۔ حق تعالیٰ نے آپؓ کو وُہ مقام عطا فرمایا ہے کہ تمام تصرّفات کی باگ ڈور آپؓ کے ہاتھ میں دے دی ہے، جسے چاہیں، کسی منصبِ ولایت پر مقرر فرمادیں، جسے چاہیں، ایک آن میں معزُول فرمادیں۔"

نیز تحریر فرماتے ہیں کہ اِس فقیر کو متعدّد ثقہ روایات سے معلُوم ہوا ہے کہ حضرت خواجۂ بزرگ اجمیریؒ پیشوائے سلسلۂ چشتیہ حسبِ ارشادِ نبویؐ، سیّدنا غوثُ الاعظمؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر کچھ عرصہ فیض حاصل کرتے رہے اور آپؒ نے "شغل سہ گوشی" اور "حرزِ سیفی" بھی آنجنابؓ سے حاصل کیا۔ اِن ہر دو حضراتؒ کی مُلاقات اور خواجہ غریبؒ نواز اجمیری کے غوثُ الاعظمؓ سے اِستفاضہ کے ثبوت پر کتاب "فوز المطالب" مُصنّفہ مولیٰنا بُرہان الدین خان، بھی قابلِ دید ہے۔

حضرتِ غوث الاعظمؓ واکابرینِ اُمّت

حضرتِ خواجہ غریبؒ نواز اجمیری نے حضرت غوث الاعظمؓ کی شان میں مندرجۂ ذیل اشعار کہے ہیں: آپؒ حسبِ تصریح "تحفۃ الابرار" از مرزا آفتابؒ بیگ چشتی سُلیمانی جناب غوث الاعظمؓ کے رشتے میں خالہ زاد بھائی ہیں:-

یا غوثِ مُعظّم، نُورِ ہُدیٰ، مُختارِ نبیؐ، مُختارِ خُدا
سُلطانِ دو عالم، قُطبِ عُلیٰ، حیراں زِ جلالت ارض و سما
در صدق ہمہ صدّیقؓ وشی، در عدل و عدالت چو عُمرؓی
اے کانِ حیا عُثمانؓ منشی، مانندِ علیؓ با جود و سخا
در بزمِ نبیؐ، عالی شانی، ستّارِ عیوب مُریدانی
در مُلکِ ولایت سُلطانی، اے منبعِ فضل و جُود و سخا

چوں پائے نبی شد تاجِ سرت، تاجِ ہمہ عالم شد قدمت
اقطابِ جہاں در پیش درت اُفتادہ چو پیش شاہ گدا
گرداد مسیحؑ بہ مُردہ رواں، دادی تو بدینِ محمدؐ جاں
ہمہ عالم محی الدّین گویاں، بر حُسن و جمالت گشتہ فِدا

حضرت قطبُ الاقطاب خواجہ قطبُ الدین بختیار اُوشی کاکیؒ مندرجہ ذیل میں حضرت غوثُ الاعظمؓ کو مخاطب کرتے ہیں:۔

قبلۂ اہلِ صفا ، حضرتِ غوثُ الثقلینؓ
دستگیرِ ہمہ جا ، حضرتِ غوثُ الثقلینؓ
خاکِ پائے تو بُود روشنیٔ اہلِ نظر
دیدہ را بخش ضیا ، حضرتِ غوثُ الثقلینؓ
بے نواختہ دِلم ، نیست کسے آنکہ دھد
خستہ را جز تو دوا ، حضرتِ غوثُ الثقلینؓ
حضرتت کعبۂ حاجاتِ ہمہ خلقان است
حاجتم ساز روا ، حضرتِ غوثُ الثقلینؓ
مُردہ دِل گشتہ ام و نامِ تو محیُ الدّین است
مُردہ را زندہ نما ، حضرتِ غوثُ الثقلینؓ

اِسی طرح کُتبِ معتبرہ سے حضرتِ شیخ الشیُوخ شہابُ الدّین سُہروردیؒ، حضرتِ سیّد احمد رفاعی، خواجہ اُبو یُوسفؒ ہمدانی نقشبندی اَور کئی دیگر پیشوایانِ سلسلہ ہائے طریقت کا آنجنابؓ سے اِستفاضہ ثابت ہے۔

حضرتِ شیخ الشیُوخ شہابُ الدّین سُہروردیؒ آپؓ کی شان میں فرماتے ہیں:۔
"شیخ عبدُ القادرؓ بادشاہ طریق اَور تمام عالمِ وجُود میں صاحب تصرّف تھے۔ کرامات و خوارق عادت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک دوامی یدطُولیٰ عطا فرمایا تھا۔" (ترجمہ)

حضرت شاہ عبدُالحق محدّث دہلویؒ فرماتے ہیں ؎

غوثِ اعظمؓ دلیلِ راہِ یقین	بہ یقیں رہبرِ اکابرِ دین
اوست در جُملہ اَولیاؒ مُمتاز	چُوں پیمبر در انبیا مُمتاز

نیز "اخبار الاخیار" میں رقمطراز ہیں:۔
"اللہ تعالیٰ نے غوث الاعظمؓ کو قطبیّتِ کُبریٰ اَور ولایتِ عُظمیٰ کا مرتبہ عطا فرمایا۔ فرشتوں سے لے کر زمینی مخلوق تک آپؓ کے کمال، جلال اَور جمال کا شہرہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے بخشش کے خزانوں کی کُنجیاں اَور جسمانی تصرّفات کے لوازم و اسباب آپؓ کے اِختیار و اقتدار میں دے دیئے تھے اَور تمام اَولیاء اللہ کو آپؓ کا مطیع و فرمانبردار بنا دیا تھا۔ غرضیکہ تمام اَولیائے وقت، حاضر و غائب، قریب و بعید، ظاہر و باطن سب کے سب آپؓ کے فرمانبردار و اطاعت گُزار تھے اَور آپؓ تمام اَولیاء کے سردار و سالار تھے۔ کیونکہ

دورانِ مطالعہ حضرتؒ کے قلمی نوٹ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی خاتم النبیین ورحمۃ للعالمین واہل بیتہ وعترتہ الطاہرین
واصحابہ الکرام والذین اتبعوہم باحسان الی یوم الدین ۔ اما بعد رسالہ انوار قادریہ میری نظر سے گذرا
جو کہ شائقین معتقدین سلسلہ علیہ قادریہ کے لیے خصوصاً اور سائر اہل اسلام کو عموماً بوجہ شرف اشتمال ذکر سادات
عظام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین مفید وموجب خیر وبرکت ثابت ہوا ہے ۔ جزی المصنف ربہ عنا خیرا
کیوں نہ ہو جب کہ سرخیل اولیاء فی الارض والسماء عالیجناب سیدنا عبد القادر الجیلی الحسنی الحسینی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کا ذکر خیر ہی اس میں مندرج ہے جنکے عالیشان میں خاتم الولایۃ المحمدیہ شیخ اکبر قدس سرہ الاطہر فتوحات کے
باب ۲۰۳ میں لکھتے ہیں (ومنہم رضی اللہ عنہم رجل واحد وقد تکون امراۃ فی کل زمان آیتہ وہو القاہر
فوق عبادہ ۔ لہ الاستطالۃ علی کل شیء سوی اللہ شہم شجاع مقدام کبیر الدعوی بحق یقول حقا
ویحکم عدلا کان صاحب ہذا المقام شیخنا عبد القادر الجیلی ببغداد کانت لہ الصولۃ والاستطالۃ بحق
علی الخلق کان کبیر الشان) یعنی سیدنا عبد القادر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
بغیر حق سبحانہ وتعالیٰ کے ہر شی پر غالب ومتصرف تھے گویا مظہر تھے آیہ جلیل (وہو القاہر فوق عبادہ)
بعد اسکے اسی باب میں لکھتے ہیں کہ محمد اوانی المعروف بابن قائد منجملہ افراد
(سیدنا عبد القادر جیلی کے اصحاب میں سے تھا جسکے شان میں عالیجناب فرماتے ہیں کہ محمد بن قائد اوانی اون اعلام
اولیاء افراد سے ہے جو دائرہ قطب سے خضر کی مانند خارج تھے ہیں جنکی نظیر ملائکہ میں ملائکہ کروبین
مہیمین فی جلال اللہ ہیں جنکو بغیر حق سبحانہ وتعالیٰ کسی شی کا علم نہیں نہ اپنا اور نہ غیر کا
جب عالیجناب سیدنا عبد القادر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعض خدام خضر علیہ السلام کی مانند قطب وقت
کے دائرہ سے خارج ہیں تو پھر آپ
آپ کا شان کیا ہوگا واللہ اعلم بمناصب عبادہ وہو بکل شیء علیم وہہنا اسولۃ واجوبۃ لا یسعنی ذکرہا لضیق المقام
والحمد للہ اولا وآخرا ۔ الراقم

کمترین خلق اللہ مہر و محبت کا بندہ
علی کا محب
شاہ جیلان واجمیر کا حلقہ بگوش
رزگراہ ۱۳۱۳ھ صفر

[illegible]

آپؓ قطب الوقت، سلطانُ الوجود، امامُ الصدیقین، حجت العارفین، رُوحِ معرفت، قطب الحقیقت، خلیفۃ اللہ فی الارض، وارثِ کتاب اللہ، نائب رسول اللہ، الوجود البحت، النور الصرف، سلطان الطریق اور متصرف فی الوجود علی التحقیق ہیں۔"

حضرتِ امام عبداللہ یافعی فرماتے ہیں کہ جناب غوث الاعظمؓ کی کرامات درجۂ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔

حضرتِ مخدوم علاؤالدین علی احمد صابرؒ کلیری عرض گزار ہیں :-

من آدم بہ پیش تو سلطانِ عاشقاں	ذاتِ تو ہست قبلۂ ایمانِ عاشقاں
در ہر دو کون جز تو کسے نیست دستگیر	دستم بگیر از کرم اے جانِ عاشقاں

حضرت شاہ ابُوالمعالیؒ کا ارشاد ہے ؎

گر کسے واللہ بعالم از مئ عرفانی است	از طفیل شاہ عبدالقادرؓ گیلانی است

حضرت مولینا الحاج محمد امداد اللہ مہاجر مکیؒ کا ارشاد ہے :-

خداوندا! بحق شاہِ جیلانؓ	محی الدین وغوث وقطبِ دوراں
بکُن خالی مرا از ہر خیالے	ولیکن آں کہ زو پیداست حالے

رسالہ "انوارِ قادریہ" پر حضرت قبلۂ عالمؒ کی تقریظ

اِسی ضمن میں حضرت قبلۂ عالم گولڑوی نے کتاب "انوارِ قادریہ" کو پڑھ کر اپنے تاثرات قلمبند فرمائے ہیں، جو مکتوبات شریف موسُومہ "مہرِ چشتیہ" اور فتاوٰی مہریہ" سے یہاں نقل کیے جاتے ہیں :-

"اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اَوَّلًا وَّ اٰخِرًا وَّ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ مِنْہُ بَاطِنًا عَلَیْہِ وَ ظَاہِرًا وَّ عَلٰی اَھْلِ بَیْتِہٖ وَعِتْرَتِہِ الطّٰھِرِیْنَ وَ اَصْحَابِہٖ طُرًّا وَّ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْھُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ۔

اَمَّا بَعْدُ رسالہ "انوارِ قادریہ" میرے مُلاحظہ سے گزرا۔ علاوہ حُسنِ مضامین کے بوجہ ذکرِ سادات کرام علیھمُ الرضوان، طرزِ بیان وعبارتِ عام فہم کی رُو سے بھی ناظرینِ اہلِ اسلام کے لیے عمُوماً و معتقدین و شائقینِ سلسلۂ قادریہ کے لیے خصُوصاً میری ناقص رائے میں مُفیدِ عام و مُوجبِ خیر و برکت ثابت ہوا ہے جزَی الْمُصَنِّفَ رَبُّہٗ عَنْ نَاظِرِیْھَا۔ چُونکہ رسالہ ہذا بوجہ اشتمال بر ذکرِ آں محو در شہود ذات و مُنصبغ بصبغاتِ صفات، آں قائل قَدَمِیْ ھٰذِہٖ عَلٰی رَقَبَۃِ کُلِّ وَلِیِّ اللّٰہِ۔ آں مبرا از التفات بما سوی اللہ، آں غوث اہالیانِ ارض وسماء، آں وارث علومِ جذبیہ فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی۔ آں مرکز و نُقطۂ حُبیہ دائرۂ وجُود، محبوب ربانی، امامُ الثقلین، محی الدین سیدنا عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اِس قابل نہیں کہ بعض دیگر مسائل اور مصنفات کی مانند صرف معمولی تقریظ پر اکتفا کیا جائے۔ لہٰذا تیمناً و تبرکاً فوائد وقلائد دُررِ غُرر ذیل سے محلّٰی و موشح کرنا اس کا غیر مناسب معلوم نہیں ہوتا۔

فائدہ: آپؓ کا سچا اور پاک فرمان ذیل کہ "یہ قدم میرا ہر ولی کی گردن پر ہے" از قبیل شطحیات نہیں، جیسا کہ کم ظرف لوگ کم حوصلگی کی وجہ سے ایسے دعاوی کیا کرتے ہیں بلکہ بوجہ مقام صحو و استقامت و تمکین میں

مامُور ہونے کے ایسا فرمایا گیا ہے۔ بوجُوہِ متعدّدہ:-

(ا) اگر یہ فرمانِ امرِ خُداوندی کی تعمیل نہ ہوتا بلکہ معاذ اللہ کم حوصلگی کے باعث صادر ہوتا، جیساکہ بعض متصوّفینِ موجُودہ زمانہ کا خیال ہے تو پھر آں کاسرِ اصنامِ غیر و غیریّت، آں ناصبِ خیامِ وحدت واحدیّت، آں مرکزِ دائرہ پرکارِ وجُود، آں مہبطِ تجلّیات و انوارِ شہُود، آں گوئے ازہمہ بُردہ درحق پرستی، آں قطبُ الوحدت خواجہ خواجگان مُعین الحق والدین چشتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بروقتِ صدُورِ فرمانِ عالی سب سے پہلے سرِ تسلیم خم نہ فرماتے۔

(ب) بوجہِ کمالِ اتباعِ محمدی صلّی اللہ علیہ وسلّم مثلِ قولِ علیہ السلام: اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ وَبِیَدِیْ لِوَاءُ الْحَمْدِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وغیرہ یہ فرمان صادر ہوا۔

(ج) آپؓ ایسے اقوال کے صدُور کا منشاء قولِ ذیل سے بیان کرتے ہیں: وَمَا قُلْتُ قَوْلِیْ ھٰذَا اِلَّا وَقَدْ قِیْلَ لِیْ یعنی میں ازخُود ایسی بات نہیں کہتا ہُوں، بلکہ منجانب اللہ اِرشاد ہوتا ہے کہ ایسا کہو۔

(د) رئیسُ المکاشفین شیخِ اکبر قُدّس سرّہٗ "فتوحات" کے باب ۳۷ میں بعد ذکرِ اقسامِ اولیاء اللہ فرماتے ہیں:-

"وَمِنْھُمْ رَضِیَ اللہُ عَنْھُمْ رَجُلٌ وَاحِدٌ وَقَدْ تَکُوْنُ امْرَءَۃً فِیْ کُلِّ زَمَانٍ اٰیَتُہٗ (وَھُوَ الْقَاھِرُ فَوْقَ عِبَادِہٖ) لَہُ الْاِسْتِطَالَۃُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ سِوَا اللہِ شَھْمٌ، شُجَاعٌ، مِقْدَامٌ، کَثِیْرُ الدَّعْوٰی بِحَقٍّ یَقُوْلُ حَقًّا وَیَحْکُمُ عَدْلًا کَانَ صَاحِبُ ھٰذَا الْمَقَامِ شَیْخُنَا عَبْدُ الْقَادِرِ الْجِیْلِیْ بِبَغْدَادَ کَانَتْ لَہُ الصَّوْلَۃُ وَالْاِسْتِطَالَۃُ بِحَقٍّ عَلَی الْخَلْقِ کَانَ کَبِیْرَ الشَّانِ۔"

یعنی اولیاء میں سے ایک ولی ایسا ہوتا ہے کہ سوائے حق سُبحانہٗ تعالیٰ کے ہر چیز پر غالب اور متصرّف رہتا ہے اور پُرزور دعاوی کرتا ہے، مگر اُس کا دعویٰ اور بول بالا سچا ہی ہوتا ہے۔ ایسا ہی حکم اُس کا عدل و انصاف سے ہوتا ہے۔ اِس مقام کے صاحب بغداد میں عالی جناب ہمارے شیخ عبدُالقادر جیلی گویا آیت وَھُوَ الْقَاھِرُ فَوْقَ عِبَادِہٖ کے مظہر تھے۔

اِسی باب ۳۷ میں لکھتے ہیں کہ محمد اَوانی المعرُوف بہ ابن قائد افراد میں سے تھے۔ اولیائے افراد وہ ہوتے ہیں، جو خضر علیہ السلام کی طرح دائرہ قطب سے خارج ہوں۔ عالیجناب غوث پاک قُدّس سرّہٗ محمد اَوانی مذکور کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ یہ اولیائے افراد سے ہے اور یہ محمد اَوانی غوث پاکؓ کے اصحاب و خُدّام میں سے تھے۔

حضرت شیخِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصریح ہٰذا سے نتائج ذیل ثابت ہُوئے:-

۱۔ عالی جنابؓ نہ صرف مقامِ غوثیّت کے مالک تھے، بلکہ اس سے بالاتر تھے۔

۲۔ آپؓ ہر شے پر سوائے خُدائے عزّوجل کے غالب و متصرّف تھے۔

۳۔ ایسا شخص لاف زن و کم ظرف نہیں ہوتا بلکہ سچّا اور صاحبِ تمکین ہوتا ہے۔

۴۔ ہر زمانے میں ایسا ولی ہونا چاہیئے۔ وہ عبارت جس سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے، اسی باب میں ہے مگر خوفِ طوالت کی وجہ سے نقل نہیں کی گئی ہے۔

۵۔ حضرت شیخؓ کے زمانے میں اِس تصرّف کا مالک حسبِ تصریح شیخ رضی اللہ عنہ ایک ولی تھا مگر اُسی باب میں لکھتے ہیں کہ گویہ ولی مقامِ وَھُوَ الْقَاھِرُ فَوْقَ عِبَادِہٖ میں ہے، لیکن شیخنا عبدُالقادر رضی اللہ

عنہ میں علاوہ مقامِ ہٰذا کے اَور وجوہ فضیلت بھی موجود تھے۔

چنانچہ سیدنا عبدالقادرؓ و سیدنا خواجہ نظام الدینؒ ہر دو مقامِ محبوبیت میں شریک ہیں مگر حسبِ تصریح حضرت خواجہ نظام الدینؒ اورنگ آبادی، حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی دہلوی سیدنا عبدالقادرؓ سے مستفیض ہیں (ملاحظہ ہو نظام القلوب)۔ نیز محبوبیتِ قادریہ عالمگیر ہے اور محبوبیتِ نظامیہ کئی قطعاتِ ارض تک نہیں پہنچی۔ رہا لفظِ سُبحانی و الٰھی سو مقامِ جذب و محبوبیت سے جیسا تناسب کہ لفظِ سُبحان کو ہے لفظِ اِلٰہ کو نہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ۔ سُبْحَانَ الَّذِيْ أَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا۔ اور نہ لفظِ اِلٰہ ذاتِ بحت پر دال ہے بلکہ سُبحان کہ رُتبۂ ذات کا نام ہے۔ (ملاحظہ ہوں فتوحات و شروح فصوص)

حضرتِ مجدد الفِ ثانیؒ دوسری جلد کے آخری مکتوب میں حضور غوثِ اعظمؓ کے بارے میں فرماتے ہیں:۔

"وصولِ فیوض و برکات دریں راہ بہر کہ باشد از اقطاب و نُجبا بتوسطِ شریفِ اُو مفہوم می شود، چہ ایں مرکز غیرِ اُو را میسر نہ شد الخ"

اس موقع پر برائے فائدہ مندرجہ ذیل سوالات و جوابات بھی درج کیے جاتے ہیں:۔

سوال۔ لفظ ولی اللہ اصحابؓ کرام پر بھی بدلیل قولہٗ تعالیٰ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا و سائر آیاتِ قرآنیہ بولا جاسکتا ہے، تو حسبِ قولِ مذکور چاہیئے کہ آپؓ کا قدم اصحابؓ کرام کی گردن پر بھی ہو۔ حالانکہ یہ امر مسلّم ہے کہ کوئی ولی، خواہ کیسا ہی کامل ہو، صحابہؓ کے رُتبے کو نہیں پہنچ سکتا۔

جواب۔ متأخرین کے عُرف و محاورے میں ولی اللہ ماسوائے صحابی پر بولا جاتا ہے۔

سوال۔ عبارتِ "فتوحات" مسطورہ بالا یعنی لَهُ الْاِسْتِطَالَةُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ سِوَى اللّٰهِ سے پایا جاتا ہے کہ اس ولی کا تصرّف انبیاء علیہم السلام پر بھی ہوتا ہے۔

جواب۔ عالیجناب رضی اللہ عنہ کا زمانہ انبیاء کا زمانہ نہ تھا۔

سوال۔ لفظِ فِيْ كُلِّ زَمَانٍ مندرجہ عبارتِ "فتوحات" مسطورۂ بالا سے پایا جاتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے زمانے میں بھی ایسے ولی کا ہونا واقعی امر ہے اور نیز اسی باب میں قبل از عبارتِ مذکور حضرتِ شیخ تصریح فرماتے ہیں کہ بعد آنحضرتؐ چار انبیاء بہ اجسامھم زندہ ہیں۔

جواب۔ مفضول کا تصرّف فاضل پر مثلِ تصرّف جبرائیلؑ بر آں حضرتؐ واقعی اور مسلّم شدہ امر ہے۔ کیونکہ بوجہ تخالفِ فیما بینِ وجوہِ فضیلت، استبعاد مندرجہ سوال بخوبی مندفع ہو سکتا ہے۔ وُہی آخری مکتوب شریف ملاحظہ ہو۔ چنانچہ عالیجناب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خُضْنَا بَحْرًا لَمْ يَقِفْ عَلٰى سَاحِلِهِ الْاَنْبِيَاءُ۔ یعنی ہم ایسے دریا میں ڈوبے ہیں، جس کے کنارے پر انبیاء علیہم السلام کو کھڑا ہونا نصیب نہیں ہوا۔ بحر و دریا سے مُراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، یعنی ہم کو بوجہ کمالِ اتباعِ ظاہری و باطنی، شریعت و طریقت ذاتِ پاک محمدی میں کامل فنا حاصل ہے۔ بخلاف سائر انبیاء علیہم السلام کہ وہ اپنی اپنی شرائع میں رنگین ہونے کے باعث اس فنا کامل سے عاری ہیں۔

سوال۔ عیسیٰ ابن مریم علیٰ نبیّنا و علیہ الصلوٰۃ والسلام حسبِ احادیثِ صحیحہ بعد النزول شرعِ محمدی کے پابند

ہوں گے۔ لہٰذا کامل فنا کے مستحق ہوئے اور عالی جناب کے فرمانِ مذکور لَمْ يَقِفْ عَلَىٰ سَاحِلِهِ الْأَنْبِيَاءُ سے سمجھا جاتا ہے کہ کسی پیغمبر کو ذاتِ محمدی میں فنائے ظاہری و باطنی نہ ہوگی۔

جواب۔ فرمانِ مذکور کا مطلب یہ ہے کہ میرے قولِ ہٰذا سے پہلے کسی نبی کو بحرِ ذاتِ محمدی میں فنائے کامل و اتباعِ شرعِ محمدی حاصل نہیں ہوا۔ کیونکہ لَمْ يَقِفْ میں کلمہ لَمْ مضارع پر ماضی منفی کا معنی دیتا ہے۔ بنا بریں اگر بعد اس فرمان کے قربِ قیامت میں عیسیٰ علیہ السلام کو اتباعِ شرعِ محمدی میں اتباع کامل حاصل ہو تو مخالفِ قولِ مذکور نہ ہوگا۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ اَوَّلًا وَّ اٰخِرًا وَّالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْهِ ظَاهِرًا مِّنْهُ وَبَاطِنًا۔ العبد مہر محبت کا بندہ، علیؓ کا نام لیوا، شاہِ جیلان کا حلقہ بگوش از گولڑہ بقلمِ خود۔ ۱۸ صفر ۱۳۳۱ھ [1]

القصہ حضرت غوث بہاؤالحق والدین ملتانیؒ نے جناب غوث الاعظمؓ کی شان میں کیا خوب عرض کیا ہے:-

گویم ز کمال تو چہ غوث الثقلینا	محبوبِ خدا، ابنِ حسنؓ، آلِ حسینا
سر در قدمت جملہ نہادند و بگفتند	تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا
ما عاجز و حیران بماندیم بگرداب	لَا نَخْلُصُ اِلَّا بِكَ بِاللّٰهِ لَدَيْنَا

ما تشنہ چو ماہی ہمہ در دشت فتادیم
اے ابرِ کرم بار تو بشتاب اِلَيْنَا

---

[1] اربابِ علم و بصیرت سے مخفی نہیں کہ حضور غوثِ اعظم سیدنا الشیخ محی الدین ابی محمد عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کے فضائل و کمالات، حسب و نسب، تصرفات و کرامات مشہور و متواتر ہیں۔ آپ کا ارشادِ گرامی "میرا قدم تمام اولیاء کی گردن پر ہے" حضور کے معاصرین سے لے کر ہر زمانہ کے مشائخِ عظام اور ان کے متوسلین علمائے کرام و عوام اہلِ اسلام کے نزدیک ایک مسلّم حقیقت ہے اور آج تک کسی سلسلہ کے بزرگانِ دین سے اس کا انکار ثابت نہیں۔ جیسا کہ خاتم المفسرین حضرت السید علامہ محمود آلوسی بغدادیؒ مصنف روح المعانی نے اپنی کتاب "الطراز المذہب" میں اور حضرت السید علامہ محمد مکیؒ شیخ الجامعۃ الزیتونہ (تیونس) نے اپنی کتاب "السیف الربانی" میں اور حضرت السید مولانا ابو مظفر ظہیر الدین قادری بغدادیؒ نے اپنی کتاب "فتح المبین" میں تفصیل فرمائی ہے۔ آپ کی سیرت پر مستند کتاب "بہجۃ الاسرار" میں سندِ متصل کے ساتھ ان مشائخ کرام کے اقوال منقول ہیں جنھوں نے اس ارشادِ گرامی سے پہلے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ آپ بحکمِ الٰہی یہ ارشاد فرمائیں گے۔ اس کے علاوہ مجلس میں حاضر مشائخ اور دیگر بہت سے معاصرین اولیائے کرام کے اقوال بھی درج ہیں، جنھوں نے اپنے اپنے مقام پر کشف و الہام کے ذریعے اس ارشادِ گرامی سے مطلع ہو کر گردنیں جھکا دیں۔ کتاب مذکور کے مصنف امام نور الدین ابو الحسنؒ علی بن یوسف (متوفی ۷۱۳ھ) جامعہ ازہر کے شیخ القراء تھے۔ مشہور محدث اور نقاد مؤرخ امام ذہبی جو مصنف کے ہم عصر تھے۔ اور اسی طرح محدثِ مشہور امام جزریؒ اور امام جلال الدین سیوطیؒ، امام عبداللہ یافعیؒ اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ سب نے مصنف کے علمی فضل و کمال کی تعریف کی ہے۔ جیسا کہ الدولۃ المکیۃ مصنفہ مولانا احمد رضا خان بریلوی میں یہ تفصیل مذکور ہے۔ اس کتاب کے علاوہ ہر دور کے علماء و مشائخ کی بے شمار تصانیف میں حضور کے اس ارشادِ گرامی کے متعلق تفصیل موجود ہے۔ حضرتؒ کی تصنیف "فتاوٰے مہریہ" میں بھی یہ تفصیل درج ہے۔

چوتھی فصل

حضرت قبلۂ عالمؒ کے دیگر اجدادِ کرام

سیّد تاج الدّین عبدالرّزاق وسیّد جمال اللہ حیاتُ المیر

حضرت قبلۂ عالم گولڑوی قُدّس سرّہُ العزیز، جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے، جناب غوثُ الاعظمؓ کے منجھلے بیٹے سیّد تاجُ الدّین عبدُالرزاق قُدّس سرّہ العزیز کی اولادِ پاک میں سے ہیں۔ جن کا سلسلہ طریقت قادریہ، رزّاقیہ شرق و غرب میں پھیلا ہوا ہے۔ سیّد عبدُالرزّاقؒ اپنے وقت کے مشائخ کبار میں سے ہوئے ہیں۔ آپؒ مُفتیٔ عراق کے لقب سے مشہور تھے۔ منجھلے صاحبزادے ہونے کے باوجود آستانۂ عالیہ غوثیہ بغداد شریف کی سجّادگی و تولیّت کا شرف زیادہ تر آپؒ ہی کی اولاد کو حاصل رہا ہے آپؒ کے ایک فرزند سیّد جمال اللہ المعروف پیر حیاتُ المیر زندہ پیر کو اپنے جدِّ بزرگوار حضرتِ غوثُ الاعظمؓ کی دُعا سے حیاتِ جاوید حاصل ہوئی۔ وُہ آنجنابؓ یعنی غوثُ الاعظمؓ کے وصال کے کچھ عرصہ بعد ہی عام لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہو گئے تھے۔ جناب غوثُ الاعظمؓ اپنے اِس پوتے کے حال پر بے حد شفقت فرماتے تھے۔ کُتب "خزینۃُ الاصفیا" "تحفۃُ القادریہ" اور "اقتباسُ الانوار" وغیرہ میں مذکور ہے کہ حضرتِ غوث الاعظمؓ اِن کو گود میں لے کر پیار فرماتے اور کہتے، بیٹا! جب امامِ آخر الزّمان، حضرتِ مہدیؑ سے مُلاقات ہو تو میرا سلام کہنا۔ اصل عبارت ذیل ہے:۔

"از سیّد جمال اللہ مدّتِ عُمرش پُرسیدند، فرمود کہ جدّم رضی اللہ عنہ غوثُ الاعظمؓ وقتِ جوشِ شوقِ الٰہی مرا در بر کردہ می فرمُودے کہ برادر مہدی و حضرتِ عیسٰی علیہما السلام را از من سلام برسانی۔ او ہنوز زندہ است و در نواحِ بُسطام وغیرہ ممالک سیر می نمایند۔"

کتاب "تحفۃ الابرار" میں "انیس القادریہ" وغیرہ کُتب کے حوالہ سے تحریر ہے کہ سیّد جمال اللہ شکل وصُورت میں حضرتِ غوثُ الاعظمؓ سے بہت مشابہ تھے اور آپ کی دُعا سے زندۂ جاوید ہیں۔ سیّد مقیم شاہ ساکنہ حُجرہ شاہ مقیم ضلع ساہی وال اور سُلطان بری لطیفؒ، نُور پُور شاہاں ضلع راولپنڈی اور بہت سے دیگر اولیاء کرامؒ کا آپؒ سے فیض حاصل کرنا بیان کیا جاتا ہے۔

سیّد ابُو صالح طاہر نصرؒ و سیّد علی بغدادیؒ

سیّد ابُو صالحؒ حضرت سیّد عبدُالرزّاقؒ کے دُوسرے فرزند تھے۔ آپؒ مُفتیٔ عراق کے منصبِ جلیل پر فائز تھے۔ حضرت قبلۂ عالم آپؒ کے صاحبزادے سیّد علی بغدادیؒ کی اولاد سے ہیں۔ "تحفۃُ الابرار" میں "تذکرۃ العابدین" کے

حوالے سے تحریر ہے کہ آپؒ کی تصانیف میں سے "اسرار النقطہ"،"شرحِ فصوص الحکم"،"شرح قصیدہ خمریہ وفارضیہ" و"اورادِ فتحیہ" برائے گشائش ظاہر وباطن اکسیرِ اعظم کا حکم رکھتی ہیں۔

سیّد تاج الدین محمودؒ و سیّد ابی الحیاتؒ

حضرتِ سیّد علی قادریؒ کی چوتھی پُشت میں حضرتِ سیّد تاجُ الدین محمود قادری رزّاقیؒ نویں صدی ہجری میں سب سے پہلے سلسلۂ عالیہ قادریہ رزّاقیہ کا انعامِ الٰہی لے کر بنگال پہنچے۔ اُن دنوں سلاطین بنگالہ کا پایۂ تخت گوڑ تھا۔ سُلطانِ وقت فیروز شاہ نے آپؒ کی خانقاہ کے لیے جاگیر مقرر کی اور آپؒ کافی عرصہ تبلیغ فرمانے کے بعد اپنے صاحبزادے سیّد ابی الحیاتؒ کو اپنی جگہ مسندِ ارشاد پر چھوڑ کر واپس بغداد شریف چلے گئے۔ اُن ایام میں سیّد شریف مکّیؒ کو بنگال کے ایک حصّے کی حکمرانی حاصل ہوئی۔ چُنانچہ وُہ بھی اپنی پرہیزگاری اور خدمتِ دین کے باعث اس سلسلۂ شریف کی ترویج میں ممدّ و مُعاون ثابت ہُوئے۔

حضرت میراں شاہ قادر قمیصؒ

حضرتِ سیّد ابی الحیاتؒ، ہمایوں ابنِ بابر بادشاہ کے دَور تک زندہ رہے۔ اُن کی وفات پر اُن کے صاحبزادے میراں شاہ قادر قمیصؒ نے اُن کا جانشین ہوکر نہ صرف بنگال میں بلکہ تمام برّصغیرِ ہند میں عظیم شہرت حاصل کی جب ہمایوں بادشاہ اور شیر شاہ سُوری کی جنگوں کی وجہ سے ملک میں بدامنی پھیلی تو آپؒ ارضِ مقدس بغداد تشریف لے گئے۔ اور کئی سال بعد امن بحال ہونے پر واپس گنگوہ پہنچے۔ اس وقت یہاں حضرت شیخ عبدالقدُّوس گنگوہیؒ اور اُن کے خُلفائے عُظام کا کافی شُہرہ تھا۔ "لطائفِ قدّوسی" میں لکھا ہے کہ قطبُ العالم شیخ عبدالقدّوسؒ نے بایں جلالت شان و کہولتِ عُمری شہر سے باہر نکل کر حضرت مخدوم قمیصؒ کا استقبال کیا اور کچھ عرصہ اپنے پاس مہمان رکھ کر سلسلۂ عالیہ چشتیہ صابریہ کے اوراد و وظائف مرحمت فرمائے۔

حضرت شیخ عبدُالقدّوس گنگوہیؒ سلسلۂ عالیہ چشتیہ صابریہ کے مشائخ عُظام میں سے تھے۔ جو شُہرت وعظمت اس سلسلہ شریف میں اللہ تعالیٰ نے آپؒ کو عطا فرمائی، وُہ صاحبِ سلسلہ حضرت سیّد علاؤالدین علی احمد صابرؒ کے علاوہ شاید ہی کسی کو نصیب ہُوئی ہو۔ حضرتِ گنگوہیؒ کے خُلفائے عظّام میں شیخ جلال الدین تھانیسریؒ، شیخ عبدُالغفور اعظم پُوری اور شیخ عبدُالاحد سرہندیؒ (حضرت مجدّدِ الفِ ثانیؒ کے والدِ بزرگوار) وغیرہ مشائخ کے اسمائے گرامی آتے ہیں آپؒ نے ہندوستان کے مختلف سیاسی انقلابات دیکھے اور خاندانِ لودھی سے مُغلیہ دَور تک رونق افروزِ عالم رہ کر ۹۴۵ھ میں ترانوے سال کی عُمر میں رحلت فرمائی۔

حضرت مخدوم قادر قمیصؒ گنگوہ سے بنگال گئے۔ مگر وہاں حالات کو سازگار نہ پاکر موجودہ اضلاع انبالہ اور سہارنپور (بھارت) کے قصبہ شاہ ڈھورا میں، جو اَب ساڈھورا کے نام سے مشہور ہے، سکونت اختیار فرمائی۔ ۹۸۳ھ میں جب مغل بادشاہ اکبر نے بہار کو فتح کیا تو حضرت مخدومؒ کو بنگالہ کے سُلطان بایزیدؒ کے پاس سفیر بنا کے بھیجا۔ اُسی زمانے میں بہار کا ایک ہندو راجہ اور اُس کی رانی آپؒ کی رُوحانیت سے متأثر ہو کر حلقہ بگوشِ اسلام ہُوئے۔ شاہانِ مغلیہ نے آپؒ کی خانقاہ کے لیے کچھ گاؤں

نذر کیے ہُوئے تھے جو انگریزی دَور تک رہے۔

حضرت شیخ عبدُالحق مُحدّث دہلوی اخبار الاخیار میں لکھتے ہیں:-

"شاہ قادر قمیص ابن سید ابی الحیاتؒ، حضرت شاہ عبدُالرزاقؒ بن حضرت غوث الاعظمؒ کی اولاد سے ہیں۔ آپؒ پہلے بنگال میں اِرشاد و تبلیغ فرماتے رہے، جہاں سے فقر و تجرّد کے ساتھ آکر قصبہ سالورا خضرآباد میں مقیم ہُوئے۔ وہاں سید نصراللہ نے جو عالمِ دین باعمل، صاحبِ حال و متبع سُنّتِ بزرگان میں سے تھے، اپنی صاحبزادی کا عقد آپؒ سے کر دیا۔ جس وجہ سے آپؒ نے سالورہ میں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ اِس علاقے کے آس پاس کے اکثر و بیشتر لوگ اور درویشوں کی ایک جماعت آپؒ کے عقیدت مند و ارادت مند ہُوئے ہیں۔ شیخ عبدُالرزاقؒ المعروف شیخ بہلولؒ آپؒ ہی کے خلیفہ تھے جو علمِ شریعت و طریقت میں کامل بزرگ ہُوئے ہیں۔ شاہ قمیصؒ نے بنگال میں وفات پائی، جہاں بادشاہِ وقت نے اِن کو کسی کام کے سِلسلے میں روانہ کیا تھا۔ ۳۔ ذیقعدہ ۹۹۲ھ کو آپؒ کا جسدِ پاک بنگال سے لاکر سالورہ میں سپردِ خاک کیا گیا۔" جہاں ہر سال ۲ تا ۱۱ ربیعُ الثّانی اِجتماعِ خلائق ہوتا ہے۔

حضرت شاہ محمّد فاضل قلندرؒ

حضرت مخدُوم قادر قمیصؒ کے بعد آپؒ کے پوتے حضرت شاہ محمّد فاضل قلندرؒ بہت بڑی شہرت کے مالک اور سِلسلۂ عالیہ قادریہ قمیصیہ کے فروغ کا باعث ہُوئے۔ ۹۔ رمضانُ المبارک ۱۰۴۱ھ کو اِنتقال فرماکر قلعہ ساڈھورہ کے قریب دفن ہُوئے۔ یہ جگہ پہلے "شاہ محمّد فاضل کی گھاٹی" اور بعد میں "فاضِل پُور" کے نام سے مشہور ہُوئی۔

حضرتِ شاہ قادر قمیصؒ کی اَولاد میں سے ایک اَور بزرگ سید صادق علی شاہؒ، حضرت مولینا فخرُالدین فخرِ جہاں دہلوی چشتی نظامی کے خلیفۂ مجاز ہوکر دہلی سے بہار اور بنگالہ کی سیاحت فرماتے ہُوئے لنکا (سیلون) تشریف لے گئے اَور تبلیغِ دِین فرماتے رہے۔ اُسی جگہ اِنتقال فرمایا اور بمقام پولو ہانگ مدفون ہُوئے۔ اِن کے خلیفہ حضرت شاہ قیام الدین اصدق کا مدفن موضع جمعہ اوان المعروف پیر بگھیہ ضلع پٹنہ میں زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔

اِن چند حضرات کا ذکرِ خیر یہاں تبرّکاً کر دیا گیا ہے۔ ورنہ سِلسلۂ عالیہ قادریہ قمیصیہ کے مشائخ کا تذکرہ بہت طویل ہے۔ زمانۂ قریب میں حضرتِ شاہ قادر قمیصؒ کی اَولاد میں سے حضرت قبلۂ عالم گولڑوی اَور حضرتِ شاہ سلیمانؒ پھلواروی (صُوبہ بہار) ایسی مایۂ ناز ہستیاں گزُری ہیں۔ سِلسلۂ عالیہ قادریہ قمیصیہ کے مشائخ کی تفصیل "تذکرۃ الابرار" مصنفہ تقی حیدر قلندر کاکوروی میں دیکھی جا سکتی ہے۔

حضراتِ پیر سیّد رَوشن دِینؒ شاہ و پیر سیّد رسُول شاہؒ

مخدُوم میراں شاہ قادر قمیصؒ کی بارھویں پُشت میں سے ایک صاحب حضرت سید عبدالرحمٰن نُوری حج کے لیے گئے۔ واپسی پر بمقام بصرہ بقضائے اِلٰہی اِنتقال فرما گئے۔ اَور آپؒ کی وصیّت کے مُطابق آپؒ کے اَوراد و وظائف کی کتابیں آپؒ کے ساتھ ہی دفن کر دی گئیں۔ آپؒ کے صاحبزادگان پیر سید روشن دینؒ و سید رسُول شاہؒ کو جب ساڈھورہ میں اِس کی اِطلاع ہُوئی تو وُہ پیدل روانہ ہوکر بصرہ پہنچے اَور چھ ماہ تک اپنے والدِ ماجد کے مزار شریف پر مقیم رہے۔

قلمی شجرۂ نسب (مخازن النسب) میں لکھا ہے کہ ایک روز اَوراد و وظائف کی کتابیں خود بخود قبر شریف سے باہر آ گئیں جنہیں لے کر یہ دونوں بھائی فریضۂ حج ادا کرنے چلے گئے۔ واپسی پر بغداد شریف و بصرہ سے ہوتے ہُوئے کابل پہنچے۔ جہاں امیر کابل نے ایک علمی مناظرے میں بڑے صاحبزادے پیر سیّد روشن دین شاہؒ کے کمال سے متاثر ہو کر منصب قضا پیش کیا، مگر آپؒ نے قبول نہ کیا اَور کابل سے وطن واپس ہوتے ہُوئے سرزمین گولڑہ میں سکونت پذیر ہو گئے۔ یہ غالباً بارھویں صدی ہجری کے آخر کی بات ہے، جب کہ تختِ دہلی پر مُغل بادشاہ شاہ عالم ثانی متمکن تھا اَور بنگال پر انگریزوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ ہر طرف طوائف الملوکی کا دَور دَورہ تھا۔ پنجاب پر سِکھ قابض ہو رہے تھے اَور مرہٹے اَور انگریز دہلی پر نظریں لگائے بیٹھے تھے۔ ۱۱۷۴ھ/۱۷۶۰ء میں احمد شاہ اَبدالی اَور مرہٹوں کے درمیان پانی پت کی تیسری لڑائی کی وجہ سے اُس نواح میں بدامنی پھیلی ہُوئی تھی۔ اِس لیے اِن ہر دو حضراتؒ نے پنجاب کے اِس شمال مغربی گوشے کو جائے امن اَور اپنے مقاصدِ تبلیغ و اِرشاد کے لیے موزُوں خیال کرتے ہُوئے ساڈھورہ سے اہل و عیال و خُدام کو اِسی جگہ بُلوا لیا۔ حضرت پیر سیّد روشن دینؒ، قبلۂ عالم گولڑوی کے دادا حضرت پیر سیّد غُلام شاہؒ کے والد بزرگوار تھے۔

گولڑہ

راولپنڈی سے گیارہ میل کے فاصلے پر کوہِ مارگلا کے دامن میں ایک قصبے کا نام گولڑہ ہے، جو غالباً وہاں کے قدیمی باشندوں گولڑہ قوم کے باعث اِس نام سے موسُوم ہے۔ سلطنتِ خُداداد پاکستان کا دارُالخلافہ اِسلام آباد اِس قصبے کی شرقی حدُود کے ساتھ واقع ہے۔ اُن دِنوں یہ جگہ سِکھوں کی عملداری میں سکھ قلعدار کا صدر مقام تھی۔ سِکھوں کی تحصیل و قلعہ کے کھنڈرات و آثار اَب تک موجُود ہیں۔ آج کل یہاں ریلوے جنکشن، تھانہ پولیس، ہسپتال، ڈاک خانہ، تار گھر، ٹیلیفون آفس وغیرہ بن چکے ہیں اَور راولپنڈی و اِسلام آباد سے پُختہ سڑکوں کے ذریعے مِلا ہُوا ہے۔ جن پر سرکاری موٹر بسیں، مُسافروں اَور زائرین کی آمد و رفت کا ذریعہ ہیں۔ یہ عرُوج اِس قصبے کو اللہ تعالیٰ نے دربارِ عالیہ غوثیہ مِہریہؒ کی وجہ سے بخشا ہے، جو منبع برکات ہونے کے باعث مرجعِ خلائق ہے۔

پہلے اِس علاقہ پر افغانوں کا قبضہ تھا۔ اٹھارھویں صدی عیسوی کے آخر میں احمد شاہ ابدالی کے اِنتقال پر رنجیت سنگھ نے، جو افغانوں کی طرف سے پنجاب کا صُوبیدار تھا، خُود مُختاری کا اعلان کر دیا۔ اَور پنجاب کے ساتھ اِس علاقہ کو بھی اپنی عملداری میں شامل کر لیا۔ حضرت پیر سیّد روشن دین شاہؒ و پیر سیّد رسُول شاہؒ کے مزارات آستانۂ عالیہ کے شمال کی طرف ایک چار دیواری میں زیارت گاہِ خلق ہیں۔

سائیں علی محمدؒ عرف مسکین شاہ پانی پتی

حضرت سائیں علی محمدؒ عرف حضرت مسکین شاہؒ، پیر سیّد روشن دینؒ شاہ و پیر سیّد رسُول شاہؒ کے خُدّام میں سے تھے، جو ہر دو حضراتؒ کے اہل و عیال کے ہمراہ ساڈھورہ سے نقلِ مکانی کر کے گولڑہ شریف آئے اَور اِسی جگہ اُن کی خِدمت میں عُمر گزار دی۔ حضرت پیر سیّد رسُول شاہؒ سے خلافت پائی اَور اُن کے وصال کے بعد اُن کے کم سِن فرزند و جانشین حضرت پیر فضل دینؒ کی تربیت فرما کر اُن کے والد شریف کی رُوحانی امانت اُن کو پہنچائی۔ سائیں

آستانۂ عالیہ گولڑہ شریف کا فضائی منظر۔
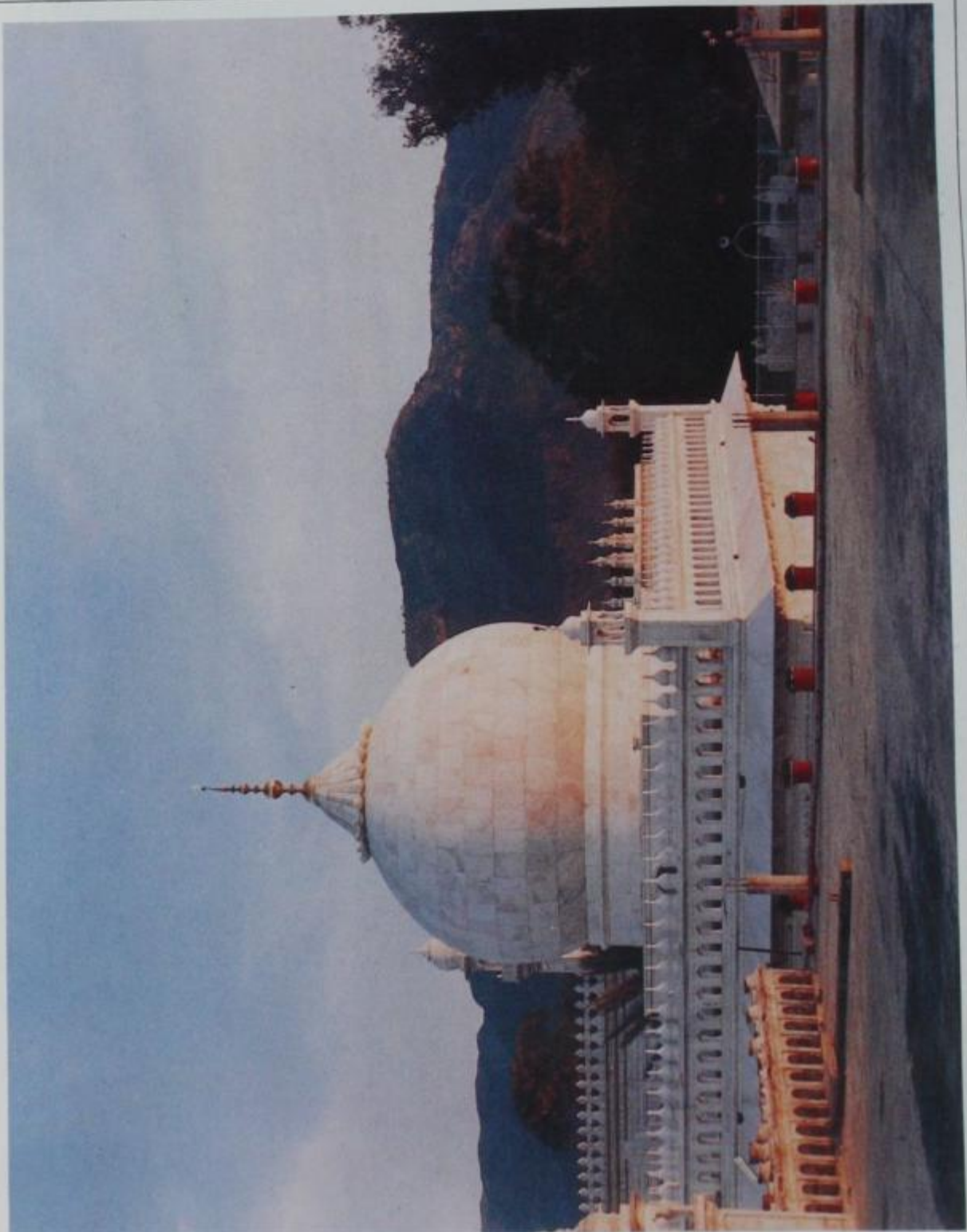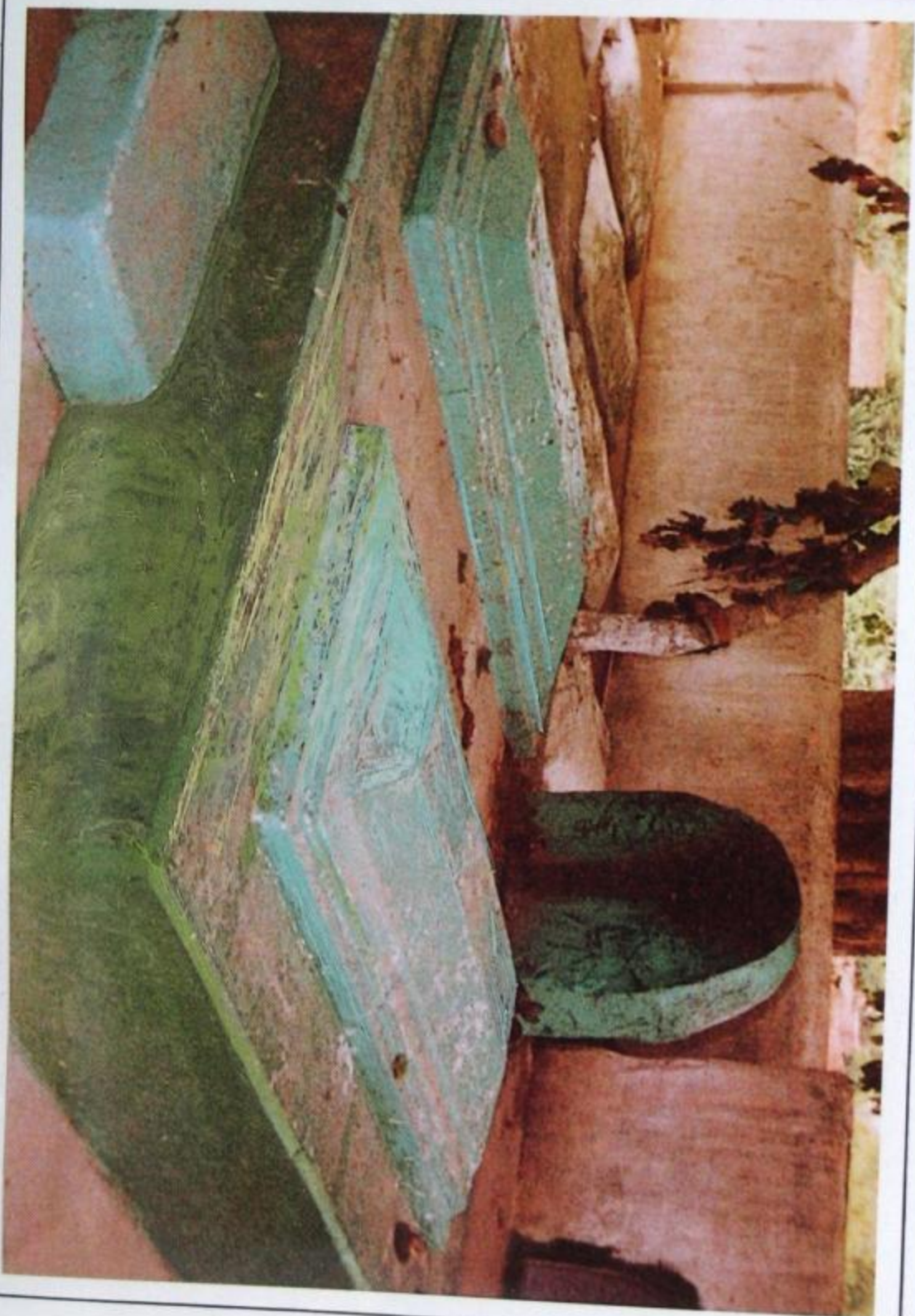
مزارِ مبارک حضرت سیّد روشن دین شاہ صاحبؒ و سیّد رسول شاہ صاحبؒ
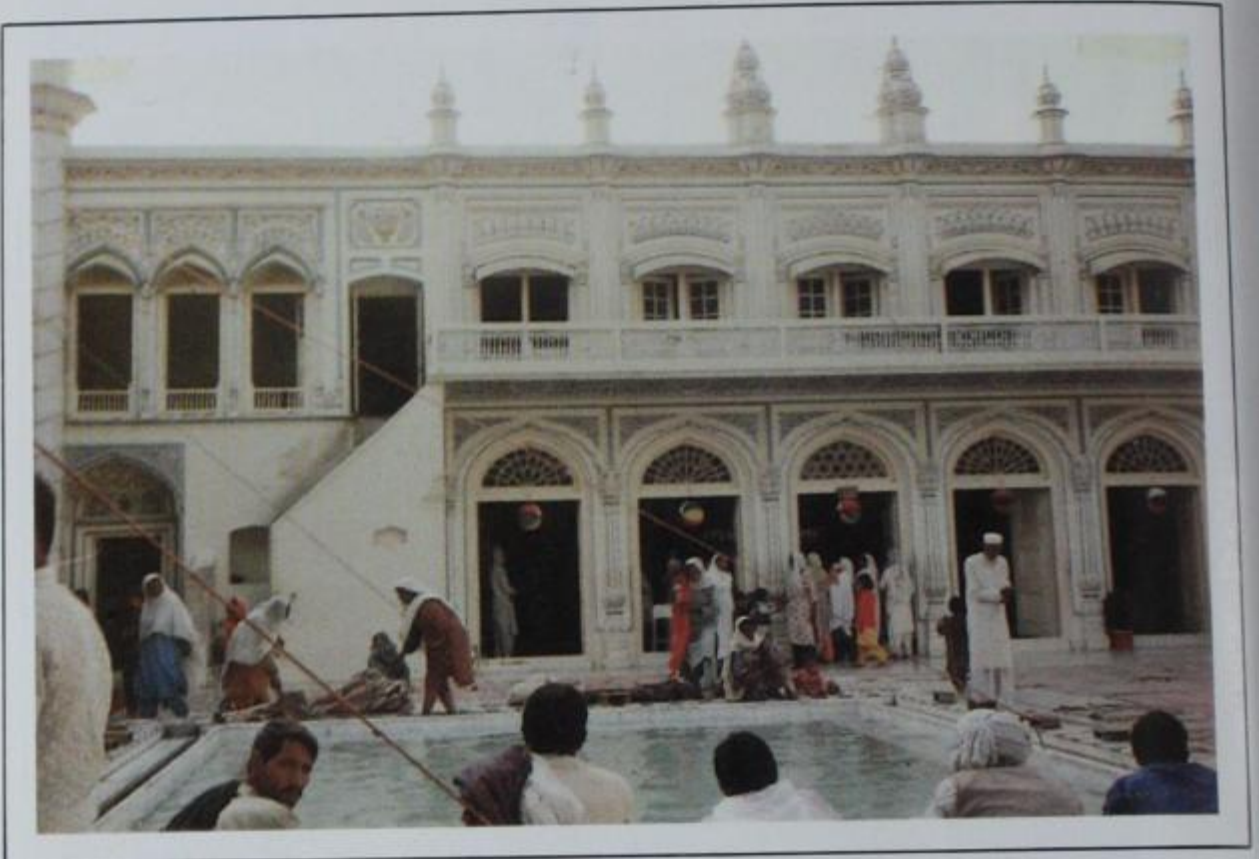
مزارِ مُبارک سیّد پیر نذر دین شاہ صاحب (والد ماجد حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب) بیرُونی منظر۔
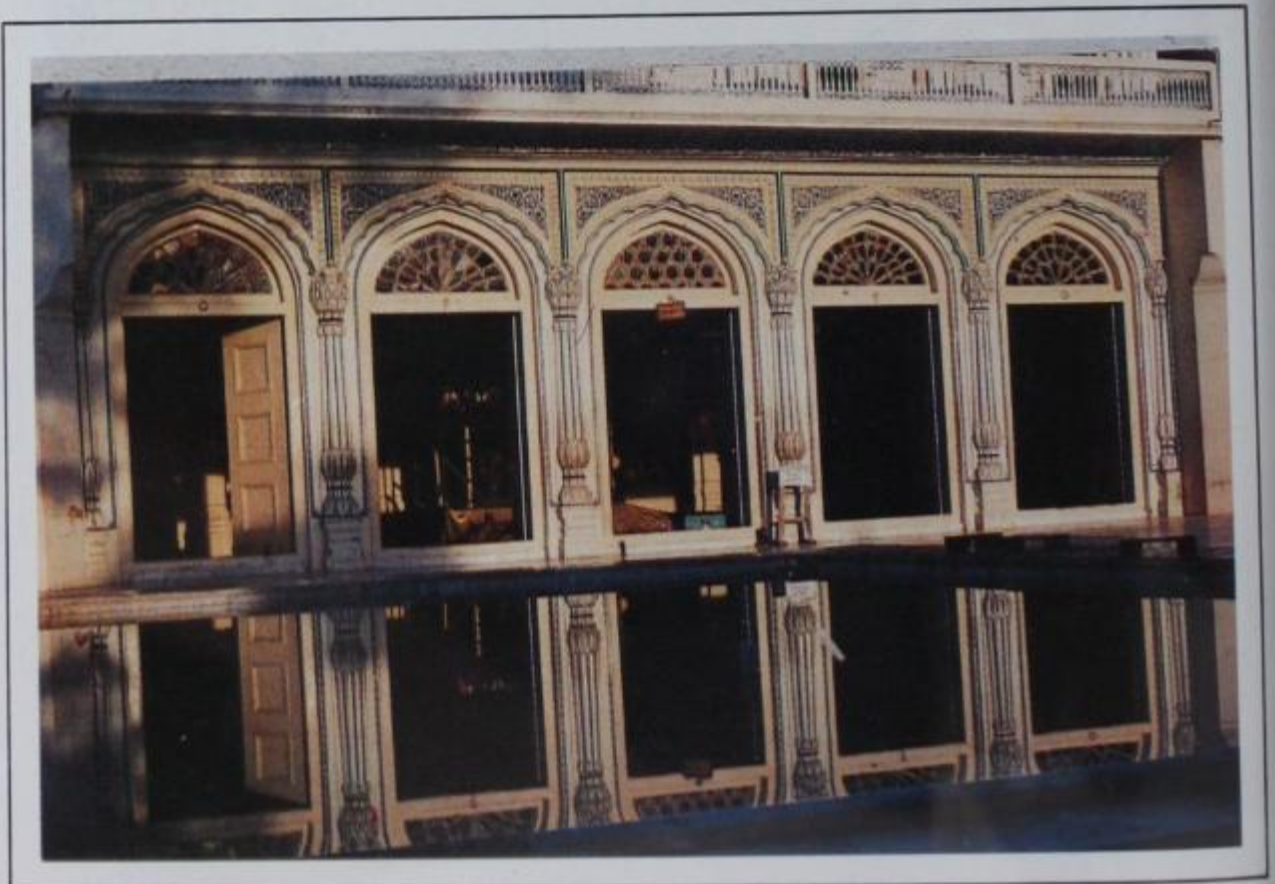
مزارِ مُبارک کا ایک اور منظر (بمعہ عکس تالاب)
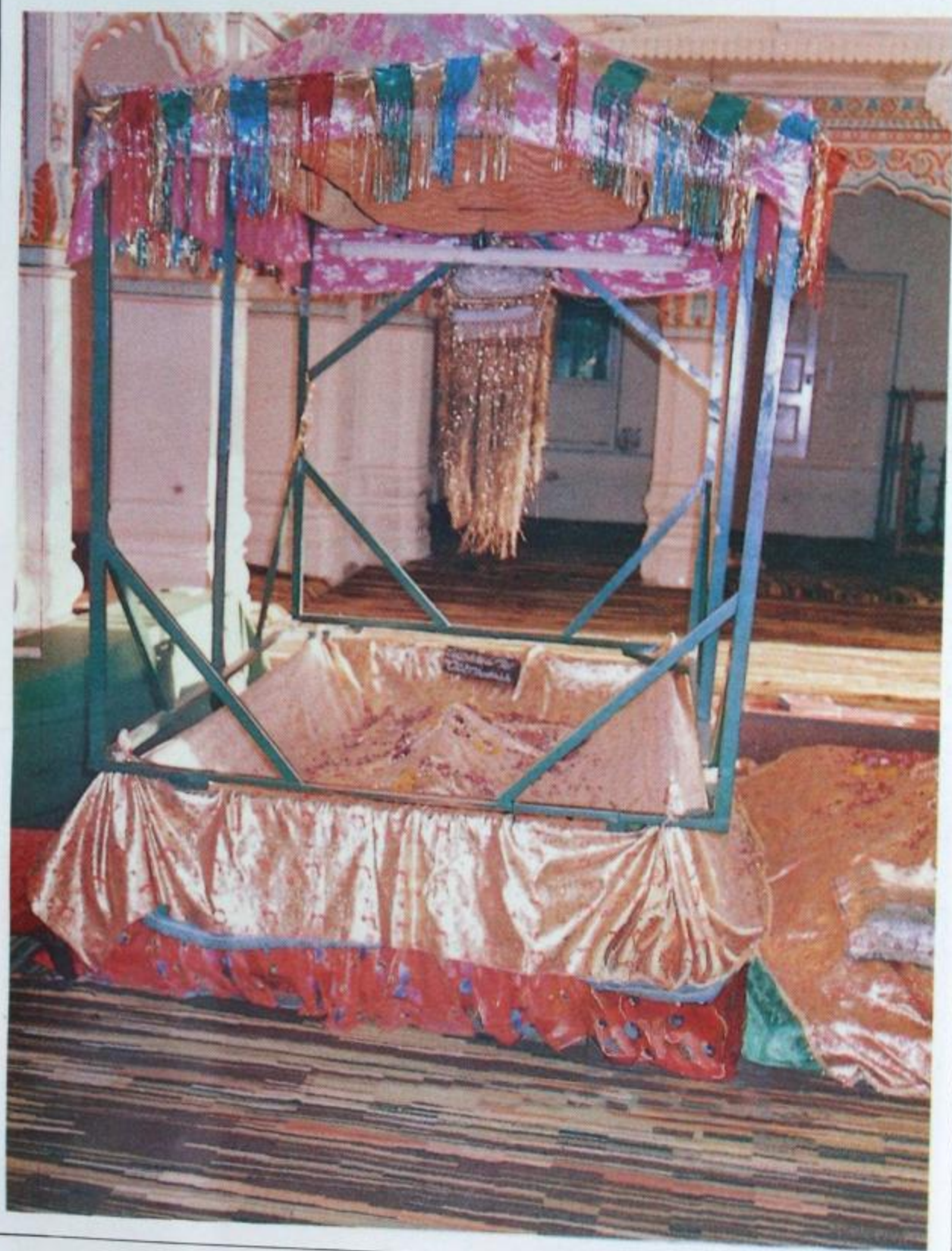
حضرت پیر نذر دین شاہ صاحب کا مزار مبارک (اندرونی منظر)
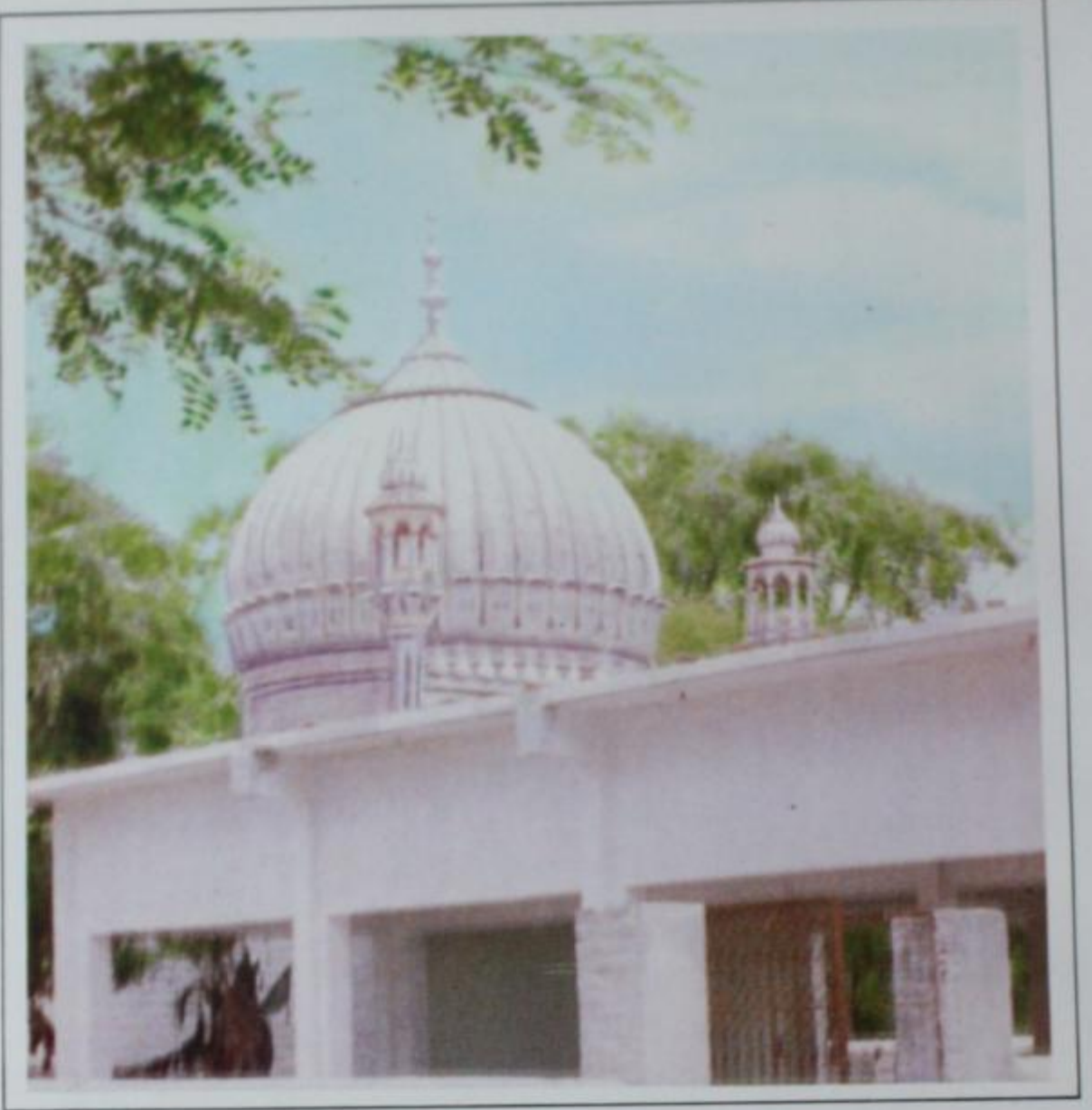
مزارِ مبارک سیّد پیر فضل دین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اندرونی ، بیرونی منظر۔

حضرتؒ کی رہائش گاہ "عشق آباد"

حضرتؒ کا پلنگ و بستر مبارک

مسکین شاہؒ کی دو کرامتیں زباں زدِ خاص و عام ہیں۔ ایک تو یہ کہ وُہ اس قدر خُوش اِلحان قاری تھے کہ ہل چلانے والوں کے بیل اُور گڈریوں کے جانور نمازِ فجر کے وقت اُن کی قرأت سُن کر رُک جاتے تھے اُور جب تک قرأت ختم نہ ہوجاتی ہانکنے پر بھی نہ چلتے تھے۔ چنانچہ جب وُہ اِس طرح کھڑے ہوجاتے تو لوگ اِختتامِ قرأت تک اُن کو ہانکنے کی کوشش ہی نہ کرتے۔ دُوسری یہ کہ سائیں صاحبؒ کو حضرتِ غوث الاعظمؓ سے نیاز و نسبت میں اِس قدر اِستغراق تھا کہ قیام کی حالت میں اُن کے پیچھے کھڑے ہونے والے شخص کو اکثر حضرت غوثُ الاعظمؓ کا روضہ پاک نظر آجاتا۔

حضرتِ پیر سیّد میراں شاہؒ و حضرتِ پیر سیّد فضل دین شاہؒ

حضرتِ پیر سیّد روشن دین شاہؒ پہلے وصال فرما گئے تھے، حضرت پیر سیّد رسول شاہؒ کا بعد میں اِنتقال ہوا اور اُن کے دو خُورد سال صاحبزادے پیر سیّد میراں شاہؒ اُور پیر سیّد فضل دین شاہؒ رہ گئے، جن کی پرورش و تربیت، جیساکہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے، سائیں علی محمد عُرف مسکین شاہؒ کے ذریعہ عمل میں آئی۔ سیّد میراں شاہ اگرچہ پابندِ شریعت تھے، مگر بوجہ غلبۂ سُکر و کیف قلندرانہ وضع رکھتے تھے۔ "ملفُوظاتِ طیّبات" حضرت قبلۂ عالمؒ میں بروایت آپؒ کے والدِ ماجد حضرت پیر سیّد نذر دینؒ المعرُوف اچّی صاحبؒ تحریر ہے کہ ایک مرتبہ بچپن میں حضرت اچّی صاحبؒ، پیر سیّد میراں شاہ صاحبؒ کی اُنگلی پکڑے جارہے تھے۔ جب اُس جگہ سے گزرے، جہاں اب حضرت قبلۂ عالمؒ کی حرم سرائے ہے اُور اُس زمانے میں قوم سہام کے مکانات تھے تو ایک سہام نے، جسے اپنی قوم کے سِکھوں کی عملداری میں صاحبِ قلم و قانُون ہونے کا ناز تھا، اپنے مکان کی مُرمّت کے سِلسلے میں پیر صاحبؒ سے کوئی ناگوار سی بات کی تو جواباً آپؒ نے فرمایا کہ خاطر جمع رکھو، اِس جگہ پر ہم میں سے ہی کسی کے مکانات بنیں گے۔ چُنانچہ ایسا ہی ہوا۔

ان کی ایک اُور کرامت کے متعلق حضرت قبلۂ عالمؒ فرماتے تھے کہ ایک رات اُن کی گھوڑی رسّی تڑا کر ایک زمیندار کے کھیت میں جانکلی، جس نے اُسے پکڑ کر درخت کے ساتھ اِس طرح باندھ دیا کہ اُس کا مُنہ اُوپر کو اُٹھا رہے اُور وُہ کچھ کھاپی نہ سکے۔ اگلے روز تلاش کے دُوران پیر سیّد میراں شاہؒ کے ایک خادم نے گھوڑی کو اِس تکلیف دہ حالت میں پاکر اُس زمیندار سے کہا کہ اگر غلطی سے گھوڑی تمہارے کھیت میں جانکلی تھی تو زیادہ سے زیادہ اُسے آوارہ قرار دے کر سرکاری پھاٹک میں داخل کرادیا ہوتا۔ ہم جُرمانہ اداکر کے چھُڑوا لاتے۔ اِس طرح اِس بے زبان جانور کو تکلیف میں ڈالنا مُناسب نہیں تھا، لیکن اُس نادان شخص نے لاپروائی سے سُنی اَن سُنی کردی۔ خادم نے واپس آکر یہ ماجرا پیر صاحبؒ سے بیان کیا تو اُنھوں نے فرمایا کہ اُسے جاکر کہہ دو، تم نے ہماری گھوڑی کا مُنہ باندھا ہے ہم نے تمہاری گھوڑی کی بچہ دانی باندھ دی ہے۔ لہٰذا یہ شخص بے اُولاد ہی فوت ہوا۔

پیر سیّد میراںؒ شاہ کو حضرت قبلۂ عالمؒ سے کمال درجہ محبّت تھی۔ اکثر اپنے پاس بٹھلائے رکھتے۔ "ملفُوظاتِ مِہریہ" میں حضرت قبلۂ عالمؒ کی زبانی تحریر ہے کہ جس شام پیر سیّد میراں شاہؒ کا وصال ہوا اُس روز صبح کے وقت مجھے فرمایا کہ اپنے چھوٹے ماموں صاحب (حضرت پیر فضل دینؒ) سے جاکر کہہ دینا کہ آج ہم ایک لمبے سفر پر جانے والے ہیں۔ مَیں کم عمر تھا، اِس لیے پیغام دینا یاد نہ رہا۔ جب شام کو بغیر کسی ظاہرا تکلیف کے فوت ہوگئے تب معلوم ہوا کہ "لمبے سفر" سے

مُرادِ سفرِ آخرت" تھا حضرت پیر فضل دین صاحبؒ حضرت قبلۂ عالمؒ کے والدِ بزرگوار کے ماموں تھے اور آپ بھی اُنہیں "ماموں" کہہ کر پکارتے تھے۔

حضرت پیر سیّد فضل دینؒ ایک بلند مقام، صاحب کشف و کرامات اور مرجع خلائق بزرگ تھے۔ آپؒ کی دُعا، دم اور تعویذات تیر بہدف تھے۔ حلّ مشکلات اور افادۂ ظاہری و باطنی کے لیے دُور و نزدیک سے آنے والی خلقِ خدا کا آپؒ کی خانقاہ میں ہر وقت ہجوم رہتا تھا۔ جس میں بلا امتیازِ مذہب و ملّت ہر قسم اور ہر طبقے کے لوگ شامل ہوتے تھے۔ آپؒ کا شغل "پاسِ انفاس" تھا اور زیادہ تر اسی وظیفے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔

مولینا غلام محمدؒ شیخ الجامعہ بہاول پُور اپنے مسودات میں لکھتے ہیں کہ مَیں نے حضرت قبلۂ عالمؒ کو فرماتے سُنا ہے کہ حضرت پیر فضل دینؒ کے دادا بزرگوار نے وصیت فرمائی تھی کہ میرے بیٹے سیّد رسُول شاہؒ کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہو گا اُسے اُس کے حال پر چھوڑ دینا۔ چُنانچہ جب پیر سیّد فضل دینؒ کچھ بڑے ہُوئے تو اُس جگہ جا کر بیٹھ گئے جہاں اب اُن کا مزار ہے اور وہیں عُمر گزار دی۔ جناب امیرُ المومنین علی کرّم اللہ وجہہٗ سے خواب میں عرض کی کہ مجھے وُہی کلمہ پڑھا دیجیے، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے آپ کو پڑھایا تھا تو آپؓ نے فرمایا، کہو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ط

بقول شیخ الجامعہ حضرت قبلۂ عالمؒ یہ بھی فرماتے تھے کہ سائیں علی محمد عرف مسکین شاہؒ نے پیر سیّد فضل دینؒ سے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لنگر کے لیے سوا سو روپے یومیہ مقرر فرماتے ہیں۔ اگر اس سے زیادہ ہو گیا تو تمہاری قسمت۔ اِس سے کم نہ ہو گا۔ چُنانچہ اِس نواح میں آپؒ کا لنگر مشہُور تھا۔

ایک روز حضرت قبلۂ عالمؒ نے آپؒ کے تصرّفات و صفائی باطن کے ضمن میں فرمایا کہ مَیں جب سفرِ حج سے واپس آیا تو حضرت پیر سیّد فضل دینؒ نے میرے ایّامِ سفر کی کئی ایک باتوں کا خُود مُجھ سے ذکر فرمایا اور کہا کہ ایک روز مَیں نے دیکھا تو تم جہاز میں قبلہ رُو بیٹھے فلاں وظیفہ پڑھ رہے تھے۔

حضرت پیر سیّد فضل دینؒ نے مُجرّد و مُرتاض زندگی بسر فرمائی۔ آپؒ کا وصال ایک سو آٹھ برس کی عُمر میں ۱۲ ذیقعدہ ۱۳۱۱ھ یعنی ۹۳-۱۸۹۲ء میں ہوا۔ آپؒ کا مزار شریف حضرت قبلۂ عالمؒ کی خانقاہ کے شمال مغرب میں مرکزِ زیارت و احترام ہے۔ سلسلۂ طریقت قادریہ جذبیہ میں حضرت قبلۂ عالمؒ کو آپؒ سے بیعت و خلافت حاصل ہے اور حضرت قبلۂ عالمؒ آپؒ کے وصال سے گیارہ برس قبل مسندِ ارشاد پر متمکّن ہو چکے تھے۔ اُس زمانہ میں آپؒ کی وجہ سے حضرت پیر فضل دین صاحبؒ کو لوگ "بڑے پیر صاحب" کہہ کر پکارا کرتے تھے۔

حضرت پیر سیّد نذر دینؒ عُرف حضرت اجّی صاحبؒ

حضرت پیر سیّد رَوشن دین شاہؒ کے صاحبزادے پیر سیّد غلام شاہؒ کی شادی اپنے چچا پیر سیّد رسُول شاہؒ کی صاحبزادی اور پیر سیّد فضل دین شاہؒ کی ہمشیرہ سے ہُوئی تھی۔ اِس رِشتے سے پیر سیّد نذر دین شاہؒ تولّد ہُوئے، جو حضرت قبلۂ عالمؒ کے والدِ بزرگوار تھے۔ چُونکہ پوٹھواری زبان میں والد کو "اجّی" کہتے ہیں، اس لیے قبلۂ عالمؒ کے والدِ بزرگوار ہونے کی نسبت سے آپؒ حضرت اجّی صاحبؒ کے نام نامی سے مشہُورِ خلائق ہُوئے۔ آپؒ کی وِلادت ۳۵-۱۲۳۴ھ یعنی ۱۸۱۵ء میں بمقام گولڑہ شریف ہُوئی۔ آپؒ مادر زاد ولی تھے۔ اور آپؒ کے عین عالمِ شباب میں جب کہ ہنوز سِکھوں کی عملداری تھی۔ ایک ایسا واقعہ رُونما ہُوا، جس سے گیلانی سادات کے اِس گھرانے کو خاص

شُہرت نصیب ہوئی۔

حضرت قبلۂ عالم فرماتے ہیں کہ اوائل عُمر میں حضرت اچی صاحبؒ شب و روز عبادتِ الٰہی اور مطالعۂ کُتب کے سلسلے میں اپنی آبائی مسجد میں مصروف رہا کرتے تھے۔ اِس مسجد کے قریب ہی سِکھوں کا محلّہ تھا، جہاں سِکھ قلعدار کی ایک رشتہ دار لڑکی بدچلنی کے اِلزام میں حاملہ پائی گئی۔ اِس موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہُوئے ایک مقامی مُخالف نے جو قلعہ دار کا مُعتمد تھا اور اِس نو وارد شریف خاندان کی عظمت اور روز افزُوں اثر و رسُوخ کی وجہ سے حسد کرتا تھا حضرت اچی صاحب کو متہم کیا۔ جس پر قلعدار نے کسی اور ثبوت کے بغیر آپؒ کو گرفتار کرا کے زندہ جلا دینے کا حُکم دے دیا۔ اِس اِلزام و سزا کے حکم کے خلاف قُرب و جوار کے مُسلمانوں کے وفد سکھ سردار کے پیش ہُوئے تو اُس نے کہا کہ سجادہ نشین صاحب خُود آ کر یقین دِلائیں کہ لڑکا بے گناہ ہے۔ سجّادگی پر اُس وقت حضرت اچی صاحبؒ کے ماموں حضرت پیر سیّد فضل دینؒ رونق افروز تھے۔ آپؒ نے جانے سے اِنکار کیا اور فرمایا کہ اُسے کہہ دو، اِسے جلا ڈالے۔ اگر یہ گنہگار ہے تو ہمارے لِیے اس کا جل جانا ہی بہتر ہے۔

تاریخ سزا سے ایک دِن پہلے مواضعاتِ میرا بادیہ و میرا اکُو وغیرہ کے مُسلمانوں نے اجتماع کر کے مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ مگر بڑے پیر صاحبؒ نے اطراف و جوانب میں پیغامبر بھجوا کر اِطّلاع کرا دی کہ جو کوئی ایسا قدم اُٹھائے گا، اُس کا ہمارے ساتھ کوئی تعلّق نہ ہو گا۔ چُنانچہ لوگ رُک گئے۔

سزا والے دِن علی الصّباح ہی ہزاروں کی تعداد میں مرد و زن قلعے کے باہر جمع ہو گئے۔ اِس قلعے کے کھنڈرات شہر سے مغرب کی جانب کچھ دُور ندی کے کنارے اب تک موجُود ہیں۔ عورتوں نے آہ و بُکا کرتے ہُوئے اپنے زیورات کا ڈھیر لگا دِیا کہ ہمارے پیرزادے کو اِن کے ساتھ تول کر جرمانہ وصُول کر لو اور اُنہیں رہا کر دو، مگر کوئی شنوائی نہ ہُوئی۔ اُس زمانے کے دستُور کے مُطابق عبرتِ عامّہ کے لِیے سزائے مَوت شارع عام پر دی جاتی تھی۔ اِس لِیے ایک کھُلی جگہ لکڑیاں چُن کر چِتا تیار کی گئی اور فوج نے اُسے گھیرے میں لے لیا۔

زِندہ جلانے کی کوشش ناکام

یہ بُدھ یعنی چہارشنبہ کا دِن تھا۔ اُس رات اچی صاحبؒ کو حضرتِ غوثُ الاعظمؓ کی زیارت نصیب ہُوئی، جنہوں نے فرمایا کہ چِتا پر جانے سے پہلے غسل کر کے، گھر میں جو نیا لباس موجُود ہے، پہن کر دو نفل نماز ادا کر لینا۔ چُنانچہ سکھ سپاہیوں نے آخری خواہش کی تکمیل میں غسل کے لِیے پانی بھی دیا اور گھر سے لباس بھی منگوا دِیا، جو آپؒ نے پہن کر نمازِ دوگانہ ادا فرمائی اور چِتا پر جا کر بیٹھ گئے۔ لکڑیوں پر تیل ڈال کر آگ لگانے کی کوشش کی گئی، مگر لاکھ جتن کے باوجُود آگ نہ لگی۔ یہ دیکھ کر اِلزام لگانے والے شخص نے کہا کہ سپاہی پیروں سے مِل گئے ہیں۔ اِس لِیے دانستہ ہیرا پھیری کر رہے ہیں۔ مَیں دیکھتا ہُوں، آگ کیسے نہیں لگتی۔ یہ کہہ کر اُس نے حضرتؒ کے کپڑوں اور لمبے لمبے گھونگھریالے بالوں پر کافی تیل ڈالا اور ایک برتن میں خُشک بنولے ڈال کر جلائے اور جب شُعلے بلند ہونے لگے، تو اُس برتن کو آپؒ کے تیل میں تربتر بالوں کے نیچے رکھ دیا۔ مگر شُعلے لپکتے رہے اور اُن کی حرکت سے حضرتؒ کے بال لہراتے رہے، لیکن اُنہوں نے آگ کا کوئی اثر قبول نہ کیا۔ آخر اُس نے جلتے ہُوئے بنولوں کو آپؒ کے تیل میں شرابُور کپڑوں پر

اُلٹ دیا۔ لیکن وُہ بغیر کسی قسم کا اثر کیے ہُوئے لکڑیوں پر جا گرے اَور بُجھ گئے۔

یہ دیکھ کر لوگوں میں آپؒ کی بے گناہی کا غوغا اُٹھا اَور قلعدار نے حُکم دیا کہ مُخبر کو گرفتار کر کے اِسی چِتا پر جلا دیا جائے۔ اَور خُود گلے میں کپڑا ڈال کر دست بستہ حضرتؒ سے مُعافی کا خواستگار ہُوا کہ آپؒ واقعی بے گُناہ ہیں۔ میں نے اِس بُرے آدمی کے کہنے میں آکر آپؒ پر ناحق ظُلم کیا۔

قبلۂ عالمؒ فرماتے تھے کہ اُس روز حضرت پیر سیّد فضل دینؒ صُبح سے ہی اپنے حُجرے میں بغداد شریف کی طرف مُنہ کر کے کھڑے تھے اَور بار بار آدمی بھیج کر اچّی صاحبؒ کی خبر منگواتے تھے۔ جب آپؒ نے سُنا کہ مُخبر کو گرفتار کر لیا گیا ہے تو آدمی دَوڑایا کہ نذر دین شاہؒ سے کہو، اِس شخص کو مُعاف کرا دے۔ لیکن اُس شخص کے پہنچنے سے پہلے ہی حضرت اچّی صاحبؒ نے سکھ سردار سے کہہ دیا تھا کہ مَیں اُس وقت تک چِتا سے نہیں اُتروں گا جب تک اِس شخص یعنی میرے خلاف اِلزام لگانے والے کو مُعافی نہ دے دی جائے گی۔

آناں کہ بجائے ما بدی ہا کردند   گر دست رسد بجز نکوئی نکنم

حضرتِ اچّی صاحبؒ کے اُن تیل سے بھیگے ہُوئے کپڑوں کے ساتھ لوگوں نے غلافِ کعبہ کا سا سلُوک کیا اَور عالمِ شوق و وارفتگی میں تبرّک کا اُن کے چیتھڑے کر کے ہمراہ لے گئے۔ خُدا کی شان کہ اِس واقعہ کے جلد ہی بعد یعنی ۱۸۴۸ء میں سِکھوں کی عملداری کا تختہ بھی اُلٹ گیا اَور پنجاب پر انگریزوں کی حکومت ہو گئی۔ اِس واقعہ کے بعد تمام عمر حضرتِ اچّی صاحبؒ کا بُدھ کی رات کو تہجّد کے وقت غُسل کا معمول رہا اَور آپؒ اِسی کو بطورِ وظیفہ حلِّ مشکلات بتلایا کرتے تھے۔

ایک مجذُوب کی کارکردگی

سائیں مُجتبیٰؒ نام ایک مجذُوب، جو اِس خاندان کے دامن گرفتہ تھے، اِس واقعہ کے دُوسرے روز پہاڑ سے اُتر کر حضرت پیر فضل دینؒ کی خدمت میں آئے اَور کہنے لگے "سب لوگ آپ کو مُبارک باد دے رہے ہیں لیکن مجھے کوئی شاباش نہیں کہتا اَور نہ میرے ہاتھوں کو مہندی لگاتا ہے، حالاں کہ یہ دیکھیے، صاحبزادے کی آگ بُجھاتے بُجھاتے میرے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے ہیں۔"

حضرت بابُوجی مدّظلّہ العالی فرماتے ہیں کہ وُہ شخص ایک صاحب کشف و کرامت بزرگ تھا۔ موضع خان پُور میں راجہ جہاں داد کے والد کے ہاں اَولاد نہیں ہوتی تھی اَور وُہ اِس مجذُوبؒ کی خدمت کیا کرتا تھا۔ ایک روز لوگوں نے دیکھا کہ سائیں مُجتبیٰؒ کنوئیں کے بہتے ہُوئے پانی کو ہاتھوں سے اُچھال اُچھال کر کھیت میں ڈال رہا ہے۔ اُنہوں نے پُوچھا، سائیں کیا کر رہے ہو، تو جواب دیا، فلاں راجہ کے گھر پودا لگا رہا ہُوں، اِس کے کچھ عرصے بعد راجہ جہاں داد پیدا ہُوا۔ بعدہٗ یہ راجہ صاحب کابل کے سفیر بن کر گئے تھے۔ اُن کی تقرری سے کچھ عرصہ پہلے سائیں نے کہنا شرُوع کر دیا تھا کہ دیکھو میرا گھوڑا کتنا تیز ہے، کابُل کی دیواریں پھاند رہا ہے۔ جب پنجاب پر انگریزوں کا تسلّط ہو گیا، تو ایک روز یہ سائیںؒ، حضرت پیر سیّد فضل دینؒ کی خدمت میں آئے اَور کہنے لگے "پیر جی! اب ٹوپ والے آ گئے ہیں، ہم یہاں سے چلے"۔ اِس کے بعد وُہ غائب ہو گئے اَور اُنہیں پھر کسی نے نہ دیکھا۔

حضرت اچّی صاحبؒ نے اپنے بُلند اقبال اَور قُطب مدار نُورِ نظر یعنی حضرت قبلۂ عالم کے عرُوج کا زمانہ اپنی آنکھوں

سے دیکھا۔ آپؒ ازرہِ انکسار اِس آگ والے واقعہ کا ذکر کر کے فرمایا کرتے تھے کہ یہ سب تمہارے پیر (یعنی قبلۂ عالمؒ) کی کرامت تھی، جو اُس وقت میری صُلب میں تھا۔ اُس کی وجہ سے مجھ میں عشقِ الٰہی کی ایک آگ بھڑکتی رہتی تھی۔ راتوں کو نوافل پڑھ پڑھ کر جب تھک جاتا تو کنوؤں سے پانی نکال کر قصبے کی تمام مساجد کے سقاوے بھر آتا۔ مگر نیند پاس نہ پھٹکتی تھی اور نہ کسی کل قرار آتا تھا۔ جب تمہارے پیر کا نُور اپنی والدہؒ کے بطن میں منتقل ہوا تو یہی کیفیت اُن کی والدہؒ کی ہو گئی۔ ساری ساری رات جائے نماز پر بیٹھ کر اللہ اللہ کرتی رہتیں۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے، حضرت اچی صاحبؒ کی شادی حسن ابدال کے گیلانی سادات کے خاندان میں ہوئی تھی جو حُجرہ شاہ مقیم ضلع ساہی وال کے مشہور بزرگ حضرت بہاؤ الدین عُرف بہاول شیر قلندر گیلانیؒ کی اولاد سے ہیں۔ حضرت بہاول شیر سیّدنا غوث الاعظمؓ کے صاحبزادے سیّد عبدالرزّاقؒ کی اولاد میں سے ہیں اور نویں صدی ہجری کے قریب بغداد شریف سے ہندوستان تشریف لائے تھے۔ اِس سے ثابت ہوا کہ حضرتِ قبلۂ عالم والدؒ اور والدہؒ دونوں طرف سے نجیب الطرفین گیلانی سیّد ہیں۔ آپؒ کی والدہؒ ماجدہ پیر بہادر شاہ گیلانیؒ کی دُخترِ نیک اختر تھیں۔ شجرہ ہائے نسب آغازِ باب میں دیئے جا چکے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت اچی صاحبؒ سلسلۂ طریقتِ قادریہ جدّیہ میں اپنے ماموں حضرت پیر سیّد فضل دینؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت تھے اور سلسلۂ چشتیہ نظامیہ میں اپنے نُورِ نظر فرزند (حضرتِ قبلۂ عالمؒ) سے وظائف حاصل کیے تھے۔ آپؒ کے اپنے ارادت مندوں کا حلقہ بھی بہُت وسیع تھا۔ جن کی اولاد آج تک حصُولِ قُربِ الٰہی و حلِ مشکلات کے لیے آپؒ کے مزار شریف پر حاضری دیتی ہے۔ آپؒ کا مزار شریف مسجد کے متّصل مدرسے کی وسیع عمارت کے اندر واقع ہے۔ آپؒ کی وصیّت تھی کہ میری قبر پر روضہ نہ بنانا اور مجھے مسجد کے قریب دفن کرنا کہ اذان کی آواز آتی رہے۔ حضرت قبلۂ عالمؒ کا ارشاد ہے کہ اُن کو حضرت اچی صاحبؒ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ اپنے اکلوتے فرزند حضرت سیّد غلام محی الدّین المعرُوف بابُوجی اَدامَ اللہُ برکاتہٗ کی شادی خانہ آبادی کے موقع پر دعوتِ ولیمہ وسیع پیمانے پر دینا۔ چُنانچہ حضرت قبلۂ عالمؒ نے اِس کی پُوری طرح تعمیل کی۔ حضرت اچی صاحبؒ نے نوّے ۹۰ سال کی عُمر میں ۲۴ رجب ۱۳۲۴ھ یعنی ۱۹۰۵ء میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ اُس وقت حضرت قبلۂ عالمؒ کے علاوہ دو صاحبزادے پیر سیّد محمُود شاہؒ اور پیر سیّد ولایت شاہؒ اور ایک صاحبزادی تھیں۔ اور حضرت قبلۂ عالمؒ کی عُمر شریف پچّاس برس کے قریب تھی۔

حضرت اچی صاحبؒ بُلند اوصاف اور لطیف وارداتِ حال کے مالک تھے۔ آپؒ کی طبیعت میں غریب نوازی اور مظلوموں کی حمایت کا مادہ بدرجۂ اتم موجُود تھا۔ کسی جابر شخص کی زیادتی کی شکایت پہنچتی تو فوراً اُس کے خلاف کمزور شخص کے حق میں صف آرا ہو جاتے۔ آخری عُمر تک سخاوت، شجاعت اور سپہ گری کے اوصاف آپؒ کی ذاتِ شریف میں نمایاں رہے۔ آپؒ گھوڑے کی سواری کے بہُت شائق تھے۔ اور ہمیشہ اچھے گھوڑے آپؒ کے زیرِ سواری رہے۔

بابِ دُوم

زمانۂ طفولیّت وکسبِ علم
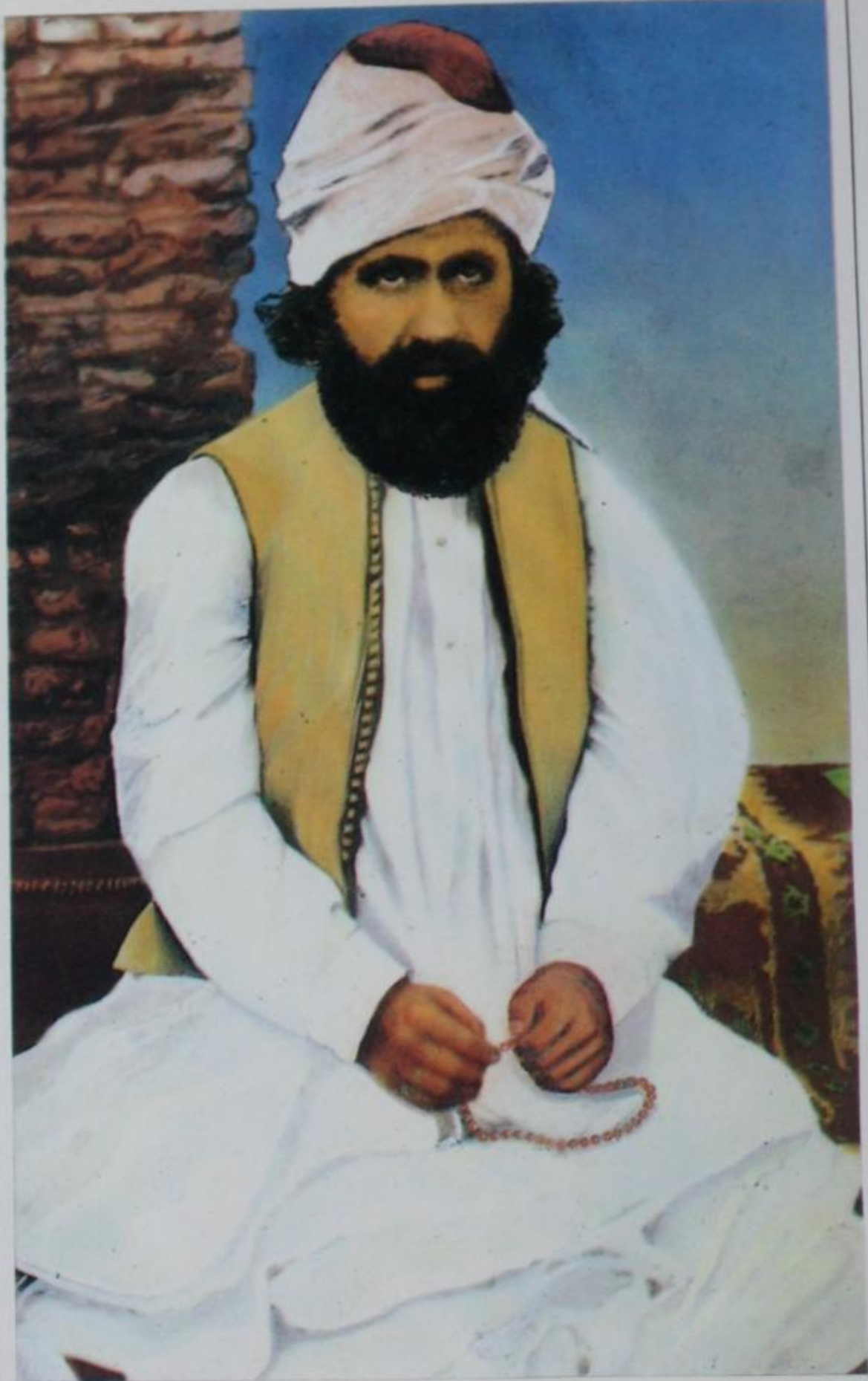
حضرت سید پیر مہر علی شاہ صاحب رضی اللہ تعالےٰ عنہ'

حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب
بحالت استغراق

زمانۂ طفولیّت و کسبِ علم

ولادت

حضرت قبلۂ عالم پیر سید مہر علی شاہ قدس سرہ یکم رمضان المبارک ۱۲۷۵ھ مطابق ۱۴ اپریل ۱۸۵۹ء بروز سوموار پیدا ہوئے۔ یہ وُہ زمانہ تھا جب ہندوستان اپنی پہلی جنگِ آزادی کے خونیں دور سے، جسے انگریز مؤرخین نے "غدرِ دہلی" کا نام دیا ہے، گذر کر مکمل طور پر انگریزوں کے پنجۂ استبداد میں آچکا تھا۔ سلطنتِ مغلیہ ہمیشہ کے لیے دم توڑ چکی تھی۔ اور دینِ اسلام کی ہدایت و علم کے روشن چراغ انقلاب زمانہ کے ہاتھوں یا تو گل ہو چکے تھے یا قید و بند کی صعوبتوں میں ایامِ حیات گذار رہے تھے، یا ترکِ وطن کر کے برصغیر سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو چکے تھے۔

حسبِ فرمانِ قرآنی فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ (پس بے شک ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے بے شک ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے) ہر ملک اور زمانہ میں ہماری شامتِ اعمال کے باعث تباہیوں اور بربادیوں کے تاریک دور کے بعد تجدید و احیاءِ دین کے لیے اللہ تعالیٰ ہمیشہ ایسی ہستیاں پیدا فرماتے رہے ہیں جن کی خدماتِ قومی سے سلف صالحین کی یادیں تازہ ہوجاتی رہی ہیں۔ چنانچہ جس وقت ایک غیر مسلم مغربی مادہ پرست قوم کے علم و اقتدار و نظریات کا عفریت مسلمانانِ ہند پر سوار ہو رہا تھا اور اس خطّہ میں اسلامی شریعت و طریقت اور روحانیت کے لیے گوناگوں مشکلات پیدا ہو گئی تھیں۔ اور اسلامی اقدار یکسر مٹتی نظر آتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ (ہم نے ہی قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی یقیناً اس کی محافظت کرنے والے ہیں) کے مطابق ایسی پاک ہستیوں کو عالمِ وجود میں لانا پسند فرمایا جن کی علمی اور روحانی قوت سے نہ صرف اسلام مادہ پرستی کے مسموم اثرات سے محفوظ رہا۔ بلکہ مسلمانوں میں حیاتِ نَو کے آثار پیدا ہونے شروع ہو گئے جو بالآخر اس برصغیر میں مسلمانوں کی ایک آزاد حکومت کے منصّۂ شہود پر آنے کا باعث ہوئے۔

شانِ مجددیّت کی غماز تاریخہائے ولادت و وصال

حضرت قبلۂ عالم کی تاریخ ہائے ولادت و وصال علم الاعداد کی رُو سے مندرجہ ذیل الفاظ و جملوں سے اخذ ہوتی ہیں جو قطعات کی صورت میں درج ذیل ہیں:-

مجدّد قرن الرّابع عشر

۱۲۷۵ھ

مہرِ عالم چو گشت با رونق — زو منوّر شدند جملہ طبق
چوں تولّد نمود ہاتف گفت — ہست ایں مظہرِ حبیبِ حق

۱۲۷۵

چوں مہر علی آں غوثِ جلی — شد پیدا آمد زود صدا
ایں مظہرِ اسد اللہ باشد — ایں مظہرِ محی الدینؒ بادا

۱۲۷۵

خواجۂ مہر علی عالی جناب — جامعِ علم و عمل شرع و کتاب
مولدِ او مخزنِ عشق حق است — سن رحلت شمسُ فضلِ بالحجاب

۱۲۷۵ — ۱۳۵۶

امام حاکمؒ، بیہقیؒ و ابوداؤدؒ نے روایت کی ہے اور علامہ جلال الدین سیوطی نے بھی "مرقات الصعود" حاشیہ ابوداؤد میں ذکر کیا ہے کہ اِتَّفَقَ الْحُفَّاظُ عَلٰی تَصْحِیْحِہٖ یعنی حفاظِ حدیث اس حدیث کی صحت پر متفق ہیں اور وہ حدیث یہ ہے:-

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ یَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ عَلٰی رَاْسِ کُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ یُّجَدِّدُ لَهَا دِیْنَهَا

حضرت ابی ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ اس اُمّت کے لیے ہر صدی کے سرے پر ایسا شخص مبعوث فرمائیں گے جو اس کے دین کی تجدید کرے گا۔

علامہ عبدالحی لکھنوی اپنے فتاویٰ جلد دوئم میں تحریر فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں رَاْسِ مِائَةِ سَنَةٍ سے مراد محدثین کے اتفاق سے صدی کا آخری حصہ ہے۔ یعنی ایسی شخصیت کی ولادت صدی کے آخری حصہ میں ہونی چاہیئے۔ اور اس کی علامات یہ ہیں کہ وہ شخص علوم ظاہرہ و باطنہ کا عالم ہو اور اس کے درس و تدریس، تصنیف و تالیف، وعظ و تبلیغ سے لوگوں کو نفع کثیر پہنچے۔ سُنّت کے زندہ کرنے میں اور بدعتوں کے ختم کرنے میں سرگرم ہو اور ایک صدی کے اختتام اور دوسری کے آغاز میں اس کے علم کی شہرت اور اس سے لوگوں کو فائدہ معروف و مشہور ہو۔ لہٰذا اگر اس شخص نے صدی کے آخر کو نہیں پایا اور اس سے اس زمانہ میں احیائے شریعت نہیں ہوا تو اس کا نام مجددین کی فہرست میں نہیں آئے گا۔

رَاْسِ مِائَةِ سَنَةٍ (صدی کے سرے پر) کی تشریح کے لیے حضرت قبلہ عالمؒ کے زمانہ کو اُمّتِ مسلمہ کی اُن دو عظیم اور معروف ترین شخصیتوں کے سنِ پیدائش و وصال کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔ جن کے مجدد ہونے کو تمام عالمِ اسلام تسلیم کرتا ہے۔

حضرت غوث الاعظم سیّد عبدالقادر جیلانیؓ ——— ولادت سنہ ۴۷۱ھ، وصال سنہ ۵۶۲ھ
حضرت شیخ احمد سرہندیؒ مجدد الف ثانی ——— ولادت سنہ ۹۷۱ھ، وصال سنہ ۱۰۳۴ھ
حضرت قبلۂ عالم پیر سیّد مہر علی شاہ گولڑوی ——— ولادت سنہ ۱۲۷۵ھ، وصال سنہ ۱۳۵۶ھ

اِس سے رَأسِ مِائَةِ سَنَةٍ (صدی کے سرے پر) کی شرط کی وضاحت تو ہو جاتی ہے۔ عِلم و عرفان۔ تصنیف و تالیف۔ احیائے شریعت اور بدعت و اِلحاد کے خاتمہ کی تفصیل آئندہ صفحات سے واضح ہو جائے گی۔ صدی کے آغاز یعنی ۱۳۰۰ھ کے شروع میں آپ علومِ ظاہرہ و باطنہ، شریعت، طریقت اور رُوحانیت کے اُس مقام پر پہنچ چکے تھے جو اظہر من الشمس ہے۔ آپ کو اسی سال اپنے شیخ حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی سے خلافت عطا ہوئی۔ علمی شہرت کی یہ کیفیت تھی کہ اسلامی مدارس و مذاکرات میں کسی مقولہ کے ساتھ یہ کہہ دینا "قال علامہ گولڑوی" یعنی علامہ گولڑوی نے فرمایا اُس کے مُستند ہونے کا ثبوت سمجھا جاتا تھا۔ آنجناب کی ذات سے قادیانیت، نیچریت، چکڑالویت اور متشدد وہابیت کے ساتھ ساتھ آل انڈیا کانگریس کی ہندوانہ اور کافرانہ سیاست کے خلاف اِسلامیانِ ہند کی جو رہنمائی ہوئی وُہ اَب تاریخ کا جُزو بن چُکی ہے۔ سب جانتے ہیں کہ قادیانیت کے مقابلہ میں صرف آپ ہی کی ذاتِ گرامی تھی جسے ہندوستان کے تمام اسلامی فرقوں نے بلا اختلاف اپنا قائد تسلیم کیا تھا۔ اِس کے متعلق حضرت حاجی اِمداد اللہ مُہاجر مکی نے بھی کئی سال قبل ازراہِ کشف آپ کو مطلع فرمایا تھا کہ ہند و پنجاب کی سرزمین میں ایک زبردست فِتنہ ظاہر ہوگا جس کا اِنسداد آپ کی ذات کے ساتھ مقدر ہے۔ اپنی کتاب "سیفِ چشتیائی" کے اِبتدائی خُطبہ میں حضرت قبلۂ عالم نے اِن الفاظ میں خود بھی ایک لطیف اشارہ فرمایا ہے کہ قادیانیت کے خلاف تبلیغی جہاد ایک مجددانہ کارنامہ ہے۔ وُہ الفاظ ذیل ہیں :-

وَاَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اِلٰهُ الْعٰلَمِيْنَ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَحَبِيْبُهٗ وَخَلِيْلُهٗ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ مِنَ الصَّلٰوةِ اَسْنَاهَا عَدَدَ عِلْمِهٖ وَمِنَ التَّسْلِيْمَاتِ اَزْكٰهَا مِلَاءَ حِلْمِهٖ وَعَلٰى صَحْبِهِ الَّذِيْنَ اٰوَوْا وَنَصَرُوْهُ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ سِيَّمَا مُجَدِّدِيْ دِيْنِهِ الْمَتِيْنِ الْهَازِمِيْنَ الْمُتَنَبِّيَ الْقَادِيَانِيَّ فَالْقَاطِعِيْنَ عَنْ مِلَّتِهِ الْوَتِيْنَ

اور میں شہادت دیتا ہُوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور حضرت محمد اُس کے بندے اور رسُول، حبیب، خلیل اور خاتم النبیین ہیں۔ آپ اور آپ کی آل پر اللہ تعالیٰ کے عِلم کے برابر بلند ترین صلوٰۃ اور اُس کے حِلم کے برابر پاکیزہ ترین تسلیمات ہوں اور آپ کے اصحاب پر بھی جنہوں نے آپ کو جگہ دی اور آپ کی نصرت کی نیز تا قیامت صلوات و تسلیمات ہوں اُن سب حضرات پر جنہوں نے اخلاص کے ساتھ اُن کی پیروی کی بالخصوص آنجناب کے دینِ متین کے مجددین پر جو متنبی قادیان کو ہزیمت دینے والے اور اُس کے مذہب کی شہ رگ کاٹنے والے ہیں۔

چودھویں صدی کا مجدد بسم اللہ کا ہم عدد

ابجد کی رُو سے "سیدنا مہر علی شاہ" کے اعداد ۷۸۶ نکلتے ہیں جو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے اعداد بھی ہیں۔ نیز آنجناب کے متذکرہ بالا اسمِ گرامی سے اگر بطریقِ جفر، حرُوف ی۔ الف اور ہ کو جو مکرر آتے ہیں حذف کر دیا جائے تو ۷۷۰ (سات سو ستر) اعداد رہ جاتے ہیں۔ جو "مجدد قرن رابع عشر" (چودھویں صدی کا مجدد) کے حرُوف مکررہ د۔ ر۔ ع حذف کرنے کے بعد کے حرُوف کے اعداد ہیں۔

آمد آمد کی نوید

حضرت قبلۂ عالمؒ کی ولادتِ باسعادت کے متعلق آپ کے خاندان میں پہلے سے ہی بشارتیں چلی آتی تھیں۔ بعض روایات سے پایا جاتا ہے کہ آپ کے والدین شریفین اور حضرت پیر سید فضل دینؒ جو حضرت قبلۂ عالمؒ کے والدِ ماجد کے ماموں اور حضرتؒ کے شیخ طریقت بھی تھے اور اُس وقت اِس خاندانِ شریف قادریہ کی مسندِ ارشاد پر بھی جلوہ فگن تھے۔ اِس امر پر مُطلع تھے کہ اِس گھر میں ایک نُورانی چراغ روشن ہونے والا ہے۔ نیز آپ کی ولادت سے چند روز پیشتر ایک عُمر رسیدہ مجذوب خانقاہ میں آکر مُقیم ہو گئے تھے اور عنقریب پیدا ہونے والے مقبُولِ خدا کی زیارت کا ذکر کرتے تھے چُنانچہ جب حضرتؒ تولّد ہُوئے تو یہ مجذوب حرم سرائے کی ڈیوڑھی میں پہنچے اور آپ کو باہر منگوا کر ہاتھ پاؤں چُومے اور رُخصت ہو گئے۔ سچ ہے مقبُولانِ خُدا بنتے نہیں بنائے جاتے ہیں۔

اِسے معلُوم نہیں یہ کیا ہونے والا ہے

حضرت قبلۂ عالمؒ ابھی چار سال کی عُمر کو نہ پہنچے تھے اور عربی کا پہلا قاعدہ پڑھتے تھے کہ ایک روز گرمی کے موسم میں بڑے پیر صاحب یعنی حضرت پیر سیّد فضل دینؒ نمازِ ظہر کی تیاری کے سِلسلہ میں باہر تشریف لے گئے تو آپ کو خانقاہ سے باہر والی جھاڑیوں میں قاعدہ لِیے سوتے پایا۔ جگہ سایہ دار نہ تھی اور زمین تمازتِ آفتاب سے تپ رہی تھی۔ بڑے پیر صاحبؒ نے اُسی وقت اپنے چھاتہ سے ان پر سایہ کیا اور اُٹھوا کر گھر بھجوانے کے لِیے خادم کو بُلا بھیجا۔ جب تک خادم نہ آیا آپ سایہ کِیے کھڑے رہے اور فرمایا یہ ابھی معصُوم ہے اِسے معلوم نہیں کہ ایک روز یہ کیا ہونے والا ہے۔

بچپن میں عشقِ الٰہی کی سرگرمیاں

حضرت قبلۂ عالمؒ فرمایا کرتے تھے کہ بچپن میں مجھے آبادی سے ایک گُونہ وحشت اور ویرانوں میں جی لگنے کا اِحساس ہوتا تھا میں ابھی اِتنا چھوٹا تھا کہ گھر کے دروازوں کی اندر والی درمیانی زنجیر تک میرا ہاتھ نہ پہنچتا تھا اور میں بغیر کسی چیز پر کھڑے ہوئے اُسے کھول نہ سکتا تھا۔ اِس لِیے شام کے وقت ایک "پیڑھی" کو دھکیل کر دروازہ کے قریب رکھ دیتا اور رات کو جب والدین سو جاتے تو اُس پیڑھی پر چڑھ کر زنجیر کھول کر باہر نکل جاتا اور رات کا بیشتر حصّہ سامنے والے پہاڑی نالہ کے کھڈوں اور جھاڑیوں میں گذارتا۔ کبھی ساتھ والے جنگل میں پھرتا رہتا۔ جب ذرا بڑا ہوا تو اِس وحشت کے ساتھ ساتھ طبیعت میں گرمی اور حدّت اِس قدر زیادہ ہو جاتی کہ سخت سردی کے ایّام میں بھی بعض اوقات نالے کے ٹھنڈے پانی میں غسل کرتا اور یخ بستہ یعنی جمے ہُوئے پانی کے ٹکڑوں کو جِسم پر مَلا کرتا۔ کبھی کائی رات گئے مطالعہ سے فارغ ہو کر کمرہ سے باہر نکلتا تو موسمِ سرما کی سرد پہاڑی ہوا کے جھونکوں سے ایسی تسکین ہوتی جیسے گرمیوں میں کسی تشنہ کام کو آبِ خُنک سے ہوتی ہے۔

سات برس کی عمر میں بحالتِ خواب ابلیس سے قوت آزمائی

"سیفِ چشتیائی" اور "ملفوظاتِ طیبات" میں درج ہے کہ سات برس کی عمر میں آپ کی خواب میں شیطان سے قوت آزمائی ہوئی۔ آپ فرماتے ہیں کہ خواب میں شیطان نے مجھے کہا کہ آؤ میرے ساتھ کشتی لڑو جب میں اُسے گرانے کے قریب ہوتا تو دل میں خوشی پیدا ہوتی کہ میں غالب آرہا ہوں مگر اچانک رُخ بدل جاتا اور جب وُہ مجھے گرا لینے کے قریب ہوتا تو تائیدِ الٰہی سے میری زبان پر لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْم جاری ہوجاتا اور وُہ مغلوب ہونے لگتا۔ تین چار مرتبہ اسی طرح ہُوا اور بالآخر اللہ تعالیٰ کی مدد سے میں اُسے گرانے میں کامیاب ہوگیا۔

اِبتدائے تعلیم

آپ کو قرآن کریم پڑھنے کے لیے خانقاہ کے درس میں اور اُردو فارسی کے لیے مدرسہ میں داخل کیا گیا۔ عمر اتنی کم تھی کہ خادم اُٹھا کر آپ کو لے جاتا اور واپس لاتا۔ مدرسہ کے طلبار نے راولپنڈی جا کر امتحان دیا۔ آپ کو مُجمعہ چوکیدار اپنے کندھوں پر اُٹھا کر لے گیا۔ مُمتحن انگریز تھا۔ اُس نے سب سے پہلے آپ پر ہی سوال کیا کہ بائد کا مصدر کیا ہے آپ نے صحیح جواب دیا۔ ممتحن نے ساری جماعت کو یہ کہہ کر پاس کر دیا کہ جب اِس قدر کم سن بچہ ایسا صحیح جواب دے رہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اُستاد کی تعلیم اچھی ہے اور پُوری جماعت لائق ہے۔

قرآن ناظرہ پڑھ کر حفظ ہوگیا

حافظہ کی یہ حالت تھی کہ قرآن مجید کا روزانہ سبق آپ زبانی یاد کر کے یعنی حفظ کر کے سُنا دیا کرتے تھے جب قرآن مجید ختم کیا تو اُس وقت سارا قرآن آپ کو بلا ارادہ حفظ ہو چکا تھا۔ عربی، فارسی اور صرف ونحو کی تعلیم کے لیے بڑے پیر صاحب نے علاقہ کھلی (ہزارہ) کے مولوی غلام محی الدین کو مقرر فرمایا تھا جنہوں نے آپ کو کافیہ تک تعلیم دی۔ آپ فرماتے تھے کہ ایک روز اُستاد صاحب نے پُوچھا کہ مطالعہ کر کے آتے ہو یا نہیں؟ مجھے اُس وقت تک لفظ مطالعہ کا صحیح مطلب معلوم نہیں تھا۔ میں سمجھا مطالعہ زبانی یاد کرنے کو کہتے ہیں اس لیے اگلے روز تمام سبق زبانی سُنایا تو اُستاد صاحب کی حیرانی کی انتہا نہ رہی۔

مادر زاد ولایت پر کِرم خوردہ کتاب کی شہادت

ایک مرتبہ مولوی غلام محی الدین صاحب نے زیرِ سبق کتاب "قطر الندا" کے ایک ایسے حصّہ کی عبارت یاد کرنے کی ہدایت کی جو کِرم خوردہ ہونے کی وجہ سے پڑھی نہیں جا سکتی تھی۔ جب آپ نے عُذر کیا کہ جو مضمون کتاب میں موجود ہی نہیں اسے کیسے یاد کیا جا سکتا ہے تو مولوی صاحب نے غالباً آپ کے مادر زاد ولی ہونے کی شہرت کی تصدیق کی غرض سے کہا کہ میں نہیں جانتا۔ اگر کل یہ عبارت یاد نہ ہوئی تو سزا ملے گی۔ حضرت فرماتے تھے کہ میں آبادی سے باہر ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر

مطالعہ وغیرہ کیا کرتا تھا۔ میں نے وہاں بیٹھ کر کتاب کے کرم خوردہ حصّہ کو سمجھنے کی کوشش کی مگر کچھ پتہ نہ چلا۔ آخر سر اُٹھا کر کہا "یا اللہ، تجھے تو معلوم ہے کہ یہ عبارت کیا ہے۔ اگر تُو مجھے بتا دے تو میں اُستاد کی سزا سے بچ جاؤں گا"۔ یہ کہنا تھا کہ اچانک درخت کے پتّوں میں ایک سبزی مائل عبارت نمودار ہوئی جسے میں نے حفظ کر لیا۔ تو وُہ غائب ہو گئی۔ میں نے اُسی وقت جا کر وُہ عبارت اُستاد صاحب کو سُنا دی۔ اُنہوں نے کچھ شُبہ کا اظہار کیا تو میں نے کچھ افشا کیے بغیر کہا کہ مجھے اِس کے صحیح ہونے میں اِس قدر یقین ہے کہ اگر اِس کتاب کا مصنّف بھی قبر سے نکل کر آ جائے اور کہے کہ یہ غلط ہے تو میں نہ مانوں گا۔ چُنانچہ اُستاد صاحب اِس کی صحت کے لیے اُسی روز راولپنڈی گئے۔ اور ایک مکمل نسخہ سے میری بتلائی ہُوئی عبارت کو صحیح پاکر واپس آکر بصد حیرانی اُس کی صحت کا اعتراف کیا۔

موضع بھوئی کے درس میں داخلہ

اِس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد مولوی غلام محی الدین نے بڑے پیر صاحبؒ اور حضرت اجی صاحبؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے صاحبزادہ کو ایسا ذہن رسا اور اعلیٰ دماغ عطا فرمایا ہے کہ ہر سبق حفظ سُنا دینے کے علاوہ بعض اوقات ایسے دقیق سوالات کرتا ہے کہ اُن کا جواب دینے سے اپنے آپ کو عاجز پاتا ہُوں اور مجھے محسوس ہوتا ہے کہ میں اب اِس کی تعلیم کا صحیح حق ادا نہیں کر سکتا۔ اسے کسی بڑے فاضل اُستاد کے پاس ہونا چاہیئے۔ اِن ہر دو حضرات کا خیال تھا کہ آپ کو صاحبزادگی کے ملحول سے دُور رہ کر تعلیم پانا چاہیئے ۔۔۔ خود آپ کو بھی باہر جا کر ایک عام طالب علم کی طرح حصُولِ تعلیم کا شوق تھا۔ لہٰذا گولڑہ شریف میں نحو پڑھ کر اُسی کم سنی کی حالت میں موضع بھوئی علاقہ حسن ابدال جا کر فاضل اجل جناب مولٰینا محمد شفیعؒ قریشی کے درس میں داخل ہو گئے۔ اِس عمر میں بھی طبیعت کا رنگ یہ تھا کہ فرماتے ہیں اُس نواح میں تین مشہور درس جاری تھے۔ جب میں اِن میں سے کسی ایک درس کو پسند کرنے کے خیال سے اُدھر جا رہا تھا تو راستہ میں ایک ٹیلہ کے پاس سے تینوں طرف راستے پھُوٹتے تھے۔ میں نے اُس ٹیلہ پر چڑھ کر دیکھا تو ہر سہ جوانب عورتوں نے کپڑے دھو کر دھوپ میں ڈالے ہُوئے تھے۔ دو جانب کے کپڑوں کے رنگ مختلف تھے مگر بھوئی کی سمت والے کپڑے تمام کے تمام سفید تھے۔ جس سے میں نے یہ تاثر لیا کہ اِدھر اُجلاپن اور نُورانیت زیادہ ہے۔ چُنانچہ بھوئی کے درس میں آپ نے دو اڑھائی سال میں رسائل منطق قطبی "تک اور نحو اور اصول کے درمیانہ اسباق کی تعلیم حاصل کی۔

بھوئی کا ایک طالب علمانہ مناظرہ

بھوئی میں آپ کا ایک طالب علمانہ مناظرہ بہت مشہور ہے۔ جس کی وجہ سے اِس کم عُمری میں بھی آپ کو اُس نواح میں بہت شہرت حاصل ہُوئی۔ بھوئی کے قریبی گاؤں بجاڑ میں ایک شخص فوت ہو گیا۔ اُس وقت کے دستُور کے مُطابق وُرثائے نے اِردگرد کے معززین، عوام اور دینی مدارس کے اساتذہ اور طُلبا کو ختم قرآن و ایصال ثواب کے سلسلہ میں مدعو کیا۔ اِس دوران میں بھوئی اور گڑھی افغاناں کے طالب علموں میں کسی علمی مسئلہ پر بحث چھڑ گئی۔ لوگ حلقہ باندھ کر سوال و جواب سُننے لگ گئے۔ حضرتؒ باہر تھے۔ جب وہاں پہنچے تو بوجہ کم سنی مجمع کے اندر جانے کا راستہ نہ ملا۔ ایک شخص سے کہا مجھے اُٹھا کر لوگوں کے دائرہ کے اندر پہنچا دو۔ اُس نے کہا وہاں ڈاڑھیوں والے طلبا بحث کر رہے ہیں۔ تم بچّے ہو کیا کرو گے۔ آپ نے اصرار کیا

تو اُس نے اُٹھا کر آپ کو مجمع کے اندر حلقۂ مناظرہ میں کھڑا کر دیا۔ اُس وقت گڑھی افغاناں کے درس کے دو فارغ التحصیل طلبا جو ہندوستان میں اعلیٰ دینی تعلیم کے لیے گئے ہُوئے تھے اور اُن دِنوں تعطیلات پر آئے ہُوئے تھے بھُوئی کے طلبا سے سوال و جواب کر رہے تھے اور اپنی فضیلت کے باعث اُن پر چھائے ہُوئے تھے۔ حضرتؒ نے پہنچتے ہی "شافیہ" کی عبارت —— قال الخلیل الاشیاء افعالٌ وقال الفراء لفعاء —— پڑھی اور سوال کیا کہ حسبِ قاعدہ قال کا مقولہ جُملہ ہُوا کرتا ہے یہاں قال الفراء لفعاء میں قال کا مقولہ مفرد ہے۔ اِس کی کیا وجہ ہے؟ مگر اُن میں سے کوئی اِس کا جواب نہ دے سکا۔[1]

اِس کے بعد آپ نے اُن سے منطق کا سوال کیا کہ تصدیق مرکب ہے یا بسیط؟ اُنھوں نے جواب دیا کہ امام رازی کے مذہب میں مرکب ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر بقول امام رازی تصدیق مرکب ہے تو مقولاتِ متباینہ سے ترکیب کا اشکال وارد ہوتا ہے جن سے مرکب چیز محض اعتباری ہوتی ہے واقعی نہیں ہوتی۔ اُنھوں نے کہا کہ یہ جائز ہے۔ آپ نے کہا سند پیش کرو۔ اُنھوں نے "قاضی مُبارک" کی عبارتیں نوکِ زبان پڑھنا شروع کر دیں۔ جب وُہ ایک عبارت ختم کرتے تو آپ کہتے اِس سے رفعِ اشکال کیسے ہُوا۔ اِس کا وُہ کوئی جواب نہ دے سکتے اور کوئی دُوسری عبارت پڑھ دیتے۔ آپ پھر وُہی سوال دُہراتے جب دو تین مرتبہ ایسا ہُوا تو اساتذہ نے فیصلہ صادر کیا کہ آپ جیت گئے اور لوگوں نے تالیاں بجانا شروع کر دیں۔ اِس شکست پر گڑھی افغاناں کے لوگوں نے اپنے طالب عِلموں کو بہت شرمسار کیا جس پر وُہ اِس قدر طیش میں آئے کہ بھُوئی میں افواہ پھیل گئی کہ گڑھی افغاناں کے طلبا نے اِس بچے کو رات کے وقت اُٹھائے جانے کی سازش کی ہے۔ چنانچہ کئی روز تک بھُوئی والے آپ کی حفاظت کے لیے راتوں کو پہرہ دیتے رہے۔

عید گاہِ ما غریباں کوئے تو

آپ بھُوئی کے درس سے فارغ التحصیل ہو کر گھر پہنچے تو عید الفطر کا موقعہ تھا۔ حضرت اجیؒ صاحب کو سواری کا بہت شوق تھا۔ اور اکثر شاہسوار ایسے موقعوں پر نیزہ بازی کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہُوا کرتے تھے۔ چنانچہ نماز کے بعد جب لوگ اکٹھے ہونا شروع ہُوئے تو آپ فرماتے تھے کہ میں نے اپنے دِل سے پُوچھا کہ عید کی خُوشیوں کا منظر دیکھنا چاہتے ہو یا دوست سے مُلاقات کی تدبیر کا خیال ہے۔ دِل نے جواب دیا۔ دوست سے مِلنے کی خواہش ہے۔ لہٰذا موضع انگہ علاقہ نوشہرا ضلع شاہ پُور کے مشہُور و معرُوف درس میں داخلہ کے خیال سے گھر سے نکل پڑا۔ وہاں میرا ایک بھُوئی کا ہم مکتب فقیر نادر دین پہلے ہی داخِل ہو چکا تھا وُہ رات میں نے منگی ڈھوک کی مسجد میں بسر کی۔ صبح اُس مسجد کے اِمام مولوی محمد حسن اپنے صاحبزادے کو مسجد میں "شرح جامی" پڑھاتے رہے اور مجھے بھی شریکِ سبق ہونے کو کہا۔ مگر میں نے کہا کہ میرا ارادہ انگہ جانے کا ہے۔ لہٰذا رُخصت ہُوا۔

---

[1] جواب یہ ہے کہ اوّلاً یہاں قال بمعنی تلفظ آیا ہے اور جہاں قال بمعنی تلفظ آئے وہاں مقولہ مفرد ہوتا ہے (بحوالہ حواشی شرح جامیؒ) ثانیاً یہاں مبتدا الاشیاء محذوف ہے بقرینہ سابق۔ (مؤلف)

درسِ انگہ میں شمولیّت

موضع انگہ علاقہ سُون ضلع شاہ پُور سرگودھا میں گولڑہ شریف سے تقریباً ایک سومیل کے فاصلہ پر ہے۔ آپ وہاں پہنچ کر فقیر نادردین کے ذریعہ اُستاد صاحب مولوی سُلطان محمُود سے متعارف ہُوئے۔ فقیر نادردین حضرتؒ سے عمر میں بڑا تھا۔ اور جب آپ اِبتدائی کتب یعنی قطبی" وغیرہ پڑھ چکے تھے تو فقیر نادردین نے معقول کی تمام کتابیں ختم کر لی تھیں۔ مولوی سُلطان محمُود نے پُوچھا کہ آپ کیا پڑھیں گے۔ تو فقیر نادردین نے اُن کی کم عُمری اور بھوتی کے ایامِ تعلیم کے خیال سے کہا کہ انہیں معقول کا کوئی چھوٹا سا رسالہ شروع کرا دیجئے۔ حضرتؒ نے فقیر نادردین سے پُوچھا کہ آپ کیا پڑھ رہے ہیں۔ وُہ اُس وقت صدرا۔ یعنی شرح ہدایت الحکمت" مصنفہ صدرالدین شیرازی پڑھ رہا تھا اِس لیے تعجب یا شاید طنز کے انداز میں بولا کہ کیا میرے ساتھ ہم سبق ہونے کا خیال ہے، میں تو صدرا پڑھ رہا ہُوں۔ آپ نے فرمایا میں بھی "صدرا" پڑھوں گا۔ حضرت اُستاد کو تعجب تو ہوا مگر اِس سبق کی شرکت کے دُوسرے تیسرے روز ہی اُن پر اچھی طرح واضح ہو گیا کہ اِس کتاب کو پڑھنے کی اِستعداد آپ میں فقیر نادردین سے کہیں زیادہ ہے۔

ہم درس کا اِحساسِ کمتری

فقیر نادردین پر آپ کی ذہانت اور قابلیت کے کمال کا اِحساس کچھ اِس شدّت سے غالب ہُوا کہ اِحساسِ کمتری کا شکار ہو کر ڈاڑھی مُنڈوالی اور انگہ چھوڑ کر چلا گیا۔ بعد میں اُس نے رام پُور کے مدرسہ عالیہ کے پرنسپل مولٰینا عبدالحق ابنِ مولٰینا فضل حق خیرآبادی سے معقول کی کتابوں کی تکمیل کی اور وہیں مدرسہ رام پُور میں مُلازمت اِختیار کر لی۔ پھر مدرسہ نظامیہ حیدرآباد دکن میں ملازم ہو کر اعلیٰ عُہدہ پر پہنچا اور وہیں اِنتقال کیا اُس نے اپنی یادگار اُردو کا ایک رسالہ چھوڑا ہے جو اثباتِ ہیولیٰ اور اثباتِ جبلِ بسیط پر لکھا تھا حضرات خیرآبادی کی جو تقریریں اِن مشکل مباحث پر ہوتی رہی تھیں، یہ رسالہ اُن ہی مضامین کا مجمُوعہ معلُوم ہوتا ہے۔

مورُوثی جُود و اِیثار کا مظاہرہ

انگہ میں حضرتؒ کو جو خرچ گھر سے ماہوار پہنچتا تھا آپ اُسے نادار طلبا میں تقسیم فرما دیتے اور خُود عمُوماً روزہ یا فاقہ سے رہتے۔ شدید اشتہا کی صُورت میں طلبا کے جمع کردہ ٹکڑوں میں سے کچھ تناول فرما لیتے۔ آپ کے اِس جُود و سخا و اِیثار اور ریاضت و مجاہدہ کو دیکھ کر وہاں کے لوگ اور طلباء آپ کے عقیدت مند ہو گئے۔ حضرتؒ نے اِس کم عُمری کی حالت میں ہی ریاضات و مجاہدات کو اپنا معمُول بنا لیا تھا جس کے متعلق بہت سی روایات مشہُور ہیں۔

تم قصیدہ پڑھو میں قصیدہ والے کو بُلاتا ہُوں

اِس نواح میں "قصیدہ غوثیہ شریف" کے ایک عامل نے لوگوں میں اپنا اثر و رسُوخ اور وجاہت قائم کر رکھی تھی۔ یہاں تک کہ لوگ اسے دیکھتے ہی تعظیماً کھڑے ہو جاتے اور دست بوسی کرتے تھے۔ ایک روز وُہ شخص انگہ کی مسجد میں آیا۔ سب لوگ تعظیماً کھڑے ہو گئے۔ مگر حضرتؒ بیٹھے رہے۔ اُس نے چیں بجبیں ہو کر کہا۔" اولڑکے، کیا تو مجھے نہیں جانتا، پڑھوں قصیدہ؟" آپ

نے فرمایا تم قصیدہ پڑھو اور میں قصیدہ والے کو بُلاتا ہوں۔ ان الفاظ سے عامل صاحب پر ایک خاص کیفیت طاری ہو گئی اور اُس نے معذرت کناں آپ کے پاؤں کو چھُوا۔

ایک آسیب زدہ مسجد کو دارُالوظائف قرار دینا

انگہ کی آبادی سے کچھ فاصلہ پر ایک ویران مسجد آسیب زدہ اور جنات کے مسکن کے طور پر مشہور تھی۔ اور کوئی شخص بھی شام کے بعد اُدھر کا رُخ نہ کرتا تھا لیکن آپ ہمیشہ عشاء کی نماز کے بعد وہیں جا کر وظائف میں مصروف ہو جاتے بعد ازاں واپس آ کر مطالعہ اسباق و کتب میں منہمک رہتے۔ فرماتے تھے اُس مسجد میں جانے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ میں بعض وظائف باوازِ بلند پڑھا کرتا تھا اور چاہتا تھا کہ لوگ بے آرام نہ ہوں۔

جُرأت و رحم دِلی کا مظاہرہ

ایک دفعہ آپ کے اُستادِ محترم کے صاحبزادے کے پاؤں میں ورم آ گیا جس پر باندھنے کے لیے ارنڈ کے پتّوں کی ضرورت تھی۔ آپ انگہ سے کچھ فاصلہ پر پہاڑیوں میں سے ارنڈ کے پتّے اکٹھے کر کے ایک رُومال میں باندھ کر لا رہے تھے کہ راستہ میں دو بھیڑیوں نے ایک گدھی کو گھیر کر گرا لیا۔ اُس کا بچہ بے چینی سے بجائے جان بچا کر بھاگ جانے کے اپنی ماں کے اِرد گرد بھاگنے اور چکر کاٹنے لگ گیا۔ آپ نے دیکھا تو بے اختیار دَوڑ کر وہاں جا پہنچے اور رُومال میں بندھے ہُوئے پتّے بھیڑیوں کے مُنہ پر گدھی کو چھُڑانے کے لیے مارنے لگ گئے۔ چند کسان کچھ فاصلہ پر ہل چلا رہے تھے۔ اُنہوں نے چلّا کر آپ کو روکنا چاہا اور جلد ہی بھاگ کر وہاں پہنچ بھی گئے مگر اس اثناء میں بھیڑیے گدھی کو معمولی زخمی کر کے بھاگ گئے تھے۔ کسانوں نے آپ کو کہا کہ جب درندہ شکار پر ہو تو اُس کے اور اُس کے شکار میں مداخلت کرنے کی کبھی غلطی نہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اس سے وُہ انسان پر بھی حملہ کرنے سے نہیں چُوکتا اور پھر آپ تو ابھی بالکل بچے ہیں۔ آپ نے کہا مجھ سے گدھی کے بچے کی حالت نہیں دیکھی گئی جو ماں کی محبت میں اپنی جان کی پرواہ کئے بغیر بے قراری سے اُس کے اِرد گرد ہی بھاگتا رہا۔ اس کے بعد آپ گدھی اور اُس کے بچے کو ہانک کر بحفاظت گاؤں میں لے آئے۔ اگلے روز جمعہ تھا اور مولانا سُلطان محمود نے وعظ کے دَوران اپنے کم عُمر شاگرد کی خدا ترسی، رحم، ایثار و جُرأت کا تذکرہ کیا جو کافی عرصہ زبان زدِ عام و خاص رہا۔

خلوت میں جلوت

حضرتؒ کی طبعِ مُبارک پر ابتداء سے ہی عشقِ الٰہی کا رنگ غالب تھا۔ سماع آگ پر تیل کا کام کرتا تھا۔ آپ خود بھی نہایت خوش آواز تھے اور خوش آوازی سے اثر پذیر بھی بے حد ہوتے تھے۔ آپ کی عام گفتگو بھی اس قدر شیریں اور درد انگیز ہُوا کرتی تھی کہ سُننے والوں کے دلوں میں کیفیت کے طُوفان اُمڈ آتے تھے۔ اُن ایام میں آپ اکثر جنگل اور ویرانوں کو نکل جاتے اور باوازِ بلند عشقیہ اور درد انگیز اشعار پڑھا کرتے۔ آپ کے ہم درس طُلباء اور گاؤں کے باقی لوگ بھی بالخصوص انگہ کے نمبردار میاں علی اکبر آپ کی لاعلمی میں ایسے مواقع سے لُطف اندوز ہونے کے ہمیشہ مُشتاق و مُنتظر رہتے۔

ایک عابدہ مائی کی پیشین گوئی

ایک دفعہ جمعہ کی رات کو ایک کمرہ میں خفیہ طور پر قوالی کا اہتمام کیا گیا۔ اور آپ نے بھی اس میں حصہ لیا۔ اگلے روز اُستاد صاحب کے پاس شکایت ہوگئی۔ جنہوں نے باقی طلباء کو تو ذرا سختی سے زجر و توبیخ کی مگر حضرتؒ کو نرم انداز میں سمجھایا۔ مسجد کے قریب ہی ایک عابدہ مائی رہتی تھیں جو حضرت سلطان باہُوؒ کی حضوری سے مشرف تھیں اُنہوں نے سُن کر کہا کہ آج تو حافظ سلطان محمود اِس سیدزادے کو ٹوک رہے ہیں، کل جب اِن کے مقام اور مرتبے سے آگاہ ہوں گے تو اس کے پاؤں چُومیں گے یہ نہایت ہی صاحبِ کمال بچہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا بہت بڑا مرتبہ ہے۔ اور ہر لمحہ اس کے مراتب بلند سے بلند تر ہو رہے ہیں خُدا کی شان اِس پیشین گوئی کا ظہُور اِس طرح ہوا کہ جب آپ ہندوستان سے فارغ التحصیل ہو کر حضرت خواجہ شمس الدینؒ سیالوی سے مجاز ہوئے تو ایک مرتبہ عُرس سیال شریف کے موقعہ پر مولینا سُلطان محمُود نے آپ کو انگہ چلنے کی دعوت دی۔ چنانچہ عُرس کے بعد آپ گھوڑے پر سوار اُستاد صاحب کے ہمراہ انگہ روانہ ہُوئے۔ راستہ میں ایک مقام پر اُستاد صاحب اپنے گھوڑے سے اُترے، اور پیادہ پا ہو کر حضرتؒ کے گھوڑے کے آگے دوڑنے لگے اور آپ کو تاکیداً سوار رہنے کا حکم دیا کہ اگر اس کے خلاف کیا تو حقِ شاگردی کے خلاف تصوّر کروں گا۔ حضرتؒ فرماتے تھے کہ میں سخت شرمندہ تھا۔ مگر قہرِ درویش برجانِ درویش تعمیل حکم کی۔ آخر کچھ فاصلہ اسی طرح طے کرنے کے بعد حضرتؒ کے اُستاد گھوڑے پر سوار ہوگئے اور فرمایا کہ ایک دفعہ اثنائے سفر سیال شریف اس مقام پر یہی مُسافت آپ نے میرے گھوڑے کے آگے دوڑ کر طے کی تھی جس کا میرے دِل پر سخت بوجھ تھا اور میں اِسے بے ادبی محسُوس کرتا رہا۔ الحمد للہ کہ آج اُس کی تلافی ہوگئی۔

پھر انگہ پہنچ کر اُستاد صاحب نے احادیثِ صحاحِ ستہ کی تمام کُتب کے چیدہ چیدہ حصے سُنا کر حضرتؒ سے اجازتِ حدیث حاصل کی اور آپ کے حسبِ ارشاد تازیست حدیث شریف ہی پڑھاتے رہے اور منطق و معقول کی تدریس ترک کر دی۔

تعلیم و تعلّم میں اِنہماک

حضرتؒ کو تعلیم و تعلّم میں اس قدر انہماک تھا کہ اپنی تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ چھوٹے درجہ کے طلباء کو تعلیم بھی دیا کرتے تھے۔ اور بسا اوقات ایسا ہوتا کہ موسمِ سرما کی طویل راتیں عشا کی نماز کے بعد مطالعہ میں ہی گذر تیں حتّٰی کہ اُسی حالت میں صُبح کی اذان ہو جاتی۔ رفتہ رفتہ آپ کے پاس پڑھنے والے طلبا کی اِتنی کثرت ہو گئی کہ آپ نے انگہ کا قیام ترک کر کے شکر کوٹ میں رہائش اختیار فرما لی۔ دن کے وقت انگہ میں اپنی تعلیم حاصل کرتے اور شام کو شکر کوٹ جا کر طُلبا کو درس دیتے۔

بُلانے والے کو سلیقہ ہو تو اہلِ برزخ جواب دیتے ہیں

حافظ غلام احمد سکنہ پنجیہ تحصیل خوشاب ضلع سرگودھا سے روایت ہے کہ ایک دفعہ آپ چک نمبر ۱۰۴، ضلع سرگودھا میں رونق افروز تھے کہ مسئلہ سماعِ موتیٰ پر ذکر چھڑ گیا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر بُلانے والے کو بُلانے کا سلیقہ ہو تو اہلِ برزخ ضرور سنتے ہیں۔ انگہ کے ایام طالب علمی میں مَیں "یا شیخ عبدالقادر جیلانیؓ" پکارتا تھا تو تیسری پکار پر جواب آتا تھا کہ میں نے سُن لیا ہے تم اپنا کام شروع کرو۔ حضرتؒ کی ایک تحریر سے اِس لفظ سلیقہ کا مفہوم یہ معلوم ہوتا ہے کہ پُکارنے والے کو اہلِ برزخ سے خصوصی

نسبت ہونا چاہیے۔

ایک قادری فقیر کے محبّت بھرے جملہ کا حضرتؒ پر اثر

حضرتؒ نے اپنی تصنیفِ لطیف "اعلاءِ کلمۃ اللہ" میں تحریر فرمایا ہے کہ جن دنوں میں بطور طالبِ علم انگہ میں مقیم تھا۔ ایک عمر رسیدہ اور مسافر بزرگ شکر کوٹ میں رہا کرتے تھے۔ آپ کا نام بابا نُور ماہی مشہور تھا۔ قادریہ سلسلہ میں حضرت شیخ محمودؒ چکی والے کے دستِ حق پرست پر ان کی بیعت تھی۔ ہر مہینہ کی گیارھویں کو ایک بکرا یا دُنبہ خود پال کر جناب غوث الاعظمؒ کے ختم شریف کے لیے ذبح کیا کرتے تھے اور ساتھ ہی حلوہ و روٹیاں پکا کر فقراء میں تقسیم کرتے۔ اس نیاز مند خادم الاولیاء کو خاص اصرار اور اہتمام کے ساتھ شریکِ دعوت فرماتے اور میرے حال پر حد سے زیادہ مہربانی کی نظر رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ بغیر میری استدعا کے مجھے شغل پاسِ انفاس کی اجازت فرمائی۔ ایک روز میں شکر کوٹ سے انگہ جا رہا تھا کہ راستہ میں دُور سے میں نے اُنہیں اُس دُنبے کو چراتے اور اُس کے ساتھ کھیلتے دیکھا جسے وُہ گیارھویں شریف کے ختم کے لیے پال رہے تھے۔ باوجود سفید ریش بزرگ ہونے کے ازراہِ محبت و فرطِ شوق کبھی اُسے کندھے پر اُٹھاتے اور کبھی زمین پر کھڑا کر دیتے۔ میں نے قریب جا کر سُنا تو کہہ رہے تھے، "او میرے محبوب دِیا لیلیا"۔ اس جملہ میں محبت و شوق کا ایک ایسا طوفان تھا کہ دِل بے حد مُتاثر ہُوا اور خیال آیا کہ تحصیلِ علم سے فارغ ہو کر گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر کتابوں کے مطالعہ میں وقت بسر کروں گا اور تدریس وغیرہ نہ کروں گا جب ذرا آگے ہو کر اُن سے ملنے کے لیے بڑھا تو مجھے دیکھ کر فرمانے لگے "پیر صاحب، جو شخص علم پڑھ کر تعلیم نہیں دیتا وُہ ایسا ہے جیسے درختِ بے ثمر۔" یہ بات کر کے پھر اُس دُنبے کے ساتھ مشغول ہو گئے۔ اُن کو حضرت غوث الاعظمؒ کے ساتھ قوی رابطہ تھا۔

اُستادِ محترم کی معیّت میں سیال شریف کی حاضری

حضرتؒ کے اُستاد مولینا سُلطان محمود انگوی کی بیعت حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی چشتی، نظامی، فخری سلیمانی قدس سرہٗ سے تھی وُہ سال میں کئی بار سیال شریف ضلع سرگودھا، اپنے پیر و مُرشد کی زیارت کے لیے جایا کرتے تھے۔ سیال شریف انگہ سے بائیس کوس کے فاصلہ پر دریائے جہلم کے شرقی کنارے پر واقع ہے۔ راستہ میں کئی مقامات پر قیام کرتے اور درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری رہتا۔ حضرت قبلۂ عالمؒ ہمیشہ اُستاد صاحب کے ساتھ جاتے تھے اور حضرت اعلیٰ سیالویؒ بھی آپ پر بہت شفقت فرماتے تھے۔ آخر حضرتؒ نے سلسلہ چشتیہ میں اِن ہی سے بیعت کی، جس کا مفصل ذکر اپنے موقعہ پر آئندہ ابواب میں آئے گا۔

بہ ہندوستاں داد خواہم لگام

تقریباً اڑھائی سال انگہ میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد جب آپ واپس لوٹے تو درس نظامی سے صرف فلسفہ، معقول، ریاضی اور فقہ کی آخری کتب اور حدیث شریف میں صحاح ستہ اور تفسیر میں بیضاوی وغیرہ باقی رہ گئی تھیں۔ ان کتابوں کی تعلیم کے لیے اُن دنوں عام طور پر طلباء ہندوستان کے مدارس کا رُخ کرتے تھے آپ نے آئندہ تعلیم کے سلسلہ میں ایک روز سکندر نامہ سے فال لی تو یہ شعر نکلا:-

همه ملکِ ایراں مرا شُد مقام　　به هندوستاں داد خواہم لگام

چُنانچہ غالباً ۱۲۹۰ھ کے قریب یعنی فقط پندرہ سال کی عُمر میں آپ ہندوستان روانہ ہو گئے۔

مولینا احمد حسن محدّث کانپوری سے مُلاقات

سب سے پہلے آپ کانپور میں مولینا احمد حسن محدّث کے پاس پہنچے وُہ سفرِ حج کے لیے تیار بیٹھے تھے، فرمایا، میاں صاحبزادے میں آج سے آٹھویں روز حج پر روانہ ہو رہا ہُوں، اِس عرصہ میں دو چار سبق اگر پڑھ بھی لو گے تو اس سے کیا ہوگا۔ چنانچہ آپ وہاں سے لوٹ کر علی گڑھ مولینا موصوف کے اُستاد حضرت مولینا لُطف اللہ کے درس میں داخل ہو گئے۔

کافی عرصہ بعد جب قبلۂ عالمؒ کے علمی و رُوحانی کمالات کی شہرت ہوئی تو مولینا احمد حسنؒ بہت متاسّف ہُوئے کہ کاش آپ کو ایک آدھ سبق ہی پڑھا دیا ہوتا۔ آپ کی تصانیف ملاحظہ کر کے، بالخصوص قادیانی معرکہ کے بعد جب حضرتؒ کے علم و کمال کا چار دانگ شُہرہ ہُوا تو مولینا نے اس حسرت کی تلافی اِس طرح کی کہ پیرانہ سالی میں محض آپ کی زیارت کے لیے پاک پتن شریف کا سفر اختیار کیا۔ حضرتؒ کی خدمت میں رہنے والے دو عُلمائے کرام جناب مولینا محمد غازیؒ و جناب قاری عبد الرحمٰن جونپوریؒ حضرت مولینا احمد حسنؒ کے شاگرد تھے۔ چنانچہ اِن حضرات کے ساتھ خط و کتابت کے ذریعہ مولینا نے حضرتؒ سے ملاقات کی تقریب پیدا کی۔ اَور ایک سال جب آپ عُرس حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر قدس سرّہ العزیز پر پاک پتن شریف میں تھے مولینا احمد حسنؒ بھی وہاں پہنچ گئے۔ اَور جس وقت حضرت قبلۂ عالمؒ مزار شریف کی زیارت کے بعد خانقاہِ مُعلّیٰ کے شمالی دروازہ کی سیڑھیاں چڑھ کر کھُلی جگہ پہنچے تو مولینا حضرتؒ کے سامنے آکر اچانک اُن کے قدموں کی طرف جھُک پڑے۔ حضرت دیوان سید محمد صاحب سجادہ نشین پاک پتن شریف اَور علماء و فقراء کا ایک جمِّ غفیر حضرتؒ کی معیّت میں تھا۔ علاوہ ازیں عوام کا اژدحام حضرتؒ کے پیچھے پیچھے تھا۔ کِسی نے حضرتؒ کے کان میں کہہ دیا کہ یہ مولینا احمد حسنؒ کانپوری ہیں۔ آپ نے فوراً مولینا کو اُٹھایا اَور بغل گیر ہُوئے۔ پھر ساتھ لے جا کر اپنی جائے قیام موتی محل کے نزدیک اُن کی رہائش کا اِنتظام فرمایا۔ مولینا ہر روز صُبح آپ کے پاس آتے اَور مؤدبانہ دروازہ کے باہر ہی بیٹھ جاتے۔ حضرتؒ فوراً اُٹھ کر اُنہیں اندر لے آتے اَور اپنے برابر مصلّیٰ پر بٹھلانا چاہتے۔ مگر مولینا بہ پاسِ اَدب معذرت کرتے تو آپ خود بھی مصلّیٰ ہٹا کر اُن کے برابر بیٹھ جاتے۔ دیر تک علمی اَور رُوحانی گفتگو کا سِلسلہ رہتا۔ ایک روز مولینا نے کہا۔ "قبلہ، میری تصنّع کی عادت نہیں، جہاں دل مانتا ہے، وہیں سر جھکاتا ہوں، میں تو آپ کی دید کو عبادت سمجھ کر حاضر ہُوا ہُوں۔ مجھے حسرت ہے کہ کاش میں آپ کو ایک سبق ہی پڑھا دیتا۔ اِس لیے نہیں کہ آپ کے اساتذہ میں شمار ہوتا بلکہ اِس لیے کہ آپ کی دُعاؤں میں شمولیت سے مشرّف ہو جاتا۔ لیکن افسوس مجھے کیا خبر تھی کہ آپ ایک روز کیا ہونے والے ہیں۔"

حضرت بابو جی مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ میں نے کِسی معمّر بزرگ کو ایسی نُورانی اَور جاذبِ نظر شکل و شباہت کا نہیں دیکھا جیسے حضرت مولینا احمد حسن کانپوری تھے۔ شفّاف گندمی رنگ، کشیدہ قامت، سفید ریش اَور اعلیٰ درجہ کی نظافت پسندی گفتگو کے وقت گویا مُنہ سے پھُول جھڑتے تھے۔ اِس شانِ علم پر اخلاص و انکسار بجدیہ۔ آپ کے نیاز کا ذکر فرماتے ہوئے جناب بابو جی کی طبیعت پر رقّت طاری ہوگئی اَور فرمایا کہ مولینا نے مکّہ معظمہ میں اپنے شیخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکّیؒ کے مزار پر چھ ماہ قیام کیا۔ اَور ہر روز اپنی رِیش مُبارک سے مزار کو صاف کیا کرتے تھے۔ سُبحان اللہ، اپنے وقت کے اُستاذ الکل کی

اپنے شیخ کے ساتھ یہ نسبت، نیاز اور عقیدت، آج کل کے علماء وزعماء کے لیے مقامِ عبرت و نصیحت ہے۔

؎ کیمیا پیدا کُن از مشتِ گِلے ‌ ‌ ‌ بوسہ زن بر آستانِ کاملے ‌ ‌ ‌ اقبالؔ

ہندوستان کے دینی علوم کے مراکز

حضرت قبلۂ عالمؒ، جیسا کہ پہلے ذکر ہوچکا ہے ۱۲۹۰ھ میں ہندوستان تشریف لے گئے تھے۔ اُن دنوں وہاں لکھنؤ، دیوبند، رام پور، کانپور، علی گڑھ، دہلی اور سہارن پور میں بڑے بڑے علمی مراکز قائم تھے۔

لکھنؤ میں مولینا عبد الحیؒ متوفی ۱۳۰۴ھ مرجع خلائق تھے جن کی ذات محتاج تعارف نہیں۔ دیوبند میں مدرسہ کا افتتاح ۱۲۸۳ھ میں ہوچکا تھا اور مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی کی زیرِ سرپرستی یہ مدرسہ کافی ترقی کر رہا تھا۔ اِن ایام میں وہاں مولوی محمد یعقوب صاحب نانوتوی خلف مولوی مملوک علی صاحب مدرسِ اعلیٰ تھے جو اجمیر شریف میں بھی مدرس رہ چکے تھے۔ مولوی مملوک علی موصوف، مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی، مولوی ذُوالفقار علی صاحب اور مولوی محمد قاسم نانوتوی وغیرہ علمائے دیوبند کے اُستاد تھے۔ رام پور میں مولینا فضل حق خیر آبادی کے فرزند مولینا عبد الحق "مدرسہ عالیہ نواب صاحب" کے پرنسپل تھے۔ ان کے حواشی یعنی نوٹ، کتب ہائے معقول قاضی وغیرہ پر قابلِ دید ہیں۔

کانپور میں مولینا احمد حسنؒ مسند آرائے تدریس تھے جو کہ اُستاذ الکل مولینا لُطف اللہ علیگڑھی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ معقول کی مشہور کتاب "حمد اللہ" اور مثنوی مولینا رومؒ کے حواشی سے آپ کے تبحرِ علمی کا اندازہ ہوتا ہے۔ آپ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے مُریدِ خاص تھے۔ اور اگرچہ عُلمائے دیو بند کو بھی حضرت حاجی صاحبؒ سے شرفِ بیعت حاصل تھا اور اس لحاظ سے مولینا احمد حسنؒ کے پیر بھائی تھے لیکن بعض مسائل میں مولینا کو ان سے اختلاف رہا جس پر حاجی صاحبؒ نے مکہ شریف سے ایک رسالہ "ہفت مسئلہ" بطور محاکمہ تحریر فرما کر بھیجا جو مسائلِ اختلافیہ میں قولِ فیصل کا حکم رکھتا ہے۔ اور علمائے کرام کے لیے حجت ہے۔ مسئلۂ امکانِ نظیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں مولینا فضل حق خیر آبادی اور مولینا احمد حسنؒ نے رسائل لکھے ہیں، جن میں مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی کی پُرزور تردید کی ہے۔ عُلمائے خیر آبادیہ و اسمٰعیلیہ کے اِس اختلاف پر حضرت قبلۂ عالمؒ کا تبصرہ باب تصنیفات میں آئے گا۔

اُستاذ الکل مولینا لُطف اللہ علیگڑھی المتوفی ۱۳۳۴ھ

علی گڑھ میں مولینا لُطف اللہؒ کی ذاتِ گرامی شہرۂ آفاق تھی۔ آپ مفتی عنایت احمدؒ کے شاگردِ رشید تھے جو مولینا بزرگ علی علیگڑھی متوفی ۱۲۶۲ھ اور مولینا شاہ محمد اسحاق دہلوی متوفی ۱۲۶۲ھ کے مشہور شاگرد تھے۔ مولینا شاہ محمد اسحاق حضرت مولینا شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کے نواسے اور جانشین تھے۔ مفتی صاحب کافی عرصہ علی گڑھ میں اپنے اُستاد مولینا بزرگ علیؒ کے مدرسہ میں تعلیم دیتے رہے۔ اور اُسی زمانہ میں مولینا لُطف اللہ آپ کے حلقۂ درس میں شامل ہُوئے۔ مُفتی صاحبؒ بعد میں حکومت کی طرف سے بعہدہ منصف مقرر ہو گئے تھے۔ اور آپ نے مولینا لطف اللہ کو اپنا سر رشتہ دار مقرر فرمایا۔ اِس دَوران میں تحریکِ آزادیِ ہند شروع ہُوئی۔ اور مُفتی صاحب نے انگریز حکومت کے خلاف خان بہادر خان روہیلکھنڈی کا ساتھ دے کر جہاد میں حصّہ لیا اور انگریزوں کے خلاف فتویٰ دیا۔ اِس پر انگریزوں نے ۱۸۵۷ء میں غدر کے

دیگر مجاہدین کے ساتھ آپ کو بھی بطور سزا جزائر انڈیمان میں عمر قید کے لیے مُلک بدر کر دیا۔ جہاں آپ نے بغیر مطالعہ و حوالہ جات کتب محض یادداشت سے چھ کتابیں تصنیف فرمائیں جو بہ تفصیل ذیل ہیں :-

(۱) علم الصیغہ۔ (۲) وظیفۂ کریمہ۔ (۳) خجستۂ بہار۔ (۴) احادیث الحبیب المتبرکہ۔ (۵) ترجمہ تقویم البلدان، اور (۶) تواریخ حبیب اللہ۔ جن میں سے "ترجمہ تقویم البلدان" ایک انگریز افسر کو بہت پسند آیا اور یہی بات بظاہر آپ کی رہائی کا سبب ہوئی۔ آپ کی ہندوستان میں مراجعت پر آپ کے شاگرد مولینا لطف اللہؒ نے یہ تاریخی رُباعی لکھ کر پیشِ خدمت کی ؎

چُوں بفضلِ خالقِ ارض و سما — اوستادم شُد ز قیدِ غم رہا

بہرِ تاریخ خلاصِ آں جناب — بر نوشتم إنّ أُستاذی نجا

۱۲۷۷ھ

ہندوستان آکر آپ نے کانپور میں مدرسہ "فیضِ عام" قائم کیا۔ ۱۲۷۹ھ میں بارادۂ حج روانہ ہُوئے۔ جدہ کے قریب جہاز ایک پہاڑی سے ٹکرا کر غرق ہوگیا جس میں یہ علم کا آفتاب بھی غرُوب ہوگیا۔ آپ ایک اعلیٰ پیمانہ کے مُصنّف و مدرّس ہونے کے ساتھ ساتھ بہت بڑے مدبّر اور مجاہد بھی تھے۔ حج پر روانہ ہونے کے وقت اپنے شاگرد مولانا لطف اللہ کو اپنا جانشین مقرر فرما گئے۔ جنہوں نے ابتداءً کانپور اور پھر علی گڑھ میں علومِ دینیہ کی اشاعت کے سلسلہ میں وُہ کارہائے نمایاں انجام دِیے کہ ہندوستان کی علمی دُنیا نے اُن کا "اُستاذ العُلماء" کے خطاب سے اعتراف کیا۔ اُس دَور کے نامور علمائے دین میں سے شاید ہی کوئی ایسا ہوگا جس نے اُستاذ العُلماء کے گلشنِ علم سے فیض حاصل نہ کیا ہو۔ اُس وقت مولینا کی شاگردی فضل و کمال کی سب سے اعلیٰ اور بلند ترین سند شمار ہوتی تھی۔ مولوی عبدالحقؒ دہلوی مصنّف تفسیرِ حقانی، مولینا عبدالغنیؒ کانپوری، مولینا شاہ محمد علی رحمانی مونگھیری، مولینا احمد حسنؒ کانپوری اور حضرت قبلۂ عالم پیر سیّد مہر علی شاہ گولڑوی جیسی برگزیدہ ہستیاں آپ کے شاگردان میں سے ہیں۔ "حیاتِ شیخ الہند" مصنّفہ سیّد اصغر حسین شاہ دیوبندی میں تحریر ہے کہ ایک مرتبہ جامع العلوم کانپور کے جلسۂ دستار بندی کے موقعہ پر عُلمائے دیوبند کے مشہور پیشوا مولینا محمود الحسن دیوبندی تقریر کر رہے تھے کہ مولینا لطف اللہؒ علیگڑھی جلسہ میں تشریف لائے۔ مولینا محمود الحسن نے آپ کو دیکھتے ہی بمنشاءِ ادب و احترام تقریر ختم کر دی۔ اسی طرح عُلمائے بریلوی کے مشہور پیشوا مولینا احمد رضا خاںؒ صاحب بھی آپ کا بیحد احترام فرماتے تھے۔ مولینا سیّد محمود شاہ حال راولپنڈی جو مدّت تک مولینا لطف اللہؒ کے مدرسۂ علی گڑھ میں مدرّس رہ چکے ہیں فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ کسی فتویٰ کے سلسلہ میں مولینا احمد رضا خاںؒ اور مولانا لطف اللہؒ کے درمیان قدرے شکر رنجی پیدا ہوگئی تھی مگر بعد میں صُلح و صفائی ہوگئی اور دوستانہ مراسم قائم رہے۔ مولینا لطف اللہؒ کے اکثر فارغ التحصیل شاگرد مولینا احمد رضا خاںؒ کے کہنے پر اُن کے مدرسہ میں بطور مدرّس بھی ملازم ہوتے رہے جیسا کہ "حیاتِ اعلیٰ حضرت بریلوی" میں تحریر ہے۔

بہرحال ہندوستان کے مدارسِ علمیہ میں سے علی گڑھ کا انتخاب حضرت قبلۂ عالم کے مسلکِ اعتدال کا مظہر ہے۔

حضرت مولینا لطف اللہؒ علمائے ربانیین کا نمونہ اور زُہد و تقویٰ اور خدا پرستی کا مجسمہ تھے۔ طبیعت بے حد مرنجاں مرنج پائی تھی۔ علمائے ہم عصر کے ساتھ بعض فروعی مسائل میں اختلاف ہونے کے باوجُود اُن کے خلاف تعصّب اور تشدّد کا کبھی اظہار نہ فرمایا۔ آپ کی مقبولیت کے لیے یہی سند کافی ہے کہ بریلوی اور دیوبندی ہر طبقہ کے عُلماء کے دِل میں آپ کا بے حد

احترام تھا۔ آپ کی سادگی اور پرہیزگاری کا ایک واقعہ حضرت قبلہ باپوجی مدظلہ العالی بیان فرمایا کرتے ہیں کہ ایک موقعہ پر کسی شادی کی تقریب میں آپ مستورات کے ہمراہ بہلی میں سوار ہو کر سفر فرما رہے تھے کہ راستہ میں راہزنوں نے گھیر لیا۔ آپ نے پوچھا بھئی جان چاہیئے یا مال؟ انہوں نے جواب دیا، مال۔ آپ نے کہا اچھا مستورات کے پردہ کا لحاظ کرتے ہوئے الگ کھڑے رہو۔ میں خود ہی سب زیورات اتروا کر تمہارے حوالے کر دیتا ہوں۔ چنانچہ جب ڈاکو سب کچھ لے کر چل دیے تو ایک بچی نے ماں سے کہا، اماں، دیکھو، میں نے یہ زیور بچا لیا ہے۔ جونہی مولینا کے کان میں یہ آواز پہنچی، فرمایا، افسوس، تم نے مجھے اپنے وعدہ میں جھوٹا کر دیا۔ اور اسی وقت وہ زیور لے کر ڈاکوؤں کے پیچھے دوڑے اور پکارتے جاتے تھے کہ ٹھہرو۔ ٹھہرو۔ وہ ڈرے کہ شاید انہیں کوئی مدد پہنچ گئی ہے اس لیے اور تیز تیز چلنے لگے لیکن مولینا کو اکیلا دیکھ کر بالآخر ٹھہر گئے۔ مولینا نے پہنچ کر ہانپتے ہوئے لڑکی کا زیور پیش کر کے معذرت کی کہ بھئی میری لاعلمی میں یہ زیور رہ گیا تھا۔ اور اس طرح وعدہ خلافی ہو گئی ہے۔ ڈاکوؤں پر اس سادگی اور راست بازی کا کچھ ایسا اثر ہوا کہ تمام لوٹا ہوا مال ان کو واپس کر دیا۔

ان ہی پاک منش بزرگان دین کے انفاس قدسیہ کی برکت تھی کہ ایسے نازک دور میں جب کہ حکومت برطانیہ اور اس کے بہوا خواہ ہندوستان میں علوم اسلامیہ کو ختم کرنے کی ٹھان چکے تھے، مدارس اسلامیہ کا وجود باقی رہا اور علوم دین کے سرچشمے جاری رہے۔ حضرت مولینا اور آپ کے اساتذہ کرام کے حالات پر کتاب "استاذ العلماء" مؤلفہ نواب حبیب الرحمٰن خان شروانی اور تذکرہ مشاہیر کاکوری مؤلفہ مولوی محمد علی حیدر قابل دید ہیں۔

علی گڑھ کے مدرسہ میں تحصیل علم

علی گڑھ میں حضرتؒ نے قریباً اڑھائی برس تعلیم حاصل کی اور اپنی قابلیت، بلند اخلاق اور مثالی کردار کے باعث مولینا لطف اللہ اور دیگر اساتذہ کرام و ہم مکتبوں میں جو مقبولیت و توقیر آپ کو حاصل ہوئی اس کے چند ایک واقعات درج ذیل ہیں۔

یورپی ممتحن کا اعترافِ کمال

جناب مولینا غلام محمدؒ شیخ الجامعہ عباسیہ بہاولپور نے اپنے مسودات میں تحریر کیا ہے کہ میں نے حضرت قبلہ عالمؒ کی زبانی سنا تھا کہ اس زمانہ میں سرسید احمد خاں نے خیال کیا کہ مدارس عربیہ کی اصلاح کی جائے اور جس مدرسہ کی تعلیم ناقص ہو اسے بند کر کے اس کا چندہ و آمدنی علی گڑھ کالج کے مصرف میں لائی جائے۔ چنانچہ انہوں نے مولینا لطف اللہؒ سے کہا کہ آپ اپنے مدرسہ کا سالانہ امتحان دلوایا کریں۔ تاکہ ایک تو سال بھر کی تعلیم کا اندازہ ہو سکے، دوسرا امتحان کے خیال سے طلبار کو زیادہ محنت کرنے کی رغبت ہو۔ چونکہ اکثر طلبار پنجابی اور پٹھان تھے جو اچھی طرح لکھائی نہ جانتے تھے۔ اس لیے مولینا اس بارہ میں قدرے متامل ہوئے۔ حضرت قبلہ عالمؒ نے کہا آپ فکر نہ کریں ہم تقریری یا تحریری ہر قسم کے امتحان کے لیے تیار ہیں حضرتؒ خوش نویس تھے۔ اور مشہور خوشنویس منشی غلام احمد ساکنہ کھیکی سے باقاعدہ مشق کی ہوئی تھی۔ منشی غلام احمد تمام مروجہ خطوط سے واقف تھے اور ان پر عبور رکھتے تھے۔ یہ اپنی آخر عمر میں مجذوب ہو گئے تھے۔ حضرتؒ نے ان کی گذر اوقات کے لیے وظیفہ مقرر فرما رکھا تھا اور آخر وقت تک ان کی خبرگیری فرماتے رہے تھے۔ حضرتؒ کے اس فرمانے پر مولینا لطف اللہ بہت خوش ہوئے اور طلبار کا امتحان دلوانا منظور فرما لیا۔ سرسید نے اپنے طور پر ایک یورپ کے رہنے والے عالم و فاضل کو امتحان لینے

کے لیے بُلوایا تھا۔ مولینا نے امتحان سے ایک روز قبل آزمائشی طور پر خود طلباء کا امتحان لیا اور حل کے لیے اقلیدس کا پرچہ دیا۔ حضرتؒ فرماتے تھے کہ میں نے اقلیدس کی شکل مسئولہ کا پہلے وُہ جواب تحریر کیا جو اقلیدس میں دیا ہوا ہے۔ پھر اُس پر اپنی طرف سے اشکالات و اعتراضات کیے اور شکل مسئولہ پر اپنا حل تحریر کیا۔ مولینا نے میرے جوابات کو بے حد پسند فرمایا اور اُنہیں ایک لفافہ میں بند کر کے مُمتحن صاحب کے پاس بھیج دیا۔ اگلی صُبح تمام طُلباء اُجلے کپڑے پہنے، کاغذ قلم دوات لیے صف بنا کر مُمتحن صاحب کے انتظار میں بیٹھے رہے مگر وُہ تشریف نہ لائے۔ جب بہت دیر ہو گئی تو سر سیّد کو اطلاع دی گئی۔ اُنہوں نے کہلا بھیجا کہ مُمتحن صاحب رات کو بغیر بتلائے چلے گئے ہیں اور پیغام چھوڑ گئے ہیں کہ جو طلباء اقلیدس پر اعتراض کر سکتے ہیں، مجھ میں اُن کا امتحان لینے کی اہلیت نہیں بلکہ اپنی سُبکی کا اندیشہ ہے۔ حضرتؒ فرماتے تھے کہ مولینا یہ سُن کر بہت خُوش ہُوئے اور مجھے بہت دُعائیں دیں کہ تم نے ہمارے مدرسہ کو بچا لیا ورنہ سر سیّد اسے ختم کرا دیتے۔

ایک مجذوب کا اظہارِ حیرت

حضرتؒ فرماتے تھے کہ ایک روز مَیں اپنی باری پر ہدایہ شریف کا سبق لینے مولینا کے کمرہ کی جانب جا رہا تھا چونکہ مطالعہ کا موقعہ نہ مِلا تھا اِس لیے جاتے ہُوئے سر پر پگڑی بھی لپیٹتا جاتا تھا اور کتاب کھول کر مطالعہ بھی کرتا جاتا تھا۔ مسجد میں حوض کے کنارے ایک مجذوب پڑا رہتا تھا۔ اُس نے باآوازِ بلند پکار کر کہا پیر جی، مرغینانی نے اِس کتاب کو اٹھارہ سال میں لکھا ہے اور آپ چلتے چلتے اس کا مطالعہ کرتے ہیں۔" (مرغینانی سے اُن کی مُراد مصنّفِ ہدایہ" علّامہ بُرہان الدینؒ مرغینانی تھا)

طالبِ علمی میں جُود و کرم اور ریاضت و مجاہدہ کی شان

علیگڑھ آنے پر بڑے پیر صاحبؒ نے حضرت قبلۂ عالمؒ کے لیے ساٹھ روپے ماہوار وظیفہ مقرر فرمایا تھا جو ماہ بماہ وقتِ معیّنہ پر پہنچتا رہتا۔ مگر حضرتؒ اِس رقم کو طُلباء میں تقسیم فرما دیا کرتے اور خود اکثر روزہ یا فاقہ سے رہتے۔ آپ کے ہم جماعتوں میں سے کئی طلباء شہر کی مساجد میں اِمامت کے فرائض بھی انجام دیتے تھے اور جمعرات کو بہت سا کھانا لا کر آپ کی خدمت میں پیش کرتے۔ آپ اپنے نفس سے مخاطب ہو کر کہتے کہ لے کھالے۔ مگر ہفتہ بھر کا فاقہ زدہ کھاتا تو کیا کھاتا۔ چند لُقمے تناول فرما کر سب کچھ واپس کر دیتے۔

مولینا عبداللہ ٹونکی سے ایک طالبِ علمانہ بحث

مولانا شیخ الجامعہؒ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرتؒ کے قیامِ علیگڑھ میں ایک خاص واقعہ پیش آیا جو میں نے خود آپ کی زبانی سُنا۔ حافظ عبدالقدوسؒ سکنہ مکھڈ ضلع کیمبل پُور، صرف و نحو کے بڑے ماہر تھے اور تمام درسی کتابیں اُن کو یاد تھیں ابتدائی تعلیم پنجاب میں اور باقی تمام علوم کی تحصیل مولینا لُطف اللہؒ علیگڑھی سے کی تھی۔ وُہ سال دو سال کے بعد ہمیشہ حضرت مولینا کی زیارت کو علی گڑھ آتے اور کئی کئی ماہ وہاں قیام فرماتے۔ اِتفاقاً حافظ صاحب کی موجودگی میں مولینا عبداللہ ٹونکی بھی جو مولینا کے شاگرد تھے اور مدرسہ فتحپوری دہلی کے اوّل مدرّس تھے، حضرت مولینا کی زیارت کو آئے۔ مولینا عبداللہ کے حافظ عبدالقدوس سے بھی تعلقات تھے۔ حافظ صاحب نے حضرت قبلۂ عالمؒ سے کہا پیر جی، یہ مولوی عبداللہ اپنے علم پر بہت نازاں ہیں۔ اِن سے کچھ

علمی گفتگو ہو جائے تو خوب رہے گی۔ چنانچہ ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ مولینا لطف اللہؒ سے جماعت کو سبق پڑھانے کے دوران جب کہ مولینا ٹونکی بھی حاضر تھے کسی لڑکے نے کوئی سوال پوچھا۔ مولینا عبداللہ نے اپنے استاد محترم کی اجازت کے بغیر پیش دستی کر کے اُسے جواب دیا۔ حضرت قبلۂ عالم کو اُستادِ عالی پر اُن کی یہ سبقت ناگوار گذری۔ آپ نے اُستادِ محترم کی طرف دیکھا اور اُن کے چہرے سے اشارہ پا کر، علمِ نحو کی زیرِ سبق کتاب "کافیہ" کی ابتدائی عبارت "اَلْکَلِمَۃُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًی مُفْرَدٍ" کے متعلق مولینا عبداللہ ٹونکی سے سوال کیا کہ مُفرد کو مجرور پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ مولوی عبداللہ صاحب نے جواب دیا۔ جائز ہے۔ حضرتؒ نے اعتراض کیا کہ جس وقت کسی فعل کا تعلق کسی اسم موصوف سے ہو تو اتصاف حالتِ تعلق کے وقت ہوتا ہے۔ یہاں لِمَعْنًی کا تعلق وُضِعَ سے ہے اور بتقدیر جر معنی موصوف ہوگا۔ پس لازم آئے گا کہ معنی کا افراد بحالتِ وضع ہو حالانکہ وضع افراد و ترکیب کا سبب ہے اور مسبّب سبب کے بعد ہوتا ہے۔

مولینا عبداللہ نے فرمایا کہ آپ نے اعتراض میں غلطی کی ہے۔ آپ کو کہنا چاہیئے تھا کہ اتصاف تعلق سے قبل ہوتا ہے نہ کہ حالتِ تعلق میں۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ جاءَنِی الرَّجلُ الرّاکب میں رکوب مجی سے پہلے نہیں ہوگا بلکہ مجی اور رکوب کی مقارنت ہے۔ مولینا عبداللہ نے کہا کہ "شرح جامی" میں تو قبل الوضع کا لفظ موجود ہے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ مولوی عبدالحکیم سیالکوٹی نے حاشیہ عبدالغفور میں لکھا ہے کہ قبل الوضع کا لفظ سہو من الناسخ ہے اور صحیح نسخہ میں مع الوضع ہے۔

یہاں مولوی عبداللہ صاحب خاموش ہو گئے۔ یہ دیکھ کر جناب مولینا لطف اللہؒ نے کتاب بند کر کے سبق ختم کر دیا اور حضرتؒ کی تقریر سے بہت خوش ہوئے۔ حافظ عبدالقدوس نے اپنی خوشی کا اظہار عجیب عجیب طریقوں سے کیا جس کا علم ہونے پر مولوی عبداللہ صاحب بہت طیش میں آئے اور اگلے روز مدرسہ میں آکر حضرتؒ کے ساتھ مناظرہ کا چیلنج دینے لگے۔ مگر حافظ عبدالقدوس کے سمجھانے سے مرعوب ہو کر لوٹ گئے۔

پھر ایک زمانہ آیا کہ یہی مولینا عبداللہ ٹونکی حضرتؒ کی تصانیف پڑھ کر عش عش کرتے تھے۔ اور جب لاہور میں قادیانی معرکہ کے وقت حضرتؒ نے علمائے اہلِ سُنّت و اہلِ حدیث کے سامنے قادیانی مسلک کی جانب سے اُن پر امتحاناً سوالات کر کے اُن کے جوابات بھی دیئے تو مولوی عبدالجبار غزنوی اور مولینا عبداللہ ٹونکی نے بیک زبان دیگر علماء کے ہمراہ اعلان کیا کہ قادیانی مذہب کا آپ کے دلائل و جوابات سے بہتر جواب ممکن ہی نہیں۔ جناب بابو جی قبلہ مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ مولوی عبداللہ ٹونکی نے انگریز حکومت میں بنکوں کے سُود کے بعض حالات میں جائز ہونے پر ایک رسالہ لکھا تھا۔ جسے لاہور کے سفر کے دوران حضرت قبلۂ عالمؒ کی خدمت میں پیش کر کے رائے تحریر فرمانے کی عرض کی تھی۔ حضرتؒ نے اُنہیں تخلیہ میں سمجھایا کہ میری رائے اِس مؤقف کے خلاف ہے۔ چنانچہ مولوی صاحب نے اپنی رائے تبدیل کر کے رسالہ واپس لے لیا اور آئندہ حضرتؒ کے مؤقف کے مطابق رہے۔

طالب علمی میں رشک انگیز تدریس

مدرسہ علی گڑھ میں حضرتؒ کا بہت شہرہ ہو گیا تھا۔ اُستاد صاحبان اور طلبا سب ہی آپ کی ذہانت اور نکتہ رسی کے قائل اور معترف تھے۔ طلباء کا رجوع آپ کی طرف اِس قدر ہوا کہ یہاں بھی آپ کو اپنا ایک علیحدہ درس قائم کرنا پڑا۔ ایک پٹھان طالب علم محمود نامی بھی اپنی قابلیت کی وجہ سے مشہور تھا۔ اور کچھ طالب علموں کو درس دیا کرتا تھا۔ لیکن حضرتؒ

کے کمال کے پیشِ نظر اکثر طلباء یکے بعد دیگرے محمود صاحب کو چھوڑ کر آپ کے درس میں آنے لگے۔ حتیٰ کہ محمود صاحب کے پاس صرف ایک طالب علم رہ گیا جسے اُس نے کہا کہ اگر تم نے بھی مجھے چھوڑ کر پیر کے پاس سبق شروع کر دیا تو میں تمہیں قتل کر دُوں گا۔

ایک روز یہ طالب علم حضرتؒ کے پاس آکر کہنے لگا کہ میں آپ کے پاس پڑھنا چاہتا ہُوں۔ آپ مجھے اپنے درس میں آنے کی اجازت بھی دیں۔ اور محمود صاحب سے میری حفاظت بھی کریں۔ آپ نے فرمایا۔ بے شک آجاؤ، میں پڑھاؤں گا بھی اور اِنشاء اللہ تمہاری حفاظت بھی کروں گا۔ چُنانچہ وُہ آگیا۔ ایک رات محمود نے مسجد کے اندر سے کُنڈی لگائی اور اُس طالب علم کے سِینہ پر چڑھ کر اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنانا چاہا تو طالب علم نے شور مچا کر حضرتؒ کو مدد کے لِئے پُکارا۔ آپ نے بڑی مُشکل سے کُنڈی کھُلوائی اور اُس پٹھان کو نیچے پٹخ کر، اُس کے سِینہ پر سوار ہو کر اُس سے عہد لیا کہ آئیندہ ایسی حرکت نہیں کرے گا۔

ذہنی اور رُوحانی قویٰ کے ساتھ جِسمانی طاقت

اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ ذہنی اور رُوحانی قوتوں کے ساتھ ساتھ حضرتؒ کو جسمانی قوتوں سے بھی نوازا تھا۔ گو آپ کا بیشتر وقت تحصیلِ علم اور عبادتِ الٰہی میں بسر ہوتا تھا۔ اور شاید گھوڑے کی سواری کے علاوہ عُمر بھر کسی دُوسری ورزش کا اہتمام نہ ہوسکا لیکن آپ کی صِحت اور اعصاب باقاعدہ ورزش کرنے والوں سے کسی طرح کم نہ تھے۔ حتیٰ کہ ساٹھ برس کی عُمر تک آپ کے بازوؤں پر چُٹکی نہیں لی جاسکتی تھی۔

جناب بابُوجی مدظلہ فرماتے ہیں کہ ایک عقیدت مند پہلوان نے کُشتی میں فتح و کامیابی کے لِئے دُعا کی اِستدعا کی تو فرمایا ذرا پاؤں تو دابو، دیکھیں تم میں کتنا زور ہے۔ اُس نے تھوڑی دیر تک پُوری قوت سے آپ کے پاؤں دابے اور پھر اُس کا پسینہ پھُوٹ نِکلا مگر آپ خاموش بیٹھے رہے۔ آخر مُسکرا کر فرمانے لگے۔ بس اسی بل بوتے پر پہلوانی کرتے ہو۔ حالانکہ وُہ بہت مضبُوط جسم اور طاقتور اِنسان تھا۔

علی گڑھ میں تعلیم سے فارِغ ہو کر آپ نے کوئی سند وغیرہ حاصل نہ کی کیونکہ مدارسِ اسلامیہ میں عام طور پر صرف سندِ حدیث کو کافی سمجھا جاتا تھا۔ جس کے حصُول کے لِئے آپ بالآخر سہارن پُور میں مولٰینا احمد علی محدّثؒ کے درس میں جا کر داخل ہو گئے۔

مولٰینا لُطف اللہؒ سے مُلاقات کے لِیے دوبارہ سفرِ ہند و حصُولِ سندات

۱۹۱۶ء ہندوستان

حضرتؒ کے مسندِ ارشاد پر متمکن ہونے کے کافی عرصہ بعد آنجناب کے فرزندِ ارجمند حضرت بابُوجی مدظلہ العالی ہندوستان میں گئے اور اپنے والدِ ماجد کے اُستادِ مُحترم مولٰینا لُطف اللہؒ کی زیارت کے لِئے علی گڑھ بھی حاضر ہُوئے۔ آپ کے ہمراہ لنگرِ عالیہ کے خادم میاں عبداللہ اور چاندی نامی خدمت گار بھی تھے۔ آپ نے اُنہیں منع فرمایا کہ گولڑہ کا ذکر نہ کرنا۔ چنانچہ مولٰینا کی خدمت میں حاضری ہُوئی اور کچھ ہدیہ پیش کر کے دُعا کے لِئے اِستدعا کی تو آپ نے پُوچھا۔ کہاں سے آئے ہو؟ جناب بابُوجی نے عرض کی کہ راولپنڈی کے قریب ایک چھوٹا سا قصبہ ہے وہاں سے حاضر ہُوا ہُوں۔ اِس دَوران میاں عبداللہ کے مُنہ سے غیر ارادی طور پر گولڑہ شریف کا نام نِکل گیا۔ حضرت مولٰینا باوجُود ضعیفُ العُمری کے بھانپ گئے اور فرمایا، اچھا، وہاں

تو ہمارے ایک عزیز رہتے ہیں، تم اُن کے فرزند تو نہیں ہو؟ جواب میں جی ہاں عرض کرنے پر بجد شفقت سے پیش آئے اور فرمایا، تم ہمارے عزیز کے عزیز ہو۔ اِس کے بعد عجیب سے شکوہ آمیز اُداس لہجہ میں فرمایا کہ اُنھوں نے تو ہمیں بھلا ہی دیا۔ جناب بابوجی فرماتے ہیں کہ اس جملہ کا میری طبیعت پر بہت اثر ہوا۔ اور واپس آتے ہی حضرتؒ کی خدمت میں اس کا ذکر کیا تو آپ نے بھی بہت محسوس فرمایا۔ اور کچھ عرصہ بعد بہت سے تحائف لے کر علیگڑھ اُستادِ محترم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

حضرت مولٰینا لُطف اللہؒ اُس وقت ہندوستان میں اُستاذ الکُل تھے اور آپ کے شاگردوں کا سلسلہ مُلک کے طول و عرض میں پھیلا ہوا تھا۔ حضرت قبلۂ عالم کے وُرودِ علیگڑھ کا سُن کر بے شمار عُلمائے کرام جمع ہو گئے۔ اور کئی روز تک علوم و معارف کی مجالس گرم رہیں۔ افسوس ان شاندار علمی صحبتوں کی رُوئداد کسی نے محفوظ نہ کی۔ اور نہ اِن مجالس کے شُرکا میں سے اس وقت کوئی زندہ ہے جس کی زبانی یادداشت سے ہی کوئی بات معلوم ہو سکتی۔ جناب بابوجی مدظلہٗ اس سفر میں ہمراہ نہ تھے اِس لئے وُہ بھی اس موضوع پر کوئی روشنی نہیں ڈال سکتے۔ بہر حال آپ کے اِس قیامِ علیگڑھ سے آپ کے علمی و عرفانی کمالات کا شہرہ ہندوستان کے طُول و عرض میں ہو گیا۔ مولٰینا سید محمود شاہ جو اُن ایام میں وہاں مدرّس تھے رُخصتوں پر اپنے وطن پشاور آئے ہُوئے تھے وُہ کہتے ہیں کہ جب میں واپس ڈیوٹی پر پہنچا تو ہر جگہ صُبح و شام حضرت قبلۂ عالمؒ کا ذکرِ خیر ہی سُننے میں آیا اور مولٰینا لُطف اللہ صاحبؒ اور دیگر عُلمائے کرام آپ کی علمی و عرفانی صلاحیتوں اور معلُومات کی تعریف میں رطبُ اللّسان تھے۔ شاہ صاحب کہتے ہیں کہ اُس وقت سے میرے دل میں حضرتؒ کی عقیدت پیدا ہو گئی۔ اور اگرچہ میں ایک سخت خیال اِنسان تھا یہ عقیدت مجھے کشاں کشاں آستانۂ عالیہ گولڑہ شریف پر لے آئی۔ مگر افسوس کہ مجھے یہ حاضری اُس وقت نصیب ہُوئی جب حضرت قبلۂ عالم اس دارِ فانی سے رحلت فرما چکے تھے۔

مولٰینا لُطف اللہؒ کی طرف سے عطیۂ سندات

حضرت قبلۂ عالم کے اِس سفر کی اہم یادگار یہ ہے کہ مولٰینا لُطف اللہ صاحبؒ نے حضرت قبلۂ عالم کو قرآن مجید، کتب احادیث صحاح ستّہ وغیرہ اور بعض خصُوصی احادیث کی سندات عطا فرمائیں جو اس وقت تک تبرّکاتِ عالیہ میں محفوظ ہیں۔ یہاں تبرّکاً بعض اقتباسات درج کیے جاتے ہیں۔

۱۔ اِجازت نامہ کُتُب حدیث صحاح ستّہ وغیرہ

اس اِجازت نامہ میں خُطبہ کے بعد تحریر فرماتے ہیں:۔

وبعد فیقول خادم المحدّثین المهدیّین لُطف الله ابن اسد الله اِنّی اجزت الاخ الاعز المولوی الفاضل سیّد محمد مهر علی شاه سلمه الله تعالیٰ بروایة کتب الصحاح وغیرها کما اجازنی بها عمدة المحدّثین الشیخ الاجل مولینا آل احمد بن محمد امام ابن نعمة الله الفلواری البهاری الخ

حمد و صلوٰۃ کے بعد محدّثین مہدیّین کا خادم لُطف اللہ بن اسد اللہ کہتا ہے کہ میں کُتب احادیث صحاح ستّہ وغیرہ کی روایت کی اجازت برادرِ عزیز مولوی فاضل سیّد محمد مہر علی شاہ سلمہ اللہ تعالیٰ کو دیتا ہُوں جس طرح عُمدۃ المحدّثین شیخ اجل مولٰینا آلِ احمد بن محمد امام ابن نعمت اللہ پھلواروی بہاری نے مجھے کتب مذکورہ کی روایت کی اجازت فرمائی۔

اِس کے بعد سند میں تمام کُتب کے مصنفین تک سلسلۂ اسناد کو ذکر فرمایا ہے۔

۲۔ اجازت نامہ مشکوٰۃ شریف

یہ اجازت نامہ مولینا مفتی عنایت اللہ کاکوروی کی سند متصل کے ساتھ مصنفِ کتاب علامہ خطیب تک پہنچتا ہے۔ اس کے آخر میں تحریر فرماتے ہیں:-

انی اجزت الاخ العزیز السعید الفاضل اللوذعی سیّد محمد مہر علی شاہ افاض اللہ علیہ سجال المنّ والاحسان للکتاب المذکور وفقہ اللہ لتدریسہٖ والاستفادۃ بانوارہٖ و اٰخر دعوانا ان الحمد للّٰہ ربّ العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ حبیبہٖ سیّد المرسلین محمدٍ و اٰلہٖ واصحابہٖ اجمعین

میں برادر سعید فاضل ذکی سیّد محمد مہر علی شاہ (جنہیں اللہ تعالیٰ اپنی بہترین نعمات و احسان سے مستفیض فرمائے) کو اس کتاب مذکور کی اجازت دیتا ہوں اللہ تعالیٰ انہیں اس کی تدریس اور اس کے انوار سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائیں۔ والحمد للّٰہ ربّ العالمین اور صلوٰۃ وسلام اللہ تعالیٰ کے حبیب سیّد المرسلین محمد مصطفےٰ اور آپ کی تمام آل واصحاب پر ہوں۔

۳۔ اجازت نامہ قرآن مجید، ترجمہ وتفسیر

خطبہ کے بعد تحریر فرماتے ہیں:-

امابعد می گوید محمد لطف اللہ بن محمد اسد اللہ غفر لہما کہ بعض سورِ قرآن مجید شنیدم از عزیز دل وجانم مولوی حاجی سیّد محمد مہر علی شاہ سلمہ اللہ تعالیٰ وایشاں را اجازت ہست کہ تعلیم حضرتِ قرآن مے کردہ باشند و امور موقوف علیہ قرآن را از رسائل وکتبِ ثقات تحقیق کردہ باشند وایں فقیر را سند واجازت حضرتِ قرآن از خدمتِ حضرت مولینا قاری محمد عبدالرحمٰن غفرلہ پانی پتی حاصل شدہ واوشاں را از خدمتِ حضرت مولینا محمد اسحاق صاحب قدس سرہٗ حاصل شدہ الیٰ آخر سندہٖ

اس کے بعد محمد لطف اللہ ابن محمد اسد اللہ غفر لہما کہتا ہے کہ میں نے قرآن مجید کی بعض سورتیں اپنے دل وجان کے عزیز مولوی حاجی سیّد محمد مہر علی شاہ سلمہ اللہ تعالیٰ سے سُنی ہیں۔ اُنہیں اجازت ہے کہ حضرتِ قرآن کی تعلیم دیا کریں۔ اور جن امور پر قرآن مجید موقوف ہے اُن کی تحقیق معتبر کُتب ورسائل سے کرتے رہیں۔ اس فقیر کو قرآن مجید کی سند اور اجازت حضرت مولینا قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی غفرلہٗ سے حاصل ہوئی۔ اُنہیں حضرت مولینا محمد اسحاق قدس سرہ سے ملی۔

۴۔ اجازت نامہ حدیث ضیافت الاسودین

یہ اجازت نامہ بھی اسی سابقہ سند کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی تک متصل ہے۔ اس حدیث کی اجازت آپؒ نے بعض علمائے کرام کو بھی عطا فرمائی۔ چنانچہ ایک اجازت نامہ حضرت شیخ الجامعہ مولینا غلام محمد گھوٹوی کے نام پر مکتوبات مطبوعہ میں موجود ہے۔ اس حدیث کی خصوصیت یہ ہے کہ ہر راوی بیان کرتا ہے کہ مجھے اُستاد نے یہ حدیث روایت کرتے ہوئے پانی اور کھجور کی ضیافت سے بھی نوازا۔ پانی اور کھجور کو اہلِ عرب اسودین کہتے ہیں اور مسلمان کی ضیافت کرنے کی یہ فضیلت بیان کی گئی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے ایک مومن کی ضیافت کی اُس نے گویا حضرت آدمؑ کی ضیافت کی۔ جس نے دو کی ضیافت کی۔ اُس نے گویا حضراتِ آدمؑ وحوّاؑ کی ضیافت کی۔ جس نے تین مومنوں کی ضیافت کی۔ اُس نے گویا حضرات جبرائیلؑ، میکائیلؑ واسرافیلؑ کی ضیافت کی۔ چار کی صورت میں تورات۔ انجیل۔ زبور اور قرآن پڑھنے کا ثواب حاصل کیا۔ پانچ کی صورت میں گویا پیدائشِ عالم سے قیامت تک پانچوں نمازیں باجماعت ادا کیں۔ چھ کی حالت میں گویا اولادِ اسماعیلؑ سے ساٹھ غلام آزاد کیے۔ سات کی صورت میں اُس پر جہنّم کے ساتوں دروازے بند کیے گئے۔ آٹھ میں جنّت کے آٹھوں دروازے اُس پر کھولے گئے۔ نو کی حالت میں

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على رسوله محمد وآله واصحابه اجمعين اما بعد فيقول العبد الراجي الى رحمة الله محمد لطف الله عفي له اجازني بهذه الرسالة الشريفة للكتب المندرجة فيها المولى الاعظم الشيخ الاجل الافخم العلامة الفهامة مولانا المفتي محمد عنايت احمد غفر له الصمد قال اجازني بها المولى المعظم الشيخ الاجل الافخم الشهير بالمحاسن في الآفاق مولانا محمد اسحٰق اعلى الله درجاته في الجنة وقال اجازني بها الشيخ الاكمل المحدث الامثل الشيخ عمر بن عبد الرسول المكي عن الشيخ الاجل مولف الرسالة مولانا محمد سعيد بن محمد سنبل وانا اجزت بها للاخ الاعز العالم العليم الفاضل الكامل اللوذعي المولوي السيد محمد مهر عليشاه رقاه الله الى ما يرضاه واوصله الى ما يتمناه وبارك فيه ونشر به العلوم الدينية سيما علم الحديث الذي سما معاليه وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على خير خلقه محمد وآله اجمعين

محمد لطف الله

سند عنایت کردہ مولانا لطف اللہ صاحبؒ (صفحہ ۷۹)

بسم الله تعالی

الحمد لله رب العالمین والصلوة والسلام علی رسوله محمد وآله

واصحابه اجمعین اما بعد فیقول العبد الراجی رحمة ربه القوی

احمد علی السهارنفوری ان المولوی مهر شاه بن پیر بخش الولی بن شاه کن

گولره ضلع راولپنڈی قد عرض علی النصف الاول

من الصحیح للبخاری واکثر الصحیح لمسلم رحمهما الله تعالی وسمع منی

وانی قد عرضت الکتابین وغیرهما علی الشیخ المکرم ومولانا الاعظم

مولوی محمد اسحق الدهلوی رحمه الله تعالی وقد اجازنی

وانا اجیز للمولوی مهر شاه ان یشتغل بالکتابین وغیرهما من

کتب الحدیث وبعلم المستفیدین بها بالشروط المعتبرة

المعتبرة عند اهل الحدیث وبالمراجعة الی الشروح والله اسئل

وعلیه التکلان وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین حرره فی الصمد

سنة خمس وتسعین بعد الالف والمائتین من الهجرة ۱۲۹۵

سند کتب الحدیث عنایت کردہ ۱۲۹۵ھ مولانا احمد علی صاحب سہارنپوری (صفحہ ۸۴)

اللہ تعالیٰ اُس کے لیے تمام گنہگاروں کے عدد کے برابر نیکیاں لکھ دیتے ہیں۔ دس مسلمانوں کی ضیافت کی صورت میں اللہ تعالیٰ اُس شخص کو ہمیشہ روزہ رکھنے والے، حج اور عمرہ کرنے والے کے ثواب کے برابر ثواب عطا فرماتا ہے۔

حدیث متذکرہ بالا کے بعض راویوں کے متعلق امام سخاویؒ وغیرہ محدثین نے اعتراضات کئے ہیں۔ مگر سند میں خاتم المحدثین حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور اُن کے والدِ محترم حضرت شاہ ولی اللہ محدث جیسی شخصیتوں کا پایا جانا اس کی صحت پر دلالت کرتا ہے۔

۵۔ حدیث شریف مسلسل بالاولیۃ اس حدیث کی سند حضرت قاری عبدالرحمٰن پانی پتیؒ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک ہے۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ ہر راوی بیان کرتا ہے کہ یہ پہلی حدیث ہے جو اُس نے اپنے اُستادِ محترم سے سُنی ہے مضمون یہ ہے :-

الرّاحمون یرحمہم اللہ الرحمٰن تبارک وتعالیٰ ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء

رحم کرنے والوں پر اللہ تبارک وتعالیٰ رحم فرماتے ہیں زمین والوں پر رحم کرو تاکہ آسمان والے تم پر رحم کریں۔

۶۔ سند رسالہ حدیث مولینا محمد سعید سنبل رسالہ مصنفہ مولینا محمد سعید ابن محمد سنبل حدیث کی مشہور کتابوں کی ہر پہلی حدیث کے متن اور اُن کی اسناد پر مشتمل ہے۔ عموماً کسی محدث سے بطور تبرک سند لینے کی صورت میں یہ رسالہ متداول ہے۔

۷۔ سند حدیثِ مصافحہ اس حدیث کی روایت میں راویوں کی تعداد بہت کم ہے۔ کیونکہ اُن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک جن صحابی قاضی شمہورشؓ نامی شامل ہے۔ اور جنات کی عمریں بہت طویل ہوتی ہیں۔ اس حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شمہورشؓ صحابی جو قومِ جن سے تھا کو فرمایا کہ اے شمہورش میرے ساتھ مصافحہ کر۔ کیونکہ جس نے مجھ سے مصافحہ کیا، یا میرے ساتھ مصافحہ کرنے والے سے مصافحہ کیا۔ اسی طرح سات واسطوں تک ـ وُہ جنّتی ہوگا۔ حدیث ضیافت ومصافحہ کی اجازت حضرتؒ نے بہت سے حضرات کو عطا فرمائی۔ جن میں سے حضرت قبلہ بابُوجی مدظلہ، حضرت دیوان سید محمد سجادہ نشین پاک پتن شریف اور مولانا غلام محمد شیخ الجامعہ عباسیہ بہاول پُور خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

شمُولیّت درسِ حدیث بمقام سہارن پُور

سہارن پُور میں شیخ الحدیث مولینا احمد علیؒ فنِ حدیث کے امام تصوّر کِئے جاتے تھے۔ بخاری شریف پر آپ کے حواشی آپ کی علمیّت وقابلیّت کا بیّن ثبوت ہیں۔ آپ مولینا عبدالحی (بحر العلوم) لکھنوی اور شاہ عبدالقادر دہلوی کے شاگرد تھے ۱۲۶۱ھ میں مکّہ شریف جاکر خاندان ولی اللّٰہی کے مشہور چشم وچراغ شاہ محمد اسحاق سے دوبارہ درسِ حدیث لے کر سند حاصل کی۔ کتاب "انوار الاولیاء" میں حضرت حاجی امداد اللہ مُہاجر مکّی کے حالات میں تحریر ہے کہ جب مولینا احمد علیؒ مکّہ شریف میں حاجی صاحبؒ سے ملے تو اُنھوں نے کہا کہ مولینا چُونکہ میں نے آپ سے گلستان کے اسباق پڑھے ہیں اس لئے آپ میرے اُستاد ہیں۔ اگر محسوس نہ فرمائیں تو مشورۃً عرض کرتا ہُوں کہ دُوسروں کے مدارس میں ملازمت کرنے کی بجائے اپنا درسِ حدیث شروع کیجیے تو زیادہ مُفید رہے گا۔ اس لئے واپس آکر مولینا نے سہارن پُور میں حدیث شریف کی تعلیم وتدریس کا اپنے یہاں

الگ اہتمام فرمایا اور صدہا علماء کو محدّث بنا دیا۔ ہندوستان میں ہر طبقہ کے علماء میں سے اکثر کی سندِ حدیث آپ تک پہنچتی ہے فنِ حدیث میں جہاں آپ دیوبندی علماء کے پیشوا مولوی محمود الحسن صاحب کے اُستاد ہیں وہاں خاندانِ غوثیہ کے چشم و چراغ حضرت قبلۂ عالم گولڑوی اور مولینا سید محمد علی شاہ مونگھیریؒ جیسی آفتابِ معرفت ہستیاں بھی آپ سے مستفیض ہیں۔ حضرت مولینا احمد علیؒ خود حنفی مسلک کے تھے مگر حلقۂ درس وسیع ہونے کے باعث ہر مکتبِ فکر کے طلباء اُس میں شامل ہو کر مستفیض ہوتے تھے۔

حضرت قبلۂ عالم قدس سرہ جب مولینا احمد علیؒ سہارنپوری کی خدمت میں پہنچے تو اُنہوں نے آپ کو اپنے درس میں داخل کرنے سے عُذر کیا اور کہا کہ کُتبِ حدیث کے تمام نسخے ختم ہو چکے ہیں۔ اس لئے آپ کسی دُوسری جگہ جا کر حدیث پڑھیں حضرتؒ حیران ہُوئے اور دیگر طلباء بھی متعجب ہُوئے۔ کیونکہ اس قسم کا جواب مُولینا کی عادت و معمول کے قطعاً خلاف تھا تجسس پر معلوم ہوا کہ حضرتؒ کے سہارنپور پہنچنے سے قبل علی گڑھ والے پٹھان طالب علم محمود نے انتقام لینے کی خاطر ایک خط مولینا کو لکھ دیا تھا کہ اس نام اور اس حُلیہ کا ایک طالبِ علم آپ کے پاس حدیث پڑھنے آ رہا ہے۔ اسے حصُولِ علم کا شوق کم اور طلباء و اُستاد کو تنگ کرنے اور فتنہ و فساد برپا کرنے کا اشتیاق زیادہ ہے۔ لہٰذا اُس کا آپ کے درس میں داخلہ شرّ و فساد کا باعث ہوگا۔ اس اطلاع سے متاثر ہو کر مولینا نے حضرتؒ کو اجازتِ شمُولیت درس دینے سے اجتناب کیا۔ حضرتؒ نے اس کی تردید کا تو کوئی اقدام نہ کیا البتہ مؤدبانہ اصرار سے مولینا سے سبق میں شامل ہونے کی اجازت حاصل کر لی لیکن مولینا آپ کے سبق پڑھنے کی نوبت نہ آنے دیتے تھے کہ خُود ہی بددل ہو کر چلا جائے گا۔ آپ نے صبر و استقلال سے کام لیا اور آہستہ آہستہ سبق دوہرانے کے اوقات میں آپ کے اخلاقِ عالیہ اور ذہانت کا علم تمام طلباء کو ہو گیا جنھوں نے یہ کوائف حضرت مولینا کی خدمت میں عرض کر کے کہا کہ ایسے شخص کے خلاف ایسی شکایت سراسر غلط اور بے بُنیاد ہے۔ چنانچہ ایک روز آپ کے سبق پڑھنے کی نوبت بھی آ گئی تو مولینا آپ کی قابلیت دیکھ کر دنگ رہ گئے اور اُن کو یقین ہو گیا کہ شکایت واقعی بے جا تھی۔ اس کے بعد وُہ حضرتؒ کے حال پر بے حد توجہ فرماتے رہے اور اسباق میں آپ کے ساتھ امتیازی سلُوک فرماتے تھے۔ جو نکتہ حضرتؒ دریافت فرماتے اُس کا بہت زیادہ خیال فرماتے۔ حتیٰ کہ بتدریج مولینا کو حضرتؒ سے بیحد محبت و شفقت پیدا ہو گئی۔

حدیث قُومُوا اِلیٰ سَیِّدِکُمْ پر بحث

حضرتؒ فرماتے تھے کہ مولینا احمد علیؒ کے درس میں ہم دو طالبِ علم، مولینا وصی احمدؒ پیلی بھیتی اور مَیں حنفی المذہب تھے۔ باقی اکثر و بیشتر طلباء غیر مقلّد تھے۔ درس کے دَوران اکثر اختلافی مسائل پر بحث چھڑ جاتی تھی اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہمیشہ حنفی مذہب کی فوقیت ہی ثابت ہوتی۔ غیر مقلّد میری موجُودگی کو اپنی شکست سمجھتے تھے۔ ایک روز حدیث قُومُوا اِلیٰ سَیِّدِکُمْ پر بحث چلی کہ قیام حضرت سعدؓ کی تعظیم کے لئے تھا یا اُن کے زخمی ہونے کی وجہ سے امداد اور اعانت کی غرض سے تھا۔ بُخاری شریف کی حدیث

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال نزل اھل قریظۃ علیٰ حکم سعد ابن معاذ فارسل النبی صلی اللہ علیہ وسلم الیٰ سعد فاتیٰ علیٰ حمارٍ فلما دنیٰ من المسجد قال للانصار قوموا الیٰ سَیِّدِکُمْ

حضرت ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بنی قریظہ سعدؓ بن معاذ کے حکم پر اُتر آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعدؓ کو بُلوایا۔ وُہ گدھے پر سوار ہو کر آئے جب مسجد کے قریب پہنچے تو آنحضرتؐ نے انصار سے فرمایا، اپنے سردار کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔

حضرت اُستاد نے قیام مامور بہ کو برائے تعظیم قرار دیا۔ مخالفین نے اعتراض کیا کہ اس کا کوئی قرینہ نہیں۔ حضرت سعدؓ زخمی تھے اور قیام کا امر انہیں سواری سے اُتار کر لانے کے لئے تھا۔ اُستاد صاحب نے میری طرف دیکھا تو میں نے عرض کی، کہ قُوْمُوْا جمع ہے اور زخمی ہونے کی وجہ سے اِمداد کی حاجت ایک شخص کے قیام سے بھی پُوری ہو سکتی تھی۔ سب انصار کو کھڑے ہونے کا حکم اِس امر پر دلالت کرتا ہے کہ یہ حکم برائے تعظیم تھا۔ علاوہ ازیں قاعدہ ہے کہ اگر مشتق پر حکم کیا جائے تو مشتق منہ علتِ حکم ہوتا ہے۔ جیسے الکاتبُ متحرک الاصابع میں تحریک اصابع کی علت کاتب کا مبداء اشتقاق کتابت ہوگی۔ کتبِ علمِ بلاغت واصول میں یہ مسئلہ مذکور ہے۔ اِس کی مثال اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَۃُ فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَھُمَا[1] اور اَلزَّانِیَۃُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنْھُمَا مِائَۃَ جَلْدَۃٍ[2] میں قطع اور جلد کی علت سرقہ اور زنا ہے، لہٰذا قُوْمُوْا اِلٰی سَیِّدِکُمْ میں قُوْمُوْا یعنی کھڑے ہونے کی علتِ سیّد کا مبداء اشتقاق سیادت یعنی سرداری قرار پائے گی پس ثابت ہُوا کہ کھڑے ہونے کا حکم بغرضِ تعظیم تھا۔

غرض اس قسم کے کئی واقعات ہُوئے جس پر غیر مقلد طلبا سخت پریشان ہُوئے۔ آخر آپ نے اُن سے عہد لیا کہ آئندہ ائمۂ مجتہدین خصُوصًا امام اُبو حنیفہؒ اور حضرت غوث الاعظمؒ اور حضرت خواجہ غریبؒ نواز اجمیری کی شان میں قطعاً کوئی نازیبا لفظ مُنہ سے نہیں نکالیں گے۔

آمین بالجہر پر مناظرہ

غیر مقلدین کے ایک بڑے مولوی سہارن پُور آئے جن کے ساتھ حضرتؒ کا بلند آواز سے آمین کہنے کے متعلق مکالمہ ہُوا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ بُلند آواز سے آمین کہنے کے حق میں سب سے قوی دلیل کیا ہے۔ تو اُنہوں نے ترمذی کی حدیث جَھَرَ بِھَا صَوْتَہٗ کا حوالہ دیا۔ آپ نے فرمایا کہ شعبہ کی روایت خَفَضَ بِھَا صَوْتَہٗ بھی ترمذی میں موجود ہے۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ اِس کی امام ترمذی نے تضعیف کی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اِس تضعیف کی امام ابن حجر نے "تلخیص الجبیر" میں تردید کی ہے۔ نیز یہ روایت دوام یا اکثریّت پر دلالت نہیں کرتی جس سے اس کا سُنّت ہونا ثابت ہو۔ یہ تو محض ایک واقعہ ہے جس سے زیادہ سے زیادہ جواز نکلتا ہے جو متنازع فیہ نہیں۔ آیۂ اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْیَۃً[3] (اپنے رب کو عاجزی اور چپکے سے پکارو) بھی آہستہ پڑھنے کی متقاضی ہے۔ اِس پر مولوی صاحب خاموش ہو گئے اور کوئی جواب نہ دیا۔

ایک مجذوبہ کی والہانہ صدا

ایک مرتبہ حضرتؒ نے فرمایا کہ سہارنپور میں مسجد کے سامنے ایک مجذوبہ چھوٹی سی جھونپڑی میں پڑی رہتی تھی۔ جس نے ذوق وشوق کے عالم میں ایک روز چلّا کر صدا لگائی:۔

ع میری ٹُوٹی پھُوٹی جھونپڑیا میں کبھی جی چاہے تو آ پیارے

آپ فرماتے تھے کہ اِس صدا میں کچھ ایسی کیفیات و درد نہاں تھے، کہ کئی روز تک بے خودی کا غلبہ رہا۔ سچ ہے:۔

؎ کہ صُحبت با دلِ غم دیدہ اُلفت بیشتر گیرد
چراغے راکہ دُودے ہست در سر زُود تر گیرد

---

[1] المائدہ ۳۸ [2] النور ۲ [3] الاعراف ۵۵

اثنائے درس آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی عنایات

فرمایا جب ہم حدیث پڑھتے تھے تو کبھی کبھی "حدیث والے" صلّی اللہ علیہ وسلّم خود بھی کرم فرماتے تھے کیوں نہ ہو جب حدیث شریف کے ہر طالب صادق پر آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم خاص توجہ مبذول فرماتے ہیں تو اپنے نورِ نظر اور لختِ جگر پر کیوں عنایات مبذول نہ فرماتے ہونگے۔

میلے تماشوں سے نفرت

فرماتے تھے ایک مرتبہ وائسرائے ہند کی آمد کے سلسلہ میں سہارنپور میں کئی روز تک جلسے تماشے ہوتے رہے۔ لوگ دُور دُور سے دیکھنے آتے تھے مگر میری طبیعت اِس طرف متوجہ نہ ہوتی تھی۔ آخری رات مدرسہ کے قریب ہی آتش بازی کا پروگرام تھا۔ میں اپنے بالاخانے والی کھڑکی میں اپنی مستقل نشست سے اگر صرف ایک بالشت ہی آگے سرکتا تو سب کچھ بخوبی دیکھ سکتا تھا۔ مگر اِس طرف طبیعت نے کوئی میلان یا رغبت محسوس نہ کی۔ اِس لئے اپنی پُرانی مُستقل نشست پر ہی بیٹھا رہا اور کسی طرف توجہ نہ ہُوئی۔ البتہ قوّالی اور سماع میں بہت جی لگتا تھا۔ گلی میں ایک خوش آواز سرائندہ رہا کرتا تھا۔ کبھی فرصت میں اُس کے پاس جاکر حسب حال شعر و اشعار سُن کر دل بہلا لیا کرتا تھا۔

تحصیلِ علُوم کے بعد مراجعتِ وطن

حضرتؒ کے اِس قسم کے حالات سے آگاہ ہوکر مولینا احمد علیؒ نے محسُوس کیا کہ یہ طالبِ علم ایک محققانہ بصیرت کا مالک ہونے کے ساتھ ساتھ عشقِ الٰہی کے بھی ایک اعلیٰ مقام پر فائز ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس سے علوم ظاہری و باطنی رسمیّہ و وہبیّہ کے ساتھ ساتھ شریعت و طریقت کی خدمت بھی لینے والے ہیں۔ اِس لئے اِسے زیادہ دیر تک روکنا دین کی خدمت کے منافی ہے۔ چُنانچہ ایک روز اچانک اپنے دولت کدہ پر حضرتؒ کی دعوت کی، اور پھر سندِ حدیث سپرد کرکے فرمایا کہ آپ کو مزید پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ وطن تشریف لے جائیے اور دین کی خِدمت کیجئے۔

حضرتؒ نے بُخاری شریف اور مُسلم شریف کی تعلیم لی تھی اِس لئے سند بھی ان ہی مضامین کے متعلق تھی۔ اِس پر سال ۱۲۹۵ھ تحریر ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے تقریباً بیس برس کی عُمر میں علوم رسمیہ کی تکمیل کر کے وطن کو مراجعت فرمائی تھی۔ اِس کے دو سال بعد یعنی ۱۲۹۷ھ میں حضرت مولینا احمد علیؒ کا انتقال ہوگیا۔ گویا حضرتؒ اُن کے آخری دور کے شاگردوں میں سے تھے۔ اِسی طرح آپ نے مولینا لُطف اللہؒ سے بھی اُن کے آخری دَور میں تکمیل علُوم کی تھی۔ اور شیخ طریقت حضرت خواجہ شمس الدین سیالویؒ سے بھی خلافت اُن کے آخری دَور میں ہی حاصل کی تھی۔ یہ امر مسلّم ہے کہ اِس عالمِ اسباب و تحصیل میں صاحبِ فن اپنے آخری دَور میں ترقّی و کمال کے انتہائی عروج پر ہوتا ہے۔ اور طویل تجربہ و مشاہدہ کے باعث اپنے فن کی تعلیم و تدریس کے لئے موزُون و مُناسب ترین حالت میں ہوتا ہے۔

بابِ سوم

زمانۂ درس و تدریس

۱۲۹۵ھ تا ۱۳۰۰ھ

۱۸۷۷ء تا ۱۸۸۲ء

زمانۂ درس و تدریس

مراجعتِ وطن، اجرائے درس و شادی خانہ آبادی

قبل ازیں ذکر آچکا ہے کہ حضرت پیر سیّد فضل دینؒ شاہ گیلانی المعروف "بڑے پیر صاحب" نے جو حضرت قبلۂ عالمؒ کے والدِ بزرگوار حضرت اجیؒ صاحب کے ماموں اور سلسلۂ عالیہ جدّیہ میں حضرت قبلۂ عالمؒ کے شیخِ طریقت بھی تھے، ۱۳۱۱ھ یعنی ۹۴-۱۸۹۳ء میں، اور خود حضرت اجی صاحب پیر سیّد نذر دینؒ شاہ گیلانی نے ۱۳۲۳ھ یعنی ۶-۱۹۰۵ء میں انتقال فرمایا۔ چنانچہ ۱۲۹۵ھ یعنی ۱۸۷۸ء میں جب آپ فارغ التحصیل ہو کر واپس وطن تشریف لائے تو ہر دو بزرگان بقیدِ حیات تھے اور ان کے زیرِ سایہ حضرت قبلۂ عالمؒ ہر قسم کے معاشی و دیگر تفکرات سے آزاد رہتے ہوئے درس و تدریس اور ریاضات و مجاہدات میں مصروف رہے۔ اِن ہی ایام میں آپ کی شادی خانہ آبادی اپنے ننھیال میں سیّد چراغ علیؒ شاہ کی دُختر نیک اختر سے بمقام حسن ابدال ہُوئی۔ حضرتؒ کی نانی صاحبہ، حضرت مخدوم جہانیاں سیّد جلال بُخاریؒ اوچی کی اولاد میں سے تھیں۔ صاحبِ "تحفہ" نے "مظہرِ جلالی" وغیرہ کُتب کے حوالہ سے حضرت مخدُوم جہانیاں کے متعلق لکھا ہے کہ جب آپ روضۂ اقدس سرکارِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم پر حاضر ہوئے تو مدینۂ عالیہ کے بعض ساداتِ کرام نے آپ سے سیّد ہونے کی سند مانگی۔ آپ نے بارگاہِ رسالت صلّی اللہ علیہ وسلّم میں جا کر عرض کی: "السّلامُ علیک یا جدّی" تو روضۂ اقدس سے آواز آئی "وعلیک السّلام یا ولدی" جسے سُن کر معترضین دم بخود رہ گئے اور آپ کی شرافت و سیادت کے قائل ہو کر بجید تعظیم و تکریم بجا لائے۔

تدریس و تعلیم میں خصُوصی شان

حضرت قبلۂ عالمؒ حصُولِ تعلیم کے بعد وطن واپس پہنچتے ہی بمصداق فرمانِ نبوی صلّی اللہ علیہ وسلّم اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا (میں مُعلّم بنا کر بھیجا گیا ہُوں) ہمہ تن تعلیم و تدریس میں مشغُول ہو گئے۔ اِبتدا میں پچاس کے قریب طلباء آپ سے علُومِ دینیہ کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ اِن میں مولوی دوست محمد سکنہ بھوپڑ تحصیل چکوال، سیّد ممتاز علی شاہ سکنہ ریاست پُونچھ، مولوی فقیر محمد سکنہ راجڑ تحصیل فتح جنگ اور مولوی حضرت پیر سکنہ کھنگر ضلع ہزارہ آپ سے اعلیٰ درجات کی اِنتہائی کُتب خود پڑھتے تھے اور ابتدائی و چھوٹی جماعتوں کی کتابیں مُبتدی طُلباء کو پڑھایا کرتے تھے۔ یہ درس حضرتؒ کی آبائی مسجد واقع قصبہ گولڑہ میں شروع کیا گیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرتؒ میں وُہ تمام اَوصاف جمع فرما دیئے تھے جو ایک اعلیٰ ترین معلّم میں ہونے چاہئیں۔ گفتگو کی سلاست و جامعیّت کے ساتھ ساتھ افہام و تفہیم کا انداز کچھ ایسا دِل نشین تھا کہ کم سے کم اِستعداد کا طالبِ علم بھی مطلب بخوبی سمجھ لیتا تھا۔ آپ کے اکثر ہم عصر عُلمائے کرام کو جب کبھی آپ کو درس دیتے سُننے کا اِتفاق ہُوا تو حیران ہو کر بیساختہ

داد دیئے بغیر نہ رہ سکے۔ نالائق سے نالائق اور بے ذوق سے بے ذوق طالب علم پر بھی اگر نگہِ شفقت اور نظر توجہ فرماتے تو وُہ علم کی دولت سے مالا مال ہو جاتا۔ مولینا احمد دین سکنہ بھوئی جو علاقہ چھچھ ہزارہ کے مشہور علماء اور مدرسین میں سے تھے، بچپن میں آپ کی خدمت میں لائے گئے۔ اور اُن کے والد بزرگوار نے اُنہیں نہایت کمزور ذہن خیال کرتے ہوئے حضرتؒ کی خدمت میں عرض کی کہ میں چاہتا ہوں یہ عالم بن جائے۔ آپ نے مسکرا کر فرمایا کہ ذہین فرزندوں کو تو خود منتخب کر لیا اور اسے میرے پاس لائے ہو۔ اچھا، اللہ تعالیٰ مہربانی فرمائیں گے۔ خُدا کی شان دیکھیئے کہ وُہی بچہ آپ کی نظرِ کرم سے ایک متبحر عالم ہوا۔

اِسی طرح مولوی محرم علی چشتی لاہوری کے فرزند مولوی قائم علی چشتی کا واقعہ ہے۔ اِن کو بھی ان کے والد بزرگوار نے حضرتؒ کی خدمت میں پیش کر کے عرض کی کہ یہ نہایت کُند ذہن بچہ ہے۔ آپ نے فرمایا یہ فاضل ہے۔ چنانچہ آپ کی نظرِ فیض اثر سے یہی اُس کا نام پڑ گیا اور وُہ فارغ التحصیل ہو کر "فاضل لاہوری" کے نام سے مشہور ہوا۔

اگرچہ حضرت قبلۂ عالم سے فیضیاب ہونے والے علماء کی صحیح تعداد معلوم نہیں ہو سکی۔ مگر اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ آپ نے اپنے ابتدائی دور میں علومِ ظاہرہ کی تدریس میں کافی محنت اور جانفشانی سے کام کیا۔ اور اگرچہ حجازِ مقدس سے واپسی پر علومِ رسمیّہ کی تدریس بہت حد تک مولینا محمد غازیؒ نے سنبھال لی تھی مگر پھر بھی کُتبِ تصوّف کے ساتھ ساتھ علومِ رسمیّہ کی تعلیم میں بھی آپ برابر ہاتھ بٹاتے رہے۔ حتیٰ کہ زمانۂ استغراق تک یہ سلسلہ جاری رہا۔

مسجدِ ضرار کے مسئلہ پر حضرتؒ کا موقف

اِس زمانہ میں قطبال ضلع کیمبل پور میں ایک مسجد کو مسجدِ ضرار کہنے کے متعلق علمائے نواح میں ایک مناظرہ ہوا۔ دونوں جانب سے پچیس پچیس عُلماء تھے۔ آپ بھی وہاں تشریف لے گئے اور آپ کے مقابلہ میں موضع سگھری علاقہ پنڈی گھیب کے ایک مشہور مناظر کو لایا گیا۔ میدانِ مناظرہ میں پہنچنے سے پیشتر ملاقات پر آپ نے اُس سے دریافت فرمایا کہ مسجد زیرِ بحث کے متعلق آپ کے پاس اُسے مسجدِ ضرار قرار دینے کی علّتِ تامہ کیا ہے۔ اُس نے مسجدِ ضرار کے متعلق نازل شدہ آیت تلاوت کر کے تفریقاً بین المؤمنین کا ذکر کیا۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ (سورۃ توبہ۔ ۱۰۷)	اور بعض لوگ ایسے ہیں جنہوں نے مسجد بنائی ہے کہ (اسلام کو) ضرر پہنچائیں اور اس میں کُفر کی باتیں کریں۔ اور ایمانداروں میں تفریق ڈالیں اور اُس شخص کے قیام کا سامان کریں جو پہلے سے خُدا و رسُول کا مخالف ہے۔

آپ نے فرمایا کہ علّتِ تامہ محض تفریق نہیں بلکہ اس میں چار چیزیں ضراراً۔ کفراً۔ تفریقاً بین المؤمنین اور ارصاداً لمن حارب اللہ و رسولہ شامل ہیں۔ اِن میں سے ایک یا دو علّتِ ناقصہ ہیں جن پر حکم مترتّب نہیں ہو سکتا۔

اِس سے وُہ صاحب کچھ اس قدر متاثر و مرعُوب ہوئے کہ عین وقت مناظرہ پر آپ کے ساتھ بحث سے گریز کرتے ہُوئے اور کسی جانب سے بھی مناظرہ میں شریک ہُوئے بغیر واپس چلے گئے۔ اِس مسئلہ میں حضرتؒ کا موقف یہ تھا کہ کسی بھی مُسلمان کی بنا کردہ مسجد پر منافقین کی تعمیر کردہ مسجد کا حُکم عائد کرنا درست نہیں ہے۔

معقول کی مشہور کتاب "قاضی مبارک" کی تدریس پر علماء کا اظہارِ حیرت

اسی مناظرہ کے سلسلہ میں مولوی محمد عالم سکنہ پنجہ پنڈ، تحصیل ہری پور بھی قطبال میں آئے ہوئے تھے۔ وہ دعوے کیا کرتے تھے کہ ان اضلاع میں "قاضی مبارک" جو منطق کی اعلیٰ ترین کتاب ہے، کا درس دینے والا، اُن سے بڑا عالم کوئی نہیں ہے۔ چنانچہ حضرتؒ نے اُن کی موجودگی میں اس کتاب کا ایک سبق کسی کو پڑھایا جسے سُن کر وہ محوِ حیرت ہو گئے اور کہنے لگے کہ آج سے قاضی مبارک پڑھانا آپ کا حق ہے۔ آئندہ جو طالب علم مجھ سے یہ کتاب پڑھنے آئے گا۔ میں اُسے آپ کی خدمت میں روانہ کر دُوں گا۔

ایک نواحی گاؤں میں شیعوں سے مناظرہ

آپ کو ہندوستان سے واپس تشریف لائے زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا کہ آپ کی علمی شہرت کے پیشِ نظر اس نواح کے مقامی علماء میں سے اکثر آپ سے حسد کرنے لگ گئے۔ آپ کی تو ابھی پُورے طور پر ریش مبارک بھی نہیں پھُوٹی تھی مگر درس و تدریس میں نکتہ سنجی کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے معمر علماء محوِ حیرت ہو جاتے تھے۔ طلباء اور سمجھ دار سامعین عش عش کرتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کئی علماء کے درس غیر آباد ہو گئے جو اُن کے حسد و عناد کا باعث بنے۔ اللہ تعالیٰ کو چونکہ آپ کا رُشد ظاہر کرنا مقصود تھا اِس لیے ہر سلسلہ میں آپ کی فوقیت اور برتری کے اظہار کے اسباب پیدا ہونے شروع ہو گئے۔ انہی ایام میں ایک قریبی گاؤں کے مناظرہ کے واقعات شیخ الجامعہ مولینا غلام محمدؒ نے بطریق ذیل تحریر کیے ہیں:-

بھیکہ ایک چھوٹا سا گاؤں گولڑہ شریف کے قریب واقع ہے جہاں اکثر حُسینی سادات جو مذہباً شیعہ ہیں رہتے ہیں اُنہوں نے راولپنڈی میں متعین ایک متعصب شیعہ افسر کی امداد سے حضرتؒ کو مناظرہ کا چیلنج دیا۔ جو آپ نے منظور فرما لیا اور بوقتِ مناظرہ پر تشریف لے گئے۔ اُنہوں نے لکھنؤ کے ایک مُجتہد کو بُلوایا ہوا تھا۔ موضوعِ بحث باغِ فدک مقرر ہوا۔ شیعہ مجتہد نے پہلے تقریر کر کے دعویٰ کیا کہ فدک جنابِ سیدہؓ کا حق تھا اور حضرت صدیقؓ نے اس کو ظلماً روک لیا تھا اور جنابِ سیدہؓ کو نہ دیا لہٰذا ظالم خلیفہ نہیں ہو سکتا۔

حضرتؒ نے جواباً کہا کہ فدک پر حضرت سیدہ علیہا وعلیٰ ابیہا وعلیٰ زوجہا واولادہا الصلوٰۃ والسلام کے استحقاق کی کوئی دلیل پیش کیجیے۔ محض اِدّعا کافی نہیں، کیونکہ صرف دعویٰ کی صُورت میں تو دُوسری جانب سے بھی خلاف دعوے ہو سکتا ہے۔

اِس پر مُجتہد صاحب نے آیۂ ورثہ پڑھی:-

يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ ۚ فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۖ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ (پارہ ۴۔ نساء۔ آیت ۱۱)

اللہ تعالیٰ تمہاری اولاد کے ضمن میں تم کو وصیت فرماتے ہیں۔ مردوں کے لئے دو عورتوں کی مانند حصہ ہے۔ اگر عورتیں دو سے زیادہ ہوں تو اُن کے لئے دو تہائی چھوڑی ہُوئی چیز کی ہے۔ اور اگر عورت ایک ہو تو اُس

کے واسطے آدھا ہے۔

آپ نے جواب دیا کہ بے شک ایسی صورت میں جب کہ جناب سیدہؓ اپنے والد شریف صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اکیلی وارث ہوتیں تو اِس آیت کی رُو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متروکہ میں سے نِصف حصّہ کی مالک ہوتیں۔ لیکن جس صورت میں باپ نے کوئی ترکہ ہی نہ چھوڑا ہو تو نصف کہاں سے مِلے گا۔ دُوسرے یہ کہ فدک کا ترکہ ہونا کس دلیل سے ثابت ہے۔

مجتہد صاحب نے کہا کہ قرآن پاک سے ثابت ہے کہ فدک اللہ تعالیٰ اور رسُول اللہ کا تھا۔ اور یہ آیت پڑھی :-

وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰی مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ○ (الحشر ۶)

اور جو کچھ پھیر لایا اللہ اپنے رسُولؐ پر اُن میں سے، پس نہیں دوڑائے تم نے اُس کے اُوپر گھوڑے اور نہ اُونٹ لیکن اللہ مسلط کرتا ہے اپنے رسُولوں کو جس کے اُوپر چاہتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

حضرتؒ نے اِرشاد فرمایا کہ اِس آیت کے ساتھ ہی جو آگے آیت آتی ہے اُس پر بھی غور فرمائیے :-

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْيَتٰمٰی وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ كَیْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً ۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ (الحشر ۷)

جو کچھ اللہ ان بستیوں والوں سے اپنے رسُولؐ پر پھیر لایا پس اللہ کے، رسُولؐ کے، قرابت والوں، یتیموں اور فقیروں کے واسطے ہے۔ تاکہ نہ ہووے ہاتھوں ہاتھ لینا تم میں سے دولتمندوں کے واسطے۔

اِس سے سمجھا جاسکتا ہے کہ یہ فدک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ملک نہ تھا اور فَے کا مال مِلک ہوتا بھی نہیں۔ اگر بالفرض ایسا مان بھی لیا جائے تو حدیث شریف :-

نَحْنُ مَعَاشِرُ الْاَنْبِيَاءِ لَا نُوْرِثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ

ہم معاشر انبیاء، اپنا ورثہ نہیں چھوڑتے۔ ہمارا متروکہ صدقہ ہوتا ہے۔

اِس امر پر دلالت کرتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فدک کو وقف کر دیا تھا۔ اور اگر بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ آپ نے وقف نہیں فرمایا تو حضرت سیدہؓ کا حق نصف فدک ہوا نہ کہ سارا جیسا کہ آپ کا دعویٰ ہے۔

مجتہد صاحب نے کہا کہ یہ حدیث نصِ قرآن کے خلاف ہے اور یہ آیت پڑھی :-

وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ (پارہ ۱۹ - نمل ۱۶)

اور وارث ہوا سُلیمانؑ، داوٗدؑ کا۔

آپ نے جواب دیا کہ یہاں وراثتِ دینی مُراد ہے۔ اُنہوں نے پُوچھا اِس تخصیص کی دلیل کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ حضرت داوٗد علیہ السلام کی بہت سی اَولاد تھی۔ باقی اَولاد کو محرُوم کر کے صرف ایک کو وارث بنانا پیغمبر کی شان کے خلاف ہے۔ لہٰذا تخصیص کا قرینہ سلیمان علیہ السلام کی نبوت کی تخصیص ہے نیز نَحْنُ مَعَاشِرُ الْاَنْبِيَاءِ لَا نُوْرِثُ کے معنی یہ ہیں کہ انبیاء کا وارث غیر نبی نہیں ہو سکتا۔ اگر نبی کا وارث نبی ہو تو اِس حدیث کے خلاف نہیں اور اِس کی دلیل مَعَاشِرُ الْاَنْبِيَاءِ سے ملتی ہے۔ لہٰذا یہ آیت حدیث شریف کی تائید کرتی ہے نہ کہ تردید۔

دورانِ مناظرہ اپنے جدِّ امجد کی رُوحانی توجّہ

مولیٰنا شیخ الجامعہ لکھتے ہیں کہ حضرتؒ فرماتے تھے کہ اِس مناظرہ کے دوران تقریر کرتے ہُوئے مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی شخص کا ہاتھ میرے کندھے پر ہے۔ اور وُہ کسی وقت سرگوشی کے طور پر میرے کان میں بھی کچھ کہہ دیتا ہے۔ مگر جب میں اِدھر اُدھر سر پھراتا تو کوئی دِکھائی نہ دیتا۔ بعدازاں معلوم ہُوا کہ آپ میرے جدِّ امجد زبدۃ الکاملین، عمدۃ الواصلین حضرت پیر سیّد روشن دینؒ تھے جو رُوحانی طور پر میری اِمداد فرما رہے تھے۔ اس واقعہ کے بعد حضرتؒ کے کمالِ علمی اور حاضر دماغی کا ایسا سکّہ بیٹھا کہ پوٹھوہار، کھاٹری، چھچھ اور ہزارہ کے کُل عُلماء آپ کے معترف ہو گئے۔ مسئلۂ فدک مندرجہ بالا کی مزید تفصیل حضرتؒ کے فتاویٰ اور ملفوظات میں موجود ہے۔ وہاں سے مُلاحظہ کی جا سکتی ہے۔

ریاست سوات کا سفر

اِن ایّام میں ریاست سوات کی جانب آپ نے حضرت اخوند صاحب کے سِلسلۂ طریقت میں سے کسی خلیفہ صاحب کا کافی چرچا سُنا۔ اور معلوم ہُوا کہ وہاں کے عُلماء حُقّہ اور نسوار کو حرام کہتے ہیں۔ اور ان کے اِستعمال کرنے والوں کا جنازہ نہیں پڑھتے۔ چُونکہ اُمّتِ مُسلمہ پر یہ ایک ناجائز تشدّد تھا اِس لئے آپ نے اُدھر کا سفر اختیار فرمایا۔ فرماتے تھے کہ اِس سفر میں خورد و نوش کے سِلسلہ میں صِرف مکّی کی روٹی ملتی رہی اور کوئی اناج نہ مِل سکا۔ اُدھر دستور تھا کہ ہندو اور سکھ لوگ بال رکھتے اور شلوار پہنتے تھے۔ اور مُسلمان سر مُنڈوا کر تہبند یعنی چادر پہنتے تھے۔ حضرتؒ کے سر پر گھونگھریالے بال تھے اور شلوار بھی پہن رکھی تھی۔ اِس لئے جب آپ خلیفہ صاحب کی مسجد میں داخِل ہونے لگے تو ایک مُسلمان نے غلط فہمی کے باعث آپ کو ٹوکا کہ یہ مسجد ہے۔ آپ نے فرمایا۔ الحمدللہ کہ ہم مسجد میں داخِل ہو رہے ہیں۔ اِس پر وُہ سمجھ گیا کہ آپ مُسلمان ہیں اور خاموش ہو گیا۔ آپ سیدھے اُن خلیفہ صاحب کے حجرہ کی طرف گئے۔ دروازہ بند تھا اور کافی لوگ بیٹھے دروازہ کے کُھلنے اور خلیفہ صاحِب کے باہر آنے کی اِنتظار کر رہے تھے۔ اِن لوگوں میں کچھ عُلماء بھی تھے جو اِس آیت کے متعلق گفتگو کر رہے تھے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ (بقرہ ۶-۷)	بے شک جو لوگ کافر ہو گئے اُن کے حق میں برابر ہے کہ خواہ آپ اُنہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں، وُہ اِیمان نہیں لائیں گے۔ اللہ نے اُن کے دِلوں اور کانوں پر مُہر لگا دی ہے اور اُن کی آنکھوں پر پردہ ہے اور اُن کے لئے بڑا عذاب ہے۔

اُن کی بحث کا ماحصل یہ تھا کہ جب اللہ تعالیٰ نے خُود ہی اُن کے دِلوں پر مُہر لگا دی تو اِیمان نہ لانے میں اُن کا کیا قصُور ہے اور اُن کے لئے عذابِ عظیم کیوں ہے۔ حضرتؒ فرماتے تھے کہ چُونکہ اُن لوگوں کی علمیّت معمُولی تھی اور فقہ حنفیہ کی چند جزئیات سے زیادہ نہ جانتے تھے اِس لئے کسی خاص نتیجہ پر نہ پہنچ رہے تھے۔ آخر آپ نے مسئلۂ جبر و قدر پر محققانہ تقریر فرمائی۔ جسے سُن کر نہ صرف اُن لوگوں کی سمجھ میں یہ مسئلہ آ گیا۔ بلکہ وُہ بہت خوش ہُوئے اور خلیفہ صاحب بھی یہ باتیں سُن کر حُجرہ سے باہر آ گئے اور آپ سے ملے۔

مُلاقات پر معلوم ہُوا کہ خلیفہ صاحب کو بھی علم وعرفان میں کوئی خاص کمال حاصل نہ تھا۔ آپ نے خلیفہ صاحب سے حُقہ و نسوار کے فتاویٰ کے متعلق ذکر فرمایا تو اُنہوں نے جواب دیا کہ میں خود تو عالم نہیں ہُوں اَور نہ ایسے فتاویٰ دے سکتا ہُوں البتہ یہاں کے عُلماء جو فتویٰ دے دیتے ہیں، میں اُس پر اِس علاقہ میں عمل کرواتا ہُوں ۔ یہ بات سُن کر حضرتؒ اِس مسئلہ کے متعلق عُلماء کی طرف متوجّہ ہُوئے جنہوں نے اپنے خیال کی تائید میں دلائل پیش کیے۔ آپ نے اُن کے دلائل کی کمزوری کو اُن پر واضح کیا جس سے متاثّر ہو کر وُہ سب اپنی غلطی کو تسلیم کر گئے اَور لِکھ دیا کہ ہمارا فتویٰ حُقّہ نوشی اَور نسوار کشی کے متعلق صحیح نہیں جسے ہم واپس لیتے ہیں۔

جُمعہ کا روز آیا تو خلیفہ صاحب نے حضرتؒ کی خدمت میں عرض کی کہ آپ نماز جمعہ پڑھائیں آپ نے جمعہ کے خُطبہ میں اُس فتویٰ کی واپسی کا بھی اعلان فرما دیا۔ افسوس اُس وقت اُن علمی مباحث کو ضبطِ تحریر میں لانے والا کوئی نہیں تھا۔ ورنہ تحقیق کنندگان کے لِئے مشعلِ راہ ثابت ہوتیں۔ بہر حال یہ امر واضح ہے کہ آپ حُقّہ نوشی وغیرہ کو حرام اَور مُوجبِ کفر و فسق قرار نہیں دیتے تھے۔ البتّہ مُنہ سے بدبُو آنے کی صُورت میں کراہت کا حُکم ضرور فرمایا کرتے تھے۔ جیسے کہ پیاز و لہسن کے متعلق کُتبِ شرع میں مذکُور ہے۔

خلیفہ صاحب کا عجیب واقعہ اَور حضرتؒ کی تلقین

حضرتؒ فرماتے تھے کہ خلیفہ صاحبؒ جس بیمار پر نظر ڈالتے تھے اللہ تعالیٰ اُسے شفا دے دیتے تھے۔ میں نے پُوچھا کہ یہ نعمت آپ کو کہاں سے اَور کیسے حاصل ہُوئی۔ تو اُنہوں نے بتلایا کہ ایک مرتبہ ہم بہت سے لوگ قافلہ کی صُورت میں جناب غوث الاعظمؓ کے روضۂ پاک کی زیارت کے لِئے بغداد شریف گئے۔ وہاں روزانہ زیارت سے مشرّف ہوتے۔ ایک رات ایسا اتّفاق ہُوا کہ جب مجاورینِ روضہ شریف نے دروازہ بند کرنے سے قبل سب کو باہر آجانے کی آواز دی، تو باقی لوگ تو باہر نِکل گئے مگر میں نے نہ سُنا اَور وہیں کھڑا رہا۔ مجھے ایک سمت ہونے کے باعث کوئی دیکھ بھی نہ سکا اَور باہر سے دروازہ مقفّل کر کے سب لوگ رُخصت ہو گئے۔ بعد میں پتہ چلنے پر میں سخت حیران ہُوا۔ مگر نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن کے مِصداق تمام رات حیران پریشان کھڑا ہی رہا۔ بہ پاسِ اَدب بیٹھ بھی نہ سکتا تھا اَور تھکاوٹ کی زیادتی کے باعث کھڑا بھی نہ رہا جاتا تھا۔ اِس کے باوجُود میں نے بارگاہِ غوثیہؓ کے اَدب واحترام کے باعث بیٹھنے کی جُرأت نہ کی۔ تہجد کا وقت ہوگا کہ کسی نے دونوں ہاتھ میرے کندھوں پر رکھے اَور زور سے دبا کر مجھے بٹھلا دیا۔ صُبح کو جب روضہ شریف کے کُھلنے پر باہر نکلا تو مجھ میں یہ کیفیّت پیدا ہو چکی تھی کہ جس بیمار پر نظر ڈالتا اللہ تعالیٰ اُسے شفا عطا فرما دیتے تھے۔

حضرت قبلۂ عالمؒ نے دریافت فرمایا کہ اِس کیفیّت میں پہلی حالت سے ضرُور کچھ کمی واقع ہو گئی ہو گی۔ تو اُنہوں نے اثبات میں جواب دیا۔ آپ نے فرمایا کہ اَللہ اَللہ کرنا سیکھیے ورنہ ایک وقت آئے گا کہ یہ کیفیّت بالکل جاتی رہے گی۔ اُس وقت کفِ افسوس ملنے سے بہتر ہے کہ ابھی سے اِس کا تدارک کیا جائے چُنانچہ آپ نے اُن کو مناسب اَوراد و وظائف کی تلقین فرمائی۔ بہر حال آپ کے اِس سفر سے نہ صرف اُس علاقہ میں فروعی مسائل میں تشدّد کم ہو گیا بلکہ عام خیر و برکت کے علاوہ خلیفہ صاحب کی رُوحانی تربیت بھی ہوئی۔

اعلیٰ حضرت سیالویؒ سے بیعت

انگریں حصولِ تعلیم کے دوران اپنے اُستاد جناب حافظ سُلطان محمودؒ کی معیّت میں آپ کو کئی مرتبہ حضرت خواجہ شمسُ الدین سیالویؒ قدس سرّہ العزیز کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقعہ ملا۔ جناب خواجہ صاحبؒ بھی حضرتؒ پر خاص شفقت فرماتے تھے۔ چنانچہ ہندوستان سے جب آپ فارغ التّحصیل ہوکر واپس پہنچے تو سیال شریف حاضر ہوکر سلسلۂ عالیہ چشتیہ نظامیہ میں حضرت خواجہ صاحبؒ سیالوی کے دستِ حق پرست پر بیعت سے مشرف ہوئے۔ جیسا کہ پہلے عرض ہوچکا ہے سلسلۂ عالیہ قادریہ جدّیہ میں آپ اپنے خاندان میں ہی بیعت تھے۔

شیخ کے حضور میں مسالکِ وحدت الوجود و شہود پر تقریر

حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہ العزیز فرماتے تھے کہ مجھے اِبتداء ہی سے جبرائیل علیہ السّلام کے تمثّلِ بشری کے واقعہ سے وحدتِ وجُود کی جانب ذوق گواہی دیتا تھا۔ اور اس مسلک پر وحدت الشہُود والوں کے اعتراضات و دلائل بھی میرے پیشِ نظر تھے۔ آخر مشائخ عظّام اور اپنے شیخِ طریقت کے رُوحانی تصرّف سے اسی عالم گیر مسلک یعنی وحدت الوجُود پر ہی طبیعت پختہ ہوگئی۔ اِس سلسلہ میں فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت سیالویؒ کی خدمت میں حاضری کے دوران وحدت الشہُود پر بات چل نکلی تو اوّلاً میں نے وحدت الشہُود پر تقریر کی۔ اور وحدت الوجود کے متعلق حضرت مجدّد الف ثانی اور حضرت علاؤ الدّولہ سمنانی قدس سرہما کے اشکالات و اعتراضات پیش کیے۔ حضرتِ اعلیٰ سیالوی نہایت غور سے سُنتے رہے مگر قدرے متعجب نظر آتے تھے۔ کیونکہ یہ مسلک آپ کے اور ہمارے مشائخ کے خلاف تھا۔ لیکن جب میں نے وحدت الوجُود پر اُن تمام اعتراضات کے جواب دینے شروع کیے تو خواجہ صاحبؒ بے حد مسرُور ہوئے اور بار بار فرماتے تھے "واہ شاہ صاحب واہ"۔ پھر مجھے فتوحاتِ مکیّہ کے مُطالعہ کی تاکید فرمائی۔ چنانچہ آپ کی توجّہ سے اس مسئلہ کے بیشتر از بیشتر اسرار مجھ پر منکشف ہوتے چلے گئے۔

اپنے شیخ کی توجّہ کے متعلّق آپؒ کے تاثّرات

اِس کے بعد فتوحاتِ مکیّہ ہمیشہ حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہ العزیز کے مطالعہ میں رہی اور زمانۂ اِرشاد میں آپ نے سالہا سال "فتوحات" اور "فصوص الحکم" کا درس دیا۔ اپنی تصنیفِ لطیف "تحقیق الحق" میں آپ وحدت الوجُود کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں:-

"گویا سیّدی و سندی، رُوحی و رُوحی حضرت خواجہ شمسُ الدّین رضی اللہ عنہ الآن در بیان ایں راز و تلقین معنی کلمۂ طیّبہ متوجّہ نشستہ اند۔ ع

ہست مجلس بر آں قرار کہ بُود"

یعنی اِس کتاب کی تالیف کے دوران کلمۂ طیّبہ کے وحدت الوجُود پر مؤثر رُموز کی تشریح کے وقت آپ کو اپنے شیخ حضرتِ اعلیٰ سیالویؒ کے وصال کے پندرہ سال بعد اُن کی معیّت و حضُوری اور توجّہ اُسی طرح میسّر تھی جس طرح مندرج

بالا تقریر کے دَوران اُن کی حیات میں بمقام سیال شریف حاصل تھی۔ اَور پندرہ برس کی تو کوئی حقیقت ہی نہیں۔ اس شاہبازِ لامکانی کو تو عرفان کی منازل طے کرنے کے دَوران صُبح ازل بھی کل کی ہی بات معلوم ہوتی ہے۔ جیسے کہ خود فرماتے ہیں:

کُن فیکوُن تاں کل دی گل ہے اساں اگےّ پریت لگائی

توُں مَیں حرف نشان نہ آہا جدوں دتی میم گواہی

اجے وی اساں نوں اَوہ پئے دِسدے بیلے توُڑے کاہی

مہر علی شاہ رل تاہیں بیٹھے جدوں سِک دواں توں آہی

اَور یہی وُہ عارف و کامل ہستیاں ہی تو ہیں جن کی شان میں حضرت شیخ سعدیؒ نے فرمایا ہے:-

اَلَستِ ازل ہمچناں شاں بگوش	بفریاد قالُو بلیٰ در خروش

(ان کے دِل کے کانوں میں آج بھی اَلَستُ بِرَبِّکُمْ کی ازلی صدا گوُنج رہی ہے۔ اَور وُہ آج بھی بَلیٰ بَلیٰ کی فریاد میں سرشار و بے خوُد ہیں)

ظاہر ہے کہ عالِم سلُوک کی یہ منازل درس و تدریس اَور مطالعہ کُتب سے نہیں بلکہ مردانِ خُدا کی نگہِ کرم سے ہی حاصل ہوتی ہیں۔ چُونکہ اِس مسئلہ کا تعلق ذوق اَور حال سے ہے اِس لِئے اگر مردانِ خُدا کی رُوحانی شفقت و تربیتِ حال میسّر نہ ہو تو عقلِ جُزوی کے لِئے اِس کا حصُول محال ہے۔ کیونکہ ہر مرحلہ پر ایسے ایسے مُشکل نکات و مقامات آتے ہیں کہ علمِ ظاہر و قال کے ذریعہ اُن سوالات کا حل ہو ہی نہیں سکتا۔ اِس ضمن میں شہسوارِ میدانِ علم و عرفان حضرت مولٰینائے رُومؒ فرماتے ہیں ؎

قال را بگذار و مردِ حال شو	پیشِ مردِ کاملے پامال شو

ترجمہ۔ محض گفتگو کو چھوڑ کر حال کی کیفیت پیدا کر۔ اَور یہ تجھے اُسی وقت نصیب ہوگی جب تُو اپنے آپ کو کسی مردِ کامل کے قدموں میں ڈال دے گا۔

اِسی طرح حضرت مولٰینا جامیؒ کا ارشاد ہے ؎

رُستن ازیں پردہ کہ بر جانِ تُست	بے مددِ پیر نہ امکانِ تُست

ترجمہ:- اس حجاب و پردہ سے رہائی حاصل کرنا جو کہ تیری جان پر پڑا ہوا ہے۔ بغیر پیر کی اِمداد کے تیرے لِئے ممکن نہیں ہے۔

سیال شریف میں وحدت الوجُود پر ایک عالِم سے گفتگو

حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہ کی اپنی ایک تقریر جو آپ نے سیال شریف کے ایک بڑے عالِم کے سامنے مسلکِ وحدت الوجُود کے خلاف اِمتحاناً کی تھی اَور اُنہیں لاجواب کر دیا تھا، یہاں درج کی جاتی ہے۔ اِس سے اُس روایت کی بھی تردید ہو جائے گی جو بعض حلقوں میں پائی جاتی ہے کہ حضرتؒ نے سیال شریف کے ایک خلیفہ صاحب سے فتوحاتِ مکیہ کا درس لے کر مسلکِ وحدت الوجُود اختیار فرمایا تھا۔

یہ واقعہ اِس طرح ہے کہ حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہ کے ایک پُرانے ہم مکتب و ہم جماعت مولوی سیّد احمد، علمِ معقول میں قابلیت کا بڑا دعویٰ رکھتے تھے، لیکن جب کبھی حضرتؒ کے ساتھ بحث و مباحثہ کا موقعہ آتا تو اُس دعویٰ پر قائم

نہ رہ سکتے۔ اُن دنوں موضع بفہ کا درس علم معقول کی تعلیم کے لیئے بہت مشہور تھا۔ ایک مرتبہ یہ سید احمد صاحب اس درس کا ذکر کر کے حضرتؒ سے کہنے لگے کہ میں وہاں جا کر قاضی مبارک" مع منہیات پڑھوں گا اور پھر آ کر آپ کے ساتھ بحث کروں گا۔ آپ نے فرمایا کہ بفہ تو بجائے خود رہا۔ تم اگر آسمان پر بھی چلے جاؤ تو بھی کچھ نہ کر سکو گے کیونکہ تم میں معقولی بننے کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔

ایک دفعہ سیال شریف میں حاضری پر آپ کو معلوم ہوا کہ یہ مولوی سید احمد وہیں درویشوں میں مقیم ہیں۔ مگر نماز وغیرہ فرائض ترک کر چکے ہیں۔ حضرتؒ نے ملاقات پر انہیں فرمایا" ہم نے سنا ہے کہ تم میں سے انسانیت رخصت ہو چکی ہے۔ اور صرف حیوانیت باقی رہ گئی ہے۔" اُس نے کہا کہ میں آپ کو بھی نصیحت کرتا ہوں کہ میری طرح تعلیم و تدریس ترک کر کے ذکر جہر اختیار کریں۔ کیونکہ تعلیم وغیرہ میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔ حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ نے فرمایا کہ قطع نظر تمہاری اِس ظاہری حالت کے ترکِ تعلیم و تعلّم سے اگر تم نے کوئی خاص فائدہ حاصل کیا ہے تو مجھے بتلاؤ، تاکہ اُسے پیشِ نظر رکھ کر میں بھی تمہاری نصیحت پر غور کر سکوں۔ مجھے تو تم میں سوائے اِس کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ کہ تمام رات ذکرِ جہر کرنے کے باعث تمہیں قدرے رقتِ قلبی تو حاصل ہو گئی ہے مگر اسے عرفان نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ جسے عرفان حاصل ہو جائے وہ اتباعِ نبوی صلّی اللہ علیہ وسلّم کا تارک ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اِس پر مولوی سید احمد حضرتؒ کو مولوی صاحب جام پوری کے حجرہ میں لے گئے جو ذاکر و شاغل ہونے کے علاوہ بہت بڑے عالم بھی تھے۔ اور اُن سے کہا کہ پیر صاحب وحدت الوجود کے منکر ہیں انہیں قائل کر دیجئے۔ چنانچہ حضرتؒ قبلۂ عالم نے اُن کے سامنے وحدت الوجود کے مسلک پر حسب ذیل اعتراض کیا اور فرمایا کہ چونکہ مسئلۂ وحدت الوجود حضراتِ اولیائے کاملین اور محققین کے مشہودات میں سے ہے اِس لیئے میں اِس کا منکر تو نہیں مگر اپنے اور اِس شخص یعنی مولوی سید احمد کے حال کے پیشِ نظر از راہِ تحقیق یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ کیا ہمارے مشائخِ کرام حقیقتِ اشیأ کے منکر تھے (معاذ اللہ) کیونکہ حقائقِ اشیاء کا مسئلہ ہمارے اعتقادی مسلّمات میں سے ہے۔ کیا یہ چیز کہ جنّت حق ہے اور دوزخ حق ہے امرِ مسلّم نہیں؟ پھر زید کو جب دوزخ میں ڈالا جائے گا تو مذہبِ وجودیہ کی رُو سے عذاب کس کو ہو گا۔ اُس کی حقیقت کو یا تعین کو؟ اُس کی حقیقت تو عینِ حق ہے جو معذّب نہیں۔ اب اگر تعین کو عذاب ہو گا تو میں پوچھتا ہوں کہ تعین امرِ عدمی ہے یا وجودی؟۔ اگر عدمی ہے تو اُس کا وجود ہی نہیں کیونکہ امرِ عدمی کا وجود محض اعتباری ہے۔ امرِ عدمی کو انتزاع کے بعد وجود ملتا ہے نہ کہ انتزاع سے قبل۔ اور اگر تعین وجودی ہے تو وجود عینِ ذاتِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ ہے۔ مولوی صاحب جام پوری نے اِس تقریر سے مبہوت و متحیر ہو کر سکوت اختیار کیا اور کوئی جواب نہ دے سکے۔ اِس اعتراض کا جواب مفصّل طور پر کتاب "تحقیق الحق" مؤلفہ ۱۳۱۵ھ میں حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ نے دیا ہے۔

خلافتِ ارشاد اور تربیت میں امتیازی سلوک

حضرتِ اعلیٰ سیالوی قدس سرّہ العزیز نے حضرتؒ کے علمی اور عرفانی کمالات کے پیشِ نظر اپنے وصال سے کچھ عرصہ پہلے آپ کو تمام اشغال و وظائف کی اجازتِ عامہ اور بیعت و ارشاد کا منصب عطا فرما دیا تھا۔ اور عام طور پر کہا جاتا ہے کہ حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ آنجنابؒ کے آخری خلیفہ ہیں۔ یہ امر خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کہ حضرتِ اعلیٰ سیالویؒ کی حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ پر خاص نظرِ عنایت تھی۔ اور آنجنابؒ نے حضرتؒ کی دُوسرے مخلصین سے علیحدہ اور جُداگانہ رنگ

میں تربیت فرمائی جس کی تائید میں کئی واقعات بیان کیے جاتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ علاقہ چھچھ ضلع اٹک کے ایک سید صاحب حضرتِ اعلیٰ سیالوی کے ارادتمند تھے۔ ان کی مقبولیت دیکھ کر بعض چھاچھی علماء نے اُن کے ذکرِ جہر اور قوالی سُننے کے خلاف ایک طوفان کھڑا کر دیا۔ سید صاحب نے عُرس شریف کے موقعہ پر اس امر کی شکایت حضرتِ اعلیٰ سیالوی سے کی تو آنجنابؒ نے چند دیگر علماء کو اُن کی معاونت اور مخالفین کی مدافعت پر تیار کیا لیکن میاں سید محمد پوٹھواری کو حضرت کے پاس بھیج کر تاکیداً فرما دیا کہ آپ اس جھگڑے میں نہ آئیے گا اور الگ رہیئے گا۔ اِسی طرح حضرتِ اعلیٰ سیالوی نے حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کو سیال شریف خاص میں بھی لوگوں کو بیعت کرنے کی اجازت عطا فرمائی تھی۔ اور اپنے لباس، وضع قطع کو بھی تبدیل کرنے سے منع فرمایا تھا۔ حالانکہ آپ کے دیگر ارادت مند آپ کی پیروی میں سُنتِ شیخ سمجھتے ہوئے سر کے بال کٹواتے اور ٹوپی و تہبند یعنی چادر پہنتے تھے۔ اور سیال شریف خاص میں کسی کو بیعت کرنا خلافِ ادب قرار دیتے تھے۔ حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کے بال لمبے اور گھنگھریالے تھے۔ نیز آپؒ کُلاہ دستار و شلوار پہنتے تھے۔ حضرتِ اعلیٰ سیالوی نے ہزارہ کے ایک جیّد عالم مولوی سید احمد مرحوم کو سیال شریف میں ہی سب سے پہلے حضرتؒ سے حکماً بیعت کروایا تھا۔ اُن کے فرزند حافظ منظور حسین صاحب بہاولپوری بھی حضرتؒ کے مخلص مُرید ہیں۔

حضرت ثانی سیالویؒ کی خاص عنایات

حضرتِ اعلیٰ سیالوی قدس سرّہ العزیز کے پوتے جناب صاحبزادہ محمد سعد اللہ فرماتے ہیں کہ اُن کے والدِ بزرگوار حضرت خواجہ محمد دینؒ المعروف حضرت ثانی صاحب سیالویؒ کا حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ سے بہت گہرا تعلق تھا۔ اور بہت محبت بھرے خطوط تحریر فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ نے ناسازیٔ طبع کے باعث عُرس سیال شریف کی حاضری سے معذوری کا عریضہ لکھ بھیجا جس وقت یہ خط سیال شریف پہنچا، اُس وقت قوالی ہو رہی تھی اور قوال یہ شعر پڑھ رہے تھے ۔

پیت کا وعدہ کر کے پیا نے پیت نبھانا چھوڑ دیا   مہر کی اکھیاں پھیر لئیں، دم دم کا آنا چھوڑ دیا

حضرت ثانی صاحبؒ خط پڑھ کر غمگین ہو گئے اور قوالوں کو فرمایا کہ دُوسرے مصرعہ کی جگہ پر پڑھیں :-

ع   مہر نے اکھیاں پھیر لئیں، دم دم کا آنا چھوڑ دیا

قوال ابھی یہ شعر پڑھ ہی رہے تھے کہ اطلاع ملی کہ حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ دریا کے پتن پر پہنچ چکے ہیں حضرتؒ فرماتے تھے کہ عریضہ روانہ کرنے کے بعد معاً میرے دل میں خیال آیا کہ سیال شریف جانا چاہیئے چُنانچہ اُسی وقت تیار ہو کر روانہ ہو پڑا

ایک مرتبہ حضرتِ اعلیٰ سیالوی کے عُرس پر سیال شریف میں بعض حضرات نے حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ پر اعتراضات کیے کہ آپ یہاں اپنے پیر کے مسکن پر لوگوں کو بیعت کرتے ہیں۔ بال نہیں کٹواتے۔ مجلس سماع میں قوالوں کو خُود اُٹھ کر عطیہ نہیں دیتے۔ اور لباس میں بھی اپنی وضع اختیار کر رکھی ہے۔ یہ تمام اُمور ہمارے مشائخ کے معمول کے خلاف ہیں۔ حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ تو خاموشی سے سُنتے رہے اور کچھ نہ بولے لیکن حضرت ثانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اُن کی طرف سے اعتراضات کے جواب دیئے اور قدرے جذبہ کے ساتھ فرمایا کہ مُعترضین کو غالباً معلوم نہیں کہ جس وقت حضرتِ اعلیٰ سیالوی نے پیر صاحبؒ کو خلافت عطا فرمائی تھی تو خود اپنی موجُودگی میں یہاں سیال شریف میں ایک ہزاروی شاہ صاحب کو اِن سے بیعت کروایا تھا۔ اور آپ کے گھنگھریالے خُوبصورت بال دیکھ کر ارشاد فرمایا تھا کہ شاہ جی آپ کے بال بہت خُوبصورت ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ جس شخص کے بال ہوں اُسے اُن کا خیال رکھنا چاہیئے۔ نیز حضرتِ اعلیٰ قدس سرّہٗ نے فرمایا تھا کہ شاہ

جی، اچھا لباس رکھا کرو۔ میں نے تو طالب علمی کے زمانہ سے ہی اپنی سہولت کے لیے بال کٹوانے شروع کر دیئے تھے اور نیلا تہبند اور ٹوپی پہنتا تھا، اسے سُنّت نہ سمجھنا۔ لہٰذا ان معاملات میں شاہ جی اپنے شیخ کے ارشاد کی تعمیل کر رہے ہیں۔ باقی رہا قوالوں کو خود اُٹھ کر عطیہ نہ دینے کا معاملہ، تو یہ سوال اُس سے کیا جا سکتا ہے جو روپیہ پیسہ اپنے پاس رکھتا ہو۔ اور ان اُمور کی طرف توجہ رکھتا ہو۔ شاہ صاحب ایسے فارغ عن الدُنیا ہیں کہ انہیں خبر ہی نہیں ہوتی کہ کتنی رقم آئی اور کس نے دی۔ یہ نذر بردار خدّام ہی کے ذمّہ ہے کہ مجالس میں عطیہ دے دیا کریں۔

حضرت اعلیٰ سیالویؒ کے فیوض و برکات و بعض مشہور خُلفاء کا ذکرِ خیر

حضرتِ اعلیٰ خواجہ شمس الدین سیالویؒ متبحر عالم ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بڑے پایہ کے شیخ طریقت بھی تھے حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ اپنے شیخ کی شان میں فرمایا کرتے تھے کہ میرے شیخ علمِ طریقت کے مُجتہد اور مجدد تھے۔ آپ حضرت خواجۂ خواجگان محمد سُلیمان تونسوی چشتی نظامی فخری رحمۃ اللہ علیہ کے خلفائے عظام میں سے ہُوئے ہیں۔ اِس خطۂ زمین میں آپ کے دریائے سخاوت کا فیض ضرب المثل بن چکا ہے۔ آپ کے اِرادتمندوں کی تعداد لاکھوں تک پہنچی ہوئی ہے۔ اور سِلسلۂ خلفاء بھی بہت طویل ہے۔ صاحبِ انوارِ شمسیہ نے پینتیس ۳۵ حضرات کے اسمائے گرامی تحریر کیے ہیں۔ اور ان میں حضرتِ اعلیٰ سیالوی کے تین صاحب زادگان، حضرت ثانی خواجہ محمد دین، خواجہ فضل دین اور خواجہ شعاع الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے ذکرِ خصوصی کے بعد لکھا ہے:۔

> یہ پانچ خلفائے عظام بہ نسبت دیگر خلفائے زمان زیادہ ترفیض رسان عالیشان اور برگزیدہ فضلائے جہان ہیں۔ کرامت و عظمت پناہ حضرت غلام حیدر شاہ ساکن جلال پور شریف، عوارف و فضایل دستگاہ حضرت مہر علی شاہ ساکن گولڑہ شریف، قدوۃ العاشقین مولوی فضل دینؒ ساکن جاچڑ تحصیل شاہ پور زبدۃ السالکین مولوی معظم دینؒ ساکن مرولہ والا تحصیل بھیرہ، برگزیدہ صادقین مولوی محمد امینؒ ساکن چکوڑی ضلع گجرات۔ مگر ان میں سے جناب شاہ صاحب جلالپوری اور حضرت پیر صاحب گولڑوی کرامات اور کمالات میں مُستثنیٰ ہیں اور خلائق کی ہدایت اور افادت کے لیے مُقتدا ہیں۔

سلسلۂ عالیہ چشتیہ نظامیہ کی اشاعت جس قدر حضرت اعلیٰ سیالوی نے اپنے وقت میں کی اُس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ آپ کی ولادت باسعادت ۱۲۱۴ھ یعنی ۱۸۰۰-۱۷۹۹ء میں بمقام سیال شریف ہُوئی اور وصال ۲۴ صفر ۱۳۰۰ھ یعنی ۱۸۸۳ء میں اسی مقام پر ہی ہُوا۔ آپ کے حالاتِ زندگی میں "مراۃ العاشقین" اور "انوارِ شمسیہ" خاص طور پر مشہور ہیں۔

اقتباس از کتاب "انوارِ شمسیہ"

"انوارِ شمسیہ" مؤلفہ ۱۳۳۴ھ کے مؤلف مولوی امیر بخش خوشابی رحمۃ اللہ علیہ نے جو حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کے پیر بھائی اور حضرت ثانی صاحب سیالوی کے منظورِ نظر خُدام میں سے تھے۔ حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کی شان میں مندرجہ ذیل اشعار

موزوں فرمائے تھے جو اِس کتاب میں درج ہیں ؎

مُقتدائے سالکان و کاملان　　　دستگیرِ بےکسان و عاجزاں

قرّۃ العینین سرورِ انبیاءؐ　　　وارثِ حسنینؑ فخرِ اصفیاؒ

زینتِ سجّادۂ کُلِ چشتیاؒ　　　نازنینِ بارگاہِ مُرتضےٰؓ

کاملے غوّاصِ بحرِ معرفت　　　افضلے شہبازِ اَوجِ منزلت

معدنِ علمِ خفی و ہم جلی　　　حضرتِ مہرؒ علی شاہِ ولی

از کمالش گشت شورے درجہاں　　　شُد چو مِقناطیس درجذبِ دلاں

فاضلانِ دیں غلامِ درگہش　　　سرورانِ دہر خُدّامِ درش

جنّ و اِنساں طالبِ دیدارِ اُو　　　گشت روشن عالمِ از انوارِ اُو

درکمالات و کرامت بےنظیر　　　مثلِ جدِّ خویش شاہِ دستگیر

فیضِ اُو چوں مُنتشر شُد در بسیط　　　گشت بر اطرافِ عالم را محیط

غیرِ مذہب کجرواں از ہر دیار　　　گشتہ اند در پیشِ علمش شرمسار

گر نبُودے ذاتِ اُو دریں زماں　　　تیرہ گردیدے جہاں از گمرہاں

نسبِ اُو از پُشتِ بست و چارمیں　　　مے رسد با دستگیرے محی دیںؓ

از طفیلِ حُرمتِ خیرُالبشرؐ
باد فیّاضِ خلائق تا حشر

باب چہارم

زمانۂ جذب و سیاحت

سنہ ۱۳۰۰ھ تا سنہ ۱۳۰۷ھ

سنہ ۸۳-۱۸۸۲ء تا سنہ ۹۰-۱۸۸۹ء

زمانۂ جذب وسیاحت

حضرتؒ کی اپنے شیخ سے عقیدت

حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کو اپنے شیخ کریم کے ساتھ بے حد عقیدت اور کمال درجہ کی محبت تھی "ملفوظاتِ طیبات" میں آپ کا ارشاد بدیں مضمون درج ہے :۔

"ہمارے خواجہ شمس الحق والدینؒ کی سخاوت کا یہ عالم تھا کہ جو بھی محبت سے آیا اُسے اُس کی استعداد سے زیادہ فیوض و برکات سے نوازا۔ جس کسی نے آپ کو ایک بار دیکھا اُسے دوبارہ دیکھنے کی ہمیشہ حسرت رہی۔ ۱۳۰۷ھ میں حج بیت اللہ شریف کے موقعہ پر حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ خود بخود میری طرف متوجہ ہوئے اور باطنی نعمت دینا چاہی۔ لیکن میرے دل میں خیال گذرا کہ جو رُخ انور ہم نے دیکھا ہے جہاں میں اور کہیں نظر نہیں آتا۔ آخر اُن کے اصرار پر عرض کی کہ اگرچہ ضرورت محسوس نہیں ہوتی ہے لیکن چونکہ آپ بخوشی عنایت فرما رہے ہیں۔ لہٰذا آپ کا شکر گذار ہوں۔ تاہم اس عنایت کو اپنے شیخ طریقت کی طرف سے سمجھتا ہوں۔ چنانچہ اُنہوں نے سلسلۂ طریقت چشتیہ صابریہ عنایت فرمایا۔"

حضرت حاجی صاحبؒ کے واقعہ کی تفصیل اسی باب میں آگے درج ہے۔

طلبِ مزید کیلئے بیابانوں میں خلوت کا راز

حضرتِ اعلیٰ سیالویؒ کی زندگی میں حضرت قبلۂ عالمؒ کی توجہ زیادہ تر مقامی درس و تدریس، ریاضات و عبادات اور وقتاً فوقتاً سیال شریف کی حاضری اور استفادہ پر رہی۔ ۱۳۰۰ھ میں حضرت خواجہ صاحب قدس سرہٗ کا وصال آپؒ کے سمندِ شوق کے لیے تازیانہ اور انتہائی بے قراری کا باعث ہوا۔ ہمتِ عالیہ کی تشنگی ابھی فرو نہیں ہوئی تھی اس لیے اربابِ فقر کے حسبِ معمول طلبِ مزید کے لیے علومِ رسمیہ کی تعلیم و تدریس کو خیرباد کہہ کر جہاں گردی اور صحرانوردی اختیار فرماتے ہوئے اپنے جدِ امجد حضرت غوث الاعظمؓ کی سُنّت کو پُورا کیا۔ کیونکہ آنجنابؓ بھی علومِ ظاہرہ کی تکمیل کے بعد سالہا سال تک عراق کے بیابانوں میں شاغل بخدا رہتے ہوئے کسی ایک مقام پر قرار پذیر نہ ہوئے تھے۔ حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کی عمر اُس وقت پچیس برس کی تھی۔

بزرگانِ دین کے معمُول صحرانوردی کی بڑی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ابتدائے حال میں یکسُوئی کے لیے اُنہیں خلوت کی ضرُورت ہوتی ہے جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غارِ حرا میں تشریف لے جایا کرتے تھے اِن ایّام میں لوگوں سے زیادہ میل جول اِن کے حال میں رکاوٹ کا باعث ہوتا ہے ۔ اور جب تکمیل کے بعد مشاہدۂ دوام اور مقامِ صحو و تمکین پر فائز ہو جاتے ہیں تو خلوت سے جلوت کی طرف رجُوع فرماتے ہُوئے ہدایتِ خلق میں مصرُوف ہو جاتے ہیں ۔ اُس وقت اُن کو جلوت میں خلوت اور کثرت میں وحدت کا مشاہدہ ہوتا ہے ؎

خلوت میں ہو مشقِ تصور، نقص کمالِ عشق یہی ہے
تنہائی کے معنی یہ ہیں، سب میں رہ کر تنہا ہو جا

اس وقت یہ سب میں ہوتے ہُوئے، سب میں رہتے ہُوئے بھی سب سے الگ ہوتے ہیں ۔

وصالِ شیخ کے بعد آپ کی حالت

حضرتِ اعلیٰ سیالوی رح کے وصال کے بعد آپ کے سفر و سیاحت کے اکثر حالات آپ کے منتظم خط و کتابت ملک سُلطان محمُود ٹوانہ نے حضرت کے پُرانے شاگرد اور سفر و حضر کے مصاحب جناب مولوی محبُوب عالم رح کی زبانی قلمبند کیے تھے ۔ اور کچھ واقعات جناب مولٰنا غلام محمد شیخ الجامعہ بہاول پُور نے بھی اپنے مسوّدات میں تحریر کیے ہیں ۔ مولوی محبوب عالم رح قریباً بارہ سال کی عُمر میں حضرت رح کے درس میں شامل ہُوئے تھے ۔ اور پھر ساری عُمر حضرت رح کی خدمت میں بسر کر کے بالآخر اسی جگہ فوت ہو کر دفن ہُوئے ۔ ان کے والد حضرت مولوی عصمت اللہ خان ہزاروی سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کے پیرِ طریقت تھے ۔ اُنھوں نے اپنے اِس لڑکے کی تعلیم و تدریس کا خاص طور پر انتظام کیا تھا مگر اس صاحبزادہ نے، موضع گڑھی افغاناں علاقہ حسن ابدال میں ایک عُرس کے موقعہ پر حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کو دیکھ کر کچھ ایسی کشش محسُوس کی کہ ذہنی طور پر تمام علائقِ دُنیوی سے بے تعلّق ہو کر آپ کی سرپرستی میں رہنے کو ترجیح دی ۔ وُہ بیان کرتے ہیں کہ اُس روز حضرت رح نے سفید شلوار اور سفید قمیص پہن رکھی تھی ۔ سر پر دستار بھی سفید ہی تھی اور لمبے گھنگھریالے بال ۔ ریش مُبارک ابھی اچھی طرح گھنی نہیں ہُوئی تھی ۔ آپ ٹہل رہے تھے اور پاس سے گذرتے ہُوئے دو تین مرتبہ غور سے آپ نے میری طرف دیکھا ۔ آنکھوں میں ذوقِ الست کی مستی تھی یا جُنُونِ مجذوبانہ والی ازلی کشش کہ دل بے ساختہ مسحُور ہو کر آپ کی طرف کھنچا چلا گیا ۔ یہاں تک کہ چند روز بعد ہی گھر سے بھاگ کر گولڑہ شریف حاضر ہونے پر مجبُور ہو گیا ۔ وہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ آپ سیال شریف گئے ہُوئے ہیں لہٰذا واپس چلا گیا ۔ دوبارہ جب آنے لگا تو بڑے بھائی نے تعاقب کر کے راستہ میں آن پکڑا ۔ مگر میں نے منّت سماجت کر کے کہا کہ والد صاحب بقیدِ حیات ہیں ۔ اُن کی سجادگی اور جائداد تمہیں مُبارک ہو میں نے اپنے حصّہ کی جائداد بھی تمہیں بخشی ۔ مجھے جانے دو میں حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کی خدمت میں رہنا چاہتا ہُوں ۔ بھائی نے میری باتیں سُن کر چھوڑ دیا اور میں گولڑہ شریف حاضر ہو گیا ۔ میرے پہنچنے سے تھوڑا عرصہ ہی قبل حضرتِ اعلیٰ سیالوی رح کا وصال ہوا تھا ۔ اور حضرت رح اپنے شیخ کے فراق میں عجیب غم و اندوہ کی کیفیت میں مُبتلا تھے ۔ نماز ادا کرتے وقت یا وظائف پڑھتے وقت یا باتیں کرتے ہُوئے، حتیٰ کہ اُٹھتے بیٹھتے آپ پر گریہ طاری رہتا ۔ اِس صُورتِ حال کے پیشِ نظر درس و تدریس کا کام بڑے بڑے شاگردوں نے سنبھال لیا تھا چُنانچہ کچھ عرصہ یہی حالت رہی ۔ اور پھر سفروں کا طویل سِلسلہ شروع ہو گیا ۔ آپ کئی کئی مہینے متواتر غائب رہتے اور پتہ

نہ چلتا کہ کہاں ہیں کبھی اچانک واپس آجاتے اور مختصر قیام کے بعد پھر کہیں روانہ ہو جاتے کبھی تنہا ہوتے اور کبھی کسی کو ساتھ لے لیتے۔ کسی جگہ زیادہ قیام فرماتے اور کہیں کم۔ اولاً یہ سلسلہ لاہور اور پنجاب کے دیگر شہروں تک محدود رہا مگر پھر ہندوستان کی طرف رُخ فرمایا اور حضرت خواجۂ بزرگ غریب نواز اجمیری کے آستانۂ عالیہ پر حاضر ہوئے۔ جہاں سے کسی اشارۂ غیبی کے تحت واپس تشریف لاکر حجازِ مقدس کا سفر اختیار فرمایا۔ اور جنابِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے دربارِ گہربار سے صحو و تمکین کے مرتبۂ عالی پر فائز المرام ہو کر بالآخر ۱۳۰۷ھ میں دولت خانہ پر واپس آکر مسندِ ارشاد پر متمکن ہوئے۔ بعض سفروں کے معلوم شدہ حالات کی تفصیل درج ذیل ہے۔

مُجاہداتِ کنارِ راوی

سب سے پہلے ایک طالبِ علم فیض عالم نامی کو ہمراہ لے کر حضرتؒ نے گولڑہ شریف سے لاہور کا سفر اختیار کیا۔ ایک آدھ روز اپنے پیر بھائی حافظ محمد دین سکنہ کوچہ ٹھیکیداراں کشمیری بازار کے پاس رہ کر بالآخر راوی کے کنارے جہاں اُن دِنوں گھنا جنگل ہوا کرتا تھا، جا ٹھہرے کبھی تیسرے چوتھے روز شہر میں کچھ وقت کے لیے چلے جاتے دِن کو روزہ اور رات کو قیام ہوتا۔ تمام وقت پاسِ انفاس، ذِکرِ جہر اور عبادت و ریاضت میں بسر ہوتا۔ کئی کئی دن کے بعد بیحد اصرار پر کچھ تناول فرما لیتے ورنہ محض ذِکرِ الٰہی پر بسر اوقات فرماتے تھے۔ البتہ ذوق شوق، سوز و گداز اور درد کی رُوحانی غذا کی طلب رہتی۔ سُنہری مسجد کے نیچے ستاروں، ربابوں اور سارنگیوں کی ایک دوکان تھی۔ شہر میں آتے تو کبھی کبھی وہاں ضرور جا بیٹھتے۔ کبھی کوچہ ٹھیکیداراں کی مسجد میں رات گزارتے۔ جب آپ کے علم و فضل کا چرچا ہونا شروع ہوا اور عُلماء کی آمد و رفت شروع ہو گئی تو اُن کے پاس خاطر سے شیخ الٰہی بخش کُتب فروش کی دوکان پر تشریف لانے لگے۔ سازندوں کی دوکان پر ایک روز ایک خُوش رُو نوجوان کرم دین نامی پر جو ستار نواز بھی تھا آپ کی نظر پڑی تو اُس نے کچھ ایسی کشش محسوس کی کہ اپنی مصروفیات کا خیال ترک کر کے آپ کی طرف لوٹا اور بولا "فقیر! یہ لاہور ہے، دِلی نہیں کہ غدر پڑ جائے"۔ آپ نے مُسکرا کر کمبل اُٹھایا اور مسجد میں چلے گئے۔ دیکھا تو کرم دین بھی پیچھے پیچھے تھا۔ آپ نے فرمایا لاہور اپنی جگہ کیوں نہ قائم رہا پیچھے پیچھے کیوں چلا آیا۔ کرم دین نے معذرت کر کے آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی اور حلقۂ ذاکرین میں شامل ہو کر نیک بختوں میں سے ہوا۔

حافظ محمد دین کا ایک آشنا خلیفہ نُور دین نان فروش بھی آپ کا عقیدت مند اور شیدائی تھا اور کبھی کبھی دُودھ اور نان لے کر راوی کے کنارے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا۔ جنگل میں آپ کی تلاش کے لیے آپ کا طالبِ علم فیض عالم یا حافظ محمد دین یا خلیفہ نُور دین ذِکرِ جہر کی آواز پر کان لگاتے اور آواز سے سمت کا تعین کر کے آپ کے پاس پہنچ جاتے۔ فیض عالم کو آپ کبھی راوی کے کنارے یا شہر کی کسی مسجد میں، جہاں بھی موقعہ ملتا سبق پڑھا دِیا کرتے۔ جمعہ کے روز کپڑے دُھلواتے غسل فرماتے اور بالعموم مسجد وزیر خان میں نمازِ جُمعہ ادا فرمایا کرتے۔

شیخ الٰہی بخش کُتب فروش بھی بہت عقیدت مند تھا۔ اُس کی دوکان کے قریب ایک مسجد تھی جس کے امام حکیم فضل احمد بھی آپ سے بیعت ہو گئے تھے۔ وُہ بھی کبھی خود اور کبھی اپنے ایک یتیم بھتیجے شیر محمد کے ذریعے آپ کی خدمت میں کھانا پہنچایا کرتے تھے۔ شیر محمد اُن دنوں ہائی سکول کا طالبِ علم تھا۔ ایک روز حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کے متعلق اپنے چچا

سے کہنے لگا کہ یہ فقیر تو کابل کا کوئی جاسُوس معلوم ہوتا ہے۔ آپ نے اِسے خواہ مخواہ ولی بنا رکھا ہے۔ یہ سُن کر حکیم صاحب سخت ناراض ہُوئے اَور اُسے کہا کہ ابھی پیر صاحب کی خدمت میں کھانا لے جاؤ اور اِن بے اَدبانہ الفاظ کی اُن سے مُعافی مانگو۔ شیر محمد غُصّے کے عالم میں دریائے راوی پر پہنچا۔ دِل میں گھر سے بھاگ جانے یا دریا میں ڈوب مرنے کے خیالات موجزن تھے۔ جب حضرتؒ کے پاس پہنچا تو آپ نے خلافِ معمول متوجہ ہو کر دلجوئی فرمائی اَور پھر اپنے اورادو اشغال میں مصرُوف ہو گئے۔ اتفاق سے اُس وقت شیر محمد کا ہاتھ حضرتؒ کے کمبل سے چھُو لیا تو اُس پر کچھ ایسی رقت طاری ہُوئی کہ بہت دیر تک بے اِختیار روتا رہا۔ جب قدرے سنبھلا تو دِل کی دُنیا ہی بدل چکی تھی۔ پھر آپ کی خدمت میں بیٹھا رہا۔ اَور اُس وقت تک نہ اُٹھا جب تک کہ آپ سے بیعت نہ ہو لیا۔

خان بہادر مولوی شیر محمد اِسسٹنٹ پولٹیکل ایجنٹ گلگت

آگے چل کر یہی لڑکا بفضلِ ایزدی دینی و دُنیوی عرُوج حاصل کر کے خان بہادر مولوی شیر محمد اسسٹنٹ پولٹیکل ایجنٹ گلگت ہُوا۔ گورنمنٹ سے اپنی احسن خدمات کے صلہ میں تین پُشت کی پنشن حاصل کر کے گولڑہ شریف میں سکُونت اِختیار کی اَور حضرتؒ سے بعض کُتب کا درس لینے کے ساتھ ساتھ مرتے دم تک حضرتؒ کی خط و کتابت کے اِنتظام کی خدمت سرانجام دی۔ ۱۹۲۳ء سے ۱۹۲۶ء تک گولڑہ شریف میں قیام رہا۔ ۱۹۲۶ء میں اُنہوں نے اِنتقال کیا اَور یہیں دفن ہُوئے۔ حضرت اپنی آخری تصنیف "تصفیہ مابین سُنّی و شیعہ" اِن ہی سے لکھوا رہے تھے جو اِن کے اِنتقال کے باعث ناتمام رہی۔

خان بہادر مرحُوم بیان کرتے تھے کہ میں ایک مرتبہ لاہور میں سخت بیمار ہو گیا۔ غلبۂ مرض کے باعث بچنے کی اُمیّد نہ رہی۔ خواب میں دیکھا کہ ملک الموت نے جان قبض کر لی ہے اَور تجہیز و تکفین و تدفین کے بعد نکیرین سوال و جواب کے لیے آئے ہیں۔ مَیں نے سوالات کے جواب صحیح عرض کر دیئے۔ جب پُوچھا گیا مَاکُنْتَ تَقُوْلُ فِیْ ھٰذَا الرَّجُلِ (اِن سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلّق تم کیا کہتے ہو)۔ تو سامنے سنگ مرمر کی ایک بلند دیوار میں ایک دریچہ کھُل گیا۔ اَور اُس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما نظر آئے۔ میں نے عالمِ وارفتگی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے عرض کی۔ اَے اللہ کے محبوبؐ! میں جانتا ہُوں کہ آپ خُدا نہیں ہیں اَور آپ کی شریعت میں غیر خُدا کو سجدہ روا نہیں مگر دِل کے ہاتھوں مجبُور ہو کر میں آپ کے حضُور سربسجُود ہوتا ہُوں۔ یہ کہہ کر میں نے سر زمین پر رکھ دیا۔ جب اُٹھایا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرشتوں سے فرما رہے تھے کہ ابھی اس کا وقت نہیں آیا، اِسے واپس لے جاؤ۔ ساتھ ہی میری آنکھ کھُل گئی۔ دیکھا تو عزیز و اقارب میری چارپائی کے گرد ماتم کر رہے تھے۔ اگلے روز گولڑہ شریف میں جناب غوث الاعظمؓ کے عُرس مُبارک کی آخری مجلس تھی۔ چونکہ اصل مرض غائب ہو چکا تھا اس لیے باوجُود شدید نقاہت کے دو آدمیوں کی امداد سے اُسی شام بذریعہ ریل گاڑی روانہ ہو کر صبح گولڑہ شریف حاضر ہو گیا۔ مجلس شریف پُرانے مہمان خانہ میں منعقد تھی۔ اَور حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ بصد شان رعنائی رونق افروزِ محفل تھے۔ باوجُود اس طویل علالت اَور شدید نقاہت کے لنگر شریف کے چاول و گوشت تمام مہمانوں کے ساتھ خُوب سیر ہو کر کھائے مگر کوئی گرانی نہ ہُوئی اَور اللہ تعالیٰ کے کرم سے چند ہی روز میں مکمّل طور پر صحت یاب ہو کر بھلا چنگا ہو گیا۔

فتوحاتِ مکیّہ کا بالاستیعاب مطالعہ

حضرت قبلہ عالم قدس سرہٗ کو آپ کے شیخ طریقت رحؒ نے فتوحاتِ مکیہ مصنفہ حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کے مطالعہ کی تاکید فرمائی تھی۔ چنانچہ آپ نے شیخ الٰہی بخش کتب فروش لاہور کے ذریعہ اس کتاب کی جستجو فرمائی تو معلوم ہوا کہ تمام شہر لاہور میں اس کا صرف ایک ہی نسخہ ہے جو خواجہ کریم بخش سوداگر چرم کے پاس ہے اور وہ کہتے ہیں کہ میں نے آزمائش کی ہے کہ بڑے بڑے مولوی بھی اس کتاب کی عبارت تک صحیح نہیں پڑھ سکتے۔ اس لیے اگر کوئی صاحب اس کتاب کا صرف ایک صفحہ درست پڑھ کر مطلب بیان کر دیں تو وہ روزانہ چند گھنٹے میرے مکان پر آ کر اس کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔ چنانچہ حضرت رحؒ تشریف لے گئے اور کئی صفحات معہ مطلب کے پڑھ کر انہیں سنائے۔ وہ اس قدر خوش ہوئے کہ کتاب آپ کے حوالے کر دی کہ بہ اطمینان پڑھ کر واپس کر دیجئے گا۔ آپ نے تسلّی و اطمینان سے اس کا مکمل طور پر مطالعہ فرمایا اور پھر کتاب فارغ ہونے پر لوٹا دی۔

تدریس کی پیش کش

ایک روز آپ لاہور کی ایک مسجد میں مشغولِ وظائف تھے کہ کسی دینی مدرسہ کے دو طالب علموں نے وہاں آ کر اپنا سبق دُہرانا شروع کر دیا۔ ایک طالب علم نے کافیہ کی یہ عبارت پڑھی:۔

اَلْمَرْفُوْعَاتُ هُوَ مَا اشْتَمَلَ عَلٰى عَلَمِ الْفَاعِلِيَّةِ فَمِنْهُ الْفَاعِلُ — مرفوع وہ اسم ہے جو علامتِ فاعل پر مشتمل ہو۔ ان میں سے ایک چیز فاعل ہے۔

ان طالب علموں نے فَمِنْهُ الْفَاعِلُ کے مِنْ کو بعضیہ قرار دیا۔ حضرت رحؒ کے گوش مبارک پر یہ آواز پڑی، تو آپ نے فرمایا کہ یہاں مِنْ کو بعضیہ تم خود کہہ رہے ہو یا تمہارے استادِ محترم نے اس طرح پڑھایا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہمیں پڑھایا ہی اسی طرح گیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ افسوس نہ تم سمجھے اور نہ تمہارے استادِ محترم، انہوں نے پوچھا یہاں مِنْ تبعیضیہ نہیں تو کیا ہے۔ فرمایا تمہارے استاد ہوتے تو بات کرتا۔ وہ لڑکے اسی وقت اپنے استاد کو بلا لائے۔ جنہوں نے آتے ہی پوچھا "میاں کیا آپ نے مِنْ بعضیہ کو غلط کہا ہے؟" آپ نے اثبات میں جواب دیا۔ استاد صاحب نے وجہ پوچھی تو فرمایا "مِنْ تبعیضیہ کا مدخول کل ذوالابعاض ہوتا ہے اور یہاں ضمیر مفرد ہے کل نہیں"۔

مولوی صاحب نے کہا یہ تو کوئی بات نہ ہوئی کیونکہ ضمیروں کا معنیٰ ان کا مرجع ہی ہوا کرتا ہے اور یہاں مرجع مرفوع ہے جو کہ المرفوعات سے معلوم ہو رہا ہے اور وہ کلّی ہے۔ حضرت نے فرمایا بے شک وہ کلّی ہے مگر مِنْ کا مدخول کل ہوا کرتا ہے نہ کلّی۔ کل اور کلّی کے درمیان فرق بیّن موجود ہے یعنی مِنْ بعضیہ کا مدخول کل ذوالابعاض ہوتا ہے نہ کہ کلّی ذوالافراد۔

مولوی صاحب اس مسئلہ پر تو خاموش ہو گئے مگر شاگردوں کے سامنے اپنی برتری ظاہر کرنے کے لیے مناظرانہ گفتگو شروع کر دی اور پوچھا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ میں هُمْ کی حیثیت کیا ہے؟ حضرت رحؒ نے فرمایا یہ ضمیرِ فصل ہے۔ مولوی صاحب نے دوسرا سوال کیا کہ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا اگر اللہ کے

سوا اَور معبود ہوتے تو کائنات تباہ ہو جاتی) میں لفظ اٰلِهَةٌ جمع ہے اَور جمع کے اقل افراد تین ہوتے ہیں تو اِس آیۂ کریمہ سے تین یا تین سے زیادہ معبودوں کی نفی تو ہو گئی مگر دو کی نفی تو نہ ہُوئی۔ پھر یہ آیت مثبت توحید کیوں کر ہُوئی؟

آپؒ نے جواب دیا کہ قضیۂ شرطیۂ مذکورہ میں ثبوتِ توحید کی مدار ترتّب تالی یعنی کلام کے آخری حصّہ لَفَسَدَتَا پر ہے۔ اَور ترتّبِ تالی جس طرح تین یا زائد پر ہوتا ہے اُسی طرح دو پر بھی ہوتا ہے۔ پس لزومِ فساد جس طرح تین یا زائد سے ہوتا ہے اُسی طرح دو سے بھی ہو گا۔ لہٰذا اِستدلال تام ہے۔

حضرتؒ نے یہ جواب دے کر مولوی صاحب سے فرمایا۔ اَب آپ فرمائیں کہ اثباتِ توحید کے لِیے یہاں اقل درجہ اِلٰهَیْنِ (دو معبودوں) کا ذِکر چھوڑ کر جمع لانے میں کیا حکمت ہے۔ اِس پر مولوی صاحب لاجواب ہو کر خاموش ہو گئے۔

اگلے روز مدرسہ کے صدر اَور اراکین نے مولوی صاحب کے ہمراہ آکر حضرتؒ کو مدرسہ کی صدارتِ اساتذہ کے منصب کی پیش کش کی مگر آپ نے معذوری کا اِظہار فرمایا۔

ایک مرتبہ آپ لاہور کی کسی مسجد میں تسبیح پڑھ رہے تھے کہ امامِ مسجد مولوی غلام اللہ جو قصُور کے رہنے والے تھے کچھ دیر تک آپ کو معترضانہ انداز سے دیکھتے رہے اَور پھر آپ کی درویشانہ وضع اَور طرزِ عبادت یعنی تسبیح خوانی وغیرہ پر سوالات شروع کر دیئے۔ جب جوابات تسلّی بخش مِلے اَور کوئی بات نہ بن سکی تو کہا کہ صدرا کی مثناۃ بالتکریر کی تقریر کیجیے۔

اَب صدرا علمِ طبعی کی کتاب ہے اَور اِسے مضمونِ زیرِ بحث یعنی تسبیح وتہلیل سے دُور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ نیز مثناۃ بالتکریر علماء کے نزدیک اِس کتاب کا ایک معرکۃ الآرا مقام ہے لیکن حضرتؒ نے بغیر کسی تامّل کے ایسی آسان اَور سہل تقریر فرمائی کہ مولوی صاحب دم بخود رہ گئے۔ بالآخر کہنے لگے کہ ربّ العزّت کے دربار میں بازپُرس کے لِیے تیار رہیئے۔ حضرتؒ نے پُوچھا یہ کیوں، تو کہنے لگے کہ جو شخص سینے میں علم کا دریا لِیے پھرتا ہو اَور خلقِ خُدا کو سیراب نہ کرے اُس سے کیونکر بازپُرس نہ ہو گی۔

اِدھر تو مولوی صاحب درس نہ دینے اَور وعظ نہ کہنے پر معترض تھے اُدھر بادہ کشانِ عشق ومحبت کا تقاضا سُنیئے۔

حضرتؒ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں لاہور کسی کتاب کے مطالعہ میں مصرُوف تھا اَور ایک مجذُوب میرے پاس خاموش بیٹھا تھا جب میں کتاب میں ہی منہمک رہا تو وُہ یہ رُباعی باآوازِ بلند پڑھتے ہُوئے چلا گیا جس کے سُننے سے کئی روز تک طبیعت پر کیفیت طاری رہی ؎

خُونِ نابہ دِل خُور کہ شرابے بہ ازیں نیست	دنداں بہ جگر زن کہ کبابے بہ ازیں نیست
در کنز و ہدایہ نتواں یافت خدا را	در صفحۂ دِل بیں کہ کتابے بہ ازیں نیست

شاہی مسجد لاہور کے حجروں میں قیام

۱۳۰۱ھ میں حضرتؒ چند روز کے لِیے گولڑہ شریف آئے اَور مختصر قیام کے بعد پھر واپس لاہور چلے گئے۔

اس مرتبہ شاہی مسجد کے حجروں میں مقیم ہوئے۔ مولوی محمد اسماعیل امام مسجد گولڑہ شریف، مولوی فقیر اللہ نور المعروف بکھے والا ساکن تناولی ضلع ہزارہ اور قاضی فیض عالم سکنہ کینٹی مرزا تحصیل گوجر خان وغیرہ تحصیل علم کے سلسلہ میں آپ کے پاس پہنچ گئے۔ ان کے علاوہ دیگر مقامی طالبان علم بھی آپ سے درس حاصل کرتے تھے۔ مولوی محبوب عالم جو ابھی ابتدائی کتب پڑھتے تھے گولڑہ شریف میں ہی رہے۔ حضرتؒ شاہی مسجد میں اعلیٰ کتب کا درس دیتے تھے اور جب جی میں آتا راوی کے جنگل میں یادِ الٰہی میں جا مصروف ہوتے۔ اس جگہ پہلے طالبانِ علم کو کھانے کی بہت تکلیف ہوئی۔ کئی کئی وقت فاقہ رہتا۔ مگر اس کے باوجود اُن لوگوں نے اپنا کام جاری رکھا۔ ایک روز مولوی محمد اسماعیل نے عرض کی، حضرتؒ! آپ کو تو اللہ اللہ کرنے کی وجہ سے رُوحانی تغذیہ کی فراوانی کے باعث جسمانی غذا کی ضرورت کم محسوس ہوتی ہے۔ لیکن ہم نفسانی لوگ بغیر غذا جسمانی کیسے وقت گذار سکتے ہیں۔ آپ نے متعجب ہو کر دریافت فرمایا کہ کیا آپ لوگوں کو کھانے کے لیے کچھ نہیں ملتا۔ اُنھوں نے عرض کی کہ نہیں۔ آپ خاموش ہو گئے۔ مگر اُسی روز سے لوگوں نے خود بخود ہر قسم کا کھانا بافراط لانا شروع کر دیا۔ کھانا بھی اچھی قسم کا یعنی گوشت روٹی، پلاؤ، زردہ وغیرہ ہوا کرتا۔ اور آئندہ اس ضمن میں طلباء کو کبھی کوئی شکایت نہ ہوئی۔

آپ کا ایک عاشق المشہور فقیر سواتی

ایک شخص جسے مولوی کاغانی کہہ کر پکارتے تھے محض اچھی خوراک کے خیال سے حضرتؒ کے درس میں آیا کرتا تھا اُس نے ایک روز اپنے ایک آشنا صوفی پٹھان سے حضرتؒ کے کمالات کی تعریف کی۔ یہ پٹھان صوفی کشمیری بازار کی ایک مسجد میں رہا کرتے تھے۔ اُنھوں نے جواب دیا۔ کہ آج کل کوئی فقیر نہیں ہے۔ البتہ صرف سوات والے بزرگ فقیر ہیں۔ اُسی رات اُنھوں نے خواب میں دیکھا کہ حضرتؒ شاہی مسجد کے تالاب پر وضو کر رہے ہیں۔ اور یہ یعنی صوفی پٹھان آپ کی شکل مبارک دیکھ کر بہت متاثر ہوتے ہیں اور بیعت کے لیے عرض کرتے ہیں۔ مگر حضرتؒ جواب میں فرماتے ہیں کہ میں تو فقیر نہیں، کسی فقیر کے پاس جاؤ۔ اِس سے قبل اِن صوفی صاحب نے حضرتؒ کو نہیں دیکھا تھا۔ اگلی صبح آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرتؒ کو خواب میں نظر آنے والی شکل میں ہی تالاب پر وضو کرتے پایا۔ اُنھوں نے بیحد متاثر ہو کر بیعت کے لیے استدعا کی تو حضرتؒ نے وُہی جواب دیا کہ میں تو فقیر نہیں، کسی فقیر کے پاس جاؤ۔ اُس روز تو یہ واپس چلے گئے۔ لیکن دُوسرے روز دردمند دِل اور اشک آلود آنکھوں کے ساتھ حاضر ہو کر بیعت سے مشرف ہوئے۔ افسوس کہ ان حضرت یعنی پٹھان صوفی صاحب کا نام کہیں تحریر نہیں ہے۔ اُن کے دیکھنے والوں میں سے جو خال خال شخصیتیں اس وقت رہ گئی ہیں اُن کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ یہ "فقیر صاحب سواتی" کے نام سے مشہور تھے۔ حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کے ارادتمندوں میں سے یہ صاحب ایک خاص مقام و انداز کے حامل ہوئے ہیں۔ حضرتؒ نے دریائے راوی پر انہیں کوئی اسم پڑھنے کی تلقین فرمائی تھی، جسے پڑھنے پر یہ اُسی جگہ ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپنے لگے اور بے ہوش ہو گئے۔ آپؒ نے ان پر پانی ڈلوایا اور ہوش میں آنے پر اِن سے وُہی اسمِ پاک پڑھوایا تو پھر وُہی کیفیت ہوئی۔ کئی سال بعد جب حضرتؒ گولڑہ شریف تشریف لا کر مسندِ ارشاد پر متمکن ہوئے تو کچھ عرصہ تک یہ صاحب لاہور سے آ آ کر حاضری دیتے رہے۔ مگر سال میں دو چار مرتبہ سے زیادہ بار دیکھنے کی تاب نہ لا سکتے تھے۔ آپ کو دیکھتے ہی وجد میں آجاتے۔ پاس بیٹھنے تک کی ہمت

نہ تھی۔ بالآخر لاہور سے ترکِ سکونت کر کے گولڑہ شریف آ گئے۔ حضرتؒ نے آستانۂ عالیہ سے مغرب کی طرف کچھ فاصلہ پر موجودہ تھانہ پولیس کے قریب والی مسجد میں قیام کا حکم دیا۔ آہستہ آہستہ حاضری ناممکن ہوتی گئی۔ بالآخر یہ حالت ہو گئی، کہ حضرتؒ تو بجائے خود رہے اُن کے خُدّامِ خاص کو دیکھنے پر بھی وجدانی کیفیّت طاری ہو جاتی تھی۔ اِس لیے حضرتؒ نے خُدّام کو فقیر صاحب کی طرف جانے سے منع فرما دیا۔ ایک روز دھوبی حضرتؒ کے کپڑے لے کر مسجد کے پاس سے گزرا۔ یہ بچّوں کو قرآن شریف پڑھا رہے تھے معلوم نہیں کہ کپڑوں پر نظر جا پڑی یا پیراہن یُوسفؑ کی سریع السّیر خوشبُو نے مشامِ جان کو معطّر کیا کہ اچانک فرشِ مسجد پر گر کر تڑپنے لگے۔ وائے ارمان اُس سوزِ محبّت کے، جو نہ تو تابِ وصل رہنے دے اور نہ طاقتِ جُدائی۔ بمصداق ؎

من شمعِ جاں گدازم تو صُبحِ دلکُشائی | سوزم گرت نہ بینم میرم چو رُخ نمائی
نزدیکت اِیں چنینم، دُور آنچناں کہ گفتم | نے تابِ وصل دارم نے طاقتِ جدائی

جب اِن فقیر صاحب کا آخری وقت آیا تو جناب قاری عبدالرحمٰن جونپوری نے حضرتؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ چلیئے، بے چارہ تڑپ رہا ہے۔ جب تک آپ تشریف نہیں لے چلیں گے۔ جان نہیں دے گا۔" چنانچہ اسی طرح ہوا۔ چند لمحے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر حضرتؒ کو دیکھا جیسے خلافِ معمول سکُون آ گیا ہو۔ پھر اچانک ایک لمبی سانس لی اور جان، جان آفرین کے سپُرد کر دی۔

ایک اَور عاشق دیوانہ

حضرتؒ کے جمالِ جاں نواز کا ایک اَور عاشق بھی مجذُوب ہو گیا تھا۔ یہ آپ کی مسجد کے باہر پڑا رہتا۔ اور پانچ وقت جب آپ نماز کے لیے آتے تو نظر اُٹھا کر آپ کو دیکھ لیتا۔ اَور کبھی کبھی آپ کے پیچھے سفر میں بھی جا پہنچتا۔ حضرتؒ کے سال بھر میں دو ہی سفر مقرّر تھے۔ ایک سیال شریف کا اور دُوسرا پاک پتن شریف کا۔ ایک مرتبہ پاک پتن شریف میں خانقاہ معلیٰ کے شمالی دروازہ کی سیڑھیوں میں حضرتؒ کی گذرگاہ پر پڑا ہوا تھا۔ جب حضرتؒ کا معہ اژدہامِ خلق کے وہاں سے گُذر ہوا تو اُٹھ بیٹھا اور کہا "پیرجی، ہمارا اعتقاد آپ پر سے اُٹھ گیا ہے۔" حضرتؒ نے ایک طویل آہ لے کر فرمایا۔ "میاں دُعا کرو کہ میرا اعتقاد تم پر سے نہ اُٹھ جائے۔" اکثر اہلِ دِل یہ بات سُن کر بے اختیار رو دیئے کہ سلُوک کا کتنا بڑا مسئلہ کس آسان لفظی سے حل فرما دیا ہے۔

افسوس یہ لوگ ظاہر نہیں کرتے تھے کہ آپ ان کو کیا دکھائی دیتے تھے اور درحقیقت کیا تھے۔ حال کی بات قال میں کیسے سموئی جا سکتی ہے۔ یہ کام ہم ہی ظاہر بینوں کو کرنا پڑتا ہے جو مادی اقدار کی پابندیوں میں جکڑے ہُوئے مؤرّخ، مقنّن یا مولوی بن کر رہ گئے ہیں۔ اِن لوگوں کی لقائے الٰہی کے حسرت وارمان میں رونے والی آنکھیں شاید اشکوں کی عینک سے شیخِ طریقت کے آئینۂ جمال میں اُس حسنِ حقیقی کا جلوہ دیکھ لیتی ہیں۔ جس کی نسبت خود حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ نے فرمایا ہے ؎

ایہہ صُورت ہے بے صُورت تھیں، بے صُورت ظاہر صُورت تھیں
بے رنگ دِسے اِس مُورت تھیں، وِچ وحدت پھٹیاں جد گھڑیاں

اور کسی اور صاحب نے بھی خوب کہا ہے۔ ع

تیری جبیں سے آشکار پرتوِ ذات کا فروغ

صلّی اللہ علیٰ نورہٖ وسلّم۔ قرآنِ کریم گواہ ہے کہ اِن لوگوں کے دل کی آنکھیں ہوتی ہیں۔ اور کون کہہ سکتا ہے کہ یہی ظاہری آنکھیں پرتوِ جمالِ حقیقی سے روشن تر ہو کر بشری قیود و حدود سے وریٰ دیکھ لیتی ہوں۔ بہرحال اُس زمانہ میں حضرتؒ کی دید برقِ جہاں سوز سے کسی طرح کم نہ تھی جو آنکھ آپ کے چہرۂ مبارک پر پڑ جاتی ہمیشہ کے لیے گرویدہ ہو جاتی خصوصاً نوجوان طبقہ پر آپ کی نظرِ کیمیا اثر کا نتیجہ یہ نکلتا کہ وُہ گھر بار چھوڑ دیتے۔ شادی بیاہ کی نسبتیں توڑ دیتے اور تمام علائقِ دُنیوی سے قطع تعلق کرتے ہوئے، اللہ اور اُس کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کے شوق میں مُبتلا ہو جاتے۔ آپ کے نیازمندوں کو کتنے ہی ایسے حضرات کا حال معلوم ہے جو بچپن میں ہی اس نگہِ خدا آگاہ کے تیرِ نیم کش سے گھائل ہو کر، جائدادیں اور گھر بار چھوڑ کر آپ کی خدمت میں تجرید کی زندگیاں بسر کر گئے۔

سفرِ مالیر کوٹلہ

لاہور میں کوئی سال بھر قیام فرمانے کے بعد جوشِ جنوں نے پھر زنجیرِ در کھٹکھٹائی۔ اور آپ سلسلۂ درس و تدریس ترک فرما کر پھر راوی کے جنگل میں خلوت گزین ہو گئے۔ مگر جب پروانوں نے وہاں بھی چین سے نہ ٹکنے دیا تو تن تنہا مالیر کوٹلہ کے سفر پر نکل گئے۔

آج ہیں خاموش وُہ دشتِ جنوں پرور جہاں
رقص میں لیلیٰ رہی لیلیٰ کے دیوانے رہے

کچھ عرصہ مالیر کوٹلہ میں قیام فرمایا۔ وہاں کے حالات کی تفصیل نہیں مل سکی۔ صرف ایک اضافی واقعہ جناب شیخ الجامعہ نے تحریر فرمایا ہے کہ اُس جگہ حضرتؒ کے ایک ارادت مند حافظ صاحب رہا کرتے تھے۔ جو ایک رات کچھ وظائف ایک قبرستان میں جا کر پڑھنے لگے تو اچانک پتھر اور اینٹیں پڑنا شروع ہو گئیں۔ جیسے جیسے یہ وظیفہ پڑھتے خشت باری زیادہ ہوتی جاتی حتیٰ کہ ایک بڑا سا پتھر سر کے بالکل قریب سے گزرا۔ جس سے گھبرا کر اُنہوں نے وظائف بند کر دیئے اور قصیدۂ بُردہ شریف کا یہ شعر پڑھنا شروع کر دیا جس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے پتھروں کا برسنا بند فرما دیا۔

هُوَالْحَبِيْبُ الَّذِىْ تُرْجٰى شَفَاعَتُهٗ
لِكُلِّ هَوْلٍ مِّنَ الْاَهْوَالِ مُقْتَحِمِ

(وُہی اللہ کے ایسے حبیبؐ ہیں کہ اُن کی شفاعت کی اُمید
ہے ہر ایک خوف کے وقت جو آنے والے ہیں)

حضرتؒ کا ایک دیوانہ قاضی میر عالم کسی طرح یہاں کے متعلق بھی پتہ لگا کر آپ کے پاس مالیر کوٹلہ جا پہنچا جس پر بالآخر واپس گھر تشریف لے آئے۔

سفرِ مُلتان

چند روز بعد پھر تنہا ملتان تشریف لے گئے۔ رات کو محلّہ قاضیاں میں ایک قاضی صاحب کے یہاں قیام فرماتے۔

اور دن کے وقت حضرت غوث بہاؤالحقؒ کے مزارِ پُرانوار پر موجود رہتے۔ خود فرماتے تھے کہ ایک روز میں بوہڑ دروازہ سے نکل رہا تھا کہ مولوی نظام الدین سکنہ بستی جمرنگ معہ اپنے شاگرد سید بہار شاہ سکنہ سناواں دُور سے آتے نظر آئے۔ میں نے معلوم کیا کہ مولوی صاحب تو طلبِ دُعا کے لیے آرہے ہیں اور اُن کا شاگرد کوئی علمی سوال پوچھنا چاہتا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ مُلاقات پر مولوی صاحب نے تو اپنے حُسنِ خاتمہ کے لیے دُعا کو کہا جو میں نے بصد معذرت کر دی۔ اور اُن کے شاگرد نے پُوچھا کہ ترکیبِ ذہنی اگر ترکیبِ خارجی کو مستلزم ہے تو لازم آئے گا کہ عقول مادی ہوں۔ کیونکہ عقل کی حد یہ بیان کی جاتی ہے کہ العقلُ جوھرٌ مجردٌ عن المادہ فی الذاتِ والفعل اور جوہر جو درجہ لابشرط شئ میں جنس ہے مرتبہ بشرطِ لاشئ میں مادہ ہوتا ہے۔ حضرتؒ نے جواب دیا کہ مادہ صرف اجسام تک ہی محدُود نہیں بلکہ اس کی یعنی مادہ کی ایک قسم مجردات میں بھی پائی جاتی ہے۔ کیونکہ مادہ کی پانچ قسمیں ہیں۔ اُس نے دریافت کیا کہ ان قسموں کا کس کتاب میں ذکر ہے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ "قاضی مبارک" کے حاشیہ منہیہ اور اُس کے حاشیہ مُلاپشت میں۔ یہ سُن کر وہ مطمئن اور خاموش ہوگیا۔

حضرت شیخ الجامعہ کے اُستادِ گرامی مولٰینا جمال الدین گھوٹوی سے منقول ہے کہ ایک روز اُنہیں مُلتان میں حضرتؒ کی زیارت کا اتفاق ہوا۔ دوپہر کے وقت حضرتؒ نے اپنے حُجرے کا دروازہ کھولا۔ باہر تشریف لاکر تھوڑی دیر باتیں کیں پھر اُن سے فرمایا کہ اجازت دیجئے اور پھر حجرہ میں تشریف لے گئے۔ اُن دنوں حضرتؒ کو خلوت پسند تھی اور لوگوں سے گونہ وحشت ہوتی تھی۔

ایک دن مولٰینا سُلطان محمُود سکنہ ٹھٹھی حمزہ نے مُلتان آکر اُستاد صاحب گھوٹوی سے کہا کہ حضرت پیر صاحبؒ کی زیارت کا شوق ہے۔ چنانچہ تلاش کُناں ایک جگہ پہنچے تو دیکھا کہ آپ تنہا تشریف فرما ہیں اور آنکھوں سے اشک رواں ہیں۔ انہیں آتا دیکھ کر آنسو پُونچھے اور مصافحہ کیا۔ یہ لوگ بیٹھ گئے۔ آپ نے کچھ دیر خاموش رہ کر یہ رُباعی پڑھی اور وہاں سے اُٹھ کر چلے گئے۔

خُونِ نابہ بہ دِل خُور کہ شرابے بہ ازیں نیست — دنداں بہ جگر زن کہ کبابے بہ ازیں نیست
در کنز و ہدایہ نتواں یافت خُدا را — در صفحۂ دِل بیں کہ کتابے بہ ازیں نیست

حضرتؒ نے اپنے ایک آشنا حکیم مہر بخش کو فرمایا کہ یہاں محلہ قاضیاں میں میری کافی شہرت ہوگئی ہے کسی دُوسری جگہ مکان کا انتظام کر دیں۔ اُنہوں نے حرم دروازہ کے اندر ایک مکان کرایہ پر لے دیا۔ یہاں ایسی تنہائی تھی کہ ہفتوں کسی آدمی کا مُنہ تک دیکھنا نہ ملتا۔ اس مکان کے قریب ایک شخص رہتا تھا۔ اُس نے رات کو کئی بار جاگ کر آپ کو بحالتِ نماز وقیام دیکھا اور کافی عرصہ تک اسی طرح دیکھتا رہا تو آپ کا بے حد عقیدت مند ہوگیا۔ ایک دن حاضر ہو کر عاجزانہ گذارش کی کہ میری لڑکیاں جوان ہیں کہیں سے اُن کے رشتہ کے سلسلہ میں کوئی پیغام نہیں آتا۔ دُعا فرمائیں اللہ تعالیٰ مہربانی فرمادیں۔ اور مجھے اس فرض سے باحسن سُبکدوش فرمادیں۔ حضرتؒ نے دُعا کی اور دو تین ماہ کے اندر اندر حسبِ خواہش بچیوں کی شادی سے اللہ تعالیٰ کے کرم سے فارغ ہوگیا۔

سفید مُرغ نے مدفونہ دولت کی نشاندہی کی

جب اس محلہ میں بھی شہرت ہوگئی تو آپ نے محلہ حُسین آگاہی میں جاکر مکان لیا۔ وہاں بھی ایک مندرجہ بالا قسم کے

شخص نے حاضرِ خدمت ہو کر بغیر کچھ کہے سُنے خاموشی سے شب و روز آپ کی خدمت شروع کر دی۔ اُس شخص کی لڑکیاں جوان تھیں مگر غُربت و ناداری کے باعث کہیں رشتے نہ ہوتے تھے۔ آپ نے نُورِ فراست اُس کی پریشانی کا حال معلوم کر کے ایک روز اُسے فرمایا کہ ایک سفید مُرغ لاؤ۔ اُس نے ایسا ہی کیا تو شام کے قریب اُسے مُرغ سمیت ہمراہ لے کر روضہ غوث بہاؤ الحق رحؒ کے مغربی دروازہ کی طرف لے گئے۔ مُرغ کے گلے میں ایک تعویذ ڈالا اور اُسے چھوڑ دیا مُرغ نے تھوڑا فاصلہ چل کر ایک جگہ کو اپنی چونچ سے کھودا۔ حضرتؒ نے اُس شخص کو وُہ جگہ کھودنے کو کہا تو تھوڑی سی گہرائی میں ہی روپوں کا دفینہ ملا۔ آپ نے اُسے کہا کہ جس قدر ضرورت ہے لے لو۔ اُس شخص نے روپوں سے جھولی بھرلی تو آپ نے گڑھے کو بند کروا دیا اور واپس تشریف لے گئے۔ کچھ عرصہ بعد جب حضرتؒ مُلتان سے مظفر گڑھ جا چکے تھے اُس شخص نے دوبارہ اُسی جگہ پہنچ کر قسمت آزمائی کرنا چاہی تو وہاں سے سانپ نکل آیا اور وُہ ناکام واپس لَوٹا۔

حکیم مہر بخش کے فرزند اپنے والد صاحب کی زبانی روایت کرتے تھے کہ ابتداءً حضرتؒ کی یہ کیفیت تھی کہ سر پر رُومال بندھا رہتا تھا۔ اور جہاں بچے پتنگ اُڑا رہے ہوتے۔ اُس جگہ دیر تک کھڑے آسمان کی طرف ٹکٹکی لگائے دیکھتے رہتے اور آنکھوں سے اشک رواں رہتے۔

رشتہ در گردنم افگندہ دوست می بُرد ہر جا کہ خاطر خواہِ اوست

کھانے پینے کی طرف توجہ نہ تھی۔ کبھی حکیم صاحب آپ کی رغبت کے پیشِ نظر بھیڑ یا بکری کی زبان کا گوشت پکوا کر پیش کرتے تو بہت اصرار کے بعد تھوڑا سا تناول فرما لیتے۔ حکیم صاحب کے ایک چچا بزرگوار بہت بڑے عالم اور صاحبِ ارشاد بزرگ تھے۔ اُن کے ساتھ تخلیہ میں علم و فقر کی گفتگو رہتی۔ وُہ فرمایا کرتے کہ انہیں عام فقراء کے زُمرہ میں شمار نہ کرنا۔ یہ بہت زبردست عالم اور بہت ہی بڑے پائے کے ولی اللہ ہیں جو جذب و سلوک کی منازل طے کر رہے ہیں اور عنقریب فلکِ ولایت پر آفتاب بن کر چمکنے والے ہیں۔ حکیم صاحب کہتے تھے کہ مُلتان کے لوگ بالعموم جان گئے تھے کہ حضرتؒ کس پایہ و شان کے بزرگ ہیں۔ اور آپ کے قیامِ ملتان کے آخری دِنوں میں لوگ اِس کثرت سے آپ کی طرف رجُوع کرنے لگ گئے تھے کہ آپ اپنے حُجرہ میں چھُپ چھپا کر آتے اور اندر داخل ہو کر اُسے باہر سے مقفّل کرا دیتے۔ بکثرت اشخاص دُعا کے لیے حاضر ہوتے اور ہم سے سفارش کے طلبگار ہوتے۔ آپ کی دُعا اور نگہِ التفات حلِ مشکلات وغیرہ میں تیر بہدف شمار ہوتی تھی۔

ایک روز حکیم مہر بخش آپ کو کمرہ میں بند کر کے آپ کے ارشاد کے مُطابق دروازہ باہر سے مقفّل کر کے کسی کام کے سلسلہ میں حضرت حافظ محمد جمالؒ کی خانقاہ شریف کی جانب چلے گئے۔ وہاں ایک مجذُوبہ مائی پڑی رہتی تھیں حکیم صاحب کو پاس بُلا کر مُلتانی زبان میں کہنے لگیں "وے بالا، اُوں جیون جوگے کوں اندر کیوں ڈھک آیا ویں، اُوندی دِل مُونجھی تھیندی ہوسی"۔ حکیم صاحب نے کہا۔ مائی میں کیا کروں، وُہ خود مجھے کہتے ہیں کہ باہر سے تالا لگا دو۔ مجذُوبہ بولیں "ناں وے ناں، اینویں نہ کیتا کر، شہزادہ وی شہزادہ"۔ یعنی یہ شہنشاہوں کا فرزند ہے اِسے معمُولی انسان نہ سمجھنا، مبادا اندر مقفّل ہو کر بیٹھنے سے اِن کا دِل اُداس ہو جائے۔

حضرت موسیٰ پاک شہیدؒ کے مزار پاک کی کشش

حضرت قدس سرہ فرماتے تھے کہ پہلی بار جب ہم ملتان گئے تو پاک دروازہ سے گذرتے وقت اچانک میرا رُخ کسی غیبی طاقت نے ایک خانقاہ شریف کی طرف پھیر دیا۔ سامنے ایک بڑی و اُونچی ڈیوڑھی تھی اور آگے دالان تھا جہاں ایک مولوی صاحب غیر مقلدوں کی تردید میں تقریر کر رہے تھے مگر دلائل ایسے بودے اور بے سروپا تھے کہ حیرت ہوتی تھی کہ سامعین سب کے سب غیر مقلد کیوں نہیں ہو جاتے۔ مگر اُس اندرونی کشش نے ہمیں وہاں زیادہ دیر رُکنے نہ دیا۔ کچھ آگے بڑھے تو حضرت جمال الدین موسیٰ پاک شہیدؒ کا مزار پاک نظر پڑا۔ جو معلوم ہوا کہ گیلانی النسب ہیں اور یہ اپنے ہی گھرانے اور خاندان کی کشش تھی جو کھینچے لیے جا رہی تھی۔ حضرت ممدوحؒ نے مزار پاک میں سے فرمایا کہ قرابت کا یہ طریق نہیں ہے کہ نزدیک رہتے ہوئے بھی ملاقات نہ کی جائے۔ حضرت موسیٰ پاک شہیدؒ، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے پیر طریقت اور حضرت مخدوم عبدالقادر ثانی اُوچیؒ اور حضرت سیدنا عبدالوہابؒ بن سیدنا غوث الاعظم جیلانیؓ کی اولاد پاک سے ہیں۔ یہ خاندان برصغیر پاک و ہند میں گیلانی سادات کے مشہور خانوادوں میں سے ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدثؒ دہلوی نے ان کے حالات اخبار الاخیار میں مفصل بیان فرمائے ہیں۔ یہ خاندان سب سے پہلے ریاست بہاولپور کے شہرۂ آفاق شہر اُوچ میں وارد ہوا تھا اور بعد میں بہاول پور کے دُوسرے شہروں اور ضلع ملتان میں سکونت پذیر ہوا۔ حضرت مخدوم موسیٰ پاک شہیدؒ کی خانقاہ شریف ملتان شہر میں "دربار پیران پیر" کے نام سے مشہور عام ہے۔ اِس واقعہ کے بعد حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ پاک پتن شریف جاتے ہوئے عام طور پر ملتان اُتر کر مزار شریف حضرت موسیٰ پاک شہیدؒ کی زیارت کیا کرتے تھے اور آنجناب کے سجادہ نشین، قدوۃ السالکین حضرت مخدوم صدر الدینؒ شاہ گیلانی کے ساتھ حضرتؒ کے تعلقات بیحد محبانہ تھے۔ اِسی خاندان کے ایک مشہور فرد سید میراں شاہ رئیس اعظم بہاولپور، حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ سے بیعت ہیں۔

حاجی امام بخش ملتانی سوداگر چرم بیان کرتے تھے کہ اُن کے محلہ میں ایک مجذوبہ مائی موراں نامی نیم برہنہ حالت میں پھرا کرتی تھیں۔ ایک روز کپڑا مانگ کر جسم ڈھانپنے کی تگ و دو میں مصروف ہو گئیں کہ "مرد آ رہا ہے" گویا پہلے کوئی مرد اُنہیں نظر نہ آتا تھا۔ اور لوگ اُن کی نظروں میں عام جانوروں کی طرح تھے۔ سچ ہے طَالِبُ الدُّنْیَا مُخَنَّثٌ، طَالِبُ الْعُقْبٰی مُؤَنَّثٌ طَالِبُ الْمَوْلٰی مُذَکَّرٌ۔ کچھ دیر بعد ایک درویش مجذوب صورت اُس کے پاس آیا۔ اور دونوں باتیں کرتے رہے۔ جب وُہ جانے لگا تو لوگ اُسے بزرگ سمجھ کر ساتھ چلنے لگے۔ لیکن اُس نے سختی سے ڈانٹا اور لوگوں کو روک دیا۔ کئی اشخاص نے مختلف قسم کے سوالات بھی پُوچھے مگر اُس نے کسی کا جواب نہ دیا۔ البتہ ایک شخص نے جب یہ پُوچھا کہ گولڑہ والے پیر صاحب جو یہاں آتے رہتے ہیں، صحیح فقیر ہیں یا نہیں۔ تو فوراً پلٹ کر کھڑا ہو گیا۔ اور کہنے لگا "گولڑہ والے پیر صاحب اولیاء کے سرتاج ہیں"۔

ڈیرہ غازیخاں کا ایک ننگا فقیر

جناب شیخ الجامعہ کے مسودات میں تحریر ہے کہ ایک مرتبہ حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کی ڈیرہ غازی خاں میں ایک ننگے فقیر سے ملاقات ہُوئی۔ آپ فرماتے تھے کہ وُہ فقیر بڑا صاحب کشف تھا اور واقعات کو نیہ کی اطلاع پہلے دے دیا کرتا

تھا میرے متعلق اُس نے کئی پیشین گوئیاں کیں جو پُوری ہو رہی ہیں۔ اور اُس کے مکاشفات ہمیشہ درست ثابت ہوتے رہے ہیں۔ ڈیرہ غازیخاں سے مُلتان آتے وقت وُہ میرے ساتھ ہولیا۔ غازی گھاٹ سے ہم جہاز میں سوار ہو کر دریائے سندھ کو عبُور کر رہے تھے کہ ایک عورت کافی فاصلہ پر دُودھ کا برتن لیے مشک پر تیرتی نظر آئی۔ میری توجہ ایک لمحہ کے لیے اُدھر ہو گئی اَور خیال آیا کہ یہ عورت اپنے کام میں کیسی باہمت ہے۔ معاً وُہ نانگا فقیر تالی بجا کر کہنے لگا "وُہ تار ٹوٹ گئی۔ تار ٹوٹ گئی" یعنی تمہاری توجہ ذکرِ الٰہی کے شغل سے ہٹ کر اِس عورت کے کام کی طرف مبذول ہو گئی ہے۔ پھر وُہ جہاز میں ہی کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں بگھی میں لے جائیں گے۔ اَور مجھے پیدل چلائیں گے۔ بابا تم اُس کے لاڈلے جو ہُوئے۔ تاہم ریل گاڑی میں اکٹھا سفر کریں گے۔ میں نے کہا نہیں دونوں اکٹھے بگھی میں چلیں گے۔ میرے پاس کرایہ دینے کو رقم ہے۔ وُہ بولا پیسے تو میرے پاس بھی ہیں۔ مگر خُدا کی مرضی یہی ہے کہ میں پیدل چلوں۔ حضرتؒ فرماتے تھے کہ جہاز سے اُتر کر میں نے ایک اچھا سا تانگہ دیکھا اَور اُس میں سوار ہو کر اُس فقیر سے کہا کہ میرے برابر اگلی سیٹ پر بیٹھ جاؤ۔ میں یہ بات ابھی کہہ ہی رہا تھا کہ ایک شخص جلدی سے آکر اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا اَور وُہ جگہ روک لی۔ وُہ پچھلی سیٹ کی طرف پلٹا تو دو اَور آدمی لپک کر اُس سے پہلے سوار ہو کر وہاں بیٹھ گئے اَور تانگہ میں سواریاں پُوری ہو گئیں۔ پھر وُہ جس تانگے یا بگھی کی طرف جاتا۔ اُس کے پہنچنے سے پہلے ہی سواریوں سے بھر جاتا۔ اَور چُونکہ اُس روز وہاں تحصیلدار آیا ہُوا تھا اِس لیے کوچبان قانون شکنی کے خوف سے چار سے زیادہ سواریاں نہ بٹھلاتے تھے چُنانچہ اُس فقیر کو پیدل ہی چلنا پڑا۔ جب کئی میل کا سفر طے کرنے کے بعد یہ تانگوں کی سواریاں ریلوے اسٹیشن غازی گھاٹ پہنچیں تو ریل گاڑی کی روانگی کا وقت ہو چکا تھا اَور وُہ تیار کھڑی تھی۔ مجھے خیال گذرا کہ اَب یہاں اُس فقیر کا کشف ضرُور غلط ثابت ہوگا۔ لیکن گاڑی نہ چلی اَور کھڑی رہی معلوم ہُوا کہ انجن میں کچھ خرابی پیدا ہو گئی ہے۔ کوئی ۲ و گھنٹہ بعد وُہ فقیر ریلوے اسٹیشن پر پہنچا اَور سیدھا میرے ڈبہ میں چلا آیا۔ اَور جیسے ہی اُس نے گاڑی میں قدم رکھا گاڑی چل دی۔

حضرتؒ فرماتے تھے کہ میں نے اُس فقیر سے پُوچھا کہ یہ نعمت تم نے کہاں سے پائی کیونکہ تمہارے کسب کا نتیجہ تو معلوم نہیں ہوتی۔ اُس نے جواب دیا کہ میں پولیس میں سپاہی تھا۔ ایک مرتبہ ہم دو سپاہی ایک گرفتار شدہ مُلزم کو حراست میں لیے جا رہے تھے کہ اثنائے راہ ایک قبرستان آیا۔ جہاں ایک شکستہ سی قبر پر وُہ ملزم دُعا مانگنے کے لیے رُکا۔ میں نے کہا کہ جیسی قبر کی حالت ہے ویسی ہی قبر والے کی ہوگی۔ کیوں وقت ضائع کر رہے ہو، جلدی چلو۔ رات کو خواب میں ایک بزرگ صُورت شخص نظر آئے۔ اَور مجھے حضرت غوث الاعظمؓ کی خدمت میں لے گئے۔ میری سفارش کی اَور میرے لیے دُعا کرائی۔ پھر مجھ سے کہا کہ میاں ہماری قبر تو ٹُوٹی پھُوٹی سہی مگر تمہارا کام تو بنا دیا۔ صُبح کے وقت جب جاگا تو صاحبِ کشف تھا۔ ملازمت سے استعفیٰ دے کر آزاد ہو گیا۔

مولینا مُحبّ النّبی سابق صدر مدرّس جامعہ غوثیہ گولڑہ شریف کہتے ہیں کہ حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ نے ایک روز سبق پڑھانے کے دَوران اِس فقیر کے مزید کچھ حالات بیان فرماتے ہُوئے کہا تھا کہ اُس نے وعدہ کیا تھا کہ آخری عمر میں گولڑہ آکر آپ سے مِلُوں گا۔ ابھی تک وُہ نہیں آیا۔ اِس وقت میری عمر ستّر سال سے اُوپر ہے۔ معلوم ہوتا ہے وُہ ابھی تک زندہ ہے اَور مجھے یقین ہے کہ وُہ ضرُور آئے گا کیونکہ میں نے اُس کی کوئی بات غلط نہیں پائی۔ مولینا فرماتے ہیں کہ اُس روز حضرتؒ نے ہمیں آخری سبق دیا تھا اَور اس کے دو تین ماہ بعد آپ عالمِ استغراق میں چلے گئے تھے۔ آپ کی باتوں سے

معلوم ہوتا تھا کہ اُس فقیر کے کئی ایک دیگر مکاشفات بھی آپ کو اپنے متعلق معلوم تھے جن کا ذکر آپ مناسب خیال نہ فرماتے تھے۔

حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کا مسلک تھا کہ اپنے حال یا مکاشفاتِ عالیہ کو پردۂ اخفا میں رکھتے تھے اور کسی قسم کا دعویٰ کرنے سے اجتناب فرماتے تھے۔ آپ سے بے شمار خوارق کا ظہور ہوا۔ لیکن آپؒ نے صرف انہی چیزوں کو ظاہر فرمایا جن کے لیے کوئی شرعی حجت یا اشد ضروری وجہ اظہار ہوتی۔ مثلاً قادیانی معرکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کشفی ارشاد یا وادیٔ حرا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اہل بیتؓ کے لیے سُنّت کے اہتمام کی بالخصوص تاکید نیز بابا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ کے متعلق اپنے مشاہدہ کا اظہار اسی قسم سے ہے۔ ندائے غائبانہ اور استمداد اولیاء اللہ کے سوال پر ماسٹر غلام حیدر کے خط کے جواب میں اپنی استمداد کے متعلق مندرجہ ذیل ارشاد "تھوڑے عرصہ کی بات ہے کہ ایک عقیدت مند نے تقریباً بارہ یا ساڑھے بارہ بجے دن بارگاہِ غوثیہ بغدادیہ میں مُضطربانہ فریاد کی تھی۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ اُسی وقت شملہ سے تار ضلع کیمبل پُور میں پہنچ کہ محمد حسین کو پھانسی نہ دی جائے۔ حالانکہ پھانسی کا حکم قطعی منظوری سائر حکام ہو چکا تھا۔ اور پھانسی دینے کو تیار تھے"۔ بھی اسی ضمن میں آتا ہے۔

ایسے ہی دیوان سید محمد سجادہ نشین پاک پتن شریف کی طرف بوقتِ ملاقات التفات نہ فرمانے کے متعلق بطور معذرت آپ کا یہ فرمانا کہ جب آپ آئے تھے تو حضرت بابا فریدالدین گنج شکر تشریف فرما تھے اور گفتگو ہو رہی تھی اس لیے میں آپ کی طرف متوجہ نہ ہو سکا، بھی اسی قسم سے ہے۔ اس کا مفصل ذکر آئندہ ابواب میں آئے گا۔

فقیر صاحب نُون کے دعویٰ کا جواب

اِس سلسلہ میں ایک اور واقعہ بھی قابلِ ذکر ہے۔ سردار عظیم خان گولڑہ آپ کا مُعتقد تھا۔ آپ بھی ابتداء سے اُس پر مہربانی فرماتے تھے۔ اُسے خود سیال شریف لے جا کر حضرتِ اعلیٰ سیالوی قدس سرّہٗ سے بیعت کرایا۔ کیونکہ خود بیعت کرنے سے اُس کے ساتھ بے تکلفی میں فرق آتا تھا۔ اُس نے اپنے خسر کی وفات پر اپنی بیوی کی طرف سے موضع جودھ کی زرعی اراضی کے متعلق حقِّ وراثت کا دعویٰ کیا۔ مگر یہ دعویٰ ناکامیاب رہا اور جائیداد اُس کی بیوی کو ملنے کی بجائے متوفّی کے وارثانِ بازگشت کو منتقل ہو گئی۔ اور پہلی دو عدالتوں میں سے اپیلیں بھی خارج ہو گئیں۔ موضع نُون میں ایک فقیر صاحب رہتے تھے جن سے متوفّی کے وارثانِ بازگشت کو عقیدت تھی۔ اُنہوں نے حضرت پیر فضل دینؒ کی خدمت میں پیغام بھجوایا کہ چھوٹے پیر صاحب یعنی حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ عظیم خان کے حق میں بہت کوشش کر رہے ہیں۔ اُن سے کہہ دیجیے کہ مَیں نے لوحِ محفوظ میں دیکھ لیا ہے یہ جائیداد عظیم خان کو نہیں مل سکتی۔ میرے ارادت مندوں کے پاس ہی رہے گی اِس لیے آپ ناحق تکلیف نہ اُٹھائیں۔ بڑے پیر صاحبؒ نے اِس پیغام لانے والے شخص کو حضرتؒ کے پاس بھیج دیا۔ آپ نے فرمایا فقیر صاحب سے بعد سلام کہیئے گا کہ آپ تو لوحِ محفوظ کی تحریر پڑھ سکتے ہیں۔ میں آنکھیں بند کروں تو اندھیرے کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ لیکن ایک بات یاد رکھیئے گا کہ جب تک یہ ساری جائیداد عظیم خان کو نہ مل جائے گی، میں اپنے اللہ کا دامن نہیں چھوڑوں گا۔ چنانچہ چیف کورٹ میں جا کر عظیم خان کی اپیل منظور ہو گئی اور اُس جائیداد پر آج تک اُس کے ورثا قابض ہیں۔

مُلتان میں قیام کے دَوران آپ گاہے گاہے ایک چائے فروش کی دُکان پر جایا کرتے تو وُہ چائے سے تواضع کرتا۔ ایک روز آپ وہاں چائے پی رہے تھے کہ دوکاندار کے لڑکے کے دِل میں خیال گذرا کہ یہ فقیر میرے باپ کی خُوش اعتقادی کے باعث آج تک کوئی دس پندرہ روپے کی چائے مُفت پی چُکا ہوگا۔ حضرتؒ نے اُس کے دِل کے خیال سے آگاہ ہو کر اُسے بُلایا اَور ایک تعویذ لکھ دیا کہ پُرانے قلعے میں جاؤ اَور جو گڑھا سب سے پہلے سامنے آئے اُس میں یہ تعویذ ڈال دو۔ اَور وہاں سے جو کُچھ ملے اُسے اُٹھا لینا۔ چُنانچہ اُس لڑکے کو اسی طرح کرنے پر کپڑے کی ایک پوٹلی ملی جس میں اڑتالیس روپے بندھے تھے۔ اس کے بعد آپ دوکان پر کبھی تشریف نہ لے گئے۔

اُن ہی ایام کے ایک اَور دلچسپ واقعہ کے متعلق آپ فرماتے تھے کہ مجھے دُودھ ہضم نہیں ہوتا تھا۔ پیتا تو فوراً قے ہو جاتی تھی اَور کئی روز تک بیمار بھی رہتا۔ ایک روز دریائے سندھ عبُور کیا۔ تو ایک شخص مسافروں کے نام دریافت کرتا ملا۔ میں نے نام بتایا تو مجھے یہ کہہ کر ساتھ لے گیا کہ میں طبیب ہُوں اَور کئی روز سے آپ کا منتظر ہُوں۔ مجھے جناب غوث الاعظمؓ نے خواب میں فرمایا تھا کہ میری اولاد میں سے اِس نام کا ایک شخص آرہا ہے اُسے دُودھ ہضم نہیں ہوتا۔ آپ اُس کا علاج کریں۔ چنانچہ اُس نے مجھے دَوا دی جس سے وُہ شکایت رفع ہو گئی۔

مجاہداتِ مُظفّر گڑھ

جب مُلتان میں زیادہ شُہرت ہو گئی تو آپ مظفّر گڑھ چلے گئے۔ اَور بستی چمن کے قریب ایک کنوئیں پر قیام فرمایا قاضی فیض عالم طالب علم بھی ہمراہ تھا۔ مگر گرمی کی تاب نہ لا کر واپس چلا گیا۔ اُس کنوئیں کا مالک بیوی بچوں سمیت وہیں رہتا تھا اسی اثنا میں رمضان شریف کا مہینہ آگیا اَور اُس شخص نے حضرتؒ کے آرام کی خاطر ایسا انتظام کیا کہ دِن کے وقت آپ کی چارپائی رسّوں سے باندھ کر کنوئیں میں لٹکا دیتا اَور عصر کے وقت باہر نکال لیتا۔ اِس طریقہ سے آپ شدّتِ گرمی کے وقت قدرے آرام میں رہتے۔ شیخ الجامعہ لکھتے ہیں کہ اُس شخص پر ہندو ساہوکاروں کا سُودی قرضہ تھا جس میں کنواں گروی تھا۔ جب وُہ رقم ادا نہ کر سکا تو ہندوؤں نے اُسے بے دخل کرانا چاہا۔ صُورتِ حال سے آگاہ ہو کر حضرتؒ نے اُسے لوہے کا ایک ٹکڑا لانے کو کہا۔ اَور جب وُہ لے آیا تو اپنی چادر میں لپیٹ کر اُسے دیا اَور کہا کہ کل صُبح اِسے کھولنا۔ رات کے وقت حضرتؒ وہاں سے خاموشی کے ساتھ رُخصت ہو گئے۔ صُبح کو جب اُس نے چادر کھول کر دیکھا تو لوہا سونا بن چُکا تھا۔ اُس سے اُس نے اپنا تمام قرضہ وغیرہ ادا کیا اَور کنواں واگذار کرا لیا۔ شیخ الجامعہ نے آگے لکھا ہے کہ مجھے یاد ہے کہ جب پہلی مرتبہ نواب عبداللہ خان کی اِستدعا پر حضرتؒ خان گڑھ تشریف لے جا رہے تھے تو بستی چمن کے بالمقابل پہنچ کر گاڑی ٹھہرائی اَور اُتر کر اُس کنوئیں کی طرف گئے۔ لوگ حیران تھے کہ کیا معاملہ ہے۔ کنوئیں کا مالک فوت ہو چکا تھا۔ اُس کا لڑکا بھی تقریباً بُوڑھا ہو چُکا تھا۔ آپ نے پُوچھا مجھے پہچانتے ہو۔ اُس نے عرض کیا کہ نہیں۔ اُس شخص کی بیوہ کنوئیں کے قریب بیٹھی تھی۔ آپ نے اُس سے بھی یہی پوچھا۔ اُس نے کہا، کیوں نہیں پہچانتی۔ آپ ایک مدّت یہاں رہے۔ رمضان شریف میں چارپائی پر بٹھلا کر آپ کو کنوئیں میں لٹکا دیا کرتے تھے۔ بھلا آپ بھی کوئی بُھولنے والی شخصیت ہیں۔ حضرتؒ بہت محظُوظ ہوئے۔ غالباً پچاس رُوپے اُسے عطا فرمائے اَور فرمایا کوئی اَور کام کاج ہو تو کہو۔ پھر نواب عبداللہ خان کو اُن کی ہمیشہ خبر گیری کی تاکید فرمائی۔

حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے آستانہ پر اشارۂ غیبی

ملتان، مظفر گڑھ اور ڈیرہ غازیخان کے اضلاع کی سیاحت کے بعد آپ اجمیر شریف حاضر ہوئے۔ ایک روز مزار شریف پر مراقب تھے کہ آواز آئی۔ "جو کچھ معین الدینؒ کے پاس ہے تمہارے پاس بھی ہے، اسے گھر بیٹھ کر کماؤ"۔ پہلے آپ کو خطرہ گذرا کہ شاید شیطانی آواز ہے۔ مگر فرماتے تھے کہ غور کیا تو آواز بے کیف تھی اس لیے یقین ہو گیا کہ فرمانِ الٰہی ہے چنانچہ گھر واپس لوٹ آیا۔

مجاہداتِ حسن ابدال

کچھ عرصہ بعد آپ پھر نکلے مگر اس مرتبہ زیادہ دور نہیں گئے۔ اور حسن ابدال میں گوردوارہ پنجہ صاحب کی شرقی مسجد کی چلّہ گاہ میں کچھ عرصہ مشغول رہے۔ فرماتے تھے کہ ایک روز چلّہ گاہ میں ایک بہت بڑا سانپ آ کر میرے اِرد گرد چکّر لگانے لگا۔ لیکن جب میں اُس کی طرف بالکل متوجہ نہ ہوا تو خود بخود چلا گیا۔

اِس واقعہ کی مناسبت سے حضرت قبلہ بابوجی مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہمشیرہ صاحبہ گولڑہ میں حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہ کی زیارت کو اُن کی جائے قیام پر حاضر ہوئیں تو آپ دروازے بند کیے کمرے میں اکیلے کچھ لکھ رہے تھے ہمشیرہ صاحبہ نے کواڑ کی درز میں سے دیکھا کہ ایک بہت بڑا سانپ آپؒ کے سامنے موجود ہے اور تھوڑی تھوڑی دیر بعد پھن پھیلا کر کھڑا ہو جاتا ہے مگر جب آپ اپنا قلم اُس کے سر پر رکھ دیتے ہیں تو وہ بیٹھ جاتا ہے معلوم ہوتا تھا جیسے کچھ عرض کرنا چاہتا ہو اور آپ اُسے اِنتظار کرنے کا حکم فرماتے ہوں۔ ہمشیرہ صاحبہ یہ کیفیت دیکھ کر کچھ خوفزدہ ہوئیں۔ اور حضرتؒ نے آہٹ پا کر سانپ کو اشارہ سے رُخصت کیا اور ان کو اندر بُلا لیا۔ شیخ سعدیؒ نے کیا خُوب کہا ہے ؎

تُو ہم گردن از حکمِ داور مپیچ ۔۔۔ کہ گردن نہ پیچد ز حکمِ تو ہیچ

اِس کے بعد حسن ابدال کے قریب ایک پہاڑی نالے کی وادی میں جا بجا خلوت نشینی اختیار فرمائی۔ ایک مرتبہ ریل گاڑی میں گزرتے ہوئے بابوجی سے فرمایا کہ اِس نالے میں کوئی ایسی بیٹھنے کی جگہ نہیں ہے جہاں میری نشست نہ رہی ہو۔

سفرِ حجاز

۱۳۰۷ھ میں ایک روز اچانک حجازِ مقدس کے سفر پر روانہ ہو گئے۔ مولانا محبوب عالم فرماتے تھے کہ لاہور کے ایک صاحب ایۃ اللہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کچھ شوقیہ اور فراقیہ اشعار شائع کیے تھے جو حضرتؒ کی نظر سے گزرے۔ آپ پر رقّت طاری ہو گئی۔ اچانک اُٹھ کر ریلوے اسٹیشن کی طرف چلے گئے اور مجھے کہلا بھیجا کہ میرے وظائف و لوازماتِ سفر اسٹیشن پر پہنچا دو۔ جب میں سب ضروری چیزیں لے کر پہنچا تو آپ نے لاہور کا ٹکٹ لیا اور مجھ سے فرمایا کہ سفر طویل ہے شام تک کسی سے ذکر نہ کرنا۔ گاڑی چلی تو میں بے اختیار رو دیا۔ گھر میں کسی کو خبر نہ تھی اور نہ کسی درویش یا طالبِ علم کو ہی پتہ چلا کہ آپ سفر پر جا رہے ہیں۔ چند روز کے بعد آپ کا خط موصول ہوا

کہ بیت اللہ شریف اور مدینہ منورہ کا قصد ہے۔ لاہور پہنچ کر اپنے دیرینہ عقیدت مند اور پیر بھائی حافظ محمد دین سے فرمایا کہ حج کا ارادہ ہے۔ اُنہوں نے اُسی روز اپنی اہلیہ کے زیورات رہن رکھے اور ہم رکابی کا شرف حاصل کیا۔ بمبئی سے جہاز پر سوار ہوئے جو کراچی اور کامران ہوتا ہوا جدہ پہنچا۔ بمبئی میں ایک پُراسرار شخصیت سے چند روز ملاقات رہی۔ وُہ آپ کی روانگی اور جہاز میں سوار ہونے کے وقت بمبئی میں ہی رہ گئے تھے۔ مگر جب جہاز کراچی پہنچا تو پہلے ہی بندرگاہ پر موجود تھے۔ حافظ محمد دین نے ازراہِ تعجب اس کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے اِس قسم کے سوالات پُوچھنے سے منع فرمادیا۔

دُرودِ مُستغاث پر گفتگو

جہاز میں ایک صاحب دُرودِ مُستغاث پڑھ رہے تھے جس میں ایک فقرہ اَلْمُسْتَغَاثُ اِلٰی حَضْرَتِ اللّٰہِ تَعَالٰی اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ بار بار آتا ہے۔ یہ دُرود شریف اکثر بزرگانِ دین اور خصوصاً حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ اور اُن کے متوسلین کے معمولات سے ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اس کا ہرگز ناغہ نہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ اس میں عجیب وغریب تاثیرات ہیں۔ اگرچہ اس کے مؤلف کے متعلق اس نواح میں طبع شدہ نسخوں میں کوئی ذکر نہیں ہے لیکن حضرت شیخ الجامعہ نے اپنے مسودات میں لکھا ہے کہ ۱۳۵۵ھ میں مجھے رجب ہندی کی دکان واقع مدینہ عالیہ پر اس کا ایک نسخہ مطبوعہ قسطنطنیہ دیکھنے کا اتفاق ہوا تو اس میں ترتیب دہندہ کا نام سید احمد کبیر رفاعیؒ تحریر تھا جو مشاہیرِ عراق میں سے ہوئے ہیں اور حضرت غوث الاعظمؒ کے ہم عصر اور اُن سے مستفیض تھے۔ آپ کے ملفوظات کا مجموعہ البرہان المؤید کے نام سے موسوم ہے جس کا اُردو ترجمہ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کے بھائی مولوی ظفر احمد تھانوی نے کیا ہے اور مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے اس پر تقریظ تحریر کی ہے۔ اگر دُرودِ مستغاث شریف حضرت احمد رفاعیؒ کی ترتیب ہے تو ندائے غائبانہ کے جواز پر ایک اور بہت بڑے بزرگ کامل بھی دلیل بن جاتا ہے جس کی ولایت پر تمام اہلِ اسلام کا اتفاق ہے۔ بہرحال جہاز میں ایک مکرانی عالم نے ندائے غائبانہ پر اعتراض کیا۔ نظام المشائخ دہلی کے مطابق جن وظیفہ خوان حضرت پر اعتراض کیا گیا تھا۔ وُہ خواجہ عبدالرحمٰن چھوہروی (ہزاروی) تھے۔ انہوں نے حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ جائز ہے۔ جب مکرانی مولوی صاحب کو معلوم ہوا تو انہوں نے آپ سے اس کے جواز میں ثبوت مانگا۔ آپ نے فرمایا حدیث بخاری۔ وُہ کہنے لگے حاجی رحمت اللہ مہاجر مکی تیس برس سے بخاری شریف کا درس دے رہے ہیں اور ایسی ندائے غائبانہ کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ حاجی صاحب بھی ہماری طرح ہی ایک انسان ہیں۔ مولوی صاحب نے کہا کیا اُن کے سامنے آپ یہ فقرہ کہہ دیں گے۔ فرمایا ہاں کہہ دُوں گا۔

اُن دِنوں حاجی رحمت اللہ مہاجر مکی مدرسہ صولتیہ کی صدارت پر متمکن تھے اور یہ آپ کی عمر شریف کا آخری سال تھا کیونکہ اُسی سال ہی یعنی ۱۳۰۸ھ میں آپ کا وصال ہوگیا۔ جہاز میں حضرتؒ کے دُرودِ مستغاث شریف پر گفتگو کرنے والے مولوی صاحب مدرسہ صولتیہ کے طالب علم تھے اور وطن سے تعطیلات گزارنے کے بعد واپس جارہے تھے۔ اُنہوں نے مکہ شریف پہنچ کر جناب حاجی صاحب سے اِس گفتگو کا ذکر کیا تو اُنہوں نے کہا کہ اچھی بات ہے۔ وُہ صاحب ملیں تو اُنہیں لے آیئے گا۔ اُن کے دلائل سُنیں گے۔ مگر حاجی صاحب کے نائب مدرس جناب مولانا محمد غازی جوش میں آگئے۔ اور اُنہوں نے

حضرتؒ کے علم کا امتحان لینے اور آپ کو لاجواب کرنے کے خیال سے کئی کتابوں سے مشکل اور ادق علمی سوالات جمع کرنے شروع کر دیئے۔

اُستاذ العلماء مولینا محمد غازی کی حضرتؒ سے پہلی مُلاقات

مولینا محمد غازی موچی کرمی علاقہ اٹک کے خٹک پٹھان تھے۔ مولینا احمد حسن کانپوری سے تعلیم حاصل کی اور مکہ شریف میں حاجی رحمت اللہ صاحب سے علم حدیث کی تکمیل کر کے وہیں مدرسہ صولتیہ میں مدرس ہو گئے۔ آپ تمام علوم متداولہ میں تبحر رکھتے تھے۔ خصوصاً علم تجوید و قرأت میں مہارت تامّہ تھی۔ جب حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ سے مُلاقات ہوئی تو محبت و شوق میں اس قدر از خود رفتہ ہو گئے کہ مدرسہ صولتیہ کی تدریس سے مستعفی ہو کر گولڑہ شریف آ گئے اور باقی عمر اسی جگہ درس و تدریس اور فتاویٰ نویسی میں گذار دی۔ حضرت اچی صاحبؒ کے پہلو میں دفن ہیں۔ ردِ وہابیت میں عجالہ آپ کی تحریری یادگار ہے۔

حضرت بابُوجی مدظلہ کے بڑے صاحبزادے شاہ غلام معین الدین المعروف جناب لالہ جی مدظلہ فرماتے ہیں کہ جناب اُستاد محمد غازی فرماتے تھے کہ ابتداءً جب مکہ معظمہ میں حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کی تشریف آوری اور علمی شہرت کا چرچا ہُوا۔ کہ ایک پنجابی سید بڑا عالم و فاضل اس سال حج کے لیے آیا ہے۔ اور اُس مکرانی طالب علم سے دُرُود مستغاث پر جہاز میں گفتگو کا حال بھی معلوم ہُوا۔ تو اُنہیں دیکھنے کا بحد اشتیاق پیدا ہوا۔ ساتھ ہی ایک دُوسرے بنگالی مولوی سے مل کر میں نے کچھ مشکل علمی سوالات جمع کیے کہ آپ سے پُوچھیں گے۔ اور کافی تلاش کے بعد خواجہ عبد الرحمٰن چھوروی (ہزاروی) کی وساطت سے ہم نے آپ کو بیت اللہ شریف کے سامنے مراقب پایا۔ جب قریب گئے تو آپ نے بیٹھنے کا اشارہ فرمایا لیکن آپ پر کچھ ایسی حالت طاری تھی کہ جُونہی ہماری نظر پڑی، رقت طاری ہو گئی اور بحث مباحثہ کا خیال دل سے جاتا رہا۔ میں شرم کے مارے اپنے ہمراہی بنگالی مولوی سے آنسو چھپاتا تھا کہ کیا کہے گا۔ کس شیخی سے آیا تھا اور کیسے رو رہا ہے۔ مگر جب میں نے بالآخر اُس کی طرف دیکھا تو وُہ بھی رو رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد حضرتؒ نے ہم سے حال دریافت فرمایا مگر مجھ سے بات نہ ہو سکتی تھی۔ آخر کار میں نے آپ سے مدرسہ صولتیہ میں اپنی جائے رہائش پر قیام کے لیے عرض کی۔ آپ نے شکریہ ادا کرتے ہُوئے فرمایا کہ مولوی صاحب میرے لیے یہی جگہ اچھی ہے۔ لیکن میرے بہت اصرار پر فرمایا اچھا وہیں ٹھہر جاؤں گا۔ وہاں قضائے حاجت وغیرہ کے لیے سہولت ہو گی۔ یہاں بہ پاسِ ادب بہت دُور جانا پڑتا ہے۔ چنانچہ ہمارے ساتھ مدرسہ میں تشریف لے آئے۔

مولینا محمد غازی فرماتے تھے کہ اُن دنوں حضرتؒ پر کچھ ایسی کیفیت طاری رہتی تھی کہ آپ پر نظر پڑتے ہی رقت طاری ہو جاتی۔ عموماً حرم شریف میں بیت اللہ کے بالمقابل یادِ خُدا میں مستغرق رہتے۔ بہت کم گفتگو فرماتے اور جب کچھ کہتے تو اُس میں بلا کی جاذبیت اور کشش ہوتی۔ جب آپ واپس ہونے لگے تو فرمایا۔ مولوی صاحب آپ کی والدہ صاحبہ کا تقاضہ ہے۔ کہ آپ واپس وطن تشریف لے چلیں۔ میں نے عرض کی کہ فن قرأت میں کچھ اسباق ایک مغربی قاری صاحب سے لینے ابھی باقی ہیں۔ سند لے کر انشاء اللہ حاضر ہو جاؤں گا۔ آپ نے فرمایا۔ مولوی صاحب کیا ہُوا۔ ابراہام نہ پڑھا ابراہیم پڑھ لیا۔ بس اتنا ہی فرمانا تھا کہ میرے دِل کی کیفیت بدل گئی اور میں فوراً تیار ہو گیا۔ مغربی اُستادِ محترم نے میرے ارادے کو دیکھ کر فرمایا اچھا میں پڑھتا جاتا ہُوں۔ آپ سُنتے جائیں تاکہ اِس طرح فن قرأت کی تکمیل ہو جائے۔ لہٰذا اس طور سے تکمیل کی۔

مولانا حاجی رحمت اللہ سے ملاقات

مدرسہ صولتیہ میں قیام کے دوران ایک روز مولانا رحمت اللہ صاحب نے آپ سے ملاقات پر پوچھا کہ جہاز میں مسئلہ ندائے غائبانہ پر آپ کی کسی شخص سے گفتگو ہوئی تھی؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں ہوئی تھی اور جو الفاظ آپ نے کہے تھے۔ بطور معذرت کہا کہ آپ کے متعلق میں نے یہ الفاظ بھی کہے تھے۔ مولانا نے دریافت کیا کہ اس سلسلہ میں آپ کا مسلک کیا ہے۔ فرمایا میں جائز سمجھتا ہوں۔ مولانا نے دلیل طلب کرتے ہوئے کہا کہ "یا رسول اللہ" کی ندا حاضر و ناظر ہونے کی متقاضی ہے حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر نہیں ہیں اور نہ ہر ایک کے ناظر ہیں۔ حضرتؒ نے جواب دیا کہ بخاری شریف میں متفق علیہ حدیث ہے کہ نکیرین مُردہ سے چند سوالات کرتے ہیں جن میں ایک سوال یہ ہوتا ہے۔ مَاکُنْتَ تَقُوْلُ فِیْ ھٰذَا الرَّجُلِ لِمُحَمَّدٍ (تم اس شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں کیا اعتقاد رکھتے تھے) ھٰذَا موضوع ہے محسوس مُبصر قریب کے لیے اور الرجل موضوع ہے مذکر مفرد کے لیے جو بنی آدم سے ہو۔ لہٰذا وہاں قبر میں محسوس مُبصر قریب مرد کا ہونا ضروری ہے۔ اور وہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے کیونکہ جب تک کسی لفظ کے وضعی معنی ہو سکیں، غیر وضعی معانی لینا خلافِ اصل ہے۔ اور جب ایک ہی وقت میں کثیر التعداد مخلوق مرتی ہے اور حسبِ مضمون حدیث مذکور، ہر جگہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا بیک وقت موجود ہونا ثابت ہوا تو کیا بعید ہے کہ رُوئے زمین پر ہر جگہ آپ حاضر ہوں۔

اس تقریر کا یہ اثر ہوا کہ حاجی رحمت اللہ صاحب گرویدہ ہو گئے اور فرمایا کہ یہ تو علم لدنّی ہے۔ ہم سالہا سال سے بخاری شریف کی یہ حدیث درس میں پڑھا رہے ہیں لیکن ان معانی کی طرف کبھی ذہن ہی نہیں گیا جو آپ نے استنباط کیے ہیں۔ حضرت حاجی رحمت اللہ چونکہ ایک محقق اور منصف مزاج عالم تھے اس لیے شرعی دلیل سے ندائے غائبانہ کی معقول وجہ سمجھ میں آجانے پر فوراً اپنے سابقہ مسلک کو تبدیل فرما لیا۔ اس مسئلہ حاضر و ناظر کے متعلق باب "مکتوبات و ملفوظات" میں حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کا ایک مفصل مکتوب بھی قابل دید ہے۔ آپ کی کتاب "اعلاء کلمۃ اللہ" کے آخر میں بھی ندائے غائبانہ اور علم غیب وغیرہ مسائل پر مکمل تحقیق موجود ہے۔

دجّال کے طوافِ کعبہ کی توجیہ

اس گفتگو کے بعد حضرت مولانا حاجی رحمت اللہ نے ایک اور حدیث کی تاویل دریافت کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: میں نے حضرت عیسٰی علیہ السلام اور دجّال کو طواف کرتے دیکھا جو دونوں دو دو آدمیوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر طواف کر رہے تھے۔ لیکن ایک دوسری حدیث شریف میں ہے کہ دجّال کعبہ شریف میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ علماء نے اس کی مختلف تاویلیں کی ہیں لیکن کسی تاویل سے تسلی نہیں ہوتی۔ آپ کے نزدیک ان دونوں احادیث میں مطابقت کی کیا صورت ہے؟ حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ نے فرمایا کہ پہلی حدیث میں لفظ "یطوف" آیا ہے، کعبہ شریف کا ذکر نہیں ہے۔ ہر شخص حضرت باری تعالیٰ عزّ اسمہٗ کے کسی نہ کسی اسم صفاتی کا مظہر ہوتا ہے۔ اور دو دیگر اسماء اس اسم کے معاون اور ماتحت ہوتے ہیں۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام، اسم ہادی کے مظہر ہیں۔ اور اس اسم کے دو معاون اسماء کی معاونت سے اُس اسم کا طواف کر رہے ہیں۔ اور دجّال اسم مُضِل کا مظہر ہے اور اُس اسم کے ماتحت اسماء کی مدد سے اُس اسم کا طواف کر رہا ہے۔ حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ

کی اس تاویل کا ماخذ "فتوحاتِ مکیہ" تھا اور مولینا کو یہ وضاحت بہت پسند آئی۔

یہی سوال ۱۳۴۷ھ میں مولوی حبیب اللہ صاحب امرتسری نے اپنے ایک عریضہ میں حضرتؒ سے دریافت کیا تھا۔ اُن کا خط اور آپ کا جواب "مہرِ چشتیہ" کے صفحات ۳۲۸ تا ۳۴۹ پر درج ہیں۔ اُس جگہ سوال یہی تحریر ہے کہ بروئے احادیث صحیحہ دجّال کا مکہ معظمہ میں داخلہ حرام ہے۔ پھر وُہ کعبۃ اللہ کا طواف کیسے کر سکتا ہے۔ حضرتؒ کے جواب کا اختصار یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مسیحؑ اور دجّال دونوں کو بیت اللہ کا طواف کرتے دیکھنے کا مطلب یہ ہے کہ خیال منفصل اور عالم رؤیا میں عالم شہادت کے محالات، ممکنات نظر آتے ہیں۔ اور اسی طرح مجرّدات مجسّم ہو کر نظر آتے ہیں۔ حق سُبحانہ و تعالیٰ کا بروز حشر ایک صُورت میں جلوہ گر ہونے پر مومنین کا انکار کرنا اور دُوسری صُورت میں متجلّی ہونے پر اقرار، نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا علم بصُورتِ لبن یعنی دُودھ مشاہدہ فرمانا اسی قسم سے ہیں۔ ہر شخص اپنے خیالات اور اعتقادات و اعمال میں اپنے مرکزِ استعدادِ ذاتی کے اِرد گرد گھُومتا رہتا ہے۔ یعنی اُن اسمائے الٰہیہ کے دائرہ سے باہر نہیں جا سکتا کہ جن اسمار کے لیے اُس کا عین ثابت، فیضِ اقدس میں بغیر تخلّلِ جعل مظہر قرار دیا گیا ہے۔ صدیقؓ کا عینِ ثابت ہادی اور ابوجہل کا عینِ ثابت مُضلّ کے احاطہ سے باہر نہیں جا سکتا۔ اسی طرح عیسیٰ علیٰ نبیّنا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا عینِ ثابت اور دجّال کا بھی۔

حدیث کا مطلب ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مشاہدہ فرمایا کہ عیسیٰؑ ابن مریم اور دجّال دونوں اپنے اپنے بیت اللہ اسمائی کا طواف کر رہے ہیں۔ ایک یَھْدِیْ مَنْ یَّشَاءُ کے اظہار میں اور دُوسرا یُضِلُّ مَنْ یَّشَاءُ کے اسباب میں سرگرم و کمربستہ ہے۔ "ھَادِیْ" اور "مُضِلّ" کا موصُوف چُونکہ ذاتِ واحدہ ہے۔ لہٰذا عالمِ رؤیا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ہی بیتُ اللہ مشہود ہوا۔

دُوسری حدیث جس میں دجّال کی عدم رسائی بیت اللہ کا ذکر ہے وُہ بھی صحیح ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ حسبِ ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم دجّال کو عالمِ شہادت میں بیت اللہ تک رسائی نہ ہوگی۔

مولینا رحمت اللہؒ کے حضرتؒ کے متعلق تاثرات

مولینا رحمت اللہ نے حضرتؒ سے بیعت کی استدعا بھی کی تھی۔ مگر حضرتؒ نے مولینا کی عُمر اور علم و فضل کا لحاظ فرماتے ہُوئے بیعت لینے سے تو عذر فرمایا البتہ وظائف اور اوراد تلقین فرما دیئے۔ مولینا کے شاگرد قاری عبد اللہ آبادی کے ایک خط میں تحریر ہے کہ مولینا کے وصال کے وقت میں موجود تھا۔ وُہ اپنی بیماری کے دوران فرماتے تھے کہ گولڑہ جانے کو جی چاہتا ہے اور وصال سے تھوڑی دیر قبل فرمایا کہ میری آنکھوں کے سامنے پیر صاحب کا وُہ سبز رُومال پھر رہا ہے۔ مستری حبیب اللہ لاہوری اور حضرتؒ کے شاگرد قاضی فیض عالم بھی اُس وقت مولینا رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں موجود تھے۔ اور اِن باتوں کی تصدیق کرتے تھے۔ مولینا کے قدرے مفصّل حالات اسی کتاب کے باب "معاصرین" میں درج ہیں۔

قاری عبد اللہ مکّی کی حضرتؒ سے ارادت

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد مُسلمانوں کے کئی خاندان ترکِ وطن کر کے ہندوستان سے چلے گئے تھے۔ جناب بابُوجی مدظلہ کے پوتے حضرت شاہ غلام نصیر الدین کے اُستاد قاری محبُوب علی لکھنوی حال خطیب جامع مسجد آستانہ عالیہ

گولڑہ شریف بیان کرتے ہیں کہ اُن کے اُستاد جناب قاری عبد الرحمن الٰہ آبادی اپنے خاندان کے متعلق ذکر کرتے ہُوئے فرمایا کرتے تھے کہ اُن کے والد ہجرت کر کے جب ہندوستان سے مکّہ شریف گئے تو اُن کے چار فرزند اور کنبہ کے بہت سے دیگر افراد بھی اُن کے ہمراہ تھے۔ ترکوں کی حکومت تھی۔ چھ ماہ تک معاشی تنگی کے باعث، حکومتِ ترکیہ کے لنگر سے جو اُنھوں نے حرم شریف کے قریب قائم کر رکھا تھا، ایک وقت کا کھانا حاصل کرتے رہے۔ دُوسرے وقت آبِ زمزم کے فقط ایک ایک پیالہ پر گذر کرتے تھے۔ اِسی اثنا میں مولینا رحمت اللّٰہ نے بنگال کی ایک مخیّرہ خاتون، صولت النسار کی مدد سے مدرسہ صولتیہ کی بُنیاد رکھی جس کا مقصد ہندی طُلبار کو تجوید اور قرأت کی تعلیم دینا تھا کیونکہ ہندوستان میں اُس وقت اِن فنُون عالیہ کی کمی تھی۔ اِس ضمن میں مصر کے قاری شیخ ابراہیم سعد بن علی کی خدمات بھی حاصل کی گئیں۔ اِس مدرسہ میں سے سب سے پہلے قاری عبد الرحمن کے بڑے بھائی قاری عبد اللّٰہ قرأت اور تجوید میں فارغ التحصیل ہوئے جو بعد میں اِن فنُون کے اُستاد الکُل مانے گئے اور ہندوستان و دیگر ممالک کے بے شمار قرار اِن سے مستفیض ہُوئے مولوی اشرف علی صاحب تھانوی قرآن مجید کی سند میں ان کے متعلق اُستاذ الکُل، استاد اجمل کے الفاظ تحریر فرماتے ہیں۔ ۱۳۰۷ھ میں جب حضرت قبلۂ عالم گولڑوی قدس سرّہٗ حجازِ مقدس گئے اور مولینا رحمت اللّٰہ سے جیسا کہ اُوپر ذکر ہو چکا ہے، گفتگو کے بعد مولینا نے حضرت سے بیعت کی خواہش کا اظہار کیا تو اُس وقت مولینا کی حیثیت مکّہ شریف کے مُمتاز علمار میں سے تھی۔ آپ ممالکِ اسلامیہ کے تمام مشہور بزرگانِ دین کی زیارت سے بھی مشرف ہو چکے تھے۔ گو ابھی تک کہیں بیعت نہ کی تھی۔ مولینا فرماتے تھے کہ بعض حضرات علمِ ظاہر رکھتے ہیں مگر علمِ باطن سے بہرہ ور نہیں ہوتے۔ اور بعض علمِ باطن رکھتے ہیں اور علمِ ظاہر میں نامکمل ہوتے ہیں۔ حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کی ذات میں اُنھوں نے دونوں کمالات مشاہدہ فرما کر اس قدر عقیدت اور نیاز کا اِظہار کیا کہ تمام عُلمائے حرمین شریفین پر بالعموم اور مدرسہ صولتیہ کے اساتذہ اور اربابِ علوم پر بالخصوص اس کا بے حد اثر ہُوا۔ اُن ایام میں قاری عبد اللّٰہ نے خواب میں دیکھا کہ حضرت شاہ ابُوسعید دہلوی خلیفہ حضرت مرزا مظہر جانجاناں نقشبندی مجدّدی ایک کرسی پر تشریف فرما ہیں اور دُوسری کرسی پر حضرت قبلۂ عالم گولڑوی رونق افروز ہیں۔ قاری صاحب کو حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کی طرف ایک باطنی کشش محسوس ہوئی اور آپ نے قاری صاحب کو گلے سے لگا لیا۔ اِس خواب کے بعد قاری عبد اللّٰہ نے حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ سے بیعت کر لی۔ اور اپنے فرزند قاری احمد کو بھی بیعت کرایا۔ قاری عبد اللّٰہ اور اُن کے فرزند قاری احمد کی حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کی ذاتِ گرامی سے عقیدت و نیاز کا اظہار و اندازہ اِن دونوں حضرات کے منقولہ ذیل خطوط سے ہوتا ہے جو اُنھوں نے مکّہ معظّمہ سے آپ کی خدمت میں تحریر کئے تھے۔

قاری عبد اللّٰہؒ کا مکتوب

الحمد للّٰہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ

من مکة المکرمة
من المدرسة الصولتية

ان ابھی مایھدی من ھذہ المشاعر الحرمیة وازھی مایُبدی من ھذہ المآثر المکیّة سلام معبق بارج نسائم البیت الحرام ومحفوف ببرکات زمزم والمقام نخص به قطب الاقطاب وغوث الانجاب أستاذ الطریقة الجشتیه الجامع بین العلوم الحقیقیة والشرعیّة

مشرق شموس الارشاد مطلع بدور الامداد صفوة مناهل الوراد شیخ المشائخ والعباد شیخنا وقدوتنا وملاذنا وعمدتنا مرشدنا ومقتدانا وامامنا ومولانا متعنا الله بطول حیاته وافاض علینا من برکاته ونفعنا بصالح دعواته وعمنا بعظیم توجهاته آمین

بعد تقبیل الایادی الکرام واهداء عاطر التحیة والاکرام وبث لواعج اشواقی الی ذالك المقام ابدی اولاً کثیر البحث والسؤال۔ عن جنابکم الذی فی الخیر لازال۔ نرجوالله الکریم ذالنوال ان تکونوا جمیعاً فی نعمة الکمال وان تفضلتم عن المحب المخلص بالسوال فهو ومن یلوذ به ببرکة دعائکم فی اطیب بال۔ والحمد لله علی کل حال وثانیاً لا یخفاکم انه فی اثناء هذه السنة عقد امیر مکة مجلساً خاصاً مرکباً من المفاتی الاربعة واعیان علماء المسجد الحرام لاجل امتحان من رام ان ینتظم فی سلك المدرسین بالمسجد الحرام فیمتحن فی ستة فنون ومن اراد وظیفة محلولة من الوظائف الخمسة عشر فیمتحن فی اثنی عشر فناً فتقدم محاسیبکم انجالی احمد وحامد فادی احمد امتحان الوظیفة ففاز فی الامتحان ببرکة ادعیة المشائخ وحسن توجهاتکم فاز احمد النمرة الاولی ونال الوظیفة ونال شهادة تامة ممهورة بمهر الامیر ورئیس العلماء والمفاتی واعیان علماء المسجد واجازة بالوعظ والتدریس من المشیخة العالیة ممهورة بمهر القاضی والرئیس والفنون التی ادی احمد الامتحان فیها النحو والصرف والمنطق والمعانی والبیان والبدیع والفقه والحدیث واصولهما والکلام والتفسیر فی البیضاوی واما حامد فادی فی النحو والصرف والمعانی والبیان والبدیع والکلام ونال ملازمیة التدریس هذا والمامول من جنابکم ان تمنوا علی محسوبکم احمد بما استمنحه من جنابکم الکریم من البیعة والاجازة العامة المطلقة الشاملة للاوراد والاذکار وغیرذلك لتجتمع له نسبته المحسوبیة والمریدیة والتلمیذیة ونرجوالدعوات الصالحات لی وانجالی والمسلمین والمسلمات فی سائرالاوقات فی الخلوات والجلوات هذا وجزیل سلامی علی من یلوذبکم من الاخوان والمحبین۔

داعیکم المخلص عبدالله قاری

حرر فی ۱۱ ذالحجة سنة ۱۳۳۳ھ

ترجمہ مکتوبِ گرامی ذیل ہے۔

مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ

۱۱۔ ذی الحج ۱۳۳۳ھ الحمد لله وحده والصلوٰة والسلام علی من لانبیّ بعده

مشاعرِ حرم کا پُربہار ہدیہ اور مآثرِ مکیہ کا پُررونق تحفہ، کعبۃ اللہ کی پاکیزہ خوشبو سے معطر اور زمزم و مقامِ ابراہیم کی برکات سے متبرک سلام مخصوص۔ بخدمت قطب الاقطاب وغوث الانجاب اُستاذِ طریقتِ چشتیہ اور جامعِ علومِ حقیقیہ و شرعیہ۔ آفتابِ ارشاد کا مشرق اور ماہتابِ امداد کا مطلع، واردین کے لیے چشمۂ صافی، شیخ المشائخ والعبّاد، ہمارے شیخ و پیشوا، جائے پناہ، قدوہ و مُرشد و امام و مولی، اللہ تعالیٰ آپ کی عُمرِ دراز سے ہمیں متمتع فرمائے اور آپ کی برکات کا ہم پر فیضان فرمائے۔ آپ کی عُمدہ دُعاؤں سے ہمیں نفع بخشے اور آپ کی توجہاتِ عالیہ ہمارے لیے عام فرمائے۔ آمین دست بوسی

اور ہدیۂ سلام و احترام پیش کرتے ہُوئے اور اُس مقدس مقام کے لیے دلی وفورِ اِشتیاق کے اظہار کے بعد سب سے پہلے آنجناب کی خیریت کا طالب و سائل ہُوں۔ خُداوند کریم سے اُمید ہے کہ آپ سب حضرات نعمتِ کمال سے سرفراز ہوں گے اور اِس مُحبِّ مخلص کی خیریّت کے بارے میں اگر آپ سوال فرمائیں تو جواباً گذارش یہ ہے کہ یہ مخلص اور اس کے تمام متعلقین خیریت سے ہیں اور عُمدہ حال میں ہیں۔ اور ہر حال میں اللہ کے لیے حمد ہے۔ دُوسری بات یہ ہے کہ آنجناب پر مخفی نہ رہے کہ اِس سال کے دَوران امیر مکّہ نے ایک مجلس خاص منعقد کی تھی جس میں مذاہب اربعہ کے مفتی اور مسجدِ حرام کے اکابر عُلماء شریک تھے تاکہ مسجدِ حرام میں مدرّس بننے کے اُمیدوار افراد سے چھ ۶ فنون کا امتحان لیا جائے اور مقررہ پندرہ وظائف کے اُمیدواروں سے بارہ فنون کا اِمتحان لیا جائے۔ آپ کے خادم عزیزین احمد و حامد نے اس میں حصّہ لیا۔ احمد نے وظیفہ کا اِمتحان دیا اور مشائخ کی دُعاؤں و آپ کی توجہ سے اوّل نمبر پر امتحان پاس کیا اور اُسے سند ملی جس پر امیر مکّہ، مذاہبِ اربعہ کے مفتی اور اکابر عُلماء کی مُہریں لگی ہُوئی ہیں۔ اُسے وعظ و تدریس کی اجازت بھی ملی ہے۔ جس پر امیر مکّہ اور رئیس العلماء کی مُہر لگی ہُوئی ہے۔ احمد نے حسب ذیل فنون کا اِمتحان دیا۔ (۱) صرف (۲) نحو (۳) معانی (۴) بیان (۵) بدیع (۶) فقہ و اصُولِ فقہ (۷) حدیث و اصُول حدیث (۸) تفسیر (بیضاوی وغیرہ)۔ حامد نے صرف، نحو، معانی، بیان، بدیع اور علمِ کلام کا اِمتحان دیا۔ اور ملازمتِ تدریس حاصل کی۔ آنجناب سے دِلی آرزو ہے کہ اپنے منسُوب احمد پر احسان کریں۔ اور جو کچھ اُس نے طلب کیا ہے از قسمِ بعیت و اجازتِ عامہ برائے اذکار و اوراد وغیرہ اُسے عطا کریں تاکہ اُسے نسبت محبُوبیت و مُریدیّت و تلمذ حاصل ہو جائے۔ میرے لیے، میری اولاد کے لیے، تمام مسلمان مردوں، عورتوں کے لیے تمام اَوقات میں دُعائے خیر فرمائیں۔ آپ کے متعلقین و محبّین کے لیے میرے دِلی سلام۔ آپ کا مخلص دُعاگو عبداللہ قاری

قاری احمد کا مکتوب

۷۸۶
۹۲

الحمد للہ عزّشانہٗ

علو الاسرار الربانیۃ اشارۃ الدقائق الرحمانیۃ الجامع بین علمی الباطن والظاھر وارث المجد کابرًا عن کابرٍ مُرشد السالکین الی اقوم طریقٍ ومربی المریدین بدقائق اسرار التوفیق مرکز دائرۃ الارشاد مطلع بدور الامداد صفوۃ مناھل الوُراد شیخ المشائخ والعباد معدن السلوک والحقیقۃ حضرت اُستاذ الطریقۃ عمر اللہ الوقت بحیاتہ وافاض علینا سجال ھباتہ وعمّنا ببرکاتہٖ آمین۔

غب تقبیل الایادی الکرام ولثم مواطیٔ الارجل والاقدام واداء واجب التحیۃ والسلام مع کمال التبجیل والاحترام فان شوقی الی ذلک المقام لاتکاد تحصیہ الاقلام فھو کشوق الظمان للشراب والارض الممحلۃ للسحاب وھذا تشبیہ وتمثیل وتقریب وتخییل والافشوقی الیہ یفوت التوصیف ویتجاوز التعریف وھذا قول مسلم الثبوت لایحتاج الی تنقیح ولا تحریر نعوت ھذا والمعروض الی حضرتکم العلیّہ ان تمنوا علی المحسوب البیعۃ والاجازۃ العامۃ فی العلوم

العقلية والنقليّة اجازة مطلقة شاملة للاذكار والاحزاب وتحسنوا الى ببيان بعض الاوراد التى تحسنونها لتتم لى النسب الثلاث اذ ليس يخفاكم انتسابى الى حضرتكم العلية واضافتى اليكم بالمحسُوبية فان رائ المولىٰ إن تكون هٰذِه الاضافة معنويه ليست فى تقدير الانفصال وضم اليها نسبتى المريدية والتلميذية لتكون نسبة تامة مقررة للحال كما حققتهٗ امالنا لكمال التحقيق فهو بذالك اجدر وحقيق وان راى المولےٰ الاعراض عن هذ المقال وقال لكل علم رجال تادب القلم وكف لسانه وقال رحم الله امرءً عرف قدره ومكانه والمرجوان لا تخرجونا من خاطركم الشريف عند الدعوات الصالحات فى الخلوات والجلوات وفى سائر الاوقات فانا فقراء الى ذلك والله اعلم بما هنالك هذا وفى الختام جزيل السلام على من هواه المقام لاسيما اسيادى انجالكم الكرام لازالوا ملحوظين بعين الملك العلام ودمتم فوق ما رمتم آمين -

محسوبكم وداعيكم

حرره فى ١١ ذى الحجة المبارك سنه ١٣٣٣ھ

احمد بن عبد الله القارى

ترجمہ :-

الحمد لله عزّشانهٗ

بخدمت عالمِ اسرارِ ربّانی وواقفِ اشارات ودقائقِ رحمانی، علمِ ظاہر وباطن کے جامع اور نسلاً بعد نسلاً شرف وبزرگی کے وارث، سالکین کو سبیلِ اقوم کی طرف رہنمائی کرنے والے، مریدین کی توفیق کے دقیق اسرار کے ساتھ تربیت فرمانے والے، دائرہ ارشاد کے مرکز اور بدور امداد کے مطلعِ منوّر، وارد ہونے والوں کے لیے چشمۂ صافی، شیخ المشائخ، معدنِ سلوک و حقیقت، حضرت اُستاذِ طریقت، اللہ تعالیٰ زمان کو آپ کی حیاتِ طیبہ سے آباد رکھے۔ اور آپ کے خُم ہائے بخشش سے ہم پر افاضہ فرمائے اور آپ کی برکتیں ہمارے لیے عام فرمادے۔ دست وقدم بوسی اور انتہائی تعظیم واحترام سے ہدیۂ سلام پیش کرنے کے بعد عرضِ خدمت یہ ہے کہ اِس مقامِ مقدّس کی طرف وفورِ شوق کو قلمبند نہیں کیا جاسکتا۔ جیسے پیاسے کو پانی کا شوق اور قحط زدہ زمین کو بارانِ کرم کا شوق ہوتا ہے ایسا ہی مجھے شوق ہے۔ بلکہ یہ تو محض ایک تشبیہ وتمثیل اور تخیلی چیز ہے۔ میرا دِلی شوق ہر توصیف سے زائد اور ہر تعریف سے متجاوز ہے۔ یہ ایک مُسلّم الثبوت بات ہے جس کے لیے زیادہ تنقیح کی ضرورت نہیں۔ اِس کے بعد خدمتِ عالی میں گذارش یہ ہے کہ آپ اپنے اِس محسُوب ومنسُوب پر احسان فرماتے ہُوئے علومِ عقلیہ ونقلیہ ودیگر اوراد واذکار کی اجازتِ عامہ عطا فرماویں اور بعض ایسے اوراد بھی عطا فرمائیں جو آپ کو پسند ہوں تاکہ مجھے آپ سے تینوں نسبتیں حاصل ہوجائیں۔ آنجناب پر مخفی نہیں کہ بندہ کو آپ سے شرفِ محسُوبیت ومنسُوبیت حاصل ہے۔ پس اگر مولائے نعمت اِس اضافتِ معنویہ کو ناقابلِ انقطاع بناتے ہُوئے نسبتِ مُریدی ونسبتِ شاگردی پر مزید اضافہ بھی فرمادیں تاکہ نسبت پختہ اور تامہ حاصل ہوجائے جیسا کہ میری آرزُو ہے۔ تو یہ بات آنجناب کے شایانِ شان ہے اور اگر (خدانخواستہ) آقا ومولا اِس گفتگو سے یہ فرماتے ہُوئے اعراض کریں کہ ہر علم کے لیے مخصُوص مرد ہوتے ہیں تو پھر قلم ادب اختیار کرے گا اور زبان روک لی جائے گی اور یہی سمجھا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ اُس اِنسان پر رحم فرمائے جس نے اپنی قدر و منزلت کو پہچان لیا۔ پُوری اُمید ہے کہ خلوت وجلوت اور تمام اَوقات میں دعواتِ صالحہ کرتے وقت ہمیں اپنے دِل سے

فراموش نہیں فرمائیں گے۔ کیونکہ ہم آپ کی دُعاؤں کے سخت محتاج ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ اخیر میں تمام حاضرین معتام کو سلام خصوصاً آنجناب کی کریم اولاد پر خدا کرے ہمیشہ خداوندِ علام الغیوب کی نظرِ شفقت رہے اور اُمید سے زیادہ عُمرِ دراز نصیب ہو۔ آمین۔

۱۱ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ

آپ کا منسوب وطالب دُعا:

احمد بن عبداللہ القاری،

قاری احمد کے حق میں حضرتؒ کی سندِ علوم

چُنانچہ ان ہی مکتوبات کے پیشِ نظر حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ نے قاری احمد کے نام مندرجہ ذیل سند ارسال فرمائی:۔

الحمد للہ القدیم الذی لا یزال ولم یزل العلیم الذی لا یجھل الحلیم الذی لا یعجل الجواد الذی لا یبخل المتعزز بجلال وحدانیتہ المھتز بجمال رحمانیۃ المتحوز بکمال فردانیتہٖ واشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ واشھد ان محمدًا عبدہٗ ورسولہٗ المرتدی برداء فخار (کنت نبیاً وادم بین الماء والطین) المھتدی الی فضاء اسرار (فعلمت علم الاولین والآخرین) سابح لج (فکان قاب قوسین او ادنٰی) سائح فج (وَاِنَّ اِلٰی رَبِّکَ الرُّجْعٰی وَاِنَّ اِلٰی رَبِّکَ الْمُنْتَھٰی) صلی اللہ علیہ وعلٰی آلہ واصحابہ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْھُم باحسان وَسلّم تسلیمًا کثیرًا لا تعد ولا تحصٰی سیما علٰی سیدی شباب اھل الجنۃ الحسن والحسین وذریتھما خصوصًا علٰی سیدنا الشیخ محی الدین ابی محمد عبد القادر الجیلانی وَعلٰی سیدنا الشیخ معین الدین حسن سنجری ثم اجمیری۔

امّا بعد فقد وصل الی بعض تحریرات مخلصی فی اللہ مولوی احمد بن محبی اللہ عبداللہ القاری المکی الماتریدی الحنفی المقیم فی مدرسۃ الصّولتیہ فوجدتہ بفضل اللہ وکرمہ فائقًا فی المنقولات بارعا فی المعقولات فاجزتہ اجازۃً عامۃً لتدریس العلوم کلھا کما اجازنی بعض مشائخی اجازۃً عامۃً وایضًا اجزتہ واوصیہ بالمواظبۃ علی التقوی واتباع السُّنۃ سِرًا وعلانیۃً والمداومۃ علی الصلٰوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بصیغۃ اللّٰھم صلّ علٰی محمد وعلٰی اٰل محمد وبارک وسلم مائۃ مرۃٍ وذکر اللہ تعالٰی اللہ الصمد اللہ الصمد اللہ الصمد کذا مائۃ مرۃ دبر کل صلوٰۃٍ والسلام خیر ختام۔

العبد

الملتجی والمشتکی الی اللہ الصمد عوبہ مہر علی شاہ عفی عنہٗ ربہٗ

رابع جُمادی الاولٰی سنۃ ۱۳۳۴ھ

ترجمہ: سب تعریف خدائے قدیم کے لیے ہے جو ازل سے ابد تک لازوال ہے۔ ایسا علم والا جو کبھی بے خبر

نہیں رہتا۔ ایسا حلم والا جو جلدی نہیں کرتا۔ ایسا بخشش والا جو بخل نہیں کرتا۔ وُہ ذات جو جلال وحدانیت کے ساتھ غالب جمال رحمانیت کے ساتھ نازاں اور کمال فردانیت کے ساتھ منفرد ہے۔ اور میں شہادت دیتا ہُوں کہ اللہ وحدہٗ لاشریک کے سوا کوئی معبود نہیں اور شہادت دیتا ہُوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے مقرب بندہ و رسُول ہیں جو کُنتُ نَبِیّاً وَ آدَمُ بَیْنَ الْمَآءِ وَالطِّیْنِ (میں نبی تھا حالانکہ حضرت آدم پانی اور مٹی میں تھے) کے فخر کی چادر اوڑھنے والے ہیں اور فعلمتُ عِلْمَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْآخِرِیْنَ (میں نے اوّلین و آخرین کے علوم جان لیے) کے اسرار کی فضا میں راہ پانے والے ہیں۔ فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی (پس دو کمان کے مقدار پر ہو گئے یا اس سے بھی زیادہ قریب) کے سمندر میں غوطہ زن اور اِنَّ اِلٰی رَبِّکَ الرُّجْعٰی وَاِنَّ اِلٰی رَبِّکَ الْمُنْتَھٰی (بے شک تیرے ربّ کی طرف ہی بازگشت ہے اور تیرے ربّ کی طرف ہی انجام کار ہے) کی شاہراہ کے سیر کنندہ ہیں۔ آپؐ پر اور آپؐ کے آل و اصحاب پر ان گنت اور بے حد صلوٰۃ و سلام ہوں، جنہوں نے اخلاص کے ساتھ آپؐ کی پیروی کی خصوصاً جنت کے نوجوانوں کے ہر دو سردار حضرت حسنؓ و حضرت حسینؓ اور اُن کی اولاد و امجاد علی الخصوص سیّدنا شیخ ابی محمد عبدالقادرؒ الجیلانی اور سیّدنا شیخ معین الدین حسن سنجری اجمیری پر۔

بعد ازیں مجھے مخلصی فی اللہ مولوی احمد بن محبّی للّٰہ قاری عبداللہ مکّی ماتریدی حنفی مقیم مدرسہ صولتیہ کی بعض تحریریں پہنچیں۔ خدا کے فضل و کرم سے میں نے اُسے علومِ منقولات و معقولات میں فائق اور ماہر پایا اور اُسے تمام علوم کی تدریس کے لیے اجازتِ عامہ دیتا ہُوں جیسے مجھے میرے بعض مشائخ نے اجازت عامہ عطا فرمائی اور اُنہیں ظاہر و باطن میں تقویٰ و اتباعِ سُنّت کے ساتھ اور درُود شریف اللّٰھم صل علٰی محمّد وعلٰی اٰلِ محمّد وبارک وسلّم اور اللہ الصّمد سوسو بار ہر نماز کے بعد علی الدوام پڑھنے کی وصیّت کرتا ہُوں۔ والسلام خیر ختام

قاری عبدالرحمٰن الٰہ آبادی و قاری عبدالرحمٰن جونپوری کی حضرتؒ سے ارادت و عقیدت

حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کی توجہ و برکت سے قاری احمد شریف مکّہ کے زمانہ میں تمام حجاز کے قاضی القضاۃ مقرر ہُوئے اور اُن کے بھائی قاری عبدالرحمٰن طائف میں قاضی ہُوئے۔ سعُودی حکومت کے دَور میں جب کُنبہ کے باقی افراد واپس ہندوستان آگئے تو قاری احمد وہیں رہے اور جدّہ میں قاضی مقرر ہُوئے۔ قاری عبداللہ کے چھوٹے بھائی قاری عبدالرحمٰن نے بھی مدرسہ صولتیہ میں تعلیم پائی اور وہاں سے واپس ہندوستان آکر کانپور میں کچھ عرصہ قیام فرمایا جہاں مولینا احمد حسن کانپوری کے فرزندان و دیگر مشہور طلباء نے آپ سے علمِ تجوید و قرأت حاصل کیا اور بعد میں دیوبند، سہارنپور، لکھنؤ وغیرہ کے مدارس میں تجوید کے مشہور اساتذہ ہُوئے۔ گویا ہندوستان کے اکثر قرّاء اسی خاندان کے خوشہ چین ہیں۔ قاری عبدالرحمٰن نے علمِ تجوید پر ایک کتاب "فوائدِ مکّیہ" تحریر فرمائی جو اس فن میں بہت ہی مشہور و مقبول ہے۔ قاری صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میں ابتداء میں ایک آزاد منش انسان تھا۔ اور اگرچہ میرے بڑے بھائی قاری عبداللہ اور مدرسہ صولتیہ کے بہت سے دیگر مدرّسین و طلباء نے مکّہ شریف میں حضرت قبلۂ عالم گولڑوی قدس سرّہٗ کے دستِ مبارک پر بیعت کر لی تھی مگر میں حلقۂ ارادت میں داخل نہ ہوا۔ ابتداء میں مولینا شاہ فضل الرحمٰن گنج مُرادآبادی کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا جو ہندوستان کے مشاہیر علماء اور عرفا میں سے ہُوئے ہیں۔ پھر کچھ عرصہ اس خیال میں بھی مُبتلا رہا کہ اگر کہیں سے نسخۂ کیمیا

ہاتھ لگ جائے تو ایک مدرسہ اپنے ذاتی خرچ پر قائم کروں۔ اس مقصد سے ایک کیمیاگر کی کافی عرصہ تک خدمت کی اور کامیابی کے کچھ آثار بھی پیدا ہوئے۔ مگر ایک روز خواب میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حضرت قبلۂ عالم گولڑوی قدس سرّہٗ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہیں اور پاس ہی سونے چاندی کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ سے مخاطب ہوکر ارشاد فرماتے ہیں کہ عبدالرحمٰن سے کہہ دو اگر سونے چاندی کی ضرورت ہے تو یہ موجود ہے۔ مگر میری شفاعت کی اُمید نہ رکھے۔ چنانچہ اس خواب کے بعد وُہ تمام شوق نفرت سے بدل گیا اور کیمیا کا خیال دِل سے دُور ہوگیا۔ ساتھ ہی حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ سے عقیدت میں بھی اضافہ ہوگیا۔ مگر پھر بھی وساوس اور خطرات بیعت ہونے سے مانع رہے۔ ایک روز پھر خواب میں دیکھا کہ حضرتؒ اپنے مکان پر ٹہل رہے ہیں اور مجھے مخاطب فرماکر میرے ایک ایک شک اور اعتراض کا ازالہ فرماتے ہیں۔ بیدار ہوا تو دِل تمام وساوس سے پاک تھا۔ اس کے بعد جب گولڑہ شریف حاضر ہونے کا اِتفاق ہوا تو ایک صبح حضرتؒ نے طلب فرمایا۔ دیکھا تو آپ اُسی طرح ٹہل رہے تھے جیسے خواب میں نظر آئے تھے۔ میرے سامنے ہوتے ہی آپ نے مجھے مخاطب فرماکر وُہ تمام شکوک وشبہات رفع فرمادیئے۔ جس کے بعد میں بیعت سے مشرّف ہوا۔

حضرت بابُوجی مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ قاری عبداللہ کی وفات پر جب قاری عبدالرحمٰن مکہ شریف گئے۔ تو اراکینِ مدرسہ صولتیہ نے ان کو وہاں سکونت اختیار کرنے پر مجبور کیا۔ مگر خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم ہندوستان واپس جاؤ۔ تمہاری وہاں ضرورت ہے۔ بابُوجی فرماتے ہیں کہ قاری عبدالرحمٰن پہلے حضرات مشائخِ کرام سے اِس قدر عقیدت نہ رکھتے تھے مگر بعد میں تو یہ حالت ہوگئی تھی کہ میں نے بارہا اصرار کیا کہ یہاں گولڑہ شریف میں رہ کر لوگوں کو مستفید فرمائیں لیکن ہر بار یہی جواب دیتے تھے کہ شیخ کے مقام پر رہنا بہت مشکل کام ہے لہٰذا مجھے معذور تصوّر فرمائیں۔ قاری محبوب علی فرماتے ہیں کہ ذکر اور یادِ الٰہی کے ذوق وشوق کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ سینہ پر ایک پھوڑے کا ڈاکٹر سے اپریشن کراتے وقت بیساختہ اِسم ذات اللہ مُنہ سے نکلا جس میں کچھ ایسی کشش تھی کہ بعد میں ڈاکٹر نے بارہا آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ قاری صاحب ایک مرتبہ پھر اُسی طرح اللہ کا نام لے دیجئے۔ مجھے اِس سے ایک خاص کیفیت حاصِل ہوئی تھی۔

واضح ہو کہ یہ قاری عبدالرحمٰن الٰہ آبادی، جناب قاری عبدالرحمٰن جونپوری خطیب ومُفتی آستانہ عالیہ گولڑہ شریف کے علاوہ ایک دُوسرے صاحب ہیں۔ قاری عبدالرحمٰن جونپوری بھی مدرسہ صولتیہ میں کچھ عرصہ مقیم رہے تھے۔ اور مولانا رحمت اللہ اور قاری عبداللہ کے شاگرد تھے۔ اُنھوں نے ابتداءً ہندوستان میں مولانا احمد حسن کانپوری سے تعلیم حاصل کی تھی اور فرماتے تھے کہ ایک دفعہ بیعت کے لیے حضرت شاہ وارث علی کی خدمت میں حاضر ہوا جو ہندوستان کے مشہور بزرگانِ دین سے ہُوئے ہیں۔ تو آپ نے بذریعہ کشف معلوم کرکے فرمایا کہ عبدالرحمٰن تمہارا حصہ ایک دُوسرے صاحب کے پاس ہے اور ایک مِسواک بھی تبرکاً عطا فرمائی۔ آخر جب حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ مکہ شریف گئے تو قاری عبدالرحمٰن جونپوری آپ کے کمالات دیکھ کر کچھ ایسے گرویدہ ہُوئے کہ مدرسہ سے استعفٰی دے کر گولڑہ شریف میں سکونت اختیار کی اور آخر وقت تک یہیں رہے۔ حضرت بابُوجی مدظلہ العالی نے آپ ہی سے فنِ تجوید کی مشق فرمائی۔ راقم الحروف کے اُستاد قاری غلام محمد پشاوری بھی ان ہی کے شاگرد تھے۔ جو اپنے اُستاد کی وفات کے بعد آستانہ عالیہ گولڑہ شریف پر خطیب اور مُفتی رہے۔ قاری عبدالرحمٰن جونپوری موصُوف کے فتاوٰی اِن کی علمی شان کے بیّن شاہد ہیں۔

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے درس میں حضرتؒ کی تقریر و حاجی صاحبؒ کی طرف سے عطائے سلسلہ صابریہ

حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ ایک روز مولوی محمد غازی کے ہمراہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں حاضر ہوئے۔ حاجی صاحب اس وقت مثنوی مولینا رُومؒ کا سبق دے رہے تھے۔ اثنائے سبق ایک ایسا شعر آیا جس میں آرزوئے وصل کی شدّت کا اظہار تھا جناب لالہ جی صاحبزادہ غلام معین الدین مدظلہ العالی اپنے سفرنامہ ممالکِ عربیہ و رُوم ۱۹۴۹ء میں تحریر فرماتے ہیں کہ مکہ معظمہ میں ایک معمر سید بزرگ اُنہیں ملے تھے جو اس واقعہ کے وقت درس میں حاضر تھے۔ وُہ کہتے تھے کہ شعر یہ تھا ؎

ہر کسے کو دُور ماند از اصل خویش
باز جوید روزگارِ وصلِ خویش

ایک شاگرد نے سوال کیا کہ مولینائے رُومؒ تو وحدت الوجود کے قایل ہیں۔ جہاں دُوئی کا تصور ہی نہیں۔ پھر یہ وصل کی تمنا چہ معنی دارد؟ حضرت حاجی صاحبؒ نے جواب میں کچھ فرمایا مگر دریافت کرنے والے کی تسلی نہ ہُوئی اور اُس نے پھر سوال کو دُہرایا۔ حضرت قبلۂ عالمؒ نے عرض کیا کہ یہ طالبِ علم اپنے سوال کا مفہوم پُوری طرح ادا نہیں کر پا رہا ہے۔ اگر اجازت ہو تو میں اس کے سوال کا منشاء عرض کروں۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا "کیا مضائقہ ہے"۔ جب حضرتؒ نے سوال کی وضاحت فرمائی کہ وصل ایک امرِ اضافی ہے جو دُوئی کا متقاضی ہے۔ حالانکہ وحدت الوجود اس کے منافی ہے تو حضرت حاجی صاحبؒ کی طبیعت بھر آئی اور فرمایا کہ اچھا اب اس کا جواب بھی آپ ہی بیان فرمائیں۔

حضرتؒ نے عرض کیا وصل کے معنی ہستیٔ موہومہ کو مٹانا ہے۔ غیریت کی نفی نفس الامر میں ہے اور حقیقت میں محبوبِ حقیقی کے بغیر کوئی غیر موجود نہیں۔ مگر وہم کے غلبہ سے تغائر پیدا ہو گیا ہے اور وُہ اُس وقت تک باقی رہتا ہے جب تک فنائے کامل حاصل نہیں ہوتی۔ طلب اور عشق کے تمام منازل میں ایک وہمی غیریت باقی رہتی ہے۔ اس لیے فراق بھی ہوتا ہے۔ اور وصال کی طلب بھی ہوتی ہے ؎

میں جبھی تک تھا کہ تیری جلوہ پیرائی نہ تھی
جو نمُودِ حق سے مِٹ جاتا ہے وُہ باطل ہُوں مَیں

حضرتؒ نے اپنی جوابی تقریر کو خواجہ حافظؒ، مولینائے رُومؒ اور دیگر عُرفاء کے کلام از قسم

تُو مباش اصلاً کمال این است و بس
رَو دَرو گم شو وصال این است و بس

اور حضرت شیخ اکبرؒ کے برجستہ ارشادات سے مُزیّن و مُرصّع کر کے کچھ ایسے پُرکیف انداز میں ادا فرمایا کہ حضرت حاجی امداد اللہؒ وجد میں آ گئے اور آپ کو بے حد رقت ہُوئی۔ کچھ دیر کے بعد جب طبیعت سنبھلی تو کمرہ کے اندر تشریف لے گئے اور اپنا سلسلۂ چشتیہ صابریہ لا کر حضرتؒ کو عنایت فرمایا اور کہا کہ اگرچہ آپ کو اس کی حاجت نہیں۔ مگر میں چاہتا ہُوں کہ آپ کی وجہ سے شمالی ہند میں میرے سلسلہ کی بھی ترویج ہو۔ حضرتؒ فرماتے تھے میں نے عرض کیا آپ کی عنایت کا شکریہ مجھے طوافِ کعبہ کی طرف قلبی توجہ نہیں ہوتی۔ اگر ہو سکے تو اس قدر مہربانی فرمائیں کہ خُدا کرے یہ ہو جائے۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا میں بھی تقریباً تیس سال سے ایسی ہی کیفیت میں مُبتلا ہُوں۔ جناب بابُوجی مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ دورانِ درس ایک دفعہ حضرتؒ نے اس کیفیت کی یہ وجہ بیان فرمائی کہ جس شخص کا مطمحِ نظر ذات ہو وُہ آثار و افعال اور صفات کی طرف

متوجہ نہیں ہوتا ہے ۔ ؎

عشق آں شعلہ است کہ چوں بر فروخت　　ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

حضرتؒ فرماتے تھے کہ جب میں عرب شریف سے واپس آیا تو ایک مدت کے بعد دیوان سید محمد سجادہ نشین پاک پتن شریف کے تقاضا پر سلسلہ چشتیہ صابریہ کے وظائف اُنہیں تلقین کیے ۔ اُس وقت حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے اس عطیہ کی حکمت معلوم ہوئی ۔ آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ عرب شریف کے قیام کے دوران ایک وقت ایسا بھی آیا تھا کہ مجھے اُسی جگہ رہائش اختیار کر لینے کا خیال پیدا ہو گیا ۔ مگر حاجی صاحبؒ نے ارشاد فرمایا کہ پنجاب میں عنقریب ایک فتنہ نمودار ہو گا جس کا سدِ باب صرف آپ کی ذات سے متعلق ہے ۔ اگر اُس وقت آپ محض اپنے گھر میں خاموش ہی بیٹھے رہے تو بھی علمائے عصر کے عقائد محفوظ رہیں گے ۔ اور وہ فتنہ زور نہ پکڑ سکے گا ۔ جیسا کہ آپ کی تصانیف وملفوظات سے ظاہر ہوتا ہے ۔ آپ پر بعد میں انکشاف ہوا کہ اس فتنہ سے مُراد قادیانیت تھی ۔

حضرت حاجی صاحبؒ کی ان عنایات پر اُن کے بعض متوسلین کا ردِّعمل

جناب بابو جی کا ارشاد ہے کہ حضرتؒ فرماتے تھے جب میں حاجی صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اُس وقت ہندوستان کے چار مشہور عُلماء بھی حاضرِ درس تھے ۔ میری تقریر اور حضرت حاجی صاحبؒ کی جوابی مہربانی کو اُنہوں نے کچھ محسوس کیا اور مجھ سے ایک منطقی سوال پوچھا ۔ میں نے کہا ” میاں یہاں تو ایک باخدا انسان کی مجلس ہے ۔ یہاں سے کچھ حاصل کرنا چاہیئے ۔ یہ مناظرہ کا مقام نہیں ۔ اگر آپ حضرات کو مناظرہ کا اتنا ہی شوق ہے تو فلاں مقام پر آ کر مجھ سے گفتگو کیجیے گا اور اگر میرے پاس آنا مناسب نہ سمجھیں تو میں خود آپ کے مقام پر حاضر ہو جاؤں گا ۔ اس پر وہ خاموش ہو گئے ۔

حضرت حاجی امداد اللہؒ مہاجر مکیؒ اور آپ کا مسلک

حضرت حاجی امداد اللہؒ ۱۲۲۳ھ ہجری یعنی ۹-۱۸۰۸ء عیسوی میں بمقام قصبہ نانوتہ ضلع سہارن پور پیدا ہوئے ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں انگریز حکومت کے خلاف ہندوستان میں جہاد میں حصہ لیا ۔ ۱۲۷۶ھ یعنی ۶۰-۱۸۵۹ء میں ہندوستان سے ہجرت فرما کر مکہ معظمہ میں رہائش اختیار کی اور وہیں ۱۳۱۷ھ یعنی ۱۹۰۰-۱۸۹۹ء میں رحلت فرما کر اپنے دیرینہ رفیق اور دینی وسیاسی معاون حاجی رحمت اللہ مہاجر مکیؒ کے پہلو میں دفن ہوئے ۔ آپ بلادِ عرب میں شیخ العرب والعجم کے لقب سے موسوم تھے ۔ دیوبندی مکتبِ فکر کے اکثر و بیشتر عُلماء کو آپ سے ارادت ہے ۔ گو بعض مسائل میں انہیں حاجی صاحب سے اختلاف بھی رہا ۔ مگر مولینا احمد حسن کانپوریؒ ، مولینا لطف اللہ علیگڑھیؒ ، مولینا محمد حسین الہ آبادیؒ اور بہت سے دیگر آپ کے متوسلین عُلمائے کرام آپ کے مسلک کے پُوری طرح پابند رہے ۔ مسئلہ وحدت الوجود میں حاجی صاحب کا مسلک ” امداد المشتاق “ کے مندرجہ ذیل الفاظ سے واضح ہوتا ہے :-

” یہ مسئلہ (وحدت الوجود) حق و صحیح مُطابق للواقع ہے ۔ اس مسئلہ میں کچھ شک وشبہ نہیں ۔ معتقد علیہ تمامی مشائخ کا ہے ۔ مگر قال و اقرار نہیں ، البتہ حال و تصدیق ہے یعنی اس مسئلہ میں تیقن اور تصدیق قلبی کافی ہے اور استتار اس کا لازم اور افشا ناجائز ہے ۔ کیونکہ اسباب ثبوت اس مسئلہ کے کچھ نازک ہیں ، بلکہ بحدِ دقیق

کہ فہمِ عوام بلکہ فہمِ عُلمائے ظاہر ہیں کہ اِصطلاحِ عُرفا سے عاری ہیں نہیں آتے تو الفاظ میں کہنا اور دُوسرے کو سمجھانا کب ممکن ہے۔"

فتوحاتِ مکیہ" کے حصُول میں تائیدِ غیبی

حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ فرماتے تھے کہ مکّہ معظمہ میں کتاب "فتوحاتِ مکیہ" کے مطالعہ کا شوق پیدا ہوا۔ ایک کُتب فروش نے اس کی قیمت چالیس ریال بتائی جو میرے پاس نہ تھے۔ اِسی خیال میں بیٹھا تھا کہ ایک اجنبی افغان نے حرم شریف میں آکر چالیس ریال پیش کیے۔ وجہ پُوچھی تو کہنے لگا کہ اس وقت میرے دِل میں خود بخود خیال پیدا ہوا ہے کہ یہ رقم آپ کو پیش کردوں۔ چنانچہ اُس کے اصرار پر وُہ چالیس ریال قبول کرلیے اور اشارۂ غیبی سمجھ کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہُوئے جاکر کتاب خریدلی جو ہمیشہ زیرِ مطالعہ رہی۔

حضرتؒ کے رئیس الحجاج ہونے کے متعلّق ایک بزرگ کا کشفی مشاہدہ

جس سال آپ حج پر گئے تھے اُسی سال حضرت سیّد لعل شاہ نقشبندی دندہ شاہ بلاول ضلع کیمبل پُور حج کے لیے گئے تھے۔ جناب مولینا محمد غازی اور سیّد چانن شاہ جابوی نے اُن کو کہتے سُنا کہ میں نے بیتُ اللہ شریف اور پھر عرفات میں بھی مراقبہ کرکے معلوم کرنا چاہا کہ اس سال اولیائے حاضرین میں سے رئیس الحجاج کا منصبِ جلیلہ کِسے عطا ہوا ہے تو حرم شریف میں مَیں نے خانۂ کعبہ کو حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کے گرد طواف کرتے دیکھا اور عرفات میں لوگوں کے حج آپ کے ہی توسّل سے بارگاہِ الٰہی میں پیش ہو کر مقبول ہوتے نظر آئے۔ اِس لیے سمجھ گیا کہ اس سال آپ ہی اس باطنی منصبِ عالی پر فائز المرام ہیں۔ جناب بابوجی مدّظلہ العالی فرماتے ہیں کہ اِن ہی سیّد لعل شاہ کے خاندان میں سے ایک صاحب سخت بیمار ہُوئے اور چُونکہ اِس گھرانے کو مندرجہ بالا واقعہ کی بنا پر حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ سے عقیدت تھی اِس لیے وُہ گولڑہ شریف میں دُعائے صحت کے لیے آئے اور اللہ تعالیٰ نے اُنہیں شفا بخشی۔ اُن کی زبانی بھی میاں عبداللہ وغیرہ خُدّامِ لنگر شریف نے اُس مراقبہ کا ذکر سُنا تھا۔

بیتُ اللہ شریف اور دیارِ صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حاضری کے وقت ایک عام مُسلمان کے ذوق وشوق کی جو کیفیت ہوتی ہے وُہ ہی بیان میں نہیں آسکتی تو اولیاء اللہ کی کیفیات کا اندازہ کون لگا سکتا ہے۔ البتہ کبھی کبھی یہ حضرات مامُور من اللہ ہو کر یا وارداتِ قلبی کے تحت مصلحتاً اپنے جمالِ حال کے کسی گوشہ سے خود ہی پردہ اُٹھا دیتے ہیں۔ چنانچہ حضرتؒ کے عشق و نیاز کی ایک معمُولی جھلک آپ کی اس مشہور و مقبول نعت میں بھی پائی جاتی ہے۔ جو "اج سِک متراں دی ودھیری اے" کے الفاظ سے شروع ہوتی ہے اور جس کا ایک مصرعہ "کتھے مہر علی کتھے تیری ثنا گُستاخ اکھیں کتھے جا اڑیاں" بھی ہے۔

حضرت نے اس غزل میں اُس کیفیت کا نقشہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے جو وادئ حرمین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدارِ پُرانوار سے مشرف ہونے پر رُونما ہُوئی تھی۔ اس واقعہ کے متعلق آپ کے کاغذات میں سے آپ کی ایک قلمی تحریر بھی دستیاب ہوئی ہے جو یہاں درج کی جاتی ہے۔

چنانچہ در سفر مدینہ طیبہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام بمقام صفرا وادی یا فاطمہ وادی

از زمین کم ترین ات وجوہ باعث اضطراب از انقطاع الطرق سنت عشا متروک گشت

منعم فی اللہ ومحبی للہ مکرمی جناب مولوی محمد فاروق صاحب درین سفر مبارک شغل تعلیم وتعلم را کہ در مدرسہ

مکرمی مولوی رحمت اللہ صاحب مرحوم ومغفور بلکہ معظمہ زادہا اللہ تعظیما میفرمودند ترک فرمودہ

محض برای از شرف رفاقت بخشیدند بمعیت رفقا بکرانہ قافلہ بخواب رفتم

چہ می بینم کہ سرور عالم فداہ روحی صلی اللہ علیہ وسلم جبہ عربی سیاہ فام از جمال با کمال جہان آرای

حیات دیگر بخشیدند درحالیکہ بمسجدی روز افزون مراقب نشستہ بودم نزدیکتر باین عاصی شدہ

میفرمایند کہ آل رسول را نباید کہ ترک سنت کنند وہر دو ساق مبارک را کہ لطیف تر از حریر

بودند بہر دو دست خود محکم گرفتہ گریان و نالہ کنان میگفتم الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

واز بی استقامتی وبیہوشی عرض نمودم کہ حضور کدام کس ہستند در جواب ہمان جملہ مذکورہ بالا

(آل رسول را نباید کہ ترک سنت کنند) فرمودند ہمین طور سہ بار تکرار سوال وجواب بوقوع آمد

نوبت سوم در قلب حزین چنین رفتند کہ از ندا رتو بلفظ یا رسول اللہ منع فرمایند

اگر کسی دیگر از اہل اللہ بودی بگفتی کہ مرا رسول اللہ مگو والحمد للہ علی ذلک بار دیگر در ایام ارادہ

از خوبی وحسن آن جمال با کمال واز مستی وذوق وتحیر فالغہ آن وقت مبارک لسان تقریر وتحریر

گنگ ولال است ابتداء ابیات ذیل جرعہ از آن بادہ بکام حریفان وتحفہ از آن بانفر شاہ

نشستہ است بعد این رویت بلا عذر ... حسب فیصلہ مذکورہ ... (لعنۃ اللہ علی من ترکہا)

دادی حمراوالے خواب کے متعلق حضرت کی قلمی تحریر (صفحہ ۱۳۱)

مے تابان چکانیدن در میدان الست مینماید —

من ندانم بادہ ام یا بادہ را پیمانہ ام
عاشق شوریدہ ام یا عشق یا جانانہ ام

مبتلائے حیرتم جان گویمت یا جان جان
اصطلاح شوق بسیار است و من دیوانہ ام

شوق موسیٰ را بطور آورد نار طور را
در نہاد شمع آتش میزند پروانہ ام

با جمال ذاتیش حسن دگر در کار شد
چشم او را مردم ام یا زلف او را شانہ ام

غافل از خود ماند از صورت چو پر شد آئینہ
تا ترا بشناختم جانان ز خود بیگانہ ام

ایضاً

نخستین بادہ کاندر جام کردند
مزاجش عکس آن گلفام کردند

ہویدا شد در امکان صورت حق
بآن صورت جہان را رام کردند

ہمی بایست تفصیلی از آن روی
مکارم را بآن اتمام کردند

شراب وحدت از خمخانۂ غیب
مرا صبح ازل در کام کردند

چو غلطیدم ز مستیہا بہر سو
حریفان مستی از من وام کردند

حقیقت را کہ مستور از نظر بود
بما مشہود خاص و عام کردند

پس آنگہ موج دریا باز گردید
باتمام فنا اکرام کردند

ازین رمزی دقیق با تو گویم
بخود آغاز و نیز انجام کردند

اللہم صل وسلم وبارک دائما علی سیدنا محمد وآلہ واصحابہ

حضرتؒ کے دستِ مبارک سے لکھی ہوئی دو غزلیں (صفحہ ۱۳۱)

وادیٔ حمرا کے واقعہ کے متعلق حضرت قبلۂ عالمؒ کی قلمی تحریر

"چنانچہ در سفرِ مدینہ طیبہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام بمقام حمرا وادی یا فاطمہ وادی ازیں کمینہ ترین اُمتِ مرحومہ، بباعثِ اضطراب از قطاع الطریق سُنّتِ عشار متروک گشت۔ مخلصی فی اللہ و محبی للہ مکرمی جناب مولوی محمد غازی صاحب دریں سفرِ مبارک شغلِ تعلیم و تعلم کہ در مدرسہ مکرمی مولوی رحمت اللہ صاحب مرحوم و مغفور بمکۂ معظمہ زادہا اللہ تعظیماً مے فرمود، ترک فرمودہ محض برائے خدمتِ ایں بے ہیچ بنا برحُسنِ ظن شرفِ رفاقت بخشیدند بمعیتِ رفقا بکرانہ قافلہ بخواب رفتم۔ چہ مے بینم کہ سرورِ عالم فداہ رُوحی صلی اللہ علیہ وسلم در جُبّۂ عربی سیاہ فام از جمالِ باکمال جہاں آرا، حیاتِ دیگر بخشیدند۔ درحالتیکہ بمسجدے دو زانو مراقب نشستہ بُودم نزدیک تر بایں عاصی شدہ مے فرمایند کہ آلِ رسولؐ را نباید کہ ترکِ سُنّت کُند و ہر دو ساقِ مبارک را کہ لطیف تر از حریر بُود ند بدو دست خود محکم گرفتہ گریاں و نالہ کناں مے گفتم الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسُول اللہؐ و از بے استقامتی و مدہوشی عرض نمُودم کہ حضُور کُدام کس اند۔ در جواب ہماں جُملہ مذکورہ بالا آلِ رسولؐ را نباید کہ ترکِ سُنّت کُند) فرمُودند ہمیں طور سہ بار تکرارِ سوال و جواب بوقوع آمد۔ نوبتِ سوم در قلبِ حزیں چنیں ریختند[1] کہ از ندائے تو بلفظِ یا رسُول اللہ منع نے فرمایند اگر کسے دیگر از اہل اللہ بودے بگفتے کہ مرا رسُول اللہ مگو۔ والحمد للہ علیٰ ذالک

______ از خوبی و حُسن آں جمالِ باکمال و از مستی و ذوق و تحیر فائضہ آں وقتِ مبارک لسانِ تقریر و تحریر گنگ است و لال۔ البتہ ابیاتِ ذیل جُرعۂ از اں بادہ بکام، و نفحۂ از اں نافہ بمشامِ عشاقاں چکانیدن و دمیدن انسب مے نماید ؎

من ندانم بادہ ام یا بادہ را پیمانہ ام	عاشقِ شوریدہ ام یا عشق یا جانانہ ام
مُبتلائے حیرتم جاں گویمت یا جانِ جاں	اصطلاحِ شوق بسیار است و من دیوانہ ام
شوقِ مُوسیٰؑ در ظہور آورد نارِ طُور را	در نہادِ شمعِ آتش مے زند پروانہ ام
با جمالِ ذاتیش حُسنِ دگر در کار شُد	چشمِ اُو را سُرمہ ام یا زُلفِ اُو را شانہ ام

غافل از خود ماند از صُورت چو پُر شد آئینہ
تا تُرا بشناختم جاناں زخُود بیگانہ ام

ایضاً

نخستیں بادہ کاندر جام کردند	مزاجش عکسِ آں گلفام کردند
ہویدا شُد در امکاں صُورتِ حق[1]	بآں صُورت جہاں را رام کردند
ہمہ با نسبتِ تفصیلے[2] ازاں رُوئے	مکارم را بآں اتمام[3] کردند

[1] قضا و قدر [2] اسماء وصفات
[3] قال صلی اللہ علیہ وسلم بعثت لاتمم مکارم الاخلاق

شراب وحدت از خمخانۂ غیب — مرا صُبحِ ازل در کام کردند
چو غلطیدم ز مستی ہا بہر سُو — حریفاں مستی از من وام کردند
حقیقت را کہ مستور از نظر بُود — بما مشہودِ خاص و عام کردند
پس آنگہ موج دریا باز گردید — باتمامِ فنا اکرام کردند

ایں رمزے دقیقے با تو گویم
بخود آغاز و ہم انجام کردند

اللّٰھم صلّ وسلّم وبارک دائمًا علیٰ سیّدنا محمّدٍ وآلہٖ وصحبہٖ

سوارہ بگذشتی و ما ہنوز از شوق
نہادہ رُوئے بخاکِ سُمِ سمندِ تو ایم

ترجمہ تحریر ملخص

چنانچہ مدینہ عالیہ کے سفر میں بمقام وادیٔ حمرا ڈاکوؤں کے حملہ کی پریشانی کی وجہ سے مجبوراً عشاء کی سُنتیں مجھ سے رہ گئیں۔ مُخلصی فی اللہ مولوی محمد غازی، مدرسہ صولتیہ میں شغلِ تعلیم وتدریس چھوڑ کر حُسنِ ظن کی بنا پر بغرضِ خدمت اِس مقدّس سفر میں میرے شریک ہُوئے تھے۔ اِن رُفقاء کی معیت میں مَیں قافلہ کے ایک طرف سوگیا۔ کیا دیکھتا ہُوں کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سیاہ عربی جُبّہ زیب تن فرمائے تشریف لاکر اپنے جمالِ باکمال سے مجھے نئی زندگی عطا فرماتے ہیں۔ ایسا معلوم ہُوا کہ مَیں ایک مسجد میں بحالتِ مراقبہ دوزانو بیٹھا ہُوں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے قریب تشریف لاکر ارشاد فرمایا کہ آلِ رسُول کو سُنّت ترک نہیں کرنا چاہیئے۔ مَیں نے اِس حالت میں آنجناب کی ہر دو پنڈلیوں کو جو ریشم سے بھی زیادہ لطیف تھیں اپنے دونوں ہاتھوں سے مضبوط پکڑ کر نالہ وفغاں کرتے ہُوئے الصّلوٰۃ والسّلام علیك یارسُول اللہ کہنا شروع کیا اور عالمِ مدہوشی میں روتے ہُوئے عرض کی کہ حضُور کون ہیں؟ جواب میں وُہی ارشاد ہُوا کہ آلِ رسُول صلی اللہ علیہ وسلّم کو سُنّت ترک نہیں کرنا چاہیئے۔ تین بار یہی سوال وجواب ہوتے رہے۔ تیسری بار میرے دِل میں ڈالا گیا کہ جب آپ ندائے یارسُول اللہ سے منع نہیں فرما رہے ہے تو ظاہر ہے کہ خُود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم ہیں۔ اگر کوئی اَور بزرگ ہوتے تو اِس کلمہ سے منع فرماتے۔ اِس حُسن وجمال باکمال کے متعلق کیا کہوں اُس ذوق ومستی وفیضانِ کرم کے بیان سے زبان عاجز ہے اور تحریر لنگ۔ البتّہ بادہ خوارانِ عشق ومحبّت کے حلق میں اِن ابیات سے ایک جرعہ اور اُس نافۂ مُشک سے ایک نفحہ ڈالنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔“

حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کی یہ تحریر اَور ابیات اُس وقت کی سعادتِ عظمٰی کی کیفیات سے کسی قدر نقاب کُشائی کرتے ہیں۔ اَور واضح ہوتا ہے کہ آپ وصال کے مراتبِ عُلیا اور فنا وبقا کے مقاماتِ جلیلہ سے مشرف ہو چکے ہُوئے تھے جو اہل اللہ کا انتہائے مقصُود ہے۔ اِن کیفیات کا انعکاس آپ کی اُس مشہُور پنجابی نعت میں کسی حد تک پایا جاتا ہے جس کا ذکر اُوپر آچکا ہے۔ اور جو آپ نے اُس موقعہ پر وادیٔ حمرا اور مدینہ منورہ کے درمیان موزُون فرمائی تھی۔ اِن ہی کرامات وعنایات کے متعلق ذکر کرتے ہُوئے آپ اپنی کتاب فتوحاتِ صمدیہ میں بضمن جواب سوالِ پنجم تحریر فرماتے ہیں۔ ”اِس گروہ پاک میں سے اَب بھی وُہ لوگ مِلتے ہیں جنہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم علیٰ حسب التفاوت مدینہ طیّبہ سے رُخصت ہوتے وقت یا کسی اَور وقت میں اُن انعامات سے ممتاز ومشرّف فرماتے ہیں کہ لا عین رأت ولا اُذنٌ سمعت۔“

حضرت قبلۂ عالم قدس سرہ کی طبیعت میں تواضع اور اخفائے راز کا غلبہ تھا۔ اس قسم کے واقعات کو شاذونادر ہی ظاہر فرماتے تھے اور وُہ بھی کسی خاص مصلحت کے تحت۔ چنانچہ اس واقعہ کا اظہار بھی غالباً اپنے امثال اور تابعین کی تلقین کے لیے فرمایا ہے اور اس لیے بھی کہ اس میں اپنی ذات والاصفات پر بھی حرف گیری کا ایک پہلو نکلتا تھا ورنہ اُن انعامات بے کراں کا جو اُس دربارِ گوہر بار سے مرحمت ہُوئے یا اُن نوازشاتِ بے پایاں کا جو خانۂ خلّاقِ جہاں میں ہُوئیں ایک شمّہ تک بھی کہیں ظاہر نہیں ہونے دیا۔ اور یہاں پر آپ ہی کا وُہ قول پیش نظر آتا ہے کہ میں فقیر اُسے کہتا ہُوں جو فقر کے سات دریا پی جائے اور ڈکار تک نہ لے۔

متذکرہ بالا نعت شریف کی عالم گیر اثرانگیزی اب محتاجِ بیان نہیں رہی۔ پنجابی کلام سے لُطف اندوز ہونے والی ہزاروں محفلوں میں یہ ہمیشہ پڑھی جاتی ہے۔ اور لوگوں کی فرمائش کے پیشِ نظر بار بار ریڈیو پر بھی آتی رہتی ہے۔ جب کبھی یہ نعت پڑھی جا رہی ہو تو شدّتِ شوق و فراق سے ہر آنکھ اشکبار رہتی ہے۔ اور کیفیات کا نُور و سرُور سامعین کے قلوب میں موجزن ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ جن دنوں علّامہ اقبال میکلوڈ روڈ پر رہتے تھے۔ شام کے دُھندلکوں میں کوئی شخص اس نعت کا پہلا شعر ؎

اَج سِک مِتراں دی ودھیری اے کیوں دلڑی اُداس گھنیری اے
لُوں لُوں وِچ شوق چنگیری اے اَج نیناں لائیاں کیوں جھڑیاں

ترنّم سے کہتا جا رہا تھا۔ علّامہ نے اپنے مُلازم کو دوڑا کر اُس گذرنے والے کو بُلوا کر ساری نعت سُنی۔ جب مقطع ؎

سُبْحَانَ اللهِ مَا اَجْمَلَكَ مَا اَحْسَنَكَ مَا اَكْمَلَكَ
کِتھے مِہر علی کِتھے تیری ثنا گُستاخ اکھیں کِتھے جا اڑیاں

میں حضرت قبلۂ عالم قدس سرہ کا نام سُنا تو کہا کہ اب معلوم ہُوا کہ اِس کلام میں اِتنا بے پناہ درد و اثر کیوں ہے۔ نعت شریف باب نہم آپ کے منظوم کلام میں، کتاب ہٰذا میں درج ہے۔

اِس کٹھن سفر میں شانِ اِستغنا، و ایثار و کرم

جناب مولینا محمد غازی فرماتے تھے کہ مکّہ مکرّمہ میں حضرت قبلۂ عالم قدس سرہ میری استدعا پر از راہِ عنایت میرے مکان پر تشریف فرما ہُوئے تو میں نے دیکھا کہ آپ کے پاس فقط ایک قمیص ہے جو اس طویل سفر میں مسلسل زیرِ استعمال رہنے کی وجہ سے عرق آلُود ہو چکی ہے۔ چنانچہ ایک دن میں نے عرض کی کہ غُسل فرما کر میری نئی قمیص پہن لیں تاکہ میں وُہ قمیص دھو ڈالوں۔ آپ نے فرمایا، اچھا، مگر غُسل کے بعد دیکھا تو وُہی پُرانی اور بغیر دُھلی قمیص زیبِ تن فرمائے ہُوئے ہیں۔ مجھے سخت صدمہ ہُوا اور زیرِ لب اظہارِ شکوہ کرتا ہُوا اچل پڑا۔ آپ نے دیکھا تو فرمایا "مولوی صاحب، واپس آؤ، واپس آؤ"۔ میں واپس گیا تو فرمانے لگے کہ مولوی صاحب، اگرچہ میرے مذہب میں دُوئی شرک ہے مگر میں نے یہ خیال کیا تھا کہ یہ قمیص مولوی صاحب کی ہے۔ اچھا اب آپ کی قمیص پہن لیتا ہُوں"۔ یہ کہہ کر آپ نے میری قمیص پہن لی اور اپنی قمیص مجھے مرحمت فرمائی۔ حضرتؒ کی یہ قمیص مولینا محمد غازی نے تبرّکاً اپنے پاس رکھ لی تھی جو اُن کی وفات کے بعد اُن کے ورثاء سے حاصل کر کے حضرتؒ کے تبرکات میں رکھ دی گئی ہے۔

مولیٰنا مرحوم جو مدینہ عالیہ کے سفر میں حضرتؒ کے شریک تھے فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ قافلے میں پیدل سفر کرنے والی ایک خاتون نے تھکاوٹ سے تنگ آکر بوجہ کم ہمتی و بے صبری کچھ غیر شرعی الفاظ استعمال کرنے شروع کیے حضرتؒ نے اُس کی حالت دیکھ کر فرمایا۔ اِس بے چاری کا ایمان خطرے میں ہے۔ میری سواری پر اسے سوار کرادو میں پیدل چلوں گا تاکہ اُس کی یہ تکلیف و پریشانی رفع ہو جائے۔ مولیٰنا فرماتے تھے کہ قافلہ کے لوگ عموماً بدوؤں اور لٹیروں سے خطرہ کے وقت آپ کے قریب جمع ہو جاتے اور کہتے کہ ہمیں اس شخص کے قرب میں اطمینان اور تسکینِ قلب محسوس ہوتی ہے چنانچہ آپ بھی اُن کی پریشانی کے پیشِ نظر اپنے اَوراد و اشغال میں ہمہ وقت مصروفیت کے باوجود اُن کی دلجوئی کو مقدم رکھتے۔

عرب شریف سے واپسی پر آپ کا استقرار

عرب شریف سے واپسی پر حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ مقامِ تمکین پر ایسے متمکن ہوئے کہ پھر بہت کم سفر اختیار فرمایا پہلے سیال شریف کے عُرس پر اور پھر کچھ عرصہ بعد پاک پتن شریف کے عُرس پر سفر فرماتے۔ کسی خاص دینی مقصد کے پیشِ نظر کوئی اور سفر بھی اختیار فرما لیتے تھے۔ مثلاً پیرانِ کلیر، علی گڑھ اور مرزائے قادیان کے ساتھ مناظرے کیلئے لاہور کے سفروں کا تذکرہ آئندہ مناسب مقامات پر آئے گا۔

ریاست بھوپال کا سفر

۱۹۰۴ء میں حضرتؒ نے ریاست بھوپال کا سفر فرمایا جس کا ذکر جناب بابوجی مدظلہٗ اِس طرح بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ معلوم ہوا کہ حضرتؒ کسی سفر کا ارادہ تو رکھتے ہیں مگر ہمیں ساتھ لے جانا نہیں چاہتے۔ کئی طریقوں سے ہمرکابی کی اِستدعا کی مگر نامنظور ہوئی۔ آخر میں نے عرض کی کہ آپ سفر تو زمین پر ہی فرمائیں گے۔ اور سوار بھی ریل گاڑی میں ہی ہونگے۔ اِس لیے جب بھی آپ تشریف لے جانے لگیں گے ہم بھی ساتھ ہو لیں گے۔ یہ سُن کر آپ نے تبسم فرمایا اور ہمرہی کی اجازت بخشی۔ اور بالآخر تیاری ہو گئی۔ مولوی محبوب عالم۔ منشی عبدالجبار۔ کرم الٰہی برادر سیٹھی فضل الٰہی پشاوری۔ قائم علی المعروف فاضل لاہوری وغیرہ ہمراہ تھے۔ اسٹیشن پر مولوی محبوب عالم کو علیحدگی میں بھوپال کے متعلق فرمایا۔ راستہ میں ایک یوم لاہور کی ایک سرائے میں قیام فرمایا اور کسی کو اطلاع نہ کی۔ شام کو وہاں سے سوار ہو کر دُوسرے روز نو بجے رات بھوپال پہنچے۔ شہر سے باہر ایک تالاب کے قریب رہائش کا ارادہ فرمایا۔ تانگے والوں نے اُس جگہ سے تقریباً تین فرلانگ کے فاصلہ پر اُتار دینا چاہا۔ لیکن ایک گونگے شخص کے آموجود ہونے اور اشاروں اشاروں میں تانگہ والوں کو مجبور کرنے پر بالآخر اُنہوں نے ہمیں اصل جگہ تک پہنچا دیا۔ وہ گونگا شخص ایک غیبی امداد کی صورت میں آخر تک بازار سے سودا سلف تک لانے میں ہمارا ممد و معاون رہا۔

حضرتؒ نے کسی مکان کے کرایہ پر لینے کا فرمایا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی تاکید فرمائی کہ کسی کو نہ بتلایا جائے کہ ہم کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں۔ چنانچہ تالاب کے قریب والی ایک چھوٹی سی کچی مسجد میں سامان رکھ کر مکان کی تلاش میں نکلے۔ قریب ہی ایک مکان نظر آیا۔ اور میں نے خیال کیا کہ اگر یہ مکان مل جاتا تو کیا ہی اچھا رہتا۔ اِسی خیال میں تھا کہ مالک مکان جو کوئی فوجی افسر معلوم ہوتا تھا آ گیا اور ہمیں دیکھ کر پُوچھا کہ آپ لوگ کہاں سے آئے ہیں۔ پہلے تو ساتھیوں نے حضرتؒ کے

حسبِ ارشاد کچھ نہ بتلایا لیکن آخر لالہ کرم الٰہی نے کچھ بیان کر ہی دیا جس پر وُہ بہت خُوش ہُوا اور مکان کی کنجیاں حوالے کر کے کہنے لگا۔ میں ایک رسالہ میں ملازم ہُوں اور رُخصت پر آیا تھا۔ اب واپس جا رہا ہُوں۔ یہ میرا ملازم ہے اور مکان آپ کے حوالے ہے۔ جتنے روز چاہیں بغیر کسی کرایہ کے قیام فرمائیں۔ ہم بہت خُوش ہُوئے۔ حضرتؒ نے نچلے حصہ میں رہائش رکھی اور ہمیں اُوپر والے حصہ میں ٹھہرنے کو فرمایا۔

آپ علی الصباح تالاب کے قریب والے جنگل میں تشریف لے جاتے اور دیر سے واپس لوٹتے۔ پھر فاضل کو اور مجھے سبق پڑھاتے۔ ہم اُن دِنوں مسائلِ نحو پڑھتے تھے۔ اُس مسجد میں بھی ایک سفید ریش معمر عالم چند طلباء کو پڑھاتے تھے۔ ایک روز اُنہوں نے حضرت غوث الاعظم اور حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری رضی اللہ عنہما کے متعلق کوئی ذکر کیا تو آپ نے اُس کا صحیح مطلب اُن کو سمجھایا جس پر وُہ معمر عالم بہت خوش ہُوئے۔

ہر روز جنگل سے واپسی پر تھوڑی دیر کے لیے آپ ایک حکیم صاحب کے پاس تشریف رکھتے۔ اُن سے تعارف کی صُورت ایک مولوی صاحب کے ذریعہ ہوئی تھی جو گولڑہ آیا کرتے اور حضرتؒ سے حکیم صاحب کا اور حکیم صاحب کے پاس حضرتؒ کا ذکرِ خیر کیا کرتے تھے۔ نیز وُہ اِس جنگل کے متعلق کہا کرتے کہ عجیب خلوت کا مقام ہے۔ اتفاقاً مسجد والے عالم بھی اِن ہی حکیم صاحب کے کرایہ دار تھے۔ چنانچہ ایک روز حضرتؒ کو حکیم صاحب کے پاس بیٹھا دیکھ کر بہت خُوش ہُوئے اور چائے لا کر پیش کی اور کہا کہ مجھے عرصہ سے ایک بات کی سمجھ نہیں آرہی ہے اور اشکال لاحق ہے کئی حضرات سے دریافت بھی کیا مگر اطمینان نہیں ہو سکا۔ آپ کو دیکھ کر میرا دل شہادت دیتا ہے کہ آپ اُسے ضرور حل فرما دیں گے۔ وُہ بات یہ ہے کہ اکثر ایسے بزرگانِ دین گزرے ہیں جن کے باخُدا ہونے میں تو قطعاً کلام نہیں مگر اُنہوں نے تمام عُمر کلمۂ طیبہ کی بجائے فقط اسمِ ذات ہی کو ذکر کے لیے اختیار کیا۔ اور مکمل کلمہ شریف کو جو افضل الذکر ہے معمول نہ بنایا۔ اِس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا میرے ناقص خیال میں اِس کی وجہ یہ ہے کہ وُہ حضرات ایسے مقام پر فائز تھے کہ اِس قدر فراق کو گوارا نہ کر سکتے تھے جو محبُوب کے نام سے پہلے تین چار الفاظ ادا کرنے تک صبر میں لاحق ہوتا ہے۔ اِس لیے اوّل ہی اُس کے نام کو وردِ زبان بنایا۔ آپ نے اِس پر مزید چند عُرفاء کے اقوال پیش فرمائے جس سے مولوی صاحب پر وجدانی کیفیت طاری ہو گئی۔ اور باصرار تمام بیعت ہُوئے۔ پھر عرض کی کہ مجھ سے وعدہ فرمائیں کہ میرا جنازہ آپ پڑھائیں گے۔ آپ نے فرمایا خُدا جانے کِسے پہلے جانا ہو گا۔ فاصلہ بھی کافی ہے۔ میں دُعا کرتا ہُوں اللہ تعالیٰ ہمارا خاتمہ بخیر فرمائے۔ اِس کے شدید اصرار پر فرمایا۔ مشیّتِ الٰہی میں ہو گا تو دیکھا جائے گا۔

اِس عرصہ میں رفتہ رفتہ شہرت ہو گئی۔ نواب صاحب بھوپال کے ایک رِشتہ دار نواب حاضرِ خدمت ہو کر ملتمس ہوئے کہ میرا لڑکا بیمار ہے آپ غریب خانہ پر چل کر دم فرمائیں۔ آپ نے وہاں جانے سے معذرت چاہی اور وہیں دُعائے صحت فرمائی مگر نواب صاحب بدستور آپ کے تشریف لے چلنے پر مُصر رہے۔ بالآخر آپ نے فرمایا کہ فقط اِس کام کے لیے جانا تو مشکل ہے۔ البتہ یہاں سے روانگی کے وقت آپ کے ہاں سے ہوتا جاؤں گا۔ چنانچہ اِس کے بعد مولوی محبُوب عالم سے فرمایا کہ اب یہاں لوگوں نے بے ذوقی پیدا کر دی ہے رُخصت ہونا چاہیئے۔ تیاری ہونے پر حسبِ وعدہ آپ نواب صاحب مذکورہ بالا کے ہاں تشریف لے گئے اور کھڑے کھڑے بچے کو دم فرمایا۔ بیگمات نے چاندی سے بھرا ہوا ایک طشت نذر گذرا۔ اُس میں کوئی خاص قسم کی خوشبویات بھی رکھی تھیں۔ آپ نے فرمایا، اسے میرے قریب نہ لانا خوشبویات کی تیزی سے مجھے نزلہ ہو

جائے گا اور وُہ قبول بھی نہ فرمایا اور رُخصت ہو گئے۔ اُن نواب صاحب نے بہت الحاح کی کہ اپنا پتہ تو بتا دیں مگر آپ نہ مانے۔ جب تانگہ پر سوار ہو کر روانہ ہو پڑے تو وُہ نواب صاحب پیچھے دوڑنے لگے۔ آخر آپ نے مولوی محبُوب عالم کو فرمایا کہ کاغذ کے پُرزہ پر لکھ کر دے دو ورنہ یہ نہیں چھوڑیں گے۔ لہٰذا ایسا ہی کیا گیا۔ ریلوے اسٹیشن پر پہنچ کر براستہ دہلی واپس ہُوئے۔ حضرت صاحبزادہ محمُود صاحبؒ تونسوی کے ایک خط سے جو حضرتؒ کو بھوپال میں مِلا اور جو جناب باُوجی مدظلّہ کی لائبریری میں موجُود ہے معلُوم ہوتا ہے کہ حضرتؒ کا قیام مولوی خیر اللہ کے مکان میں نزد مسجد مدار المہام، ہری گھاٹ بھوپال ہوا تھا۔

اِس سفر کے چند دِن بعد خادمِ تعویذات مولوی شیر دِل نے عرض کی کہ ایک لڑکے پر جِنّ کا اثر ہے اور وُہ کچھ عرض کرنا چاہتا ہے۔ فرمایا لے آؤ۔ وُہ آکر کہنے لگا کہ آپ نے بھوپال کے جنگل میں جو وعدہ فرمایا تھا اُسے پُورا فرمائیں۔ آپ نے کہا صبر کرو تُمہارا کام ہو جائے گا۔ کافی دیر تک اُس کے ساتھ گفتگو ہوتی رہی اور پھر وُہ رُخصت ہو گیا۔

بابِ پنجم

مسندِ ارشاد

سنہ ۱۳۰۷ھ تا سنہ ۱۳۵۶ھ

سنہ ۱۸۸۹ء ــــ سنہ ۱۹۳۷ء

پہلی فصل

مجدّدانہ شواہد

مسندِ اکابر

سابقہ چار ابواب میں واضح ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ مقبول اور منفرد تخلیق اور کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِیْ شَاْنٍ کے یہ مظہرِ صادق کس طرح علم و فقر کی تربیت میں کامل و مکمل ہو کر بیت اللہ شریف اور دربارِ رسُولِ مقبول صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم میں حاضر ہُوئے۔ وہاں فیوض و برکات سے دامنِ مُراد بھرے اور قبلۂ عالم اور قطبِ ارشاد کی خلعتِ فاخرہ سے سرفراز ہو کر اپنے پیرانِ عظام اور اجدادِ کرام کی مسندِ ارشاد پر جلوہ افروز ہُوئے۔

اِس بلند مرتبت مسندِ شریف پر زمانۂ ماضی میں جہاں تک بھی نگاہ دوڑائیں اکابر اولیاء اللہ اور اپنے اپنے وقت کے قبلہ گاہِ عالم ہی جلوہ فرما دکھائی دیں گے۔ شمس العارفین حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی۔ غوثِ زماں حضرت خواجہ محمد سُلیمان تونسوی۔ قبلۂ عالم حضرت خواجہ نور محمد مہاروی۔ فخرِ جہاں حضرت مولینا فخر الدین دہلوی۔ قطبِ دوراں حضرت خواجہ نظام الدین اورنگ آبادی اور فانی فی اللہ، باقی باللہ حضرت خواجہ کلیم اللہ جہاں آبادی بلکہ اور اُوپر حضرت چراغ دہلوی، سُلطان المشائخ حضرت محبوبِ الٰہی، سُلطان الزاہدین حضرت گنج شکر، بُرہانِ چشتیہ و شہیدِ محبت حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اور خواجۂ خواجگان سُلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سپہرِ اسلام کے وُہ درخشندہ ستارے تھے جن کی ضیا پاشی سے کروڑوں گمرہانِ بادیۂ ضلالت نے ہدایت پائی۔ قبیلے کے قبیلے اور علاقے ظلمتِ کُفر سے نکل کر نُورِ اسلام سے منوّر ہُوئے۔ (حضرتؒ کے مشائخ کرام سلسلہ چشتیہ و قادریہ کے شجرات کتاب ہذا کے باب نہم "ارشادات" میں درج ہیں) ان حضرات نے اپنی تمام عمریں تدریسِ علُومِ دینیہ اور تزکیۂ نفوسِ بشریہ میں بسر فرما دیں۔ جاہلوں کو عالم بنایا۔ اور عالموں کو واصل باللہ کیا۔ اربابِ سیف نے ان سے عدالت کا سبق لیا اور اصحابِ قلم نے زورِ قلم حاصل کیا۔ چور اور راہزن ولی اللہ بنے۔ کسان ہل چلاتے تسبیح پڑھنے لگا۔ اور مزدور عورتیں چکی پیستے، آٹا گوندھتے ذکر جہر کرنے لگیں۔ ان نفوسِ قدسیہ نے اِس برِّصغیر میں عرفانِ الٰہی اور عشقِ رسُول اللہ ﷺ کے دریا بہا دیے۔ اور ایک عالم کو صبغۃ اللہ میں رنگ دیا۔

دہلی، بہاول پور، سنگھڑ اور کچھی بار کے بعد ارشاد و تبلیغ کا یہ سجادہ جو تیرھویں صدی کے آخر اور چودھویں کے آغاز میں کوہستان پوٹھوہار کے دامن میں آراستہ ہوا۔ اپنی نصف صدی کی نمایاں اور بعض صورتوں میں عدیم المثال و لاثانی خدمات کی بدولت، تاریخ اسلام میں بلا خوفِ تردید "مسندِ تجدید" سے موسُوم کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ جیسے کتاب ہذا کے باب دوم کی ابتداء میں عرض کی جا چکی ہے، حضرتؒ کی ذاتِ گرامی میں وُہ جُملہ شرائط و صفات جو ایک مجدّدِ وقت میں ہونا چاہئیں کما حقہٗ موجود تھیں۔ تعلیمِ اسلام کے جو موضوعات حضرتؒ کے تجدیدانہ رنگ سے خاص طور پر متاثر ہُوئے وُہ مختصراً یہاں بیان کیے جاتے ہیں۔ ان کی تفصیل آگے مختلف ابواب میں آ گئی۔

تردیدِ مرزائیت

آنجناب نے ایک لادینی حکومت کی الحاد پرور فضا میں ایک مدعیِ نبوت کے خلاف کامیاب قلمی اور لسانی جہاد کیا حتیٰ کہ اِس محاذ پر مسلمانوں کے تمام فرقوں کی جانب سے متفقہ طور پر آپ ہی قائدِ تسلیم کیے گئے اور آپ کی تصانیف تردیدِ مرزائیت میں بے نظیر شاہکار قرار دی گئیں۔ اِن تصانیف کو مشعلِ راہ بنا کر، تقریر و تحریر کے مجاہدین کا ایک جمِ غفیر کمربستہ ہو کر میدان میں اُتر آیا۔ اور اُن کی مساعی فی سبیل اللہ کی بدولت آج دُنیائے اسلام کا ایک عام انسان بھی ختمِ رسالت کی قادیانی تاویل کو کفر سمجھتا ہے۔ اور قادیانیت اِس ملک میں ایک علیحدہ، بے اثر اور لاتعلق اقلیت بن کر رہ گئی ہے۔

اِنسدادِ چکڑالویت

حضرتؒ کے زمانہ میں قادیانیت کے علاوہ افراط و تفریط کی شکار اور بھی کئی مذہبی اور سیاسی تحریکیں اُبھرنے لگیں۔ مگر آپ کے وجودِ مسعود کے باعث پروان نہ چڑھ سکیں۔ مولوی عبداللہ چکڑالوی نے حدیث کی حُجت سے انکار کرتے ہوئے ایک نیا فرقہ اہلِ قرآن کھڑا کر دیا۔ اِس کے مقابلہ میں آپ نے علمِ حدیث کی تدریس پر زور دے کر جابجا دورۂ حدیث کے درس جاری کرائے۔ چنانچہ ضلع ہزارہ کی مشہور درس گاہ بفہ میں آپ کے مخلص شاگرد مولینا عثمان نے اُس نواح میں پہلی مرتبہ درسِ حدیث شروع کیا۔ انگہ علاقہ سون میں آپ کے اُستاد مولینا سُلطان محمود خود حضرتؒ سے سند لے کر درسِ حدیث پر کمربستہ ہو گئے۔ اسی طرح مولینا حافظ مہر محمد شیخ الحدیث جامعہ فتحیہ اچھرہ لاہور اور مولینا غلام محمد شیخ الجامعہ بہاولپور بھی حضرتؒ کے حسبِ فرمان تدریسِ حدیث پر ہمیشہ عمل پیرا رہے۔

ردِّ نیچریت

حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ نے نیچریت کی تردید میں بھی جو مُلک میں انگریزی تعلیم و تربیت کے باعث فروغ پا رہی تھی۔ مولوی محرم علی چشتی لاہوریؒ اور قاضی سراج الدین ایڈووکیٹ راولپنڈی جیسے مخلصین کے ذریعہ ایک عرصہ تک کتابی اور اخباری توسّل سے تعلیمی مضامین شائع کرائے۔ تاہم سرسید احمد خاں کے مخالف عُلماء کے اِن نظریات کو بھی ناواجب قرار دیا کہ انگریزی پڑھنا حرام ہے۔ اور برطانوی ہند دار الحرب ہے جہاں جُمعہ کی نماز جائز نہیں حضرتؒ نے شہروں میں نمازِ جُمعہ کو واجب کہا اور کئی مقامات پر بالخصوص صُوبہ سرحد میں ازسرِ نو جمعہ کی نماز جاری کرائی۔ البتہ برطانیہ کی ایسی ملازمت کو جس میں اسلام اور مُسلمانوں کے خلاف اقدام لازم آتا ہو، ناجائز قرار دیا۔ اور اِس امر کا اعلان آپ اُس زمانہ میں فرماتے رہے جب کہ پہلی جنگِ عظیم زوروں پر تھی اور انگریزوں کا ستارہ عُروج پر تھا۔

انگریزی تعلیم پر حضرتؒ کا مسلک اور دینی مدارس میں دلچسپی

حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کو دینی مدارس کی بقا اور قیام کا ہمیشہ خیال رہا۔ انگریزی سکُولوں کے مروّجہ نصاب کے

عیوب کے متعلق آپؒ کے خیالات کا پتہ بعض مکتوبات سے ملتا ہے۔ انگریزی کو بطور زبان پڑھنے اور سیکھنے پر آپ کو اعتراض نہ تھا بلکہ حکومت برطانیہ کے عہد میں دُنیوی کاروبار اور معاد کے لیے اسے ضروری سمجھتے تھے۔ مگر نظرِ مبارک اِس خطرہ سے بھی بیگانہ نہ تھی کہ انگریزی ادب میں ایسا مواد بھرا ہوا ہے جو مذہب اور قومی یک جہتی کے لیے باعثِ نقصان ہوتا ہے۔ اس لیے کوشش فرماتے تھے کہ اسلامی علوم بھی ساتھ ساتھ ضرور پڑھائے جائیں تاکہ اسلامی شعور اور کردار میں تنزل نہ آنے پائے۔ ایسی مغربی لادینی تہذیب کی آپ نے شدّ و مد سے مذمت فرمائی جو اسلام سے بیگانہ کر دے۔ اور عقلِ محض کی کورانہ تقلید کا پابند بنا دے۔ اور اِس مسلک کے پیشِ نظر اپنے خاندان میں بچّوں کو انگریزی تعلیم نہ دلوائی۔

مغربی علوم کی نسبت صاحبزادہ سر عبدالقیوم کے ایک فقرے کا جواب اور پیشین گوئی

۱۸۹۶ء میں جب راولپنڈی صدر میں اسلامیہ ہائی سکول کی بنیاد رکھی گئی اور چندہ کی کمی کے باعث کام رُک گیا تو قاضی سراج دین اور سیٹھ ماموں جی آدم جی صاحبان کی درخواست پر آپ جلسہ میں شریک ہوئے اور تقریر فرمائی جس پر روپیہ کی اِس قدر بارش ہوئی کہ تمام ضروریات پوری ہو گئیں۔ لیکن جب اسلامیہ کالج پشاور کی تعمیر اور ترقی کے لیے صاحبزادہ عبدالقیوم نے (جو ابھی "سر" نہیں ہوئے تھے) آپ کو لے جانا چاہا تو آپؒ نے پسند نہ فرمایا۔ اور جب وُہ بذریعہ عرائض مُصر ہوئے تو لکھا کہ "میں یہیں سے دُعا کرتا ہوں"۔ اِس پر صاحبزادہ عبدالقیوم نے پھر لکھا کہ "دیگر اقوام ہم مسلمانوں سے علم حاصل کر کے بہرہ ور ہو چکی ہیں مگر ہم خود اپنے بزرگوں کا ورثہ ہاتھ سے دے بیٹھے ہیں"۔ حضرتؒ نے جواب میں فرمایا:-

"آپ کے اِس فقرہ پر تعجب ہوا۔ مخدوما! اللہ اور رسولؐ کے نزدیک علم معتد بہٖ علومِ شرائع و ادیان ہیں یعنی علومِ الٰہیہ، اور وُہ بفضلہٖ تعالیٰ اپنے خدّام سمیت محفوظ و مصئون ہیں۔ ہمارے نزدیک تاحال دیگر اقوام اِن علوم سے بے بہرہ ہیں۔ پس آپ کے اِس فقرہ بالا کی صحت بالکل صُورت پذیر نہیں ہوتی۔ البتہ ہمارے ہاتھ سے اِن علومِ پاک کا نکل جانا اُس صُورت میں صحیح ہو جائے گا کہ اب بحسب "کَلِمَۃُ خَیْرٍ اُرِیْدَ بِھَا شَرٌّ" ترقیِ اسلام کے نام سے کام لیا جائے فَاللّٰہُ خَیْرٌ حَافِظًا وَّھُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ اس کے لیے صحیح عنوان ترقیِ اسلام نہیں، ترقیِ اسبابِ معیشت ہے اور وُہ بھی غیر شرعی اسباب سے ع برعکس نہند نام زنگی کافور اِس کے بعد ماو شما سے جو زندہ رہے گا دیکھ لے گا کہ اِس طرزِ تعلیم کا اثر احکامِ شرعیہ، صوم و صلوٰۃ وغیرہ کو پس پشت ڈالنے اور ظاہری اعزاز و شکم پروری کے بغیر کچھ نہ ہو گا۔ مگر جسے اللہ محفوظ رکھے۔ وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ۔" (ترجمہ)

دینی مدارس کی ترقی میں آپؒ کی دل چسپی اور خوشنودی کا اندازہ اُن خطبات اور پیغامات سے لگایا جا سکتا ہے جو آپؒ نے بعض اوقات اِن اداروں کے افتتاحی اور ہنگامی اجلاس میں تشریف لے جا کر دیئے یا لکھ کر بھجوائے۔ اِس ضمن میں زیارت شریف ضلع پشاور کے درسِ حنفیہ کے افتتاحی اجلاس اور انجمن نعمانیہ لاہور کے سالانہ جلسہ (دسمبر ۱۹۱۲ء) کے خطبات خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ لاہور کے جلسہ میں حضرتؒ کی شرکت کی اطلاع پا کر لوگ دُور دُور سے آئے تھے۔ تقریر کے بعد اِس قدر چندہ جمع ہوا کہ بیان نہیں کیا جا سکتا۔ روپوں اور اشرفیوں کا ڈھیر لگ گیا تھا۔

یُوں تو حضرتؒ کا ہر ارشاد معتقدین کے لیے اہم ہوتا تھا اور اکثر قلمبند کر لیا جاتا تھا مگر انجمن نعمانیہ لاہور کا یہ خطبہ اِس قدر بلیغ تھا کہ انجمن کے مہتمم مولوی محرّم علی صاحب چشتی اور دیگر علماء نے حضرتؒ کی قیام گاہ پر حاضر ہو کر اِس کی تفصیلات کو ازسرِ نو قلمبند کیا۔ یہ خطبہ "مہرِ چشتیہ" اور "ملفوظاتِ طیّبات" دونوں میں درج ہے۔ اور کتاب ہذا کے باب ملفوظات میں بھی اِس کی نقل کر

دی گئی ہے۔

بریلوی اور دیوبندی

دیوبندی، بریلوی اور دیگر اسلامی مکاتیبِ فکر کے اختلافی مسائل پر آپ اپنا مسلک تحریر و تقریر اور تالیفات کے ذریعہ برابر واضح فرماتے رہے۔ اگرچہ فروعی مسائل میں اختلاف کی بنا پر ان کی باہمی کشمکش آپ کو ناپسند رہی۔ تاہم فریقین کی حق بات کو ہمیشہ سراہا۔ ابن تیمیہ اور اُن کے شاگرد ابن قیم کے متعلق فرماتے تھے کہ ان کے متبحر عالم اور خادمِ اسلام ہونے میں کلام نہیں، مگر بعض اجماعی مسائل میں رعایتِ توحید کے زعم میں تشدّد اختیار کر گئے ہیں اور حضرات اہل اللہ خصوصاً حضرت شیخ اکبر قدس سرّہ کے مسلکِ توحیدِ وجودی کو غلط طور پر پیش کر کے ایک بُری مثال قائم کی ہے۔ گویا اگر ہزار میں سے ایک پہلو بھی موافق موجود ہوتا تو مخالف کی نیت پر شبہ کرنے سے منع فرماتے۔ حضرتؒ نے امکانِ کذبِ باری تعالیٰ کو محال۔ علمِ غیب عطائی اور سماعِ موتیٰ کو برحق اور ندائے یارسُول اللہ، زیارتِ قبور، توسّل و استمدادِ انبیاء و اولیا علیہم السّلام اور ایصالِ ثواب کو جائز قرار دیا۔ معبودانِ باطلہ اور اصنام کے متعلق نازل شدہ آیات کو انبیاء و اولیا علیہم السّلام پر منطبق کرنے کو تحریف و تخریب سے تعبیر فرما کر مولوی اسماعیل دہلوی کی کتاب "تقویۃ الایمان" کے استدلال کی تردید فرمائی۔

وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ کی صحیح تفسیر

وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ کے معانی میں حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ جیسے عالم کو بھی شُبہ ہو گیا تھا کہ نیاز میں ذبح ہونے والے جانور پر اگر کسی وقت بھی اصحابِ نیاز یعنی انبیاء و اولیاء کا نام لے لیا گیا۔ تو ذبیحہ حرام ہو گا۔ مگر حضرتؒ نے "اعلاء کلمۃ اللہ" تصنیف فرما کر قرآن و حدیث اور فقہ و لُغت سے ثابت فرمادیا کہ اس آیۂ شریف کی مُراد صرف اُسی ذبیحہ سے ہو گی جس پر چُھری چلاتے وقت "بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَکْبَرُ" کی بجائے غیر اللہ کا نام پکارا جائے گا یا غرض ایصالِ ثواب اور کھانے کھلانے کی بجائے، محض غیر اللہ کے لیے خون گرانے کی ہو گی، جیسے کہ بعض ممالک میں بادشاہوں کی تعظیم کے سلسلہ میں رسُوم ہیں یا اہلِ ہنود میں بھوگ کا طریقہ رائج ہے۔

غیر مقلّدین

طاعُون زدہ آبادی سے دُوسری آبادی کی طرف "موت سے فرار" کی نیّت سے نقل مکانی کو حضرتؒ نے گناہ کہا۔ لیکن علاج کے لیے کھلے میدانوں اور باغوں میں چلے جانے کو مباح فرمایا۔ اس پر غیر مقلّدین کے ساتھ تحریری مناظرات چل نکلے مگر میدان بفضلہٖ آپ کے ہاتھ رہا۔ اور تمام اُمّت میں آپ ہی کا فتویٰ جاری ہُوا۔ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نے بھی اس فتویٰ میں آپ کی تائید کی۔

علم الکلام کے اختلافی مسائل میں آپ کا مسلک

صفاتِ باری تعالیٰ اور علمِ کلام کے بعض دیگر اہم مسائل میں اشاعرہ اور ماتریدیہ کے اختلاف پر حضرتؒ نے عموماً صوفیائے

محققین علیہم الرضوان کے مسلک کی روشنی میں تشدد اور تعصب کی جگہ وسعتِ نظری سے کام لیتے ہوئے وہی راہ اختیار فرمائی جو کتاب و سُنّت سے زیادہ اقرب ہے۔ چنانچہ مسئلہ کلام باری تعالیٰ اور خلفِ وعید اور امکانِ نظیر وغیرہ کے متعلق "الفتوحات الصمدیہ" اور رسالہ مجالہ میں تفصیل موجود ہے۔

وحدت الوجود اور وحدت الشہود

حضرتؒ نے اربابِ وحدت الشہود اور وحدت الوجود کے درمیان یہ کہہ کر ربط اور تعلق پیدا فرمایا کہ وحدت الشہود ابتدائے سلوک اور نفسِ ایمان ہے اور وحدت الوجود انتہائے مقام اور کمالِ ایمان ہے۔ اس مقام کے لیے نہ تو اُمم سابقہ ہی مکلف تھیں اور نہ جمہور اُمتِ مرحومہ محمدیہ ہی ہیں۔ یہ اخص الخواص کا مشاہدہ اور حال ہے، قال نہیں۔

مولانا صوفی عبد الرحمٰن صاحب لکھنوی نے اپنی کتاب "کلمۃ الحق" میں جمہور کو بھی عقیدہ وحدت الوجود کے لیے مکلف و پابند کہہ دیا تھا۔ حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ نے اپنی ایک نادر تصنیف "تحقیق الحق فی کلمۃ الحق" میں محققانہ بحث فرما کر اس موقف کی تردید کی اور صوفی صاحب کو غلبۂ حال کی وجہ سے معذور قرار دیا۔

مسئلہ خلافت و فضیلت

خلافتِ خلفائے اربعہؓ کی حقانیت کو آپ نے دلائلِ قاہرہ سے ثابت فرمایا لیکن فضائل صحابہ کرامؓ اور اہلبیت عظامؓ میں تشدد اور تعصب ناگوار رہا۔ خصوصاً ایک شخصیت کی ایسی فضیلت جس سے دُوسرے کی توہین لازم آئے آپ کو سخت ناپسند رہی۔

لعن یزید

یزید اور اُس کے حواریوں پر لعنت بھیجنے کو ناجائز قرار نہیں دیا مگر فرمایا بے سُود امر ہے۔ اس کی بجائے آلِ رسولؐ پر درُود پڑھنا بہتر ہے۔ حضرتؒ کو اپنے مشائخ عظام کی طرح اہل بیتِ کرام سے کمال محبت تھی۔ آپ کے منظوم کلام میں ایک مرثیہ بھی ملتا ہے۔

تشہد میں رفع سبابہ کی سُنّت کا احیاء

آپ نے بعض مکاتیبِ فکر کے خلاف تشہد میں رفع سبابہ کو سُنّت زائدہ قرار دیا جس کے عمل سے تو ثواب ہوتا ہے مگر ترک پر گناہ نہیں۔ اس بارہ میں عُلمائے سیال شریف میں اختلاف تھا۔ حضرت ثانی سیالویؒ نے آپ کو حکم قرار دیا اور آپ نے فریقین کے دلائل سماعت فرما کر یہی فیصلہ صادر فرمایا تھا۔

اوقاتِ مسنونہ نماز کی پابندی اور وظائف کی تصحیح و ترتیب

بعض حضراتِ چشتیہ، نمازِ فجر میں تاخیر کے قائل تھے۔ حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ نے اورادِ خاندانِ چشتیہ کی ترتیب

کی بنا پر ثابت فرمایا کہ متقدمین سلسلہ اس نماز کو اول وقت میں ادا فرماتے تھے۔ اسی طرح آپ نے قادریہ اور چشتیہ سلاسل کے وظائف میں بعض مندرجات کی اصلاح اور تصحیح فرما کر "چہل کاف" وغیرہ معمولات مشایخ میں بھی بعض بین العوامی اغلاط کی نشاندہی فرمائی۔ مجموعۂ وظائف میں "چہل کاف" کا ترجمہ آپ ہی کے نتیجۂ فکر کا مرہون ہے۔ سالکین کے لیے ترتیب اوراد و اشغال میں بھی آپ ایک امتیازی حیثیت رکھتے تھے۔

تحریکِ خلافت

حضرت قبلۂ عالم قدس سرہ نے کانگریس میں مسلمانوں کی شمولیت اور کانگرسی جمعیت العلماء ہند کی برپا کردہ تحریکات خلافت وہجرت سے اختلاف کرتے ہوئے اُن کی تردید فرمائی۔ آپ کا ارشاد تھا کہ خلافتِ راشدہ حقہ صرف تیس برس قائم رہی۔ بعد میں سلطنت اور ملوکیت کا دَور دَورہ ہو گیا تھا۔ اگر خلافتِ اسلامیہ کو جاریہ قرار دیا جائے تو یزید علیہ مایستحقہٗ کو بھی خلیفۂ برحق ماننا پڑے گا۔ البتہ ترکوں کے محاربات طرابلس وبلقان میں گھر کے زیورات اور لنگر کے گھوڑے تک چندہ میں دے دیئے تھے۔ کانگریس اور خلافت کمیٹی کے گٹھ جوڑ کے ایام میں جن مسلمان کانگریسی اور خلافتی اخبارات نے آپ کے خلاف لکھا وہ آخر کار ایک ایک کر کے کانگریس کے مخالف محاذ پر آ گئے۔

شاہی دربار دہلی میں شمولیت سے انکار

سنہ ۱۹۱۱ء میں دہلی میں منعقد ہونے والے برطانوی شاہی دربار میں شمولیت کی دعوت سے انکار پر انگریز حکومت نے آپ کو اپنا مخالف سمجھ کر ایذا رسانی کی جانب میلان کیا مگر کچھ بگاڑ نہ سکی۔ بعد ازاں حکومت نے سینکڑوں مربعہ اراضی بطور جاگیر دینا چاہی مگر حضرتؒ نے قبول نہ فرمائی۔

سیاست سے پرہیز

آپ نے کبھی سیاست میں حصہ نہ لیا۔ بعض مخلصین نے اسمبلیوں کے انتخاب میں امداد حاصل کرنے کی کوشش کی مگر آپ نے ہمیشہ یہ کہہ کر انکار فرما دیا کہ اس وقت ان چیزوں کا اسلام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ لہذا میں ان کاموں میں دخل دینا پسند نہیں کرتا۔ البتہ جس وقت جسٹس دلیپ سنگھ نے ملعون راجپال شاتمِ رسول کو اپیل پر ہائیکورٹ میں بری کیا اور مسلمانوں میں ہیجان پیدا ہوا تو آپ نے وائسرائے ہند کو بذریعہ تار شدید احتجاج فرماتے ہوئے لکھا کہ مسلمان قوم ہزار اختلافات کے باوجود ناموس رسولؐ کے محاذ پر یک جان ہو کر لڑے گی اور کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کرے گی۔

۱۹۳۵ء میں مسجد شہید گنج لاہور کی بازیابی کے لیے حضرت پیر جماعت علی شاہ علی پوریؒ کی صدارت میں تحریک چلی اور راولپنڈی میں جلسہ منعقد ہوا تو حضرت بابوجی مدظلہ العالی کو بھی دعوت شرکت دی گئی۔ حضرتؒ کے زمانہ استغراق کے ابتدائی ایام تھے۔ حضرت بابوجی نے متوجہ کر کے حضرت علی پوری کا پیغام سُنایا تو فرمایا "زمانہ بہت نازک ہے۔ ایمان کوئی ــــ سلامت لے جائے گا"۔ پنجابی محاورہ میں لفظ کوئی کو دراز کر کے ادا فرمایا یعنی شاذ اور کوئی کوئی۔ پھر فرمایا

کوئی قدم ایسا نہ اُٹھانا جو واپس لینا پڑے۔ نہ تو لوگوں سے اِس قدر علیحدگی اختیار کرنا کہ نشانہ بنالیں اور نہ ایسا اختلاط کرنا کہ اپنا شغل بھی ترک ہو جائے" چنانچہ حضرت بابُوجی شریک جلسہ نہ ہُوئے۔

قبُولِ عام کی خلعت

اللہ تعالیٰ نے حضرتؒ کو قبُولِ عام اور محبُوبیّت کی جو خلعت عطا فرمائی تھی اُس کی مثالیں دیکھنے میں کم آتی ہیں۔ جن لوگوں نے آپؒ کی زیارت کا شرف حاصل کیا ہے وُہ بیان کرتے ہیں کہ جہاں کہیں بھی آپ تشریف فرما ہوتے آپ کے وجُود سے بڑھ کر دلکش اور جاذبِ نظر کوئی اور چیز وہاں معلوم نہ ہوتی تھی۔ سفر میں جب لوگ دست بوسی اور مصافحہ کے لیے اژدہام کرتے تو مخلصین کو آپ کے گرد ہاتھ پکڑ کر حلقہ بنانا پڑتا کہ ہجومِ خلق سے تکلیف نہ ہو۔ جو مصافحہ نہ کرپاتے وُہ دامنِ پاک ہی کو چھُو لینے میں سعادت سمجھتے۔ قبل از وقت اطلاع ہونے کی صُورت میں ریلوے اسٹیشنوں اور سڑکوں پر لوگ کئی کئی گھنٹے پہلے جمع ہو جاتے۔ سفر میں آپ کی ریل گاڑی اِن ہی وجُوہات کے باعث اکثر لیٹ ہو جاتی۔ جب ۲۴ اگست سنہ ۱۹۰۰ء کو قادیانی مناظرہ کے لیے آپ لاہور تشریف لے گئے تو معلوم ہوتا تھا کہ سارا شہر استقبال کے لیے نکل کھڑا ہوا ہے۔ اِس خُداداد مقبولیّت کے احاطہ میں آ کر اغیار اور مخالفین بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہتے تھے قرآن مجید فرماتا ہے:-

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَھُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا۔ (مریم - ۹۶)

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور اچھے عمل کیے اُن کے لیے ضرور اللہ الرحمٰن (لوگوں کے دِلوں میں) محبّت و اُلفت پیدا کر دیں گے۔

حضرتؒ کی ذاتِ گرامی اِس آیت شریف کا صحیح مِصداق تھی۔ اللہ جلّ شانہٗ اپنی حکمتِ بالغہ کی رُو سے اولیائے مستُورین کو اپنے ظلِّ عاطفت اور سترِ جمیل میں پوشیدہ و پنہاں رکھتے ہیں اور اولیائے مشہُورین کو مرجع خلائق بنا دیتے ہیں۔ حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کی شان و شہرت کا انداز مجدّدین اور مجتہدینِ اُمّت کی طرح تھا کہ عوام و خواص، فضلا و فقرا، اور اُمرائے زمانہ کے علاوہ اپنے پیرزادگان کے بھی آپ مرجع ہوئے۔ جن میں سے بعض نے بیعت کی۔ اور اکثر نے ویسے ہی استفادہ کیا جس کی تفصیل اپنے اپنے مقام پر آئے گی۔

دُوسری فصل

تعمیرِ مرکز اور طالبینِ حق کا اجتماع

طبعِ عالی میں مہمان کی رعایت کا بہت زیادہ خیال رہتا تھا۔"ملفوظات شریف" میں آیا ہے کہ آپ فرماتے تھے جب مجھے اِس امر یعنی تلقینِ سلوک پر مامور فرمایا گیا تو میں نے بارگاہِ ربُّ العزت میں التجا کی تھی کہ الٰہی تو اپنے جن بندوں کو میری طرف راہنمائی فرمائے، اُن کے آرام اور جمعیت کی کفالت بھی خود ہی فرما کیونکہ میرے پاس نہ تو فرصت ہے اور نہ مقدُور۔

بعض سابقون الاوّلون

چنانچہ جب حج سے واپس آکر دعوتِ حق شروع کی تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ہر بات کا انصرام اپنی قدرتِ کاملہ سے خُود ہی فرما دیا۔ باکمال لوگ مختلف اطراف سے کھنچے چلے آئے اور عُمر بھر کے لیے وابستۂ دامن ہو گئے۔ مولٰنا محمد غازی مدرسہ صولتیہ مکّہ شریف سے مستعفی ہو کر آگئے اور جامعہ غوثیہ گولڑہ کے شیخ الجامعہ کا منصب سنبھال لیا۔ تفسیر و حدیث اور کتب تصوّف کی تعلیم حضرتؒ خود دیتے تھے۔ اور بعض اساتذہ کو بڑی کتابوں کا درس بھی دیا کرتے تھے۔ جناب قاری عبدالرحمٰن جونپوری ہندوستان سے آکر فتویٰ نویسی، امامتِ نماز، درسِ تجوید اور خط و کتابت پر مامُور ہوئے۔ فنِ قرأت کی تعلیم اس علاقہ میں سب سے پہلے ان ہی اُستادِ مکرّم کے ذریعہ جاری ہُوئی۔ مولوی ولی احمد (بانڈی)، مولوی میر عبداللہ (مکھن) سیّد چان شاہ (جابہ)، مولوی محبُوب عالم (ہزارہ)۔ اُن سابقون الاوّلون میں سے ہیں جو اِس دربارِ علم و فقر میں سب سے پہلے حاضر ہُوئے اور مسجد، مدرسہ اور لنگر کے کاروبار میں لگ گئے۔ اِن حضرات نے شاگردوں سمیت پتھر اور مٹّی گارہ اُٹھا اُٹھا کر مسجد اور مکانات کی تعمیر کروائی اور سخت پتھریلی زمین میں ایک کافی گہرا مدوّر کنواں کھودنے میں بھی ہاتھ بٹایا۔

ابتداء میں ایک کوٹھڑی حضرتؒ کی رہائش کے لیے، ایک لنگر شریف کے سامان رکھنے کے لیے، اور دو بڑے کمرے درویشوں اور مہمانوں کے لیے تعمیر ہُوئے۔ پھر کچھ اور کوٹھڑیاں طالب علموں اور اُن کے اُستادوں کے لیے بنائی گئیں۔ اور اِس طرح یہ پتھّر اور مٹّی گارے کا فقیر خانہ، بڑے پیر صاحب یعنی حضرت پیر فضلؒ دین کے لنگر شریف اور خانقاہ مُعلّٰے سے کچھ فاصلہ پر ۱۳۱۳ھ (۱۸۹۵ء) میں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ ۹۷-۱۸۹۶ء میں پختہ اور شاندار مسجد تیار ہوئی۔ جس کی تعمیر میں حرم سرائے کے پردہ نشینوں تک نے رات کی تاریکیوں میں پانی بھر بھر کر حصّہ لیا۔ جناب بابُوجی مدّظلّہٗ فرماتے ہیں کہ میری عُمر اُس وقت چھ سات سال کی تھی۔ اور میں بھی پانی کا ایک چھوٹا سا برتن بھر بھر کر لایا کرتا تھا۔ یہ مسجد حال ہی میں دو منزلہ تعمیر کرائی گئی ہے جس کے بائیں جانب ایک بلند مینار عجیب شان کا مظہر ہے۔ بعد میں ۱۹۰۳ء سے ۱۹۰۷ء کے درمیان پشاور کے دو مخلص سیٹھی برادران حاجی میاں کریم بخش اور حاجی میاں عبدالرحیم کے زیرِ اہتمام ایک شاندار مہمان سرائے
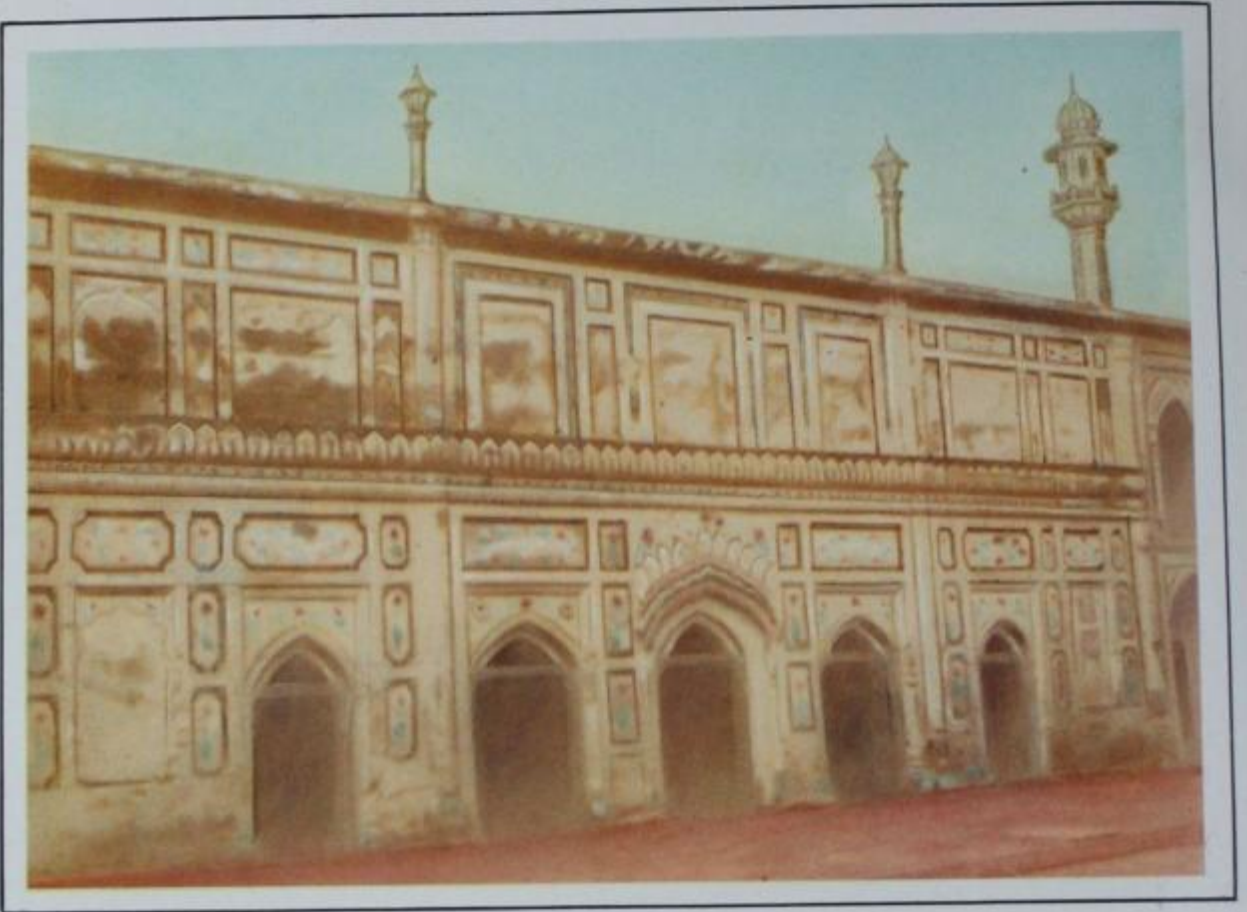
مسجد آستانۂ عالیہ گولڑہ شریف، جو حضرتؒ کی زندگی میں تعمیر ہوئی۔

مسجد آستانۂ عالیہ گولڑہ شریف، بعد از تعمیرِ نو
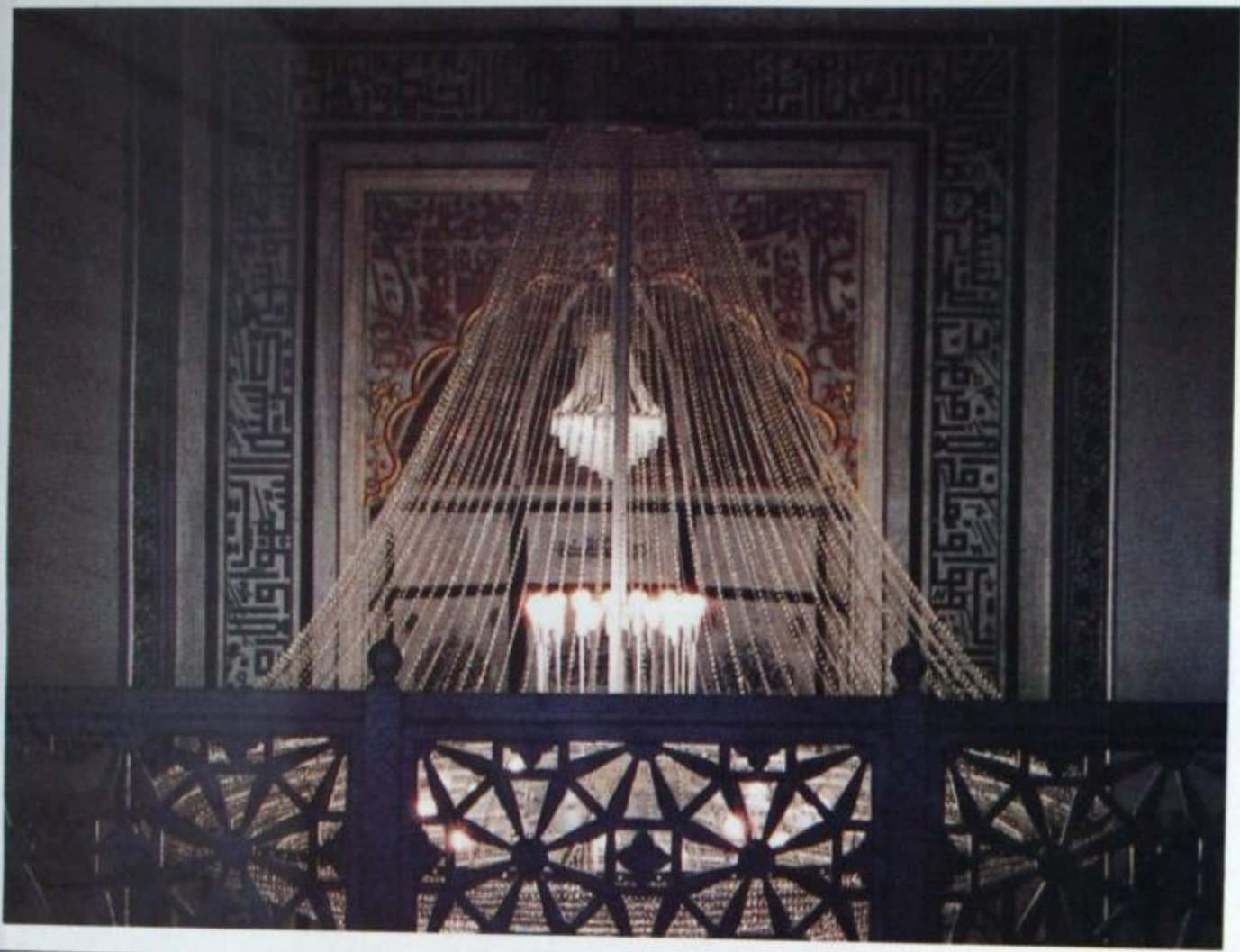
نئی مسجد کے دو اندرُونی مناظر (محراب وجائے نماز قیام)

اور مدرسہ اور کتب خانہ کی خوش نما پختہ عمارات تعمیر ہوئیں۔ مہمان خانہ میں چالیس کے قریب ہوادار اور بلند و بالا کمرے ہال، گیلریاں، برآمدے اور بالاخانے اور ایک کشادہ مجلس خانہ بنایا گیا۔ مگر مرور ایام میں یہ وسیع عمارت بھی زائرین کی روزافزوں کثرت کے پیش نظر ناکافی ثابت ہوئی چنانچہ اب تک جناب بابوجی مدظلہٗ تین اور مہمان خانے اور کئی دو منزلہ عمارتیں بنوا چکے ہیں۔ ان کے علاوہ ایک بہت بڑا مجلس خانہ حال ہی میں تعمیر ہوا ہے جس کا طول ایک سو بیس[۱۲۰] فٹ اور عرض اسّی[۸۰] فٹ ہے اور ابھی یہ سلسلہ تعمیر بدستور جاری ہے۔ اخبارات کے اندازہ کے مطابق اس وقت حضرت غوث الاعظمؓ کے سالانہ عرس مبارک کے موقعہ پر گولڑہ شریف میں ایک لاکھ کے قریب زائرین کا اجتماع ہوتا ہے۔ حضرت قبلہ عالم قدس سرّہٗ کو بچپن میں ایک مجذوب نے بڑے پیر صاحب کی جائے رہائش میں کھڑے ہو کر بعض درختوں کی طرف اشارہ کر کے کہا تھا کہ ایک روز اس جگہ تک آپ کا محلّہ ہوگا۔ چنانچہ اب تعمیرات کا سلسلہ اُس مقام کے قریب پہنچ گیا ہے۔

بعض مشہور خطیب اور ادیب رشتۂ اخلاص میں منسلک

انہی ابتدائی ایام میں ملک کے بعض مشہور خطیب اور نامور ادیب حضرتؒ کے رشتۂ اخلاص میں منسلک ہوئے۔ اور آپ کی تلقین اور تربیت سے مہذّب ہو کر مسلکِ اہلِ سُنّت کی اشاعت پر کمربستہ ہو گئے۔ ان میں سے حضرت مولینا محمد چراغ سکنہ چکوڑی شریف، جناب مفتی غلام مرتضٰی سکنہ میانی ضلع سرگودھا صدر مدرس انجمن نعمانیہ لاہور، مولوی احمد دین سکنہ درابی تحصیل چکوال، خان بہادر مولوی محرم علی چشتی مدیر اخبار "رفیق ہند" لاہور، خان بہادر قاضی سراج الدین ایڈووکیٹ مدیر "چودھویں صدی" راولپنڈی اور جناب قاضی قدرت اللہ سکنہ قاضی خیل پشاور خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ان حضرات نے برِصغیر ہند میں اور دوسرے ممالک میں بھی وہابیوں، چکڑالویوں، مرزائیوں، رافضیوں اور اس عصر کے مغرب زدہ نیچریوں اور دہریوں کی کئی جدید تحریکوں اور اہلِ حق پر ان کے کتابی اور خطابی حملوں کا کامیاب مقابلہ کیا۔ آگے چل کر اس فہرست میں بے شمار اہلِ علم، اہلِ قلم اور اہلِ بیان حضرات کا اضافہ ہوا جن میں سے بعض کے کارہائے نمایاں کا کچھ ذکر اس کتاب میں مناسب مقامات پر آئے گا۔

اہلِ سلوک میں دوسرے کئی پیرزادہ صاحبان کے علاوہ حضرتؒ کے اپنے مشائخ کرام کے کئی صاحبزادے آپ کے سلسلۂ بیعت یا حلقۂ تلمذ میں داخل ہوئے۔ جن میں سے حضرت دیوان غیاث الدین اجمیری، حضرت دیوان سید محمد پاک پتن شریف اور حضرت خواجہ حسن نظامی دہلوی کے اسمائے گرامی خاص طور پر مشہور ہیں۔ حضرت خواجہ حسن نظامی مدیر اور مصنّف بھی تھے اور اُن کے افادات کا سلسلہ ہندوستان سے باہر بھی، یعنی برما اور ملایا تک پھیلا ہوا تھا۔

حضرتؒ کی ابتدائی نشست گاہ

اس ابتدائی زمانہ میں حضرتؒ کی نشست پتھر کی ایک مصلّٰے نما سِل پر ہوا کرتی تھی جو اُس پرانی عمارت کے سامنے درختوں کے سایہ میں رکھی ہوئی تھی۔ نمازِ فجر اور وظائف سے فارغ ہو کر مسجد سے آکر آپ اسی پر تشریف رکھتے۔ اردگرد چٹائیوں کا فرش بچھ جایا کرتا۔ علما، درویش اور مہمان حسب حاجت استفادہ کرتے۔ کوئی تعویذ لے رہا ہے اور کوئی دم کروا رہا ہے۔ کوئی دعا

کا طلبگار ہے اور کوئی وظیفہ پُوچھ رہا ہے۔ اور کوئی آپ کے ملفُوظات قلم بند کر رہا ہے۔ یہیں مجلس ذکر منعقد ہوتی یا کبھی کبھی قوالی ہو جاتی۔ یہیں آپ نے مناظرہ کرنے والوں کو مسائل زیرِ بحث پر تقریریں لکھوائیں۔ اسی مقام پر ۱۳۱۵ھ (۱۸۹۷ء) میں آپ کی پہلی مہتم بالشان تصنیف "تحقیق الحق" قلم بند ہوئی اور قادیانی مذہب پر ۱۹۰۰ء میں "شمسُ الھدایت" اور ۱۹۰۲ء میں سیفِ چشتیائی منصّۂ شہود پر آئیں۔ اسی جگہ مشائخ طریقت اور اساتذۂ مدارس نے آنجنابؒ سے "مثنوی مولینائے رُومؒ" اور حضرت شیخ اکبرؒ کی "فتوحاتِ مکیہ" اور "فصُوص الحکم" کا درس لیا۔ آج اسی مقام کے گرد و پیش اپنی پُرانی درس گاہ اور شیخِ کریم کے انفاسِ قُدسیہ کی گذرگاہ میں ان تلامیذِ کرام میں سے کئی حضرات مدفُون ہو کر ابدی نیند سو رہے ہیں ؎

تا ز میخانہ و مے نام و نشاں خواہد بود سرِ ما خاکِ رہِ پیرِ مغاں خواہد بود
بر زمینے کہ نشانِ کفِ پائے تو بود سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود

مراقبہ ذِکر و فکر کی کیفیّت

راتیں اسی پتھر کی سِل پر مراقبہ میں گذر جاتیں۔ جناب مولوی محبُوب عالم بیان کرتے تھے کہ حضرتؒ جس پہلو پر بیٹھ جاتے صُبح صادق تک اُسی پہلو بیٹھے رہتے۔ ذرّہ برابر حرکت نہ کرتے۔ موسمِ سرما کی طویل اور برفانی راتیں صرف ایک کمبل میں گذار دیتے۔ صُبح کے وقت کمبل پر برف جمی ہوتی جسے اُٹھ کر جھاڑ دیتے۔

بہت عرصہ بعد ایک روز درویشوں سے فرمایا کہ تم لوگ مراقبہ و ذِکر میں بار بار پہلو بدلتے ہو ہم اپنے زمانہ میں دو زانُو بیٹھتے تھے تو عشاء سے تہجّد اور فجر سے ظہر اُسی حالت میں کرتے۔ اس پر کسی نے اعترافِ عجز کے طور پر عرض کی قطبِ مدار کی استقامت بے چارے سیّاروں کو کہاں نصیب؟

عشقِ الٰہی کی حرارت و حدّت اس قدر تھی کہ رات کو وادی کے منجمد تالاب میں غسل فرماتے اور برف ہٹا ہٹا کر غوطہ لگاتے تھے۔ گویا ؎

قطرہ خُونِ دل جامی بہ دریا افگنند سینہ بریاں، دِل تپاں، ماہی ز آب آید بروں

اِن ایام میں عمُوماً عشاء کے وضُو سے صُبح کی نماز ادا فرماتے۔ کثرتِ مراقبہ اور مسلسل دو زانُو نشست کے باعث ایک موقعہ پر رانیں بے سکت ہو گئی تھیں اور چلنا پھرنا دُشوار ہو گیا تھا طبیب نے مالش اور عصر کی نماز کے بعد گھوڑے کی سواری تجویز کی جس سے بالآخر افاقہ ہوا۔

شانِ تربیت

اس زمانہ میں عرفان کی پیاسی رُوحیں دُور دُور سے آ کر اس چشمۂ فیضانِ الٰہی سے سیراب ہُوئیں۔ اُن دنوں تلاشِ حق میں آنے والوں کی مُرادیں عجیب شان و انداز سے پُوری ہُوئیں۔ کوئی درماندۂ راہِ خُدا پہلی نظر ہی میں منزل سے ہم کنار ہوا اور کسی کی عرصۂ دراز کی منزل دو یوم میں طے ہو گئی ؎

وادیٔ عشق بسے دُور و دراز است و لے طے شود جادۂ صد سالہ بہ آہے گاہے

طیِّ منازل میں طالب کی اپنی استعداد کے ساتھ ساتھ شیخ کی ہمّت و حوصلہ پر بہت کچھ منحصر ہوتا ہے۔ اگر شیخ کامل و اکمل

ہو اور چاہے تو طالب کا سالوں کا راستہ لمحوں میں طے ہو جاتا ہے۔ اِس قسم کے دو واقعات مختصراً جناب مولینا غلام محمد شیخ الجامعۂ بہاول پُور کے مسودات میں سے یہاں درج کیے جاتے ہیں۔

فقیر محمد امیر کوٹ اٹل

حضرت محمد امیر کوٹ اٹل ضلع ڈیرہ اسماعیل خان ایک باکمال درویش تھے۔ آپ اصل ضلع جہلم کے رہنے والے تھے۔ بگرعلم حاصل کرنے کے لیے ڈیرہ اسمٰعیل خان گئے اور وہیں مُوسیٰ زئی شریف میں عُمدۃ الواصلین خواجہ محمد عثمان نقشبندی کے حلقۂ اِرادت میں داخل ہو گئے۔ آہستہ آہستہ اِس قدر رُوحانی ترقی کی کہ سِلسلۂ نقشبندیہ میں اپنے شیخ کے خلیفہ ہو کر حلقۂ اِرشاد کو دُور دُور تک پھیلانے میں کامیاب ہُوئے۔ آخر ایک ایسے مقام پر پہنچے جو اُن کے شیخ کے مسلک کے خلاف تھا۔ یعنی مقامِ وحدت الوجُود کے انوار ان کے قلب پر وارد ہونے لگے۔ شیخ نے پہلے تو تلقین اور دُعا سے اِصلاح کی کوشش کی اور پھر بالآخر اُنہیں گمراہ قرار دے دیا۔ یہ غریب اپنی قلبی کیفیت سے بے حد مجبُور تھے۔ اور کوئی صُورت اِس مقام کو طے کرنے کی نہ پاکر تلاشِ مقصُود میں نکل کھڑے ہوئے۔ بہت دُور دُور تک جستجو کی مگر کہیں کامیابی نصیب نہ ہوئی۔ شیخ الجامعۂ لکھتے ہیں:۔

ایک دفعہ فقیر صاحب نے کہیں سے حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہ کا چرچا سُنا اور گولڑہ شریف جا پہنچے۔ وہاں اُن دنوں بڑے پیر صاحب یعنی حضرت پیر فضل دین رحمۃ اللہ علیہ کی شہرت تھی۔ لہذا پہلے اُن کی خدمت میں حاضر ہُوئے مگر حرفِ مدّعا پیش نہ کیا۔ وہاں سے سیدھے حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کی خدمت میں حاضر ہُوئے۔ اُس وقت حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ درخت کے نیچے بیٹھے حضرت اجی صاحبؒ کے ساتھ مصروفِ گفتگو تھے۔ آپ کے ہاتھ میں کتاب "کشکول کلیمی" تھی جو آپ نے اُن کی طرف بڑھا دی۔ اُسے کھول کر پڑھتے ہی اُن کا عقدہ حل ہو گیا۔ وُہ نہایت محظُوظ ہو کر آپ کی خدمت میں بیٹھ گئے اور بیعت کی استدعا کی۔ حضرتؒ نے فرمایا تمہارا کام ہو گیا اب بیعت کی کیا ضرورت ہے۔ آخر اصرار در اصرار پر حضرتؒ نے بیعت فرمایا۔ اوراد و اشغال کی تلقین فرمائی اور تاکید کی کہ اپنے مُرشد کے حق میں کبھی بے ادبی سرزد نہ ہو۔ سال میں ایک مرتبہ اُن کی خدمت میں ضرور حاضری دیا کرو اور اُن کے وصال کے بعد اُن کے عُرس پر حاضری کو لازم سمجھو۔

فقیر صاحب رُخصت ہو کر گھر چلے گئے۔ کُچھ آزمائش اور ابتلا کا شکار بھی ہونا پڑا۔ عقیدت مند سب بے اعتقاد ہو گئے اور پہلے پیر صاحب بھی سخت ناراض ہُوئے۔ کامل ایک سال کے بعد حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کی خدمت میں حاضر ہُوئے۔ آپ نے بیعت اور اِرشاد کی اجازت بخشی اور اللہ تعالیٰ کا ایسا فضل ہُوا کہ ان کا حلقۂ اِرشاد پہلے سے بھی کئی گُنا زیادہ وسیع ہو گیا۔ حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کی معیّت میں پاک پتن شریف جایا کرتے تھے جہاں فقیر صاحب اور اُن کے مُسترشدین بہت رات رہے جاگ جاتے اور ایسی لطیف آوازیں ذکرِ جہر کرتے کہ سُننے والوں پر وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی۔

فقیر صاحب کے دو عریضے اور حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کے جوابی گرامی نامے جو فقیر صاحب کے علوِّ مرتبت کی کچھ پردہ کشائی کرتے ہیں "مکتوبات طیبات" سے یہاں درج کیے جاتے ہیں۔

ترجمہ عریضۂ ۱ منجانب فقیر صاحب

عرض بلب ادب اینکہ سالک تجلّی آفاقی اور تجلّی انفسی سے عبُور کر گیا ہے۔ اب اِس کے بعد تشبیہ اور تنزیہہ

کے درمیان جمع ہے یعنی وجودِ سالک ہے۔ اور صفات اُس کے وجود سے ظاہر ہو رہی ہیں لیکن انہیں قرار نہیں۔ اگر وجود کو مدِّ نظر رکھتا ہے تو صفات کا لحاظ نہیں رہتا۔ اگر صفات پر نظر رکھے تو وجود کا لحاظ ہاتھ سے جاتا ہے۔ اب سالک وجود پر نظر رکھے یا صفات پر؟ جیسے ارشاد ہو تعمیل کی جائے۔ راقم فقیر از کوٹ اٹل

حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہ کا جواب

رو نظر در بحرِ کُن جُو را مبیں
تا کہ باشی عارفِ سرِّ یقیں

طالبِ حق مخلصی فی اللہ فقیر صاحب حفظکم اللہ تعالیٰ۔ وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ بجواب سوال ارقام ہے کہ اِس مشاہدہ میں نظر وجود پر رکھنی چاہیئے نہ کہ صفات پر۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آں طالبِ حق کو مشہودِ ذاتی و دائمی عطا فرمائیں۔ العبد دُعا گو و دُعا جُو
مہر علی شاہ بقلم خود

عریضہ ۲ فقیر صاحب بزبانِ اُردو

طالب صادق نے عالمِ امر سے عروج کیا۔ اُس جگہ تک کہ اُس کا بیان نہیں ہو سکتا۔ اور خیال کرتا ہے کہ جس مقام پر میں آیا ہوں۔ اُس پر کوئی نہیں آیا۔ پھر نزول اُس کا ہوا اِس قدر کہ بہت نیچے آیا اور محض عبدیّت میں آرہا۔ اُس وقت خالی ہو گیا۔ پھر اُس وقت حال اور مواجید اُس کے شرع شریف کے خادم ہوئے۔ اِس میں آں غریب نواز تحریر سے مشرّف فرمائیں جو مناسب نصیحت طالب کے ہو۔

حضرت رح کا جوابی مکتوبِ گرامی

حالت مسطورہ مُرسلہ الحمد للہ والمنّۃ مستوجب حمد و شکرِ باری عزّ اسمہٗ ہے۔ صرف یہ خیال کہ جس عرُوج پر مَیں پہنچا ہُوں کوئی نہیں پہنچا، زعمی ہے واقعی نہیں۔ گو اِس قسم کے خیالات پہلے بھی اہل اللہ سے سرزد ہوئے ہیں۔ مثلاً ع۔ آنجا کہ من رسیدم امکان نیست کس را۔ اور اِس خیال کے لیے وجہ وجیہہ بھی ہو سکتی ہے کہ ہر ایک مخلوق کے لیے ایک وجہ اور تعلق خاص بجنابِ باری عزّ اسمہٗ ہوتا ہے کہ دُوسروں کے لیے نہیں۔ کما قال الشیخ الاکبر فی مواضع عدیدہ من الفتوحات وغیرہٖ من العارفین۔ اِس بناء پر آپ کا خیال مذکورہ بالا صحیح ہو سکتا ہے۔

بابا غلام فرید رح بٹالوی

کچھ اِسی قسم کا واقعہ ایک اور درویش کامل بابا غلام فرید بٹالوی کا بھی ہے۔ یہ معمار تھے اور پہلی بیعت تلونڈی شریف کے ایک بزرگ حضرت مولوی محمد عبد اللہ چشتیؒ سے کی تھی۔ لیکن وُسعتِ استعداد و بلند پروازی کے باعث جب پہلے

آسمان تربیت کی پہنائیاں ختم ہونے کو آئیں تو اپنے شیخ سے تحریری اجازت نامہ لے کر، دیگر فضاؤں کی تلاش میں نکل کھڑے ہُوئے۔ انہوں نے اپنے شیخ سے تجلّی دائمی ابدی کے حصُول کی درخواست کی۔ یہ وُہ عالی مقام ہے جو اللہ تعالےٰ کے معدودے چند خواص کو حاصل ہوتا ہے۔ اس کا تعلق صفات و تشبیہ سے بالا تنزیہہ اور ذات سے ہے۔ اس کے متعلق حضرت شیخ اکبرؒ تحریر فرماتے ہیں کہ جس کو تجلی ذاتی حاصل ہُوئی وُہ اَور کمالوں سے مستغنی ہوگیا کیونکہ وُہی اصل ہے۔ مگر یہ درجہ محض فضلِ الٰہی سے مختص ہے، کسبی نہیں بلکہ اس کے سب مقامات اختصاصی اور وہبی ہیں۔ بدیں وجہ حضرت مولوی عبداللہ نے فرمایا کہ اَے عزیز! یہ چیز تو ہمیں خود بھی حاصل نہیں۔ بابا غلام فرید نے عرض کی کہ کسی اَور بزرگ کی طرف رجوع کی اجازت دے کر سفارش لکھ دیجیے تاکہ پہلی بیعت کے خیال سے انکار نہ کردیں۔ چنانچہ اُس شیخ کریم نے اجازت نامہ لکھ دیا اور زبانی فرمایا کہ بابا، اگر یہ نعمت کہیں سے ہاتھ آئے تو ہمیں بھی بتانا تاکہ ہم بھی محرُوم نہ رہیں۔

فقرِ حقیقی کی بے نفسی و بے غرضی

اِس واقعہ میں فقرِ حقیقی کی بے نفسی اَور طلبِ صادق کی کتنی اچھی مثال موجُود ہے۔ حضرت سائیں توکّل علی شاہ انبالوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ اگر مُرید کی استعداد پیر کی دسترس سے بڑھ جائے تو پیر کو اُسے آزاد کردینا چاہیئے تاکہ جہاں سے فیض مِل سکے حاصل کرلے۔ کیونکہ مقصد اَور اصل غرض تو قُربِ مولیٰ ہی ہے خواہ کہیں سے حاصل ہو۔ ہاں اگر پیر کا دستِ تصرّف دراز ہو تو مرید کسی دُوسری طرف متوجہ ہونے کا مجاز نہیں ہے۔

شیخ الجامعہ بہاولپوری لکھتے ہیں :۔

بابا غلام فریدؒ کے پیر حضرت مولوی عبداللہ، میرے اُستاد الاستاد تھے اَور خود اس پایہ کے بزرگ تھے کہ ان کی پیدائش سے قبل غوثِ زمان حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے متعلق اپنے خلیفہ حضرت مولیٰنا سیّد حسین علی شاہ لکھنوی کو وصیّت فرمائی کہ تمہارے پاس محمد عبداللہ نامی ایک طالبِ علم آئے گا۔ اُس کی تربیت میں سعیِ بلیغ سے کام لینا کہ عالمِ ارواح میں وُہ ہمارا مرید ہے۔ مگر اس جہان سے، ہم اُس کی ولادت سے قبل رُخصت ہوجائیں گے۔

آگے لکھتے ہیں کہ :۔

مولیٰنا سیّد حسین علی کی بیعت حضرت خواجہ محمد سُلیمانؒ تونسوی سے اِس طرح ہوئی تھی کہ ایک مرتبہ حضرت تونسویؒ کے خلیفہ اوّل حضرت سیّد محمد علی شاہ خیر آبادی، لکھنؤ گئے تو کسی نے مولیٰنا سیّد حسین علی سے کہا کہ شاہ صاحب فصُوص الحکم کا درس دیتے ہیں۔ مولانا نے کہا کہ وُہ تو جاہل ہیں فصُوص کو کیا جانتے ہوں گے۔ نیز قوالی کے متعلق بھی اعتراض کیا۔ اَور حقیقتاً یہ بات صحیح تھی کہ سیّد محمد علی شاہؒ باوجُود ظاہری علوم کی تکمیل نہ فرمانے کے فصُوص الحکم جیسی ادق کُتبِ تصوّف کی تدریس فرماتے تھے۔ جب یہ باتیں حضرت سیّد محمد علی شاہ خیر آبادی کے گوش گذار ہُوئیں تو اُنھوں نے فرمایا کہ آج عصر کی نماز سیّد حسین علیؒ شاہ کی مسجد میں ادا کریں گے۔ سیّد حسین علی شاہ اُن دنوں حدیث شریف کا درس دیتے تھے۔ چنانچہ ان کے پیچھے عصر کی نماز پڑھ کر حضرت سیّد محمد علی شاہؒ نے ان سے مصافحہ کیا اَور فرمایا۔ آپ جیسے عالم باعمل کے ہاتھ میں میرا ہاتھ آگیا ہے اَب مغفرت کی اُمید ہوگئی ہے۔ یہ الفاظ کہہ کر سیّد صاحب تو تشریف لے گئے مگر سیّد حسین علی شاہ پر رقت طاری ہوگئی۔ کچھ دیر بعد سنبھلے اَور سیّد محمد علی شاہ خیر آبادی کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کی استدعا کی تو اُنھوں نے فرمایا کہ آپ کی برات تونسہ شریف میں ہے۔

تونسہ شریف کا نام سُنتے ہی اس قدر شوق کا غلبہ ہُوا کہ اُسی روز روانہ ہوگئے۔

اگر خُدا سے ملنا ہے تو گولڑہ جاؤ

بابا غلام فریدؒ کے متعلق آگے چل کر شیخ الجامعہ لکھتے ہیں:۔

غرض بابا غلام فریدؒ بہت پھرے اور عمر کا ایک حصّہ تلاشِ حق کے لیے جہاں نوردی میں گذار دیا، مگر مقصود نہ ملا۔ مایوس ہوکر خودکشی کے خیالات کا غلبہ ہُوا۔ ایک تولہ سم الفار یعنی سنکھیا خریدا مگر کچھ تردّد پیدا ہُوا اور پھر تلاش شروع کر دی۔ بابا موصوف کہتے تھے کہ سفر کے دوران ایک شہر کی مسجد میں رات کو سونے کا قصد کر رہا تھا کہ ایک دُوسرا مُسافر بھی وہیں آ نکلا، طلبِ مولیٰ کی باتیں شروع ہوگئیں۔ کہنے لگا، اگر خُدا کو ملنا ہے تو گولڑہ جاؤ۔ گولڑہ کا نام میرے لیے مقناطیس بن گیا، رات بھر اسی فکر میں نیند بھی نہ آئی اور صبح اُٹھتے ہی پتہ پُوچھ کر روانہ ہوگیا۔ جب گاڑی سے اُتر کر چلا تو ایک جگہ بارش کے پانی کی وجہ سے کیچڑ ہو رہا تھا۔ وہاں سے کیچڑ مُنہ پر ملا اور اس ہیئتِ گدائی سے حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہ کی خدمت میں مسجد میں جا حاضر ہُوا۔ کئی مہینے پہلے لاہور میں حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں چلّہ کے خاتمہ پر خواب میں دیکھا تھا کہ میرے مقدمہ کی مِسل داتا صاحبؒ نے ایک سیاہ گیسوؤں والے خوش پوش بزرگ کے سپرد کر دی ہے جو کہ اُن کے پاس ہی بیٹھے ہیں۔ اسی خواب کے باعث زہر خوری سے رُک گیا تھا۔ اب دیکھا تو حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہ کی ذاتِ شریف میں وُہی بزرگ میرے سامنے موجود ہیں! اور ویسا ہی لباس زیب تن ہے۔ حضرتؒ نے حال پُوچھا تو میں نے پیر کا اجازت نامہ اور سنکھیا کی ڈلی دونوں نکال کر سامنے رکھ دیئے۔ اور عرض کی کہ آپ پر سب حال روشن ہے۔ خُدا سے مِلا دیجیے۔ حضرتؒ نے فرمایا اب آرام کرو، ظہر کے بعد بات کریں گے۔ چنانچہ بعد نمازِ ظہر شہتوت کے درخت کے نیچے بُلوا کر تخلیہ میں وظائف ارشاد فرمائے اور ایک بھرپُور نظر کے ساتھ مجھ سے آنکھیں ملائیں۔ نظر کا پڑنا تھا کہ آتشِ شوق کا شعلہ بھڑک اُٹھا اور میں رات بھر چیختا اور چلّاتا رہا۔

چالیس روز کی بجائے دو یوم میں ہی تکمیلِ کار

شیخ الجامعہ فرماتے ہیں کہ اگلے روز بابا غلام فرید پیش ہُوا تو حضرتؒ کی خدمت میں عرض کی گئی کہ اس درویش کا بُرا حال ہے۔ آپ نے فرمایا۔ "بابا، میں نے کہا تھا کہ چند روز صبر اور تحمّل سے وظائف کا ورد کرو، اگر ایسے ہی بے تاب ہو تو کیا چالیس دِن کا روزہ رکھ لوگے۔"

بابا کہتا تھا کہ میں نے سوچا، تو ویسے ہی رہا ہُوں۔ اس طرح جلد چھٹکارا ہو جائے گا۔ چنانچہ اُسی رات چالیس روز کا روزہ رکھ لیا۔ دو دن رات گزر گئے۔ لیکن مجھے نہ بھوک معلوم ہوتی تھی نہ پیاس۔ آتشِ شوق نے کسی چیز کا ہوش ہی باقی نہ رہنے دیا تھا۔ تیسرے روز حضرتؒ نے بُلوا بھیجا اور فرمایا۔ بابا، مُبارک ہو۔ تمہارا کام ہوگیا۔ اب اس چیز کی حفاظت کرنا یہ کہہ کر اپنے سامنے میرا روزہ افطار کروا دیا۔ اگرچہ میری خواہش یہی تھی کہ میں چالیس روز ہی کا روزہ پُورا کروں۔

اس کے بعد بابا غلام فرید پر ایک عرصہ تک اللہ تعالیٰ کا بہت فضل و کرم رہا۔ وُہ سڑک پر چلتے ہُوئے بھی سر اور مُنہ پر چادر ڈالے رہتے اور آنکھیں بند کیے ذکر جاری رکھتے۔ گویا اُنہیں راستہ دیکھنے اور نشیب و فراز سے بچنے کے

لیے ظاہری بصارت کی ضرورت نہ رہی تھی۔ حضرتؒ کی مجلس میں جوتیوں والی جگہ پر بکمال عجز و نیاز چادر اوڑھے مراقب بیٹھے رہتے۔ ایک روز حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ نے مثنوی شریف مولینا رومؒ کے درس کے دوران تجدّدِ امثال پر تقریر فرماتے ہُوئے بابا غلام فریدؒ کی طرف اشارہ کر کے باقی طلباء کو فرمایا کہ اس مضمون کی سمجھ تو کچھ اس شخص کو آئے گی جو تمہارے پیچھے مُنہ سر لپیٹے بیٹھا ہے۔ مگر تم بھی غور سے سُنو۔

حضرت بابُوجی مدظلہٗ جو اُس درس میں موجود تھے فرماتے ہیں کہ اثنائے تقریر بابا صاحبؒ نے بے ساختہ اور والہانہ انداز میں اُٹھتے ہوئے کچھ عجیب طور پر دیکھا، مگر حضرتؒ کا اشارہ پا کر بیٹھ گئے اور خاموش رہے۔ بعد میں جناب بابُوجی کے اصرار پر صرف اِس قدر ظاہر کیا کہ اُنھوں نے اثنائے درس حضرتؒ کی مجلس میں دُودھ تقسیم ہوتے دیکھا۔ نیز مشاہدہ کیا کہ ایک صُورت سے متعدد صُورتیں بن کر نکل رہی ہیں۔ جناب بابُوجی مدظلہٗ نے تشریح کرتے ہُوئے فرمایا کہ دُودھ عِلم و عرفان کی مثالی شکل ہے اور ایک صُورت سے متعدد صُورتوں کا ظاہر ہونا وحدت سے کثرت کے ظہُور کا مشاہدہ ہے۔

سفرِ حج کے مکاشفات

حضرتؒ سے اجازت لے کر بابا غلام فریدؒ حج کے لیے روانہ ہُوئے تو آپؒ نے ایک وظیفہ تلقین فرمایا کہ کعبہ شریف اور روضۂ اطہر کے سامنے بیٹھ کر پڑھنا۔ واپسی حج پر سیدھے گولڑہ شریف پہنچے اور مجلس شریف میں حاضر ہوتے ہی اپنی بڑی سی گوردا سپوری پگڑی اُتار کر حضرتؒ کے قدموں میں پھینکی اور دھاڑیں مار کر روتے ہُوئے عرض کی کہ جب ہر جگہ آپ ہی آپ ہیں۔ یہاں بھی اور وہاں بھی۔ تو مجھ بُوڑھے مسکین کو اپنی شانیں دِکھلانے کے لیے اِس قدر طوُل و طویل سفر کرا کر کیوں ہلاک کرتے ہیں۔ بعد میں بعض مخلصین کے دریافت کرنے پر بیان کیا کہ لوگ کعبہ شریف کا طواف کر رہے تھے مگر میرا دل چاہتا تھا کہ کعبہ والا نظر آئے تو اُس کا طواف کروں۔ ناگہاں ایک ہاتھ کعبہ شریف سے نمودار ہوا جسے دیکھتے ہی دل پر ایک والہانہ اور جنون کی سی کیفیت طاری ہوگئی اور میں بیخود و متوالا ہو کر طواف کرنے لگ گیا۔ پھر مدینہ منورہ میں روضۂ اطہر کے سامنے مراقب بیٹھا تھا کہ اچانک حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ سامنے آموجود ہُوئے اور "السلام علیکم" کہہ کر دریافت فرمایا کہ کوئی تکلیف تو نہیں؟

شیخ کی غیرت

بابا غلام فریدؒ دلوں کے خطرات سے آگاہ ہو جاتے تھے اور واقعاتِ کونیہ کی خبریں بھی دیتے تھے لیکن سلُوک کے ان ادنیٰ و ابتدائی اُمور پر زبان اُس وقت کھُلی جب اصل نعمت اور مقام میں تنزّل واقع ہوگیا۔ وجہ یہ ہُوئی کہ چند روز کے لیے ایک مکّار صُوفی کی صُحبت میں رہے جو دعویٰ کرتا تھا کہ میں حضرت غوث الاعظم رضؓ کا حضُوری ہُوں۔ یہ اپنے پہلے شیخ حضرت مولوی عبداللہ کی اجازتِ عامہ کے عادی تھے۔ مگر حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کی طبیعت اپنی عالی مقامی اور وسیع تصرّف کے باعث بیحد غیور واقع ہُوئی تھی۔ آپ کا تربیّت یافتہ اگر ذرہ بھر بھی کسی دُوسری جانب متوجہ ہوتا تو کفرانِ نعمت کے مِصداق فوراً رجعت پڑتی تھی اور سب کچھ کھو بیٹھتا تھا۔ چنانچہ اِن کا اُدھر توجہ کرنا تھا کہ وُہ نعمت عالیہ سلب ہوگئی۔ بابا گرتے پڑتے، روتے دھوتے گولڑہ شریف پہنچے۔ بہت کچھ عاجزی کی اور سفارشیں بھی کروائیں مگر حضرتؒ نے

توجہ نہ فرمائی۔ بالآخر حضرت باؤجی مدظلہ کی مسلسل گذارشات پر اتنا ضرور ہُوا کہ صرف گولڑہ شریف کی حدود میں وُہ پُرانی کیفیت عود کر آتی۔ حضرتؒ فرماتے تھے کہ اَب تسلّی ودلاسہ دے کر اس کے ساتھ وقت گذاری کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اِس کو اُس نعمت سے نوازا تھا جو سُلطان العارفین حضرت بایزید بُسطامیؒ جیسے اَولیائے کبار کو چالیس چالیس سال دِل کے دروازہ پر پہرہ دینے کے بعد نصیب ہُوئی تھی۔ لیکن اِس نے اُس کی قدر نہیں کی۔ آخر فرمایا کہ اِسے کہہ دو منتظر رہتے ہُوئے اُمید میں وقت گذارے کیونکہ اب اِس مقام پر کوئی وظیفہ یا مجاہدہ کام نہیں آتا۔ ویسے دیگر کم تر مقامات یعنی صحبتِ اَرواح و ملائکہ کی قسم کی نوازشات سے بابا سرفراز رہے۔

حضرت خِضر علیہ السّلام کی زیارت

حضرت باؤجی مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ موسمِ گرما میں عین دوپہر کے وقت بابا غُلام فرید میری بیٹھک پر آئے اَور کہا کہ حضرتؒ نے مجھے اِسی وقت پیدل راولپنڈی جانے کا حکم دیا ہے۔ مَیں نے کہا ٹھنڈے وقت چلے جانا۔ مگر وُہ کہنے لگے کہ ابھی جانے کا حکم ہُوا ہے۔ مَیں نے کہا میں گھوڑا منگوا دیتا ہُوں اُس پر چلے جانا۔ مگر وُہ نہ مانے۔ میں نے کرایہ دینا چاہا کہ ریل گاڑی پر چلے جائیے تو وُہ بھی نہ لیا کہ پیدل جانے کا حکم ہے۔ چنانچہ میرے اصرار کے باوُجود اُسی وقت چلے گئے۔ بعد میں جب مُلاقات ہُوئی تو بتایا کہ موضع میرا آبادی میں، میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ کھیتوں میں کھڑا مجھے اپنی طرف بُلا رہا ہے میں نے اُن کے پاس پہنچ کر سلام کیا۔ اُنہوں نے کچھ دیر میرے ساتھ باتیں کیں مثنوی مولانا رُومؒ کے کچھ اشعار فرما کر اُن کے مُطابق عمل کرنے کو کہا۔ پھر اچانک غائب ہو گئے۔ معلوم ہُوا کہ وُہ خضرؑ تھے۔ حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کے وصال پر بابا غلام فرید تیسرے روز گولڑہ شریف پہنچے اَور اِس دریافت پر کہ اُن کو بٹالہ میں کیسے اِطلاع ہُوئی۔ کہا کہ پہلے تو کچھ پتہ نہیں چلا۔ کل عصر کے وقت میں نے نظر اُٹھائی تو اِس میدان میں بے شمار لوگ کھڑے پائے اَور فضائے آسمانی میں اِس سے بھی زیادہ مخلوق نظر آئی جو سب منتظر دکھائی دیتے تھے چنانچہ میں اُسی وقت چل پڑا۔ یہ حضرتؒ کی نمازِ جنازہ کا وقت تھا جس کا نظارہ بابا نے بٹالہ میں کیا۔

قاضی فیض عالم

حضرتؒ کے ایک اَور دیرینہ خادم و شاگرد قاضی فیض عالم بھی کسی اَور طرف سے حصُولِ فیض کے خیال سے نعمت سلب کروا بیٹھے تھے۔ قاضی صاحب کے گاؤں میں ان کے ایک اُستاد جو ان کے رِشتہ دار بھی تھے سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں مجاز تھے۔ اُنہوں نے قاضی فیض عالم کو گولڑہ شریف سے جہاں یہ تحصیلِ علم کے ساتھ ساتھ حصُولِ فقر میں بھی مصرُوف تھے بُلوایا اَور کہا کہ میں اولاد سے محرُوم ہُوں اَور بُوڑھا ہو گیا ہُوں تم میری گدی سنبھال لو۔ تمہارے شیخ تو وُہی رہیں گے مگر میرے بتلائے ہُوئے وظائف بھی پڑھ لیا کرو۔ چنانچہ پہلے وظیفہ پر ہی رجعت پڑی اَور سب کچھ گنوا بیٹھے۔ پھر مدت تک حاضری کی توفیق نہ ہُوئی حالانکہ جاتے وقت حضرتؒ نے اشارۃً فرما بھی دیا تھا کہ وطن میں زیادہ جی نہ لگانا اَور جلد واپس آجانا۔ قاضی فیض عالم دو برس بعد واپس آئے تو حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ نے فرمایا۔ سُنا ہے تمہاری طرف بہت بارش ہوئی ہے اَور بڑی بہار ہے۔ قاضی صاحب نے بھی اشارے کی زبان میں جواباً عرض کی کہ بہار آئی ہوگی۔ ہمارا تو چمن اُجڑ گیا۔ حضرتؒ نے فرمایا۔ اَب مشکل سے ہی ہرا ہو گا۔ بعد میں یہ درویش بیٹھ کر رو دیا کرتا تھا کہ مجھے یہ کمال حاصل ہو گیا تھا کہ راہ چلتے میں زیرِ زمین حشرات الارض کی تسبیح تک سُنا کرتا تھا۔ اَور وحُوش وطیُور، غرض ہر جاندار کے اشغال اَور ارادات پر آگاہی ہو جاتی تھی۔

تیسری فصل

سماع اور غنا پر حضرتؒ کا مسلک اور آپکی زندگی کے چند واقعات

سماع اور غنا کا مطلب اور اربابِ حال کا مسلک

خوش الحانی اور سُریلی آواز میں گانے کو غنا کہتے ہیں اور سماع سے مُراد اُس کلام کو سُننا ہے جو خوش الحانی سے گایا جائے۔ غنا کی دو قسمیں ہیں، ایک بالمزامیر یعنی آلاتِ موسیقی کے ہمراہ گانا، دُوسرا بلامزامیر یعنی بغیر اُن آلات کی رفاقت کے گانا موسیقی کا جو اثر انسانی فطرت پر ہوتا ہے وُہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے۔ اس کے زیرِ اثر جہاں ایک طرف انسان وجدان کی ارفع منازل تک جا پہنچتا ہے وہاں دُوسری جانب گمراہی کی اتھاہ گہرائیوں میں بھی ڈُوب سکتا ہے۔ اِس لیے سماع کی حُرمت یا جواز مختلف مکاتیبِ فکرِ اسلامیہ میں ایک متنازعہ مسئلہ رہا ہے۔ اور اس پر متعدد اکابر عُلمائے کرام نے اپنی اپنی تصانیف میں اظہارِ خیال فرمایا ہے۔ مثلاً احیاء العلوم و کیمیائے سعادت از امام غزالیؒ، کشف المحجوب از حضرت داتا گنج بخشؒ، قرع الاسماع و مدارج النبوۃ از شیخ عبدالحقؒ محدث دہلوی، مصباح الہدایۃ از مولانا محمود کاشانیؒ، ایضاح الدلالات فی سماع الآلات از علامہ عبدالغنیؒ نابلسی وغیرہ وغیرہ اِن تصانیف میں صُوفیائے کرام کے آداب سماع پر طویل بحث موجُود ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ غنا و مزامیر فی نفسہٖ حرام نہیں بلکہ عوارضاتِ محرّمہ کی وجہ سے حرام اور اُن سے مبرّا ہونے کی صُورت میں مُباح ہیں۔ مزید بتایا گیا ہے کہ سماع کے چار اقسام ہیں۔ اور ہر قسم کے لیے علیحدہ حکم ہے۔

اوّل:۔ کفّار کی تغنّی، صفیر اور دستک زنی، یہ بحوالہ آیاتِ قرآنیہ "وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ۔ الخ اور وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً" جو حق سے اعراض و انکار کی وجہ سے کفر ہے۔

دوم۔ فسّاق کی غنائے شہوت پرستی اور شراب نوشی فسق اور حرام ہے۔

سوم۔ عامۃ المسلمین کے گانے اور سرود جو شادی، میلہ، عید یا ایسی دیگر تقریبات پر بجائے جائیں وُہ تفریحِ مباح کا حکم رکھتے ہیں بشرطیکہ اُن میں فحش اور دلآزارانہ عنصر نہ ہو اور عورتوں مردوں کا اختلاط اور غیر شرعی اُمور نہ ہوں۔

چہارم:۔ اللہ والوں کی مجالس سماع و غنا جو مستحسن ہیں کیونکہ مُوجبِ ترقّیِ ذوق و شوقِ الٰہی ہیں۔

حضراتِ چشتیہ کا مسلک

حضرات چشت اہلِ بہشت نے بھی قریباً ایک درجن صحیح احادیث کی بنا پر قرونِ مُبارکہ ثلاثہ کے سماع کو ثابت کیا اور اسے جائز قرار دیا ہے۔ اور اُنھوں نے بھی سماع کو انھی چار اقسام پر منقسم فرمایا ہے۔

اقتباس الانوار میں ہے کہ جناب خواجہ غریب نواز مُعین الدین اجمیریؒ کے خلیفہ حضرت خواجہ قطب الدینؒ بختیار کاکی نے جناب

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلّم سے باطنی طور پر سماع بالمزامیر کی اجازت حاصل کی تھی کیونکہ اہلِ ہند بہ لحاظ طبع و تہذیب کیطرف راغب تھے۔ چنانچہ اُن کے سامنے اسلام کی پیش کش اُنہی کے انداز میں کرنے سے بہت سُرعت سے کامیابی ہُوئی۔

حضرتؒ کا مسلک

حضرتؒ کا تعلق چونکہ سلسلۂ چشتیہ سے تھا اس لیے آپ غنا اور سماع کو جائز اور مباح سمجھتے تھے۔ جیسا کہ پہلے ابواب میں بیان ہو چکا ہے آپؒ کو بچپن ہی سے قوّالی مرغوب تھی۔ ابتدائی تعلیم کے دوران آپؒ جنگل میں جا کر خُود بھی پُرسوز اشعار پڑھا کرتے تھے۔ آپؒ کی زندگی کے واقعات پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے ابتدائی ایّام میں مزامیر کے ساتھ اور آخری ایّام میں بلا مزامیر قوّالی سُنی ہے۔ بلا مزامیر سماع کے متعلق یہ توجیہ بیان کی جاسکتی ہے کہ اولیاء اللہ جب فنائے کامل اور مشاہدہ کے اعلےٰ مقامات پر سرفراز ہو جاتے ہیں تو اُنہیں اِن فروعات کی حاجت نہیں رہتی۔ وہاں تو حسنات الابرار بھی "سیّئات المقرّبین" بن کر رہ جاتی ہیں۔ اگرچہ بعض مشائخ اپنے ارادت مندوں کے استفادہ اور تربیت کے لیے اِس سلسلہ کو جاری رکھتے ہیں۔

حضرتؒ نے سماع کے متعلق اپنا مسلک ایک مکتوب میں حضرت سعدی علیہ الرحمۃ کے اِن اشعار میں بیان فرمایا ہے :-

سماع اَے برادر بگویم کہ چیست — مگر مستمع را بدانم کہ کیست
گر از بُرجِ معنیٰ بود طیرِ اُو — فرشتہ فرو ماند از سیرِ او
وگر مردِ لہو است و بازی و لاغ — قوی تر شود لہوش اندر دماغ

یعنی صاحب ذوق کے لیے تو سماع مُفید ہے۔ وُہ اُسے عشق کی اُن بلندیوں تک پہنچا دیتا ہے کہ فرشتے بھی اُس سے پیچھے رہ جاتے ہیں۔ مگر صاحب لہو و لعب کے لیے مُضر ہے اور شہوت پرستی کو اُس کے دِل و دماغ میں قوی تر کرتا ہے۔
اب حضرتؒ کی زندگی سے چند ایسے واقعات جن کا تعلق سماع اور قوّالی سے ہے، ہدیۂ ناظرین کیے جاتے ہیں -

اینگلو انڈین ریلوے گارڈ پر سماع کا اثر

رات کا وقت تھا۔ ریل گاڑی جنڈ بسال لائن پر ویران پہاڑیوں میں سے گزر رہی تھی۔ حضرتؒ کا قوّال بخت جمال، حضرتؒ کی فرمائش پر پنجابی کے یہ اشعار "پیتی گوری" راگنی میں گا رہا تھا :-

ویکھو نی کی کر گیا ماہی — دِلڑی لے کے ہو گیا راہی
(اَے سہیلیو دیکھو میرے پی نے میرے ساتھ کیا کیا، وُہ میرا دِل لے کر چلتا بنا)
ماہی دے سینہڑے میکوں — کوکاں، کوک سُناواں کیکوں
(میں اپنے پی کو اپنا پیغام کیسے پہنچاؤں اور اپنی فریاد کِسے سُناؤں)
ہسدیاں گل وچ پے گئی پھاہی — ویکھو نی کی کر گیا ماہی
(وُہ مجھ ہنستی کھیلتی کے گلے میں پھندا ڈال گیا۔ اے سکھیو دیکھو میرے پی نے میرے ساتھ کیا کیا)

گاڑی کا اینگلو انڈین گارڈ اجازت لے کر آپ کے ڈبہ میں بیٹھ گیا تھا۔ قوّالی سُنتا رہا۔ پنجابی کلام کا مطلب تو نہ سمجھ سکا مگر حضرتؒ کی کیفیّت کے رُوحانی اثر سے بیخود ہو کر روتا رہا اور کہنے لگا "جی چاہتا ہے انسان سب کچھ چھوڑ کر پیر صاحب

کے قدموں میں زندگی گزار دے۔"

اجمیر شریف کے قوّال کا واقعہ

اجمیر شریف کے ایک قوّال نے ایک موقعہ پر مشہور عربی نعت

اَلصُّبْحُ بَدَا مِنْ طَلْعَتِہٖ وَاللَّیْلُ دَجٰی مِنْ وَفْرَتِہٖ

سُنائی تو حضرتؒ نے اُسے قیمتی چُغے، کمبل اور قالین بخش دیے اور جب کمرہ میں ان سے بہتر کوئی چیز باقی نہ رہی تو اصطبل کے گھوڑوں تک نوبت جا پہنچی۔ کہتے ہیں کہ اُس روز آپ پر ایسی وجدانی کیفیت طاری ہُوئی کہ ہاتھ پاؤں ٹیڑھے ہو کر بالکل سُکر کی سی حالت پیدا ہو گئی تھی۔

ہندو جوگی کا قبولِ اسلام

موضع پنڈی سید پُور، تھانہ جلال پُور شریف ضلع جہلم کا ایک ہندو جوگی، لدھا رام نامی، سِدھ پُور کے مقام پر حاضرِ خدمت ہوا اور قوالی سُنتا رہا۔ پھر سوال کیا کہ یہ سب تو رنگ ہے، بے رنگ کیا ہے؟ حضرتؒ نے فرمایا تم نے عقلمندی کی بات کہی ہے۔ میں بتاتا ہُوں کہ رنگ، بے رنگ کیا ہے۔ پھر آپ نے ہندی زبان کا یہ کبت پڑھا ؎

حد ٹپے تے اولیار، بے حد ٹپے تو پیر
حد، بے حد دوہیں لنگھے، اُس کا نام فقیر

جوگی یہ پُر اسرار کلام سُن کر پہلے رو پڑا۔ پھر کہنے لگا، حد، بیحد دونوں پھلانگ جائے تو حضرت محمد صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) کا غُلام ہو جائے۔ اور کچھ عرصہ بعد اپنے کئی چیلوں سمیت مُسلمان ہو گیا۔ حضرتؒ نے اُسے قبولِ اسلام کے بعد درُود شریف کا وظیفہ بتلایا۔

آپؒ کی وجدانی کیفیات کے بعض واقعات

حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کی وجدانی کیفیّات بالعموم سجدۂ عبودیّت کی معراج المومنین پر منتج ہوتی تھیں۔ اور یہ سجدے اکثر اوقات اپنی طوالت میں سحر تک جا پہنچتے تھے۔ اعراس اور دیگر مجالس کی قوّالی میں رقّت، حالتِ سُکر اور قیام کی بھی روایتیں ملتی ہیں۔ لیکن جُوں جُوں فنائے کامل اور مشاہدہ کے اعلیٰ ترین مقامات قریب سے قریب تر ہوتے گئے۔ وجد کی کیفیّت میں سکون پیدا ہوتا گیا۔ آخری ایّام میں وجد کی علامت یہ رہ گئی تھی کہ داہنے ہاتھ کو حرکت میں لا کر ایک دو بار جھٹک دیا کرتے اور اُس روز اکثر ایسا ہوتا کہ جو شخص مصافحہ کرتا یا بیعت سے مشرف ہوتا اُس پر رقّت طاری ہو جاتی۔ ایک بار پاک پتن شریف میں وجدانی کیفیت طاری ہو کر کئی روز تک قائم رہی حتیٰ کہ واپسی کے دَوران لاہور میں بھی جس کسی نے مصافحہ کر کے ہاتھ چھُوا بے اختیار روتا رہا۔ اس وجد کے چشم دید حالات یہ بیان کیے جاتے ہیں کہ آپ کی جائے قیام "موتی محل" میں صُبح کے وقت مجلسِ قوّالی منعقد ہُوئی۔ حافظؒ کے مندرجہ ذیل شعر پر وجد کے آثار نمایاں ہُوئے ؎

شبِ تاریک و بیمِ موج و گردابے چنیں حائل کُجا دانند حالِ ما سُبک ساران ساحلہا

قوال صاحبان نے اس شعر کی تکرار کے ساتھ ساتھ اس کا یہ پنجابی ترجمہ بھی دُہرایا۔

رات اندھیری گھمن گھیری دریا ٹھاٹھاں مارے
اوہ کی جانن سارا ساڈا جیہڑے رہن کنارے

حضرتؒ بحالتِ وجد اُٹھ کھڑے ہُوئے اور مجلس میں ایک کہرام برپا ہو گیا۔ اس عمارت کے دُوسرے کمروں اور گیلریوں میں جو حضرات مُقیم تھے وُہ بھی اپنی اپنی جگہ پر تڑپنے لگ گئے۔ قاری عبدُالرحمٰن جونپوریؒ و مولوی محبوبؒ عالم نے حضرتؒ کی کمر تھام رکھی تھی۔ اور خود بھی نالہ و فریاد کُناں تھے۔ پشاور کے حاجی عبدُالکریم سیٹھی چیختے چلّاتے ہال کمرے کے کبھی اِس سِرے پر جاتے اور کبھی اُس سرے پر۔ اِن کے بعض پشاوری ساتھی، ساتھ والے کمرے میں بستروں کے ڈھیر پر پڑے تھے وُہ وہیں لوٹنے لگے۔ پھر یہ لہر بسُرعت تمام محلّے کی دیگر عمارات تک جا پہنچی۔ جو بھی شور سُن کر موتی محل کی طرف رُخ کرتا بے اختیار گریہ وزاری کرنے لگ جاتا حضرت دیوان سید محمدؒ سجادہ نشین پاک پتن شریف اپنے کمرہ سے باہر نکل آئے اور دریافتِ حال کے لیے ایک خادم کو بھیجا لیکن وُہ بھی وجد کرنے لگ گیا۔ دیوان صاحب فرماتے تھے کہ اُس روز واقعی پاک پتن کے در و دیوار حرکت میں معلوم ہوتے تھے جس سے مجھے اُن کتابی روایات کا خیال آیا کہ قطبِ وقت کے وجد میں آنے پر ہر شئے پر وجد طاری ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جناب غوث الاعظمؒ کے متعلق "اقتباسُ الانوار" وغیرہ کُتب میں تحریر ہے کہ جس رات آپؓ نے حضرت خواجہ غریبؒ نواز اجمیری کی میزبانی میں مجلسِ سماع منعقد کرائی اور حضرت غریبؒ نواز پر وجد طاری ہوا تو سیدنا غوث الاعظمؓ نے عصائے مُبارک زمین میں گاڑ کر مضبوطی سے تھام لیا کہ قطبِ وقت وجد میں ہے مبادا زمین میں زلزلہ آجائے۔

حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کو ایک مرتبہ پاک پتن شریف میں ہچکی کا دَورہ ہوا۔ اور باوجود علاج کے کوئی افاقہ نہ ہوا۔ تقریباً ایک ماہ تک یہی کیفیت رہی۔ آخر دیوان صاحبؒ سے بمشکل اجازت لے کر واپس روانہ ہُوئے۔ اثنائے سفر نواب زادگانِ قصور کے اصرار پر اُن کے ہاں قیام فرمایا۔ جہاں اُنہوں نے جناب بابوجی مدظلہٗ کے ایماء پر حضرت بابا بُلھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے قوالوں کو بُلوا کر بدیں خیال قوالی شروع کرا دی کہ شاید حضرتؒ کی طبع مُبارک اُدھر متوجہ ہو کر قدرے سنبھل جائے۔ اُن ایام میں آپؒ نے سماع ترک کیا ہُوا تھا جب قوال حاضر ہوئے تو فرمایا، یہ کیا ہے۔ نواب زادہ فتح باز خان نے عرض کی "غریب نواز، لوگ کیسے جانیں گے کہ یہاں کوئی چشتی بزرگ بھی تشریف لائے ہیں" اور قوالوں کو اشارہ کیا کہ اپنا کام شروع کریں۔ میاں دھنا طبلچی خُود ایک صاحبِ دل انسان تھا جو قوالی کرتے ہُوئے وجد میں آجاتا تھا۔ نواب زادہ فتح باز خان نے روپوں کی ایک تھیلی حضرتؒ کے پلنگ پر اُلٹ دی اور آپؒ روپے اُٹھا کر قوالوں کو دیتے رہے جب بابا بُلھے شاہؒ کی یہ کافی شروع ہُوئی۔

میں نا نہہ مُڑدا عشق دیوانہ شوہ نال پیتاں لائیاں نی

تو آپ پر وجدانی آثار نمایاں ہوئے اور ہچکی بند ہو گئی۔ کوئی دو بجے رات تک قوالی ہوتی رہی۔ میاں دھنا طبلچی کی اُنگلیوں سے خُون بہنے لگ گیا۔ فجر کی نماز کے بعد حضرتؒ نے فرمایا کہ میں نے قوالی سُننا ترک کر رکھا تھا۔ مگر آج رات اِس سے مجھے دو فائدے ہُوئے۔ ایک یہ کہ میری بیماری دُھواں بن کر میری ناک کی راہ سے خارج ہو گئی اور دُوسرے فجر کی سُنتیں پڑھنے کے بعد حضرت بُلھے شاہؒ اور اُن کے شیخ حضرت شاہ عنایت سفید لباس میں تشریف لائے اور زیارت سے ممنون فرمایا۔ اُس روز آپؒ قصور میں بابا بُلھے شاہؒ کے مزار پر اور لاہور آکر حضرت شاہ عنایتؒ کے مزار پر زیارت و فاتحہ خوانی کے لیے تشریف لے گئے۔ بعد ازاں جب اس بیماری کے متعلق حضرت صاحبزادہ محمود تونسوی کا عیادت نامہ آیا تو جواب میں حضرتؒ نے یہ شعر ارشاد فرمایا ؎

آنا یہ ہچکیوں کا مجھے بے سبب نہیں
بُھولے سے اُس نے یاد کیا ہو عجب نہیں

حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہ گاہے گاہے تخلیہ میں شغلِ سماع کر لیا کرتے تھے۔ ورنہ عام طور پر وظائف و اشغال کی کثرت اور زائرین کے ارشاد و افادہ کی مصروفیّت کے باعث اس کی فرصت ہی نہ ملتی تھی۔ اِن اشغال میں روزانہ پندرہ سے اٹھارہ ہزار تک اسمِ ذات کا وِرد اور اکثر اوقات کتابوں کی درس و تدریس بھی شامل ہوتے تھے۔ ذوقِ عالی کا انداز فقط رسمی سماع، حُسنِ صَوت اور رنگِ سخن ہی کا پابند نہ تھا، بلکہ اکثر روزمرہ کی باتوں میں سے محض کوئی نکتہ یا لفظ ہی عشقِ سرمدی کے ساز کو چھیڑنے کے لیے مِضراب کا کام کر جاتا اور آپ کی طبیعت پر عجیب کیفیّت طاری ہو جاتی جس کا مظاہرہ مختلف صُورتوں میں ہوتا۔

جب آپ کے اکلوتے صاحبزادہ کی پیدائش پر ایک خادم نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اچانک عرض کی "حضرت مُبارک ہو"، تو آپؒ نے اپنے دائمی شغل سے لفظ مُبارک کی کیفیّت میں چونک کر فرمایا "خیر مُبارک۔ کیا ہوا"۔ خادم نے عرض کی اللہ تعالیٰ نے آپ کو فرزندِ ارجمند عطا فرمایا ہے۔ آپ نے الحمد للہ کہہ کر آہِ سرد کے ساتھ فرمایا کہ تمہارے اِس مُبارک کے لفظ سے میں سمجھا تھا کہ مجھے خدا مِل گیا ہے۔

۲۱-۱۹۲۰ء کا ذکر ہے ایک روز عصر کے بعد مسجد سے مہمان رُخصت ہو رہے تھے کہ کسی نے موت کا ذِکر کیا۔ آپ پر کیفیت طاری ہو گئی۔ ایک لمبی ٹھنڈی سانس لی اور حسرت بھرے لہجے میں فرمایا "ابھی یہ نعمت کہاں"۔

ع شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

قصبہ گولڑہ میں ایک رات شادی کے موقعہ پر لڑکیوں نے پنجابی زبان میں گیت گاتے ہُوئے یہ شعر پڑھا ؂

اُچی ڈھگی گھر سامنے میری ڈاڈھے نال پریت
ناں توڑی، ناں توڑساں، ناں توڑن دی رِیت

گرمیوں کا موسم تھا۔ آپ بالا خانہ کی چھت پر شغل و ذکرِ الٰہی میں محو تھے کہ یہ شعر سُن کر وجد ہو گیا۔ شادی والے گھر میں خبر پہنچی تو لڑکیاں رات گئے تک اسی شعر کی تکرار کرتی رہیں۔ جب آپ نے دُعا دے کر منع فرما بھیجا تو اُنہوں نے گانا بند کیا۔

جناب بابُوجی قبلہ مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ حضرتؒ کا سماع کوئی باقاعدہ اور مُعتاد طریق پر نہ تھا۔ کبھی اِتّفاق سے کہیں کوئی شعر سُننے میں آ جاتا اور وجدانی کیفیت پیدا ہو جاتی تو حافظ نور محمد وغیرہ قوّالانِ حاضر کو ارشاد فرما کر اُس شعر کی تکرار کراتے۔ یہاں تک کہ کبھی کبھی یہ سِلسلہ کئی کئی روز تک جاری رہتا۔ ایک مرتبہ مندرجہ ذیل شعر پر آپ کو متواتر تین دِن تک کیفیت رہی ؂

نہ محلِ گفتگو ہے نہ مقامِ جُستجو ہے
دلِ بے نوا نے میرے جہاں چھاؤنی ہے چھائی

ایک دفعہ رحمانی باغ علاقہ سرگودھا میں بارش کے لیے دُعا کی اِستدعا پر قوّالوں کو ایک خاص انداز میں غزل سُنانے کو فرمایا۔ مطلع یہ تھا ؂

تُرکِ من اَے مہ غلامِ رُوئے تو
جملہ تُرکانِ جہاں ہندوئے تو

مقطع تک پہنچتے پہنچتے بادل آنے شروع ہو گئے۔ اور اللہ تعالیٰ کی عنایت سے بارش ہو گئی۔ اِس غزل کے دَوران آپ

نے یہ شعر بھی پڑھنے کو فرمایا تھا ؎

لیے پھرتی ہے بلبل چونچ میں گل
شہیدِ ناز کی تربت کہاں ہے

ایک اور مرتبہ کا ذکر ہے کہ حافظ نور محمد قوال اجازت لے کر اپنے گاؤں جا رہا تھا۔ آپ بالاخانے کی چھت پر تشریف فرما تھے۔ فرمایا، جاتے ہوئے اُس ڈھوک کے پاس بلندی پر کھڑے ہو کر فلاں دوہڑا الاپتے جانا۔ وُہ تو دو چار مرتبہ وہی دوہڑا الاپ کر چلتا بنا مگر یہاں آپ کو پہلے ہی بول پر وجد ہو گیا تھا اور اس حالت میں سخنِ پسندیدہ و مطلوبہ کا تکرار نہ پا کر طبیعت میں ایسا انقباض ہوا کہ غشی کے قریب تک نوبت جا پہنچی۔ جب قدرے افاقہ ہوا تو خدام میں سے کسی نے کہہ دیا کہ حافظ بے مزا کر گیا ہے۔ آپؒ کی زبان مبارک سے نکل گیا کہ وُہ بھی بے مزہ ہو گا۔ حافظ جب گاؤں پہنچا تو اُس کی بیوی اچانک مرضِ جنوں میں مبتلا ہو گئی۔ حاضر ہو کر کئی مرتبہ دُعا کروا تا رہا، مگر کوئی افاقہ نہ ہوا۔ آخر مریضہ کو بوجہ غلبۂ مرض رسیوں سے باندھ کر گولڑہ شریف لے آیا۔ دو خورد سال بچے بھی روتے ہوئے ساتھ تھے۔ آپ کو دیکھ کر بے حد رحم آیا اور دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے۔ اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ مریضہ اُسی وقت ہوش میں آ کر اپنے ننگے سر کو ہاتھوں سے ڈھانپنے اور اوڑھنی مانگنے لگ گئی۔ اس کے بعد عمر بھر اُسے وُہ تکلیف نہ ہوئی۔

یہی حافظ قوال بیان کرتا تھا کہ میرے ساتھ ستار بجانے والے ہمراہی کی بصارت بعارضہ موتیا بند جاتی رہی۔ میں نے حضرتؒ کی خدمت میں پیش کر کے دُعا کی استدعا کی۔ آپؒ نے فرمایا اِسے کہو کہ آج رات عشاء کی نماز کے بعد ستار پر "کونسیہ" بجا کر سُنائے۔ سردی کا موسم تھا عشاء کے بعد ہم دونوں، حضرتؒ کے برابر والے کمرہ میں جا بیٹھے۔ اور راگ "کونسیہ کا نہڑا" بجانا شروع کیا۔ آپ اپنے پلنگ پر تشریف فرما تھے اور حجرہ شریف کے دروازوں کے کواڑ بند کروا رکھے تھے۔ جب اِس سرودِ غمگین اور فراق آمیز کا نالۂ شب گیر عروج پر پہنچا تو اچانک ایسی آواز آئی جیسے کوئی چیز نیچے گری ہو۔ اور ساتھ ہی میرے ہمراہی کی آنکھیں روشن ہو گئیں۔ اُس کے ہاتھوں میں مارے خوشی کے رعشہ آ گیا اور آہستہ سے بولا۔ حافظ مجھے دِکھائی دینے لگ گیا ہے۔ میں نے تاکید کی کہ ساز کو بے سُرا نہ ہونے دینا اور خود کواڑ کی دراز سے جھانک کر اندر دیکھا تو آپؒ پلنگ کے برابر جائے نماز پر سجدہ میں پڑے تھے اور جیسے کہ اکثر وجد کے عالم میں آپؒ کو دیکھتے تھے، آپؒ کے گیسوئے مبارک بکھر رہے تھے۔ کچھ دیر بعد اندر سے ہی فرمایا کہ اب تم جاؤ۔

جنابِ دیوان غیاث الدین اجمیری کا واقعہ

ایک سال جناب دیوان غیاث الدین سجادہ نشین حضرت خواجہ غریب نواز اجمیریؒ مشائخ چشتؒ کی گدیوں کے دورہ پر نکلے اور نوبت بہ نوبت تونسہ شریف سے سیال شریف اور پھر گولڑہ شریف آئے۔ حضرت ثانی سیالویؒ نے ان کی تشریف آوری سے قبل حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کو مطلع فرما دیا تھا۔ ریل گاڑی، گولڑہ شریف اسٹیشن پر علی الصباح پہنچتی تھی۔ اور یہی وقت حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کے اوراد و اشغال کا ہوتا تھا۔ اِس لیے آپ نے علمائے آستانہ غوثیہ گولڑہ شریف کو استقبال کے لیے روانہ فرمایا جو بصد اعزاز و اکرام دیوان صاحب کو ریلوے اسٹیشن سے لے آئے۔ دیوان صاحب جوان سال اور نازک طبع تھے۔ حضرتؒ کے خود پیشوائی کے لیے نہ آنے کو محسوس کیا لیکن جب حضرتؒ وظائف سے فارغ ہو کر ملاقات کے لیے اُن کے کمرہ میں گئے تو آپ کو دیکھتے ہی دیوان صاحب کی شکر رنجی ادب و احترام میں

بدل گئی نیز آپ نے کچھ ایسے انداز میں خیر مقدم کے الفاظ ادا فرمائے اور دیرینہ تعلقات اور حضرت خواجہ غریب نواز کی عالمگیر نسبت کا ذکر کیا کہ دیوان صاحب کہنے لگے، مجھے آپ سے مِل کر سب سے زیادہ خوشی ہوئی ہے الحمدللہ کہ اس سلسلۂ عالیہ میں آپ جیسی ہستیاں بھی موجود ہیں۔

عُلمائے سرحد کے ساتھ سماع کے موضوع پر مناظرہ

دیوان صاحب گولڑہ شریف سے روانہ ہو کر گڑھی افغاناں علاقہ حسن ابدال میں چشتیہ سلیمانیہ سلسلہ کے سجادہ نشین میاں عبداللہ کے ہاں سے ہو کر پشاور تشریف لے گئے۔ پشاور میں بالعموم مشائخ و علماء کا تعلق سلسلۂ نقشبندیہ سے تھا اور گرد و نواح میں بڑے بڑے فقہا کے مراکز تھے۔ اِن حضرات نے دیوان صاحب کو قوالی کے موضوع پر مناظرہ کا چیلنج دیا اور جواب نہ ملنے پر تشدد کی دھمکیاں دینے لگے۔ اُس زمانہ میں سرحدی علاقہ صحیح معنوں میں یاغستان و سرزمینِ بے آئین کا حکم رکھتا تھا حضرتؒ نے دیوان صاحب کے گولڑہ شریف سے روانگی کے وقت اُن کے عزمِ پشاور کا معلوم ہونے پر اشارۃً و کنایۃً یہ کہہ کر اُدھر جانے سے روکنے کی بھی کوشش کی تھی کہ پٹھان لوگ سادہ لوح ہوتے ہیں اور مشائخ کے ادب و احترام کی تفاصیل سے آگاہ نہیں ہوتے لیکن دیوان صاحب کو جانے پر اصرار رہا۔ چنانچہ اب اِن حالات میں جب دیوان صاحب نے حضرتؒ کو اپنی امداد کے لیے بُلوا بھیجا تو پہلے تو آپ جانے کو تیار نہ ہوئے۔ مگر جب اُنہوں نے یہ لکھ بھیجا کہ آپ کو ہند الولیؒ کا واسطہ ضرور تشریف لائیے۔ میں تین روز سے عُلمائے سرحد کے نرغے میں گھرا ہوا ہوں۔ تو آپ تشریف لے گئے۔

کُفر و ایمان کی بحث

حضرت شیخ الجامعہؒ کی تحریر کے مطابق کوئی پچاس بڑے بڑے علما اپنے شاگردوں اور عقیدت مندوں کے ہمراہ کتابیں اُٹھائے دس بجے صبح دیوان صاحب کی قیام گاہ پر آ جمع ہوئے۔ یہاں تک کہ وسیع دالان میں بھیڑ لگ گئی۔ علما نے کہا۔ غنا یعنی سماع حرام ہے۔ آپ اِس کی اباحت یعنی جواز ثابت کیجیے۔ اور اپنے مسلک کی تائید میں فتاویٰ تاتارخانیہ اور فتاویٰ حمادیہ وغیرہ کی عبارات پیش کیں۔ جن سے غنا کی حُرمت اور سُننے والوں کا کُفر ثابت ہوتا تھا۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ اگر یہاں کُفر و ایمان کی بحث ہے تو پہلے توحید پر جو اصل الاصول ہے۔ اپنا ایمان ثابت کیجیے۔ لیکن قرآن سے باہر نہ جائیے گا۔ البتہ احادیث سے دلائل دے سکتے ہیں بشرطیکہ وہ بھی قرآن کریم کی تفسیر میں پیش کی جائیں۔ عُلمائے کرام نے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ پر اہلِ سُنّت والجماعت کا عقیدہ بیان کیا۔ حضرتؒ نے تسنّن میں اشاعرہ، ماتریدیہ، حنفیہ اور تشیع میں امامیہ، زیدیہ و معتزلہ کے عقائد کو باری باری بیان فرما کر ہر ایک کی تردید فرمائی۔ جب آپ پہلے ایک مذہب کو اپنا کر اُس کی تائید میں دلائل دیتے تو سب کہتے یہی حق ہے لیکن جب اُس کی تردید فرماتے تو بول اُٹھتے کہ واقعی یہ باطل ہے تین روز مسلسل یہی کیفیت رہی۔ چاشت سے ظہر تک مجلس رہتی اور آپ تقریر فرماتے رہتے۔ علومِ ربانی کا ایک بحرِ مواج و بیکراں تھا جس میں خصم یعنی مخالف و مُعترض کی کشتی بے بس ہو کر ڈانوا ڈول رہ گئی تھی۔ اِن لوگوں نے عُلمائے راسخین کی خطابت کا اِس قدر عظیم مظاہرہ پہلے کبھی نہ دیکھا اور نہ سُنا تھا اِس لیے مبہوت و حیرت زدہ ہو گئے۔ تیسرے روز آپ نے عُلمائے سرحد سے سوال

کیا کہ اب فرمائیے آپ کا مذہب کیا ہے؟ محلہ قاضی خیل کے جید عالم مولوی قدرت اللہ بولے کہ اگر سچ پوچھیں تو ہمارا مذہب وہی ہوگا جو آپ اختیار فرمائیں گے۔ حضرتؒ اِن کی بے بسی پر مسکرا دیئے اور فرمایا کہ اب جو مذہب اپنا کر میں بیان کروں گا اُس کی تردید ناممکن ہوگی۔ پھر قرآنِ حکیم کی روشنی میں علمائے راسخین و اولیائے کاملین اہلِ سُنّت کے عقیدۂ توحید کی وضاحت فرمائی۔ اشاعرہ، ماتریدیہ اور حنفی عقائد کے جزوی اختلافات کی توجیہات پیش کیں۔ اور حق کو ان کے بین بین قرار دیا۔ اِس ضمن میں وحی، رسالت، اجماع، اجتہاد اور تقلید پر بھی بحث فرمائی۔ اور جب آخر میں غنا اور قوالی کے مسئلہ پر کچھ فرمانے لگے تو حاضرین میں سے ایک بہت بڑے فقیہہ نے عرض کی کہ اس موضوع پر اب کچھ کہنے کی حاجت نہیں۔ ہمارے لیے یہی کافی ہے کہ آپ جیسا عالم ربانی اس کی اباحت اور جواز کا قائل ہے۔ اگرچہ اُس وقت حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کی یہ معرکۃ الآراء تقاریر محفوظ نہ کی جاسکیں مگر آپ کی تصنیفِ لطیف "تحقیق الحق" میں مسئلہ توحید کے وہ تمام پہلو واضح کر دیئے گئے ہیں جو وہاں زیرِ بحث آئے تھے۔ یہ کتاب اِس معرکہ کے کچھ عرصہ بعد جیسے کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے صوفی عبدالرحمٰن لکھنویؒ کے رسالہ "کلمۃ الحق" کے جواب میں منصۂ شہود پر آئی تھی۔ اِس کا سنِ تالیف ۱۳۱۵ھ مطابق ۹۸-۱۸۹۷ء عیسوی ہے۔

علماء کا سکوت اور دیوان صاحب کی رقت اور بیعت

مولینا محبوب عالم ہزاروی اور مولینا میر عبداللہ ساکن مکھن جو اِس معرکہ میں حضرتؒ کے ہمراہ تھے بیان کرتے تھے کہ حضرتؒ کی مفصّل و مدلّل تقاریر اور علمائے سرحد کے سکوت و عجز کی کیفیت دیکھ کر دیوان صاحب اجمیری پر رقت طاری ہوجاتی تھی اور وہ بے ساختہ بار بار پکار اُٹھتے تھے سُبحان اللہ۔ حضرت خواجہ غریب نوازؒ کا نور میری امداد کے لیے آگیا ہے۔ جب حضرتؒ کی آخری تقریر ختم ہوئی تو علماء اُٹھ اُٹھ کر مصافحہ کرنے لگے۔ ایک صاحب نے بیعت کی استدعا کی تو دیوان صاحب نے فرمایا کہ سب سے پہلے میرا حق ہے کہ میں بیعت ہولوں۔ اور بصد اصرار بر سرِ مجلس بیعت ہوئے۔ جب مولینا قاضی قدرت اللہ نے بیعت کی تو حضرتؒ نے فرمایا۔ قاضی صاحب، آج آپ مجھے ایک بڑا عالم سمجھ کر مجھ سے بیعت کر رہے ہیں۔ کل کوئی مجھ سے بھی بڑا عالم نظر آیا تو اُن سے بیعت کی خواہش تو نہ ہوگی؟ اُنہوں نے عرض کی کہ آج تک کہیں بیعت نہیں کی تھی نہ اپنے سے کسی بڑے عالم پر کبھی نظر ہی ٹکی۔ میں افغانستان سے خراسان تک پھرا ہوں مگر یہ کمال کہیں دکھائی نہیں دیا آپ کا علم لدنی ہے کسبی نہیں۔

قاضی صاحب بہت بڑے مفتی اور واعظ تھے۔ سرحد و افغانستان کے علاقوں میں ان کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ کئی بار امیر عبدالرحمٰن خان کی دعوت پر کابل بھی جاکر وعظ کہا۔ اُس نواح میں قاضی قدرو کے نام سے مشہور تھے۔

اِس کے بعد بیعت اور ارشاد کا یہ سلسلہ کئی روز تک جاری رہا۔ بخارا اور چینی ترکستان کے ساتھ تجارت کرنے والے مشہور پشاوری سوداگر حاجی کریم بخش سیٹھی اور اُن کا سب خاندان اِسی موقعہ پر حضرتؒ سے بیعت ہوئے۔

شیخ الجامعہ لکھتے ہیں کہ حاجی صاحب خود ایک عالم دین تھے۔ اور اِس مناظرہ کے وقت حاضرینِ مجلس سے تھے۔ حضرتؒ کے ایک مشہور نیاز مند مولوی گل فقیر پشاوری کی طالب علمی کا زمانہ تھا۔ وہ بھی ان مجالس میں موجود تھے۔ اور یہیں اُنہوں نے حضرتؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔ یہی وہ معرکہ تھا جس نے سب سے پہلے حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کو سرحد اور آزاد قبائل میں روشناس و متعارف کرایا۔ جہاں آج تک سینکڑوں علماء و اصفیاء اور ہزاروں عوام آپ کے دامن سے وابستہ چلے آتے ہیں۔

چوتھی فصل

قادیانیت پر ایک مختصر تبصرہ

مذہب اسلام کے دو بنیادی اصول اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر اعتقاد رکھنا ہیں۔ اسلام نے آکر بنی آدم کو بتایا کہ اصل مستحق عبادت، کون و مکان کا پروردگار اور مالک و حاکم صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے رسول ہیں۔ اور جو ضابطۂ حیات آپ نے دُنیا کے سامنے کتاب و وحی الٰہی کے ذریعہ پیش کیا وُہی صحیح اور درست ہے اور انسانوں پر لازم ہے کہ اپنی فلاح کے لیے اُس پر عمل کریں۔ تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں کے عروج ظاہری و باطنی کا راز ان دو بنیادی اصولوں پر عمل کرنے ہی میں مضمر تھا۔ مخالفین اسلام اس بات کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ چنانچہ مسلمانوں کو نیچا دکھانے کے لیے اُنہوں نے جو قدم اُٹھائے اُن میں سب سے پہلا انہی دو اصولوں کو ہدف بنانا تھا۔ پہلے اصُول کی مخالفت میں تو اُنہیں چنداں کامیابی حاصل نہ ہو سکی کیونکہ اس اصول کے متعلق تبلیغ اسلام کا اثر ہمہ گیر ہو چکا تھا اور انسانی ذہن اس حد تک نشو و نما پا چکا تھا کہ معبودانِ باطلہ اور معبودِ حقیقی میں تمیز کر سکے۔ اُسے معبودِ حقیقی پر ایمان رکھنے سے ہٹا کر معبودانِ باطلہ کی طرف لانا کوئی آسان کام نہ تھا۔ اندریں حالات مخالفین نے اپنی تمام تر کوششیں اس بات پر مرکوز کر دیں کہ اسلامی ایمان کے دُوسرے ستون یعنی رسالت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو متزلزل کیا جائے اور جو والہانہ محبت اور عقیدت مسلمانوں کو آپ کی ذاتِ مُبارک سے تھی اُس میں جس طرح بھی ہو سکے کمی کی جائے۔ اُن کا یہ خیال بھی تھا کہ اس محاذ پر کامیابی سے اُنہیں اوّل الذکر اصُول پر خود بخود کامرانی حاصل ہو جائے گی۔ کیونکہ دُنیا کو اُس اصُول سے متعارف آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی نے ہی کروایا تھا۔ اور آپ کی رسالت کے اصول سے متزلزل ہونا اور توحید کے اصُول سے ہٹ جانا گویا لازم و ملزُوم تھے۔ اس لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے فوراً بعد کاذب نبیوں کی ایک کثیر جماعت نے جزیرۂ عرب میں سر اُٹھایا۔ مگر خلیفۂ اوّل کے بروقت اور سخت اقدامات کی وجہ سے اُن سب کی سرکوبی ہوئی اور کوئی بھی اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اُس کے بعد اگرچہ انفرادی طور پر مدّعیانِ نبوّت پیدا ہوتے رہے مگر زمانہ پر کوئی معتدبہ اثر ڈالے بغیر دُنیا سے اُٹھ جاتے رہے منظّم طریقہ سے اس اصُول پر محاذ آرائی قریباً مفقوُد رہی تاآنکہ تیرھویں صدی ہجری میں مسلمانوں کا ظاہری و باطنی تنزل تیزی سے شرُوع ہُوا۔ اور اُس کے برعکس دُوسرے عقائد والی قومیں مادی لحاظ سے اُبھرنا شرُوع ہُوئیں اور رفتہ رفتہ تمام دُنیا پر چھا گئیں۔ اپنے اس ارتقا کی وجہ سے اُنہیں اسلام کے اصُولوں پر کاری ضرب لگانے کے مواقع میسّر آ گئے کیونکہ مادی انحطاط کے ساتھ ساتھ مُسلمان ذہنی انحطاط کا بھی شکار ہو چکے تھے اور مخالفین کو اپنے عزائم میں کامیاب ہونے کا اس سے بہتر موقعہ نہیں مل سکتا تھا۔

مُسلمانوں کے اِس دَورِ ابتلا میں سرزمین ہند میں حکومتِ برطانیہ کے زیرِ اثر اُس فتنہ نے سر اُٹھایا جس کے سدِ باب کے سلسلہ میں حضرت امداد اللہ مہاجر مکّی نے حضرت قبلۂ عالم کو عرب شریف کی سکونت اختیار کرنے سے منع فرمایا تھا اور کہا تھا کہ اگر آپ اپنے وطن میں خاموش بھی بیٹھے رہے تو بھی عُلمائے اُمّتِ مُسلمہ اس فتنہ میں مُبتلا ہونے سے محفُوظ رہیں گے۔ (اس کا ذکر باب چہارم میں

گزر چکا ہے)

یہاں پر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اُس فتنہ کے متعلق جو بعد میں "قادیانیت" اور "مرزائیت" کے نام سے مشہور ہوا، مختصر سا تبصرہ ہدیۂ ناظرین کیا جائے تاکہ اِس بات کا صحیح اندازہ ہو سکے کہ اِس فتنہ سے دُنیائے اِسلام کس درجہ کے ذہنی انتشار اور دینی تفرقہ کے خطرۂ عظیم سے دوچار ہُوئی، عُلمائے وقت نے اِس فتنہ کو فرو کرنے میں کتنا بڑا کارنامہ انجام دیا، اور اِس میں حضرتؒ کا کردار کتنا اہم اور عظیم الشان تھا۔

یہ تحریکِ قادیانیت حکومتِ برطانیہ کی سرپرستی میں شروع ہُوئی اور اس کا اصل مقصد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی رسالت کو نشانہ بنا کر مُسلمانوں کے دِلوں سے آپؐ کی قدر و منزلت کو نکالنا اور دینِ اسلام کے اِرشادات اور اُن کے مطالب میں اِس طرح کاردوبدل کرنا تھا کہ مخالفین کو اپنے عزائم کی تکمیل میں امداد مِل سکے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی رسالت کی ایک امتیازی خصُوصیت یہ تھی کہ آپؐ کے بعد رسالت کا سِلسلہ ختم کر دیا گیا تھا آپؐ مسلّمہ طور پر اللہ تعالٰے کے آخری نبی تھے اور آپؐ کی شریعت اِس دُنیا کے لِیے خُدا کی آخری شریعت تھی۔ اِس شریعت میں اتنی وسعت رکھی گئی تھی کہ قیامت تک کے لِیے پیش آنے والے اِنسانی مسائل کا حل اُس میں موجود تھا آپؐ کے آخری نبی ہونے کی خبر قرآنِ کریم میں نہایت وضاحت اور غیر مبہم الفاظ میں دی گئی ہے۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (احزاب۔ ۴۰)

محمد (صلی اللہ علیہ وسلّم) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن اللہ کے رسُول اور سب نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں۔

اور متعدد احادیثِ مُبارکہ سے اِس کی تائید ہوتی ہے۔ مثلاً صحیح مُسلم میں بروایت سعدؓ حدیثِ طویل کے ضمن میں مذکور ہے:۔

فقال له رسول الله صلی الله علیه وسلم أما ترضی ان تکون منی بمنزلة هارون الا انه لا نبوة بعدی

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے (حضرت علیؓ سے) فرمایا کیا تم اِس بات پر راضی نہیں ہو کہ میرے ساتھ ایسے ہو جیسے موسٰیؑ کے ساتھ ہارُون۔ لیکن (نبوّت کا لقب تمہیں نہیں مِل سکتا) میرے بعد نبوّت نہیں۔

مُسلمانوں کے سارے مکاتیبِ فکر ختمِ نبوّت کے مسئلہ پر اُس وقت تک کاملاً متفق تھے جب تک بانیٔ قادیانیت نے اپنے نبی ہونے کا دعوٰی نہیں کیا۔ اِس کی ابتدا بھی اُنہوں نے عجیب انداز میں کی۔ قرآن کریم میں حضرت عیسٰی علیہ السّلام کے حالات کے سِلسلہ میں یہ ذِکر ہے کہ اُن کو یہُودیوں نے سُولی پر چڑھا دیا اور یہ سمجھ لیا کہ وُہ وفات پا گئے مگر وُہ غلطی پر تھے کیونکہ اللہ تعالٰی نے اُنہیں زندہ آسمان پر اُٹھا لیا۔ یہ تذکرہ سُورۃ النّساء میں اِن الفاظ میں ہے:۔

وَقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۚ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ۚ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۙ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ○

(النّسا: ۱۵۷-۱۵۸)

اور وُہ کہتے ہیں ہم نے مسیح ابن مریم رسُول اللہ کو قتل کر دیا۔ حالانکہ اُنہوں نے نہیں قتل کیا اور نہ ہی صلیب چڑھایا مگر اُس کی شبیہ کو۔ اور جو اِس میں اختلاف کرتے ہیں، وُہ بھی بے خبر ہیں۔ اُن کے پاس سوائے ظن کے اور کوئی دلیل نہیں۔ اُنہوں نے ہرگز اُسے قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے اُسے اپنے پاس اُٹھا لیا اور خُدا غالب ہے حکمت والا۔

صحیح مسلم کی احادیثِ مقدسہ میں آثارِ قیامت کے بیان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے ارشادات موجود ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قیامت سے کچھ عرصہ پہلے دُنیا میں شرور و فسادات بے انتہا ہوں گے اور دجّال نامی ایک شخص کا ظہور ہوگا جو اپنے جادُو اور شیطانی قوتوں کی امداد سے ایک وسیع قطعۂ زمین پر قبضہ کرلے گا اور ایمان رکھنے والوں پر دائرۂ حیات تنگ کردیگا۔ اُس وقت حضرت عیسٰی علیہ السلام دمشق کے مشرق میں سفید مینارہ کے قریب آسمان سے اُتریں گے اس حال میں کہ آپ کے دونوں ہاتھ دو فرشتوں کے کندھوں پر ہوں گے۔ آپ آکر دجّال کو قتل کریں گے اور دُنیا میں اسلام، ایمان اور امن کا بول بالا کریں گے۔ اور پھر سات سال یہاں زندہ رہنے کے بعد وفات پاکر مدینہ شریف میں حرم پاک میں دفن ہوں گے۔ آپ کے ظہور سے پہلے بنی فاطمہؓ میں سے ایک شخص پیدا ہوگا جس کا نام محمدؐ ہوگا اور لقب مہدی۔ وُہ حضرت عیسٰے علیہ السلام کے ظہور کے وقت اُن کا استقبال کرے گا اور پہلی نماز یہ دونوں حضرات مل کر پڑھیں گے۔ اُس میں وُہ عیسٰی علیہ السلام کی قیادت میں دُنیا کو کفر و الحاد کے اثرات سے پاک کرنے میں امداد دے گا۔

چُونکہ اِن احادیثِ مُبارکہ میں صحیح سال کا تعین نہیں ہے اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد کئی ایسے لوگ پیدا ہُوئے جنہوں نے اپنے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا مگر قبل اِس کے کہ وُہ کسی عیسٰی کا استقبال کرتے وُہ خود اِس دُنیا سے اُٹھ جاتے رہے۔ بانیٔ قادیانیت نے اِن مُدعیان سے ذرا مختلف طریقہ اختیار کیا۔ سب سے پہلے اُنہوں نے عُلمائے سلف کے اِس عقیدہ کو غلط بتایا کہ عیسٰی علیہ السلام زندہ آسمان پر اُٹھائے گئے تھے اور وُہی پھر زمین پر واپس آئیں گے۔ اُن کے نظریہ کے مطابق عیسٰی علیہ السلام اپنے زمانہ میں ہی انتقال فرما گئے تھے اور قیامت سے پہلے ظاہر ہونے والا شخص محض مثیلِ مسیح ہوگا۔ اس نظریہ کی اشاعت کے ساتھ ہی اُسی مثیلِ مسیح ہونے کا دعویٰ کرکے خُود کو مسیح موعُود قرار دے دیا۔ اِس ابتدا سے وُہ ظلی نبوت کی طرف بڑھے اور بالآخر اپنے اصلی نبی ہونے کا اعلان کرکے اُمتِ مُسلمہ کے اِس اعتقاد پر ضرب لگائی جس سے وُہ تیرہ سو سال سے مکلّف تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خُدا کے آخری نبی ہیں اور آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

اَب مرزا صاحب کے اِس ارتقائے رُوحانی اور اُن کی تعلیمات کی تفصیل اجمالاً دی جاتی ہے۔

بانیٔ قادیانیت اور اُن کی ابتدائی زندگی

تحریکِ قادیانیت کے بانی کا نام مرزا غلام احمد تھا۔ وُہ برٹش انڈیا میں صُوبہ پنجاب کے ضلع گورداسپور کے موضع قادیان میں ۱۸۳۹ء میں پیدا ہُوئے۔ اُن کے والد کا نام غلام مُرتضٰے تھا جو سمرقندی مغل گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ اُن کا پیشہ طبابت اور زمینداری تھا۔ مرزا غلام احمد علُومِ مروجہ عربی، فارسی اور طِب کی تحصیل سے فارغ ہوکر ۱۸۶۴ء میں ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ کے دفتر میں بطور اہل مد قریباً چار سال ملازمت کرتے رہے۔ بعدہٗ ملازمت چھوڑ کر اپنے والدِ محترم کا ہاتھ بٹانا شروع کردیا۔ ساتھ ساتھ مذہبی کتب کا مطالعہ بھی جاری رکھا اور مذہبی مناظرات وغیرہ میں حصّہ لیتے رہے۔ جہاں تک معلوم ہو سکا ہے اُن کے آباؤ اجداد حنفی المذہب مُسلمان تھے اور خُود مرزا صاحب بھی اپنی اوائل زندگی میں اُنہی کے قدم بہ قدم چلتے رہے۔ ۱۸۷۹ء میں اُنہوں نے ایک اشتہار شائع کیا کہ میں ایک کتاب "براہینِ احمدیہ" لکھنے کا ارادہ رکھتا ہُوں جو پچاس جلدوں پر مشتمل ہوگی اور جس میں اسلام کی حقانیت اور دیگر مذاہب کی تردید میں قوی اور محکم عقلی دلائل پیش کیے جائیں گے۔ مُسلمانوں نے اس کتاب کی اشاعت کے لیے کثیر تعداد میں پیشگی قیمت بھیج کر معاونت کی لیکن ۱۸۸۰ء سے ۱۸۸۴ء تک مرزا صاحب نے اس کتاب کی صرف چار جلدیں شائع کرکے دعوے کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں

بذریعہ اِلہام اشاعتِ دین پر مامُور فرمایا ہے اَور وُہ اِس صدی کے مجدد ہیں۔ اِس لیے اِس کتاب کی مزید اشاعت بند کی جاتی ہے۔

۱۸۸٦ء میں مرزا صاحب نے اپنی دُوسری کتاب "سُرمۂ چشمِ آریہ" تصنیف کی اَور ہوشیارپُور میں آریہ سماجیوں کے ساتھ مناظرہ بھی کیا۔ اِس طرح ایک مُناظرِ اسلام اَور مُدعیِ اِلہام کی حیثیت سے شہرت حاصل کر کے انہوں نے اپنے گرد عقیدت مندوں کا ایک گروہ پیدا کیا جس میں حکیم نور دین شاہی طبیب ریاست جمّوں وکشمیر جیسے بارسُوخ مشیر ومعاون شامل تھے۔

مرزا صاحب کے اِبتدائی عقائد

اِس وقت تک مرزا صاحب کے عقائد وُہی تھے جو ایک صحیح العقیدہ سُنّی مُسلمان کے ہونے چاہئیں۔ وُہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے خاتم النّبیّین ہونے کے بھی اُسی قدر قائل تھے جیسے دیگر مُسلمان۔ اپنے اشتہاری اعلان مؤرخہ ۲۔ اکتوبر ۱۸۹۱ء (مندرجہ تبلیغ رسالت جلد دوم) میں اُنہوں نے لکھا:۔

"میں اُن تمام اُمور کا قائل ہُوں جو اِسلامی عقائد میں داخل ہیں۔ اَور جیسا کہ اہلِ سُنّت جماعت کا عقیدہ ہے اُن سب باتوں کو مانتا ہُوں جو قُرآن اَور حدیث کی رُو سے مُسلّم الثبوت ہیں۔ اَور سیّدنا و مولانا حضرت محمّد مُصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلّم ختم المرسلین کے بعد کسی دُوسرے مُدعی نبوّت اَور رسالت کو کاذب اَور کافر جانتا ہُوں۔ میرا یقین ہے کہ وحیِ رسالت آدم صفی اللہ سے شرُوع ہُوئی اَور جناب رسُول اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم پر ختم ہو گئی۔ ...... اِس میری تحریر پر ہر شخص گواہ رہے۔"

اِسی طرح اپنے مکتُوبِ عربی بنام مشائخ ہند مندرجہ "انجام آتھم" میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"میرا اِعتقاد یہ ہے کہ میرا کوئی دین بجز اِسلام کے نہیں اَور میں کوئی کتاب بجز قرآن کے نہیں رکھتا اَور میرا کوئی پیغمبر بجز محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کے نہیں جو خاتم النّبیّین ہیں جن پر خُدا نے بے شمار رحمتیں اَور برکتیں نازل کی ہیں اَور اُن کے دُشمنوں پر لعنت بھیجی ہے۔ گواہ رہ کہ میرا تمسّک قرآن شریف ہے اَور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی حدیث، جو چشمۂ حق و معرفت ہے، کی میں پیروی کرتا ہُوں اَور تمام باتوں کو قبول کرتا ہُوں جو کہ اُس خیر القرون میں باجماعِ صحابہؓ صحیح قرار پائی ہیں۔ نہ اُن پر کوئی زیادتی کرتا ہُوں نہ کمی۔ اَور اِسی اِعتقاد پر میں زندہ رہُوں گا اَور اِسی پر میرا خاتمہ اَور انجام ہو گا۔ اَور جو شخص ذرّہ بھر بھی شریعتِ محمّدیہ میں کمی بیشی کرے یا کسی اجماعی عقیدے کا اِنکار کرے اُس پر خُدا اَور فرشتوں اَور تمام اِنسانوں کی لعنت ہو۔" (ترجمہ)

اُن ایّام میں مرزا صاحب حضرت عیسٰی علیہ السّلام کے رفعِ آسمانی اَور نزُول کے عقیدہ پر بھی ایمان رکھتے تھے۔ جس پر براہینِ احمدیہ جلد چہارم" میں اُن کے یہ الفاظ شاہد ہیں:۔

"یہ آیت" هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ (فتح ـ ۲۸) (اللہ تعالیٰ وُہ ہے جس نے اپنے رسُول کو ہدایت دے کر اَور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اِس دین کو تمام دینوں پر غالب کر دے) سیاستِ مُلکی کے طور پر حضرت مسیحؑ کے حق میں پیشین گوئی ہے اَور جس غلبۂ کاملۂ دینِ اِسلام کا وعدہ دِیا گیا ہے وُہ غلبۂ مسیح کے ذریعہ ظہُور میں آئے گا۔ اَور جب حضرت مسیح علیہ السّلام دوبارہ

اِس دُنیا میں تشریف لائیں گے تو اُن کے ہاتھ سے دینِ اسلام جمیع آفاق و اقطار میں پھیل جائے گا......"

اُس دَور کے مُسلمانوں کی ذہنی کیفیّت

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد اپنی سیاسی بالادستی کھو دینے کی وجہ سے مُسلمان سخت ذہنی پریشانی اَور مایُوسی کا شکار ہو چکے تھے اَور اپنے اِس اِضمحلال سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لِیے ہر طرف منتظر آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ کب کوئی مردِ خُدا آن کر اُنہیں اس اِبتلا سے نجات دِلائے۔ اُس دَور کے مسلمان دانشور بھی احیائے قوم کے درد سے بےچین و بےقرار تھے مگر اُنہیں دوہری دُشواری کا سامنا تھا۔ ایک طرف تو اِنقلابِ زمانہ نے اُن سے دُنیوی حکومت اَور جاہ و جلال چھین لیا تھا۔ دُوسری طرف یورپ کا مادی اِنقلاب، جو انگریزوں کی وساطت سے ہندوستان پہنچ چکا تھا، اُن کی دینی اقدار کو پامال کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اُن کے خیال میں مادی انقلاب کو اپنانے کے بغیر اِن دونوں محاذوں پر مخالف طاقتوں سے نبرد آزما ہونا ممکن نہیں تھا۔ اِسی خیال کے زیرِ اثر سر سیّد احمد خان نے ایک نئی تحریک شروع کی جس کا مقصد مُسلمانوں کو مغربیّت کی نئی اقدار سے آشنا کرانا اَور انگریزی تعلیم و فنون میں مہارت حاصل کرانا تھا۔ اُن کی اِس تحریک کا مدار ملک کے نئے انگریز حاکم کو اپنانے کے خیال سے، مصلحتاً یا ارادۃً، زیادہ تر نیچریّت پر تھا۔

مثیلِ مسیح ہونے کا دعوےٰ

اِس تذبذب اَور اِضطراب کے زمانہ میں مُسلمانوں کے ذہن پر جو نفسیاتی کیفیّت طاری تھی مرزا صاحب کو اُن کے رفیق حکیم نُور دین نے اُس سے فائدہ اُٹھانے کا مشورہ دیا۔ اُن کا خیال تھا کہ اگر وُہ خود کو مثیلِ مسیح کا لبادہ اوڑھ کر قوم کے سامنے پیش کریں تو ساری قوم دل و جان سے اُن کا خیر مقدم کرے گی اَور وُہ احیائے مِلّت کے لِیے بہت بڑا کارنامہ سرانجام دے سکیں گے۔ مرزا صاحب نے اپنے مکتُوب محررہ ۲۴۔ جنوری ۱۸۹۱ء (مکتُوباتِ احمدیہ) میں حکیم نُور دین کو اِن الفاظ میں جواب دیا۔

"جو کچھ آں مخدُوم نے تحریر فرمایا ہے کہ اگر دمشقی حدیث کے مصداق کو علیحدہ چھوڑ کر الگ مثیلِ مسیح کا دعوےٰ کیا جائے تو اِس میں کیا ہرج ہے۔ درحقیقت اِس عاجز کو مثیلِ مسیح بننے کی کچھ حاجت نہیں۔ یہ بندہ چاہتا ہے کہ خدائے تعالےٰ اپنے عاجز اَور مطیع بندوں میں داخل کرے۔ ہم اِبتلاء سے کسی طرح بھاگ نہیں سکتے۔ خُدا تعالےٰ نے ترقیات کا ذریعہ صرف اِبتلا کو ہی رکھا ہے۔"

اِس جواب کے تھوڑا ہی عرصہ بعد مرزا صاحب نے حکیم نُور دین کے مشورہ پر عمل کرتے ہُوئے سب سے پہلے مثیلِ مسیح ہونے کا دعوےٰ کِیا جیسا کہ اُن کے اشتہار مندرجہ تبلیغ رسالت جلد دوم" مؤلّفہ میر قاسم علی قادیانی سے ظاہر ہے۔

"مجھے مسیح ابن مریم ہونے کا دعویٰ نہیں اَور نہ میں تناسخ کا قائل ہُوں بلکہ مجھے تو فقط مثیلِ مسیح ہونے کا دعویٰ ہے۔ جس طرح محدثیّت نبوّت سے مشابہ ہے اَیسا ہی میری رُوحانی حالت مسیح اِبنِ مریم کی رُوحانی حالت سے مشابہت رکھتی ہے۔"

اِسی طرح "ازالۃ الاوہام" میں تحریر فرماتے ہیں:-

"اِس عاجز نے جو مثیلِ مسیح ہونے کا دعویٰ کیا ہے اُس کو کم فہم لوگ مسیح موعُود خیال کر بیٹھے ہیں.... میں

نے ہرگز یہ دعویٰ نہیں کیا کہ میں مسیح ابن مریم ہوں ۔۔۔۔ میں مثیلِ مسیح ہوں یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعض رُوحانی خواص طبع اور عادات و اخلاق وغیرہ خدائے تعالیٰ نے میری فطرت میں بھی رکھے ہیں۔"

مثیلِ مسیح سے مسیح موعود

مرزا صاحب اپنے اس دعوئے مثیلِ مسیح پر زیادہ عرصہ قائم نہ رہے بلکہ اُس سے ایک قدم آگے بڑھے اور سب سے پہلے اپنی تین تصنیفات "فتح الاسلام"۔ "توضیح مرام" اور "ازالہ اوہام" میں "حیاتِ مسیح" کے عقیدہ کو غلط بتا کر "وفاتِ مسیح" کا اعلان کیا اور پھر اپنے مسیح موعود اور مہدی معہود ہونے کا اعلان ان الفاظ میں کیا:۔

"مسلمانوں اور عیسائیوں کا کسی قدر اختلاف کے ساتھ یہ خیال ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم اسی عنصری وجود سے آسمان کی طرف اُٹھائے گئے ہیں اور وہ کسی زمانہ میں آسمان سے اُتریں گے۔ میں اس خیال کا غلط ہونا اپنے اسی رسالہ میں لکھ چکا ہوں۔" ("توضیح مرام")

"اگر تم ایماندار ہو تو شکر کرو اور شکر کے سجدے بجالاؤ کہ وہ جس کا انتظار کرتے کرتے تمہارے آبا گذر گئے۔ اور بے شمار رُوحیں اُس کے شوق میں ہی سفر کر گئیں۔ وُہ وقت تم نے پالیا ۔۔۔۔ میں اس کو بار بار بیان کروں گا اور اس کے اظہار سے رُک نہیں سکتا کہ میں وُہی ہوں جو وقت پر اصلاحِ خلق کے لیے بھیجا گیا تا دین کو تازہ طور پر دلوں میں قائم کر دیا جائے میں اُسی طرح بھیجا گیا ہوں جس طرح وُہ شخص بعد کلیم اللہ مردِ خدا کے بھیجا گیا تھا جس کی رُوح ہیروڈیس کے عہدِ حکومت میں بہت تکلیف کے بعد آسمان پر اُٹھائی گئی۔ سو جب دُوسرا کلیم اللہ جو حقیقت میں سب سے پہلا اور سید الانبیاء ہے دُوسرے فرعونوں کی سرکوبی کے لیے آیا جس کے حق میں ہے۔ اِنَّآ اَرۡسَلۡنَآ اِلَیۡکُمۡ رَسُوۡلًا ۬ۙ شَاہِدًا عَلَیۡکُمۡ کَمَاۤ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ رَسُوۡلًا ؕ (ہم نے تمہاری طرف رسُول بھیجا ہے جو تم پر گواہ ہے جیسا کہ ہم نے فرعون کی طرف رسُول بھیجا تھا)۔ تو اُس کو بھی جو اپنی کارروائیوں میں کلیمِ اوّل کا مثیل مگر رُتبہ میں اُس سے بزرگ تر تھا ایک مثیل المسیح کا وعدہ دیا گیا اور وُہ مثیل المسیح قوت اور طبع اور خاصیت مسیح ابنِ مریم کی پا کر اُسی زمانہ کی مانند اور اُسی مدت کے قریب قریب جو کلیمِ اوّل کے زمانہ سے مسیح ابن مریمؑ کے زمانہ تک تھی یعنی چودھویں صدی میں آسمان سے اُترا اور وُہ اُترنا رُوحانی طور پر تھا جیسا کہ مکمل لوگوں کا صعوُد کے بعد خلق اللہ کی اصلاح کے لیے نزول ہوتا ہے، اور سب باتوں میں اُسی زمانہ کے ہم شکل زمانہ میں اُترا جو مسیح ابنِ مریمؑ کے اُترنے کا زمانہ تھا تا سمجھنے والوں کے لیے نشان ہو۔"
(فتح الاسلام)

"اور یہی عیسیٰ ہے جس کی انتظار تھی اور الہامی عبارتوں میں مریم اور عیسےٰ سے میں ہی مُراد ہوں میری نسبت ہی کہا گیا کہ ہم اُس کو نشان بنا دیں گے اور نیز کہا گیا کہ یہ وُہی عیسےٰ بن مریم ہے جو آنے والا تھا جس میں لوگ شک کرتے ہیں۔ اور یہی حق ہے اور آنے والا یہی ہے اور شک محض نافہمی ہے۔" ("کشتیِ نوح")

"مجھے اُس خدا کی قسم ہے جس نے مجھے بھیجا ہے اور جس پر افترا کرنا لعنتیوں کا کام ہے کہ اُس نے مسیح موعُود بنا کر مجھے بھیجا ہے۔" (اشتہار ایک غلطی کا ازالہ مندرجہ تبلیغ رسالت جلد دہم)

"میرا دعوےٰ یہ ہے کہ میں وُہ مسیح موعود ہُوں جس کے بارے میں خدائے تعالےٰ کی تمام پاک کتابوں میں پیش گوئیاں ہیں کہ وُہ آخری زمانہ میں ظاہر ہوگا۔" (تحفۂ گولڑویہ)

مشابہتِ مسیح کے دلائل

مرزا صاحب نے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام سے اپنی مشابہتِ تامّہ کے جو ثبُوت پیش کیے ہیں ذرا اُن کی شانِ دلالت بھی مُلاحظہ ہو:-

"یہ عاجز جو حضرت عیسیٰؑ بن مریمؑ کے رنگ میں بھیجا گیا ہے، بہت سے اُمُور میں حضرت عیسیٰؑ سے مشابہت رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ جیسے عیسیٰؑ کی پیدائش میں ایک نُدرت تھی، اِس عاجز کی پیدائش میں بھی ایک نُدرت ہے اُور وُہ یہ کہ میرے ساتھ ایک لڑکی پیدا ہُوئی تھی۔ اُور یہ امر انسانی پیدائش میں نادرات سے ہے کیونکہ اکثر ایک ہی بچّہ پیدا ہوتا ہے۔" (تحفۂ گولڑویہ)

"اِس اُمّت کے مسیح موعُود کے لیے ایک اُور مشابہت حضرت عیسیٰؑ سے ہے اُور وُہ یہ کہ حضرت مسیحؑ پُورے طور پر بنی اِسرائیل نہ تھے بلکہ صرف ماں کی وجہ سے اسرائیلی کہلاتے تھے۔ ایسا ہی اس عاجز کی بعض دادیاں سادات میں سے تھیں۔ اُور حضرت عیسیٰؑ کے لیے خُدا نے جو یہ پسند کیا کہ کوئی حضرت مسیحؑ کا باپ نہ تھا۔ اِس میں یہ بھید تھا کہ خُدائے تعالیٰ بنی اسرائیل کی کثرتِ گُناہوں کی وجہ سے اِن پر سخت ناراض تھا۔"

(مرزا صاحب کا لکچر بمقام سیالکوٹ)

"سو یقیناً سمجھو کہ نازل ہونے والا ابنِ مریمؑ ہے جس نے عیسیٰؑ بن مریمؑ کی طرح اپنے زمانہ میں کسی ایسے شیخ کو والدِ رُوحانی نہ پایا جو اس کی رُوحانی پیدائش کا مُوجب ٹھہرتا۔ تب خُدا تعالیٰ خود اِس کا متولّی ہُوا اُور تربیّت کی کنار میں لے لیا اُور اپنے بندے کا نام ابنِ مریمؑ رکھا۔ پس مثالی طور پر بھی عیسیٰؑ ابنِ مریمؑ ہے جو بغیر باپ کے پیدا ہُوا۔ کیا تم ثابت کرسکتے ہو کہ اِس کا کوئی والدِ رُوحانی ہے۔ کیا تم ثبوت دے سکتے ہو کہ تمہارے سلاسلِ اربع میں سے کسی سلسلے میں یہ داخل ہے؟ پھر اگر یہ ابنِ مریمؑ نہیں تو کون ہے؟" (ازالۂ اوہام)

"چودھویں خصُوصیّت یسُوع مسیح میں یہ تھی کہ وُہ باپ کے نہ ہونے کی وجہ سے بنی اِسرائیل میں سے نہ تھا مگر باں ہمہ مُوسوی سلسلہ کا آخری پیغمبر تھا جو مُوسیٰؑ کے بعد چودھویں صدی میں ہُوا۔ ایسا ہی میں بھی خاندانِ قریش میں سے نہیں ہُوں اُور چودھویں صدی میں مبعوث ہُوا ہُوں اُور سب سے آخر ہُوں۔" (تذکرۃ الشہادتین مصنّفہ مرزا غلام احمد قادیانی)

احادیثِ نزُولِ مسیح کی تاویل

اِن اعلانات کے بعد احادیثِ نزُولِ مسیح کے مختلف پہلوؤں کو اپنی ذات پر دُرست ثابت کرنے کے لیے مرزا صاحب نے اِستعارہ اُور تاویل سے کام لیا۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے "مُسلم" کی احادیث کے مُطابق مسیحِ موعُود کی تشریف آوری اِن حالات میں ہونی تھی۔

۱:- نُزُولُہٗ وَمَکَانُہٗ بِالشَّامِ بَلْ بِدَمِشْقَ حضرت عیسیٰؑ کا نزُول مُلکِ شام یعنی دمشق میں شرقی

عِنْدَ الْمَنَارَةِ الشَّرْقِيَّةِ مناره پر ہوگا۔

۲۔ عَلَيْهِ ثَوْبَانِ مُمَصَّرَانِ نزول کے وقت دو زرد رنگ کی چادریں پہن رکھی ہونگی۔

۳۔ مسلمانوں کا امام اُن سے نماز پڑھانے کی درخواست کرے گا تو فرمائیں گے اِمَامُكُمْ مِنْكُمْ (تمہارا امام نماز تم میں سے ہے) اور صحیح اور متواتر احادیث سے واضح ہے کہ یہ امام حضرت مہدی علیہ السلام ہوں گے، جو بنی فاطمہ رضؓ میں سے ہوں گے۔

مرزا صاحب نے ان شرائط کی تکمیل اپنی ذات کے متعلق اِن الفاظ میں کی :-

۱۔ "دمشق کے لفظ کی تاویل میں مجھ پر منجانب اللہ ظاہر کیا گیا ہے کہ اس جگہ ایسے قصبہ کا نام دمشق رکھا گیا ہے جس میں ایسے لوگ رہتے ہیں جو یزیدی الطبع اور یزید پلید کی عادات اور خیالات کے پیرو ہیں۔ اور اپنے نفس امارہ کے حکموں کے ایسے مطیع ہیں کہ مقدسوں اور پاکوں کا خون بھی اُن کی نظر میں سہل اور آسان ہے ..... اور کیونکہ طبیبوں کو بیماروں کی طرف آنا چاہیئے۔ اس لیے ضرور تھا کہ مسیحؑ ایسے ہی لوگوں میں نازل ہو۔ پس یہ مسیح کا دمشق میں اُترنا صاف دلالت کرتا ہے کہ کوئی مثیلِ مسیحؑ جو حسینؓ سے بھی بوجہ مشابہت اِن دونوں بزرگوں کے مماثلت رکھتا ہو، یزیدیوں کی تنبیہ اور ملزم کرنے کے لیے جو مثیلِ یہود ہیں اُترے گا" (ازالہ اوہام)

"دمشق اور قادیان ایک ہی عرض بلد میں واقع ہیں اور منارۃ الشرقیہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ قادیان جو دمشق کے شرق میں واقع ہے، منارۃ المسیح وہاں واقع ہوگا" (مرزا صاحب نے ایک منارہ کی بنیاد بھی رکھی مگر اس کی تکمیل سے پہلے ہی فوت ہو گئے۔ البتہ شام اور پنجاب کا اختلاف رفع نہ کر سکے کسی جگہ بھی اِس امر کا ثبوت نہیں ملتا کہ قادیان کے باشندگان نے کبھی کسی مقدس اور پاکباز مثیلِ حسینؓ ہستی کے قتل کا ارتکاب کیا ہو یا خود مرزا صاحب ہی پر قاتلانہ حملہ کیا ہو)

آگے چل کر مرزا صاحب اپنی مسجد کو مسجدِ اقصیٰ کا اور اپنی ذات کو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بدیں الفاظ مثیل ظاہر کرتے ہیں :-

"جیسا کہ سیرِ مکانی کے لحاظ سے خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد حرام سے بیت المقدس تک پہنچا دیا تھا ایسا ہی سیرِ زمانی کے لحاظ سے آنجنابؐ کو شوکتِ اسلام کے زمانہ سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ تھا، برکاتِ اسلامی کے زمانہ تک جو مسیح موعود کا زمانہ ہے پہنچا دیا۔ پس اس پہلو کی رُو سے اسلام کے انتہائی زمانہ تک جو آنحضرتؐ کا سیرِ کشفی ہے مسجدِ اقصیٰ سے مُراد مسیح موعود کی مسجد ہے، جو قادیان میں واقع ہے۔" (تذکرہ مجموعہ وحی مقدس)

۲۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دو زرد چادروں کے متعلق فرماتے ہیں :-

"میں ایک دائم المریض آدمی ہوں۔ اور وُہ دو چادریں جن کے متعلق حدیثوں میں ذکر آیا ہے کہ اِن دو چادروں میں مسیح نازل ہوگا وُہ دو زرد چادریں میرے شاملِ حال ہیں۔ جن کی تعبیر علمِ تعبیر الرؤیا کی رُو سے دو بیماریاں ہیں۔ سو ایک چادر میرے اُوپر کے حصّے میں ہے کہ ہمیشہ سر درد اور دورانِ سر اور کمی خواب اور تشنج دل کی بیماری دورہ کر آتی ہے۔ اور دُوسری چادر جو میرے نیچے کے بدن میں ہے وُہ بیماری ذیابطیس ہے کہ ایک مدت سے دامن گیر ہے۔ اور بسا اوقات سو سو دفعہ رات کو یا دن کو پیشاب آتا ہے۔ اور اس قدر

کثرتِ پیشاب سے جس قدر عوارض ضعف وغیرہ ہوتے ہیں وُہ سب میرے شاملِ حال ہیں"۔ (ضمیمہ اربعین نمبر ۳ و ۴)

۳۔ تیسری شرط کے متعلق مرزا صاحب نے اپنی کتاب "ایام الصلح" میں حضرت شیخ محمد اکرم چشتی صابری کی کتاب "اقتباس الانوار" میں سے لَا مَھْدِیَ اِلَّا عِیْسٰی کی ایک روایت لی جسے نہ صرف امام زرقانیؒ نے مردود روایت کیا ہے بلکہ خود کتاب متذکرہ کے مصنف بھی اِس روایت کو تحریر کر کے فرماتے ہیں :۔

"و این روایت بغایت ضعیف است زیراکہ اکثر احادیثِ صحیحہ متواترہ از حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم وُرود یافتہ کہ مہدیؑ از بنی فاطمہ خواہد بود و عیسٰیؑ بہ اُو اقتدا کردہ نماز خواہد گزارد و جمیع عارفان صاحب تمکین بر ایں متفق اند"۔

مرزا صاحب نے اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ کی تاویل یہ کی کہ حضرت عیسٰیؑ مسلمانوں میں ہی اپنا بروزی مثیل اختیار کر کے خود ہی امام بنیں گے اُور حدیث کے اِس مفہوم کی کوئی توجیہہ پیش نہ کی کہ مُسلمانوں کا امامِ صالح حضرت عیسٰیؑ سے نماز پڑھانے کی درخواست کرے گا تو آپ یہ کہہ کر انکار فرمائیں گے کہ اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ (تمہارا امام تم میں سے ہے) اسی طرح حضرت عیسٰیؑ اور امام مہدیؑ کی تشریف آوری کے متعلق اِن احادیث کی بقیہ مقتضیات یعنی قتلِ دجّال، غلبۂ اسلام، باطل دینوں کا خاتمہ، امام مہدی کا بنی فاطمہؓ سے ہونا اور کثرتِ مال کے جواب میں مرزا صاحب نے کہا کہ دجّال سے عیسائی پادریوں کا گروہ مُراد ہے جنہیں میں نے اپنی کتابوں میں بذریعہ دلائل قتل کر دیا ہے اُور میری تعلیم سے میرے وقت میں یا آئندہ میری جماعت کے ذریعہ ایک روز وُہ عالم گیر غلبۂ اسلام ضرور نمودار ہو گا جس کا اِن احادیث میں بطور پیش گوئی ذکر کیا گیا ہے۔ اُور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے خواب میں فرمایا ہے کہ تم میری اہل بیت سے ہو۔ کیونکہ میرے خاندان میں ہماری ایک دادی سادات بنی فاطمہؓ سے تھی۔ اِس کے ساتھ ہی مرزا صاحب کا ادّعا تھا کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مسیح ابن مریمؑ کے نزول اُور حضرت امام مہدیؑ کی جُداگانہ شخصیت اُور دجّال کے ایک شخص ہونے اُور بذریعہ تلوار حضرت مسیح کے ہاتھ سے قتل ہونے کا ذِکر فرمایا ہے تو ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے کشف کی تعبیر میں غلطی لگ گئی ہو۔ کیونکہ ضروری نہیں کہ مُستقبل کے واقعات کو نبی کا علم پُوری طرح احاطہ کر لے چنانچہ "ازالۂ اوہام" میں لکھتے ہیں :۔

"اسی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ آں حضرتؐ پر ابن مریمؑ اُور دجّال کی حقیقتِ کاملہ بوجہ نہ موجود ہونے کسی نمونہ کے مُوبمُو منکشف نہ ہُوئی ہو اُور نہ دجّال کے گدھے کی اصلی کیفیت کھُلی ہو اُور نہ یاجُوج ماجُوج کی عمیق تہہ تک وحی الٰہی نے اطلاع دی ہو اُور نہ دابۃ الارض کی ماہیت کَمَا ھِیَ ظاہر فرمائی گئی ہو"۔

مسیح موعُود سے نبوّت تک

مرزا صاحب اپنے مسیح موعُود ہونے کے دعوے پر قریباً دس سال قائم رہے اُور پھر ختمِ نبوّت کے معروف اسلامی نظریہ کو (جس کے وُہ خود بھی معتقد رہے تھے) غلط قرار دے کر نومبر ۱۹۰۱ء میں اپنی نبوّت کا اعلان کر دیا۔

اِس کی تقریب یہ ہُوئی کہ اگست ۱۹۰۱ء میں ایک روز مرزا صاحب کے خطیب مولوی عبدالکریم نے جُمعہ کے خُطبہ میں انہیں نبی و رسُول کہا۔ نماز کے بعد سیّد محمد احسن امروہی قادیانی خطیب صاحب سے جھگڑتے رہے۔ انہوں نے اگلے جمعہ میں پھر یہی الفاظ

دُہرائے اَور اِمرِدہی صاحب کے تیور پہچان کر نماز کے بعد مرزا صاحب کا دامن پکڑ لیا اَور کہا میں آپ کو نبی و رسُول مانتا ہوں، اگر میں غلطی پر ہُوں تو حضُور مجھے درُست فرمائیں۔ اِس پر مرزا صاحب مُڑ کر کھڑے ہو گئے اَور فرمایا "مولوی صاحب ہمارا بھی یہی مذہب اَور دعویٰ ہے جو آپ نے بیان کیا ہے۔" یہ سُن کر سیّد محمد احسن غصّہ میں بھرے ہُوئے واپس آگئے اَور مسجد کے اُوپر ٹہلنے لگ گئے۔ جب مولوی عبد الکریم وہاں پہنچے تو سیّد صاحب اُن سے لڑنے لگے۔ آوازیں بلند ہوئیں تو مرزا صاحب مکان سے نکل آئے اَور یہ آیت پڑھی۔ یَآ اَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَرۡفَعُوۡۤا اَصۡوَاتَکُمۡ فَوۡقَ صَوۡتِ النَّبِیِّ (مسلمانو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند نہ کرو)۔ (الفضل قادیان ۴ جنوری ۱۹۲۳ء و رسالہ فرقانِ قادیان بابت اکتوبر ۱۹۴۲ء)

مرزا صاحب ۱۸۹۱ء سے نبی کا لقب اِختیار کرنے میں مذبذب تھے۔ چُنانچہ "انجام آتھم" ۱۸۹۷ء میں لکھا تھا:۔

"اِلہامات میں میری نسبت بار بار بیان کیا گیا کہ یہ خُدا کا فرستادہ، خُدا کا مامُور، خُدا کا امین اَور خُدا کی طرف سے آیا ہے۔ جو کچھ کہتا ہے اُس پر ایمان لاؤ اَور اس کا دُشمن جہنّمی ہے۔"

یعنی اِس سے قبل "خُدا کا فرستادہ"۔ "مامُور"۔ "امین"۔ "مثیلِ مسیح"۔ "مہدیٔ معہود"۔ "مسیح موعود" کے القاب اِستعمال ہو رہے تھے مگر نبی و رسُول کہلانے میں مرزا صاحب کو تردّد تھا۔ اُس روز خطیب صاحب کی عقیدت نے ختمِ نبوّت کی فولادی دیوار کو بھی رستہ سے ہٹا دیا اَور مرزا صاحب نے زبان و قلم سے بصراحت نبوّت کا اعلان کرنا شروع کر دیا:۔

"میں اپنی نسبت نبی یا رسُول کے نام سے کیوں کر اِنکار کر سکتا ہُوں۔ اَور جب کہ خود خُدا تعالےٰ نے یہ نام میرے رکھّے ہیں تو میں کیوں کر ردّ کر دُوں یا کیوں کر اُس کے سوا کِسی سے ڈرُوں۔"

(ایک غلطی کا ازالہ، نومبر ۱۹۰۱ء)

"خُدا نے میرے ہزار ہا نشانوں سے میری وُہ تائید کی ہے کہ بہُت ہی کم نبی گذرے ہیں جن کی یہ تائید کی گئی۔ . . . اَور میں اُس خُدا کی قسم کھا کر کہتا ہُوں جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اُسی نے مجھے بھیجا ہے اَور اُسی نے میرا نام نبی رکھّا ہے۔ اَور اُسی نے مجھے مسیح موعُود کے نام سے پُکارا ہے اَور اُسی نے میری تصدیق کے لِیے بڑے بڑے نشان ظاہر کیے جو تین لاکھ تک پہنچتے ہیں۔"

(تتمہ حقیقت الوحی ۱۹۰۷ء)

ختمِ نبوّت کے خلاف انوکھے اِستدلال

مرزا صاحب نے "براہینِ احمدیہ" حصّہ چہارم اَور "ازالہ اَوہام" اَور "حمامۃ البُشریٰ" وغیرہ کتابوں میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نئے نبی کے آنے کو محال اَور وعدۂ الٰہی کے خلاف بتایا تھا۔ مگر جب اپنی نبوّت کے اثبات کی ضرورت پیدا ہُوئی تو اپنے سابقہ اقوال کی تردید میں ایسے اِستدلال لانے لگے جن سے اِسلامی ذہن کبھی دوچار نہ ہوا تھا۔ چنانچہ "براہینِ احمدیہ حصّہ پنجم" ۱۹۰۵ء میں لکھتے ہیں:۔

"ایسا نبی کیا عزت اَور کیا مرتبت اَور کیا تاثیر اَور کیا قوّتِ قُدسیہ اپنی ذات میں رکھتا ہے جس کی پیروی کا دعویٰ کرنے والے صرف اندھے اَور نابینا ہوں۔ اَور خُدا تعالیٰ اپنے مکالمات اَور مخاطبات سے اُن کی آنکھیں نہ

کھولے۔ یہ کس قدر لغو اور باطل عقیدہ ہے کہ ایسا خیال کیا جائے کہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وحی الٰہی کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہوگیا ہے اور آئندہ قیامت تک اس کی کوئی بھی اُمید نہیں۔ صرف قصّوں کی پوجا کرو۔ پس ایسا مذہب کچھ مذہب ہو سکتا ہے جس میں براہِ راست خدا تعالیٰ کا کچھ بھی پتہ نہیں لگتا۔ جو کچھ ہیں قصّے ہیں۔ اور کوئی اگر اُس کی راہ میں جان بھی فدا کرے۔ اُس کی رضا جوئی میں فنا ہو جائے۔ اور ہر ایک چیز پر اُس کو اختیار کرے تب بھی وُہ اُس پر اپنی شناخت کا دروازہ نہیں کھولتا اور مکالمات اور مخاطبات سے اُس کو مشرف نہیں کرتا ..... میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس زمانہ میں مجھ سے زیادہ بیزار ایسے مذہب سے اور کوئی نہ ہوگا۔ میں ایسے مذہب کا نام شیطانی مذہب رکھتا ہوں کہ ایسا مذہب جہنّم کی طرف لے جاتا ہے۔"

ظِلّی نبی

اپنے اِس دعوے کے بعد مرزا صاحب کچھ عرصہ تک اپنے آپ کو ظلّی نبی ظاہر کرتے رہے۔ اُن کے کہنے کے مُطابق اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے بعد نبوّت کا دروازہ کُھلا تھا مگر نبوّت صرف آپ کے فیضان سے ہی مل سکتی تھی نہ کہ براہِ راست جیسا کہ پہلے زمانہ میں ہوا کرتا تھا۔ اور خاتم النّبیّین کے معنی یہ تھے کہ آپ نبیوں کی مُہر ہیں اور آپ کی مُہر کے بغیر کسی کی نبوّت کی تصدیق نہیں ہو سکتی تھی۔ یعنی آپ کے بعد ایسے انبیاء پیدا ہوں گے جن کی نبوّت کی تصدیق آپ اپنی مُہر سے فرمائیں گے۔ ان انبیاء کی نبوّت کا معیار آپ کے نقشِ قدم پر چلنا اور آپ کی شریعت کو قائم کرنا ہوگا۔

مرزا صاحب کے صاحب زادے بشیر احمد صاحب نے اپنی تصنیف "کلمۃ الفصل" میں مرزا صاحب کی اس نبوّت کو یُوں بیان کیا ہے:۔

"یہ جو بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ظلّی نبوّت گھٹیا قسم کی نبوّت ہے، یہ محض نفس کا ایک دھوکا ہے.. میں نہیں سمجھ سکتا کہ کیوں بعض لوگ آپ کی (مرزا صاحب کی) نبوّت کو ناقص نبوّت سمجھتے ہیں۔ کیونکہ میں تو یہ دیکھتا ہوں کہ آپ (یعنی مرزا صاحب) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے بُروز ہونے کی وجہ سے ظلّی نبی تھے اور اس ظلّی نبوّت کا پایہ بہت بلند ہے۔"

ظلّی نبوّت سے مُستقل اور صاحبِ شریعت نبی

کچھ عرصہ اسی طرح ظلّی رہنے کے بعد مرزا صاحب آخر اُس منزل پر پہنچ گئے جس کے تصوّر سے کاملین بھی کانپتے تھے یعنی اُنہوں نے اپنے مستقل صاحبِ شریعت نبی اور خاتم النّبیّین ہونے کا دعوےٰ کر دیا اور اُن کے شبدیز قلم نے اُس ادب گاہ کو بھی پھلانگ جانے کی جسارت کی جس کے نزدیک پھٹکنے سے نہ صرف جبرئیل علیہ السّلام کے پَر جلتے تھے بلکہ مشائخ عظام کو آزادی سے سانس تک لینے کی جرأت نہ تھی ۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گُم کردہ می آید جنید و بایزیدؒ آں جا

اپنی کتاب ایک غلطی کا ازالہ میں مرزا صاحب نے لکھا:۔

"میں بارہا بتلا چکا ہوں کہ میں بموجب آیت "وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ" بروزی طور پر وہی خاتم الانبیاء ہوں اور خدا نے آج سے بیس برس پہلے میرا نام محمد اور احمد رکھا ہے اور مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی وجود قرار دیا ہے" ..... "پس جب کہ خدا تعالے کے نزدیک حضرت مسیح موعود کا وجود خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود ہے یعنی خدا کے دفتر میں حضرت مسیح موعود اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوئی دوئی یا مغایرت نہیں رکھتے بلکہ ایک ہی شان، ایک ہی مرتبہ، ایک ہی منصب اور ایک ہی نام رکھتے ہیں۔ گویا لفظوں میں باوجود دو ہونے کے ایک ہی ہیں۔ تو یہ کس قدر حق سے خروج ہو گا کہ حضرت مسیح موعود کے عین محمد ہونے سے انکار کریں۔" الفضل ۱۵/۹/۱۶

اپنی تصنیف حقیقت الوحی میں قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نازل ہوئی تھیں انہیں اپنی طرف منسوب کر کے اپنی ذات کو اُن کا مصداق ظاہر کیا:۔

۱۔ قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔ (آل عمران - ۳۱)

کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کریں گے۔

۲۔ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ۔ (انعام ۱۶۴)

اُس کا کوئی شریک نہیں۔ اور مجھ کو اُسی کا حکم ہوا ہے۔ اور میں سب ماننے والوں سے پہلا ہوں۔

۳۔ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى۔ (انفال - ۱۷)

اور آپ نے خاک کی مٹھی نہیں پھینکی مگر وہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی۔

۴۔ سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرٰى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصٰى۔ (بنی اسرائیل - ۱)

پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصٰی لے گئی۔

۵۔ وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعٰلَمِينَ۔ (انبیا - ۱۰۷)

اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر عالمین کے لیے رحمت بنا کر۔

۶۔ يٰسٓ ۝ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيمِ ۝ إِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ۝ عَلٰى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ (یٰسین ۱تا۴)

یٰسین۔ قسم ہے قرآن باحکمت کی کہ آپ پیغمبروں میں سے ہیں اور سیدھے راستے پر ہیں۔

۷۔ إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا ۝ لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ۔ (فتح ۱-۲)

بے شک ہم نے آپ کو فتح مبین عطا فرمائی ہے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کی اگلی پچھلی خطائیں معاف فرما دیں۔

۸۔ إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ (فتح - ۱۰)

بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں، وہ خدا سے کر رہے ہیں اللہ کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں پر ہے۔

۹۔ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدٰى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ۔ (فتح - ۲۸)

وہی اللہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس دین کو تمام دینوں پر غلبہ عطا فرمائے۔

۱۰- ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی۔ (النجم - ۸-۹)
پھر نزدیک ہُوا پھر اُتر آیا پس بقدر دو کمان کے یا زیادہ نزدیک تھا۔

۱۱- وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُہٗ اَحْمَدُ۔ (الصف - ۶)
میں بشارت دیتا ہوں ایک رسُول کی جو میرے بعد آنے والا ہے۔ اُس کا نام احمدؐ ہوگا۔

۱۲- اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَیْکُمْ رَسُوْلًا شَاھِدًا عَلَیْکُمْ کَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا۔ (المزمل - ۱۵)
بے شک ہم نے تمہاری طرف رسُول بھیجا ہے جو تم پر گواہی دے گا۔ جیسے ہم نے فرعون کی طرف رسُول بھیجا تھا۔

۱۳- اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ (کوثر - ۱)
بے شک ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمایا۔

اِن غیر مانُوس اَور بعید از حقائق اقوال کی تلخی کو اسلامی فکر و نظر کے لحاظ سے کم کرنے کے لیے یہ عُذر پیش کیا جاتا رہا کہ مرزا صاحب خود محمدؐ و احمدؐ ہیں۔ کوئی نبی اَور علیحدہ شخصیت نہیں ہیں۔ اِس انداز خیال کے چند نمُونے درج ذیل ہیں :-

"وُہ اپنی ذات سے نہیں بلکہ اپنے نبی کے سر چشمے سے لیتا ہے اَور نہ اپنے لیے بلکہ اُسی کے جلال کے لیے۔ اِسی لیے اُس کا نام آسمان پر محمدؐ اَور احمدؐ ہے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ محمدؐ کی نبوت آخر محمدؐ ہی کو ملی مگر بروزی طور پر مگر نہ کسی اَور کو۔" (ایک غلطی کا ازالہ)

"اَور جان لو کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم جیسا کہ پانچویں ہزار میں مبعُوث ہُوئے، ایسا ہی مسیح موعُود کی بروزی صُورت اختیار کر کے چھٹے ہزار کے آخر میں مبعُوث ہُوئے۔ پس جس نے اِن کا اِنکار کیا، اُس نے حق کا اَور نصِ قرآن کا اِنکار کیا۔ بلکہ حق یہ ہے کہ آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلّم کی رُوحانیت چھٹے ہزار کے آخیر میں یعنی اِن دِنوں میں بہ نسبت اُن سالوں کے اقویٰ اَور اکمل اَور اشد ہے بلکہ چودھویں رات کے چاند کی طرح ہے۔" (خُطبہ الہامیہ)

"جیسے کہ مومن کے لیے دُوسرے احکام الٰہی پر ایمان لانا فرض ہے۔ ایسا ہی اس بات پر بھی ایمان لانا فرض ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے دو بعث ہیں۔" (تحفہ گولڑویہ)

"مَنْ فَرَّقَ بَیْنِیْ وَبَیْنَ الْمُصْطَفٰی مَا عَرَفَنِیْ وَمَا رَاٰنِیْ۔" "جس نے میرے اَور محمدؐ مصطفیٰ کے درمیان فرق کیا اَور دونوں کو الگ الگ سمجھا، اُس نے نہ مجھے شناخت کیا اَور نہ پہچانا اَور نہ ہی دیکھا نہ سمجھا۔" (خُطبہ الہامیہ)

"پھر اسی کتاب (براہینِ احمدیہ) میں اس مکالمہ کے قریب ہی یہ وحی اللہ ہے۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ۔ اس وحیِ الٰہی میں میرا نام محمدؐ رکھا گیا ہے اَور رسُول بھی۔" (ایک غلطی کا ازالہ)

"ظلّ اپنے اصل سے علیحدہ نہیں ہوتا۔ اَور چُونکہ میں ظلّی طور پر محمدؐ ہُوں (صلی اللہ علیہ وسلّم) پس اِس طور سے خاتم النّبیین کی مُہر نہیں ٹُوٹی۔ کیونکہ محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلّم کی نبوت محمدؐ تک ہی محدُود رہی۔ یعنی بہر حال محمدؐ

صلی اللہ علیہ وسلّم ہی نبی رہا اور نہ کوئی۔ یعنی جب کہ میں بروزی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم ہوں۔ اور بروزی رنگ میں تمام کمالاتِ محمدی معہ نبوتِ محمدیہ کے میرے آئینہ ظلّیت میں منعکس ہیں تو پھر کون سا الگ اِنسان ہوا جس نے علیحدہ طور پر نبوّت کا دعویٰ کیا۔ بھلا اگر مجھے قبول نہیں کرتے تو یوں سمجھ لو کہ تمہاری حدیثوں میں لکھا ہے کہ مہدی موعود خَلق اور خُلق میں ہمرنگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم ہوگا اور اس کا اسم آنجناب کے اسم کے مطابق ہوگا یعنی اُس کا نام محمدؐ اور احمدؐ ہوگا۔ اور اُس کی اہل بیت میں ہوگا۔"

حاشیہ۔ یہ بات میرے اجداد کی تاریخ سے ثابت ہے کہ ایک دادی ہماری شریف خاندانِ سادات سے اور بنی فاطمہؓ میں سے تھی۔ اِس کی تصدیق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے بھی کی اور خواب میں مجھے فرمایا کہ سَلْمَانُ مِنَّا اَهْلَ الْبَيْتِ عَلٰى مَشْرَبِ الْحَسَنِ۔ میرا نام سلمان رکھا یعنی دو سلم، اور سلم عربی میں صلح کو کہتے ہیں یعنی مقدر ہے کہ دو صلح میرے ہاتھ پر ہوں گی۔ ایک اندرونی کہ جو اندرونی بُغض اور شحنا کو دُور کرے گی۔ دُوسری بیرونی کہ جو بیرونی عداوت کے وجود کو پامال کر کے اور اسلام کی عظمت دکھا کر، غیر مذہب والوں کو اِسلام کی طرف جُھکا دے گی معلوم ہوتا ہے کہ حدیث میں جو سلمان آیا ہے۔ اُس سے بھی مَیں مُراد ہُوں ورنہ اُس سلمان پر دو صُلح کی پیش گوئی صادق نہیں آتی اور مَیں خُدا سے وحی پا کر کہتا ہُوں کہ مَیں بنی فارس میں سے ہُوں اور بموجب اس حدیث کے جو کنز العمال میں درج ہے۔ بنی فارس بھی بنی اسرائیل اور اہل بیت میں سے ہیں۔ اور حضرت فاطمہؓ نے کشفی حالت میں اپنی ران پر میرا سر رکھا اور مجھے دکھایا کہ میں اس میں سے ہُوں۔ چنانچہ یہ کشف "براہینِ احمدیہ" میں موجود ہے۔" (ایک غلطی کا ازالہ)

مرزا صاحب کی وحی

مستقل نبوّت کا لبادہ اوڑھنے کے بعد یہ ضروری تھا کہ اُس کے دیگر لوازمات بھی سامنے لائے جاتے۔ چُنانچہ مرزا صاحب نے یہ بھی دعوےٰ کیا کہ اُن پر وحی نازل ہوتی ہے۔ "دُرِّثمین" جو مرزا صاحب کے کلام کا مجموعہ ہے، کے صفحہ ۲۸۷ پر اُن کی یہ نظم درج ہے:۔

آنچہ من بشنوم ز وحیِ خدا — بخدا پاک دانمش زِ خطا

(میں جو کچھ خُدا کی وحی سے سُنتا ہُوں۔ بخُدا اُسے خطا سے پاک جانتا ہُوں)

ہمچوں قرآں منزّہ اَش دانم — از خطاہا ہمیں ست ایمانم

(میں اُسے قرآن کی طرح خطا سے پاک سمجھتا ہُوں اور یہی میرا ایمان ہے)

بخُدا ہست ایں کلامِ مجید — از دہانِ خدائے پاک و وحید

(بخُدا یہ پاک کلام اللہ تعالےٰ کی پاک زبان سے نِکلا ہُوا ہے)

مرزا صاحب نے اپنی ایک اور کتاب "اربعین نمبر۴" میں لکھا:۔

"مجھے اپنی وحی پر ایسا ہی ایمان ہے جیسا کہ توریت اور انجیل اور قرآن پر۔"

ایک دُوسری کتاب "حقیقۃ الوحی" میں لکھا:۔

"میرے پاس آئیل آیا (اس جگہ آئیل خُدائے تعالےٰ نے جبرئیل کا نام رکھا ہے اس لیے کہ بار بار

رجوع کرتا ہے۔ حاشیہ) اور اُس نے مجھے چُن لیا اور اپنی انگلی کو گردش دی اور یہ اشارہ کیا کہ خدا کا وعدہ آگیا۔ پس مبارک وُہ جو اُس کو پاوے اور دیکھے" (ترجمہ) ... "اور خدا کا کلام اس قدر مجھ پر نازل ہوا ہے کہ اگر وُہ تمام لکھا جائے تو بیس جُزو سے کم نہیں ہو گا۔" (مرزا صاحب کے مجموعہ وحی والہامات کو اُن کے پیرو "الکتاب المبین" کے نام سے یاد کرتے ہیں)

مرزا صاحب کے الہامات

وحی سے کہیں زیادہ الہامات تھے جو مرزا صاحب نے اپنے دعاوی کے ثبوت میں پیش کیے۔ الہامات کی اقسام اور الہامات پانے والوں کی کیفیات کے متعلق "ازالہ اوہام" میں لکھا ہے:۔

"الہام رحمانی بھی ہوتا ہے شیطانی بھی۔ اور جب انسان اپنے نفس اور خیال کو دخل دے کر کسی بات کے انکشاف کے لیے بطور استخارہ واستخبار وغیرہ کے توجہ کرتا ہے۔ خاص کر اس حالت میں کہ جب اُس کے دل میں یہ تمنا مخفی ہوتی ہے کہ میری مرضی کے موافق کسی کی نسبت کوئی بُرا یا بھلا کلمہ بطور الہام مجھے معلوم ہو جائے تو شیطان اُس وقت اُس کی آرزو میں دخل دیتا ہے اور کوئی کلمہ اُس کی زبان پر جاری ہو جاتا ہے اور دراصل وُہ شیطانی کلمہ ہوتا ہے۔ یہ دخل کبھی انبیاء اور رسُولوں کی وحی میں بھی ہو جاتا ہے مگر وُہ بلا توقف نکالا جاتا ہے۔"

"میں نے بہت سے لوگ دیکھے ہیں جو ہر آواز کو جو اُنہیں آجائے الہام ہی سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ اضغاث و احلام ہی ہوتے ہیں ہم یہ نہیں کہتے کہ جو آوازیں اُنہیں سُنائی دیتی ہیں وُہ بناوٹی ہیں نہیں، اُن کو آوازیں آتی ہوں گی۔ مگر ہم ہر آواز کو خدائے تعالیٰ کی آواز قرار نہیں دے سکتے۔ جب تک اُس کے ساتھ وُہ انوار وبرکات نہ ہوں جو اللہ تعالیٰ کے پاک کلام کے ساتھ ہوتے ہیں ... جب تک اندرُونی نجاست اور گندگی دُور نہ ہو اور تقویٰ کی اعلیٰ درجہ کی صفائی حاصل نہ ہو اور اُس درجہ اور مقام پر انسان نہ پہنچ جائے جو دُنیا ایک مرے ہوئے کیڑے سے بھی حقیر اور ذلیل نظر آنے لگے اور اللہ تعالیٰ ہی ہر فعل اور قول میں مقصود ہو۔ اس مقام پر قدم نہیں پڑ سکتا جہاں پہنچ کر انسان اپنے اللہ کی آواز سُنتا ہے۔"

(مرزا غلام احمد قادیانی کا ارشاد مندرجہ اخبار "الحکم"۔ ۳۱ مارچ ۱۹۰۳ء)

اور "حقیقۃ الوحی" میں لکھا ہے:۔

"آسمانی نشانوں سے حصّہ لینے والے تین قسم کے آدمی ہوتے ہیں۔ اوّل وُہ جو کوئی ہُنر اپنے اندر نہیں رکھتے اور کوئی تعلق خدا تعالیٰ سے ان کا نہیں ہوتا۔ صرف دماغی مناسبت کی وجہ سے اُن کو بعض سچی خوابیں آجاتی ہیں اور سچے کشف ظاہر ہوتے ہیں۔

"پھر دُوسرے قسم کے خواب بین یا مُلہم وُہ لوگ ہیں جن کو خُدا تعالیٰ سے کسی قدر تعلق ہے مگر کامل تعلق نہیں — پھر تیسری قسم کے مُلہم وخواب بین وُہ لوگ ہیں جو شہوات نفسانیہ کا چولا آتش محبت الٰہیہ میں جلا دیتے ہیں اور خدائے تعالیٰ کے لیے تلخی کی زندگی اختیار کر لیتے ہیں۔

"خُدا تعالیٰ نے مجھے اس تیسرے درجے میں داخل کر کے وُہ نعمت بخشی ہے کہ جو میری کوشش سے

نہیں بلکہ شکمِ مادر میں ہی مجھے عطا کی گئی ہے۔"

مرزا صاحب کے الہامات اور عرفانِ الٰہی کے نمونے

اَب یہاں مرزا صاحب کے چند الہامات، پیش گوئیاں، رؤیا اور کشف بیان کیے جاتے ہیں:۔

مرزا صاحب نے اپنی کتاب "توضیح مرام" میں اُس ذاتِ پاک کے لیے جو لَیسَ کَمِثلِہٖ شَیئٌ ہے، تیندوے اور اُس کی تمثیل پیش کی ہے۔ "دافع البلاء" میں اپنا ایک کشف بیان کرتے ہیں۔ بَایَعَنِیْ رَبِّیْ (میرے رب نے میرے ساتھ بیعت کی)

آپ کا ایک الہام ہے:۔ "یَاشَمْسُ یَاقَمَرُ اَنْتَ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْکَ" (اے سُورج، اے چاند، تو مجھ سے ہے اور مَیں تجھ سے ہُوں)

ایک دُوسرا الہام ہے:۔ اَنْتَ مِنِّیْ بمنزلۃِ ولدی (تُو میرے لیے بیٹے کی طرح ہے)

ایک اَور الہام ہے:۔ اِنّی مع الرّسول اُجیبُ اُخطی و اُصیب (مَیں رسُول کے ساتھ ہُوں، جواب دیتا ہُوں، خطا بھی کرتا ہُوں اور صواب بھی)

"حقیقۃ الوحی" میں اس نہج کے اَور الہام بھی درج ہیں:۔

۱۔ یُتِمُّ اِسْمُكَ وَلَا یُتِمُّ اِسْمِیْ	اس کا ترجمہ یہ ہو سکتا ہے کہ تیرا نام کامل ہو گا میرا نہیں۔
۲۔ اِنّما امرُکَ اذا اردّت شیئًا ان تقول لہٗ کُنْ فیکُون۔	تیری وُہ شان ہے کہ اگر کسی چیز کا تو ارادہ کرے اور اُسے کہہ دے ہو جا تو وُہ ہو جائے گی۔
۳۔ اَنْتَ مِنْ مَاءِ نَا وَھُمْ مِنْ فشل	تُو ہمارے پانی سے ہے اور وُہ خشکی سے ہیں۔
۴۔ اَلْاَرْضُ وَالسَّمَاءُ مَعَكَ كَمَا ھُوَ مَعِیَ	زمین و آسمان تیرے ساتھ ہیں جیسا وُہ میرے ساتھ ہے

اِس میں عربی دانی کا کمال بھی اظہر من الشمس ہے۔ مگر مرزا صاحب کے ماننے والے تو یہی کہیں گے کہ یہ مرزا صاحب کی غلطیاں نہیں بلکہ اُن کے ملہم کی غلطیاں ہیں جس کی یہ زبان ہے۔ کیونکہ "اُخطی و اُصیب" یعنی خطا بھی کرتا ہُوں اور صواب بھی تو ملہم پہلے فرما ہی چکے ہیں۔

۵۔ اِسْمَع ولدی	اے میرے بیٹے بات سُن (البشریٰ جلد اوّل)
۶۔ یحمدكَ اللّٰهُ مِن عرشہٖ ویمشی الیك	اللہ تعالیٰ اپنے عرش سے تیری تعریف بیان کرتا ہے اور تیری طرف آتا ہے۔

۷۔ اور تو مجھ سے ایسا ہے جیسا میں ہی ظاہر ہو گیا یعنی تیرا ظہور بعینہٖ میرا ظہور ہے۔ (تذکرہ یعنی وحی مقدس)

۸۔ انا نبشرك بغلام مظھرُ الحقّ والعلیٰ کَاَنَّ اللّٰہَ نَزَلَ مِنَ السَّمَاءِ۔	ہم تجھے ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں جو حق اور بلندی کا مظہر ہو گا۔ گویا خُدا ہی آسمان سے اُتر آیا۔

(استفتاء مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی)

"حضرت مسیح موعُود نے ایک موقع پر اپنی حالت یہ ظاہر فرمائی ہے کہ کشف کی حالت آپ پر اس طرح

طاری ہوئی کہ گویا آپ عورت ہیں اور اللہ تعالیٰ نے رجولیت کی قوت کا اظہار فرمایا۔"

(ٹریکٹ نمبر ۳۴ اسلامی قربانی مصنفہ قاضی یار محمد قادیانی)

مرزا صاحب خود بھی فرماتے ہیں :-

"مریم کی طرح عیسیٰ کی رُوح مجھ میں نفخ کی گئی اور استعارہ کے رنگ میں مجھے حاملہ ٹھہرا دیا گیا۔ اور آخر کئی مہینے کے بعد جو دس مہینے سے زیادہ نہیں۔ بذریعہ اس الہام کے مجھے مریم سے عیسیٰ بنایا گیا۔ پس اس طور سے میں ابن مریم ٹھہرا۔"

(کشتی نُوح مصنفہ مرزا صاحب قادیانی)

"آئینہ کمالات" میں کہتے ہیں میں نے خواب میں دیکھا کہ میں اللہ تعالیٰ کا عین ہُوں اور یقین کر لیا کہ میں واقعی اللہ ہُوں اور پھر میں نے آسمان بنایا اور زمین بنائی۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ میں نماز پڑھوں گا اور روزہ رکھوں گا۔ جاگتا ہُوں اور سوتا ہُوں۔ (البشریٰ جلد دوم)

۲۔ خُدا نے فرمایا میں بھی روزہ رکھوں گا اور افطار بھی کرُوں گا۔ (تبلیغ رسالت جلد دہم)

۳۔ الہام ہُوا، خُدا قادیان میں نازل ہو گا۔ (البشریٰ جلد اوّل)

۴۔ سچا خُدا وہی ہے جس نے قادیان میں اپنا رسُول بھیجا۔ (دافع البلاءٔ)

۵۔ الہام ہُوا: تیری خبر قرآن و حدیث میں موجُود ہے اور تُو ہی اس آیت کا مصداق ہے ھوالذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہٗ علی الدین کلہ (اعجاز احمدی)

۶۔ "اربعین نمبر ۴" میں بابو الٰہی بخش کے متعلق یہ الہام درج ہے :-

"بابُو الٰہی بخش چاہتا ہے کہ تیرا حیض دیکھے یا کسی پلیدی اور ناپاکی پر اطلاع پائے مگر خُدا تعالیٰ تجھے اپنے انعامات دِکھلائے گا جو متواتر ہوں گے تجھ میں وُہ حیض نہیں بلکہ وُہ بچہ ہو گیا، ایسا بچہ جو بمنزلہ اطفال اللہ کے ہے۔"

۷۔ میں نے دیکھا کہ میں ایک جنگل میں ہُوں اور میرے اِرد گرد بہت سے درندے، بندر اور سُؤر وغیرہ ہیں اور اس سے استدلال یہ کیا کہ یہ احمدی جماعت کے لوگ ہیں۔

(بحوالہ قادیانی اخبار "پیغام صلح"۔ لاہور۔ اپریل ۱۹۳۴ء)

۸۔ مرزا صاحب نے اپنا ایک رؤیا بیان کیا کہ میں نے دیکھا ایک بلّی ہے اور گویا ایک کبوتر ہمارے پاس ہے۔ وُہ اس پر حملہ کرتی ہے۔ بار بار ہٹانے سے باز نہیں آتی تو میں نے اس کی ناک کاٹ دی ہے اور خُون بہہ رہا ہے پھر بھی باز نہیں آتی تو میں نے اُسے گردن سے پکڑ کر اُس کا مُنہ زمین پر رگڑنا شروع کیا۔ بار بار رگڑتا تھا۔ پھر بھی سر اُٹھاتی تھی تو آخر میں نے کہا کہ آؤ اِسے پھانسی دیں۔ (مکاشفات مؤلفہ بابُو منظور الٰہی قادیانی)

۹۔ رؤیا میں دیکھا ہم ایک جگہ جا رہے ہیں۔ ایک ہاتھی دیکھا اُس سے بھاگے اور ایک کُوچہ میں چلے گئے۔ لوگ بھی بھاگے جاتے ہیں۔ میں نے پُوچھا کہ ہاتھی کہاں ہے۔ لوگوں نے کہا کہ وُہ کسی اور کُوچہ میں چلا گیا ہے، ہمارے نزدیک نہیں آیا۔ پھر نظارہ بدل گیا۔ گویا گھر میں بیٹھے ہیں۔ قلم پر تین نے دو لوگ لگائے ہیں جو ولایت سے آئے ہیں۔ پھر میں کہتا ہوں یہ بھی

نام وہی نکلا۔ اس کے بعد الہام ہوا۔ اِنَّ اللہَ عَزِیْزٌ ذُوانْتِقَام ۔ (تذکرہ یعنی وحی مقدس مجموعہ الہامات مرزا غلام احمد قادیانی صفحہ ۔۔۔)

۱۰۔ مرزا صاحب کو دوسری شادی کے لیے اخراجات کی ضرورت ہوئی۔ الہام ہوا:۔
"ہر چہ باید نو عروسی را ہمہ ساماں کُنم ۔ وانچہ در کار شما باشد عطائے آں کُنم"
چنانچہ ایک جگہ سے پانچ صد اور دوسری جگہ سے تین صد روپے قرض مل گئے۔ (حقیقۃ الوحی)

۱۱۔ مرزا صاحب نے "مواہب الرحمٰن" میں مولوی کرم دین سکنہ ضلع جہلم کو لئیم اور کذاب لکھا تھا "حقیقۃ الوحی" میں اس کی نسبت لکھتے ہیں:۔
"مولوی کرم دین کے مقدمے میں جو گورداسپور میں ہوئے۔ کرم دین لئیم اور کذاب کے معنی سنگین بیان کرتا تھا اور ہم خفیف۔ اُن دنوں الہام ہوا۔ معنی دیگر نہ پسندیم ما"

۱۲۔ رؤیا دیکھا کہ گویا ملکہ معظمہ قیصرۂ ہند سلمہا اللہ تعالیٰ ہمارے گھر میں رونق افروز ہوئی ہیں ۔۔۔ اور دو روز قیام فرمایا ہے۔
("مکاشفات"۔ مؤلفہ بابو منظور الٰہی قادیانی)

۱۳۔ تذکرہ یعنی وحی مقدس مجموعہ الہامات میں آپ کا رؤیا درج ہے کہ میں نے دیکھا کہ "زار روس" کا سونٹا میرے ہاتھ میں آ گیا ہے ۔۔۔ غور سے دیکھا تو وہ بندوق ہے اور یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ بندوق ہے یا سونٹا ۔۔۔ اور پھر دیکھا کہ خوارزم بادشاہ جو بوعلی سینا کے وقت میں تھا، اس کی تیر کمان میرے ہاتھ میں ہے۔ بوعلی سینا میرے پاس کھڑا ہے اور اس تیر کمان سے ایک شیر کو بھی شکار کیا۔
(پروفیسر محمد الیاس برنی اپنی کتاب "قادیانی مذہب" میں یہ رؤیا درج کر کے لکھتے ہیں کہ یہ تاریخ مرزا صاحب کی کشفی ہے ورنہ تاریخی لحاظ سے شیخ بوعلی سینا ۴۲۸ھ میں انتقال فرما چکے تھے اور خوارزم شاہی حکومت کے ساتوں سلاطین کی حکمرانی کی کُل مدت ۴۹۰ھ سے ۶۲۸ھ تک ہے یعنی بوعلی سینا خوارزم شاہی دور سے ۶۲ سال قبل ہی اس جہان فانی سے رخصت ہو چکے تھے۔)

مرزا صاحب کی پیش گوئیاں

مرزا صاحب کے بہت سے الہامات پیش گوئیوں کی شکل میں ہیں جنہیں وہ اپنی صداقت کا معیار اور نشان قرار دیتے ہیں۔ ان میں سے بعض پیش گوئیاں مرزا صاحب کی تاویلات اور اصل واقعات کے ساتھ بلا کم و کاست درج کی جاتی ہیں:۔

۱۔ بذریعہ الہامِ الٰہی معلوم ہوا کہ میاں منظور محمد کے گھر میں یعنی محمدی بیگم کا ایک لڑکا پیدا ہو گا جس کے یہ نام بذریعہ الہامِ الٰہی معلوم ہوئے: بشیر الدولہ، عالم کباب، شادی خان، کلمۃ اللہ خان (البشریٰ جلد دوم)
نوٹ منجانب مؤلف البشریٰ۔۔۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ یہ پیش گوئی کب اور کس رنگ میں پوری ہو گی۔ گو حضرتِ اقدس نے اس کا وقوعہ محمدی بیگم کے ذریعے سے فرمایا تھا۔ مگر چونکہ وہ فوت ہو چکی ہیں اس لیے اب تخصیص نام نہ رہی۔ بہر صورت یہ پیش گوئی متشابہات میں سے ہے۔ (البشریٰ، جلد دوم۔ مجموعہ الہامات مرزا صاحب مؤلفہ بابو منظور الٰہی قادیانی لاہوری)
اس کے متعلق مرزا صاحب نے خود "حقیقۃ الوحی" میں لکھا ہے کہ اس لڑکے کا نام بشیر الدولہ اس وجہ سے تھا کہ اس نے

ہماری ترقی سلسلہ کے لیے بشارت ہونا تھا۔ اور عالم کباب اس وجہ سے کہ اگر لوگ توبہ نہیں کریں گے تو بڑی بڑی آفتیں دُنیا میں آئیں گی۔ اور لکھتے ہیں کہ یہ لڑکا قیامت خیز زلزلہ کا پیش خیمہ تھا۔ مگر میں نے دُعا کی اور اس زلزلہ میں تاخیر ڈال دی گئی۔ چنانچہ ۷ جولائی ۱۹۰۶ء کو لڑکے کی بجائے لڑکی پیدا ہوئی جو بشارت ہے کہ زلزلہ میں تاخیر ڈال دی ہے۔

۲۔ اپنی تفسیر "اعجاز المسیح" کی نسبت مرزا صاحب نے الہام شائع کیا:۔

مَنْ قَامَ لِلْجَوَابِ وَتَنَمَّرَ فَسَوْفَ یَرَیٰ اِنَّہٗ تَنَدَّمَ وَتَدَمَّرَ (جو شخص اس کا جواب لکھنے پر آمادہ ہوگا وُہ شرمندہ ہوگا اور ہلاک ہوگا)

لیکن جب حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کی کتاب "سیفِ چشتیائی" میں اس تفسیر پر ایک سو سے زیادہ اعتراضات نظر سے گزرے تو ایک شخص شہاب الدین نامی کے خط کا حوالہ دے کر لکھ دیا کہ یہ اعتراضات مولوی محمد حسین فیضی مدرس انجمن نعمانیہ لاہور نے قلم بند کیے تھے جو بُری موت مر گیا۔ اور میری الہامی پیش گوئی پوری ہوئی۔

مگر مقدمہ فضل الدین بنام کرم الدین میں مرزا صاحب نے بطور گواہ جو حلفی بیان دیا یہ تھا:۔

"الہام انی مھین من اراد اھانتک (جو تیری اہانت کرے گا میں اُس کی اہانت کروں گا) کئی سال پہلے مجھ کو ہوا تھا یعنی مقدمات سے کئی سال پہلے۔ یہ پیش گوئی من قام للجواب تنمّر فسوف یری انّہ تندّم وتدمّر، فیضی کی نسبت نہیں ہے۔

سوال۔ یہ دونوں الہام آپ کے سچے ہوئے کہ نہیں یعنی متعلق مولوی محمد حسین فیضی اور پیر مہر علی شاہ؟

جواب۔ پہلے میں نے قبل "سراج الاخبار" شائع ہونے کے خیال کیا تھا کہ یہ دونوں الہام سچے ہو گئے ہیں — مگر سراج الاخبار کے شائع ہونے کے بعد میں نے یقین کر لیا کہ یہ میری رائے غلط نکلی۔"

۳۔ جب مرزا صاحب کا لڑکا مُبارک احمد فوت ہوا تو ساتھ ہی خُدائے تعالیٰ نے یہ الہام کیا۔ انّا نبشّرک بغلامٍ حلیم ینزل منزل المبارک۔ یعنی ایک حلیم لڑکے کی ہم تجھے خوشخبری دیتے ہیں جو بمنزلہ مُبارک احمد کے ہوگا (اشتہار مرزا صاحب ۵۔ نومبر ۱۹۰۷ء مندرجہ تبلیغ رسالت جلد دہم) لیکن اس کے بعد مرزا صاحب کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی۔

۴۔ ایک عُمر رسیدہ عیسائی مناظر عبداللہ آتھم کے ساتھ مرزا صاحب نے مناظرہ کیا تھا۔ بعد مناظرہ ۵۔ جُون ۱۸۹۳ء کو آپ نے اپنا ایک الہام شائع کر کے اعلان کیا کہ آتھم پندرہ ماہ کے اندر بسزائے موت ہاویہ میں گرایا جائے گا بشرطیکہ اُس نے اسلام قبول نہ کر لیا اور لکھا کہ اگر یہ پیشین گوئی جھوٹی نکلی تو میں ہر ایک سزا کے لیے تیار ہوں۔

"مجھ کو ذلیل کیا جائے۔ رُوسیاہ کیا جائے۔ میرے گلے میں رسّہ ڈال دیا جائے۔ مجھ کو پھانسی دی جائے"

لیکن وُہ ضعیف آدمی پیش گوئی کی مدّت الاختتام یعنی ۵ ستمبر ۱۸۹۴ء کے بعد بھی کئی سال تک زندہ رہا۔ اس لیے ابتداً مرزا صاحب نے یہ پوزیشن اختیار کی کہ وُہ دل میں مُسلمان ہو گیا ہے۔ مگر جب اُس نے امرتسر وغیرہ میں جلسے کر کے اپنے دل میں مُسلمان ہونے کی تردید کی تو مرزا صاحب نے یہ پہلو اختیار کیا کہ پیش گوئی کا مفہوم سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے۔ ہاویہ سے مُراد ذلّت تھی جو اُسے کفر میں مُبتلا ہونے کے باعث نصیب ہو رہی ہے۔

۵۔ مرزا صاحب نے ۱۸۸۶ء میں اپنے ماموں زاد بھائی مرزا احمد بیگ کی لڑکی محمّدی بیگم کے ساتھ اپنے نکاح کی خواستگاری کی تھی۔ اُن کی عُمر اُس وقت ۴۶ برس کی تھی۔ اور وُہ لڑکی بمشکل ۱۲/۱۳ سال کی تھی۔ ۱۸۸۸ء میں اُنہوں نے اپنا الہام

شائع فرمایا کہ خُدا تعالیٰ نے فرمایا ہے زَوَّجنٰکَھَا میں نے اسے تیری زوجہ بنا دیا ہے۔ باکرہ یا بیوہ ہو کر بہر حال تیری زوجیت میں آئے گی۔ اگر کہیں اَور اِس کا نکاح کیا گیا تو اِس کا خاوند اڑھائی سال اَور والد تین سال کے اندر فوت ہو جائیں گے۔

محمدی بیگم کے والد تو اس میعاد کے اندر فوت ہو گئے مگر وُہ خود اَور اُس کا خاوند مرزا سُلطان محمد خُود مرزا صاحب کے بعد بھی بہت عرصہ تک زندہ رہے۔ مرزا صاحب اِس پیش گوئی کے سلسلہ میں اس قدر آگے چلے گئے تھے کہ کوئی واپسی کا دروازہ یا راہِ گریز نہ رہا تھا۔ اپنی کتاب "انجامِ آتھم" ۱۸۹۷ء میں لکھتے ہیں:۔

"میں اِس پیش گوئی کو اپنے صِدق اَور کِذب کا معیار ٹھہراتا ہُوں۔ اَور میں نے اُس وقت تک یہ بات نہیں کہی جب تک مجھ کو اپنے رب کی طرف سے اس بات کی اِطلاع نہیں دی گئی۔۔۔ میں بار بار کہتا ہُوں کہ نفسِ پیش گوئی دامادِ احمد بیگ کی موت تقدیرِ مُبرم ہے۔ اس کا انتظار کرو۔ اگر میں جھُوٹا ہُوں تو یہ پیش گوئی پُوری نہیں ہو گی اَور میری موت آجائے گی"۔

مرزا صاحب نے ستم بالائے ستم یہ کیا کہ اِس نکاح کی پیش گوئی حدیث شریف سے بھی ثابت کرنے کی کوشش کی۔

"اس پیش گوئی کی تصدیق کے لیے جناب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے پہلے سے پیش گوئی فرمائی تھی کہ یتزوّج ویولد لہٗ یعنی وُہ مسیح موعود بیوی کرے گا اَور صاحبِ اولاد ہو گا۔ اب ظاہر ہے کہ تزوّج اَور اَولاد کا ذکر کرنا عام طور پر مقصُود نہیں۔ کیونکہ عام طور پر ہر ایک شادی کرتا ہے اور اَولاد ہوتی ہے۔ اِس میں کچھ خُوبی نہیں۔ بلکہ تزوّج سے مُراد وُہ خاص تزوّج ہے جو بطور نشان ہو گا۔ اَور اَولاد سے مُراد وُہ خاص اَولاد ہے جس کی نسبت اِس عاجز کی پیش گوئی موجُود ہے"۔

(مرزا صاحب کا اشتہار ۲۰۔ فروری ۱۸۸۸ء)

مرزا صاحب البتہ یہ بھول گئے کہ تزوّج اَور اَولاد کے اِس حدیث شریف میں ذکر کا خاص مقصُود یہ تھا کہ حضرت مسیحؑ ابنِ مریم نے رفعِ آسمانی سے قبل نکاح نہیں کیا تھا۔ اس لیے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ نزول کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السّلام بیاہ کریں گے اَور آپ کی اَولاد بھی ہو گی۔

حکیم نُور الدین نے مرزا صاحب کے انتقال کے بعد، ریویو آف ریلیجز ماہ جُون۔ جولائی ۱۹۰۸ء میں اس پیش گوئی کی یہ تاویل کی کہ مرزا صاحب کی اَولاد میں سے کوئی شخص محمدی بیگم کی اَولاد میں سے کسی لڑکی سے نکاح کرے گا۔

۶۔ مرزا صاحب نے "البریہ" میں اپنی پیدائش ۱۸۳۹ء یا ۱۸۴۰ء کی تحریر کی ہے۔ ۱۶ مئی ۱۹۰۱ء کو گُورداسپور کی عدالت میں حلفی بیان دیتے ہُوئے بھی اپنی عُمر ساٹھ سال کے قریب بتلائی۔ اَور آپ ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو فوت ہُوئے۔ اِس طرح آپ کی عُمر ۶۸ یا ۶۹ برس ہُوئی۔ لیکن "مواہب الرحمٰن"، "تذکرہ"، "اربعین نمبر ۳" اَور "ضمیمہ گولڑویہ" میں آپ کے الہامات کا خلاصہ یہ ہے کہ:۔

"تیری عُمر اسّی ۸۰ برس ہو گی یا اِس کے قریب یا چند برس زیادہ۔ اَور تُو اِس قدر عُمر پائے گا کہ ایک دُور کی نسل کو دیکھ لے گا"۔

مرزا صاحب کے ایک سابق ارادت مند ڈاکٹر عبد الحکیم اسسٹنٹ سرجن پٹیالہ نے جو ۲۰ برس بعد مخالف محاذ میں چلے گئے تھے یہ پیش گوئی مُشتہر کی کہ:۔

"مجھے ۱۳۔جولائی ۱۹۰۶ء کو الہام ہوا ہے کہ مرزا مُسرف، کذّاب اور عیّار ہے۔ صادق کے سامنے شریر فنا ہو جائے گا۔ اور اس کی میعاد تین سال بتلائی گئی ہے۔"

اور پھر جولائی ۱۹۰۷ء میں اپنا ایک اور الہام شائع کیا کہ

"اللہ نے مرزا کی شوخیوں اور نافرمانیوں کی سزا میں ۳ سالہ میعاد میں سے جو ۱۱۔جولائی ۱۹۰۹ء کو پوری ہونی تھی دس مہینے اور گیارہ دن اور کم کر دیئے ہیں۔ اور مجھے یکم جولائی ۱۹۰۷ء کو الہاماً فرمایا کہ مرزا آج سے چودہ ماہ تک بسزائے موت ہادیہ میں گرایا جائے گا۔"

اِس کے جواب میں مرزا صاحب نے اشتہارات بعنوان "خدا سچے کا حامی ہو" مورخہ ۱۶۔ اگست ۱۹۰۶ء اور بعنوان "تبصرہ" مورخہ ۵ نومبر ۱۹۰۷ء میں اپنے مندرجہ ذیل دو الہامات یکے بعد دیگرے شائع کیے:۔

"خُدا کے مقبولوں میں قبولیت کے نمونے اور علامتیں ہوتی ہیں اور وُہ سلامتی کے شہزادے کہلاتے ہیں۔ اُن پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ فرشتوں کی کھینچی ہوئی تلوار تیرے آگے ہے پر تُو نے وقت کو نہ پہچانا، نہ دیکھا نہ جانا۔ رَبِّ فَرِّقْ بَیْنَ صَادِقٍ وَّ کَاذِبٍ اَنْتَ تَرٰی کُلَّ مُصْلِحٍ وَّصَادِقٍ۔ یعنی اے میرے خُدا صادق اور کاذب میں فرق کر کے دِکھلا تُو جانتا ہے کہ صادق اور مُصلح کون ہے۔" اور

"اپنے دُشمن سے کہہ دے کہ خُدا تجھ سے مؤاخذہ کرے گا اور تیری عُمر کو بھی بڑھاؤں گا یعنی دُشمن جو کہتا ہے کہ جولائی ۱۹۰۷ء سے چودہ مہینے تک تیری عُمر کے دِن رہ گئے ہیں یا ایسا ہی دُوسرے دُشمن جو پیش گوئی کرتے ہیں اِن سب کو مَیں جھوٹا کروں گا۔"

بہر حال مرزا صاحب اِن چودہ مہینوں کے اندر ہی فوت ہو گئے اور ڈاکٹر عبدالحکیم اُن کے بعد برسوں بقیدِ حیات اور خُوش و خرّم رہے۔

۷۔ اِسی طرح مرزا صاحب نے مولوی ثناء اللہ امرتسری کے خلاف بھی ۱۵۔اپریل ۱۹۰۷ء کو اشتہار دے کر اللہ تعالیٰ کی جناب میں ایک مُضطرب دُعا شائع کی تھی کہ اگر میں مُفسد و کذّاب ہُوں تو مولوی ثناء اللہ کی زندگی میں مجھے ہلاک کر۔ اور اگر مولوی ثناء اللہ اُن تہمتوں میں جو وُہ مجھ پر لگاتا ہے حق پر نہیں تو میں عاجزی سے تیری جناب میں دُعا کرتا ہُوں کہ میری زندگی میں اُن کو نابُود کر۔۔۔ مَیں ان کے ہاتھ سے بہت ستایا گیا اور صبر کرتا رہا۔ مگر میں دیکھتا ہُوں کہ ان کی بدزبانی حد سے گُزر گئی ہے۔ وُہ مجھے اُن چوروں اور ڈاکوؤں سے بھی بدتر سمجھتے ہیں، جن کا وجُود دُنیا کے لیے سخت خطرناک ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ

مرزا صاحب نے بحوالہ اخبار "بدر" مورخہ ۲۵ اپریل ۱۹۰۷ء اپنی اس دُعا کے متعلق دعویٰ کیا تھا کہ "ثناء اللہ کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے یہ دراصل ہماری طرف سے نہیں بلکہ خُدا ہی کی طرف سے اس کی بُنیاد رکھی گئی ہے۔"

پھر اس دُعا کا نتیجہ تمام دُنیا پر روشن ہے کہ مولوی ثناء اللہ ۱۵ مارچ ۱۹۴۸ء کو پاکستان میں آکر فوت ہُوئے اور عُمر بھر قادیانیت کے خلاف تحریری اور تقریری جہاد میں مصروف رہے۔ حالانکہ مرزا صاحب نے جابجا اِستجابتِ دُعا کو اپنے لیے بطور نشان پیش کیا اور "حقیقت الوحی" میں لکھا کہ "مقبول کی اکثر دُعائیں منظور ہوتی ہیں، بلکہ بڑا معجزہ اُن کا اِستجابتِ دُعا ہی ہے۔" اور یہ شعر اُن کا اِسی ضمن میں ہے ؎

زاہِ زمرۂ ابدال بابدیت ترسید علی الخصوص اگر آہ میرزا باشد

اگرچہ اِن سب پیش گوئیوں کے متعلق مرزا صاحب کی جماعت کے پاس کوئی نہ کوئی تاویل موجود ہے۔ مگر بعض پیش گوئیاں ایسی ہیں جن کے صحیح ہونے پر اُنہیں اصرار ہے۔ آریہ سماجی لیکھرام کی ہلاکت کی پیش گوئی مرزا صاحب نے کی تھی۔ کسی غیور مسلمان نے اس ملعون شاتمِ رسُول کو قتل کر دیا۔ پولیس کی تفتیش میں مرزا صاحب پر قتل کی تحریک اور اعانت کا شبہ ہُوا۔ اور آپ کی خانہ تلاشی بھی ہُوئی۔ ممکن ہے اِن کا اِس میں ہاتھ نہ ہو۔ اور کسی راسخ العقیدہ مسلمان نے ہی غازی علم دین کی طرح وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ (اور اے عقلمندو، تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے) کے فرمان پر عمل کیا ہو۔

کہتے ہیں کہ مرزا صاحب کے نشان کی صُورت میں ماہِ رمضان میں چاند اور سُورج کو گرہن لگا لیکن اِس امر کا کوئی ثبوت نظر سے نہیں گزرا کہ مرزا صاحب نے اس کے متعلق کوئی پیشین گوئی کی تھی۔ ویسے اگر کوئی کی بھی ہوتی تو اُس میں کوئی خصوصیّت نہ تھی۔ کیونکہ اِن امُور کا علم سالہا سال قبل عام نجومی اور ہیئت دان بھی علم اور حساب سے حاصل کر لیتے ہیں اور جنتریوں میں قبل از وقت شائع کر دیتے ہیں۔ لیکن اگر اِس سے مقصُود اُس حدیث شریف کی طرف اشارہ ہے جس میں حضرت امام مہدیؑ کے زمانہ میں چاند گرہن کا ذِکر ہے تو یہ امر سب پر واضح ہے کہ اُس میں رمضان شریف کی پہلی رات کو چاند گرہن کا ذِکر ہے جسے لفظ ہلال سے بالکل واضح کر دیا گیا ہے۔ اور ایسا گرہن واقعی نادرات میں سے ہے اور وُہ مرزا صاحب کے وقت میں ظہُور پذیر نہیں ہُوا۔

کہا جاتا ہے کہ مرزا صاحب نے زلزلوں اور طاعون کے متعلق پیش گوئیاں کی تھیں اور وُہ درُست نکلیں۔ لیکن اِس قسم کی پیش گوئیوں کے متعلق مرزا صاحب کا اپنا ارشاد مُلاحظہ فرمایئے گا:-

> "اِس درماندہ اِنسان (مسیح) کی پیش گوئیاں کیا تھیں صرف یہی کہ زلزلے آئیں گے۔ قحط پڑیں گے لڑائیاں ہوں گی۔ پس اُن دِلوں پر خُدا کی لعنت جنھوں نے ایسی ایسی پیش گوئیاں اُس کی خُدائی پر دلیل ٹھہرائیں۔ اور ایک مُردہ کو اپنا خدا بنا لیا۔ کیا ہمیشہ زلزلے نہیں آتے، کیا ہمیشہ قحط نہیں پڑتے۔ کیا کہیں نہ کہیں لڑائی کا سلسلہ شروع نہیں رہتا۔ پس اس نادان اِسرائیلی نے اِن معمُولی باتوں کا پیش گوئی کیوں نام رکھا۔"
>
> ("ضمیمہ انجامِ آتھم"۔ حاشیہ مصنّفہ مرزا غلام احمد قادیانی)

اِلہامات کے متعلق حضرت قبلۂ عالمؒ کا فرمان

یہاں پر ضمناً حضرت قبلۂ عالمؒ کا وُہ بیان بھی درج کیا جاتا ہے جو آپؒ نے اپنی تصنیف "سیفِ چشتیائی" میں مرزا صاحب کے اِلہامات کے متعلق تحریر فرمایا ہے:-

۱۔ اِلہاماتِ کاذبہ۔ جن کے جھُوٹے ہونے پر وُہ خود ہی شاہد ہیں۔

۲۔ اِلہاماتِ کاذبہ۔ جن کو پُورا نہ ہونے پر کاذب قرار دیا گیا۔

۳۔ اِلہاماتِ صیادیہ:- جن کا اِبن صیاد کے اِلہام کی طرح اگر سر ہے تو پاؤں نہیں اور اگر پاؤں ہے تو سر نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے سُورۂ دُخان کا خیال دِل میں رکھ کر اِبنِ صیاد سے فرمایا تھا، مَیں نے اپنے دِل میں کوئی چیز چھُپا رکھی ہے بتا وُہ کیا ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ دُخ۔ فرمایا "خوار ہو، تُو اپنی قدر سے ہرگز تجاوز نہ کرے گا۔"

۴ - الہاماتِ شیطانیہ انسیہ - جن کو کسی پڑھے ہوئے آدمی نے اس کے قلب میں ڈال دیا ہے۔

۵ - الہاماتِ شیطانیہ جنیہ ، اور

۶ - الہاماتِ شیطانیہ معنویہ۔ ان کے متعلق حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ نے "فتوحاتِ مکیہ" کی عبارت بدیں خلاصہ درج فرمائی ہے کہ شیطانِ جنی اور انسی کے درمیان تیسرا شیطانِ معنوی پیدا ہو جاتا ہے۔ کبھی شیطان انسان کے دل میں ایک خاص شخصی مضمون ڈال دیتا ہے مثلاً کہ تو مسیح موعود ہے۔ اور کبھی ایک امر عام قاعدہ کے مطابق ڈال کر وجوہ فاسدہ اور استدلالات کاسدہ کا دروازہ کھول دیتا ہے جن کو شیطانِ معنوی کہا جاتا ہے۔ مثلاً یہ استدلال کہ جس پر امورِ غیبیہ منکشف ہوں۔ وہ بمصداق آیت فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ (اللہ تعالیٰ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا بجز اپنے رسول کے جس کو چاہے) نبی و رسول ہے چاہے جناب خاتم النبیین صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے بعد ہی کیوں نہ ہو۔ اور فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ نے الہاماتِ صیادیہ کا نام استدراج اور مکرِ الٰہی رکھا ہے۔ اور اس منزل میں لغزش سے بچنے کا یہ طریق فرمایا ہے کہ اگر اس منزل کا صاحب سارے تصرفات میں خدا کی جانب سے اطلاع نہ پا سکے تو اتنا اہتمام اس کے لیے نہایت ضروری ہے کہ اپنے پیغمبر کی شرع کو جو اس کے لیے بطور میزان مقرر کی گئی ہے ہرگز نہ چھوڑے تاکہ وہ میزان اسے مکرِ الٰہی سے محفوظ رکھے۔ اور شیخ اکبرؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ ابنِ مدین رحمۃ اللہ علیہ کو بھی یہ شبہ واقع ہوا تھا اور اس الہام نے دھوکا دیا تھا کہ تو عیسیٰ بن مریم ہے۔ اور شیطان کے بہکانے کے متعلق حضرت شیخ اکبرؒ کی کتاب "فتوحاتِ مکیہ" کی عبارت درج کر کے حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ بطور خلاصہ فرماتے ہیں کہ جس شخص کو شیطان جنی بہکانا چاہے تو کبھی ایک مضمون خاص شخصی اس کے دل میں ڈال دیتا ہے اور کبھی مضمونِ عام پھر وہ شخص طرح طرح کے استنباط اور استدلالات اور تفقہ اور براہینِ زعمیہ نکالتا ہے۔ جن میں مشاقی کی وجہ سے شیطان بھی اس کی شاگردی پر نازاں ہوتا ہے۔ مضمونِ خاص مثلاً تو مسیحِ موعود ہے قادیانی صاحب سے پہلے بھی کئی ایک لوگوں پر القا ہو چکا ہے مگر ان لوگوں کو اپنے مشائخ کی ہدایت اور میزانِ شرعی کے التزام سے اللہ جل شانہٗ نے محفوظ فرما لیا۔ كَمَا قَالَ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى، فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ۔

مرزا صاحب اور قرآن و حدیث

قطعی نبی بننے اور صاحبِ وحی و الہام ہونے کے دعوے کے بعد مرزا صاحب نے اپنی توجہ قرآن و حدیث کی طرف بڑھائی تاکہ ان میں اپنے مقصد کے حصول کے لیے ضروری ردّ و بدل کیا جا سکے۔ بقول ان کے "خدا نے مجھے مسیحِ موعود بنا کر بھیجا ہے اور مجھے بتلایا ہے کہ فلاں حدیث سچی ہے اور فلاں جھوٹی اور قرآن کے صحیح معنوں سے مجھے اطلاع بخشی ہے" (اربعین نمبر ۴) اور

"جو شخص حَکم ہو کر آیا ہے اس کو اختیار ہے کہ حدیثوں کے ذخیرہ میں سے جس انبار کو چاہے خدا سے علم پا کر قبول کرے اور جس ڈھیر کو چاہے خدا سے علم پا کر ردّ کر دے۔" (تحفۂ گولڑویہ)

ان کے فرزند میاں محمود احمد صاحب اپنے ایک خطبہ میں اس موضوع پر یوں بیان فرماتے ہیں:-

"اب کوئی قرآن نہیں سوائے اس قرآن کے جو مسیحِ موعود نے پیش کیا۔ اور کوئی حدیث نہیں سوائے

اُس حدیث کے جو حضرت مسیح موعود کی روشنی میں نظر آئے اَور کوئی نبی نہیں سوائے اُس کے جو حضرت مسیح موعود کی روشنی میں دِکھائی دے .... اگر کوئی چاہے کہ آپ سے (یعنی مرزا صاحب سے) علیحدہ ہو کر کچھ دیکھ سکے تو اُسے کچھ نظر نہیں آئے گا۔ ایسی صُورت میں اگر قرآن کو بھی دیکھے گا تو اُس کے لیے یَھْدِیْ مَنْ یَّشَاءُ والا قرآن نہ ہوگا بلکہ یُضِلُّ مَنْ یَّشَاءُ والا قرآن ہوگا .... حضرت مسیح موعود فرمایا کرتے تھے، حدیث کی کتابوں کی مثال تو مداری کے پٹارے کی ہے۔ جس طرح مداری چاہتا ہے اُس میں سے نکال لیتا ہے اُسی طرح اُن سے جو چاہو نکال لو۔" (الفضل ۱۵۔ جولائی ۱۹۳۶ء)

مُسلمانوں سے اسلام کے ہر اصُول پر اختلاف

قرآن و حدیث کے مطالب کو بدل ڈالنے کے اِس خُود ساختہ اِختیار کو مرزا صاحب نے مُسلمانوں سے ہر مسئلہ پر اِختلاف کھڑا کرنے کے لیے استعمال کیا۔ وُہ نہ صرف اُمتِ محمدیہ کے مذہبی عقائد اَور دینی نظریات ہی سے الگ ہُوئے بلکہ اُس کی اکثر و بیشتر قومی اقدار اَور ملّی تقاضوں سے بھی علیحدگی اختیار کر لی۔ اُن کے صاحبزادے مرزا محمُود احمد نے اس کے متعلق اپنے ایک دُوسرے خُطبہ میں یُوں بیان فرمایا :-

"حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے مُنہ سے نکلے ہُوئے الفاظ میرے کانوں میں گُونجتے رہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ "یہ غلط ہے کہ دُوسرے لوگوں سے ہمارا اختلاف صرف وفاتِ مسیح یا چند اَور مسائل میں ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات، رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم، قرآن، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ غرضیکہ آپ نے تفصیل سے بتایا کہ ایک ایک چیز میں اُن سے اختلاف ہے۔" (الفضل - ۳ - جولائی ۱۹۳۱ء)

اگر وُہ تمام مسائل یہاں بیان کیے جائیں جن میں مرزا صاحب نے اُمتِ مُسلمہ سے اختلاف کیا تو اُس کے لیے کئی جلدیں درکار ہوں گی۔ یہاں اُن میں سے صرف چند ایک بطور نمُونہ درج کیے جاتے ہیں۔ ساتھ ہی مختصراً مرزا صاحب کے دلائل کے متعلق تشریح بھی دی جاتی ہے۔

نزُولِ ملائکہ

مرزا صاحب نے فرشتوں کو اَرواحِ کواکب قرار دیا ہے۔ "ایام الصلح" میں تحقیق فرمایا کہ فرشتے اگر زمین پر نازل ہوں تو آسمان سے ستارے گر جائیں۔ اِس کا اِستدلال اِن آیات سے کرتے ہیں :-

۱۔ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِیَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ۔ (الانعام ۸)

اگر ہم فرشتہ اُتارتے تو اَب تک فیصلہ ہو چکا ہوتا۔ پھر اُنہیں مُہلت نہ دی جاتی۔

۲۔ قُلْ لَّوْ كَانَ فِی الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ○ (بنی اسرائیل ۹۵)

کہہ دو اگر زمین میں فرشتے اِطمینان سے چلتے پھرتے ہوتے تو ہم آسمان سے ان پر فرشتہ ہی رسُول بنا کر بھیجتے۔

حالانکہ اِن آیات کا نفسِ مضمون مُطلق نزُولِ فرشتگان کے متعلق نہیں ہے بلکہ کُفار کے محض اِس اعتراض کا جواب ہے کہ

کسی فرشتہ کو رسول بنا کر کیوں نہیں بھیجا گیا مفصل پڑھنے سے واضح ہوجاتا ہے۔ پہلی آیت کا مضمون یہ ہے:۔

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَابًا فِي قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوهُ بِأَيْدِيهِمْ لَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ ۝ وَقَالُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۖ وَلَوْ أَنزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْأَمْرُ ثُمَّ لَا يُنظَرُونَ ۝ (الانعام ۷،۸)

اور اگر ہم تم پر کوئی کاغذ پر لکھی ہوئی کتاب بھی اُتار دیتے اور لوگ اِسے اپنے ہاتھوں سے چھُو کر بھی دیکھ لیتے۔ تب بھی کافر یہی کہتے کہ یہ تو صریح جادُو ہے اور کہتے ہیں اس پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں اُتارا گیا۔ اور اگر ہم فرشتہ اُتارتے تو اب تک فیصلہ ہوچکا ہوتا۔ پھر اُنہیں مہلت نہ دی جاتی۔

اسی طرح دُوسری آیت بمضمون ذیل ہے:۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَن يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَىٰ إِلَّا أَن قَالُوا أَبَعَثَ اللَّهُ بَشَرًا رَّسُولًا ۝ قُل لَّوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يَمْشُونَ مُطْمَئِنِّينَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِم مِّنَ السَّمَاءِ مَلَكًا رَّسُولًا ۝

(بنی اسرائیل ۹۴-۹۵)

اور لوگوں کو ایمان لانے سے جب کہ ان کے پاس ہدایت آ گئی۔ صرف اسی چیز نے روکا ہے کہ کہنے لگے کیا اللہ نے آدمی کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ کہہ دو اگر زمین میں فرشتے اطمینان سے چلتے پھرتے ہوتے تو ہم آسمان سے اُن پر فرشتہ ہی رسُول بنا کر بھیجتے۔

چنانچہ ثابت ہوا کہ مرزا صاحب کا استدلال قرآن کے نفس مضمون سے بہت دُور اور غیر صحیح ہے۔ اس کے باوجود "ازالہ اوہام" میں سُورۃ قدر۔۴

تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِم مِّن كُلِّ أَمْرٍ ۝

اس میں فرشتے اور رُوح نازل ہوتے ہیں اپنے رب کے حکم سے ہر کام پر۔

کی تفسیر کرتے ہُوئے نزولِ ملائکہ کو تسلیم کرتے ہیں۔ نیز میاں محمُود احمد خلیفہ قادیان کی ڈائری "مندرجہ اخبار الفضل"۔ اپریل ۱۹۲۲ء میں تحریر ہے:۔

"میری عمر نو یا دس برس کی تھی۔ مَیں اور ایک اور طالب علم ہمارے گھر میں کھیل رہے تھے۔ وہیں ایک الماری میں ایک کتاب پڑی تھی۔ وُہ ہمارے دادا صاحب کے وقت کی تھی۔ اس میں لکھا تھا کہ اب جبریلؑ نازل نہیں ہوتا۔ میں نے کہا کہ یہ غلط ہے۔ میرے ابا پر تو نازل ہوتا ہے۔ ہم میں بحث ہوگئی۔ آخر ہم دونوں مرزا صاحب کے پاس گئے۔ اور اپنا اپنا بیان پیش کیا۔ آپ نے فرمایا۔ کتاب میں غلط لکھا ہے۔ جبرئیل اب بھی آتا ہے۔"

"مواہب الرحمٰن" میں مرزا صاحب لکھتے ہیں:۔

"آمد نزدِ من جبرئیل علیہ السلام ومرا برگزید وگردش داد انگشتِ خود را واشارہ کرد۔ خدا ترا از دشمناں نگاہ خواہد داشت۔"

گویا وقت وقت کی بات ہے۔ جس وقت جو دلیل مقصد کے مُطابق نظر آئی استعمال کرلی۔ الزامِ تضاد و تبدیلِ اعتقاد کی پرواہ نہیں۔

رُوحِ انسانی

بروئے قرآن رُوح عالمِ امر سے ہے۔ اور عالمِ امر اُن موجودات کا نام ہے جو حس اور خیال اور جہت اور مکان سے ماوریٰ ہیں۔ پھر حدیث شریف میں آیا ہے کہ:۔

اَلْاَرْوَاحُ جُنُوْدٌ مُّجَنَّدَۃٌ فَمَا تَعَارَفَ مِنْهَا ائْتَلَفَ وَمَا تَنَاكَرَ مِنْهَا اخْتَلَفَ۔

ارواح حق تعالیٰ کے مجتمع لشکر ہیں۔ اُس عالم میں جن کا باہم پیار تھا وُہ یہاں بھی باہم پیار کرتے ہیں۔ اور جن کی باہم مخالفت تھی یہاں بھی مخالفت ہے۔

لیکن مرزا صاحب نے اپنی تقریر جلسہ مذاہب لاہور مورخہ ۲۷۔ دسمبر ۱۸۹۶ء میں انسانی رُوح کے متعلق تحریر کیا ہے:۔
"ہم روز مشاہدہ کرتے ہیں کہ گندے زخموں میں ہزارہا کیڑے پڑجاتے ہیں سو یہی بات صحیح ہے کہ رُوح ایک لطیف نور ہے جو اِس جرم کے اندر ہی پیدا ہو جاتا ہے جو رحم میں پرورش پاتا ہے اور جس کا خمیر ابتدا سے نطفہ میں موجود ہوتا ہے۔"

"یوم الدّین"

وَسَمّٰی زَمَانَ الْمَسِیْحِ الْمَوْعُوْدِ یَوْمَ الدِّیْنِ لِاَنَّہٗ یُحْیٰی فِیْہِ الدِّیْنُ۔

اللہ تعالیٰ نے مسیح موعود کے زمانہ کا نام یوم الدّین رکھا کیونکہ اس زمانہ میں دین کو زندہ کیا جائے گا۔

حالانکہ قرآن حکیم میں جابجا یوم الدّین کے معنی روزِ قیامت کے لیے گئے ہیں۔

وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ ۝ یَّصْلَوْنَهَا یَوْمَ الدِّیْنِ
(الانفطار ۱۴۔ ۱۵)

بے شک گنہگار ضرور دوزخ میں ہوں گے۔ یوم الدّین کو اُنہیں اس میں ڈالا جائے گا۔

۲۔ وَمَآ اَدْرٰکَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ ۝ ثُمَّ مَآ اَدْرٰکَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ ۝ یَوْمَ لَا تَمْلِکُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَیْئًا ۖ وَالْاَمْرُ یَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ۝ (الانفطار ۱۷ تا ۱۹)

اور تجھے کیا معلوم انصاف و فیصلہ وجزا کا دن کیا ہے۔ پھر تجھے کیا خبر کہ جزا کا دن کیا ہے۔ جس دن کوئی کسی کے لیے کچھ بھی نہ کر سکے گا۔ اور اُس دن اللہ ہی کا حکم ہوگا۔

جہاد بالسّیف

مرزا صاحب نے اُس زمانہ میں جب کہ عیسائی حکومتیں، خصوصاً انگلستان، فرانس اور رُوس، اسلامی سلطنتوں کو تہ و بالا کر رہی تھیں، جہاد بالسّیف کو تمام مسلمانوں پر حرام قرار دیا اور اہلِ اسلام، احادیث کے حوالہ سے جس مہدیؑ اور مسیحؑ کے منتظر تھے اُنہیں خُونی مہدی اور خونی مسیح کہا۔ اس کے بعد مسلمانانِ عالم پر یہودی اور عیسائی حکومتوں کی طرف سے جو کچھ گزرا اور گزر رہا ہے اُسے مدِّنظر رکھتے ہوئے آج مرزا صاحب کی اپنی جماعت بھی اُن کے مندرجہ ذیل اشعار کو چنداں درخورِ اعتنا نہیں سمجھتی۔

اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال
دیں کے لیے حرام ہے اب جنگ اور قتال
اب آگیا مسیح جو دیں کا امام ہے
دیں کی تمام جنگوں کا اب اختتام ہے
اب آسماں سے نُورِ خدا کا نزول ہے
اب جنگ اور جہاد کا فتویٰ فضول ہے
دُشمن ہے وُہ خدا کا جو کرتا ہے اب جہاد
مُنکر نبی کا ہے جو یہ رکھتا ہے اعتقاد
(اعلان مرزا صاحب مندرجہ تبلیغ رسالت جلد نہم)

۱۹۲۹ء میں جب غازی علم دین نے راج پال شاتمِ رسولؐ کو قتل کیا تو مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفہ قادیان نے اپنی تقریریں میں اس فعل کی سخت مذمت کی اور کہا کہ کسی نبیؑ کی توہین کے سلسلے میں قتل جائز نہیں ہے لیکن دو سال بعد ہی مئی ۱۹۳۱ء میں جب ان کا اپنا ایک مُرید قاضی محمد علی نوشہروی، ایک مسلمان حاجی محمد حسین کے قتل کے باعث پھانسی کی سزا پاگیا، کیونکہ مقتول حاجی محمد حسین نے مرزا بشیر الدین کی توہین کرنے والے ایک شخص کی محض ضمانت دی تھی تو مرزا بشیر الدین محمود اور اُن کے اخبار "الفضل" نے قاضی محمد علی کے اِس فعل یعنی ارتکابِ قتل کو ایمانی غیرت قرار دیتے ہوئے اُس کی بہت تعریف کی اور رؤیا اور مکاشفات کے ذریعہ اُس کی اُخروی بشارات کا ذکر کیا۔

معراجِ جسمانی

مرزا غلام احمد "ازالۂ اوہام" میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معراجِ جسمانی کے متعلق لکھتے ہیں کہ معراج (معاذ اللہ) اِس جسمِ کثیف سے نہ تھی بلکہ وُہ اعلیٰ درجہ کا کشف تھا۔ اور اِس قسم کے کشفوں میں مؤلف (یعنی مرزا صاحب) خود صاحب تجربہ ہے۔

احترامِ انبیاء

عیسٰی علیہ السلام کی شان میں کئی طرح کے نازیبا کلمات استعمال کیے ہیں اور مسلمانوں سے کہا ہے کہ میں عیسائی مناظرین کے مقابلے میں اُن کے یسُوع مسیح کے متعلق بات کر رہا ہُوں جو ایک معبُودِ باطل اور فرضی شخصیت ہے لیکن جب حضرت عیسٰی بن مریم علیہ السلام نبی کے متعلق بات کرتے ہیں تو بھی اندازِ گفتگو کچھ زیادہ مختلف نہیں ہوتا، چنانچہ اپنی کتاب "دافع البلا" میں لکھتے ہیں:۔

"مسیح کی راستبازی اپنے زمانہ میں دُوسرے راستبازوں سے بڑھ کر ثابت نہیں ہوتی، بلکہ یحییٰ نبی کو اُس پر ایک فضیلت تھی کیونکہ وُہ شراب نہیں پیتا تھا۔ اور کبھی یہ نہیں سُنا گیا کہ کسی فاحشہ عورت نے آکر اپنی کمائی کے مال سے اِس پر عطر مَلا تھا یا اپنے ہاتھوں یا سَر کے بالوں سے اُس کو چھوا تھا یا کوئی بے تعلق جوان عورت اُس کی خدمت کرتی تھی۔ اِس وجہ سے خُدا نے قرآن میں یحییٰ علیہ السلام کا نام حصور رکھا مگر مسیح کا یہ نام نہ رکھا کیونکہ ایسے قصّے اِس نام کے رکھنے سے مانع تھے۔"

اور "ضمیمہ نزول المسیح" میں لکھا ہے:۔

"اور یہود تو حضرت عیسٰی کے معاملہ میں اور اُن کی پیشین گوئیوں کے بارے میں ایسے قوی اعتراض رکھتے ہیں کہ ہم بھی اُن کے جواب دینے سے حیران ہیں، بغیر اِس کے کہ یہ کہہ دیں کہ ضرور حضرت عیسٰی نبی ہیں کیونکہ قرآن نے اُن کو نبی قرار دیا ہے اور کوئی دلیل اُن کی نبوّت پر قائم نہیں ہو سکتی بلکہ ابطالِ نبوّت پر کئی دلیلیں قائم ہیں۔۔۔ ہائے کس کے آگے یہ ماتم لے جائیں کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی تین پیشین گوئیاں صاف طور پر جھوٹی نکلیں۔"

انبیاء علیہم السلام کی پیشین گوئیاں جھوٹی نکلنا عصمتِ انبیاء اور مقصدِ نبوّت کے منافی ہے اس لیے حضرت عیسٰی علیہ السلام کی تو کوئی پیشین گوئی جھُوٹی نہیں نکلی، البتہ مرزا صاحب کو کیا خبر تھی کہ اُن کے بعد اُن کی اُمّت کو اسی قبیل کا ماتم کرنا پڑے گا۔ اگر ان کو یہ معلوم ہوتا تو ایسی بے سروپا بات ہرگز تحریر نہ کرتے۔

چُونکہ مرزا صاحب اپنی کتابوں میں حضرت مسیح اور اُن کی والدہ علیہما السلام کی شانِ پاک میں بہت سے نازیبا کلمات استعمال

کر چکے تھے۔ اِس لیے بدیں اِحتمال کہ مبادا برطانوی ہند کی عیسائی حکومت اپنی مقدس ہستیوں کی توہین سے ناراض ہو کر مؤاخذہ پر آمادہ نہ ہو جائے، حسب ذیل اعتذار بعنوان "حضور گورنمنٹ عالیہ کی خدمت میں ایک عاجزانہ درخواست" تحریر کر کے پیش کیا:۔

"میں اس بات کا بھی اِقراری ہُوں کہ جبکہ بعض پادریوں اور عیسائی مشنریوں کی تحریر نہایت سخت ہو گئی ... اور اِن مؤلفین نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی نسبت نعوذ باللہ ایسے الفاظ استعمال کیے ... تو مجھے ان کتابوں اور اخباروں کے پڑھنے سے یہ اندیشہ دل میں پیدا ہوا کہ مبادا مسلمانوں کے دلوں میں جو ایک جوش رکھنے والی قوم ہے اِن کلمات کا کوئی سخت اشتعال دینے والا اثر پیدا ہو تب میں نے اِن جوشوں کو ٹھنڈا کرنے کے لیے صحیح اور پاک نیت سے یہی مناسب سمجھا کہ اِس عام جوش کو دبانے کے لیے حکمتِ عملی یہی ہے کہ ان تحریرات کا کسی قدر سختی سے جواب دیا جائے تا سریع الغضب انسانوں کے جوش فرو ہو جائیں اور مُلک میں کوئی بے امنی پیدا نہ ہو۔"

اِس درخواست کی نقل "ضمیمہ تریاق القلوب" میں درج ہے۔

آلِ نبیؐ کا اِحترام

مرزا صاحب نے اپنی تصنیفات اور اشتہارات میں جا بجا اپنے آپ کو آلِ نبیؐ، وارثِ رسُول اللہ، اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا رُوحانی بیٹا ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور اِس سعی میں آلِ محمدؐ کے صُلبی اور خُونی رشتہ کو جس طرح مقابلۃً کم مرتبہ و کم پایہ دکھانا چاہا ہے اُس کی ایک مثال ملاحظہ فرمائیے۔

"تریاق القلوب" صفحہ ۹۹ پر آلِ محمدؐ کے عنوان میں لکھتے ہیں:۔

"سو اِس قرینہ سے آلِ محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلّم سے بھی کوئی دُنیوی رشتہ مُراد نہیں ہے۔ بلکہ آل سے مُراد وہ لوگ ہیں جو فرزندوں کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے رُوحانی مال کے وارث ٹھہرتے ہیں۔ بلکہ ہر جگہ آل کے لفظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی یہی مُراد ہے نہ دنیوی رشتہ جو ایک سفلی اور فانی امر ہے جو موت کے ساتھ ہی لَآ اَنْسَابَ بَیْنَھُمْ کی تلوار سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے۔ نبی کا نفس کبھی اِس بات پر راضی نہیں ہو سکتا کہ آل کے لفظ سے محض اِس کی یہ غرض ہے کہ عام دُنیاداروں کی طرح ایک سفلی اور فانی رشتہ کا لوگوں کو پیرو بنانا چاہیئے ...... یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو فرمادے کہ یہ دُنیوی رشتے اِسی دُنیا تک ختم ہو جاتے ہیں اور قیامت میں انساب نہیں رہیں گے اور اس کا نبی ایک ادنیٰ سے رشتہ پر ہی زور دیتا رہے جو لڑکی کی اولاد ہے ..... اِس قسم کی آل جو فدک جیسے نام کے باغ اور چند درختوں کے لیے لڑتے پھریں اور مشتعل ہو کر کبھی ابُوبکرؓ کو بُرا کہیں اور کبھی عُمرؓ کو۔"

لیکن جہاں مرزا صاحب کی اپنی اہلِ بیت اور فرزندوں کا سوال آجائے تو یہ اصُول کارفرما نہیں رہتا۔ چنانچہ اپنے ایک الہام میں آیتِ تطہیر تلاوت فرما کر اپنے گھر والوں کو طاہر اور مطہر بنائے جانے اور اذہابِ رجس کی بشارت دیتے ہیں، اور جس مُلازمہ لڑکی نے آپ کے معصوم بچہ کو اُٹھا رکھا تھا اُسے شعائر اللہ میں شمار کرنے کی روایت آپ کی جماعت کے مفتی صاحب کی زبانی بطریق ذیل ہے:۔

"بدبخت ہیں وُہ لوگ جنہوں نے کہا کہ ہم مسیح موعُود کی رُوحانی اولاد ہیں اور ہمیں مسیح موعُود کی اولاد کی کیا پرواہ ہے۔ اگر وُہ مسیح موعُود کی رُوحانی اولاد ہو سکتے ہیں تو کیوں یہ بات مسیح موعُود کی جسمانی اولاد کو حاصل نہیں ہو سکتی۔ ان کے لیے دو باتیں جمع ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے ــــــــ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ ایک خادمہ کو جس نے صاحبزادہ بشیر احمد کو اُٹھایا ہوا تھا، کسی شخص نے کوئی کام کرنے کو کہا۔ اُس نے کہا میں ابھی یہ کام نہیں کر سکتی۔ اِس پر اُس نے اُس کے مُنہ پر تھپڑ مارا۔ حضرت مسیح موعُود کو جب اس کی خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا میری یہ اولاد شعائر اللہ میں داخل ہے۔ اُس عورت کو جس نے بچہ اُٹھایا ہوا تھا جس نے مارا ہے اُس نے شعائر اللہ کی ہتک کی ہے۔ پس جو خُدائے تعالیٰ کے نشانات ہوں اُن کی تعظیم کرنی چاہیئے۔"

(تقریر مُفتی محمد صادق قادیانی برموقعہ جلسہ سالانہ، مندرجہ اخبار "الفضل" مورخہ ۸۔ جنوری ۱۹۲۴ء)

مرزا صاحب "نزول المسیح" میں لکھتے ہیں :-

"افسوس یہ لوگ نہیں سمجھتے کہ قرآن نے تو امام حسین رض کو ابنیّت کا حق بھی نہیں دیا بلکہ نام تک مذکُور نہیں۔ اِن سے تو زید ہی اچھا رہا جس کا نام قرآن شریف میں موجُود ہے۔ اِن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا بیٹا کہنا قرآن شریف کی نصِ صریح کے برخلاف ہے جو مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ سے سمجھا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ حضرت امام حسین رض رجال میں سے تھے، عورتوں میں سے تو نہیں تھے۔ حق تو یہ ہے کہ اِس آیت نے اُس تعلق کو جو امام حُسین رض کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم سے بوجہ پسرِ دُختر ہونے کے تھا نہایت ہی ناچیز کر دیا ہے۔"

معلوم ہوتا ہے یہ الفاظ لکھتے وقت آل عمران۔ ۶۱ آیتِ مُباہلہ میں :-

فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ○

تُو کہہ دے آؤ ہم اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنی جانیں اور تمہاری جانیں بُلائیں پھر سب اِلتجا کریں اور اللہ کی لعنت اُن پر جو جھُوٹے ہوں۔

اَبْنَآءَنَا کا مصداق، سُورہ طُور ۲۱ میں :-

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ كُلُّ امْرِئٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ○

اور جو لوگ ایمان لائے اور اُن کی اولاد نے ایمان میں اُن کی پیروی کی۔ ہم اُن کے ساتھ اُن کی اولاد کو بھی (جنّت میں) ملا دیں گے اور اُن کے عمل میں سے بھی کچھ کم نہ کریں گے۔ ہر شخص اپنے عمل کے ساتھ وابستہ ہے۔

ذُرِّيَّتُهُمْ کا مفہوم، اور سُورہ شوریٰ ۲۳ میں :-

قُلْ لَّآ اَسْـَٔـلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى

کہہ دو میں تم سے اِس پر کوئی اُجرت نہیں مانگتا بجز رشتہ داری کی محبّت کے۔

مَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى کے معانی اور جن صحیح حدیثوں میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے حسنین کریمین ع کو اپنا بیٹا کہا ہے مرزا صاحب کے ذہن میں نہیں تھے ورنہ ایسی زبان درازی نہ کرتے۔

"دُرِّ ثمین" مجموعہ کلام مرزا صاحب میں تحریر ہے :-

"اَے قومِ شیعہ، اِس پر اصرار مت کرو کہ حُسینؓ تمہارا منجی ہے کیونکہ میں سچ سچ کہتا ہُوں کہ آج تم میں ایک شخص ہے (یعنی مرزا صاحب) کہ اس حسینؓ سے بڑھ کر ہے ۔

کربلائیست سیرِ ہر آنم — صد حُسینؓ است در گریبانم

مرزا صاحب کے صاحبزادہ نے خطبۂ جمعہ میں اِس شعر کی تشریح میں یہ الفاظ کہے :-

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ۔

کربلائیست سیرِ ہر آنم — صد حُسینؓ است در گریبانم

"یعنی میرے گریبان میں سَو حسینؓ ہیں۔ لوگ اِس کے یہ معنی سمجھتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا، مَیں سَو حُسین کے برابر ہُوں۔ لیکن مَیں کہتا ہُوں، اِس سے بڑھ کر اِس کا مفہوم یہ ہے کہ سَو حُسین کی قربانی کے برابر میری ہر گھڑی کی قربانی ہے۔"

(خطبۂ جمعہ میاں محمود احمد خلیفۂ قادیان مندرجہ "الفضل" قادیان ۲۶ جنوری ۱۹۲۶ء)

مرزا صاحب نے "اعجاز احمدی" میں جو ایک طویل عربی قصیدہ پر مشتمل ہے، شیعہ مجتہد علّامہ حائری کی کتاب کا جواب دیتے ہوئے شائد صرف شیعہ صاحبان کا دل دُکھانے کی نیت سے حضرت امام حُسین علیہ السلام کی شان میں بہت زبان درازی کی ہے۔ اور اِس امر کا مطلق خیال نہیں کیا کہ یہ صرف شیعہ حضرات کی ہی نہیں بلکہ درحقیقت سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلّم کی غلامی کا دعوی کرنے والے ہر شخص کی دل آزاری ہے۔ بادلِ ناخواستہ چند اشعار بطور نمونہ تحریر کیے جاتے ہیں :-

۱- وَشَتَّانَ مَا بَیْنِیْ وَبَیْنَ حُسَیْنِکُمْ — فَاِنِّیْ اُؤَیَّدُ کُلَّ اٰنٍ وَّاُنْصَرُ

(اور میرے اور تمہارے حُسین کے درمیان بڑا فرق ہے کیونکہ مجھے تو ہر آن خُدا کی تائید اور نصرت حاصل ہو رہی ہے)

۲- وَاِنِّیْ بِفَضْلِ اللّٰہِ فِیْ حَجْرِ خَالِقِیْ — اُرَبّٰی وَاُعْصَمُ مِنْ لِّئَامٍ تَنَمَّرُوْا

(اور میں تو اللہ کے فضل سے اپنے خالق کی کنارِ عاطفت میں ہُوں جو دشمن لئیم سے میری حفاظت فرماتا ہے)

۳- وَاَمَّا حُسَیْنٌ فَاذْکُرُوْا دَشْتَ کَرْبَلَا — اِلٰی ہٰذِہِ الْاَیَّامِ تَبْکُوْنَ فَانْظُرُوْا

(اور رہا حُسین تو ذرا دشت کربلا کا واقعہ یاد کرو جس پر آج تک آنسو بہا رہے ہیں پس خُود ہی سوچو کتنا فرق ہے)

۴- طَلَبْتُمْ فَلَاحًا مِّنْ قَتِیْلٍ بِخَیْبَۃٍ — فَخَیَّبَکُمْ رَبٌّ غَیُوْرٌ مُّبَرِّءٌ

(تم نے اُس کُشتۂ نامرادی سے (معاذ اللہ) فلاح طلب کی پس ہلاک کرنے والے ربِ غیُور نے تمہیں خراب و خاسر کر ڈالا)

۵- فَاِنِّیْ قَتِیْلُ الْحُبِّ لٰکِنْ حُسَیْنُکُمْ — قَتِیْلُ الْعِدَا فَالْفَرْقُ اَجْلٰی وَاَظْہَرُ

(اور میں تو خُدائے تعالیٰ کی محبت کا کُشتہ ہُوں، لیکن تمہارا حسین کُشتۂ اعداء ہے پس فرق ظاہر ہے)

اِس کتاب کے اُردو دیباچہ میں مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ "یہ الفاظ میرے نہیں۔ میرا ایمان ہے کہ کوئی شخص حضرت عیسیٰؑ اور امام حُسین رضؓ جیسے پاکبازوں کی شان میں بے ادبی کر کے ایک رات بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ لیکن مُبارک ہے وُہ جو اس امر میں غور کرتا ہے کہ خُدائے تعالیٰ کی اِس میں کیا حکمت تھی کہ اُس نے یہ الفاظ میری زبان پر جاری کر دیئے۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدینؓ کے متعلق قادیانیوں کی زبان درازی

مرزا صاحب کی برادری کے ایک رُکن حکیم محمد حسین قادیانی اپنی کتاب "المہدی" میں۔ اور ڈاکٹر شاہ نواز خان قادیانی "ریویو آف ریلیجز مئی ۱۹۲۰ء" میں اس موضوع پر یوں رقمطراز ہیں:۔

"مجھے اہل بیتِ مسیح موعود علیہ السلام سے خاص محبت اور عاشقانہ تعلق تھا۔ مجھے اس وقت بھی تمام خاندانِ مسیح موعود کے ساتھ دلی ارادت ہے اور میں اُن سب کی کفش برداری اپنا فخر سمجھتا ہوں۔ میرے ایک مُحب تھے جو اس وقت مولوی فاضل بھی ہیں اور اہل بیتِ مسیح موعود کے خاص رُکن رکین بھی ہیں۔ اُنہوں نے مجھے ایک دفعہ فرمایا کہ سچ تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی اتنی پیش گوئیاں نہیں جتنی کہ مسیح موعود کی ہیں۔ پھر اُنہوں نے اور بھی ایک ایسا ہی دُکھ دینے والا فقرہ بولا کہ ابوبکرؓ و عمرؓ کیا تھے۔ وہ تو حضرت غلام احمد کی جُوتیوں کے تسمہ کھولنے کے بھی لائق نہ تھے۔ ان فقروں نے مجھے ایسا دُکھ دیا اور ان کے سُننے سے مجھے ایسی تکلیف ہوئی کہ میری نظر میں جو توقیر اور عزت اہل بیتِ مسیح موعود میں سے ہونے کی ان کی نسبت تھی وہ سب جاتی رہی۔"

"حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ذہنی ارتقاء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ تھا..... اس زمانہ میں تمدنی ترقی زیادہ ہوئی ہے۔ اور یہ جزوی فضیلت ہے جو مسیح موعود کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حاصل ہے۔ نبی کریم کی ذہنی استعدادوں کا پورا ظہور بوجہ تمدن کے نقص کے نہ ہوا، ورنہ قابلیت تھی۔"

مرزا صاحب کے اپنے ارشادات دربارۂ ائمۂ اہل بیت اور صحابۂ کرام اس قدر ثقیل ہیں کہ اُنہیں مصلحتاً یہاں درج نہیں کیا جاتا۔

تمام اُمتِ محمدیہ پر کُفر کا فتوے

مرزا صاحب کے بتدریج ارتقائے نبوت کی داستان مختصراً اُوپر بیان کی جاچکی ہے۔ احادیثِ مقدسہ کے مطابق مسیح موعود کے ظہور کے بعد تمام دُنیا کے انسانوں نے اسلام کی حقانیت کو تسلیم کرنا تھا جن میں عیسائی، یہودی اور تمام دیگر عقائد رکھنے والے انسان بھی شامل ہوں گے۔ مگر یہاں معاملہ بالکل برعکس تھا۔ مرزا صاحب نے جب دیکھا کہ اُن کی دعوت پر لبیک کہنے والوں کی تعداد بہت کم ہے تو اُنہوں نے اپنے تمام نہ ماننے والوں کو کافر قرار دے دیا۔ فرمایا:۔

"خدائے تعالیٰ نے میرے اُوپر ظاہر کیا ہے کہ ہر ایک وہ شخص جس کو میری دعوت پہنچی ہے اور اُس نے مجھے قبول نہیں کیا وہ مُسلمان نہیں ہے۔" (ارشاد مرزا صاحب مندرجہ رسالہ "الذکر الحکیم نمبر۴")

"جو شخص تیری پیروی نہیں کرے گا اور تیری بیعت میں داخل نہیں ہوگا اور تیرا مخالف رہے گا وہ خدا اور رسُول کی نافرمانی کرنے والا اور جہنمی ہے۔" (الہام مرزا صاحب تبلیغ رسالت جلد نہم)

"پس یاد رکھو کہ جیسا کہ خدا نے مجھے اطلاع دی ہے تمہارے پر حرام ہے اور قطعی حرام ہے کہ کسی مکفر اور مکذب یا متردد کے پیچھے نماز پڑھو بلکہ چاہیئے کہ تمہارا وہی امام ہو جو تم میں سے ہو۔" (اربعین نمبر۳ صـ۳۴ حاشیہ)

اِس موضوع پر اُن کے صاحبزادے میاں محمود احمد صاحب کا بیان بھی قابلِ ملاحظہ ہے:۔

"کُل مسلمان جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے، خواہ اُنھوں نے حضرت مسیح موعود کا نام بھی نہیں سُنا، وُہ کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔" (آئینۂ صداقت)

اُن کے دُوسرے صاحبزادے مرزا بشیر احمد کی خامہ فرسائی بھی ملاحظہ ہو:۔

"ہر ایک شخص جو... محمدؐ کو مانتا ہے مگر مسیح موعود کو نہیں مانتا، وُہ نہ صرف کافر بلکہ پکّا کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔" (ریویو آف ریلیجز نمبر ۳ جلد ۱۴ صفحہ ۱۱۰)

"حضرت (مرزا) صاحب نے اپنے بیٹے (فضل احمد) کا جنازہ محض اس لیے نہیں پڑھا کہ وُہ غیر احمدی تھا۔" (اخبار "الفضل"۔ ۱۵ دسمبر ۱۹۲۱ء)

قادیانیّت کے پسِ پردہ کارفرما قوتیں

یہ اندازہ لگانا کہ مرزا صاحب کی تحریک کے پسِ پردہ کون سی اسلام دُشمن طاقتیں کارفرما تھیں، مشکل نہیں ہے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد انگریز حکومت ہندوستانی مُسلمانوں سے بدظن ہو چکی تھی، مگر مرزا صاحب اور اُن کی جماعت پر اُن کی خاص نظرِ عنایت تھی۔ مرزا صاحب نے دیگر مُسلمان زُعماء اور عُلماء کے خلاف مندرجہ ذیل قسم کی درخواستیں اور محضر نامے حکومت کو ارسال کیے جن سے یہ صاف پتہ چلتا ہے کہ وُہ حکومتِ برطانیہ کے خاص حاشیہ بردار تھے۔

"چُونکہ قرینِ مصلحت ہے کہ سرکار انگریزی کی خیر خواہی کے لیے ایسے نافہم مسلمانوں کے نام بھی نقشہ جات میں درج کیے جائیں جو درپردہ اپنے دلوں میں برٹش انڈیا کو دارالحرب قرار دیتے ہیں... لہٰذا یہ نقشہ اس غرض کے لیے تجویز کیا گیا ہے کہ تا اس میں ان ناحق شناس لوگوں کے نام محفوظ رہیں جو ایسی باغیانہ سرشت کے آدمی ہیں... جن کے نہایت مخفی ارادے گورنمنٹ کے برخلاف ہیں... لیکن ہم گورنمنٹ میں باادب گذارش کرتے ہیں کہ ایسے نقشے ایک پولیٹیکل راز کی طرح اُس وقت تک ہمارے پاس محفوظ رہیں جب تک گورنمنٹ ہم سے طلب کرے۔ اور ہم اُمید کرتے ہیں کہ ہماری حکیم مزاج گورنمنٹ بھی ان نقشوں کو ایک مُلکی راز کی طرح اپنے کسی دفتر میں محفوظ رکھے گی۔ ایسے لوگوں کے نام معہ پتہ و نشان یہ ہیں:"

(مرزا غلام احمد قادیانی کی تحریر بعنوان "قابلِ توجہ گورنمنٹ"، مندرجہ "تبلیغ رسالت" جلد پنجم)

اور جب دیکھا کہ آزادیٔ مُلک اور حصولِ اقتدار کی دوڑ میں ہندو، مُسلمانوں کے ساتھ برسرِ پیکار ہیں، تو اپنی جماعت کے حق میں ہندوؤں کو ہموار کرنے کے لیے اُن کی پُستکوں اور رِشی مُنیوں کی تعریف میں لکھنا اور لیکچر دینا شروع کر دیا۔ چنانچہ نومبر ۱۹۰۴ء میں سیالکوٹ کے مقام پر ایک لیکچر میں ہندو پبلک کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:۔

"اب واضح ہو کہ راجہ کرشن جیسا کہ میرے پر ظاہر کیا گیا ہے درحقیقت ایک ایسا کامل انسان تھا جس کی نظیر ہندوؤں کے کسی رِشی اور اوتار میں نہیں پائی جاتی۔ وُہ اپنے وقت کا اوتار یعنی نبی تھا جس پر خُدا کی طرف سے رُوح القدس اُترتا تھا... خُدا کا وعدہ تھا کہ آخری زمانہ میں اُس کا بروز یعنی اوتار پیدا کرے سو یہ وعدہ میرے ظہور سے پُورا ہوا۔ مجھے منجملہ اور الہاموں کے اپنی نسبت ایک یہ بھی الہام ہوا تھا کہ

"ہے کرشن رودر گوپال! تیری مہما گیتا میں لکھی گئی ہے۔"

برطانیہ کی اطاعت "نصف الاسلام"

اپنی کتاب "شہادت القرآن" میں حکومتِ برطانیہ کی اطاعت کو نصف الاسلام قرار دیتے ہوئے مرزا صاحب "تریاق القلوب" میں لکھتے ہیں :-

"میں نے ممانعتِ جہاد اور انگریزی اطاعت کے بارے میں اس قدر کتابیں لکھی ہیں کہ اگر وہ اکٹھی کی جائیں تو پچاس الماریاں ان سے بھر سکتی ہیں۔ میں نے ان کتابوں کو تمام ممالکِ عرب، مصر اور شام اور کابل اور روم تک پہنچا دیا ہے۔ میری یہ کوشش رہی ہے کہ مسلمان اس سلطنت کے سچے خیر خواہ ہو جائیں۔ اور مہدی خونی اور مسیح خونی کی بے اصل روایتیں اور جہاد کے جوش دینے والے مسائل جو احمقوں کے دلوں کو خراب کرتے ہیں۔ ان کے دلوں سے معدوم ہو جائیں"

گویا اسلامی جہاد، دینی عصبیت، قومی غیرت، حُبّ الوطنی اور اخوتِ اسلامی کی تفسیر مرزا صاحب بہ الفاظ بالابیان فرما رہے ہیں۔ اُس زمانہ میں جب مصر انگریزوں کے زیرِ نگیں آچکا تھا اور بقیۂ اسلامی ممالک اس قوم کے دندانِ آز کا شکار ہو رہے تھے۔ اگر کوئی شخص مرزا صاحب کی اس تعلیم کو عیسائی حکومتوں کے لیے عالمِ اسلام میں کمزوری و انتشار پیدا کر کے اُن کے لیے فضا ساز گار کرنے سے تعبیر کرے تو کیا غلط ہوگا؟ اس چیز کو امامِ منتظر کے اسلامی پس منظر سے بھی ملاحظہ فرماتے ہوئے غور فرمایئے کہ کیا مہدیٔ آخر الزمان کے تشریف لانے کا یہی مقصد تھا جو مرزا صاحب مہدی و مسیح بن کر پورا کر رہے تھے۔ یعنی تمام اسلامی دُنیا برطانیہ کے زیرِ اقتدار آجائے اور تمام رُوئے زمین پر کہیں بھی کوئی اسلامی حکومت قائم نہ رہے؟

قادیانیوں سے ہندوؤں کی توقّعات

رُوحِ اسلامی کے خلاف ایسے ہی بیانات اور عندیات کی بناء پر ہندوؤں کو ہندوستان میں مسلمانوں کے انفرادی وجود اور علیحدہ قومیّت سے انکار کرتے ہوئے، ایک مشترکہ قومیّت کا دعویٰ کر کے، انگریز حکومت سے آزادی حاصل کرنے کے سلسلہ میں قادیانیوں سے جو توقّعات وابستہ ہو گئی تھیں، اُن کی ایک جھلک بھی ملاحظہ فرمایئے۔ اخبار "بندے ماترم" مورخہ ۲۲ اپریل ۱۹۳۲ء میں ڈاکٹر شنکر داس مہرہ بی، ایس سی۔ ایم۔ بی۔ بی۔ ایس لاہور کا ایک مقالہ شائع ہوا تھا جسے خود قادیانی حضرات نے فخریہ طور پر ایک ٹریکٹ میں شائع کیا تھا۔ اُس کا خلاصہ درج ذیل ہے :-

"سب سے اہم سوال جو ملک کے سامنے درپیش ہے وہ یہ ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کے اندر کس طرح قومیّت کا جذبہ پیدا کیا جائے . . . ہندوستانی مسلمان اپنے آپ کو ایک الگ قوم تصوّر کیے بیٹھے ہیں، اور وہ دن رات عرب کے ہی گیت گاتے ہیں۔ اگر ان کا بس چلے تو وہ ہندوستان کو بھی عرب کا نام دے دیں۔

"اس مایوسی کے عالم میں ہندوستانی قوم پرستوں کو ایک ہی اُمید کی شمع دکھائی دیتی ہے اور وہ احمدیوں کی تحریک ہے۔ جس قدر مسلمان احمدیّت کی طرف راغب ہوں گے وہ قادیان کو اپنا مکّہ تصوّر کرنے لگیں گے۔

اَور آخر میں مُحبِّ ہند اَور قوم پرست بن جائیں گے مُسلمانوں میں احمدیہ تحریک کی ترقی ہی عربی تہذیب اَور پان اِسلام اِزم کا خاتمہ کر سکتی ہے . . . ایک مرزائی مُسلمان کا عقیدہ ہے کہ :-

۱ ۔ خُدا سمے پر لوگوں کی رہبری کے لِیے ایک اِنسان پیدا کرتا ہے جو اُس وقت کا نبی ہوتا ہے ۔

۲ ۔ خُدا نے عرب کے لوگوں میں اُن کی اخلاقی گراوٹ کے زمانہ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بنا کر بھیجا ۔

۳ ۔ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد خُدا کو ایک نبی کی ضرورت محسُوس ہُوئی اَور اِس لِیے مرزا صاحب کو بھیجا کہ وُہ مُسلمانوں کی راہنمائی کریں ۔

"جس طرح ایک ہندُو کے مُسلمان ہو جانے پر اُس کی شردھا اَور عقیدت رام ، کرشن ، وید اَور گیتا سے اُٹھ کر قُرآن اَور عرب کی بھُومی میں منتقل ہو جاتی ہے ۔ اِسی طرح جب کوئی مُسلمان احمدی بن جاتا ہے تو اُس کا زاویۂ نگاہ بدل جاتا ہے ۔ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اُس کی عقیدت کم ہوتی چلی جاتی ہے علاوہ بریں جہاں اُس کی خلافت عرب اَور ترکستان میں تھی ۔ اَب وُہ خلافت قادیان میں آجاتی ہے اَور مکّہ ، مدینہ اُس کے لِیے روایتی مقاماتِ مقدسہ رہ جاتے ہیں ۔

"کوئی بھی احمدی چاہے عرب ، ترکستان ، ایران یا دُنیا کے کسی بھی گوشہ میں بیٹھا ہو ، وُہ رُوحانی شکتی کے لِیے قادیان کی طرف مُنہ کرتا ہے ۔ قادیان کی سرزمین اُس کے لِیے پنیہ بھُومی (سرزمینِ نجات) ہے ۔ اَور اِسی میں ہندوستان کی فضیلت کا راز پنہاں ہے ۔ ہر احمدی کے دل میں ہندوستان کے لِیے پریم ہوگا کیونکہ قادیان ہندوستان میں ہے ۔ مرزا جی بھی ہندوستانی تھے اَور جتنے خلیفے اِس کی رہبری کر رہے ہیں وُہ سب ہندوستانی ہیں ۔

"وُہ زمانہ دُور نہیں جب کہ احمدی برملا یہ کہیں گے کہ صاحب ہم محمّدی مُسلمان نہیں ہم تو احمدی مُسلمان ہیں ۔ کوئی اِن سے سوال کرے گا ، کیا تم حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نبوت کو مانتے ہو تو وُہ جواب دیں گے ۔ ہم حضرت محمدؐ ، عیسٰی ، رام ، کرشن ، سب کو اپنے اپنے وقت کا نبی تصوّر کرتے ہیں ، لیکن اِس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم ہندُو ، عیسائی یا محمدی ہو گئے ۔

"یہی وجہ ہے کہ مُسلمان احمدیہ تحریک کو مشکوک نگاہوں سے دیکھتے ہیں ۔ وُہ جانتے ہیں کہ احمدیّت ہی عربی تہذیب اَور اِسلام کی دُشمن ہے ۔ خلافت تحریک میں بھی احمدیوں نے مُسلمانوں کا ساتھ نہیں دیا ۔ کیونکہ وُہ خلافت کو بجائے ترکی یا عرب میں قائم کرنے کے قادیان میں قائم کرنا چاہتے ہیں ۔ یہ بات عام مسلمانوں کے لِیے جو ہر وقت پان اِسلام ازم یا پان عربی سنگٹھن کے خواب دیکھتے ہیں کتنی ہی مایُوس کُن ہو مگر ایک قوم پرست کے لِیے باعثِ مسرّت ہے ۔"

(مضمون ڈاکٹر شنکر داس اخبار "بندے ماترم" ۲۲ ۔ اپریل ۱۹۳۲ء)

چُنانچہ ہندوؤں اَور قادیانیوں میں باہم سلام و پیام کا سلسلہ جاری رہا اَور مئی ۱۹۳۶ء میں پنڈت جواہر لعل نہرو صدر آل انڈیا نیشنل (ہندو) کانگریس کی لاہور میں آمد پر قادیانیوں اَور اُن کی والنٹیر کور نے شاندار استقبال کیا ۔ اَور اِس سلسلہ میں

علامہ اقبال کے مسلمانوں کو متنبہ کرنے پر پنڈت نہرو اور جناب علامہ کے درمیان اخباری اور کتابی مناظرے بھی ہوئے۔

مرزا صاحب کے دعاوی کا اُمتِ مسلمہ پر ردِ عمل

مسلمان کا یہ ایمان ہے کہ وہ ایک ازلی ابدی عالمگیر ملتِ بیضا کا رُکن ہے جس میں بے شمار انبیائے کرام مبعوث ہوئے اور جناب محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے آخری نبی اور رسول ہیں۔ اُن کے دین میں چار چیزیں حجت ہیں۔ کتابُ اللہ۔ حدیثِ نبوی، اجتہادِ سلف اور اجماعِ اُمت۔ جو بات اِن چاروں کے میزان پر حق ثابت ہو اُن کے لیے وُہی حق ہے اور جو باطل ہو وُہ باطل۔ مرزا صاحب کی نبوت اس میزان پر حق ثابت نہیں ہوتی تھی اس لیے اسے ماننا مسلمان کے لیے ممکن نہیں تھا۔

مسلمان کو یہ بھی معلوم تھا کہ نبوت ایک بہت ہی ارفع و اعلیٰ چیز ہے اور محض چند پیشین گوئیوں کی صداقت میزانِ ایمان نہیں ہو سکتی۔ نبوت کا دعوے کر دینا آسان ہے مگر اُس کے معیار پر پورا اُترنا آسان نہیں خصوصاً جب دعوے اُس فخرِ انبیاء کے بروز ہونے کا ہو جس کی تعریف میں خدا خود رطب اللسان ہے اور جس کے زہد و اتقا، ایثار و سخا، عبادات و مجاہدات، اہلِ خانہ اور عوام النّاس کے ساتھ حسنِ سلوک اور زندگی کے دیگر حسین پہلوؤں کا بیان ۱۴ سو سال سے بھی مکمل نہیں ہو سکا۔ اُس ذاتِ عالی کے ساتھ مرزا صاحب کی زندگی کا موازنہ کرنا ہی گستاخی ہے۔

اِس کے برعکس مرزا صاحب کا فرمان تھا کہ وحی الٰہی کا دروازہ ہمیشہ کھلا ہے اور وُہ خود خدا کے رسول اور نبی ہیں۔ کتابُ اللہ کے وُہی معنی درست ہیں جنہیں وُہ درست کہیں۔ حدیثِ نبوی کے جس حصہ کو وُہ چاہیں لے لیں اور جسے چاہیں رد کر دیں۔ اجتہادِ سلف و خلف ختم ہے کیونکہ نبی (یعنی وُہ خود) آ گئے ہیں اور اجماعِ اُمت کے نام کی بھی کوئی چیز نہیں رہی۔ کیونکہ خدا تعالیٰ اُن سے کلام فرماتا ہے۔ اور اُنہیں اپنی کتاب کے صحیح مفہوم اور حدیث کے صحیح یا بناوٹی ہونے پر مطلع کرتا ہے۔ اِس حقیقت کے وُہ خود شاہد ہیں۔ اور جو شخص اُن کی شہادت پر ایمان نہیں رکھتا اور اُن سے بیعت نہیں کرتا وُہ خارج از اسلام ہے۔

مرزا صاحب کے اِن فرمانوں کو مان لینے کا نتیجہ یہ ہوتا کہ اُمتِ خیر الرسل کا اپنا ایمان، اپنی ہستی اور اپنا وجود بالکل ختم ہو جاتا۔ اُس کے علوم و قوانین، مقدس اقدار، تاریخی شخصیتیں، ثقافت اور اُس کا نظام و معاشرہ سب مٹ جاتے۔ اُس کی عقیدت اور فکر کا مرکز یکسر بدل جاتا۔ جنابِ ختمی مرتبت تاجدارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و قیادت کی حیثیت ثانوی ہو کر رہ جاتی۔ قرآن کی تفسیر اور حدیث کی تاویل، فقہ اور اجماع کا استدلال اور استنباط اُس نہج پر چل نکلتے جو اسلامی روایت اور درایت اور اُمت کے احساسِ عمومی کے خلاف ہی نہیں بلکہ اِنسانیت کے احساسِ عمومی کے بھی برعکس ہوتا۔ نہ صرف یہ بلکہ اُمتِ اِسلامیہ اس تحریکِ قادیانیت کی محسن برطانوی حکومت کے سمندِ ناز کی نخچیر بن کے رہ جاتی۔

مرزا صاحب کا دعوے اِس نوعیت کا تھا کہ اُس کا ساری اُمتِ مسلمہ پر ایک شدید ردِ عمل ہونا لازمی تھا۔ تمام عُلمائے اِسلام اور اہلِ دانش اُس کی مخالفت میں متفق ہو گئے اور قادیانیت کے مقابلہ میں یکجان ہو کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اُنہوں نے اپنی تصانیف اور مواعظ کے ذریعے عامۃ المسلمین کو اس قدر باخبر کر دیا کہ قادیانیت کی تبلیغ اس مُلک میں بالکل بے اثر ہو کر رہ گئی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اگر مرزا صاحب کو سرکارِ برطانیہ کی حفاظت اور سرپرستی حاصل نہ ہوتی تو اُن کا حشر بھی وُہی ہوتا جو اُن سے قبل آنے والے ایسے ہی

مدّعیان کا ہوا تھا۔ اِس سِلسلے میں سیّد عطاء اللہ شاہ بُخاری اَور اُن کی جماعتِ احرار، مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری، مولوی ظفر علی خان مدیر اخبار" زمیندار"، جناب علّامہ اِقبال اَور حضرت قبلۂ عالمؒ کے مخلصین مولوی محرم علی چشتی مدیر اخبار" رفیقِ ہند" لاہور اَور قاضی سِراج الدین مدیر اخبار" چودھویں صدی" راولپنڈی نے خاص طور پر قابلِ ذکر کام کیا۔ خود حضرت قبلۂ عالمؒ کی ذاتِ پاک سے قدرت نے جو کام لیا اُس کی تفصیل بعد میں آئے گی۔

مِرزا صاحب کے اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہونے کی کئی وجوہات ہیں۔ اوّلاً تو اُن کے کلام میں (جس کے نمونے اُوپر ہدیۂ ناظرین کیے جا چکے ہیں) ابہام اَور اُلجھاؤ اِس قدر تھا کہ نہ تو اُس سے وُہ خود عہدہ برآ ہو سکے اَور نہ اُن کے مخاطب۔ اپنے دعوٰئے نبوّت سے پہلے اُنھوں نے اپنی متعدد تحریروں میں اپنی طرح کے مُدّعیان کی تکذیب کی ہوتی تھی جب وُہ خود مدّعی بنے تو اپنی پہلی تحریروں کا جواز ڈھونڈنے میں اُنھوں نے ایسی ایسی قلابازیاں کھائیں جنھیں دیکھ کر کوئی صحیح الرّائے اِنسان اُن کی تصدیق نہیں کر سکتا۔ ثانیاً مرزا صاحب کی اپنی جماعت میں اُن کی زندگی ہی میں اِختلافات پیدا ہو گئے۔ اُن کے کئی پیروؤں نے خود پیغمبر ہونے کا دعوٰے کر دیا اَور بعض دُوسروں نے اُن کی نبوّت کی تصدیق کرنے سے اِنکار کر دیا۔ اِن مخالفین نے اُن کی زندگی کے ایسے ایسے گھناؤنے پہلو اُجاگر کیے جو اُن کے نبی ہونے کے دعوٰے کو باطل کرنے کے لِیے کافی تھے اِن کی تفصیل بیان کرنے کے لِیے ایک پُوری کتاب چاہیئے۔ ریاست حیدر آباد کے پروفیسر محمد الیاس برنی نے اپنی کتاب" قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ" میں مِرزا صاحب اَور اُن کے پیروؤں کی اپنی تحریروں سے ایسے اِقتباسات شائع کیے ہیں جن سے مِرزا صاحب کی زندگی کے تمام پہلو روزِ روشن کی طرح سامنے آجاتے ہیں اَور اُن کی اصل حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ یہ کتاب حال ہی میں پاکستان میں بھی شائع ہو چکی ہے تبصرہ ہذا میں مرزائی کُتب کے حوالہ جات اَور اِقتباسات کے لِیے اِسی کتاب کے پانچویں ایڈیشن شائع کردہ عُمدۃ المطابع لکھنؤ ۱۳۵۵ھ سے اِستفادہ کیا گیا ہے۔

قادیانی اَور لاہوری پارٹی

افغانستان میں دو قادیانیوں پر حدِّ اِرتداد جاری ہونے کے بعد عرصۂ دراز تک اِن لوگوں کو اِسلامی ممالک کا رُخ کرنے کی جرأت نہ ہُوئی۔ اَب بعض یورپین اَور افریقی ممالک میں اُن کے مُبلّغ کام کر رہے ہیں مگر وہاں بھی یہ اپنے آپ کو دینِ اسلام کا پیرو اَور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی اُمّت ظاہر کرتے ہیں۔ خود اپنے وطن میں یہ جماعت دو حِصّوں میں تقسیم ہو گئی ہے جن میں سے ایک لاہوری پارٹی کہلاتی ہے اَور دُوسری قادیانی۔ لاہوری جماعت مرزا صاحب کو مجدّدِ اعظم مانتے ہُوئے دبی زبان میں اُن کے ظلّی نبی ہونے کا بھی اِقرار کرتی ہے مگر مرزا صاحب کے نہ ماننے والوں کو صرف گناہگار قرار دیتی ہے، کافر نہیں کہتی۔ اِس کے برعکس قادیانی جماعت مِرزا صاحب کو کامل اَور مستقل صاحبِ شریعت و وحی نبی مانتی ہے اَور اُن کے نزدیک مرزا صاحب کی بیعت میں داخل نہ ہونے والا شخص کافر اَور خارج از اِسلام ہے۔ اِن دونوں پارٹیوں میں کثرت سے باہمی قلمی مباحث ہُوئے اَور ہوتے رہتے ہیں۔ اُن کا ایک چھوٹا سا نمونہ ناظرین کی ضیافتِ طبع کے لِیے دیا جاتا ہے۔

" حقیقۃ النبوۃ" میں مرزا صاحب کے فرزند میاں محمود احمد صاحب یُوں رقمطراز ہُوئے :-

" ۱۹۰۱ء سے پہلے آپ (مرزا صاحب) نبی کی اَور تعریف کرتے تھے اَور بعد میں آپ نے جب اللہ تعالیٰ کی متواتر وحی پر غور کیا اَور قرآن کریم کو دیکھا تو اُس سے نبی کی تعریف اَور معلوم ہوئی۔ بار بار کی وحی نے آپ کی

توجہ کو اس طرف پھیر دیا کہ ۲۳ سال سے جو مجھ کو نبی کہا جا رہا ہے تو یہ محدث کا دوسرا نام نہیں بلکہ اس سے نبی ہی مراد ہے اور یہ زمانہ تریاق القلوب" کے بعد کا زمانہ ہے۔"

(حقیقۃ النبوۃ" مصنفہ میاں محمود احمد خلیفہ قادیان)

اس کے جواب میں لاہوری پارٹی کی طرف سے "پیغام الصلح" میں مندرجہ ذیل بیان شائع ہوا:-

"مگر افسوس ہے جناب میاں صاحب کے اس اعلان کے مطابق حضرت مسیح موعود کی یہ کم علمی اور نادانی ایسی نادانی کے ذیل میں آتی ہے، جسے توبہ توبہ، نقل کفر، کفر نباشد نعوذ باللہ جہل مرکب کہتے ہیں، کہ باوجود اس بات کے کہ نبی کی تعریف تو نہ جانتے تھے مگر حالت یہ تھی کہ جہاں کسی نے آپ (مرزا صاحب) کی طرف دعاوی نبوت منسوب کیا اور آپ لگے مدعی نبوت پر لعنتیں کرنے۔ جو شخص ایک بات کو نہیں جانتا اور پھر اس کے علم پر اس قدر اصرار کرے کہ لعنتوں اور مباہلوں پر اتر آئے تو اس سے بڑھ کر جہل مرکب کا وارث کون ہو سکتا ہے؟ خود نبی ہیں اور خیر سے پتہ نہیں کہ میں نبی ہوں اور باوجود اس لاعلمی اور جہل مرکب کے مدعی نبوت پر یا دوسرے لفظوں میں خود اپنے آپ پر لعنتیں بھیجنے میں ذرا تامل نہیں کرتے۔۔۔ یہ بھونڈی اور قابل شرم تصویر جو جناب میاں (محمود احمد) صاحب نے حضرت مسیح موعود کی کھینچی ہے۔ کیا اس قابل ہے کہ کسی عقل مند آدمی کے سامنے پیش کی جا سکے۔"

(قادیانی جماعت کی لاہوری پارٹی کا اخبار "پیغام صلح" ۷۔ اپریل ۱۹۳۴ء)

قادیانی فرقہ والوں نے تو آیہ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ کو بھی جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بجائے مرزا صاحب سے منسوب کیا ہے۔ آیت بہ تفصیل ذیل ہے:-

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُم مِّن كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنصُرُنَّهُ ۚ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ إِصْرِي ۖ قَالُوا أَقْرَرْنَا ۚ قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُم مِّنَ الشَّاهِدِينَ ○

(آل عمران - ۸۱)

اور جب اللہ نے نبیوں سے عہد لیا کہ البتہ جو کچھ میں تمہیں کتاب اور علم سے دوں، پھر تمہارے پاس پیغمبر آئے جو اس چیز کی تصدیق کرنے والا ہو جو تمہارے پاس ہے البتہ اس پر ایمان لے آنا اور اس کی مدد کرنا۔ فرمایا کیا تم نے اقرار کیا اور اس شرط پر میرا عہد قبول کیا۔ انہوں نے کہا ہم نے اقرار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو اب تم گواہ رہو۔ میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔

چنانچہ "الفضل" قادیان مورخہ ۲۶۔ فروری ۱۹۲۴ء میں مندرجہ ذیل نظم درج ہے:-

خدا نے لیا عہد سب انبیاء سے — کہ جب تم کو دوں میں کتاب اور حکمت
پھر آئے تمہارا مصدق پیغمبر — تم ایمان لاؤ، کرو اس کی نصرت
کہا کیا یہ اقرار کرتے ہو محکم — وہ بولے مقر ہے ہماری جماعت
کہا حق تعالیٰ نے شاہد رہو تم — یہی میں بھی دیتا رہوں گا شہادت
جو اس عہد کے بعد کوئی پھرے گا — بنے گا وہ فاسق اٹھائے گا ذلت

لیا تھا جو میثاق سب انبیاء سے — وُہی عہد حق نے لیا مُصطفٰے سے
وُہ نوح و خلیل و کلیم و مسیحا — سبھی سے یہ پیمان محکم لیا تھا
مُبارک وُہ اُمّت کا موعُود آیا — وُہ میثاقِ مِلّت کا مقصُود آیا

کریں اہلِ اسلام اَب عہد پُورا
بنے آج ہر ایک عبداً شکورا

لاہوری جماعت والے اِس ضمن میں قادیانی جماعت کو خطاب کرتے ہُوئے لِکھتے ہیں :-

"بے شک حضرت مرزا صاحب کی نبوت قرآن کی ایک ایک آیت سے نکالو، خواہ وُہ کیسے ہی بھُونڈے اَور لچر طریق سے نکالی جائے یا خواہ وُہ خود حضرت مرزا صاحب کی تفاسیر سے کِتنی ہی مختلف کیوں نہ ہو یہ قوم خوشی سے بغلیں بجاتی رہے گی۔ نعرۂ تحسین و آفرین بلند کرتی رہے گی۔ اُن تمام پیش گوئیوں کو جن کے مِصداق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم ہیں، آپ بے شک مرزا صاحب پر چسپاں کرتے جائیں، یہ غالی قوم خوشی سے تالیاں بجاتی اَور ناچتی رہے گی۔ لیکن اگر آپ کسی پیشگوئی کے متعلق یہ کہہ دیں کہ حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلّم کے لِیے ہے اَور حضرت مرزا صاحب اِس کے مِصداقِ حقیقی نہیں بلکہ بوجہ اُمّتی اَور خلیفہ ہونے کے صِرف ظلّی یا بروزی رنگ میں اِس کے ماتحت آتے ہیں تو اِن کے سِینے میں یُوں لگے گا جیسے تیر لگتا ہے۔ محمد رسُول اللہ کی چیزیں چھین چھین کر حضرت مرزا صاحب کو دیتے جاؤ یہ خوشی سے پھُولے نہ سمائیں گے ... لیکن اگر کوئی چیز جو اُنہوں نے محمد رسُول اللہ سے چھین کر حضرت مرزا صاحب کو دی ہوتی ہے آپ واپس محمد رسُول اللہ کو دیں تو یہ بلبلا بلبلا کر اَور چلّا چلّا کر حشر برپا کر دیں گے ... مثلاً جب تک مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِىْ مِنْۢ بَعْدِى اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ کا مِصداق حضرت مرزا صاحب کو کہتے رہو بہت خُوش رہیں گے۔ لیکن جہاں اِس کا مِصداقِ حقیقی محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو بتایا اَور تمام محمُودی ٹولے سے صدائے واویلا بلند ہوئی کہ ہائے ہائے حضرت مسیح موعُود کی توہین کی گئی۔"

(لاہوری جماعت کا اخبار "پیغامِ صُلح" ۳ مئی ۱۹۳۴ء)

اِعتبار

اِس داستانِ عبرت کے پہلے مخاطب تو وُہ عالم اَور درویش ہیں جو کسی کامل اُستاد یا شیخ کی تربیّت اَور اپنے مجاہدۂ نفس کے بغیر پایا نا تمام تربیّت اَور برائے نام مجاہدہ کے بل بوتہ پر علم و تقریں دم مارنے لگ جاتے ہیں۔ جس پر اُن کا خام و ناپختہ تحت الشعور اُنہیں اَوہام اَور خواب و خیال اَور وساوس کے ایسے گڑھوں میں لے گرتا ہے جہاں سے نکل آنا اِلّا ماشاء اللہ ناممکن و محال ہو جاتا ہے۔ حضرت مولٰینا رُوم رحمۃ اللہ علیہ اِسی ضمن میں فرماتے ہیں ؎

پیر را بگزیں کہ بے پیر ایں سفر — ہست بس پُر آفت و خوف و خطر

اَور اکبر الٰہ آبادی کا اِرشاد ہے ؎

تُو خاک میں مِل اَور آگ میں جل جب خِشت بنے تب کام چلے — اِن خام دِلوں کے عنصر پر بُنیاد نہ رکھ تعمیر نہ کر

مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ اُنہوں نے فقر کے کسی سلسلہ سے رشتہ نہیں جوڑا۔ ان کا کوئی رُوحانی باپ نہیں اور خدا تعالیٰ ہی اُن کا رُوحانی اُستاد اور مُرشد ہے۔ وُہ اِس چیز کو حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے ساتھ مماثلت کا ایک نشان قرار دیتے ہیں اور تحدیثِ نعمت کے طور پر بیان کر رہے ہیں۔ لیکن اس کو خیال میں نہیں لاتے کہ یہی چیز درحقیقت اُن کی زندگی کا المیہ بن کر رہ گئی ہے۔ کیونکہ اِس عالمِ اسباب میں سُنّت اللہ اسی طرح جاری ہے کہ آہن گری کا فن حاصل کرنے کے لیے کسی آہن گر اور پیری کے حصُول کے لیے کسی کامل پیر کے پاس تربیت کے لیے جانا ہی پڑتا ہے جیسا کہ مولینا رُوم کا ارشاد اُوپر درج ہو چکا ہے ؎

پیر را بگزیں کہ بے پیر ایں سفر ۔۔۔ ہست بس پُر آفت و خوف و خطر

سلُوک میں اِن آفات و خطرات کا سامنا سب سے زیادہ کشف و رؤیا کے مقام میں ہوتا ہے۔ اُولیائے کبار کے نزدیک کشفِ حقائق کو چنداں اہمیت نہیں کیونکہ اُن کا مقصُود مشاہدۂ جمالِ الٰہی ہوتا ہے اور ان کی زیادہ توجہ اسی امر پر مرکُوز رہتی ہے۔ مگر اس راہ کے کم حوصلہ مُسافر نفس اور شیطان کی عیارانہ چالوں سے بہک جاتے ہیں۔ حضرت امام غزالیؒ نے اپنی کتاب احیاء العلوم میں فرمایا ہے کہ کشف اُس وقت تک اعتبار کے لائق نہیں جب تک استقامتِ نفس سے پیدا نہ ہو۔ جیسے آئینہ ٹیڑھا یا دُھندلا ہو تو اُس میں صُورت بھی ٹیڑھی ترچھی اور دُھندلی نظر آتی ہے۔ اور استقامتِ نفس بغیر مجاہدہ، عالی ظرفی اور شیخ کامل کی تربیت کے حاصل نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا اس سے عُلمائے راسخین کے تلمذ اور اولیائے کاملین سے ذہنی و رُوحانی تربیت کی ضرورت و اہمیت کی وضاحت ہوتی ہے۔ ورنہ اکتسابِ کامل اور مجاہدۂ نفس کے بغیر خودی و نفسانیت کا نبوّت کے دعووں میں مُبتلا ہو جانا اور دُوسری جانب عوام کا جذبہ پیر پرستی کے زیرِ اثر بہک کر ایسے مدّعیان کو فوق البشر گردانتے ہوئے، اُن کی تعلیمات و ترغیبات کی پیروی پر بہ دل و جان آمادہ ہو جانا معمولی بات ہے۔ چنانچہ اس آخری دَور میں عراق میں باب، ایران میں بہاء اللہ اور ہندوستان میں مرزا غلام احمد جیسے حضرات اسی نوع کے مدّعی بن کر اُٹھے اور عوام کے جذبہ پیر پرستی سے فائدہ اُٹھاتے ہُوئے ایک گُونہ مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ فرمایا کرتے تھے کہ میں فقیر اُسے سمجھتا ہُوں جو فقر کے سات دریا پی جائے اور ڈکار تک نہ لے اور حضرت پیر فضل دین عُرف بڑے پیر صاحبؒ اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

گر خبر داری ز حیّ لا یمُوت ۔۔۔ بر دہانِ خود بنہ مُہرِ سکُوت

تعجب ہے کہ مرزا صاحب قادیانی اپنے ارادت مندوں میں سے مدّعیانِ نبوّت و امامت کو تو بار بار اُن کی خام خیالیوں پر متنبّہ کرتے رہے مگر اپنی ذات کے سلسلہ میں ان خامیوں کی طرف خیال تک نہیں کیا۔ چنانچہ اپنی کتاب "ضرورۃ الامام" میں خُود اِس سلسلہ میں سیّدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اُس مشہور کشف کو تحریر کرتے ہیں جس کا ذکر اسی کتاب کے باب اوّل میں آ چکا ہے کہ آنجناب ایک جنگل میں رات کے وقت یادِ الٰہی میں مشغول تھے کہ شیطان نے اچانک چُندھیا دینے والی روشنی میں سے آواز دے کر کہا کہ اے عبد القادر! میں تیرا رب، تجھ سے راضی ہُوں اور تجھے عبادت کی تکلیف سے آزاد کرتا ہُوں۔ اِس پر آپ نے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ پڑھا اور فرمایا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عُمر بھر عبادتِ الٰہی کے مکلّف رہے تو عبد القادر کیا چیز ہے جس سے یہ تکلیف اُٹھالی جائے۔ شیطان نے سامنے آ کر ایک دُوسرا دھوکا دینے کی کوشش میں کہا کہ اے عبدُ القادر تم اپنے علم کے باعث بچ گئے ورنہ کئی اولیاء اللہ یہاں آ کر رہ گئے۔ آپ نے فرمایا دُور ہو مردُود، مَیں اپنے علم سے نہیں بلکہ محض تائیدِ الٰہی سے محفُوظ رہا ہُوں۔ چنانچہ شیطان نے سر پیٹ لیا اور کہا کہ آج سے مَیں تم سے مایُوس ہوا ہوں۔

غور کا مقام ہے کہ راہِ سلوک کے ایک نہایت ہی زبردست مگر باریک خطرہ میں اللہ کے رسولؐ سے نیازمندی کا صحیح تعلق کس طرح اشراقِ نوری بن کر بجا رہا ہے۔ مگر مرزا صاحب قادیانی کے بلند بانگ دعاوی "منم محمد و احمد کہ مجتبیٰ باشد" کس طرح اُن کو گرا رہے ہیں اور اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ وَلَدِیْ وَاَنْتَ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْكَ کے الہامات و اعلانات کس طرح اَللّٰہُ الصَّمَدُ اور لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ کی قرآنی تعلیم کو تہ و بالا کر رہے ہیں یعنی قرآن تو کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ خود کسی کا بیٹا ہے اور نہ اُس کا کوئی بیٹا ہے۔ مگر مرزا صاحب کے الہامات میں اللہ تعالیٰ اُن کو کہہ رہے ہیں کہ تُو میرا بیٹا ہے۔ لیکن اِس تضادِ قرآنی کے باوجود مرزا صاحب کو سورۂ اخلاص یاد نہیں آتی اور نہ ہی لاحول زبان پر آتا ہے بلکہ لذّتِ انا میں سرشار ہو کر اعلان کرتے ہیں کہ دیکھو میرا رب مجھ سے کیا فرما رہا ہے۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ مرزا صاحب کے دعووں اور الہامات پر غور کرنے سے قرآنی تعلیم سے اُن کا تضاد اور خدا پر افترا صاف ظاہر ہو جاتا ہے جیسا کہ حضرتؒ قبلۂ عالم نے اپنی کتاب "سیفِ چشتیائی" میں تصریح فرمائی ہے اور جس کا ذکر بابِ تصانیف کتاب ہذا میں درج ہے۔

فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ (اے آنکھوں والو عبرت حاصل کرو)

پانچویں فصل

حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کا قادیانیت کے خلاف معرکہ

باطنی ارشادات

قادیانیت کے خلاف حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کے مناظرات کی علمی بحث کی وضاحت تو تصانیف کے باب میں آئے گی البتہ اس کے متعلق چند واقعات اور بعض تفاصیل یہاں بھی عرض کرنا ضروری ہیں۔ پہلے ذکر آچکا ہے کہ ۱۳۰۷ھ یعنی ۱۸۹۰ء میں حج کے موقعہ پر جب آپ نے حجازِ مقدس ہی میں سکونت پذیر ہونے کا ارادہ فرمایا تو حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے بنابر کشف آگاہ ہو کر فرمایا تھا کہ عنقریب سرزمینِ ہند میں ایک بہت بڑا فتنہ ظاہر ہونے والا ہے جس کا سدِّباب آپ کی ذات سے متعلق ہے۔ اگر اس وقت آپ اپنے وطن میں بالفرض خاموش بھی بیٹھے رہے تو بھی مُلک کے عُلماء اِس فتنہ کی زد سے محفوظ رہیں گے۔ چُنانچہ بعد ازاں وطن لوٹنے پر مکاشفات و مشاہدات کے ذریعہ آپ کو معلوم ہوا کہ اُس فتنہ سے مُراد، فتنۂ قادیانیت تھا۔ کیونکہ حضرت حاجی صاحبؒ کی پیش گوئی کے مُطابق اگلے ہی سال یعنی ۱۸۹۱ء میں مرزا صاحب نے مناظرِ اسلام، مامُور اور مجدد کے دعووں سے آگے قدم بڑھا کر حضرت عیسٰی علیہ السّلام کے آسمان پر اُٹھائے جانے اور نزُول سے اِنکار کر کے اُن کی موت اور اپنے مسیحِ موعُود ہونے کا اعلان کر دیا۔

"ملفُوظاتِ طیّبات" میں درج ہے کہ حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ نے فرمایا کہ عالمِ رؤیا میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مجھے مرزائے قادیانی کی تردید کا حکم دیتے ہُوئے اِرشاد فرمایا کہ یہ شخص میری احادیث کو تاویل کی قینچی سے کُتر رہا ہے اور تم خاموش بیٹھے ہو۔

ایک کشف کے متعلق حضرتؒ کی قلمی تحریر

ایک اور کشف کے متعلق حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کی ایک خود نوشتہ یادداشت آپ کے قدیم مسوّدات میں موجود پائی گئی ہے۔ جس کا متعلقہ حِصّہ درج ذیل کیا جاتا ہے :-

"در ایّامِ ارادۂ اجابتِ دعوتِ مرزا غلام احمد قادیانی کہ ظاہراً بغرضِ تحقیقِ حق بذریعہ اشتہارات نمودہ بود، بایں نعمتِ عظمیٰ مشرف شدم در حالتے کہ چشمانِ خود بند نمودہ بحالتِ بیداری در حُجرہ تنہا نشستہ بودم کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم را دیدم کہ بر ہیئتِ قعدہ جلوس فرما ہستند و بفاصلہ چہار بالشت ایں آثم نیز بہ ہماں ہیئت بالمقابل بمحاذاۃ تامہ مثلِ جلوسِ مُرید بخدمتِ شیخ حاضر است و غلام احمد بعید تر ازیں مکان رُو بمشرق و پُشت کردہ بجانب رسُولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نشستہ است۔ بعد ازیں رؤیت بہ لاہور بمعہ احباب رسیدم حسب وعدہ مؤکدہ خود (مثل لعنۃ اللہ علیٰ من تخلّف دابی) تخلّف ورزید و بہ لاہور نیامد۔"

ترجمہ ۔ "جن دنوں مرزا غلام احمد قادیانی نے بظاہر تحقیقِ حق کی غرض سے اشتہارات کے ذریعہ دعوت دی تھی اور میں اسے منظور کرنے کا ارادہ کر رہا تھا، مجھے اس نعمتِ عظمیٰ کا شرف حاصل ہوا میں اپنے حجرہ میں بحالتِ بیداری آنکھیں بند کیے تنہا بیٹھا تھا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ قعدہ کی حالت میں جلوس فرما ہیں اور یہ عاصی بھی چار بالشت کے فاصلہ پر اسی حالت میں بادب تمام شیخ کی خدمت میں مرید کی حاضری کی طرح بالمقابل بیٹھا ہے اور غلام احمد اس جگہ سے دور مشرق کی طرف منہ کیے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پشت کر کے بیٹھا ہے۔ اس رؤیت کے بعد میں بمعہ احباب لاہور پہنچا۔ لیکن مرزا اپنے تاکیدی وعدہ سے (مثل انکار کرنے اور پھر جانے والے پر خدا کی لعنت ہو) پھر گیا اور لاہور نہ آیا۔"

ان مکاشفات و مشاہدات کے علاوہ حضرتؒ نے "سیفِ چشتیائی" میں "دجال" کے متعلق اپنے بچپن کا ایک خواب بھی بیان فرمایا ہے جو بدیں مضمون ہے :-

"اس نیاز مند نے بلوغت سے قبل جب کہ احادیثِ دجال کا نام تک بھی نہ سنا تھا، دجال کو خواب میں شرقی جانب سے آتا ہوا دیکھا۔ دائیں آنکھ اس کی پھوٹی ہوئی تھی۔ اس نے مجھے کہا کہ کہو خدا ایک نہیں۔ میں نے سخت غصے سے جواب دیا کہ مردود، خدا ایک ہی ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ پھر اس نے چند قدم میری طرف بڑھ کر مجھ پر تلوار کا وار کیا مگر اس کا وار خطا ہو کر تلوار اس کی میرے سر سے گزرتی ہوئی زمین پر جا پڑی۔ پھر وہ پیچھے کو مینڈھے کی طرح انہی قدموں پر ہٹ کر پہلی جگہ پر کھڑا ہوا اور پھر وہی کلمہ اس نے کہا اور جواب اس کے میں نے بھی وہی کہا جو پہلے کہا تھا۔ پھر اس نے دوبارہ میرے گلے پر تلوار کا وار کیا۔ مگر وہ خطا ہو کر، تلوار زمین پر جا پڑی۔ تیسری دفعہ پھر ایسا ہی ہوا۔ بلکہ اس دفعہ تو قبضہ اس کے ہاتھ میں رہا اور تلوار قبضہ سے نکل کر زمین پر جا پڑی۔ تینوں دفعہ بغیر اس کے کہ میں نے سر کو خم کیا ہو تلوار اس کی میرے سر کے اوپر سے گزرتی رہی۔"

مولوی محمد حسین بٹالوی، خواجہ غلام فریدؒ چاچڑاں اور سر سید احمد خان کی ابتدائی خوش فہمیاں

بہرحال یہ وجوہات تھیں جن کی بنا پر حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ نے میدانِ مناظرہ میں قدم رکھا۔ جب ۱۸۹۰ء میں آپ حج سے واپس تشریف لائے تو اس وقت مرزا صاحب کا دعویٰ مجدد اور مامور من اللہ ہونے کا تھا۔ وہ گذشتہ دس برس سے عیسائیوں اور آریوں کے ساتھ مباحثات اور اپنی مناظرانہ تصانیف اور اشتہار بازی کی بدولت خاصی شہرت حاصل کر چکے تھے اور پیری مریدی بھی چل رہی تھی۔ بعض علماء اور مشائخ بھی بے خبری میں ان کی اس مقبولیت کے لیے میدان ہموار کر چکے تھے۔ چنانچہ اہلِ حدیث کے ایک نامور عالم مولوی محمد حسین بٹالوی اپنے رسالہ "اشاعت السنۃ" کے چھ نمبروں میں "براہین احمدیہ" پر ایک طویل تقریظ شائع کر کے اس کتاب کو اس صدی کا شاہکار اور مرزا صاحب کو ایک بے نظیر عالمِ دین اور صاحب کشف و کرامت ولی اللہ قرار دے چکے تھے۔ اسی طرح سر سید احمد خان بھی ابتداً مرزا صاحب کی تحریروں سے متاثر بیان کیے جاتے تھے۔ گو فی الآخر وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ مرزا صاحب کی تصانیف اسی قسم کی ہیں جیسا ان کا الہام یعنے نہ دین کے کام کی نہ دنیا کے کام کی (خطوط سر سید مرتبہ سید راس مسعود ص ۲۵۶) اُدھر چاچڑاں (ریاست بہاولپور) کے مشہور شیخ طریقت اور صوفی شاعر حضرت خواجہ غلام فرید چشتیؒ بھی ابتدا میں مرزا صاحب

کے متعلق بہت حسنِ ظن رکھتے تھے۔ خواجہ صاحبؒ ۱۸۴۰ء میں پیدا ہوئے اور حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہ کے قادیانی معرکۂ لاہور کے قریباً ایک سال بعد ۱۹۰۱ء میں انتقال فرما گئے۔ مرزا صاحب نے انہیں دعوت نامہ بھیجا تھا کہ بروئے الہامِ الٰہی میں تبلیغِ دین کے کام پر مامور ہوا ہوں، آپ میری اعانت فرمائیں۔ اس پر خواجہ صاحبؒ نے اپنے جواب میں اعانت فی الدین کا وعدہ کرتے ہوئے مرزا صاحب کی شان میں تعریفی کلمات تحریر فرمائے۔ آپ کے ملفوظات "اشاراتِ فریدی" میں مذکور ہے کہ جب علماء نے مرزا صاحب کے خلاف لکھنا شروع کیا تو خواجہ صاحبؒ نے فرمایا یہ شخص حمایتِ دین پر کمربستہ ہے۔ علماء تمام مذاہبِ باطلہ کو چھوڑ کر اس نیک آدمی کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں۔ حالانکہ وہ اہلِ سنت والجماعت سے ہے اور صراطِ مستقیم پر ہے۔ لیکن جب مرزا صاحب کی نئی کتابیں خواجہ صاحبؒ کے پاس پہنچیں جن میں اُن کے منفرد عقاید اور "مسیح موعود" اور "ظلی اور بروزی" نبوت کے دعاوی درج تھے تو آپ نے بھی مولوی محمد حسین بٹالوی کی طرح علانیہ اپنی بیزاری کا اظہار کیا۔ چنانچہ مرزا صاحب جو اپنے اخبارات اور اشتہارات میں پہلے خواجہ صاحبؒ کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان رہتے تھے اور ان کے نام کو اپنے موافق پراپیگنڈا کا ذریعہ بنایا کرتے تھے۔ اپنی کتاب "انجامِ آتھم" مطبوعہ ۱۸۹۷ء میں "میاں غلام فرید چشتی چاچڑاں علاقہ بہاولپور" کا نام اپنے مکذبین اور مکفرین کی فہرست میں درج کرنے پر اُتر آئے۔

شیخ الجامعہ کا بیان

تاہم قادیانی مبلغین عوام کی بے خبری سے فائدہ اُٹھا کر ۱۸۹۷ء سے کئی سال بعد تک بھی عوام کے رُوبرو خواجہ صاحبؒ کے سابقہ مکتوب کی مطبوعہ نقول پیش کر کے کہتے رہے کہ دیکھئے مُلک کے اتنے بڑے نامور پیر بھی مرزا صاحب کی تحریری بیعت میں شامل ہیں۔ چونکہ اس مُلک کے لوگ عام طور پر مشائخِ طریقت کے ساتھ بہت عقیدت رکھتے ہیں۔ اس لیے اس بات کا بہت اثر ہوا۔ اور قادیانی جماعت کا یہ حربہ بہت حد تک کامیاب رہا۔ یہاں تک کہ علمائے اسلام کو جا بجا جلسے کر کے اس کا تدارک کرنا پڑا۔ جناب مولٰنا غلام محمدؒ شیخ الجامعہ بہاول پور کا بیان ہے کہ حضرت خواجہ صاحبؒ کے وصال کے کئی سال بعد میری تحریک پر اُن کی خانقاہ شریف پر ایک عظیم الشان جلسہ منعقد کر کے مُلک کے طول و عرض کے بڑے بڑے علماء اور فضلاء نے قادیانیت کی تردید میں تقاریر کیں جن میں مَیں بھی شامل تھا۔ علماء کی ایک جماعت کے ساتھ جلسے میں شمولیت کی غرض سے سفر کرتے ہوئے ریلوے اسٹیشن خانپور جنکشن پر ایسا معلوم ہوا جیسے حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی رُوحِ مبارک اظہارِ خوشنودی کے طور پر موجود ہے کہ ہم اُن کی ذات پر سے ایک بہتانِ عظیم کے دُور کرنے کی مساعی کر کے اچھا اقدام کر رہے ہیں۔ یہ کیفیت واپسی سفر میں بھی خانپور ریلوے اسٹیشن تک قائم رہی۔

مشائخ کے ساتھ فرضی بیانات منسوب کرنا

ابتدائی ایام میں قادیانی صاحبان نے اس مُلک کے کئی دیگر مشہور مشائخ کی طرف بھی اس قسم کے بیانات منسوب کیے تھے۔ چنانچہ مولوی عبد اللہ غزنوی اور اُن کے پیر صاحب کے ساتھ مرزا صاحب نے ایسی پیش گوئیاں منسوب کی ہیں جن میں اُن حضرات کا مرزا صاحب کے "مبعوث" ہونے کے متعلق پیش گوئی کرنا ظاہر کیا ہے۔ جو تحقیق پر سب کی سب فرضی اور غلط ثابت ہو چکی ہیں۔ اسی قسم کی ایک خود ساختہ داستان ڈاکٹر بشارت احمد قادیانی لاہوری نے اپنی کتاب "مجددِ اعظم"

جلد دوم میں حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کی طرف بھی منسوب کی ہے۔ وُہ لکھتے ہیں کہ ہمارے حضرت (مرزا صاحب) کے ایک مُرید نے قادیان پہنچ کر بیان کیا کہ پیر صاحب گولڑہ شریف نے قادیان کی طرف مُنہ کر کے اپنی قبا کے بند کھول دیئے۔ اور فرمایا کہ مجھے قادیان کی طرف سے عشقِ الٰہی کی ٹھنڈی ہوا آرہی ہے (فلا حول ولا قوۃ الّا باللہ العلیّ العظیم)

قادیانی دعوت نامہ اور حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کا جواب

مرزا صاحب کا ایک مطبوعہ دعوت نامہ اُن کے پیرو مولوی عبدالکریم سیالکوٹی نے حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کی خدمت میں بھیجا۔ دعوت نامہ کا مضمون یہ تھا کہ میں مسیح موعود ہوں اور خدائے تعالیٰ کی طرف سے احیائے دین اور عروجِ اسلام کے لیے مامور کیا گیا ہوں۔ آپ اس مشن میں میری اعانت کریں۔ حضرتؒ نے جواب میں لکھوایا کہ میں آپ کو مسیح موعود اور مامور من اللہ نہیں مانتا۔ آپ اپنی توجہ حسبِ سابق غیر مسلموں کے ساتھ مناظرات اور تبلیغ اسلام پر مرکوز رکھیں اور عنداللہ ماجور ہوں۔

مشائخِ طریقت کو چیلنج

مرزا صاحب، عوام الناس پر مشائخ طریقت اور سجادہ نشینوں کے ہمہ گیر اثر سے بخوبی واقف تھے اس لیے اُن کی انتہائی کوشش رہی کہ کسی نہ کسی طرح کوئی درویش صفت اور سادہ لوح گدی نشین، اُن کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو جائے اور اُن کے مشن کو تقویت پہنچے لیکن اس میں اُن کو کامیابی نہ ہُوئی۔ اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ جہاں تک ایمان وعقائد کا تعلق ہے بزرگانِ دین کی کم علم اولاد بھی اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں رہتی ہے۔ اس لیے جب ہر طرف سے مایوسی ہوئی تو "ایام الصلح" میں مرزا صاحب نے مشائخ پر بہ طریقِ ذیل اپنا غبار نکالا:-

"ایں وقت زیرِ سقفِ نیلگوں ہیچ متنفس قُدرت ندارد کہ لافِ برابری بامن زند۔ من آشکارا مے گویم و ہرگز باک ندارم اے اہالیانِ اسلام، درمیانِ شُما جماعتے می باشند کہ گردن بدعویٰ محدّثیت ومفسّریت برمے فرازند وطائفہ اندکہ از نازش ادب پا برزمین نگذارند وگروہے اند کہ دم بُلند از خداشناسی زنند وخود را چشتی وقادری ونقشبندی وسُہروردی وچہا چہا مے گویند۔ ایں جُملہ طوائف را نزدِ من بیارید"

یعنی اس وقت آسمان کے نیچے کسی کی مجال نہیں جو میری برابری کی لاف مار سکے۔ میں اعلانیہ اور بلا کسی خوف کے کہتا ہوں کہ اے مُسلمانو، تم میں بعض لوگ محدثیت اور مفسّریت کے بلند بانگ دعوے کرتے ہیں اور بعض ازراہِ ناز زمین پر پاؤں بھی نہیں رکھتے اور کئی خداشناسی کا دم مارتے ہیں۔ اور چشتی اور قادری اور نقشبندی اور سُہروردی اور کیا کیا کہلاتے ہیں۔ ذرا ان سب کو میرے سامنے تو لاؤ۔

شمسُ الہدایت کا طلوع

جب مرزا صاحب اور اُن کے نئے مذہب کا زیادہ چرچا ہوا اور ظاہر بین لوگ متاثر ہونے لگے تو علماء کی درخواست پر حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ اس طرف متوجہ ہوئے اور باطنی ارشادات کی تعمیل میں ۱۳۱۷ھ یعنی ۱۹۰۰-۱۸۹۹ء ماہ شعبان ورمضان المبارک میں اوراد واشغال روزمرہ سے کچھ وقت بچا کر، ایک رسالہ بعنوان "شمس الہدایت فی اثبات حیات المسیح" منشی عبدالجبار کاتب اخبار

چودھویں صدی" راولپنڈی کو قلمبند کرایا جو رمضان شریف ہی میں طبع ہو کر سارے ہندوستان کے علماء و مشایخ میں تقسیم کرا دیا گیا۔ اور ایک کاپی بذریعہ رجسٹری مرزا صاحب کو بھی قادیان میں ارسال کر دی گئی۔

اِس کتاب میں حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ نے حضرت عیسٰی علیہ السّلام کے آسمان پر زندہ اُٹھائے جانے اور قیامت کے قریب بجسدِ عنصری زمین پر نازل ہو کر اسلام کی نصرت کا باعث ہونے کو قرآن کریم اور صحیح احادیث سے ثابت فرماتے ہوئے اُمّتِ اسلامیہ کے اجماعی اور متفق علیہ عقائد میں سے قرار دیا ہے۔ نیز ثابت کیا ہے کہ اُن کی موت اور اُن کے مثیل کے دُنیا میں بطور مسیح موعود آنے کے قادیانی عقائد غلط اور باطل ہیں "شمس الھدایۃ" کے آغاز میں آپ نے مرزا صاحب کی "ایام الصلح" والی تعلّی کے مقابلہ میں اُن سے کلمۂ طیبہ لاَ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہ کے معنی دریافت کیے ہیں۔ اِس موضوع کی تفصیل، اِس کتاب کے باب تصانیف میں صفحہ ۵۲۵ پر حاشیہ میں درج کی گئی ہے۔

قادیان میں تہلکہ

"شمسُ الھدایۃ" کے مندرجات، منقولات اور معقولات اور اس کے مؤلف رحمۃ اللہ علیہ کی خُداداد علمی و عارفانہ شہرت اور عوامی عقیدت ایسی چیزیں نہ تھیں جس سے قادیان میں تہلکہ نہ مچ جاتا۔ مرزا صاحب کے حواریوں نے خُود لکھا ہے کہ کتاب کا شائع ہونا تھا کہ ملک کے طول و عرض میں ایک شور برپا ہو گیا۔ خصوصاً کلمۂ طیبہ کے معانی کے سوال پر عُلمائے اسلام بھی دنگ رہ گئے۔ طبقۂ عُلمائیں "شمسُ الھدایۃ" کی قدر دانی کا اندازہ اِس امر سے ہو سکتا ہے کہ اہل حدیث کے پیشوا مولوی عبد الجبّار غزنوی نے اِس کے مُطالعہ کے بعد حضرت کو مندرجہ ذیل خط تحریر کیا۔

مولوی عبد الجبّار غزنوی کا خط

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝ مجمع خیرات و برکات، منبع حسنات و فیوضات، حضرت پیر مہرشاہ صاحب، لازال للدّین والاسلام ناصراً وللالحاد والزّندقۃ کاسراً۔ السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ بعد از سلام مسنون وادعیہ اجابت مقرون، معرُوض خاطر انوار مظاہر آنکہ ہر چند لقائے جسمانی و مُلاقاتِ ظاہری بحکم الامُور مرھُونۃ باوقاتہا بالفعل در زاویۂ تعطیل و ناحیہ تاویل است، مگر تعارفِ رُوحانی یومِ میثاق بحکم الارواح جُنُودٌ مُجَنَّدَۃٌ فَمَا تَعَارَفَ مِنْھَا ائۡتَلَفَ وَمَا تَنَاکَرَ مِنۡھَا اخۡتَلَفَ مُوجبِ اُلفت و موردِ محبت است۔ کتاب شمسُ الھدایۃ در ردّ ملاحدۂ دہر و زنادقۂ عصر خذ لھم اللہ از نظر احقر گذشت، از مطالعہ اش حظِّ وافر و خیر ظاہر بر داشتم۔ کثّر اللہ تعالیٰ امثالکم و نوّر بالکم وجعل الیٰ کلّ خیرٍ مآلکم۔ رسالۂ فارسی آں مکرّم راظمآن و تشنہ لبانم (ترجمہ۔ ہر چند ظاہری مُلاقات نہیں ہوئی مگر روزِ میثاق کا رُوحانی تعارف بمصداق حدیث شریف ______ مُوجب محبّت ہے۔ کتاب شمس الھدایۃ کے مطالعہ سے میں نے حظِّ وافر اور خیرِ ظاہر حاصل کیا ہے آپ کے فارسی رسالہ کے مطالعہ کا اشتیاق ہے)

یہاں فارسی رسالہ سے مُراد حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کی کتاب "تحقیق الحق" ہے۔

حکیم نورالدین کے بارہ سوالات

۲۰۔ فروری ۱۹۰۰ء کو حکیم نورالدین نے حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کو ایک خط بھیجا جس میں بارہ سوالات درج تھے اور لکھا تھا کہ "مجھے جناب کے ساتھ بڑا حسنِ ظن تھا۔ اور قریب تھا کہ میں خود حاضر ہوتا لیکن اس اثنا میں جناب کی کتاب دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ جس میں جناب بالکل مولویوں اور منطقیوں کے رنگ میں جلوہ گر ہوئے ہیں اور صوفیوں کے مشرب کی ذرّہ بھر بھی جھلک نہیں دی۔ سبحان اللہ، میں نے بارہا سنا کہ جناب فتوحاتِ مکیہ کے غوّاص ہیں مگر کتاب میں صفحہ ۸۰ تک صرف ایک جگہ شیخ اکبر کا ذکر ـــــ"

حکیم صاحب کے کچھ سوالات تو تفسیر ابن جریر اور تاریخ کبیر بخاری کے حوالہ جات کی نسبت تھے کہ آیا اس زمانہ میں یہ ناپید کتابیں آپ کے کتب خانہ میں ہیں؟ اور تفسیر ابن جریر کی مثل پانچ چھ تفسیروں کے نام دریافت کیے تھے۔ باقی سوالات کا خلاصہ یہ ہے:

سوال ۳۔ کلّی طبعی جناب کے نزدیک موجود فی الخارج ہے یا نہیں تشخص متشخص کا عین ہے یا غیر؟

سوال ۴۔ تجدّد امثال کا مسئلہ صحیح ہے یا غلط؟

سوال ۵۔ زید، عمرو یا نورالدین جزئیاتِ انسانیہ اس محسوس مبصر جسمِ عنصری کا محدود نام ہے یا وہ کوئی اور چیز ہے جس کے لیے یہ جسم بطور لباس ہے؟

سوال ۶۔ انبیاء و اولیاء انواع ذنوب و خطایا سے محفوظ نہیں یا ہیں۔ کتاب یا سنّت سے کوئی قوی دلیل چاہیئے۔

سوال ۷۔ الہام وکشف و رویائے صالحہ کیا چیز ہیں۔ ان سے ہم فائدہ اُٹھا سکتے ہیں یا نہیں؟

سوال ۱۰۔ عقل، قانونِ قدرت، فطرت کہاں تک مفید ہیں یا شریعت کے سامنے اس قابل نہیں کہ ان کا نام لیا جائے۔ تعارض عقل و نقل کے وقت کونسی راہ اختیار کی جائے؟

سوال ۱۱۔ تصحیح احادیث رواۃ کو دیکھ کر آج کل ہم اور آپ بھی کر سکتے ہیں یا نہیں؟

سوال ۱۲۔ تفسیر بالرّائے اور متشابہات کے کیا معنی ہیں؟

اور ایک سوال بعض احادیث مندرجہ شمس الہدایت کے استخراج کے متعلق تھا۔

حضرتؒ کے جوابات

خط کے پہنچتے ہی حضرتؒ نے جواب تو لکھوا دیا مگر اپنے علماء کے اس مشورہ کے تحت روانہ نہ کیا کہ مبادا ان کی اشاعت سے "شمس الہدایت" میں مندرجہ سوالات کے جواب سے ہی جواب مل جائے۔ مگر جب ۲۴ اپریل کے اخبار "الحکم قادیان" میں عدم جواب کا شکوہ شائع ہوا تو آپ نے وہ جواب بھجوا دیا۔ حکیم صاحب کے خط اور حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کے جواب کی نقول، آپ کی کتاب "سیفِ چشتیائی" میں شائع ہو چکی ہیں۔ جوابات کی شانِ دلالت اور فریقِ مخالف کے متحیّرانہ سکوت کا لطف تو کچھ اُن کے مطالعہ ہی سے آسکتا ہے۔ البتہ دلچسپی کے لیے اُن میں سے چند جوابات کا اختصار یہاں بھی دیا جاتا ہے۔

حضرتؒ نے تفسیر ابن جریر کی مثل چھ کی بجائے سولہ تفسیروں کے نام تحریر فرمائے اور لکھا کہ تفسیر ابن جریر مولوی محمد غازی آپ کو بالمشافہ دکھلا سکتے ہیں اور چونکہ تفسیر کبیر بخاری کا ذکر درمنثور کے حوالہ میں آیا ہے۔ لہٰذا اس کی دستیابی کا سوال اس کے مصنّف علامہ سیوطیؒ سے ہونا چاہیئے۔

جواب نمبر ۳۔ کلی طبعی کے متعلق فرمایا کہ میرے نزدیک اس کا منشا موجود فی الخارج ہے۔ اور تشخّص عینِ شخص ہے مگر عوارض بھی لزوم فی التحقق سے بہرہ یاب ہیں۔

جواب نمبر ۴۔ تجدّدِ امثال کا مسئلہ میرے نزدیک صحیح ہے مگر تجدّد شہودی وحدۃ سیالہ کو منافی نہیں جو مدار ہے ترتّبِ احکامِ عرفیہ کے لیے۔

جواب نمبر ۵۔ جزئیاتِ انسانیہ، ماہیّتِ معروضہ کا نام ہے۔ وجودات خاصہ ہوں یا عدمات خاصہ یا دونوں سے مغایر اجسام مِل کر عینی، یا برزخی یا حشری، زید کے مسمّٰی میں نہایت ہی دخل ہے۔ فقط روحِ مجرّد کے لیے بمنزلہ لباس ہیں۔ ہاں بطریق مجاز مرسل کبھی ماہیّت کی جزء پر بھی بولے جاتے ہیں۔ یہاں پر لحاظ قرائن مثل قتل وصلب نہایت ضروری ہے۔

جواب نمبر ۶۔ انبیاء و رسل اُن انواعِ ذنوب و خطایا سے جو شانِ نبوت کے منافی ہوں معصوم و مامون ہیں۔ ورنہ امر بالاتباع کیسے متصوّر ہو سکتا ہے۔ آیاتِ قرانیہ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ اور لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ اور اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ اور فَیَنْسَخُ اللّٰهُ مَا یُلْقِی الشَّیْطٰنُ اِس چیز پر دلالت کر رہی ہیں۔ اولیائے کرام بعد فنائے اتم، بشارت مذکورہ میں داخل ہیں اصالت اور تبعیّت کا فرق ہے۔

جواب نمبر ۷۔ الہام و کشف و رؤیا صالحہ منجملہ شعبِ ایمانیہ سے ہیں اور اُن کا معیارِ صحت و فساد، کتاب و سُنّت سے مطابقت ہے۔

جواب نمبر ۔ عقل اور قانونِ قدرت جو استقراءِ ناقص سے عبارت ہے، اُن کا اعتبار محدود ہے تاوقتیکہ نص مخالف قطعی الدلالت شارع سے وارد نہ ہو معلوم ہوا کہ اِسی تحریر نے آپ کو مرزا صاحب کے قدموں میں جھکایا ہے۔ مگر پھر بھی عقدہ کشائی نہ ہوئی۔

جواب نمبر ۱۱۔ تصحیح احادیث رواۃ کو دیکھ کر آج کل آپ اور ہم بغیر جرح و تعدیل من السلف نہیں کر سکتے۔

اِس سوال کا اور اگلے سوال یعنی تفسیر بالرائے کا جواب ذرا طویل ہے۔

حضرت قبلہ عالم قدس سرّہٗ، جواب کی ترسیل میں توقّف کے متعلق فرماتے ہیں:۔

"جواب کی اشاعت میں حضرتِ سائل کی کسرِشان کا بھی نہایت ہی خیال تھا اور ہے۔ یہاں تو پہلے ہی سے کچھ نہ ہونے کے سوا اور کچھ نہیں۔ لہٰذا میں نے آپ کے مکاتبہ شریفہ اثناعشریہ کے جواب میں اپنے مایۂ قصور اور لاعلمی کو پیش کیا تھا۔ مگر پرچہ "الحکم" نے جو آج میری نظر سے گذرا ہے اِس کی نامنظوری بیان فرمائی۔ اب اگر فضلائے عصر و علمائے دہر کلام جانبین کے ملاحظہ کے بعد داد و انصاف فرمائیں تو یہ نیازمند علماء و فقراء معذور سمجھا جائے گا۔"

نیز فتوحاتِ مکیّہ" کے طنز کے جواب میں فرماتے ہیں:۔

"غریب نواز! فیوضاتِ مدنیّہ نے اعلیٰ صاحبہا الصلوٰۃ و السّلام، جو منشا ہیں "فتوحاتِ مکیّہ" کے لیے، آپ کے سامنے کیا وقعت اور قدر پائی کہ میں قولِ شیخ اکبر قدس سرّہٗ کو پیش کرتا۔ کیا سینکڑوں احادیثِ صحیحہ کاٹی نہیں گئیں۔ کیا اس قطع و بُرید کی شہادت مرزا صاحب کا الہام، جو ازالہ اوہام کے صفحہ ۷۶ پر باریک قلم سے تحریر ہے، نہیں دے رہا ہے۔"

حکیم نورالدّین پر صرف ایک سوال جو تشنۂ جواب ہی رہا

خاتمۂ جواب پر حضرت تحریر فرماتے ہیں:۔

"مجھے بہ خیال شان آپ کے بہت افسوس ہے کہ جناب سے ایسے سوالات سرزد ہوں عصمتِ انبیاً
اور عدم وقوعِ خطائی الامر التبلیغی میں تو تردّد ہو مگر مرزا صاحب کی عصمت اور عدم امکان خطائی التعبیر تک بھی
متیقّن بہ سبحان اللہ، مولانا، آپ کے اخلاق کریمانہ سے اُمید کرتا ہُوں کہ تشریح حقیقتِ معجزہ سے ذرا آپ
بھی ممنون فرمادیں گے۔ والسّلام خیر ختام۔

اس خط و کتابت کو جناب مولینا حافظ محمد غازی نے بصورتِ اشتہار شایع کر دیا اور جب حضرتؒ کے جوابات نے
مُلک کے گوشہ گوشہ میں پہنچ کر علمأ و فضلاء سے تحریری و تقریری خراج تحسین حاصل کیا اور عوام کی طرف سے "شمس الھدائیت" کے جواب
کا مطالبہ زور پکڑ گیا تو مرزا صاحب نے جوش میں آکر حضرتؒ کو مناظرہ کی دعوت دی۔ مگر اس میں یہ نہیں کہا کہ آئیے، میرے جن عقاید اور
دعاوی سے آپ کو اور تمام عالمِ اسلام کو اختلاف ہے یعنی وفاتِ مسیح، میرا مثیلِ مسیح اور مسیح موعُود ہونا، لا مھدی الّا عیسٰی، میری
ظلّی بروزی بلکہ مستقل نبوّت، میرے متعلق انکار پر مسلمانوں کا خارج از اسلام ہونا اور دجّال شخصی اور جہادِ سیفی کی تردید وغیرہ کے
متعلق میرے ساتھ مباحثہ کرلیں تاکہ حق واضح ہو جائے اور میرے مِشن کی راہ میں جو رُکاوٹیں ہیں دُور ہو جائیں۔ بلکہ اس بات کی
دعوت دی کہ آؤ میرے ساتھ عربی زبان میں تفسیر نویسی کا مقابلہ کرلو۔

مرزا صاحب کی طرف سے تحریری مناظرہ کی دعوت

چُنانچہ مرزا غلام احمد قادیانی نے ۲۲۔ جولائی ۱۹۰۰ء کو مندرجہ ذیل اشتہار جاری کر کے حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کو عربی
میں تفسیر نویسی کے مقابلہ کا چیلنج دیا:-

"پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی، جو سخت مکذّب ہیں اُن کے ساتھ ایک طریقِ فیصلہ، مع اُن عُلماء کے جن
کے نام ضمیمہ اشتہار ہذا میں درج ہیں[1]۔
یہ صاحب، جن کا نام عُنوان میں درج ہے یعنی مہر علی شاہ صاحب ضلع راولپنڈی کے سجّادہ نشینوں میں
سے ایک بزرگ ہیں۔ وُہ اپنی رسمی مشیخت کے غرُور سے اس خیال میں لگے ہُوئے ہیں کہ کسی طرح اس سلسلۂ
آسمانی کو مٹادیں۔ چنانچہ اسی غرض سے اُنہوں نے دو کتابیں بھی لکھی ہیں جو اس بات پر کافی دلیل ہیں کہ وُہ علمِ
قرآن اور حدیث سے کیسے بے بہرہ اور بے نصیب ہیں۔ اور چُونکہ ان لوگوں کے خیالات بالکل پست اور محدُود
ہوتے ہیں اس لیے وُہ اپنے تمام ذخیرۂ لغویات میں ایک بھی ایسی بات پیش نہیں کر سکے جس کے اندر کچھ روشنی
ہو معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ صرف اس دھوکہ میں پڑے ہُوئے ہیں کہ بعض حدیثوں میں لکھا ہے کہ مسیح موعُود

حاشیہ اشتہار[1]۔ پنجاب اور ہندوستان کے سجادہ نشین یہ عُذر پیش نہیں کر سکتے کہ ہم تو جاہل اور علمِ قرآن اور علمِ عربیّت
سے بے بہرہ اور بے نصیب ہیں، پھر تفسیرِ قرآن مجید اور بلاغتِ عربیّت میں کیا مقابلہ کریں۔ کیونکہ اگر وُہ جاہل ہیں
تو لوگوں سے بیعت لیتے کیوں ہیں اور مراتب سلُوک میں مرتبہ کشف القرآن کیوں رکھا ہوا ہے۔ ماسوا اس کے کہ
جب یہ مُقابلہ خوارقِ عادات کے طور پر ہے تو علم کی ضرورت ہی کیا ہے۔ کشف اور الہام سے کام لیں جس کا
دعویٰ ہے۔ (منہ)

آسمان سے نازل ہوگا۔ حالانکہ کسی حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کبھی اور کسی زمانہ میں حضرت علیہ السلام جسمِ عنصری کے ساتھ آسمان پر چڑھ گئے تھے یا کسی آخری زمانہ میں جسمِ عنصری کے ساتھ نازل ہوں گے۔ اگر لکھا ہے تو کیوں ایسی حدیث پیش نہیں کرتے۔ ناحق نزول کے لفظ کے اُلٹے معنی کرتے ہیں۔ خدا کی کتابوں کا یہ قدیم محاورہ ہے کہ جو خدا کی طرف سے اُس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وُہ آسمان سے نازل ہوا۔ دیکھو انجیل یوحنا باب آیت ۳۸۔ اور اسی راز کی طرف اشارہ ہے۔ سُورہ اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ فِىۡ لَيۡلَةِ الۡقَدۡرِ میں اور نیز آیت ذِكۡرًا رَّسُوۡلًا میں۔ لیکن عوام جو جسمانی خیال کے ہوتے ہیں وُہ ہر ایک بات کو جسمانی طور پر لیتے ہیں۔ یہ لوگ خیال نہیں کرتے کہ جیسے حضرت مسیح اِن کے زعم میں فرشتوں کے ساتھ آسمان سے اُتریں گے۔ ایسا ہی ان کا یہ بھی تو عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی فرشتوں کے ساتھ آسمان پر گئے تھے بلکہ اِس جگہ تو ایک بُراق بھی ساتھ تھا مگر کس نے آنحضرت کا چڑھنا اُترنا دیکھا اور نیز فرشتوں اور بُراق کو دیکھا؟ ظاہر ہے کہ منکر لوگ معراج کی رات میں نہ دیکھ سکے کہ فرشتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمان پر لے گئے اور نہ اُترتے دیکھ سکے۔ اِس لیے انہوں نے شور مچادیا کہ معراج جھوٹ ہے۔ اب یہ لوگ جو ایسے مسیح کے منتظر ہیں جو آسمان سے فرشتوں کے ساتھ اُترتا نظر آئے گا یہ کس قدر خلافِ سُنّت اللہ ہے۔ سیّد الرُّسل تو آسمان پر چڑھتا یا اُترتا نظر نہ آیا تو کیا مسیح اُترتا نظر آجائے گا لعنۃ اللہ علی الکذبین۔ کیا اُبوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سیّد المرسلین محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کو معہ فرشتوں کے معراج کی رات میں آسمان پر چڑھتے یا اُترتے دیکھا؟ یا عُمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس مُشاہدہ کا فخر حاصل کیا؟ یا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اِس نظّارہ سے کچھ حصہ لیا؟ پھر تم کون اور تمہاری حیثیت کیا کہ مسیح موعود کو آسمان سے معہ فرشتوں کے اُترتا دیکھو گے۔[حاشیہ] خود قرآن ایسی روئیت کا مکذب ہے۔

سو اَے مُسلمانوں کی نسل، اِن خیالات سے باز آجاؤ۔ تمہاری آنکھوں کے سامنے بڑے بڑے نشان ظاہر ہُوئے اور کسوف و خسوف تم نے رمضان میں دیکھ لیا اور صدی میں سے بھی سترہ برس گذر گئے۔ کیا اب تک مفاسد موجودہ کی اِصلاح کے لیے مجدّد پیدا نہ ہُوا۔ خُدا سے ڈرو اور ضد اور حسد سے باز آجاؤ۔ اُس غیور سے ڈرو، جس کا غضب کھا جانے والی آگ ہے۔ اور اگر مہر علی شاہ اپنی ضد سے باز نہیں آتے تو میں فیصلہ کے لیے ایک سہل طریقہ پیش کرتا ہُوں اور وُہ یہ ہے کہ قرآن شریف سے یہ ثابت ہے کہ جو لوگ درحقیقت خُدا تعالےٰ کے راست باز بندے ہیں اُن کے ساتھ تین طور سے خُدا کی تائید ہوتی ہے۔

۱۔ اُن میں اور اُن کے غیر میں ایک فرق یعنی مابہ الامتیاز رکھا جاتا ہے۔ اِس لیے مقابلہ کے وقت بعض اُمور خارق عادت اُن سے صادر ہوتے ہیں جو حریفِ مقابل سے صادر نہیں ہو سکتے جیسا کہ آیت وَيَجۡعَلۡ لَّكُمۡ

حاشیہ۔ اِس تحقیق سے ثابت ہے کہ اِس علامت کا منتظر رہنا کہ جب مسیح موعود کا دعویٰ کرنے والا آسمان سے اُترتا نظر آئے گا تبھی ہم اُس کو قبول کریں گے سخت حماقت ہے۔ بلاشبہ ایسا مشاہدہ محال ہے اور اگر جائز ہوتا تو ضرور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی رات میں چڑھتے اور اُترتے دکھائی دیتے۔ پس جو امر محال سے معلق ہے وُہ بھی محال اور باطل ہے۔ (منہ)

فُرْقَانًا اِس کی شاہد ہے۔

۲۔ اِن کو علمِ معارفِ قرآن دیا جاتا ہے اور غیر کو نہیں دیا جاتا جیسا کہ آیت لَا یَمَسُّہٗٓ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ اِس کی شاہد ہے۔

۳۔ اِن کی دُعائیں اکثر قبول ہو جاتی ہیں اور غیر کی اِس قدر نہیں ہوتیں جیسا کہ آیت اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ اِس کی گواہ ہے۔ سو مُناسب ہے کہ لاہور میں جو صدر مقام پنجاب ہے، صادق اور کاذب کے پرکھنے کے لیے ایک جلسہ قرار دیا جائے اور اِس طرح پر مجھ سے مباحثہ کریں کہ قُرعہ اندازی کے طور پر قرآن شریف کی کوئی سُورت نکالیں اور اِس میں سے چالیس آیت یا ساری سُورت (اگر چالیس آیت سے زیادہ نہ ہو) لے کر فریقین یعنی یہ عاجز اور مہر علی شاہ صاحب اوّل تو یہ دُعا کریں کہ یاالٰہی ہم دونوں میں سے جو شخص تیرے نزدیک راستی پر ہے اُس کو تو اِس جلسہ میں اِس سُورت کے حقائق اور معارف فصیح اور بلیغ عربی میں عین اس جلسہ میں لکھنے کے لیے اپنی طرف سے ایک رُوحانی قوت عطا فرما اور رُوح القدس سے اس کی مدد کر[1] اور جو شخص ہم دونوں فریق میں سے تیری مرضی کے مخالف اور تیرے نزدیک صادق نہیں ہے اُس سے یہ توفیق چھین لے اور اُس کی زبان کو فصیح عربی اور معارفِ قرآنی کے بیان سے روک تا کہ لوگ معلوم کر لیں کہ تو کس کے ساتھ ہے اور کون تیرے فضل اور تیری رُوح القدس کی تائید سے محرُوم ہے۔[2] پھر اس دُعا کے بعد فریقین عربی زبان میں اِس تفسیر کو لکھنا شروع کریں۔ اور یہ ضروری شرط ہو گی کہ کسی فریق کے پاس کوئی کتاب موجود نہ ہو اور نہ کوئی مددگار، اور ضروری ہو گا کہ ہر ایک فریق چُپکے چُپکے بغیر آواز سُنانے کے اپنے ہاتھ سے لکھے تا کہ اس کی فصیح عبارت کے سُننے سے دُوسرا فریق کسی قسم کا اِقتباس یا سرقہ نہ کر سکے۔ اور اِس تفسیر کے لکھنے کے لیے ہر ایک فریق کو پُورے سات گھنٹے مُہلت دی جائے گی اور زانو بہ زانو لکھنا ہو گا نہ کسی پردہ میں۔ ہر ایک فریق کو اختیار ہو گا کہ اپنی تسلّی کے لیے فریقِ ثانی کی تلاشی کر لے اِس احتیاط سے کہ وُہ پوشیدہ طور پر کسی کتاب سے مدد نہ لیتا ہو۔ اور لکھنے کے لیے فریقین کو سات گھنٹہ کی مُہلت ملے گی مگر ایک ہی جلسہ میں اور ایک ہی دن میں اس تفسیر کو گواہوں کے

---

[1] حاشیہ۔ پیر مہر علی شاہ اپنی کتاب شمسُ الہدایت کے صفحہ ۸۱ میں یہ لاف زنی کر چکے ہیں کہ قرآن شریف کی سمجھ اِن کو عطا کی گئی ہے۔ اگر وُہ اپنی کتاب میں اپنی جہالت کا اِقرار کرتے اور فقر کا بھی دم نہ مارتے تو اِس دعوت کی کچھ ضرورت نہیں تھی لیکن اَب تو وُہ اِن دونوں کمالات کے مدعی ہو چکے ہیں ؎

نداردکسے باتو ناگفتہ کار

ولیکن چوں گفتی دلیلش بیار　(منہ)

[2] ۴۔ یاد رہے کہ ہر ایک نبی یا رسُول یا محدّث جو نشان اتمام حُجت کے لیے پیش کرتا ہے وُہی نشان خدا تعالیٰ کے نزدیک معیارِ صدق و کذب ہوتا ہے۔ اور مُنکرین کی اپنی درخواست کے نشان معیار نہیں ٹھہر سکتے۔ گو ممکن ہے کہ کبھی شاذ و نادر کے طور پر ان میں سے بھی کوئی بات قبول کی جائے۔ کیونکہ خُدا تعالیٰ اُن ہی نشانوں کے ساتھ حُجت پُوری کرتا ہے جو خود بغرض تحدّی پیش کرتا ہے۔ یہی سُنّت اللہ ہے۔　(منہ)

رُوبرو ختم کرنا ہوگا اور جب فریقین لکھ چکیں تو وُہ دونوں تفسیریں بعد دستخط تین اہل علم کو جن کا اہتمام حاضری و انتخاب پیر مہر علی شاہ صاحب کے ذمّہ ہوگا سُنائی جائیں گی۔ اور اُن ہر سہ مولوی صاحبان کا یہ کام ہوگا کہ وُہ حلفاً یہ رائے ظاہر کریں کہ ان دونوں تفسیروں اور دونوں عربی عبارتوں میں سے کون سی تفسیر اور عبارت تائیدِ رُوح القدس سے لکھی گئی ہے۔ اور ضروری ہوگا کہ اِن تینوں عالموں میں سے کوئی نہ اِس عاجز کے سِلسلہ میں داخل ہو، اور نہ مہر علی شاہ کا مُرید ہو۔ اور مجھے منظور ہے کہ پیر مہر علی شاہ اِس شہادت کے لیے مولوی محمد حسین بٹالوی اور مولوی عبدالجبار غزنوی اور مولوی عبداللہ پروفیسر لاہوری کو یا تین اور مولوی منتخب کریں، جو اُن کے مُرید اور پَیرو نہ ہوں۵۔ مگر ضروری ہوگا کہ یہ تینوں مولوی صاحبان حلفاً اپنی رائے ظاہر کریں کہ کس کی تفسیر اور عربی عبارت اعلیٰ درجہ پر اور تائیدِ الٰہی سے ہے لیکن یہ حلف اس حلف سے مشابہ ہونی چاہیئے جس کا ذکر قرآن میں قذفِ مُحصنات کے باب میں ہے جس میں تین دفعہ قسم کھانی ضروری ہے اور دونوں فریق پر یہ واجب اور لازم ہوگا کہ ایسی تفسیر جس کا ذِکر کیا گیا ہے کسی حالت میں بیس۶ ورق سے کم نہ ہو اور ورق سے مُراد اس اوسط درجہ کی تقطیع اور قلم کا ورق ہوگا جس پر پنجاب اور ہندوستان کے صدہا قرآن شریف کے نُسخے چھپے ہوئے پائے جاتے ہیں۶۔ پس اِس طرز کے مباحثہ اور اِس طرز کے تین مولویوں کی گواہی سے اگر ثابت ہوگیا کہ درحقیقت پیر مہر علی شاہ صاحب تفسیر اور عربی نویسی میں تائید یافتہ لوگوں کی طرح ہیں اور مجھ سے یہ کام نہ ہو سکا یا مجھ سے بھی ہو سکا مگر انہوں نے بھی میرے مقابلہ پر ایسا ہی کر دکھایا تو تمام دُنیا گواہ رہے کہ میں اقرار کرُوں گا کہ حق پیر مہر علی شاہ کے ساتھ ہے اور اِس صُورت میں مَیں یہ بھی اقرار کرتا ہُوں کہ اپنی تمام کتابیں جو اس دعویٰ کے متعلق ہیں جلا دُوں گا اور اپنے تئیں مخذُول اور مردُود سمجھ لُوں گا۔ میری طرف سے یہی تحریر کافی ہے جس کو میں آج بہ ثبتِ شہادت بیس گواہوں کے اِس وقت لِکھتا ہُوں۔ لیکن اگر میرے خُدا نے اِس مباحثہ میں مجھے غالب کر دیا اور مہر علی شاہ صاحب کی زبان بند ہو گئی، نہ وُہ فصیح عربی پر قادر ہو سکے اور نہ وُہ حقائق و معارفِ سُورہٴ قرآنی میں سے کچھ لکھ سکے، یا یہ کہ اِس مباحثہ سے اُنہوں نے اِنکار کر دیا تو اِن تمام صُورتوں میں ان پر واجب ہوگا کہ وُہ توبہ کر کے مجھ سے بیعت کریں اور لازم ہوگا کہ یہ اقرار صاف صاف لفظوں میں بذریعہ اِشتہار دس دِن کے عرصہ میں شائع کر دیں۔

"میں مکرّر لکھتا ہُوں کہ میرا غالب رہنا اُسی صُورت میں متصوّر ہوگا جب کہ مہر علی شاہ صاحب بجز ایک ذلیل اور قابلِ شرم اور رکیک عبارت اور لغو تحریر کے کچھ بھی لکھ نہ سکیں اور ایسی تحریر کریں جس پر اہل علم تھوکیں اور نفرین کریں، کیونکہ میں نے خُدا سے یہی دُعا کی ہے کہ وُہ ایسا ہی کرے اور میں جانتا ہُوں کہ وُہ ایسا ہی کرے گا۔ اور اگر مہر علی شاہ صاحب بھی اپنے تئیں جانتے ہیں کہ وُہ مومن اور مُستجاب الدّعوات ہیں تو وُہ بھی ایسی دُعا کریں اور یاد رہے کہ خُدا تعالیٰ اُن کی دُعا ہرگز قبول نہیں کرے گا۔ کیونکہ وُہ خُدا کے مامُور اور مُرسل کے دُشمن ہیں۔ اِس لیے آسمان پر اُن کی عزّت نہیں۔

حاشیہ اشتہار ۵۔ یہ اِس شرط سے کہ مولوی محمد حسین وغیرہ اِس دعوت سے گریز کر جائیں جو ضمیمہ اشتہار ہذا میں درج ہے۔ (منہ)

۶۔ کافی ہوگا جو بیس ورق کا اندازہ اُس قرآن کے ساتھ کیا جائے جو حال میں مولوی نذیر احمد خان صاحب دہلوی نے چھپوایا ہے۔ (منہ)

غرض یہ طریقِ فیصلہ ہے جس سے تینوں علامتیں مت ذکرہ بالا جو صادق کے لیے قرآن میں ہیں ثابت ہو جائیں گی۔ یعنی فی البدیہہ عربی نویسی سے جس کے لیے بجز ایک گھنٹہ کے سوچنے کے لیے موقع نہیں دیا جائے گا۔ فریقِ غالب کا وُہ مابہ الامتیاز ثابت ہو گا جس کا نام فرقان ہے اور قرآنی معارف کے لکھنے سے وُہ علامت متحقق ہو جائے گی جو آیت لَا یَمَسُّہٗٓ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ کا منشا ہے۔ اور دُعا کے قبول ہونے سے جو پیش از مقابلہ فریقین کریں گے، فریقِ غالب کا حسبِ آیت اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ، مومن مُخلص ہونا بپایۂ ثبوت پہنچے گا۔ اور اس طرح پر یہ اُمت تفرقہ سے نجات پا جائے گی۔ چاہیئے کہ اس اشتہار کے وصُول کے بعد جس کو میں رجسٹری کرا کر بھیجوں گا۔ مہر علی شاہ صاحب دس دِن تک اپنی منظوری سے مجھے اطلاع دیں[۷] لیکن ضرُوری ہو گا کہ یہ اطلاع ایک چھپے ہُوئے اشتہار کے ذریعہ سے ہو جس پر میرے اشتہار کی طرح بیس معزز لوگوں کی گواہی ہو اور بحالتِ مغلوبیّت اپنی بیعت کا اقرار بھی درج ہو۔

یاد رہے کہ مقامِ بحث بجُز لاہور کے کہ جو مرکزِ پنجاب ہے اور کوئی نہ ہو گا اور ایک ہفتہ پہلے مجھے بذریعہ رجسٹری شدہ خط کے اطلاع دینا ہو گا تا اُسی جگہ حاضر ہو جاؤں۔ اگر مَیں حاضر نہ ہُوا تو اُس صُورت میں بھی مَیں کاذب سمجھا جاؤں گا۔ انتظام مکانِ جلسہ پیر صاحب کے اختیار میں ہو گا۔ اگر ضرُورت ہو گی[۸] تو بعض پولیس کے افسر بُلا لیے جائیں گے۔ ھذا ما ارانی ربی رب السمٰوٰت العلیٰ۔ فادعوک یا قرنی علیٰ بصیرۃ من ربّی ولعنۃ اللّٰہ علیٰ من تخلف منّا اوابیٰ۔ والسّلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔ تعالوا الیٰ کلمۃ سواء بیننا وبینکم واتقوا اللّٰہ الذی یسمع ویریٰ۔

المشتہر خاکسار مرزا غلام احمد از قادیان۔ ۲۰ جولائی ۱۹۰۰ء

گواہ شُد

مولوی حکیم نُورالدین[۱] صاحب۔ مولوی محمد احسن[۲] صاحب امروہی۔ مولوی عبدالکریم صاحب[۳] سیالکوٹی۔ مولوی محمد علی صاحب[۴] ایم۔اے۔ایل۔ایل۔بی۔ مولوی حکیم فضل الدین صاحب[۵] بھیروی۔ مرزا خُدا بخش صاحب[۶] مصاحب نواب محمد علی خان صاحب رئیس مالیر کوٹلہ۔ حکیم شاہ نواز صاحب[۷] راولپنڈی۔ ماسٹر مولوی شیر علی صاحب[۸] بی۔اے ہیڈ ماسٹر ہائی سکول تعلیم الاسلام قادیان۔ صاحبزادہ پیر افتخار احمد صاحب[۹] لُدھیانوی۔ صاحبزادہ پیر سراج الحق صاحب[۱۰] جمالی نعمانی سرساوی اولادِ چار قطب۔ میر ناصر نواب صاحب[۱۱] گورنمنٹ پنشنر دہلوی حال قادیان۔ ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب[۱۲] ایف اے سیکنڈ ماسٹر ہائی سکول قادیان۔ سیّد فضل شاہ صاحب[۱۳] ٹھیکیدار۔ مولوی غلام علی صاحب[۱۴] ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ ضلع جہلم۔ مولوی قُطب[۱۵] دین صاحب کمپونڈر شفاخانہ قادیان۔ مولوی محمد فضل صاحب[۱۶] چنگوی۔ مولوی عبداللہ صاحب[۱۷] کشمیری۔ مولوی حافظ احمد اللہ خان صاحب[۱۸] مدرس ہائی سکول قادیان۔ مولوی قاضی سیّد امیر حسین صاحب[۱۹] مدرس۔ شیخ عبدالرحیم صاحب[۲۰] سپرنٹنڈنٹ بورڈنگ قادیان

۷۔ دس دِن تک پیر مہر علی شاہ صاحب کی طرف سے اشتہار کا شائع ہو جانا ضروری ہے۔ لیکن بہ لحاظ ضمیمہ اس اشتہار کے تمام عُلماء کی اطلاع کے لیے مقابلہ اشاعتِ اشتہار سے ٹھیک ٹھیک ایک مہینہ بعد ہو گا۔ (منہ)

۸۔ اگر پیر صاحب تجویز مکان سے دستکش ہوں تو پھر یہ تجویز میرے ذمّہ ہو گی۔ (منہ)

نقل ضمیمہ اِشتہارِ دعوت

اِشتہارِ دعوت کے ساتھ ضمیمہ اشتہار منقولہ ذیل شامل تھا۔

ضمیمہ اشتہارِ دعوت

پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی

پیر مہر علی شاہ صاحب کے ہزارہا مُرید یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ وُہ عِلم میں اَور حقائق و معارفِ دین میں اَور علومِ ادبیہ میں اِس مُلک کے تمام مولویوں سے بڑھ کر ہیں۔ اِسی وجہ سے میں نے اِس امتحان کے لیے پیر صاحب موصُوف کو اِختیار کیا ہے تا کہ اُن کے مقابلہ سے خُدا تعالیٰ کا وُہ نشان ظاہر ہو جائے جو اُس کے مُرسلین اَور مامُورین کی ایک خاص علامت ہے لیکن مُمکن ہے کہ اِس مُلک کے بعض عُلماء ناحق کی شیخی سے یہ خیال کریں کہ ہم قرآن شریف کے جاننے اَور زبانِ عربی کے علمِ اَدب میں پیر صاحب موصُوف پر فوقیت رکھتے ہیں۔ یا کسی آسمانی نشان کے ظاہر ہونے کے وقت یہ عُذر پیش کر دیں کہ پیر صاحب موصُوف کا مغلوب ہونا ہم پر حُجّت نہیں ہے۔ اَور اگر ہمیں اِس مقابلہ کے لیے بُلایا جاتا تو ضرور ہم غالب آتے۔ اِس لیے قرینِ مصلحت معلوم ہُوا کہ ان تمام بزرگوں کو بھی اِس مُقابلہ سے باہر نہ رکھا جائے اَور خُود ظاہر ہے کہ جس قدر مقابلہ کرنے والے کثرت سے میدان میں آئیں گے اُسی قدر الٰہی نشان کی عظمت بڑی قوت اَور سطوت سے ظہُور میں آئے گی اَور یہ ایک ایسا زبردست نشان ہو گا کہ آفتاب کی طرح چمکتا ہُوا نظر آئے گا اَور مُمکن ہے کہ اِس سے بعض نیک دِل مولویوں کو ہدایت ہو جائے اَور وُہ اِس الٰہی طاقت کو دیکھ لیں جو اِس عاجز کے شامِل حال ہے۔ لہٰذا اِس ضمیمہ کے ذریعہ سے پنجاب اَور ہندوستان کے تمام اُن مولویوں کو مدعو کیا جاتا ہے جو یہ خیال کرتے ہیں کہ وُہ علمِ تفسیرِ قرآن اَور عربی کے علمِ اَدب اَور بلاغت فصاحت میں سرآمدِ روزگار ہیں مگر شرائطِ ذیل کی پابندی ضروری ہو گی۔

۱۔ اِس مقابلہ کے لیے پیر مہر علی صاحب کی بہرحال شمُولیت ضروری ہو گی کیونکہ خیال کیا گیا ہے کہ وُہ علمِ عربی اور قرآن دانی میں ان تمام مولویوں سے بزرگ اَور افضل ہیں۔ لہٰذا کسی دُوسرے مولوی کو صرف اِس حالت میں قبول کیا جائے گا۔ کہ جب پیر مہر علی شاہ صاحب اِس دعوت کو قبول کر کے بذریعہ کسی چھپے ہُوئے اِشتہار کے شائع کر دیں کہ میں مقابلہ کے لیے تیار ہوں[1]۔ یا مقابلہ کرنے والے عُلماء کی ایک ایسی جماعت پیش کریں جو چالیس سے کم نہ ہو۔ ہاں ضروری ہو گا کہ دُوسرے مولوی صاحبوں کے لیے وقت اَور گنجائش نکالنے کے لیے پیر صاحب موصُوف مباحثہ کے لیے ایک مہینہ سے کم تاریخ مقرر نہ کریں۔ تا اِس مدت تک باور کرنے کی وجہ پیدا ہو جائے کہ ان تمام مولویوں

حاشیہ ضمیمہ اِشتہار:۔

[1] پیر مہر علی شاہ صاحب پر یہ فرض ہو گا کہ اگر وُہ اپنے تئیں مردِ میدان سمجھیں تو اِشتہار ہذا کی اشاعت کی تاریخ سے یعنی اُس روز سے جو بذریعہ رجسٹری اشتہار ہذا اُن کو پہنچے، دس روز کے اندر اپنی تیاری مقابلہ اَور قبولِ شرائط سے ہمیں اَور پبلک کو اِطلاع دیں۔ (منہ)

کو پیر مہر علی شاہ صاحب کے اشتہار سے اطلاع ہو گئی ہے۔ پہلے میں نے ایک ہفتہ مقرر کیا تھا۔ مگر اب اس لحاظ سے اِس قدر تھوڑی میعاد عام اطلاع کے لیے کافی نہیں۔ ہاں ضروری ہو گا کہ اِس اشتہار کے شائع ہونے کے بعد پیر صاحب موصوف دس دن کے اندر اِس دعوت کے قبول کے بارہ میں ایک عام اشتہار شائع کر دیں اور بہتر ہو گا کہ پانچ ہزار کاپی چھپوا کر بذریعہ چند نامی مولوی صاحبان پنجاب و ہندوستان میں اس معرکہ مباحثہ کی عام شہرت دے دیں۔

۲۔ دُوسری شرط یہ ہو گی کہ مقامِ مباحثہ لاہور ہو گا جو صدر مقام پنجاب ہے اور تجویزِ مکان پیر صاحب کے ذمّہ ہو گی لیکن اگر وُہ اپنے اِس اشتہار میں جس کا اُوپر ذکر کیا گیا ہے، تجویزِ مکان اپنے ذمّہ نہ لیں تو پھر یہ تجویز میرے ذمّہ ہو گی اور کچھ حرج نہیں تمام کرایہ مکان مباحثہ کا میں ہی دُوں گا۔

۳۔ تیسری یہ شرط ہے کہ یہ بحث صرف دِن میں ہی ختم ہو جائے گی۔ اور ہر ایک شخص مقابل کو سات گھنٹے تک لکھنے کی مہلت ملے گی۔

۴۔ چوتھی یہ شرط ہے کہ جس قدر اِس مقابلہ کے لیے مولوی صاحبان حاضر ہوں گے اُن کے لیے ہرگز جائز نہ ہو گا۔ کہ ایک دُوسرے کو کسی قسم کی مدد کریں، نہ تحریر سے نہ تقریر سے نہ اشارات سے۔ بلکہ ضروری ہو گا کہ ہر ایک صاحب ایک مُناسب فاصلہ پر ایک دُوسرے سے دُور ہو کر بیٹھیں اور ایک دُوسرے کی تحریر کو نہ دیکھ سکیں اور جو شخص ایسی حرکت کرے وُہ کمرۂ مقابلہ سے فی الفور نکال دیا جائے گا اور ضروری ہو گا کہ ہر ایک صاحب اپنے ہاتھ سے ہی لکھے۔ ہرگز جائز نہ ہو گا کہ آپ بولتا جائے اور دُوسرا لکھتا جائے، کیونکہ اس صُورت میں اقتباس اور استراق کا اندیشہ ہے۔

۵۔ ضروری ہو گا کہ ہر ایک صاحب جب اپنے مضمون کو تمام کریں جو کم سے کم حسب ہدایت اشتہار ہذا بیس ورق کا ہو گا۔ جس میں کوئی عبارت اُردُو کی نہیں ہو گی بلکہ خالص عربی ہو گی تو اِس کے نیچے اپنے پُورے دستخط کریں اور اُسی وقت ایک ایک نقل اس کی مع دستخط اور نیز مع ایک تصدیقی عبارت جو بدیں مضمون ہو کہ نقل ہٰذا مطابق اصل ہے اِس عاجز کے حوالہ کر دیں۔ اور یہ میرا بھی فرض ہو گا کہ میں بھی بعد اخذ تمام نقول کے ایک نقل اپنی تحریر کی بعد ثبتِ دستخط پیر مہر علی صاحب کو دے دُوں ؎۔ یہ میرے ذمّہ نہیں ہو گا کہ ہر ایک صاحب کو ایک ایک نقل دُوں۔ کیونکہ اِس تھوڑے وقت میں ایسا ہونا غیر ممکن ہے کہ میں مثلاً پچّاس مولویوں کے لیے پچّاس نقلیں اپنے ہاتھ سے لکھ کر دُوں۔ ہاں ہر ایک مولوی صاحب کو اختیار ہو گا کہ وُہ اپنے لیے ایک ایک نقل میرے مضمون کی پیر مہر علی شاہ صاحب سے لے کر خود لکھ لیں۔ مگر یہ اُس وقت ہو گا جب اپنے مضمون کی نقل مجھے دے چکیں۔

۶۔ ہر ایک شخص اپنا اپنا مضمون بعد لکھنے کے آپ سُنائے گا یا اختیار ہو گا کہ جس کو وُہ پسند کرے وُہ سُناوے۔

۷۔ اگر سُنانے کے لیے وقت کافی نہیں ہو گا تو جائز ہو گا کہ وُہ مضمون دُوسرے دِن سُنا دیا جائے۔ مگر یہ ضروری شرط

حاشیہ ضمیمہ اشتہار

؎ یہ میرا بھی فرض ہو گا کہ میں بھی اپنے ہاتھ سے لکھ کر دُوں اور جائز ہو گا کہ میں اپنا فرض پُورا ادا کر کے دُوسروں کی نگرانی کے لیے کسی دُوسرے کو مُقرر کر دُوں اور یہی اختیار مخالفین کو ہو گا۔ (منہ)

ہوگی کہ سُنانے سے پہلے اُسی دِن اور اُسی وقت جب کہ وُہ بالمقابل تحریر ختم کر چکے ہوں ایک نقل بعد ثبت دستخط مجھ کو دے دیں اور جائز نہ ہوگا کہ نقل دینے کے بعد اُس مضمون پر کچھ زیادہ کریں یا اِصلاح کریں۔ اور سہو و نسیان کا کوئی عُذر سُنا نہیں جائے گا اور اِس شرط کا ہم میں سے ہر ایک پابند ہوگا۔

۸۔ تمام مضامین سُنانے کے بعد تین مولوی صاحبان جِن کو پیر مہر علی شاہ صاحب تجویز کریں گے۔ اُس قسم کے تین مرتبہ حلف کے ساتھ جو قذفِ مُحصنات کے بارے میں قرآن شریف میں مندرج ہے اپنی رائے ظاہر کریں گے۔ کہ کیا یہ تمام مولوی صاحبان مقابل میں غالب رہے یا مغلوب رہے اور وُہ رائے منطبع ہو کر وُہی آخری فیصلہ ہمارا اور ہمارے اندرُونی مخالفوں کا قطعی طور پر قرار دیا جائے گا۔ [۳]

۹۔ نویں شرط یہ ہے کہ اگر الٰہی رُعب کے نیچے آکر پیر مہر علی شاہ صاحب اِس مُقابلہ سے ڈر جائیں اور دِل میں اپنے تئیں کاذب اور ناحق پر سمجھ کر گریز اِختیار کرلیں تو اُس صُورت میں یہ جائز نہیں ہوگا کہ دُوسرے مولویوں میں سے صرف ایک یا دو شخص مقابلہ کا اِشتہار دیں۔ کیونکہ ایسا مقابلہ بے فائدہ اور محض تضیع اوقات ہے۔ وجہ یہ کہ بعد میں دُوسرے مولویوں کے لِیے یہ عُذر بنا رہتا ہے کہ مقابلہ کرنے والے کیا چیز اور کیا حقیقت تھے یا جاہل اور بے عِلم تھے۔ لہٰذا یہ ضروری شرط ہوگی کہ اِس حالت میں جب کہ پیر مہر علی شاہ صاحب اپنے مُریدوں کو دریائے ندامت میں ڈال کر بھاگ جائیں اور اپنے لِیے کنارہ کشی کا داغ قبول کرلیں تو کم سے کم چالیس نامی مولویوں کا ہونا ضرُوری ہے جو میدان میں آنے کی درخواست کریں۔ اور ہمیں منظور رہے کہ وُہ اُن میں سے ہوں جِن کے نام ذیل میں لِکھے جائیں گے یا اِس درجہ کے اَور مولوی صاحبان باہم مِل کر اِشتہار دیں کہ جو چالیس سے کم نہ ہوں اور اِس صُورت میں اُن سے بہ پابندیٔ شرائط مذکورہ بالا مقابلہ کیا جائے گا۔

۱۰۔ اگر اِشتہار ہٰذا کے شائع ہونے کی تاریخ سے جو ۲۲۔ جولائی ۱۹۰۰ء ہے۔ ایک ماہ تک نہ پیر مہر علی شاہ صاحب کی طرف سے اِس میدان میں حاضر ہونے کے لِیے کوئی اِشتہار نِکلا اور نہ دُوسرے مولویوں کے چالیس کے مجمع نے کوئی اِشتہار دیا تو اِس صُورت میں یہی سمجھا جائے گا کہ خُدا تعالیٰ نے اُن سب کے دِلوں میں رُعب ڈال کر ایک آسمانی نِشان ظاہر کیا۔ کیونکہ سب پر رُعب ڈال کر سب کی زبان بند کر دینا اور اُن کی تمام شیخیوں کو کُچل ڈالنا، یہ کام بجُز الٰہی طاقت کے کسی دُوسرے سے ہرگز نہیں ہوسکتا۔ وتلك عشرة كاملة من الاشراط التى اردنا ذكرها۔"

اَب مَیں ذیل میں اُن حضرات مولوی صاحبان کے نام لکھتا ہُوں جو اِس مقابلہ کے لِیے بشرطِ شمولیت پیر مہر علی شاہ صاحب یا بشرطِ مجمع چالیس بُلائے گئے ہیں اور اگر اِن کے سوا اہلِ پنجاب اور ہندوستان میں سے یا اُن عربوں میں سے جو نزیلِ برٹش انڈیا ہوں۔ اِس مُلک کے کسی گوشہ میں اور مولوی صاحبان موجود ہوں

حاشیہ ضمیمہ اشتہار

[۳] اگر بعض مولوی صاحبان جو لاہور سے کسی قدر فاصلہ پر رہتے ہیں۔ یہ عُذر پیش کریں کہ ہم بوجہ ناداری لاہور پہنچ نہیں سکتے تو مناسب ہے کہ وُہ بطور قرضہ اِنتظام کرایہ سفر کر کے لاہور پہنچ جائیں۔ اگر فتحیاب ہو گئے تو میں کُل کرایۂ آمد و رفت اُن کا دے دُوں گا۔ (منہ)"

جو مکذّب ہوں تو وُہ بھی اِس اِشتہار میں اَیسے ہی مدعو ہیں جیسے یہ لوگ ہیں ۔ اَور حضرات موصُوفین کے نام یہ ہیں :۔

چھیاسی عُلماء کے اسماء کی فہرست

مولوی محمد صاحب[۱] لُدھیانہ، مولوی عبد العزیز صاحب[۲] برادر مولوی محمد لُدھیانہ، مولوی محمد حسین رئیس[۳] لُدھیانہ، مولوی مُشتاق احمد انبیٹھوی[۴] مدرّس لُدھیانہ، مولوی شاہ دین[۵] مُفتی لُدھیانہ، مولوی معظم دین[۶] مرولہ والا۔ ڈاک خانہ کوٹ مومن ضلع شاہ پُور، مولوی عبد اللہ[۷] چکڑالوی معرفت میاں محمد چٹّو لاہور، مولوی غلام حسین[۸] سیالکوٹ، مولوی محمد خلیل احمد[۹] انبیٹھہ ضلع سہارن پُور، مولوی شاہ محمد حسین[۱۰] صابری مُحبّ اللّٰہی سُنبل مُراد آباد، مولوی نذیر احمد خان[۱۱] دہلوی سابق ڈپٹی کلکٹر سرکار نظام حیدر آباد، مولوی عبد اللطیف[۱۲] امروہی مدرّس اُودے پُور میواڑ۔ راجپُوتانہ، مولوی ولی محمد[۱۳] جالندھری ساکن تپارہ، قاضی عبد القدوس[۱۴] چھاؤنی بنگلور، مولوی شیخ عبد اللہ[۱۵] ساکن چک عُمر تحصیل کھاریاں ضلع گجُرات، مولوی محمد حسین[۱۶] مفسّر ساکن امروہہ، محلّہ ملانا۔ ضلع مُراد آباد، یُو۔ پی، مولوی عبد الغفار[۱۷] مُفتی ریاست گوالیار، مولوی عبد اللہ[۱۸] محلّہ کھڈہ کراچی، مولوی احمد حسن[۱۹] مدرّس پانواڑی، امروہہ۔ ضلع مُراد آباد، مولوی قاسم شاہ شیخی[۲۰] مجتہد لاہور، مجتہد[۲۱] صاحب لکھنؤ، مولوی عنایت علی[۲۲] شیعی سامانہ، ریاست پٹیالہ، مولوی سکندر صاحب[۲۳] شہر میسُور، مولوی لُطف اللہ[۲۴] قاضی القضاۃ حیدر آباد، مولوی نذیر حسین[۲۵] انبیٹھہ، سہارن پُور، مولوی عبد اللہ[۲۶] سجادہ نشین گڑھی پٹھاناں، ضلع راولپنڈی، مولوی محمد حسین[۲۷] موضع بھین تحصیل چکوال ضلع جہلم، مولوی ثناء اللہ[۲۸] امرتسری، مولوی کلیم اللہ[۲۹] مچھیانہ، گجُرات، مولوی محمد اسحاق[۳۰] اجرادری پٹیالہ، مولوی نذیر حسین[۳۱] دہلوی یا جس کو وُہ اپنا وکیل بنائیں، مولوی تلطّف حسین[۳۲] دہلوی، مولوی کرامت اللہ[۳۳] محلّہ باڑہ، صدر بازار۔ دہلی، مولوی فضل دین[۳۴] گجرات، پنجاب، مولوی عبد الوہاب[۳۵] اِمام مسجد، صدر دہلی، عُلماء ندوہ[۳۶] لکھنؤ، جس عالم کو اپنا وکیل بنائیں، مولوی منشی سُلیمان[۳۷] مُلازم ریاست پٹیالہ مؤلّف غایت المرام، مولوی مسیح الزمان[۳۸] شاہجہان پُور یا وہاں کا جو عالم بھی ہو، مولوی محمد صدّیق[۳۹] دیوبندی حال مدرّس بچھرایوں۔ مُراد آباد، مولوی محمد شفیع[۴۰] قصبہ رام پُور ضلع سہارن پُور، مولوی محمد شبلی نعمانی[۴۱] سابق پروفیسر علی گڑھ کالج، مولوی دیدار علی[۴۲] مسجد دائرہ ریاست الور، شیخ خلیل الرحمن[۴۳] سرساوہ سہارن پُور سجّادہ نشین چار قطب ہانسوی، مولوی نظام الدین[۴۴] قاضی مالیر کوٹلہ، شیخ اللہ بخش[۴۵] تونسوی سنگھڑ مع جماعت عُلماء، مولوی عبد اللہ[۴۶] ٹونکی پروفیسر، قاضی ظفر الدین[۴۷] پروفیسر، مولوی عبد الحکیم[۴۸] پروفیسر، مولوی عبد اللہ[۴۹] ساکن جلو خلیفہ پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی، مولوی غلام محمد[۵۰] چکوال ضلع جہلم، مولوی ابراہیم[۵۱] آرہ، مولوی محمد حُسین[۵۲] بٹالوی، مولوی شیخ مُحسین[۵۳] عرب یمانی بھُوپال، مولوی اصغر علی[۵۴] پروفیسر حمایت اِسلام لاہور، مولوی محمد بشیر[۵۵] بھوپال، مولوی عبد الجبار[۵۶] امرتسر، مولوی احمد اللہ[۵۷] امرتسر، مولوی رسل بابا[۵۸] امرتسر، مولوی عبد الحق[۵۹] مفسّر تفسیر حقّانی دہلی، مولوی عبد الحق[۶۰] امرتسر، مولوی عبد الواحد[۶۱] امرت سر، مولوی منہاج الدین[۶۲] کوٹ، منشی الٰہی بخش ملہم[۶۳] بذریعہ الہام تفسیر لکھیں، مولوی احمد[۶۴] ساکن سکندر پُور۔ ہزارہ، مولوی رشید احمد[۶۵] گنگوہی ضلع سہارن پُور، قاضی امیر عالم[۶۶] ساکن سکندر پُور۔ ہزارہ، مولوی اِلطاف حسین[۶۷] حالی پانی پتی، مولوی ابُو الخیر[۶۸] نقشبندی خانقاہ شریف حضرت مرزا جانجاناں خاص دہلی، مولوی احمد علی[۶۹] واعظ سابق مدرّس مدرسہ اِسلامیہ سہارن پُور حال مدرسہ اسلامیہ میرٹھ، مُلا مانکی[۷۰] نوشہرہ پشاور، مولوی عبد المنّان[۷۱] وزیر آبادی جس عالم بینا کو منتخب کریں، قاضی سُلطان محمُود[۷۲] آئی اوان گجُرات، مولوی غلام محمد[۷۳] بگہ والا شاہی مسجد لاہور، مولوی محمد ذکریا[۷۴] انجمن حمایت اِسلام لاہور، مولوی غلام محمد[۷۵] مُلازم انجمن نعمانیہ لاہور، مولوی غازی خان[۷۶] گولڑہ۔ راولپنڈی، مولوی غلام رسُول[۷۷] قلبال۔ گوجر خاں، مولوی مُفتی غلام محی الدین[۷۸]۔ گڑھا۔ ڈاک خانہ ڈومیلی، مولوی عبد السمیع[۷۹] رام پُوری حال مُلازم شیخ الٰہی بخش رئیس میرٹھ، مولوی محمُود حسن[۸۰] مدرّس اوّل مدرسہ دیوبند، مولوی احمد حسن[۸۱] گنج پوری صابری۔ جامعہ مسجد دہلی، مولوی احمد حسن[۸۲] ایڈیٹر اخبار شحنۂ ہند میرٹھ، مولوی عبد الخالق[۸۳] جہان خیلاں ضلع پشاور، مولوی عبد الرحمن[۸۴] چھوہروی ضلع ہزارہ، مولوی فقیر محمد عزیز[۸۵] ترنواہ ضلع ہزارہ،

شیخ نظام الدین سجادہ نشین شاہ نیاز صاحب خاص بریلی۔

المشتہر

خاکسار

مرزا غلام احمد از قادیان ۲۰۔ جولائی ۱۹۰۰ء

مطبوعہ ضیاء الاسلام پریس قادیان (یہ اشتہار ۲۰ × ۲۶/۸ کے ۴ صفحات پر ہے)

(مؤلف:۔ مندرجہ بالا فہرست میں برّصغیر پاک و ہند کے اُس وقت کے قریباً تمام مشہور بزرگانِ دین اور عُلمائے کرام کے اسماءِ گرامی آ گئے ہیں جو بقیدِ حیات تھے۔ اور جب یہ خیال آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دینِ برحق کی مدافعت اور خدمت کے لیے ان تمام بزرگان و اکابرینِ اسلام میں سے صرف حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ ہی کو منتخب فرما کر سب کی طرف سے شرفِ نمائندگی بخشا تو بے ساختہ زبان سے نکلتا ہے ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

نقل اِشتہار جواب دعوت

گولڑہ شریف میں مرزا صاحب کا یہ اشتہارِ دعوت ۲۵ جولائی ۱۹۰۰ء کو موصول ہوا۔ اور حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ نے اُسی روز منقولہ ذیل اشتہار جواب دعوت بمع ضمیمہ مطبع اخبار "چودھویں صدی" راولپنڈی میں بھجوا کر اگلے ہی روز ملک میں شائع کروا دیا۔ مرزا صاحب کی خواہش کے مُطابق پانچ ہزار کاپیاں چھپوائی گئیں ان میں سے مرزا صاحب کو بذریعہ رجسٹرڈ پوسٹ اور عُلمائے کرام مندرجہ اشتہارِ دعوت کو اور پنجاب و ہندوستان، صُوبہ سرحد اور افغانستان کے بہت سے دیگر عُلماء و فضلاء کو بھی، دستی اور بذریعہ ڈاک روانہ کر دی گئیں۔ تمام مُلک کے اخبارات میں بھی اِس دعوتِ مناظرہ اور جوابِ دعوت کی اطلاعات نشر کر دی گئیں۔ جس سے ہر جگہ خاصی دلچسپی پیدا ہو گئی۔

حضرت مولٰنا پیر مہر علی شاہ صاحب قدس سرہٗ کا جوابِ دعوت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ وحدہٗ والصلوٰۃ والسّلام علیٰ من لا نبی بعدہٗ وآلہٖ وعترتہٖ۔

امّا بعد۔ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کا اشتہار مؤرخہ ۲۰ جولائی ۱۹۰۰ء آج اس نیاز مند عُلمائے کرام و مشائخِ عُظّام کی نظر سے گزرا۔ مجھ کو دعوت حاضری جلسہ منعقدہ لاہور مع شرائط مجوزہ مرزا صاحب بسرو چشم منظور ہے۔ میں اُمّید کرتا ہُوں کہ مرزا صاحب بھی میری ایک ہی گذارش کو بہ سلکِ شرائط مجوزہ منسلک فرما دیں گے وُہ یہ ہے کہ مدّعی مسیحیت و مہدویّت و رسالت لسانی تقریر سے بمشافہ حضّارِ جلسہ اپنے دعویٰ کو بپایۂ ثبوت پہنچا دیں۔ بجواب اُس کے نیاز مند کی معرُوضات عدیدہ کو حضرات حاضرین خیال فرما کر اپنی رائے ظاہر فرمائیں گے۔ مجھ کو شہادت ورائے تینوں عُلمائے کرام مجوّزہ مرزا صاحب (یعنی مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی

ومولوی عبدالجبار صاحب غزنوی ومولوی عبداللہ صاحب ٹونکی پروفیسر لاہوری) کے قبول کرنے میں کچھ عذر نہ ہوگا۔ بعد ظہور اِس کے کہ مرزا صاحب اپنے دعویٰ کو بہ پایۂ ثبوت نہیں پہنچا سکے، مرزا صاحب کو بیعتِ توبہ کرنی ہوگی۔

بعد اِس کے عقایدِ معدودہ مرزا صاحب میں جن میں جناب ساری اُمّت میں منفرد ہیں بحث تقریری و اظہار رائے ہوکر، مرزا صاحب کو اجازت مقابلہ تحریری کی دی جائے گی۔ یہ وُہ شرط ہے کہ جناب کے دعویٰ اور تحقیقِ حق کے لیے عند العقلاء مقتضی بالطبع ہے۔

ظاہر ہے کہ تیز نویسی اور قافیہ سنجی کو بعد بطلانِ مضامین کے کچھ بھی وقعت اور عظمت نہیں۔ حقیت مضامین کا محفوظ رہنا عیارانِ صداقت کے لیے نہایت مہتم بالشان ہے۔ اظہارِ حقیت بغیر اِس طریق کے متصور ہی نہیں۔ کیونکہ مرزا صاحب کے حقائق و معارفِ قرآنیہ سے تو اُن کی تصانیف بھری ہوئی ہیں۔ اور وُہی جناب کے دعویٰ کو عدم حقیت کی وجہ سے دھبّہ لگا رہے ہیں۔ عُلمائے کرام کی تحریرات اور اہلِ دیانت و فہم کامل کی تقریرات اِس پر شاہد ہیں۔ تیز نویسی چُونکہ بروز عیسوی و بروز محمدیؐ سے بالکل اجنبی اور برطرف ہے لہٰذا اُس کو مؤخر رکھا جائے گا۔ اِس شرط کی منظوری سے مع تاریخ مقررہ کے مشرف فرما دیں۔ نہایت ممنون ہوکر حاضر ہو جاؤں گا۔ قانونِ فطرت اور کرّات و مرّات کا تجربہ مع شہادت (وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا) کے پیش گوئی کر رہا ہے کہ آپ کو عین وقتِ بحث میں الہام سکوتی ہو جاوے گا۔ آپ فرمائیں اِس کا کیا علاج ہوگا۔

اپنے اشتہار میں اِس الہامِ ضروری الوقوع کا مستثنیٰ نہ فرمانا صاف شہادت دے رہا ہے۔ کہ ایسے الہامات عندیہ اور اپنے اختیاری ہیں ورنہ درصورتِ منجانب اللہ ہونے کے کیونکر زیرِ لحاظ نہ ہوں اور مستثنیٰ نہ کیے جاویں۔ یہ بھی مانا کہ منجانب اللہ ہیں تو پھر اُن پر تعمیل واجب ہوگی۔ مشائخ عظام اور عُلمائے کرام کو تشریف آوری سے بغیر از تضیعِ اوقات و تکلیف عبث کیا حاصل ہوگا۔ لہٰذا عرض کرتا ہوں کہ شرق سے غرب تک اِن بزرگواروں کو آپ کیوں تکلیف محض دیتے ہیں۔ فقط یہ ایک ہی نیاز مند اُن کا حاضر ہو جائے گا۔ بشرطِ معروض الصدر نامنظوری شرطِ مذکور یا غیر حاضری جناب کی دلیل ہوگی آپ کے کاذب ہونے پر۔

آپ فرماتے ہیں کہ شمس الہدائیت کے صفحہ ۸۱ میں نیاز مند نے عِلم اور فقر میں لاف زنی کی ہے ناظرین صفحہ مذکور کے ملاحظہ فرمانے کے بعد انصاف فرما سکتے ہیں کہ آیا لاف زنی ہے اپنے بارہ میں یا تہذیب ہے بمقابلہ محاورات مثلاً اجماع کورانہ۔ "ضرب نادان"۔ "بے شرم"۔ "بے حیا"۔ "عُلمائے یہود"۔ وغیرہ جو آپ نے اپنی کتب "ازالہ"۔ "ایام الصلح" میں دربارۂ عُلماء سلف و خلف شکر اللہ سعیہم کے دیانت اور تہذیب سے لکھا ہے اور تفرّد فی فہم القرآن کا دعویٰ کیا ہے۔

آپ اِس اشتہار کے صفحہ ۳ کے آخر میں باریک قلم سے لکھتے ہیں اگر وُہ اپنی کتاب میں جہالت کا اقرار کرتے اور فقر کا بھی دم نہ مارتے تو اِس دعوت کی کچھ ضرورت نہیں تھی الخ ——— لاف زنی کی کیفیت تو ناظرین کو ملاحظہ مذکورہ سے معلوم ہو جائے گی۔ بھلا آپ یہ تو فرمائیے کہ جب

آپ اپنی دعوت میں ماُمور من اللہ ہیں تو پھر لاف زنی پر اِس دعوت کی بنا ٹھہرانی قول بالمتناقضین نہیں تو کیا ہے۔

مرزا صاحب، نیاز مند کو مع عُلمائے کرام کے کسی قسم کا عناد یا حسد جناب کے ساتھ نہیں مگر کتاب اللہ اور سُنّتِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باعثِ انکار ہے۔ انصاف فرماویں مثلِ مشہور کا مصداق نہ بنیں۔ (نالے چورتے نالے چتر)۔ ظاہر تو عشق محمدی اور قرآن کریم سے دم مارنا اور دَرپردہ کیا بلکہ علانیہ تحریفِ کتاب وسُنّت کرنی اور پھر اِس کمال پر مکتفی نہ رہنا بلکہ اوروں کو بھی اِس کمال کے ساتھ ایمان لانے کی تکلیف دینا۔ بھلا پھر عُلمأ کیسے خاموش بیٹھے رہیں۔ آپ اپنے اشتہار میں جو کچھ بہت زور وشور سے ارشاد فرما چکے ہیں۔ اگر بہ لحاظ اُس کے کچھ لکھا بھی جاوے تو داخلِ گستاخی اور موردِ عتاب اہل تہذیب نہیں ہو سکتا مگر تاہم لوگوں کی ہنسی سے شرم آتی ہے۔ اِس سے زیادہ آپ کے اوقاتِ گرامی کی تضیع نہیں کرتا ہوں۔

والسلام علی من اتبع الھدیٰ وآمن بخاتمیۃ افضل الاوّلین والآخرین سیّدنا ابی القاسم محمدِ المصطفیٰ وصدّق بما جاء بہ من عند رب الارضین والسمٰوٰتِ العُلیٰ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِیْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا وَصَلِّ وسلّم وبارک وادِم علی من اریتہ الآیات الکبریٰ صلوٰۃ تستجیب بھا دعائنا وتزکی بھا نفوسنا وتحیي بھا قلوبنا وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العالمین۔

العبد الملتجی الی اللہ

مہر علی شاہ از گولڑہ

۲۵۔ جولائی سنہ ۱۹۰۰ء

نوٹ۔ حسب الطلب یہ اشتہار بذریعہ رجسٹری ابلاغ ہے اور میں بروئے اختیار اشتہار دعوت ۲۵ اگست سنہ ۱۹۰۰ء بمقام لاہور مقرر کرتا ہوں۔ براہِ مہربانی اب آپ تاریخ مقررہ پر تشریف لے آویں۔

گواہ شد

محمد غازی[۱]۔ مولوی حضرت میر معلّم صاحبزادگان خان مُلّا خان صاحب رئیس کابل[۲]۔ قاضی محمد زمان[۳] ساکن پنڈی۔ مولوی محمد[۴]۔ مولوی عبد اللہ[۵] ساکن جلو۔ مولوی ہدایت اللہ[۶]۔ مولوی احمد دین[۷] ساکن بھوئی۔ مولوی محمد یوسف[۸] ساکن بھوئی۔ مولوی غلام ربانی[۹] ساکن بھوئی۔ مولوی سید حسن[۱۰] مدرس اوّل مدرسہ اسلامیہ پنڈی۔ مولوی محمد اسماعیل[۱۱] گولڑہ۔ مولوی عبد اللہ شاہ[۱۲] ساکن گڑھی افغاناں۔ مولوی میر حمزہ[۱۳] ساکن بھوئی۔ مولوی محمد عرفان[۱۴] ساکن گولڑہ۔ مولوی فضل احمد[۱۵] ساکن سواں۔ مولوی منہاج الدین[۱۶] ساکن کوٹ نجیب اللہ۔ مولوی عبد المجید[۱۷] ساکن کوٹ نجیب اللہ۔ مولوی محبوب عالم[۱۸] ساکن گولڑہ۔ قاضی نواب[۱۹] ساکن کوٹ۔ مولوی بدر دین[۲۰] پوٹھواری

نقل ضمیمہ اشتہار جوابِ دعوت

ضمیمہ اشتہار بجوابِ دعوت

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کا اشتہار مورخہ ۲۰۔جولائی ۱۹۰۰ء مشتہرہ ۲۲۔جولائی ۱۹۰۰ء جو حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب قدس سرہٗ کے پاس بذریعہ رجسٹری آج پہنچا ہے۔ اور جس میں وُہ پیر صاحب کو مدعو کرتے ہیں کہ پیر صاحب اُن سے بشرائطِ ذیل (جن کو وُہ خود ہی تجویز کرتے ہیں۔ اور جن کو میں مختصراً ذیل میں بغرضِ سہولیت منہم درج کرتا ہُوں) مباحثہ کریں۔ مضمُون مباحثہ قرآنِ کریم کی کوئی سُورت یا کسی سُورت کی چالیس آیتوں کی تفسیر ہوگا اور سُورت بذریعہ فال یا قُرعہ اندازی اِنتخاب کی جاوے گی۔

لہ (۱) پیر صاحب دس روز کے اندر تاریخ رسید گی اِشتہار دعوت مرزا صاحب سے بذریعہ اِشتہار مطبُوعہ جس کی پانچ ہزار کاپیاں ہوں کُل عُلمائے ہندوستان کو جن کے نام وُہ آخرِ درخواست میں درج کرتے ہیں مطلع کر دیں۔ جلسہ میں پیرِ صاحب کی شمُولیت ضروری ہوگی۔ اگر پیرِ صاحب بذریعہ اشتہار قبولِ دعوت کریں، یا چالیس اَور علماء کی جماعت درخواست بذریعہ اِشتہار کرے تو مرزا صاحب مباحثہ کریں گے۔

لہ (۲) مباحثہ بمقام لاہور ہوگا۔ مکان کی تجویز اَور اِہتمام پیرِ صاحب کے ذمّہ ہوگا۔ بصُورتِ اِنکار پیر صاحب، مرزا صاحب خُود اِنتظام کریں گے۔

(۳) بحث ایک ہی روز میں ختم ہوجائے گی۔ اَور ہر ایک شخص کو بالمقابل لِکھنے کے لِیے سات گھنٹہ تک

حاشیہ ضمیمہ اِشتہار:۔

لہ اصل میں اَیسا معلُوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کا منشا یہ ہے کہ اشتہارِ دعوت بھی مشتہر ہوجائے اَور معاملہ بھی وقوع میں نہ آوے۔ اِس لیے ایسے ایسے عُلماء اَور سجادہ نشین درج فہرست کر دیئے ہیں جو بعض تو بوجہ علائق متعدّدہ اپنا مکان نہیں چھوڑ سکتے۔ اَور بعض ملازم ہیں۔ بعض اس قدر بُعدِ مسافت اَور کثرتِ اخراجات کی وجہ سے سخت متامل ہوں گے۔ مگر بہر حال جو ہو سو ہو فہرست میں تو تعدادِ عُلماء صرف ۸۶ کس ہے۔ معلُوم نہیں پانچ ہزار کاپی کیوں مطلُوب ہوئی۔ بہر حال اُن صاحبان کو کاپیاں پہنچائی جاویں گی۔ علاوہ برآں پبلک کو بھی بذریعہ اِشتہار مطلع کِیا جائے گا۔ مہربانی کر کے آپ بھی اپنے اِشتہار مطبُوعہ ۲۰۔جولائی ۱۹۰۰ء کی نقول اُن صاحبان کو پہنچا دیں تاکہ اِس بالمقابل درخواست کے سمجھنے میں آسانی ہو۔

لہ حضرت آپ خُود ہی اِنتظام کریں، آپ کے لِیے لاہور میں اِہتمام کرنا بڑا آسان ہوگا۔ آپ لاہور سے قریب ہیں۔ آپ کے معتقدین بھی وہاں بہت ہیں۔ کرایہ ہم ادا کر دیں گے۔

سے مُہلت مِلے گی۔

؎ (۴) اس مقابلہ کے لیے مولوی صاحبان جو حاضر ہوں گے اُن کو جائز نہ ہو گا کہ وُہ ایک دُوسرے مباحث کو اشارات سے یا تحریر و تقریر سے کسی طرح کی امداد دیویں بصُورتِ انحراف شرط وُہ مکرہ سے نکال دیئے جاویں گے۔

؎ (۵) ضرُوری ہو گا کہ ہر ایک شخص کم ازکم بیس ورق لکھے اور اس میں کُل عبارت عربی ہو، اُردُو بالکل نہ ہو اور بعد اختتام مضمُون ایک ایک نقل مُطابق اصل بہ ثبت دستخط کامل فریق تحریر کنندہ کے دُوسرے فریق کو دی جاوے گی۔

(۶) بعد از تحریر ہر ایک شخص اپنا مضمُون خواہ خود خواہ مختار اجلسۂ عام میں سُناوے گا۔

(۷) بعد ازاں کسی شخص کو اختیار نہ ہو گا کہ اُس مضمُون میں کوئی ترمیم، اصلاح یا کمی بیشی کرے۔ نسیان کا عُذر بھی مسمُوع نہ ہو گا۔

(۸) بعدہٗ تین مولوی صاحبان کو جن کو پیر صاحب تجویز کریں گے (مگر اب تو اس کی ضرورت ہی نہ رہی کیونکہ مرزا صاحب نے خُود تین عالم یعنی مولوی محمد حسین بٹالوی، مولوی عبدالجبار اور مولوی عبداللہ پروفیسر لاہوری تجویز کر دیئے ہیں) اُن تحریرات پر رائے زنی کریں گے اور اُن کو تین مرتبہ کی حلف قذفِ محتاط کے ساتھ دے کر

حاشیہ ضمیمہ اشتہار

؎ مگر حضرت، نقل مُطابق اصل کا زمانہ بھی محسُوس کر لیں۔ کم ازکم ۵/۱ گھنٹے اُس میں بھی صرف ہوں گے۔ آپ تو اُس روز کی نماز بخشوا لیں گے یا ایک ہی وقت جمع کر لیں گے۔ پیر صاحب تو اُمّتِ محمّدی کے ایک فرد ہیں۔ اُن پر اور باقی عُلماء پر نماز موقوت فرض ہے اور دیگر حوائجِ ضرُوریہ بھی ہیں۔ اُن کے واسطے وقت نکال لیجئے گا۔

؎ یہ کیا، آپ تو فرماتے ہیں کہ آپ الٰہی طاقت سے یہ مقابلہ یا مباحثہ (جو کچھ نام آپ رکھیں) کرتے ہیں۔ یہ ایسی قید آپ کیوں لگاتے ہیں الٰہی زور تو دُنیاوی لوگوں سے مغلوب نہیں ہوا کرتا، خواہ کتنی ہی تعداد مقابلہ میں آجائے۔ وَادْعُوا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ بھلا یہ تو فرمادیجئے گا کہ اِس قدر کثیر جماعت عُلماء کی جمع ہو کر کیا کرے گی صُبح سے شام تک بے آب و دانہ بیٹھ کر دو شخصوں کو یہ دیکھتی رہے گی کہ کس کا قلم زور سے چلتا ہے اور وُہ کون سی دلچسپی ہے جس کے واسطے اور کون سا اور اہم علم ہے جس کی شہادت کے لیے آپ اس قدر عُلماء کو بصُورت حاضری پیر صاحب طلب کرتے ہیں اور ایسی ہی بندش بکار ہے تو دو پولیس کنسٹیبل مُلوا لیجئے گا۔ وُہ آپ دونوں کے سروں پر پہرہ دیں گے اور بعد میں جب مضامین طبع ہو کر عُلماء کو مل جاویں تو وُہ فیصلہ کر دیں گے۔ حلف تین چھوڑ دس دے لینا۔

؎ اِس میں تو شک نہیں کہ آپ ضرُور بیس ورق پُورے کر لیں گے۔ اگر نفس مضمُون نصف اوراق پر ختم ہو جائے گا تو باقی ورق آپ عُلماء، صُلحاء، انبیاء اور فریق مخالف کو گالیاں دے کر بھی پُورے کر لیں گے۔ مگر حضرت ایک چُوک تو ہو گئی کہ ورق کی تقطیع اور قلم کی موٹائی اور درآوردگی اور کشادگی خط کا آپ نے ذکر نہیں کیا۔

دریافت کیا جاوے گا کہ کون سا مضمون تائیدِ رُوح القدُس سے لکھا گیا ہے اَور وُہ رائے قطعی ہوگی جو طبع کرا کر تقسیم بھی کی جاوے گی۔

(۹) اگر الٰہی رُعب کے نیچے آکر پیر صاحب اِس مقابلہ سے ڈر جاویں اَور گریز اِختیار کریں یا دس روز تک بذریعہ اِشتہار مطبُوعہ دعوت کی منظوری کا اعلان نہ کریں تو اِس صُورت میں جائز نہ ہوگا کہ دُوسرے مولوی صاحبان میں سے ایک یا دو شخص مقابلہ کا اِشتہار دیں۔ کیونکہ ایسا مقابلہ تضیعِ اَوقات ہے۔ کیونکہ کم ازکم چالیس نامی عُلماء اُس فہرست میں سے جو مرزا صاحب نے اپنے اِشتہار میں دی ہے یا اَور عُلماء کی ایسی جماعت جو مرزا صاحب کی مکذّب ہے اَور مرزا صاحب اُن سے بے عِلم ہیں، درخواست کریں تو مرزا صاحب بحث کریں گے۔

(۱۰) اگر مرزا صاحب کے اِشتہار کی تاریخ شیوع سے جو ۲۳۔ جولائی ۱۹۰۰ء ہے ایک ماہ تک بغرض مقابلہ مرزا صاحب مذکُور، پیر صاحب کی طرف سے اِشتہار نہ نِکلے اَور نہ دُوسرے مولوی صاحبان کے چالیس اشخاص کے مجمع سے تو اُس صُورت میں سمجھا جاوے گا کہ آسمانی نشان نے اُن کی شیخیوں کو کُچل ڈالا۔ یہ کام بجز الٰہی طاقت کے کسی دُوسرے سے نہیں ہو سکتا ہے۔ وتلك عشرةٌ كاملہ۔ اِس میں اُن علماء کو جنہیں مدعو کیا گیا ہے یہ وعدہ بھی دیا گیا ہے کہ جو صاحب بوجہ ناداری نہ آسکیں وُہ قرضہ لے کر آجائیں اَور اگر اُن کا فریق کامیاب ہوگیا۔ تو مرزا صاحب اُن کے مصارف ادا کر دیں گے۔ اِس مباحثہ میں تین طور پر خُدا اُن کی تائید کرے گا۔

(i) بطور خرقِ عادت ایک یا چند اُمور مابہ الامتیاز جو مرزا صاحب میں پیدا ہو جائیں گے اَور اُن کے مقابل میں نہیں ہوں گے۔

(ii) مرزا صاحب کو خاص طور پر اُن آیاتِ قرآنی کے معارف وحقائق ودقائق کا عِلم دیا جائے گا مگر غیر کو نہیں۔

(iii) اُس کی دُعا اُس وقت قبُول ہوگی اَور اُس کے غیر کی نہیں۔

حضرت مرزا صاحب، یہ اِشتہار "تو کجا بُود اشہب کجا تاختم" کا مضمون ہے۔ کیا آپ کو یہ دعویٰ ہے کہ آپ بڑے کاتب، منشی اَور بڑے فصیح وبلیغ عربی نویس ہیں یا آنکہ مجدّد و مہدی و مسیح و مثیلِ محمدؐ۔

آپ اپنا دعویٰ ثابت کریں۔ یہ لت کیا سُوجھ گئی ہے۔ آپ ذو برو زین ہیں، ایک نصف جسم آپ کا تو مثیل مسیح ہے، دُوسرا نصف مثیل محمدؐ۔ وُہ ہر دو انبیا علیہما السلام اُمّی تھے، لکھ پڑھ نہیں سکتے تھے، الامقرر تھے۔ آپ مباحثہ تقریری کریں اَور اُن کی سُنّت پر چلیں۔ ہم نے مانا کہ آپ چھاپہ خانہ کی مشین ہیں۔ پر اِس سے کیا ہوتا ہے۔ خاک پتھر۔ باقی رہی معارف وحقائق قرآنی کی تفسیر، تو وُہ حضرت سلامت ۱۸۔۱۹ سال سے سُنتے سُنتے ہمارے کلیجے دکان پک گئے۔ جن حقائق ومعارف کو اب آپ بذریعہ اِلہام تفسیر فرمائیں گے وُہ تو یہی یا اِسی طرح کے ہی ہوں گے :۔ یعنی

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سورہ الزلزال کے معنی غلط سمجھے (ازالہ صفحہ ۱۲۸) پر مرزا صاحب لکھتے

ہیں کہ "ہمارے علمائے نے جو ظاہری اِس سُورۃ کی یہ تفسیر کی ہے کہ زمین کو آخری ایام میں سخت زلزلہ کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اور وُہ ایسا زلزلہ ہو گا کہ تمام زمین اُس سے زیر و زبر ہو جائے گی۔ اور جو چیزیں اِس میں ہیں وُہ سب باہر آجائیں گی۔ اور اِنسان یعنی کافر لوگ زمین سے پُوچھیں گے کہ تجھے کیا ہوا ہے تو وُہ اُس روز باتیں کرتے ہُوئے اپنا حال بتائے گی۔ یہ معنی اور تفسیر سراسر غلط ہے۔"

حالانکہ یہ معنی وُہ ہیں جو افقہ الناس ابنِ عباسؓ نے آنحضرتؐ سے کیے ہیں اور ابنِ کثیر۔ دُرِ منثور وغیرہ تصنیفات علامہ سیُوطیؒ میں یہی درج ہیں)

(۲) قرآن خُدا کی کتاب اور میرے مُنہ کی باتیں ہیں (دیکھئے لیکھرام کی موت کی نسبت اشتہار ۱۵ مارچ ۱۸۹۷ء صفحہ ۳ کالم ۲ سطر ۳۳-۳۴)

(۳) فرشتے نفوسِ فلکیہ و ارواحِ کواکب کا نام ہے اور جو کچھ ہوتا ہے وُہ سیارات کی تاثیر سے ہوتا ہے (توضیح مرام صفحہ ۳۳-۳۷-۳۸ تا ۴۰ و ۶۷)

(۴) جبرائیل کبھی زمین پر نہیں آئے نہ آتے ہیں (توضیح مرام ملخصاً صفحہ ۶۸-۷۰-۸۵)

(۵) انبیاء علیہم السلام جھُوٹے ہوتے ہیں (ازالۃ الاوہام صفحہ ۶۲۸-۶۲۹)

(۶) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی وحی غلط نکلی (ازالۃ الاوہام صفحہ ۶۸۸-۶۸۹)

(۷) حضرت رسُولِ اکرمؐ کو ابنِ مریمؑ، دجال، خرِ دجال اور یاجُوج و ماجُوج اور دابۃ الارض کی وحی نے خبر نہیں دی (ازالۃ الاوہام صفحہ ۶۹۱)

(۸) خرِ دجال ریل گاڑی ہے۔ دابۃ الارض عُلماء ہوں گے اور دجال پادری صاحبان وغیرہ وغیرہ (ازالۃ الاوہام صفحہ ۴۹۵-۴۹۶، ورسالہ انجامِ آتھم)

(۹) حضرت مسیح علیہ السلام مسمریزم میں مشق کرتے اور کمال رکھتے تھے (ازالۃ الاوہام صفحہ ۳۰۸)

(۱۰) حضرت مسیح علیہ السلام یُوسف نجار کے بیٹے تھے (ازالۃ الاوہام صفحہ ۳۰۳)

(۱۱) "براہینِ احمدیہ" خُدا کا کلام ہے (ازالۃ الاوہام صفحہ ۵۳۳)

(۱۲) قرآن شریف میں جو معجزے ہیں وُہ مسمریزم ہیں (ازالۃ الاوہام صفحہ ۷۴۸ تا ۷۵۳)

(۱۳) قرآن شریف میں اِنّا انزلناہ قریباً من القادیان موجُود ہے (ازالۃ الاوہام صفحہ ۷۶-۷۷)

(۱۴) مکّہ، مدینہ، قادیان تین شہروں کا نام قرآن شریف میں اعزاز کے ساتھ لکھا ہوا ہے۔ (ازالۃ الاوہام صفحہ ۷۶ و ۷۷)

(۱۵) بیت الفکر واقع قادیان (وُہ چوبارہ جس میں بیٹھ کر مرزا صاحب کتابت کرتے ہیں) مثیل حرمِ کعبہ ہے۔ وَمن دخلہٗ کان آمنا (براہین احمدیہ صفحہ ۵۵۸)

(۱۶) آیت سُبحَانَ الَّذِیۡ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَی الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ کا معنوی اور اصلی طور پر مصداق وُہ مسجد ہے جو مرزا صاحب کے والد نے بنائی اور مرزا صاحب نے اُس میں توسیع کی۔ (اشتہار منارۃ المسیح)

(۱۷) حضرت عیسٰی علیہ السّلام وفات پا چکے ہیں دوبارہ دُنیا میں نہیں آویں گے۔ (حاجتِ حوالہ نہیں)

(۱۸) حضرت رسُولِ اکرمؐ، خاتم النّبیّین والمرسلین نہیں ہیں (ازالۃ الاوہام صفحہ ۴۲۱ و ۴۲۲ و اشتہار معیار الاخیار)

(۱۹) قیامت نہیں ہوگی تقدیر کوئی چیز نہیں ہے (صفحہ دوم ٹائیٹل پیج ازالۃ الاوہام)

(۲۰) حضرت مہدیؑ نہیں آویں گے۔ (ازالۃ الاوہام ۵۱۸ و اشتہارات حال جن کا لامھدی الاعیسٰی کی حدیث پر استدلال ہے)

(۲۱) آفتاب مغرب سے نہیں نِکلے گا۔ (ازالۃ الاوہام صفحہ ۵۱۵)

(۲۲) عذابِ قبر نہیں ہے۔ (ازالۃ الاوہام صفحہ ۴۱۵)

(۲۳) تناسخ صحیح ہے۔ (ست بچن صفحہ ۸۴)

(۲۴) قرآن مجید میں گالیاں بھری ہوئی ہیں۔ (ازالۃ الاوہام صفحہ ۲۵۔۲۶)

(شایداِسی عقیدہ پر عمل کر کے مرزا صاحب بھی ہر ایک شخص مخالف کو اور خود حضرت مسیح علیہ السّلام کو ہزار ہزار بے نقط سُناتے ہیں۔ مگر حضرت، آیت شریف۔ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا اور دیگر آیاتِ قرآنی اور آپ کے اپنے الہاماتِ ذاتی وَتلطف بالناس وترحم علیھم یا داؤد عامل بالنّاس رفقًا واحسانًا وغیرہ اُردو الہامات ہم مضمون کو شاید بھول جاتے ہیں۔ آپ کی بدزبانی تو تلوار سے زیادہ کام کرتی ہے۔ شایدان گالیوں میں بھی فصاحت پیدا کی گئی ہے)

مگر ان تمام اُمور سے قطع نظر کر کے بدیں خیال کہ آپ بیٹھے بٹھائے گھر میں سے اِشتہار لکھ ماریں گے اور فضول ڈینگ ہانکیں گے اور عوام بھی سمجھیں گے کہ دعوتِ مباحثہ کو قبول نہ کرنا ظاہراً پیر صاحب کے خلاف ہے۔ پیر صاحب حاضر ہیں اور آپ کی سب شرائط جن کے آپ خود ہی مجوّز ہیں اور خود ہی مُنصِف منظور کرتے ہیں۔ اِشتہار دینا اور مشتہر کرنا ہمارا کام ہے۔ مگر یہ ذمّہ نہیں ہے کہ وُہ لوگ جمع بھی ہو جائیں گے اِلّا اِس حالت میں کہ آپ اُن کی دستگیری کریں۔ البتّہ لاہور، امرت سر اور بعض دیگر مقامات کے علماء کو ہم بھی ضرور جمع کرلیں گے۔

مگر شرط یہ ہے کہ

قبل از بحثِ تحریری مذکورہ مجوّزہ مرزا صاحب ایک بحث تقریری دعوٰی مسیحیّت و مہدویّت وغیرہ عقائد مرزا صاحب پر جو تعداد میں تخمیناً ۱۳۶ کے قریب ہیں۔ اور اُن کی اِلہامی کُتب میں مندرج ہیں بہ پابندیٔ اُمورِ ذیل ہو جائے:۔

(الف) تعیین و تقررِ سوالات حضرت پیر صاحب کا منصب ہوگا۔ کیونکہ ہم لوگ آپ کے دعاوی کے مُنکر ہیں اور آپ مدّعی۔ اور اِن دعاوی کا اثبات کتاب اللہ اور سُنّتِ رسُول اللہ سے مرزا صاحب کریں گے۔ مگر واضح رہے کہ اناجیل اربعہ جو مخالفِ مضامینِ قرآن شریف ہوں گے، بحث میں قبول نہ ہوں گے۔

(ب) یہ بحث تقریری اُس بحث تحریری سے اوّل ہوگی۔ اگر ایک روز میں ختم نہ ہوگی تو دُوسرے اور تیسرے روز تک جاری رہے گی۔ زیادہ تکلیف آپ کو نہ دی جائے گی۔

(ج) جو شخص بحث میں مغلوب ہوگا۔ اُس کو بعیتِ توبہ کرنا لازمی ہوگا۔ وُہ بعیت بحاضری جمیع عُلماء کرنی ہوگی۔ اَور اس بحث کے حَکَم خواہ وُہی ہر سہ مولوی صاحبان ہوں جن کو مرزا صاحب منظور کرتے ہیں۔ یا اَور جن کو مرزا صاحب مقرر کریں گے۔ مگر رعایت یہ ہوگی کہ وُہ مولوی صاحبان جن کو مرزا صاحب بعد میں مقرر کریں گے نہ تو اُن کے معتقدین میں سے ہوں اَور نہ پیر صاحب کے ملنے والوں میں سے۔ مرزا صاحب کو اختیار ہے کہ اُن کو جس طرح سے اَور جو حلف قبل از اظہارِ رائے دینا مُناسب سمجھیں دے لیویں۔ وُہ رائے قطعی ہوگی۔

(د) چُونکہ احتمال ہے کہ ایک شخص مغلوب بھی ہوجائے اَور پھر بھی توبہ نہ کرے۔ اِس لیے فریقین ایک ایک معتبر ضمانت پانچ پانچ ہزار روپیہ کی دے دیں کہ وُہ روپیہ اُن عُلماء کے اظہارِ رائے پر فریقِ غالب کا حق ہوگا۔

(ہ) مرزا صاحب یہ بھی لکھ دیں کہ اِس بحث کے وقت یا دَورانِ زمانۂ بحث میں اگر کوئی اِلہام اِس قسم کا اُن کو ہوجائے جو مبدّل یا ناسخ شرائطِ بحث مباحثہ کا ہو یا مرزا صاحب کو کوئی تار اِس مضمون کا آجائے کہ گھر میں کوئی بیمار ہے یا اَور کوئی ہیچو قسم خط یا پیام وغیرہ آجائے تو مرزا صاحب بحث و مباحثہ کو حسبِ شرائط مقررہ حال پُورا کریں گے اَور اُس اِلہام، تار، خط یا پیام وغیرہ پر کاربند نہ ہوں گے پہلے سوچ سمجھ لو بابا، اَور اِلہام کے ذریعہ اِن تمام اُمور کی احتیاط کر لو۔ بعد میں کوئی عُذر مسموع نہ ہوگا۔

اگر مرزا صاحب اَب میدان میں تشریف نہ لائے اَور اِس مباحثہ سے مُنہ پھیر کر اِس میں کوئی حجّت و حیلہ کریں گے یا اَب شرائط میں کسی قسم کی کوئی دِقّت یا پیچیدگی پیدا کر دیں گے جس سے اِس معاملہ کا وقوع غیر اغلب ہو جاوے تو پھر سمجھا جائے گا۔ اَور اُس کا نتیجہ فطرتی طور پر یہی ہوگا کہ مرزا صاحب کی اِلٰہی طاقت (وُہی خُدائی عاجی والی) مغلوب ہوگئی۔ اَور خُدائے رب العٰلمین کی اِلٰہی طاقت نے اُن کے غرور اَور مشیخیت کو توڑ کر کُچل ڈالا اَور اُن کے تمام دعاوی بیہودہ پر خاک پڑگئی۔ ہم تو خُدا سے دُعا کرتے ہیں کہ آپ میدان میں آئیں۔ بلکہ آپ نے اِن شرائط کو منظور کیا تو لوگ گھی کے چراغ جلائیں گے۔ مگر پھر کہے دیتے ہیں کہ آپ کبھی میدان میں نہیں آئیں گے۔ ہم اِلہام سے نہیں کہتے مگر سابق تجارب اِس خیال کے مؤیّد ہیں ؎

بہ بینیم تا کردگارِ جہاں   دریں آشکارا چہ دارد نہاں

العارض محمد غازی ۲۵۔ جولائی ۱۹۰۰ء

نوٹ:- پیر صاحب اِس مباحثہ کے لیے ۲۵۔ اگست ۱۹۰۰ء مقرر کرتے ہیں۔ مگر مرزا صاحب، خیال رہے کہ آپ اشتہار ہٰذا کے موصول ہونے پر منظوری یا نامنظوری سے اطلاع دیں ورنہ یاد رہے کہ اگر پیر صاحب لاہور تشریف لے گئے اَور آپ تاریخ مقررہ پر نہ آئے تو آپ اُس صُورت میں کئی ذِمّہ داریوں کے ذِمّہ دار بھی ہوں گے۔ فقط

(مطبوعہ چودھویں صدی پریس راولپنڈی)"

جماعتِ عُلماء کی طرف سے جوابِ دعوت کا اِشتہار

اِس کے بعد پنجاب، سرحد اَور ہندوستان کے ساٹھ عُلماء و مشایخ کے دستخطوں سے ایک اِشتہار مرزا صاحب کی دعوت کے جواب میں جاری ہُوا۔ جس میں درج تھا کہ ہمیں حضرت پیر صاحب کا اِشتہار جوابِ دعوت مِل گیا ہے اَور ہم ۲۵ اگست ۱۹۰۰ء کو پیر صاحب کے ہمراہ جلسۂ مباحثہ لاہور میں حاضر ہو رہے ہیں۔ ہم حضرت پیر صاحب کی شرط برائے مناظرہ تقریری کو جائز اَور ضروری سمجھتے ہیں۔ مرزا صاحب کا دعویٰ مسیحیت و مہدویّت و نبوت ہی اہلِ اِسلام کے درمیان ما بہ النزاع ہے اَور وُہ بقول خود مسلمانوں پر اِس دعویٰ کے اثبات کے لیے مامُور بھی ہیں۔ لہٰذا مرزا صاحب کے لیے بہت اچھا موقعہ ہے کہ اِس مناظرہ میں اپنا دعویٰ ثابت کر کے اہلِ اِسلام پر اِتمامِ حجت کریں۔ علمِ تفسیر اَور عربیّت میں آپ کا کمال ایک ثانوی چیز ہے۔ اگر آپ کی اِمامت کو تسلیم کر لیا گیا تو آپ کے دیگر کمالات لامحالہ تسلیم کر لیے جائیں گے۔ اپنے دعویٰ مسیحِ موعُود اَور مہدی معہود کو منوانے کا اِس سے بہتر موقعہ مرزا صاحب کو کبھی نہیں مِلے گا۔ یہ چیز کسی پہلو سے معقول نظر نہیں آتی کہ مرزا صاحب عُلمائے برِّصغیر ہندوستان کی ایک کثیر جماعت کو محض اِس لیے بُلا رہے ہوں کہ وُہ جلسۂ لاہور میں دِن بھر خاموش بیٹھ کر دو مُنشیوں کی تفسیر نویسی کا مظاہرہ دیکھتے رہیں۔ پیر صاحب تفسیر نویسی کے مقابلہ کے لیے بھی تیّار ہیں۔ لیکن اگر تقریری مباحثہ نہ ہُوا تو تفسیر نویسی کے مقابلہ کے بعد بھی متنازعہ فیہ مسئلہ جُوں کا تُوں رہ جائے گا۔

حضرت کی طرف سے تقریری بحث کی دعوت کا ردِّ عمل

حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کی طرف سے تقریری بحث کی دعوت نے اِس ہونے والے مباحثہ کی قومی افادیّت اَور عوامی دلچسپی میں بے حد اضافہ کر دیا۔ مرزا صاحب کے چیلنج میں تو اِس مقابلہ کی حیثیت کم و بیش انفرادی تھی جس میں دو فاضل مضمون نگار تفسیر نویسی اَور عربی علم و ادب میں اپنی قابلیّت کا مظاہرہ کر کے، بڑے چھوٹے ہونے کا فتویٰ حاصل کرتے۔ مگر حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کی دعوت نے قادیانیت اَور اِسلام اَور کفر و ایمان کی دس سالہ کشمکش کو براہِ راست بالمقابل کر کے تصفیہ اَور قولِ فیصل کے مقام پر لا کھڑا کیا۔

فریقین کی توقّعات کا جائزہ

فریقین اپنی اپنی جگہ مطمئن نظر آتے تھے۔ مرزا صاحب نے اپنی اِلہامی بشارات شائع کر رکھی تھیں کہ اِس مباحثہ میں "احمدیّت" کو عظیم الشان فتح حاصل ہو گی جس کی خوشی میں خُدائے تعالیٰ کے حُکم سے اُس روز کئی اندھے بینا ہو جائیں گے اَور اپاہج چلنے پھرنے لگیں گے۔ مرزا صاحب کی جماعت کو کامل یقین تھا کہ عنقریب اُمّتِ مرحُومہ اِس "امامِ آخر الزمان" کی بیعت میں شامل ہو جائے گی۔ اَور یہ حالات محض اِس نتیجہ کے ظہُور کے لیے بطور اسباب پیدا ہو رہے ہیں۔ مُسلمانوں کا انگریزی خوان طبقہ قادیانیت کو ترقی پسند عنصر اَور رفتارِ زمانہ کا نبّاض سمجھنے لگ گیا تھا اَور دین سے اپنی عدم واقفیّت کی بناء پر اِس کی مخالفت کو مولویوں کی قدامت پرستی سے تعبیر کرتا تھا۔ نیز ایک نئی جماعت کے جوشِ تنظیم اَور جذبۂ خُود ارادیت میں اُسے اِسلام کی تعمیرِ نو اَور حیاتِ ثانیہ کے آثار نظر آ رہے تھے۔

ابھی ہوائی جہاز ایجاد نہیں ہوا تھا اور نہ ہی اقطار السّموات والارض کو عبور کر کے چاند اور سورج کی طرف سفر کرنے والے سینکڑوں من وزنی راکٹ کا تصوّر پیدا ہوا تھا۔ لہٰذا انگریزی اسکولوں کے مسلمان سائنس ٹیچروں کو جو اپنے علم طبیعی کو حرفِ آخر سمجھ بیٹھے تھے مرزا صاحب کے اِن اقوال میں کافی وزن نظر آتا تھا کہ "میں دوسرا پاؤں اُٹھاؤں تو گر جاؤں۔ اور حضرت عیسےٰ آسمان پر کیسے چڑھ گئے، وہاں یہ کھاتے کیا ہوں گے اور رفع حاجت کا کیا انتظام ہو گا۔ اور اب تو پیر فرتوت ہو چکے ہوں گے" وغیرہ وغیرہ۔ (ازالۂ اوہام)

پھر قادیانی جماعت اس سے بھی بے خبر نہ تھی کہ "نیم مُلّا حضرات" بھی راہ پر آ گئے ہیں۔ توفّی کے معنی وفات لیتے ہیں قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ میں تمام انبیائے سابقین کی موت کے قائل ہو رہے ہیں۔ وَمَا هُمْ مِنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ میں جنت سے واپسی کو ممکن نہیں سمجھتے اور کہتے ہیں کہ وَمَا صَلَبُوْهُ سے اگر یہی مُراد لی جائے کہ صلیب پر حضرت مسیح کی ہڈیاں نہیں توڑی گئیں تو اس میں کیا حرج ہے۔

چنانچہ مرزا صاحب کی جماعت قدرتاً ۲۵ اگست کے لیے یوم عید کی طرح چشم براہ تھی کہ اُس روز عُلماء اور مشائخ کا مورچہ سر ہو کر "قادیانیت" جنگل کی آگ کی طرح مُلک بھر میں پھیل جائے گی۔ مگر ع اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

اِدھر عُلمائے اسلام کے کیمپ میں حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کے تبحرِ علمی اور کمالاتِ ظاہری و باطنی کی دھوم تھی۔ کیونکہ توحید و رسالت کے اسرار و رُموز پر آپ کی مشہورِ زمانہ تصنیف "تحقیق الحق" تین برس قبل شائع ہو کر عرب و مصر و رُوم کی سرحدات عبور کر کے دادِ تحسین و کمال حاصل کر چکی تھی۔ علاوہ ازیں براہِ راست "قادیانیت" پر آپ نے اپنی کتاب "شمس الہدایۃ" میں روشنی ڈالتے ہوئے دریا کو کوزہ میں بند کر دیا تھا اور اس وقت تک مرزا صاحب سے کلمہ طیبہ کے معنی اور تشریح حقیقتِ معجزہ کے متعلق آپ کے سوالات کوئی عرصہ چھ ماہ سے، مرزا صاحب کے بیتُ الفکر اور حکیم نُورالدین کے مطب پر دستک کُناں تھے۔ جن کا اِس جماعت سے کوئی جواب نہیں بن پڑ رہا تھا۔ علاوہ ازیں عُلمائے اسلام کو خود مرزا صاحب کے اشتہارِ دعوت میں بھی ضُعف کے آثار نظر آ رہے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی زبان مُبارک پر جاری ہونے والے اپنے کلام پاک کی مثال پیش کرنے کے لیے تو دو جہان کو چیلنج کر دیا تھا کہ وَادْعُوْا شُهَدَاءَكُمْ اور وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا مگر مرزا صاحب قادیانی وعدۂ نصرتِ الٰہی کا دعویٰ کرتے ہوئے بھی یہ کہہ رہے تھے کہ اگر کسی مولوی نے پیر صاحب کو اشارۃً یا کنایۃً بھی کوئی مدد دی تو اُسے کمرہ سے باہر نکال دیا جائے گا۔

قادیانی پارٹی کی طرف سے تقریری بحث کی نامنظوری کے خط پر اِس شرط کی واپسی

حافظ محمد دین مالک مصطفائی پریس لاہور نے مرزا صاحب کو رجسٹرڈ چٹھی بھیج دی تھی اور اسے مشتہر بھی کر دیا تھا کہ اگر وُہ مباحثہ کی شرائط میں ترمیم کرانا چاہتے ہوں تو بروقت اطلاع دیں لیکن مرزا صاحب اس وقت تک اپنی جماعت کی خُوش فہمی اور اندازہ میں اس قدر آگے جا چکے تھے کہ قدم واپس ہٹانا ازبس مشکل تھا۔ جماعت کی عقیدت نے اِن کے لیے عظمت کا جو ہالہ پیدا کر دیا تھا اُسے وُہ زیادہ سے زیادہ دیر تک قائم رکھنا چاہتے تھے۔ اس لیے خُود تو آخر دم تک خاموش رہے مگر ان کے ایک حواری سیّد محمد احسن امروہی نے تاریخ مباحثہ سے صرف چار یوم پہلے ایک مطبُوعہ خط گولڑہ شریف پہنچایا جس میں لکھا تھا کہ انہیں تقریری مباحثہ کی شرط منظُور نہیں۔ اگر تفسیر نویسی میں مقابلہ کرنا ہو تو پیر صاحب آ جائیں۔ اس پر حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ

کی طرف سے آپ کے ایک مخلص حکیم سُلطان محمود ساکنہ راولپنڈی نے ۲۱ یا ۲۲ اگست کو یہ اعلان شائع کرا دیا کہ حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ ۲۵۔ اگست کو مرزا صاحب کی اپنی شرائط کے مُطابق تحریری مباحثہ کے لیے لاہور تشریف لے جا رہے ہیں۔ اِس اعلان کی ایک کاپی بذریعہ رجسٹرڈ پوسٹ اُنہوں نے قادیان بھی بھجوا دی۔ مگر وقت کی تنگی کے باعث تمام ملک میں اِس کا پُوری طرح اعلان نہ ہو سکا۔

مباحثہ کے ضِمن میں مُسلمانوں کا عظیم اجتماع

چنانچہ جب وعدہ کا دِن قریب آیا تو ملک کے طُول و عرض سے ہزارہا مُسلمان لاہور پہنچ گئے۔ عُلماء، مشائخ، درویش اور ہر طبقہ و فرقہ کے مذہبی اُفتادِ طبع رکھنے والے مُسلمان، شیعہ، سُنّی، اہلِ حدیث حتّٰی کہ قادیانی جماعت کے مُرید، متفق، ہمدرد اور مائل بھی دُور و نزدیک سے جمع ہو گئے۔ دہلی، سہارن پُور، دیوبند، لدھیانہ، سیالکوٹ، گورداسپُور، امرتسر، مظفر گڑھ، ملتان اور پشاور کے ہر عقیدہ کے اِسلامی مدارس اور مراکز نے بھی جو پہلے سے ہی قادیانی مباحث میں دِلچسپی لے رہے تھے، اپنے اپنے نمائندے بھیجے۔ بعض سرکاری مُلازم بھی دُور دراز شہروں سے رُخصت لے کر پہنچ گئے۔ مُسلمانانِ لاہور نے اپنی روایتی مہمان نوازی کا حق ادا کیا۔ اِستقبالیہ کمیٹیاں بن گئیں۔ اور سرائیں، مسجدیں، مدرسے اور لوگوں کے گھر مہمانوں سے بھر گئے۔ قریبی اضلاع، قصبوں اور مضافات سے آنے والی ریل گاڑیاں وغیرہ سواریوں سے بھری ہوئی پہنچنے لگیں۔ اور لاہور کے بازاروں میں لوگوں کے ٹھٹھ سے میلے کی سی کیفیت پیدا ہو گئی۔ اُن دِنوں ویسے بھی لوگ مذہبی جلسوں اور مباحثوں میں بہت دِلچسپی لیتے تھے۔ لیکن اس خاص موقعہ پر تو ہجُومِ خلائق کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ جیسی مشہُورِ زمانہ رُوحانی تقدّس اور علمی احترام و شہرت رکھنے والی شخصیت پہلی بار، اِسلام پر قادیانیت کے خطرناک حملوں کے دفاع میں عُلمائے دین کی اس قدر بڑی اور فقید المثال تعداد کے ساتھ میدانِ مناظرہ و مباحثہ میں تشریف فرما ہو رہی تھی۔ اور تمام موافق، متردّد یا مخالف حضرات، اپنی آنکھوں سے بیسویں صدی کی اس سب سے بڑی اِشتہاری تحریک کا حشر دیکھنا چاہتے تھے۔

مُسلمانوں کے تمام فرقوں کا حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کو اس محاذ پر اپنا قائد منتخب کرنا

اِس معرکہ میں تمام اِسلامی فرقوں کے رہنما ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو گئے۔ سُنّی، اہلِ حدیث اور اہلِ قرآن کے علاوہ لاہور اور سیالکوٹ کے شیعہ مجتہدین نے بھی قادیانیت کے محاذ پر حضرت پیر صاحب رحؒ گولڑہ شریف کے اپنا سربراہ و نمائندہ ہونے کا اعلان کیا۔ بالکل وُہی صُورتِ حال پیدا ہوئی جو پاکستان کے وجُود میں آنے کے وقت ہندو کُفر کے مقابلے میں اِسلامی سیاسی پلیٹ فارم پر پیدا ہو گئی تھی اور یہی صُورت آج سے تیرہ سو سال قبل قیصرِ رُوم کے اِسلامی ممالک پر حملہ کے خطرہ کے وقت بھی پیدا ہوئی تھی۔ جب حضرت امیر معاویہؓ نے رُومی سلطنت کو خبردار کیا تھا کہ اگر اندرُونی اختلاف کے پیشِ نظر اسلامی سلطنت پر حملہ کیا گیا تو سب سے پہلا سپاہی جو علیؓ کے لشکر سے تمہارے مقابلہ کے لیے نکلے گا وُہ معاویہؓ بن ابُوسفیان ہو گا۔

یہ وُہ اِسلامی رُوح تھی جو اپنے دامن کی پہنائی اور شدید و خفیف اِختلافات کے باوجُود ہر بیرُونی اور ناقابلِ برداشت طاقت کے خلاف نبرد آزمائی و مدافعت کے لیے اپنے فرزندوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونے پر ہمیشہ مجبور کرتی رہی ہے۔ اِسلامیانِ ہند کی اس علمی اور دینی قیادت کے وقت حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کی عُمر شریف صرف بیالیس ۴۲ سال کے قریب تھی۔

اُنہیں فارغ التحصیل ہُوئے بائیس برس ہو چکے تھے۔ خلافتِ اِرشاد کا اٹھارواں سال تھا۔ اَور جذب و سیاحت اَور ادائیگیِ حج کے بعد مسندِ اِرشاد پر صرف دس برس کا عرصہ گزرا تھا۔

لاہور میں حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کی تشریف آوری

۲۴ اگست کو گولڑہ شریف سے روانگی پر حضرتؒ نے مرزا صاحب کو ایک تار کے ذریعے پہلے راولپنڈی ریلوے اسٹیشن سے اَور پھر اثنائے سفر لالہ مُوسیٰ جنکشن سے اِطلاع دی کہ میں لاہور پہنچ رہا ہُوں۔ جب آپ کی ٹرین لاہور پہنچی تو پہلا سوال جو آپ نے دریافت فرمایا مرزا صاحب کی آمد کے متعلق تھا۔ پچاس کے قریب نامی گرامی عُلماء آپ کے ہمراہ تھے جو پشاور، ہزارہ، اٹک، چھچھ، دھنی، گھیبی، پوٹھوہار، سوان اَور سُون وغیرہ علاقہ جات کے رہنے والے تھے۔ اضلاع جہلم، گُجرات، گوجرانوالہ، شاہ پُور، میانوالی کے عُلماء اَور مشایخ اثنائے راہ یا لاہور میں پہنچنے سے قبل یا بعد پہنچ کر شامل ہو گئے۔ اسی طرح بہاول پُور، ملتان، مظفر گڑھ، ڈیرہ اسماعیل خان و ڈیرہ غازی خان کے اَربابِ علم پہلے پہنچ کر آپ کے استقبال کُنندگان میں شامل تھے۔ آپ کے ایک صاحبِ علم و ثروت مخلص حاجی کریم بخش سیٹھی سکنہ پشاور ساٹھ ہزار روپے کی طلائی اشرفیاں ہمراہ لائے تھے کہ اگر اربابِ حکومت نے حفظِ امن کے پیشِ نظر ضمانت طلب کی تو نقد جمع کرا دی جائے گی۔

مُسلمان بہت بڑی تعداد میں آپ کے استقبال کے لیے اکٹھے ہو چکے تھے اَور آپ کو جلوس کی صُورت میں لے جانا چاہتے تھے مگر آپ نے پسند نہ فرمایا اَور ریلوے اسٹیشن سے باہر باغ میں تشریف فرما ہو کر تقریباً دو گھنٹہ تک لوگوں سے مصافحہ فرماتے رہے اَور اُن کے شوقِ زیارت کی تسکین فرمائی۔

آپ کے قیام کا اِنتظام معہ آپ کے رُفقاء کے برکت علی محمڈن ہال اَور اُس کی ملحقہ عمارات بیرُون موچی دروازہ میں کیا گیا تھا۔ جہاں سرِ شام ہی مقامی اَور بیرُونی عُلماء و زُعما کی آمد و رفت شروع ہو گئی جو بہت رات گئے تک متعلقہ مسایل پر تبادلۂ خیالات کرتے رہے۔ اِس مجلس میں حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ نے قادیانیّت کے موافق و مخالف پہلوؤں پر بعض ایسے دلایل اَور اسناد بیان فرمائے جو اس سے قبل کسی کے ذہن میں نہیں آئے تھے۔ یہاں تک کہ جب آپ نے قادیانیّت کے موافق نقطۂ نظر سے دلایل دیئے تو مولوی غلام محمد بگوی امام شاہی مسجد لاہور بول اُٹھے کہ حضرت اِس سے تو ہمیں بھی شبہات پیدا ہونے لگ گئے ہیں۔ مگر جب آپ نے تردیدی رُخ اختیار فرمایا تو مولوی عبدالجبّار غزنوی نے مجمعِ علماء کو مخاطب کر کے کہا کہ حضرت پیر صاحب نے اِن مسایل پر جو طرزِ استدلال اختیار فرمائی ہے اِس سے بڑھ کر قادیانیّت کی تردید نہیں کی جا سکتی۔

عُلماء کا خیال تھا کہ تقریری مناظرہ کی شرط کو واپس نہیں لینا چاہیئے۔ لیکن حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ نے اِرشاد فرمایا کہ میں چاہتا ہُوں کسی طرح مرزا صاحب ایک بار علماء و مشایخِ اسلام کی اِس برگزیدہ مجلس میں شامل ہو جائیں۔ کیا عجب کہ حدیث شریف هُمْ قَوْمٌ لَّا يَشْقىٰ جَلِيسُهُمْ (یہ وہ قوم ہیں جن کے پاس بیٹھنے والا بدبخت نہیں ہوتا) کی برکات سے بہرہ ور ہو کر راہِ راست پر آجائیں اَور یہی چیز اِس نیاز مندِ علماء و مشایخ کے حق میں اللہ سُبحانہٗ اَور اُس کے رسُول صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خوشنودی کا باعث ہو کر مغفرت کا سبب بن جائے۔

کہتے ہیں حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کو اِس خیال پر بہت اصرار تھا۔ ثقہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب مرزا صاحب نے لاہور آنے سے بالکل ہی انکار کر دیا تو حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ عُلماء و مشایخ کی ایک چیدہ اَور مختصر جماعت کے ساتھ قادیان

جانے کو بھی تیار ہو گئے۔ مگر مسلمانوں کی اکثریت کے اِس اقدام سے منع فرمانے پر اِسے باطنی اِرشاد سمجھتے ہُوئے رُک گئے۔

مرزا صاحب کی آمد کا اِنتظار

مباحثہ کا اِنعقاد شاہی مسجد میں قرار پایا تھا اِس لِیے مورخہ ۲۵ اگست کو پولیس نے وہیں حفظِ امن کے اِنتظامات کر رکھے تھے۔ ۲۵ اور ۲۶ کو دونوں اطراف کے نمائندے اور عوام مسجد میں جمع ہو ہو کر منتشر ہوتے رہے اور قادیانیوں کی طرف سے کہا جاتا رہا کہ شرائط کے طے ہونے میں توقف ہو رہا ہے مگر مرزا صاحب ضرور آئیں گے لیکن مرزا صاحب کو نہ آنا تھا اور نہ آئے۔

قادیانیوں کی دَوڑ دُھوپ

اِس جماعت کے بعض ذی اثر لاہوری حضرات نے مرزا صاحب کو لانے کے لِیے بہت تگ و دَو کی مگر ناکام رہے۔ مرزا صاحب نے کہلا بھیجا کہ پیر صاحب خود اعلان کریں کہ تقریری بحث کی شرط کو میں واپس لیتا ہُوں اور تحریری مقابلہ کے لِیے اِشتہارِ دعوت کی شرائط کے مُطابق تیار ہُوں۔ حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ نے فرمایا کہ مرزا صاحب کے حواری مولوی محمد احسن امروہی کے اِسی مضمون کے اِشتہار کے جواب میں ہمارے ایک رفیق حکیم مولوی سُلطان محمُود کا جواب مشتہر ہو چکا ہے کہ مرزا صاحب کی اپنی شرائط پر ہی ہمیں مقابلہ منظور ہے۔ اِس سے پہلے بھی مرزا صاحب کے نام ایک مطبُوعہ خط شائع کر دیا گیا تھا کہ اگر آپ کسی شرط میں ترمیم چاہتے ہیں تو اِطلاع دیں مگر مرزا صاحب نے کوئی اِطلاع نہ دی اور برابر خاموش رہے۔ اگر اب بھی وُہ اپنے دستخطوں سے اعلان کر دیں کہ میں تقریری بحث نہیں کرنا چاہتا تو میں بھی اپنے دستخطوں سے اعلان کر دُوں گا کہ میں تقریری بحث کی شرط اور مطالبہ واپس لے چکا ہُوں۔

حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ نے فرمایا کہ تقریری بحث کی شرط خُود مرزا صاحب کے اِشتہارِ دعوت سے ہی پیدا ہوتی ہے جس میں اُنہوں نے تحریری مقابلہ سے پہلے عُلماء کو یہ دعوت دی ہے کہ اگر اُن کے پاس کوئی دلائل ہیں تو کیوں پیش نہیں کرتے۔ مگر اِس گفت و شنید کے جواب میں مرزا صاحب نے نہ صرف اپنی طرف سے یہ اعلان جاری کرنے سے اِنکار کر دیا۔ بلکہ صاف کہہ دیا کہ میں کسی قیمت پر بھی لاہور آنے کو تیار نہیں ہُوں۔ کیونکہ مولوی لوگ مجھے دعویٰ نبوّت میں کاذب ثابت کرنے کے بہانے قتل کرانا چاہتے ہیں۔

قادیانی جماعت میں اِنتشار

جب قادیانی جماعت کا آخری وفد، قادیان سے مرزا صاحب کا یہ جواب لے کر ناکام لَوٹا تو اِس جماعت میں بہت اِنتشار پیدا ہو گیا۔ بعض نے اُسی وقت توبہ کا اعلان کر دیا۔ بعض سخت مائیوس ہو کر خانہ نشین ہو گئے۔ لاہور کے اکثر وُہ لوگ جو مرزا صاحب کے بہت قریب تھے، حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کی روزانہ مجالس سے اثر پذیر ہو کر، کم از کم مرزا صاحب کے دعویٰ نبوّت کے مُنکر ہو گئے۔ بعض دیگر حضرات مثلاً بابُو الٰہی بخش اکاؤنٹنٹ وغیرہ نے جو قادیانیت کے سرگرم رُکن رہ چکے تھے، حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کے علم و فضل کی تعریف و توصیف میں اور آپ کی خُداداد کامیابی و نصرت کے بیان میں اِشتہارات اور ٹریکٹ شائع کیے۔ لیکن قادیان سے آئے ہُوئے تنخواہ دار مولویوں کی قیادت میں ایک گروہ اِس گرتی ہُوئی عمارت کی پُشتیبانی پر برابر کمر بستہ رہا۔

عام حالات میں اپنے نتائج کی رُو سے یہ شکست اُس ناکامی و ہزیمت سے شدید تر اور زیادہ دُور رس تھی جو چھ سال قبل مرزا صاحب اور اُن کے مذہب کو عبداللہ آتھم کی موت کی پیشین گوئی کے نتیجہ میں نصیب ہوئی تھی۔ لیکن جس طرح اُس وقت مرزا صاحب کے قلم سے "فتح اسلام" اور "انجامِ آتھم" جیسی فاتحانہ اور ظفر مندانہ تالیفات عالمِ وجود میں آئی تھیں، بالکل اُسی طرح اَب بھی مرزا صاحب کے بعض عقیدت مندوں نے اِس شکست و فرار کو فتح عظیم بیان کیا مولوی محمد احسن امروہی اور مولوی عبدالکریم سیالکوٹی کی طرف سے لاہور کے در و دیوار پر اشتہارات دِکھائی دینے لگے۔ جن میں لکھا تھا کہ

"پیر صاحب گولڑہ نے امامِ آخر الزمان کے مقابلے میں فرار اختیار کیا۔"

"آسمانی نشان نے مولویوں اور پیروں کی شیخیوں کو کچل دیا۔"

"مسیح موعود کی اِلہامی بشارات صحیح ثابت ہوئیں۔" حالانکہ لاہور کی پبلک بچشمِ خود حضرت پیر صاحبؒ کو لاہور میں موجود دیکھ رہی تھی۔ اور جانتی تھی کہ مرزا صاحب باوجود اُن کے بار بار بُلانے کے نہیں آرہے۔

ع چہ دلاور است دُزدے کہ بکف چراغ دارد

کرامات اور معجزات میں مُقابلہ کی پیش کش

اِس جماعت کے ایک وفد نے حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ آپ حضرت مرزا صاحب کے ساتھ مباہلہ کیوں نہیں کر لیتے کہ ایک اندھے اور ایک اپاہج یعنی لنگڑے کے حق میں مرزا صاحب دُعا کرتے ہیں۔ اور اِسی طرح کے ایک دُوسرے اندھے اور اپاہج کے لیے آپ دُعا کریں جس کے نتیجہ پر حق و باطل کا فیصلہ ہو۔ حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ نے جواب دیا کہ مرزا صاحب سے کہہ دیں کہ اگر مُردے بھی زندہ کرنے ہوں تو آجائیں۔ قریب ہی امرتسر کے ایک مولوی صاحب (غالباً مولوی ثناءاللہ) موجود تھے، جنھوں نے اُن لوگوں سے کہا کہ میری طرف سے عرض کیجیے گا کہ مولوی عبدالکریم کو ضرور ہمراہ لائیں وُہ بوجہ حق الخدمت اِس معجزہ کے حقدار بھی ہیں۔

لاہور میں قادیانی واعظین کے حیلے بہانے

اِن دِنوں برانڈرتھ روڈ کی قادیانی مسجد میں، ان کے واعظین کچھ اِس قسم کے دلائل دے رہے تھے :-

۱۔ بے شک نبی کے ذمّہ واجب ہوتا ہے کہ منکرین کے مقابلہ میں پہنچ کر اتمامِ حجّت کرے۔ پہلے چُونکہ جہادِ سیفی کا زمانہ تھا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کفّار کے مقابلہ میں شمشیر بکف ہو کر فرماتے تھے۔
اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِب اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ۔ مگر اب جہادِ سیفی منسوخ ہو چکا ہے اور قلمی جہاد کا زمانہ ہے اِس لیے حضرت مسیح موعود صرف قلم کے ذریعہ جہاد فرما رہے ہیں۔

۲۔ یہ درست ہے کہ حضرت مرزا صاحب کو وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاس (اللہ تجھے لوگوں سے محفوظ رکھے گا) کی بشارت مل چکی تھی۔ لیکن انبیاء کو اِس امر کا بھی حکم ہے کہ اِس عالم میں جو عالمِ اسباب ہے، الہامِ الٰہی کی منشاء کی تکمیل کے لیے خود بھی چارہ سازی اور تدابیر اختیار کریں۔ حضرت مرزا صاحب پر بروئے اِلہام واضح ہو چکا تھا کہ یہ لوگ آپ کو قتل کرنا چاہتے ہیں۔ اِس لیے آپ کے لیے ضروری ہو گیا تھا کہ اپنی حفاظت کے خیال سے لاہور نہ آتے۔

۳۔ خدائے تعالیٰ کے احکام ہمیشہ شرطیہ ہوتے ہیں۔ اگر یہ لوگ حضرت مسیح موعود کی دعوت کو بلا چُون وچرا تسلیم کرکے تحریری مناظرہ کے لیے حاضر ہو جاتے اور اپنی خانہ زاد شرائط (تقریری بحث، توبہ اور بعیت) کا اضافہ نہ کرتے تو یقیناً الہامِ الٰہی کا وُہ منشا جو اِشتہارات میں درج ہے پُورا ہو جاتا۔ پس وُہ لوگ بہت ظالم ہیں جو کہتے ہیں کہ الہامی پیش گوئی پُوری نہیں ہُوئی۔

قادیانی اِستدلال کا یہ انداز، اِسلامی شعُور سے جس کے نظریات اور مشاہدات سیدھے صاف انداز، صداقت اور شجاعت پر مبنی تھے کچھ اِس قدر بعید اور بیگانہ تھا کہ لوگوں کے طنز اور تضحیک کا سامان بن گیا۔ چُونکہ اِس میں کسی بات کا مطلب بھی سیدھا اور بغیر تاویل اور بغیر ہیر اپھیری کے نہ ہوتا تھا اِس لیے شعرا نے اِسے "مداری کی پٹاری"، آزاد خیال مصنّفین اور مقرّرین نے "سودیشی نبوّت کی ابلہ فریبی" اور علمأ کے ثقہ اور باوقار قلم نے "تاویلاتِ نامعقولہ" کا نام دیا۔ اِسی طرزِ اِستدلال کی بدولت قادیانیت کو کبھی بھی میدانِ مقابلہ میں آنے کی جُرأت نہ ہُوئی اور یہ قرآنی نظریۂ عدالت وبسالت سے رُوگردانی کا سب سے پہلا ثمرہ تھا۔

تحریری مناظرہ کے سلسلہ میں حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کی ایک مشہورِ عام بات

حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ نے اِس موقعہ پر ایک اور بات بھی فرمائی تھی جو بہت مشہور ہوئی اور مدّت تک اِس کا چرچا رہا۔ آپ نے مرزا صاحب کی طرف سے تحریری مناظرہ کی دعوت اور اُن کی فصیح عربی اور زُود نویسی کی تعلّی کا ذکر کرتے ہُوئے فرمایا کہ علمائے اِسلام کا اصل مقصود تحقیقِ حق اور اعلاءِ کلمۃ اللہ ہوا کرتا ہے، فخر و تعلّی مقصد نہیں ہوتا۔ ورنہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی اُمّت میں اِس وقت بھی ایسے خادمِ دین موجود ہیں کہ اگر قلم پر توجہ ڈالیں تو وُہ خود بخود کاغذ پر تفسیرِ قرآن لکھ جائے۔ ظاہر ہے کہ اِس سے اشارہ اپنی جانب تھا۔ چُنانچہ بعد میں اِس چیلنج کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ میں نے یہ دعویٰ از خود نہیں کیا تھا بلکہ عالمِ مکاشفہ میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے جمالِ باکمال سے میرا دل اِس قدر قوی اور مضبوط ہو گیا تھا کہ مجھے یقینِ کامل تھا کہ اگر اِس سے بھی کوئی بڑا دعویٰ کرتا تو اللہ تعالیٰ ضرور مجھے سچّا ثابت کرتے۔ نیز فرمایا "کٹّی کِلّے دے زور تے کُددی اے"۔ یعنی بچھڑا کھُونٹے کے بل پر ہی تو کُودتا ہے۔

حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کو اللہ تعالیٰ نے جو ضبطِ حال اور وقار عطا فرمایا تھا یہ الفاظ اُس مشرب کے لحاظ سے غیر معمولی تھے، کیونکہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں فقیر اور درویش اُسے سمجھتا ہُوں جو فقر ورُوحانیت کے سات سمندر پی جائے مگر ہمسائے کو خبر تک نہ ہو۔ آپ نے کبھی کوئی ایسی بات نہیں کہی جس میں پیش گوئی یا فقیری کے فخر وادّعا کا رنگ جھلکتا ہو۔ لیکن اگر کبھی کوئی بات اشارۃً یا کنایۃً آپ کی زبانِ مُبارک سے نکل گئی تو اللہ تعالیٰ کے کرم واحسان سے ہمیشہ پُوری ہُوئی۔ چنانچہ آپ کے مشرب سے واقف حضرات کو آپ کے اِس اِرشاد پر کامل یقین کے علاوہ حیرت بھی تھی۔ کچھ عرصہ بعد حلقۂ اِرشاد میں گفتگو کے دَوران آپ نے اپنے شاہی مسجد والے مندرجہ بالا قول کے متعلق فرمایا کہ وُہ کسی خاص اِذن کی بناء پر تھا۔

قادیانی چیلنج کے جواب میں فقرِ غیوّر کا رجز

یاد رہے کہ "ایام الصّلح" میں قادیانی مذہب نے اہلِ اِسلام سے مندرجہ ذیل الفاظ میں قوّت آزمائی کے لیے میدانِ مبارزت طلب کیا تھا جس کا ذکر پہلے بھی آ چکا ہے:۔

"آج اِس نیلگوں آسمان کے سایہ میں کسی شخص کو یہ مجال نہیں کہ میرے ساتھ ہمسری کی لاف مار سکے۔

میں آشکار اور بے باک کہتا ہُوں کہ اَے اہلِ اسلام، تمہارے درمیان بعض لوگ ہیں جو محدّثیت اور مفسّریت کا دعویٰ کر کے گردن فرازی کرتے ہیں۔ اور بعض طائفے ہیں کہ نازشِ ادب سے زمین پر پاؤں نہیں رکھتے اور گروہ ہیں جو خُدا شناسی کے بلند بانگ دعوے کرتے ہیں۔ اور اپنے تئیں چشتی اور قادری اور نقشبندی اور سہروردی اور کیا کیا کہلاتے ہیں۔ اِن سب سے کہو ذرا میرے سامنے تو آئیں۔" (ترجمہ)

چُنانچہ اِس تحدّی اور مبارزطلبی کے جواب میں آج فقیرِ غیور میدان میں نکل کر پکار رہا تھا کہ ؎

خاکسارانِ جہاں را بحقارت منگر تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

لیکن نبوّت و اِمامت کے مدعیانِ کاذب کو اَب قدم باہر نکالنے کی جرأت نہ ہو رہی تھی۔

دینِ حق کے تحفظ میں یہ رجز خوانی اور ظفریابی، کیا میدان اور کیا منبر، ہر کہیں حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کو اپنے مورثِ اعلیٰ، بابِ علوم و شاہِ ولائیت اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب و جدِ امجد پیران پیر حضرت غوث الاعظم جیلانی رضی اللہ عنہما سے ورثہ میں ملی تھی۔ اور آپ اِس کے لیے مامُور من اللہ تھے۔ چنانچہ جیسے کہ پہلے تحریر ہو چکا ہے اِس مامُوریت اور نُصرت کے متعلق اِس دوران کئی اہل اللہ کو از رُوئے کشفِ باطنی معلُوم بھی ہو چکا تھا۔ اِس ضمن میں حضرت خواجہ فقیر احمد میروی کا ارشاد پہلے درج ہو چکا ہے۔ اور حضرت حاجی اِمداد اللہ مہاجر مکی کا ارشادِ گرامی بھی آ چکا ہے۔ ایک اور بزرگ حضرت سیّد جانن شاہ جابہ شریف بھی اپنے ایک خواب کی کیفیّت بیان فرماتے تھے کہ میں نے ایک فوج کو عَلَم لہراتے دریائے جہلم کے پُل پر سے لاہور کی جانب جاتے دیکھا۔ جن میں سے ایک صاحب نے میری دریافت پر فرمایا کہ ہم بغداد شریف سے آ رہے ہیں۔ اور پیر صاحب گولڑہ شریف کی نُصرت کے لیے مرزائے قادیانی کے مقابلہ پر لاہور جا رہے ہیں۔

حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کے اِس قادیانی معرکہ کے کوائف ایک رسالہ موسُومہ "رُوئیدادِ جلسۂ لاہور" مرتّبہ حافظ محمّد دین مالک مُصطفائی پریس لاہور میں شایع ہُوئے تھے۔ علاوہ ازیں ایک مجموعۂ مضامین مندرجہ اخبار "چودھویں صدی" راولپنڈی بھی کتابی صُورت میں موجُود ہے۔ اور مولوی کرم دین بھیّاں ضلع جہلم نے بھی اپنی کتاب "تازیانۂ عبرت" میں اِس معرکہ کے چشم دید حالات اور اپنے ایک عزیز مولوی محمد حسن فیضی مدرّس دار العلوم انجمن نعمانیہ لاہور کی ایک تقریر کا حوالہ بھی دیا ہے۔ بعض دیگر رسائل اور اشتہارات وغیرہ بھی مختلف کتب خانوں اور اسلامی لائبریریوں میں ملتے ہیں۔ جن میں راولپنڈی کے ایک پنجابی شاعر پیراں دتّہ خادم کا نظمیہ رسالہ "تحفۂ خادم" بھی قابلِ ذکر ہے۔

شاہی مسجد میں مُسلمانوں کا جلسہ (ماخوذ از رسالۂ "رُوئیدادِ جلسۂ لاہور")

جب مرزا صاحب کی آمد سے قطعاً مایُوسی ہو گئی تو ۲۷ اگست کو شاہی مسجد میں مُسلمانوں کا ایک عظیم الشّان جلسہ منعقد ہُوا جس میں عُلمائے کرام نے اِس دعوتِ مناظرہ کی مکمّل داستان بیان کر کے قادیانیّت کی واضح تصویر لوگوں کے سامنے رکھ دی۔ تمام اِسلامی فرقوں کے سرکردہ عُلمائے منبر پر کھڑے ہو کر ختمِ نبوّت کی یہ تفسیر بیان کی کہ حضرت محمّد رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اللہ تعالیٰ کے اِس دُنیا میں آخری نبی ہیں اور آپؐ کے بعد کوئی نبی پیدا نہ ہوگا۔ اور جو شخص بھی اِس عقیدہ کا مُنکر ہے دائرہ اِسلام سے خارج ہے۔

۱۔ سب سے اوّل مولوی محمد علی صاحب نے دربارۂ عقایدِ مرزا قادیانی وعظ فرمایا کہ یہ اُس کے عقائد ہیں جو صریحاً مخالفِ قرآن کریم

وسُنّت واجماعِ اُمّت ہیں۔

۲۔ مولینا مولوی عبدالجبار صاحب بن مولینا مولوی عبداللہ صاحب مرحوم ومغفور غزنوی ثم امرتسری نے وعظ فرمایا، جس کا ماحصل یہ تھا کہ رسُولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے افعال واقوال یہ تھے۔ پس جو شخص اُن کے مُطابق چلنے والا ہے وُہ اُن کا پیرو ہے اَور جو شخص اُن کے مخالف ہے وُہ مُرتد اَور کافر ہے۔ چنانچہ مرزا قادیانی کے افعال واقوال قطعاً مخالفِ سُنّتِ نبویہ وروشِ صحابہ کرام ہیں اس لیے اہلِ اسلام کو اُس سے بچنا چاہیئے۔

۳۔ ابُوالفیض مولینا مولوی محمد حسن صاحب مدرّس دارُالعلوم نعمانیہ نے دربارہ غرضِ انعقادِ جلسہ وکارروائی مباحثہ ایک تحریر پڑھی جس کے آخر میں مولانا صاحب نے ایک پُرزور تقریر میں بالتفصیل یہ بھی بیان کیا کہ اس سے پہلے بھی دُنیا میں مرزا جیسے بلکہ اُس سے بڑھ کر بہت سے جھُوٹے نبی، مسیح، مہدی ہونے کا دعویٰ کرنے والے پیدا ہوکر اَور اپنے کیفرِ کردار کو پہنچ کر حرفِ غلط کی طرح صفحۂ ہستی سے مِٹ چکے ہیں۔

۴۔ اِس کے بعد مولوی تاج الدین احمد صاحب جوہر مختار چیف کورٹ پنجاب وسیکرٹری انجمن نعمانیہ نے مولوی محمد حسن صاحب کی تائید کی۔ اَور مرزا کے چند اشتہارات سے اُن کی اس قسم کی کارروائیوں پر نہایت تہذیب اَور شائستگی سے نکتہ چینی کی

۵۔ بعدازاں جناب حضرت مولینا ابُوسعد محمد عبدالخالق صاحب سجّادہ نشین جہان خیل شریف نے مرزا صاحب اَور اُن کی بیہودہ کارروائی کی نسبت چند ریمارکس دیئے۔

۶۔ پھر ایک نابینا حافظ صاحب نے جو اپنے آپ کو ظریف متخلص کرتے تھے ایک ظریفانہ نظم پڑھی جس کی نسبت حضرت ابُوسعد محمد عبدالخالق صاحب موصُوف نے کھڑے ہوکر فرمایا یہ ظریفانہ نظمیں پڑھنے کا موقعہ نہیں ہے بلکہ یہاں تو اقوالِ فیصل اہل الرّائے عُلمائے کرام کے بکار ہیں۔

۷۔ اِس کے بعد ابُوالوفا مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے مرزا صاحب کی تمام پیش گوئیوں کے غلط ثابت ہونے کی نسبت زبردست دلائل بیان فرمائے۔ اَور یہ بھی فرمایا کہ ایسے شخص کو مخاطب کرنا یا اُس کی کسی تحریر کا جواب دینا بھی گویا عُلمائے کرام کی ہتک اَور اُن کی شان سے بعید ہے۔

۸۔ مولینا حافظ سیّد جماعت علی شاہ صاحب سجّادہ نشین نے عقائدِ مرزا صاحب کے متعلق تردیداً اَور کچھ جنابِ پیر مہر علی شاہ صاحبؒ کی تشریف آوری کی نسبت تائیداً نہایت عُمدگی سے بیان فرمایا۔

۹۔ ازاں بعد جناب مولینا مولوی مُفتی محمد عبداللہؒ صاحب ٹونکی پروفیسر اورینٹل کالج وپریذیڈنٹ انجمن حمایتِ اسلام لاہور نے چند آیات قرآنِ کریم واحادیثِ نبویہ نیز دلائلِ عقلیہ سے مرزا کے عقائد کی سخت تردید فرمائی۔

۱۰۔ اِس کے بعد مولوی احمد دین صاحب ساکن موضع بادشاں ضلع جہلم نے مرزائی خیالات کی تردید میں ایک مؤثر وعظ فرمایا۔

۱۱۔ اَور آخیر میں حضرت پیر صاحب نے دُعائے خیر کی اَور تمام حاضرین نے آمین کے نعرے بلند کیے۔

---

[۱] مولینا مولوی مُفتی محمد عبداللہ صاحب ومولینا مولوی عبدالجبار صاحب غزنوی جنہوں نے ۲ پر جلسۂ ہذا میں وعظ فرمایا ہے۔ اِس مباحثہ کے واسطے حسبِ تجویز مرزا قادیانی ومنظوری پیر صاحب مُنصف قرار پاچکے ہُوئے تھے۔ تیسرے صاحب ابُوسعید مولوی محمد حُسین صاحب شملہ تشریف لے گئے ہُوئے تھے اِس لیے وُہ شریکِ جلسہ نہ ہوسکے ورنہ وُہ بھی ضرور اپنی رائے کا اظہار فرماتے۔

نتیجہ یا فیصلہ جلسہ ہذا

بہ لحاظ جملہ حالاتِ مرزا و حسب رُوئیداد مندرجہ بالا جملہ عُلمائے کرام و مشائخ عالی مقام و رؤسائے عظام و حاضرین جلسہ اہلِ اسلام کی اتفاق رائے سے یہ قرار پایا کہ :-

۱۔ مرزا غلام احمد قادیانی کو تحقیقِ حق منظور نہیں اَور وُہ خواہ مخواہ بزرگانِ دین اَور معززین اسلام کو اپنی شہرت کے واسطے مخاطب کر کے دیگر اشخاص کے مصارف سے اپنی شہرت و مشہوری کرانا چاہتا ہے اَور یہی اُس کا مقصود ہے۔

۲۔ اِس موقعہ پر اُس نے حضرت پیر صاحب کو مع دیگر عُلماء کے خود بخود دعوتِ مباحثہ دے کر تکلیف دی اَور وقت پر مقابلہ میں آنے سے عمداً گریز کر کے اپنی لاف زنی سے ناحق صدہا بزرگانِ دین و معززینِ اہلِ اسلام کا وقت ضائع کیا بلکہ کئی ایک طرح کے حرج اَور ہزاروں رُوپے کے مالی نقصان کا اُنہیں متحمل کیا۔

۳۔ اِس کے عقائد بالکل خلافِ قرآنِ کریم و سُنّتِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم و صحابہ کرامؓ کے ہیں۔

۴۔ اِس کے دعوے بالکل غلط و بے بُنیاد اَور لغو ہیں۔

۵۔ وُہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا مخالف اَور خود رسالت کا دعوے دار ہے۔ وُہ اپنے اِشتہار معیار الاخیار میں یُوں لکھتا ہے :-

قُلْ یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا (ترجمہ) اَے غلام احمد تُو تمام لوگوں کو کہہ دے کہ میں تمہارے لیے رسُول اللہ ہُوں۔

۶۔ وُہ قرآن مجید کی آیتوں کو اپنے اُوپر نازل ہونا تحریر کرتا ہے اَور قادیان کو بیتُ اللہ سے نسبت دیتا ہے۔ اَور مسجدِ قادیان کو مسجدِ اقصٰی کہتا ہے اَور معراجِ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے مُنکر ہے۔

۷۔ وُہ حضرت عیسٰی علیہ السلام رُوح القُدس کی سخت توہین کرتا ہے۔

۸۔ وُہ بزرگانِ دین کے حق میں بہت بے جا و ہتک آمیز تحریریں شائع کر کے اُن کی دِل شکنی کر رہا ہے۔

۹۔ وُہ اپنے من گھڑت الہاموں اَور فضُول دعووں سے ناحق دُنیا کو دھوکہ دے رہا ہے۔

۱۰۔ اِس کے اَور اِس کے حواریوں کی تحریریں سخت بد تہذیب اَور ناجائز الفاظ سے لبریز ہوتی ہیں۔

۱۱۔ اِس کی عام اِسلامی مخالفت اَور دینی عقائد سے اختلاف کے باعث عُلمائے ہندوستان اِس کے خلاف کُفر کا فتویٰ دے چُکے ہوئے ہیں۔

پس بہ لحاظ وجوہات مذکورہ بالا جملہ حاضرینِ جلسہ کی اتفاق رائے سے یہ قرار پایا ہے کہ یہ شخص مخاطب ہونے کی حیثیت نہیں رکھتا اَور شرمناک دروغ گوئی سے اپنی دُکانداری چلانا چاہتا ہے۔ اَور اِس نے ہمیشہ بے اصول بحث اَور متناقض دعاوی سے چالبازی اَور حیلہ جوئی کو اپنا شعار بنا لیا ہے۔ اَور شرفاء کی پگڑیاں اُتارنے اَور بازاری و عامیانہ حرکات سے اپنی روزی کمانے کا پاکھنڈ بنا رکھا ہے۔ اَور مذہبی مباحثات میں جو آزادی ہماری عادل گورنمنٹ نے دے رکھی ہے اُس کو بے جا طور پر استعمال کر کے ہندوستان کے مختلف فرقوں میں فساد اَور عناد بڑھانا چاہتا ہے۔ اِس لیے آئندہ کوئی اہلِ اسلام مرزا قادیانی اَور اُس کے حواریوں کی کسی تحریر کی پرواہ نہ کریں اَور نہ اِن سے مخاطب ہوں اَور نہ ہی اُنہیں کچھ جواب دیں کیونکہ اِس کے عقائد وغیرہ

بالکل خلافِ اسلام ہیں۔

عُلماء و مشایخِ ناصرین کی فہرست

جس قدر وقت نے گنجائش کی اَور دستخط کرانے والے کی واقفیت مکتفی ہُوئی ہمہ مندرجہ ذیل عُلمائے کرام اَور مشایخِ عظّام کے دستخط حاصل کر لیے گئے :۔

جناب ابُوسعد حضرت خواجہ محمد عبدالخالق[1] صاحب سجّادہ نشین جہان خیلاں بن حضرت خواجہ قادر بخش صاحب شمس عرفانی رحمۃ اللہ علیہ، جناب مولیٰنا مولوی عبدالجبّار[2] صاحب بن مولیٰنا مولوی عبداللہ صاحب غزنوی، جناب مولیٰنا مولوی مُفتی محمد عبداللہ[3] صاحب ٹونکی، جناب مولیٰنا مولوی حافظ سیّد جماعت[4] علی شاہ صاحب سجّادہ نشین نقشبندی، جناب صاحبزادہ سیّد عبدالقاہر[5] صاحب سجّادہ نشین باجھ خیلاں ضلع پشاور، جناب صاحبزادہ محمد چراغ[6] صاحب سجّادہ نشین چکوڑی بھیلووال ضلع گجرات، جناب صاحبزادہ عبدالعزیز[7] صاحب سجّادہ نشین چاچڑ شریف ضلع شاہ پُور، مولیٰنا مولوی غلام محمد[8] صاحب بگوی نقشبندی اِمام شاہی مسجد لاہور، مولیٰنا مولوی ثناء اللہ[9] صاحب امرتسری، مولیٰنا مولوی عبدالاحد[10] صاحب خان پُوری، مولیٰنا حافظ عبدالمنّان[11] صاحب وزیر آبادی، مولیٰنا مولوی محمد علی[12] صاحب واعظ، مولیٰنا مولوی احمد دین[13] صاحب بھُوئی ضلع کیمبل پُور، مولیٰنا مولوی عبداللہ[14] صاحب سجّادہ نشین جلّو ضلع ہزارہ، مولیٰنا حافظ نُور احمد[15] صاحب مُلتانی مِشیرِ مال مدرسہ انوار الرحمٰن، مولیٰنا مولوی محمد نُور الحق[16] صاحب ضلع شاہ پُور، مولیٰنا مولوی شاہ عبدالعزیز[17] صاحب باغبانپُوری، مولیٰنا مولوی محمد ذاکر[18] صاحب اوّل مدرّس مدرسہ حمیدیہ انجمن حمایتِ اسلام لاہور، مولیٰنا مولوی میر محمد عبداللہ[19] صاحب پشاوری، مولیٰنا مولوی محمد یُوسف[20] صاحب سکنہ بھوئی، مولیٰنا حافظ احمد دین[21] صاحب ولد مولوی سعید الدّین صاحب، مولیٰنا مولوی عبدالحق[22] صاحب غزنوی، مولیٰنا مولوی محمد یار[23] صاحب اِمام مسجد طلائی لاہور، مولیٰنا مولوی محمد شریف[24] صاحب سکنہ بھیلووال ضلع گجرات، مولیٰنا مولوی ابُو محمد احمد[25] صاحب لاہوری، مولیٰنا مولوی غُلام مصطفیٰ[26] صاحب ایم۔ او۔ ایل پروفیسر عربی، فارسی گورنمنٹ کالج لاہور، مولیٰنا مولوی محکم الدّین[27] صاحب لاہوری، مولیٰنا مولوی محمود الدّین[28] صاحب مہتمم مدرسہ اسلامیہ ڈیرہ غازی خان، مولیٰنا مولوی غلام احمد[29] صاحب اوّل مدرّس دارالعلوم انجمن نعمانیہ لاہور، مولیٰنا مولوی احمد دین[30] صاحب ضلع جہلم، مولیٰنا مولوی حافظ محمد غازی[31] صاحب ضلع راولپنڈی، مولیٰنا حافظ سراج الدّین[32] صاحب سکنہ گولڑہ شریف، مولیٰنا مولوی ابُوالفیض محمد حسن[33] صاحب فیضی مدرّس دارالعلوم انجمن نعمانیہ لاہور، مولیٰنا حافظ احمد علی[34] صاحب بٹالوی، مولیٰنا مولوی نُور احمد[35] صاحب پسرُوری، مولیٰنا مولوی حافظ جمال الدّین[36] صاحب لاہوری، مولیٰنا مولوی نُور الدّین[37] صاحب امرتسری، مولیٰنا مولوی حافظ محمد حسین[38] صاحب اِمام مسجد چینیاں لاہور، مولیٰنا مولوی علی محمد[39] صاحب اسسٹنٹ سیکرٹری ناظم التّعلیم انجمن حمایتِ اسلام لاہور، مولیٰنا مولوی نُور احمد[40] صاحب ضلع فیروز پُور، مولیٰنا مولوی احمد علی[41] صاحب سیالکوٹی، مولیٰنا مولوی شفیق الرحمٰن[42] صاحب لاہوری، مولیٰنا خلیفہ عبدالرحیم[43] صاحب واعظ انجمن حمایتِ اسلام لاہور، مولیٰنا مولوی سیّد حسن[44] صاحب مدرّس مدرسہ اسلامیہ راولپنڈی، مولیٰنا مولوی عبداللہ[45] صاحب مدرّس دارالعلوم انجمن نعمانیہ لاہور، مولیٰنا مولوی غلام ربّانی[46] صاحب سکنہ بھُوئی، مولیٰنا سیّد لعل شاہ[47] صاحب صُوفی ضلع ہزارہ، مولیٰنا مولوی شہابُ الدّین[48] صاحب مرولہ والا، مولیٰنا مولوی فتح علی[49] صاحب ریاست جمّوں، مولیٰنا مولوی محمد عبدالکریم[50] صاحب مدرّس مدرسہ اسلامی کالرا، مولیٰنا مولوی امیر حمزہ[51] صاحب ساکن بھوئی، مولیٰنا مولوی محمد فضل حق[52] صاحب ضلع شاہ پُور، مولیٰنا مولوی جمال الدّین[53] صاحب راولپنڈی، حضرتنا خلیفہ شاہ عزیز الدّین[54] صاحب پشاوری، مولیٰنا مولوی ولی احمد[55] صاحب ضلع ہزارہ، مولیٰنا مولوی عبداللطیف[56] صاحب مجنی علاقہ افغانستان، مولیٰنا مولوی احمد دین[57] صاحب سکنہ جواہر تحصیل چکوال، مولیٰنا مولوی عبدالعزیز[58]

صاحب جائنٹ سیکرٹری انجمن حمایتِ اسلام لاہور، مولٰنا مولوی احمد علی صاحب[۵۹] واعظ دہلوی وغیرہ وغیرہ۔

تنبیہ۔ مرزا غلام احمد اور اُس کے حواریوں کو واجب ہے کہ وُہ خواہ مخواہ گھر بیٹھے بیٹھے بزرگانِ دین اور معززینِ اسلام کے نام نامی اپنی تحریروں میں شائع کر کے اُنہیں مخاطب کرنے سے باز رہیں کیونکہ ایسی تحریروں سے بجز عامہ خلائق میں بدامنی پھیلنے کے اور کچھ حاصل نہیں۔ ہم ان کی فضول اور لچر تحریروں کے جواب دینے سے حسب ہدایت جلسہ اہلِ اسلام لاہور مجبور ہیں۔ اور اُنہیں اب اختیار ہے کہ وُہ ناحق بے گناہ کاغذوں کو اپنے نامۂ اعمال کی طرح سیاہ کر کے جس قدر چاہیں زمانہ میں ذلت اور رسوائی حاصل کریں۔

بعد اختتامِ جلسہ

صاحبانِ ذیل کی رائے سے یہ تجویز ہوا کہ جلسہ ہذا کی تمام کارروائی عموماً پبلک کی اور خصوصاً اہلِ اسلام کی اطلاع کے لیے شائع کر دی جائے:۔

۱۔ عالی جناب لیفٹیننٹ کرنل راجہ محمد عطاء اللہ خان صاحب سابق سفیر کابل وحال آنریری مجسٹریٹ ورئیس اعظم وزیرآباد و پریذیڈنٹ انجمن نعمانیہ لاہور

۲۔ جناب چوہدری محمد سُلطان خان صاحب بیرسٹرایٹ لار، سابق میر منشی کابل

۳۔ جناب خواجہ کریم بخش صاحب سیٹھی ورئیسِ اعظم پشاور

۴۔ جناب مرزا محمد ظفر اللہ خان صاحب مجسٹریٹ درجہ اوّل لاہور

۵۔ جناب سردار بہادر سید امیر علی شاہ صاحب رسالدار میجر وآرڈر آف میرٹ درباری لاٹ صاحب

۶۔ جناب سیّد میر احمد شاہ صاحب نقشبندی پلیڈر چیف کورٹ پنجاب لاہور

۷۔ جناب منشی محرم علی صاحب چشتی پروپرائیٹر وایڈیٹر "رفیقِ ہند" لاہور

۸۔ جناب مولوی تاج الدین احمد صاحب جوہر مختارِ عدالت چیف کورٹ پنجاب وسیکرٹری انجمن نعمانیہ لاہور

۹۔ جناب میاں سراج الدین صاحب جنرل بُک مرچنٹ ورئیس لاہور

۱۰۔ جناب ڈاکٹر حکیم غُلام نبی صاحب سابق میونسپل کمشنر لاہور

۱۱۔ جناب مولوی نواب دین صاحب معتبر و مختارِ کار سردار غلام محمد خان صاحب رئیس اعظم ضلع ہزارہ

۱۲۔ جناب خلیفہ عمادُ الدین صاحب انسپکٹر مدارس

۱۳۔ جناب مرزا محمد ابراہیم صاحب قزلباش لاہور

۱۴۔ جناب میاں تاج الدین صاحب پنشنر کوٹھیدار رئیس لاہور

۱۵۔ جناب حافظ چراغ دین صاحب سوداگر وامین انجمن نعمانیہ لاہور

۱۶۔ جناب منشی شمس الدین صاحب شائق مالک و مہتمم مطبع شمس الہند لاہور

۱۷۔ جناب میاں الطاف حسین صاحب رئیس لاہور

۱۸۔ جناب حکیم سُلطان محمود صاحب راولپنڈی

۱۹۔ جناب مولوی محبوب عالم صاحب ساکن گولڑہ شریف

۲۰۔ جناب مولینا مولوی ابُوالفیض محمد حسن صاحب فیضی

۲۱۔ جناب حاجی لالہ عبد الکریم صاحب سوداگر پشاوری و دیگر صاحبان

اِلتماس بخدمت جمیع صاحبانِ دیگر مذاہب

چُونکہ مرزا غلام احمد قادیانی کے عقاید وغیرہ بالکل خلافِ اسلام ہیں اِس لیے آپ صاحبان کی خدمت میں مؤدّبانہ اِلتماس ہے کہ آیندہ مرزا کی کسی تحریر یا تقریر یا الہام وغیرہ کو مدّ نظر رکھ کر اہلِ اسلام کو مخاطب نہ فرمائیں۔ مرزائے مذکور جیسا اہلِ اسلام کا مخالف ہے دیگر مذاہب کا مخالف نہیں۔ اِس لیے اُس کے کسی حملہ سے آپ مسُلمانوں پر کوئی اعتراض نہ فرماویں۔

صاحبان ایڈیٹران اخبارات و رسالہ جات!

جن کی خدمت میں یہ رُوئیداد پہنچے۔ وُہ ضرور اِسے اپنے قیمتی پرچوں میں جگہ دے کر ہم خادمانِ اسلام کو مشکور فرماویں نیز شائقینوں سے بھی اُمید ہے کہ وُہ بعد ملاحظہ خود اِس کے مشتہر کرنے میں حتی الوسع دریغ نہ فرمائیں۔

المشتہران

۱۔ ابُوسعد محمد خالق سجّادہ نشین جہان خیلاں بن خواجہ خواجگان حضرت خواجہ قادر بخش صاحب شمس عرفانی رحمۃ اللہ علیہ

۲۔ سردار بہادر سیّد امیر علی شاہ رسالدار میجر، آرڈر آف میرٹ، درباری لاٹ صاحب بہادر

۳۔ سیّد میر احمد شاہ نقشبندی پلیڈر چیف کورٹ پنجاب

۴۔ مفتی حکیم سلیم اللہ محافظ دفتر صاحب فنانشیل کمشنر بہادر پنجاب

۵۔ حاجی عبد الصمد میونسپل کمشنر لاہور

۶۔ مولوی عبد العزیز مصحح دفتر رجسٹرار سررشتہ تعلیم گورنمنٹ پنجاب و ایڈیٹر رسالہ انجمن حمایتِ اسلام لاہور

۷۔ حافظ محمد دین تاجر کتب مالک و مہتمم مُصطفائی پریس لاہور

اِطلاع

چُونکہ مجھے بہت صاحبان کے خط اس غرض سے آرہے ہیں کہ تمام اِشتہارات متعلقہ مناظرہ مرزا قادیانی و پیر صاحب اوّل سے آخر تک جس قدر ہیں روانہ کرو۔ مگر میں بوجہ عدم موجُودگی تمام اِشتہارات اُن صاحبان کی تعمیل کرنے سے اکثر معذور رہتا ہُوں اِس لیے اَب چند احباب و شائقینوں کی رائے سے میں نے ایک مفصّل روئیداد بطور رسالہ جس میں ابتدا سے اِنتہا تک تمام کارروائی معہ کُل اِشتہارات کے خُلاصوں کے درج ہوگی طبع کرانے کا ارادہ کیا ہے جو انشاء اللہ تعالیٰ مناسب وقت میں بہت جلد شائع ہو جائے گی اور اِس کی قیمت دو آنے یا کم و بیش رکھی جائے گی۔ پس جو صاحبان اِس کے خواہاں ہوں وُہ مجھ نیازمند کے پاس درخواستیں ارسال کریں۔

المشتہر

خادمِ اسلام حافظ محمد دین تاجر کُتب مالک و مہتمم کارخانہ

مُصطفائی پریس لاہور کشمیری بازار

(نقل رُوئیداد جلسہ ختم ہُوئی)

حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کی لاہور سے واپسی پر مرزا صاحب کا اِشتہار

حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ نے لاہور میں ۲۴۔ اگست سے ۲۹۔ اگست تک قیام فرمایا۔ ۳۰ یا ۳۱ کو مرزا صاحب کا ایک اِشتہار لاہور میں بدیں مضمون نکلا کہ میں نے پیر صاحب کو فصیح عربی میں قرآن شریف کی تفسیر لکھنے میں اپنے ساتھ مقابلہ کی دعوت دی تھی لیکن اُنھوں نے جواباً اِشتہار دیا کہ تفسیر نویسی سے پہلے نصوصِ قرآنیہ وحدیثیہ کی رُو سے مباحثہ ہونا چاہیئے۔ اور اس مباحثہ کے حَکَم وُہی مولوی محمد حسین اور اُن کے دو رفیق ہوں۔ اور اگر وُہ قسم کھا کر کہہ دیں کہ پیر مہر علی شاہ صاحب جیت گئے تو اُسی وقت لازم ہوگا کہ میں اُن کی بیعت کر لُوں۔ اَب ظاہر ہے کہ اِس قسم کے جواب میں کیسی چالبازی سے کام لیا گیا ہے۔ کیونکہ مولوی محمد حسین کے عقائد حضرت مسیح اور مہدی کے بارے میں بالکل پیر صاحب کے مُطابق ہونے کی وجہ سے وُہ پیر صاحب کے خلاف فیصلہ کیسے دے سکتے ہیں۔ اَب لاہور کے گلی کُوچوں میں پیر صاحب کے مُرید اور ہم مشرب اِس بات کو شُہرت اور ہوا دے رہے ہیں کہ پیر صاحب تو بالمقابل تفسیر لکھنے کے لیے لاہور پہنچ گئے تھے مگر مرزا بھاگ گیا اور نہیں آیا۔ حالانکہ یہ تمام باتیں خلافِ واقعہ ہیں اور صحیح بات یہ ہے کہ پیر صاحب خود بھاگ گئے ہیں اور بالمقابل تفسیر لکھنا منظور نہیں کیا اور نہ ہی ان میں یہ مادہ اور خُدا کی طرف سے تائید ہے۔ میں بہر حال لاہور پہنچ جاتا مگر میں نے سُنا کہ پشاور کے اکثر جاہل سرحدی پیر صاحب کے ساتھ ہیں۔ اور اَیسے ہی لاہور کے اکثر سِفلہ اور کمینہ طبع لوگ گلی کُوچوں میں مستوں کی طرح گالیاں دیتے پھرتے ہیں۔ نیز مخالف مولوی بڑے جوشوں سے وعظ کر رہے ہیں کہ یہ شخص واجب القتل ہے۔ تو ایسی صُورت میں لاہور جانا بغیر کسی احسن انتظام کے کس طرح مناسب ہے۔ اگر پیر صاحب اعلان کریں کہ صرف تفسیر نویسی میں مُقابلہ ہوگا اور تقریری بحث نہیں ہوگی تو میں لاہور آ کر مقابلہ کے لیے تیار ہُوں لیکن شرط یہ ہے کہ شہر لاہور کے تین رئیس یعنی نواب شیخ غلام محبُوب سُبحانی صاحب اور نواب فتح علی شاہ صاحب اور سیّد برکت علی خان صاحب سابق اکسٹرا اسسٹنٹ ایک تحریر بالاتفاق شائع کر دیں کہ ہم اِس بات کے ذمہ دار ہیں کہ پیر مہر علی شاہ صاحب کے مُریدوں اور ہم عقیدوں اور ہم جنس مولویوں کی طرف سے کوئی گالی یا کوئی وحشیانہ حرکت ظہُور میں نہیں آئے گی۔ ۔ ۔ ۔ اس فتنہ اور اشتعال کے وقت بجُز شہر کے رئیسوں کی پُوری طرح کی ذِمّہ داری کے، لاہور میں قدم رکھنا گویا آگ میں قدم رکھنا ہے۔

مرزا صاحب نے تقریری بحث کی بہر حال معقُولیت کا اندازہ کرتے ہُوئے اِشتہار کے آخر میں یہ بھی لکھا تھا کہ اگر پیر مہر علی شاہ صاحب بالمقابل عربی تفسیر لکھنے سے عاجز ہوں، جیسا کہ درحقیقت یہی سچا امر ہے تو ایک اور سہل طریق ہے جو وُہ طرزِ مباحثہ کی نہیں جس کے ترک کے لیے میرا وعدہ ہے اور وُہ طریق یہ ہے کہ اِس کی ذِمّہ داری مذکورہ بالا کے بعد میں لاہور آؤں۔ اور مجھے اجازت دی جائے کہ مجمعِ عام میں جس میں ہر سہ رئیس موصُوفین بھی ہوں، تین گھنٹے تک اپنے دعویٰ اور دلائل کو پبلک کے سامنے بیان کروں۔ پیر مہر علی شاہ صاحب کی طرف سے کوئی خطاب نہ ہوگا۔ اور جب میں تقریر ختم کر چکوں تو پھر پیر مہر علی شاہ صاحب اُٹھیں اور وُہ بھی تین گھنٹے تک پبلک کو مخاطب کر کے یہ ثبوت دیں کہ حقیقت میں قرآن اور حدیث سے یہی ثابت ہے کہ آسمان سے مسیح آئے گا۔ پھر بعد اس کے لوگ اِن دونوں تقریروں کا خود موازنہ اور مقابلہ کر لیں گے۔

اس اِشتہار پر ۲۸ اگست ۱۹۰۰ء کی تاریخ اور مرزا صاحب کے دستخط اور اُن کے چھ گواہوں کے العبدات درج تھے۔

"تبلیغِ رسالت" مجمُوعہ اشتہارات مرزا صاحب قادیانی میں ایک اور اشتہار مورخہ ۲۵۔ اگست ۱۹۰۰ء منجانب مرزا صاحب درج ہے۔ جس میں اُنھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کی دعوتِ تقریری مباحثہ کے سوال پر، پہلے میرا ارادہ

تھا کہ پیر صاحب کا یہ گمان باطل بھی توڑنے کے لیے کہ گویا نصُوصِ قرآنیہ اور حدیثیہ کی رُو سے کچھ بحث کر سکتے ہیں اپنے دوستوں میں سے کسی کو بھیج دُوں۔ اور اگر حبّی فی اللہ فاضلِ جلیلُ القدر مولوی سیّد محمد احسن صاحب امروہی پیر صاحب کے ساتھ بحث کرنا قبول فرماتے تو اُن کا فخر تھا کہ ایسے سیّد بزرگوار محدّث اور فقیہ نے اپنے مقابلہ کے لیے ان کو قبول کیا۔ مگر افسوس کہ سیّد صاحب موصُوف نے جب دیکھا کہ اس جماعت میں ایسے گندے لوگ موجُود ہیں کہ گندی گالیاں اُن کا طریق ہے تو اُس کو مُشتے نمونہ از خروارے پر قیاس کر کے ایسی مجلسوں میں حاضر ہونے سے اِحتراز بہتر سمجھا۔ ہاں میں نے پیر مہر علی شاہ صاحب کے لیے بطور تحفہ ایک رسالہ تالیف کیا ہے جس کا نام میں نے "تحفہ گولڑویہ" رکھا ہے۔ جب پیر صاحب موصُوف اُس کا جواب لکھیں گے تو لوگوں کو خود معلوم ہو جائے گا کہ ہمارے دلائل کیا ہیں اور اُن کا جواب کیا۔

مرزا صاحب کے عُذرات

مرزا صاحب اور اُن کے سیرت نگاروں نے اِن باتوں پر بڑا زور دیا ہے :-

۱۔ پیر صاحب نے کہا ہے کہ اگر مرزا صاحب ہار جائیں تو مجھ سے بیعت کریں۔

۲۔ بیعت کے بعد اپنے پیر کے ساتھ تحریری مقابلہ کیا معنی ؟ اور

۳۔ مباحثہ کے حَکَم مرزا صاحب کے مخالف تھے۔

اِن عُذرات کا جواب

اِن عُذرات کے جوابات یہ ہیں :-

۱۔ مرزا صاحب نے اِشتہارِ دعوت میں کہا تھا کہ اگر تحریری مقابلہ میں وُہ غالب رہے تو پیر صاحب پر واجب ہو گا کہ وُہ توبہ کر کے مجھ سے بیعت کریں اور لازم ہو گا کہ یہ اقرار صاف صاف لفظوں میں بذریعہ اِشتہار دس دن کے عرصہ میں شائع کر دیں۔ حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ نے اپنے اِشتہارِ دعوت میں فرمایا تھا ——— بعد ظہُور اس کے کہ مرزا صاحب اپنے دعویٰ کو بہ پایۂ ثبوت نہ پہنچا سکے، مرزا صاحب کو بیعتِ توبہ کرنا ہو گی۔ گویا کسی جگہ اپنے ساتھ بیعت کا ذکر نہیں فرمایا۔

۲۔ مرزا صاحب نے صرف تفسیر نویسی ہی اپنے ساتھ بیعت کی شرط رکھی تھی جس کے بعد تحقیقِ حق کا کوئی موقعہ باقی نہیں رہنے دیا تھا۔ لیکن حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ نے تحقیقِ حق کے بعد صرف بیعتِ توبہ کا مطالبہ فرمایا اور اپنے پیر یا مرزا صاحب کے مُرید بننے کا تقاضا نہیں فرمایا۔ مرزا صاحب کے پیشِ نظر فقط اپنی بڑائی اور اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ کا خیال نظر آتا ہے۔ مگر حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کے سامنے اسلام کی حقانیت اور قادیانیت کے بُطلان کا مسئلہ ہے۔

۳۔ مولوی محمد حُسین اور اُن کے دونوں رفیقوں کے حَکَم بنانے کی تجویز خُود مرزا صاحب کی اپنی تجویز تھی جو اُنھوں نے اپنے اشتہارِ دعوت میں پیش کی تھی۔ حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کی طرف سے ضمیمہ جوابِ اشتہارِ دعوت میں مندرجہ ذیل الفاظ درج ہیں :-

> "جو شخص بحث میں مغلوب ہو گا اُس کو بیعتِ توبہ کرنا لازم ہو گی وُہ بیعت بحاضری جمیع علماء کرنی ہو گی۔ اور اس بحث کے حَکَم خواہ وُہ ہر سہ مولوی صاحبان ہوں جن کو مرزا صاحب منظور کرتے ہیں خواہ اور جن کو مرزا صاحب مقرّر کریں گے۔ لیکن رعایت یہ ہو گی کہ جن کو مرزا صاحب بعد میں مقرّر کریں گے نہ تو اُن کے معتقدین میں سے ہوں

اور نہ پیر صاحب کے ملنے والوں میں سے ۔ مرزا صاحب کو اختیار ہے کہ ان سے جس طرح سے اور جو جو حلف قبل از اظہار رائے لینا مناسب سمجھیں لے لیں ۔ وہ رائے قطعی ہوگی "۔

مسلمان دانشوروں اور عوام پر مرزا صاحب کے اشتہارات و دلائل کا ردِ عمل اور ان کے عواقب

علمائے اسلام نے تو شاہی مسجد لاہور کے جلسہ ہی میں یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ چونکہ مرزا صاحب اور ان کی امت پر ہر لحاظ سے اتمامِ حجت ہو چکی ہے اس لیے آیندہ انہیں مخاطب بنانا محض تضیعِ اوقات ہوگا ۔ مگر مسلمان عوام اور دانشوروں پر مرزا صاحب کے اس معرکہ میں اشتہارات و دلائل کا عین برعکس اثر ہوا ۔ وہ ایک ایسے امام کے منتظر تھے جس کے ذریعے تمام روئے زمین پر اسلام کا بول بالا ہونا تھا ۔ مگر وہ دیکھ رہے تھے کہ مرزا صاحب اس امامت کا دعویٰ تو کرتے ہیں مگر شمشیر بکف ہو کر اسلام کے تحفظ یا مخالفین کے مقابلہ میں نہ تو قدم باہر نکالتے ہیں اور نہ اپنے اسلام کی تبلیغ و اشاعتِ دین کے لیے دلائل و بحث کے میدان میں ہی اُترنے کی جرأت کرتے ہیں ۔ مرزا صاحب کی یہ دلیل کہ انہوں نے ۱۸۹۷ء سے پادری آتھم وغیرہ کے مباحثات سے متاثر ہو کر "انجام آتھم" میں لکھ دیا تھا کہ آئندہ وہ تقریری مباحثے نہیں کریں گے ۔ ان کی نظر میں قطعاً کوئی وقعت نہیں رکھتی تھی اور غیر معقول تھی ۔ کیونکہ وہ غیر مسلموں سے مقابلہ کی بات تھی مگر موجودہ صورت میں چونکہ انہوں نے یعنی مرزا صاحب نے مستقل نبوت کا دعویٰ کر کے مسلمانوں میں ختمِ نبوت کے متفقہ عقیدہ سے انکار کر کے اسے چیلنج کیا تھا اس لیے اس کے اثبات کے لیے امتِ مسلمہ کو سمجھنے سمجھانے کا موقعہ بہم پہنچانے کی خاطر بحث و تمحیص کی ضرورت بالکل واضح تھی ۔ مسلمان یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ مرزا صاحب کا ملہم کل تو ان کو اس مباحثہ میں فتح و نصرت ، تائیدِ روح القدس ، اور وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ کی بشارات دے رہا تھا اور آج انہیں پشاور کے سرحدی پٹھانوں سے خوف دلا رہا ہے ۔ کیا روح القدس کی تائید اب صرف عربی میں تفسیر نویسی تک محدود ہو کر رہ گئی تھی ۔ آج سے قبل تو روح القدس سے نصرتِ مامور ، شکستِ مخالفین اور تاثیر و تسخیرِ خلق کے معجزات و خوارق ظہور پذیر ہوتے آئے تھے اور کسی نبی کو روح القدس کی تائید کے باعث مخالفین کے ساتھ زبانی بحث و تمحیص سے گریز یا انکار کا خیال بھی پیدا نہیں ہوا تھا بلکہ حق تو یہ ہے کہ کسی نبی کا منکرین کے ساتھ کبھی تحریری مناظرہ نہ ہوا جب بھی ایسی نوبت آئی زبانی بات چیت ہی ہوئی تو موجودہ صورت میں سنت اللہ کیوں بدل گئی ؟ پھر کیا حق و باطل کا مدار صرف فصیح عربی تحریر ہی تھا ۔ اور کیا ایسی صورت میں مصر و شام اور فلسطین و عراق کے یہودی ، نصرانی اور غیر مسلم عرب اپنی مادری زبان میں یقیناً زیادہ فصاحت و بلاغت کا مظاہرہ نہیں کر سکتے تھے ؟ رہی تفسیر تو قادیانی مذہب میں تفسیر نویسی کا سوال ہی کیسے پیدا ہوتا تھا ۔ کیا مرزا صاحب نے اپنے اس وقت تک کے بیس سالہ دور میں قرآن مجید کی کوئی ایسی تفسیر کی تھی جس سے مسلمانوں کے لیے عرفانِ الٰہی ، اتباعِ سنت اور اخلاقِ فاضلہ کی منزلیں آسان تر ہو گئی ہوں ۔

غرض اس قسم کے خیالات اور احساسات تھے جو مسلمان عوام نے اپنے بے شمار خطوط ، اشتہارات اور اخبارات میں مضامین کے ذریعے مرزا صاحب تک پہنچا کر ان کو مجبور کر دیا کہ وہ اپنی اس گرتی ہوئی ساکھ کو سنبھالا دینے کے لیے مزید ہاتھ پاؤں ماریں ۔

گھر بیٹھے تفسیر نویسی کے مقابلہ کی دعوت

مورخہ ۱۵ دسمبر ۱۹۰۰ء کو مرزا صاحب کی طرف سے ایک اور اشتہار نکلا جس میں اپنے سابقہ اشتہارات اور لاہور میں

حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کے مقابلہ پر نہ جانے کے واقعات کا اعادہ کرتے ہُوئے لکھا تھا:۔

"ہر ہفتہ میں کوئی نہ کوئی ایسا اشتہار پہنچ جاتا ہے جس میں پیر مہر علی شاہ کو آسمان پر چڑھایا ہوا ہوتا ہے۔ اور میری نسبت گالیوں سے کاغذ بھرا ہوتا ہے۔ اور میری نسبت کہتے ہیں کہ دیکھو اس شخص نے کس قدر ظلم کیا کہ پیر مہر علی شاہ صاحب جیسے مقدس انسان بالمقابل تفسیر لکھنے کے لیے صعوبتِ سفر اٹھا کر لاہور پہنچے۔ مگر یہ شخص..... اپنے گھر کے کسی کوٹھے میں چھپ گیا۔"

اسی سلسلہ میں اپنے پرانے مُرید منشی الٰہی بخش اکاؤنٹنٹ کے رسالہ "عصائے موسیٰ" کا حوالہ دے کر لکھا:۔

"اس میں بھی پیر صاحب کی جھوٹی فتح کا ذکر کر کے جو چاہا کہا ہے۔ اگر کوئی کُشتی دو پہلوانوں کی مشتبہ ہو جائے تو دُوسری دفعہ کُشتی کرائی جاتی ہے۔"

ان چیزوں کا ذکر کر کے اصل مطلب پر آتے ہیں:۔

"آج میرے دل میں ایک تجویز خدائے تعالیٰ کی طرف سے ڈالی گئی جس کو میں اتمامِ حجت کے لیے پیش کرتا ہوں اور وہ تدبیر یہ ہے کہ آج میں اُن متواتر اشتہارات کا جو پیر مہر علی شاہ صاحب کی تائید میں نکل رہے ہیں یہ جواب دیتا ہوں کہ..... میں اسی جگہ بجائے خود سورہ فاتحہ کی عربی فصیح میں تفسیر لکھ کر اس سے اپنے دعویٰ کو ثابت کروں اور اس کے متعلق معارف اور حقائق سورہ ممدوحہ کے بھی بیان کروں۔ اور حضرت پیر صاحب میرے مخالف آسمان سے آنے والے مسیح اور خونی مہدی کا ثبوت اس سے ثابت کریں۔ یہ دونوں کتابیں دسمبر ۱۹۰۰ء کی پندرہ تاریخ سے ستر دن تک چھپ کر تیار ہو جانی چاہئیں۔ تب اہلِ علم لوگ خود مقابلہ اور موازنہ کرلیں گے۔"

اس کے ساتھ ہی حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کے لیے پانچ صد روپیہ کا انعام پیش کرتے ہُوئے لکھا کہ اگر مقابلہ میں تفسیر فاتحہ تحریر کریں اور تین اہلِ علم قسم کھا کر پیر صاحب کی تفسیر کو بہتر قرار دیں تو یہ انعام آپ کا حق ہوگا۔ نیز مندرجہ ذیل فقرات لکھ کر اپنی طرف سے حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کو تفسیر لکھنے پر جوش دلانے کی بھی کوشش کی۔

"عقل مند لوگ ہرگز اس بات کے قائل نہیں کہ پیر صاحب کو علمِ قرآن میں کچھ دخل ہے۔ یا وہ عربی فصیح و بلیغ کی ایک سطر بھی لکھ سکتے ہیں۔ بلکہ ہمیں اُن کے خاص دوستوں سے یہ روایت پہنچی ہے کہ بہت خیر ہوئی کہ پیر صاحب کو بالمقابل تفسیر عربی لکھنے کا اتفاق پیش نہیں آیا۔"

خاتمۂ کلام اس فقرہ پر تھا:۔

"فریقین میں سے کوئی فریق تفسیرِ فاتحہ چھاپ کر شائع نہ کرے۔ اور یہ دن گذر جائیں تو وہ جھوٹا سمجھا جائے گا اور اُس کے کاذب ہونے کے لیے کسی اور دلیل کی حاجت نہیں ہوگی۔"

جناب مرزا صاحب قادیانی کے احکام ایسے ہی نادر شاہی ہوا کرتے تھے:۔

"جو مجھے نبی نہیں مانتا وہ جہنمی ہے۔"

"جو میری کتابوں کو محبت اور پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھتے وہ ذریۃ البغایا ہیں۔"

"جو میری شرائط پر میرے مقابلہ میں تفسیر نہیں لکھتے انہیں عربی کی ایک سطر بھی صحیح لکھنا نہیں آتا۔"

اور ــــ جو میرے کہنے پر سُورۂ فاتحہ کی تفسیر نہیں لکھے گا اُس کے کاذب ہونے کے لیے کسی اور دلیل کی حاجت نہ ہوگی ۔" وغیرہ وغیرہ

حضرتؒ کی ذاتِ گرامی پر اِس نئی مبارز طلبی کا ردِّ عمل

حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کی ذاتِ گرامی پر اِس نئے چیلنج کا ذرّہ بھر بھی اثر نہ ہُوا۔ آپ کی ذاتِ مقدس کا اولیائے کبار کی اُس برگزیدہ جماعت سے تعلق تھا جنہیں دائمی مشاہدۂ ذات کے باعث اُس شغل میں معمولی سا خلل حتیٰ کہ محکمی درس و تدریس کی طرف توجہ بھی گراں گزرتی ہے ۔ آپ کے "ملفوظاتِ طیبات" میں اسی انداز کا واقعہ درج ہے کہ ایک روز حضرت سُلطان العارفین بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت آپ نے فرمایا کہ جب اُنہیں فرمانِ الٰہی نے ارشادِ طالبین پر مامُور فرمایا تو غش کھا کر گر پڑے ۔ جس پر اللہ سبحانہ تعالیٰ نے ملائکہ سے خطاب فرمایا "رُدُّوا عَبْدِی اِلَیَّ" (ہمارے بندے کو ہماری طرف واپس لاؤ) اِسے ہم سے ایک پَل کی جُدائی بھی گوارا نہیں ۔ ایسی صورت میں بھلا اِن ذاتی تعلّیوں کو جن سے نہ دین کا فائدہ متصوّر تھا نہ دنیا کا آپ اپنے اوقاتِ شریفہ میں خلل انداز ہونے کی کیسے اجازت دے سکتے تھے ؟ "سیفِ چشتیائی" میں مرزا صاحب کے ایک اِشتہار کا جواب دیتے ہُوئے فرماتے ہیں ۔"مجھ کو اپنے اوقاتِ عزیز کی تضیع پر جو ایسے جاہلانہ اِشتہارات کی تردید میں ہو رہی ہے ۔ نہایت رنج و افسوس ہوتا ہے مگر کیا کروں بعض احباب نے مجبُور کر رکھا ہے ۔"

حضرت بابُوجی قبلہ مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت دیوان سید محمد پاک پتن شریف کے اصرار پر حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ نے قرآن مجید کی تفسیر لکھنے کا ارادہ فرمایا۔ لیکن پھر یہ کہہ کر دیوان صاحب سے معذرت خواہ ہُوئے کہ میرے خیالِ تفسیر نویسی پر میرے قلب پر معانی و مضامین کی اِس قدر بارش شروع ہوگئی ہے جسے ضبطِ تحریر میں لانے کے لیے ایک عُمر درکار ہوگی ۔ اور کوئی اور کام نہ ہو سکے گا ۔

"سیفِ چشتیائی"

چنانچہ مرزا صاحب نے ۱۵ دسمبر ۱۹۰۰ء کے ستّر دِن بعد "اعجاز المسیح" کے نام سے سُورۂ فاتحہ کی تفسیر شائع کی جب یہ تفسیر عربی دان طبقہ کے ہاتھوں میں پہنچی تو مرزا صاحب کے تفسیری کمالات سب کے سامنے آگئے ۔ اور عربی دانی و عربی نویسی کے بلند بانگ دعاوی کی اصلیت سب پر روشن ہوگئی ۔ اِس تفسیر کی زبان محاورہ سے محرُوم ، لُغوی اور نحوی اغلاط سے مملُو اور سرقۂ عبارات سے پُر تھی ۔"فی سبعین یوماً من شھر الصیام" پر تو طلباء نے بھی آوازے کسے کہ قادیان کا رمضان شریف ستّر دِنوں کا ہوتا ہے ۔ حسبِ معمُول یہ تفسیری کارنامہ بھی محض مفسّر کی اپنی ذات کے اِشتہار تک ہی محدُود تھا۔ علمی انکشاف اور عرفانی اسرار کے نادر نمُونہ جات اگر کوئی تھے تو یہ کہ "یوم الدین" مسیح موعُود کے زمانہ کا نام ہے اور "الحمد للہ" سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے جو "لَهُ الْحَمْدُ فِی الْاُوْلٰی وَالْاٰخِرَۃِ" فرمایا ہے تو اِس سے دو احمد مُراد ہیں ۔ احمدِ اوّل حضُور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور احمدِ آخر مرزا غلام احمد قادیانی ۔ حالانکہ مرزا صاحب کی اپنی اُمّت یہ کہہ رہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اِسمِ گرامی احمد نہیں تھا ۔

"اعجاز المسیح" کی پیش گوئی کے اِن ستّر دنوں میں مصر کے ایک اخبار نے مرزا صاحب کے اِس دعویٰ کا مضحکہ اُڑایا تھا کہ عربی

زبان میں تفسیر لکھنا ایک ایسا اعجاز ہے جس سے ایک ہندوستانی کا دعویٰ نبوّت ثابت ہو جاتا ہے۔ اِس پر مرزا صاحب نے اُس اخبار کو بھی اپنے چیلنج میں شامل کر لیا اور مصر میں اشتہار بھجوائے کہ عربی ممالک کا کوئی شخص اگر مقابلہ میں آنا چاہتا ہے تو آ جائے۔ علامہ اقبال کو مرزا صاحب کے ایسے ہی لطائف پر محمد علی باب کی یاد نے گدگدایا تھا۔ علماء نے باب کو کہا تھا کہ تم قرآن مجید کے اعراب غلط پڑھ رہے ہو۔ باب بولا۔ مجھ سے پہلے قرآن اعراب کا پابند تھا۔ اب میری امامت کے انوار و برکات کے صدقہ میں قرآن کو اِس پابندی سے آزاد کر دیا گیا ہے۔

جب اعجاز المسیح کی تفسیر پر بھی خاطر خواہ نتائج مترتب نہ ہوئے اور مسلمانوں کے خطوط اور اشتہارات میں یہ تقاضا مزید زور پکڑ گیا کہ مرزا صاحب اِن لطائف الحیل کو چھوڑ کر حضرت پیر صاحب کی کتاب "شمس الہدایت" کا جواب لکھنے کی طرف متوجہ ہوں تو اُنہوں نے مولوی محمد احسن امروہی کو جو تنخواہ میں تخفیف کے باعث ناراض ہو کر امروہہ چلے گئے تھے، واپس بلوایا اور کوئی ایک سال کے عرصہ میں اُن سے "شمس بازغہ" لکھوا کر شائع کرائی۔ تخفیفِ تنخواہ کے بہانے گھر بھجوانے کی وجہ یہ بیان ہوتی ہے کہ مولوی صاحب دعویٰ نبوّت کے معاملہ میں سو فی صد ہمنوا نہ تھے۔

"اعجاز المسیح" اور "شمس بازغہ" کے جواب میں حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب "سیفِ چشتیائی" تصنیف فرمائی جو ۱۹۰۲ء میں شائع ہو کر برّصغیر کے عُلماء و مشائخ، دینی مدارس اور مذہبی اداروں میں مُفت تقسیم کی گئی۔ اِس میں حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ نے مرزا صاحب کی اعجازی تفسیر سُورۂ فاتحہ موسُومہ "اعجاز المسیح" پر صرف و نحو، لُغت، بلاغت، معانی، منطق اور محاورہ کی غلطیاں، نیز سرقہ، تحریف اور التباس کے قریباً یکصد اعتراضات فرمائے ہیں، جن میں سے بعض یہاں بھی پیش کیے جاتے ہیں۔ اِن سے عربی دان اور عالم حضرات ہی کچھ لُطف اندوز ہو سکیں گے۔

"اعجاز المسیح"

قال[1] صفحہ ۲۔ وَخلت راحتها من بخل المزنة

اقول۔ ظاہر ہے کہ من صلہ خلت کا خلافِ مقصُود ہونے کی وجہ سے نہیں ہو سکتا اور تعلیلیہ موہم ہے معنی غیر مُراد کی طرف، اِس لیے یہاں لام کا محل تھا۔

قال صفحہ ۳۔ من کلّ نوع الجناح

اقول۔ کلمہ کل معرفہ پر احاطہ اجزا کا افادہ دیتا ہے جو یہاں پر مقصُود نہیں اِس لیے نوع للجناح چاہیئے تھا۔

قال صفحہ ۳۔ کل امرهم علی التقویٰ

اقول۔ یہاں بھی کل مجموعی خلافِ مُراد ہے اِس لیے کل امرٍ لهم چاہیئے تھا۔

قال۔ وعندی شهادات من ربّی لقوم مستقرین واٰیات بیّنات للمبصرین وجه کوجه الصّادقین۔

اقول۔ و وجهٌ عطف ہے شهادات پر گویا وعندی وجهٌ ہوا اور یہ خلافِ محاورہ ہے کیونکہ جُزپر عند نہیں آتا۔

---

[1] قال کے معنی ہیں اُس نے کہا اور اقول کے معنی ہیں مَیں کہتا ہوں۔

قال۔ این الخفا فافتحوا العین ایھا العقلا

اقول۔ فافتحوا پر فا کا لانا بے محل ہے کیونکہ فا کا ماقبل اِس کے مابعد کے لیے سبب ہوتا ہے اور اِس جگہ برعکس ہے عدم الخفا سبب فتح العین کے لیے نہیں بلکہ فتح العین سبب ہے عدم الخفا کے لیے۔

قال صفحہ ۸۔ حتی اتخذ الخفافیش وکرًا الجنانھم

اقول۔ ترجمہ یہ ہے:۔ یہاں تک کہ چمگادڑوں نے مخالفین کے دِل کو آشیانہ بنالیا۔ جنانھم پہلا مفعول ہوا اتخذ کے لیے اور وکرًا دُوسرا مفعول۔ اتخذ چونکہ بنفسہٖ متعدی الی المفعولین ہے۔ لہٰذا لام کا لانا فضول ہے۔ دُوسرا تقدیم مفعول ثانی کی بے وجہ ہے اور تیسرا جنان اور وکر کا بہ لحاظ ماقبل یعنی قولھم وفضلھم واعیانھم جمع ہونا چاہیئے۔

قال صفحہ ۹۔ واکفروہ مع مریدیہ واعوانہ وانزل اللّٰہ کثیرًا من الائے فما قبلوا

اقول۔ وانزل اللّٰہ کثیرًا فصل کا محل ہے کوئی کلمہ دالّہ علی الفصل چاہیئے۔

قال صفحہ ۳۰۔ وجعل قلمی وکلمی منبع المعارف

اقول۔ منابع المعارف یا منبعی المعارف چاہیئے۔

قال صفحہ ۴۱۔ فقد انعدم علمہ کثلج ینعدم بالذوبان۔

اقول۔ انعدم کا لفظ غیر مستعمل ہے بجائے اِس کے عُدِمَ چاہیئے۔ دیکھو قاموس۔

قال صفحہ ۸۱۔ وھذا الرجیم ھوالذی ورد فیہ الوعید اعنی الدجال

اقول عجیب مسئلہ ہے کہ اعوذ باللّٰہ من الشّیطان الرّجیم میں جو شیطان ہے اِس سے مُراد تو ابلیس ہے اور رجیم جو اُس کی صفت ہے اِس سے مُراد دجّال ہے جسے عیسٰی علیہ السّلام قتل کریں گے۔ آج تک یہی سُنا تھا کہ موصوف اور صفت کا مِصداق ایک ہی ہُوا کرتا ہے مگر اعوذ باللّٰہ من الشّیطان الرّجیم سے مرزا صاحب نے کیسے ثابت کردیا کہ ان کا مِصداق مغایر بھی ہوتا ہے سُبحان اللّٰہ۔

قال صفحہ ۱۳۵۔ قد استنبطت ھذہ النکتۃ من قولہ الحمد للّٰہ رب العٰلمین۔

اقول۔ مرزاجی فرماتے ہیں کہ اِس آیت میں ولہ الحمد فی الاولٰی والاٰخرۃ دو احمدوں کی طرف اشارہ ہے ایک اُولیٰ احمد مصطفٰے صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم۔ دُوسرا آخرۃ احمد بن غلام مُرتضیٰ۔ سُبحان اللّٰہ عجیب استنباط ہے۔

قال۔ الزم اللّٰہ کافۃ اھل الملّۃ

اقول۔ کافۃ کا لفظ عربی میں مضاف نہیں آتا۔

قال۔ الاعلی النفس التی سعٰی سعیھا

اقول۔ سعٰی کی جگہ سعت مؤنث چاہیئے۔

قال صفحہ ۱۴۰۔ وذٰلک وقت المسیح الموعود وھو زمان ھذا المسکین والیہ اشار فی آیۃ یوم الدّین۔

اقول۔ لعنۃ اللّٰہ علی الکاذبین المحرفین۔

قال صفحہ ۱۴۳۔ وسمّی زمان المسیح الموعود یوم الدّین

اقول۔ ثانیًا لعنۃ اللّٰہ علی الکاذبین المحرفین

قال صفحہ ۱۵۹۔ الاقلیل الذی ھو کالمعدوم

اقول۔ فصیح، بلیغ، ملیح صاحب موصوف نکرہ ہے اور صفت معرفہ۔ مرزا صاحب نے ابتدائے کلام میں حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ پر اپنے دل کا غبار نکالتے ہوئے ایک جگہ لکھ دیا تھا:۔

قال۔ ومع ذالک کان یخاف الناس

چنانچہ حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ فرماتے ہیں:۔

اقول۔ "خائف وہی ہوتے ہیں جن کو میدان میں سامنے آنا موت نظر آتا ہے۔ مع آنکہ تحریکِ مقابلہ بھی پہلے خود ہی کی ہو۔ مامور من اللہ کو میدان میں موجود ہونا نہایت ہی ضروری تھا تاکہ خلق اللہ مامور کی غیر حاضری کے باعث اُس کو مفتری علی اللہ سمجھ کر صراطِ مستقیم نہ چھوڑ دیں۔ مخالفین کو للکار کر بُلانا اور پھر گھر سے باہر نہ نکلنا گویا اپنے ہی ہاتھوں دین کی بیخ کنی کی ہے ..... اللہ تعالیٰ کو بحسب وعدہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْنَ ۝ قرآن کریم کو تحریف سے بچانا منظور تھا۔ اور اُمّتِ مرحومہ کو یہ سمجھانا کہ غلام احمد قادیانی کتاب اور سُنّت اور اجماع کا محرّف ہے۔ اِس لیے اِس کے ہاتھ سے اشتہارِ دعوت باں کرّ و فر کہ ضرور میرا مقابل میرے مقابلہ میں ذلیل ہوگا، یہ ہوگا، وہ ہوگا، رُوئے زمین پر دلوایا جس میں خُود ہی اُس نے اِن تین عُلما جناب مولوی محمد عبداللہ صاحب پروفیسر لاہوری، جناب مولوی عبدالجبار صاحب امرتسری اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو حکم قرار دیا اور انتظام پولیس وغیرہ بھی لکھ دیا۔ اور پہلے اِس کے آپ کو الہام بھی ہو چکا تھا کہ وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ نیز اِنِّیْ مُھِیْنٌ مَنْ اَھَانَکَ اور تیری اور تیرے گروہ کی میں حفاظت کروں گا اور تیرا ہی گروہ قیامت تک غالب رہے گا (دیکھو کتاب البریہ) اور اسی اشتہار میں اخیر پر لکھ دیا کہ لعنۃ اللہ علی من تخلّف وابیٰ۔ مسلمانو، غور سے سوچو یہ ایک مکرِ الٰہی تھا بمقابلہ مکر قادیانی صاحب کے جو انہوں نے سوچا تھا کہ کسی کو کیا ضرورت جو اجابتِ دعوت کرے گا اور ہم کو گھر میں بیٹھے بٹھائے فتح حاصل ہو جائے گی۔ مگر چونکہ بحکم وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ، الٰہی مکر غالب رہتا ہے۔ اِس لیے قادیانی صاحب کی اُس کرّ و فر کے بعد ایام جلسہ لاہور میں قلمی اور کلمی طاقتیں سلب کر لی گئیں یعنی عدم حاضری کا عذر تک بھی قلم اور مُنہ سے نہ نکلا۔ باوجود اِس کے کہ معتقدین و مخالفین دونوں کی جانب سے سخت اصرار و کشمکش بھی ہوئی۔ تخمیناً پانچ چھ دن کے بعد جب ہمارے واپس ہونے کی خبر جناب کو پہنچی تو زرد کاغذ پر بید لرزاں کی طرح قلم ہلنے لگا۔ اور اعذار باردہ اوھن من بیت العنکبوت شروع ہوئے کہ ہم کو سرحدی لوگوں کا خوف تھا اِس لیے نہیں آئے۔ اِس عذر پر لوگوں نے کہا کہ کیا آپ اُن الہامات کو بھول گئے ہیں جن میں آپ کو مُلہم کی جانب سے پوری تسلّی اور غالب رہنے کی بشارت دی گئی تھی یا آپ کے مُلہم سے بھی ایفاء وعدہ کی قدرت سلب کی گئی۔

"ہماری طرف سے تقریری شرط کی ترمیم اِس لیے تھی کہ تقریر بھی معیارِ صداقت ہونے میں تحریر سے کم نہیں۔ جس شخص کو اللہ تعالیٰ غالب کرنا چاہتا ہے۔ اور اُس کو منظور ہوتا ہے کہ اس کے غالب رہنے کے ذریعہ سے لوگوں کو ہدایت کروں، تو اُس کے غلبہ کو معیارِ صداقت ٹھہرانے کے بعد ضرور ہی اُس کو غالب کرتا ہے۔ اور اُس سچّے مامور کو فرضِ منصبی کی رُو سے حریفِ مقابل کے دُو بدو ہونا نہایت ضروری ہوتا ہے۔ بلکہ قادیانی صاحب چونکہ بروز و فنا محمدی و عیسوی کے مدّعی ہیں تو تقریری مقابلہ کی تسلیم اُن پر ضروری تھی، کیونکہ اُن کے بارزین یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اور عیسیٰ علیہ السلام نے بھی تبلیغِ حق تقریری طور پر کی تھی۔

"دُوسری وجہ ترمیم کی یہ ہے کہ صرف تحریر میں احقاق حق اچھی طرح نہیں ہوتا۔ بالفرض اگر قادیانی صاحب جلسۂ لاہور میں بھی تفسیر

لکھتے تو کیا اُن کی بھولی بھالی جماعت بے تمیزی کی وجہ سے اپنی ضلالت یعنی گمراہی پر زیادہ پکّی نہ ہو جاتی۔ اُن کو ذاتی لیاقت اس قدر کہاں تھی کہ اِس تفسیر کے مضامین واہیہ اور مخرّفہ پر اطلاع پاویں یا مرزا جی کے سرقہ کو پکڑ سکیں۔ وُہ تو صرف عربی عبارتِ مسروقہ کو دیکھ کر زیادہ گمراہ ہو جاتے۔

"مرزائیوں کی اس کم توجہی پر نہایت ہی افسوس آتا ہے کہ انہوں نے نبوّت اور قرآن دانی کا معیار انشاپردازی کو سمجھ رکھا ہے اور پھر انشاپردازی جس کے لفظی اور معنوی کمال کی قلعی کھل رہی ہے۔ بھلا مثلاً اگر کوئی عربی زبان میں یہ مضمون لکھ دے کہ نماز عبارت صرف توجہ الی اللہ سے ہے اور اوضاع معمولہ اہل اسلام کی کوئی حقیقت نہیں اور اپنے دعوے کی دلیل اس امر کو ٹھہرائے کہ میری طرح چونکہ کوئی شخص عربی نویس نہیں ہے اور فی الواقع ایسا ہی ہو، تو کیا کوئی عاقل ایسی واہی دلیل سے اُس کے دعویٰ کو مان سکتا ہے ہرگز نہیں"۔

مرزا صاحب نے اپنی اس تفسیر کو کلام اللہ کا مثیل اور اعجاز میں قرآن مجید کا ظل بتایا ہے، چنانچہ لکھا ہے:۔

"اِنّ کلامی ھذا قد جعل من المعجزات (ایں کلام من بطور معجزہ گردانیدہ شُد) وایّ معجزۃ اعظم من اعجاز قد وقع ظل القرآن وشانہٗ کلام اللہ فی کونہ ابعد من طاقۃ الانسان۔ (وکدام معجزہ ازاں معجزہ بزرگ تر خواہد بود کہ قرآن را ہم چوں ظل واقع شدہ وکلام الٰہی را در خارق عادت بُودن مماثل گشتہ)"

حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ نے مرزا صاحب کے اس معجزانہ کلام میں صرف "مقاماتِ حریری" سے ہی بیس مسروقہ عبارات کی نشاندہی فرمائی ہے، جہاں مرزا صاحب نے حریری کا کوئی حوالہ نہیں دیا۔ ان کے سیرت نگار ڈاکٹر بشارت احمد صاحب نے اپنی کتاب "مجددِ اعظم" میں اسے توارد قرار دیا ہے یعنی جس اعجازی اور الہامی کلام کا صدور اور وُرود انسانی طاقت سے بالا اور بعید قرار دیا جا رہا ہے اُس میں صرف "مقاماتِ حریری" سے بیس توارادات پائے جاتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ پیر صاحب "حضرتِ اقدس" مرزا صاحب کے مقابلہ پر لکھتے بھی تو کیا لکھ سکتے تھے۔ واقعی پیر صاحب کے کسی مُبتدی شاگرد سے بھی ایسا غلط کلام وجود میں نہیں آسکتا تھا جیسا آپ کے "حضرت اقدس" کے قلم سے صادر ہو رہا ہے: مثلاً اَلْاَرْضُ وَالسَّمَآءُ مَعَكَ كَمَا هُوَ مَعِىَ۔ جہاں نہ تثنیہ کی خبر ہے نہ تانیث کی۔

"شمسِ بازغہ"

حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ نے "سیفِ چشتیائی" میں کتاب "شمسِ بازغہ" کے صفحہ بہ صفحہ اندراجات کے علی الترتیب ایسے خاموش کُن اور مسکت جوابات دیئے کہ عُلمائے وقت میں، امروہی صاحب کے علمی افلاس کا ڈھنڈورا پٹ گیا۔ آپ نے "شمس الهدایۃ" میں مرزا صاحب سے محاورۂ قرآنی کے تحت کلمۂ طیبہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے معنی دریافت فرمائے تھے۔ مرزا صاحب نے اس کام پر اپنے ان بڑے مولوی صاحب یعنی امروہی صاحب کو مامور کیا تھا۔ کئی سال قبل حضرتؒ نے اپنی کتاب "تحقیق الحق" میں اس سوال کے اکثر پہلوؤں پر بحث فرمائی تھی۔ امروہی صاحب نے اُس کتاب کو کسی اُستاد سے پڑھے اور سمجھے بغیر مذکورہ بالا جواب دینے کے ضمن میں اس طرح استعمال کیا کہ ان کی کم فہمی کے باعث وُہ مسروقہ مضمون مُہمل اور بے ربط ہو کر رہ گیا۔ اور یہ صاحب ایک نقال طالب علم کی طرح بغیر سمجھے کئی صفحات سیاہ کرتے چلے گئے اور جب دیکھا کہ سوال کسی طرح بھی حل نہیں ہوا اور نہ ان کے

پلّے ہی کچھ پڑا ہے تو رفعِ ندامت کے لیے لکھا:۔

"واضح خاطرِ عاطرِ ناظرین ہو کہ ہم نے اِس جواب میں مؤلف کا ایسا تعاقب کیا ہے کہ جدھر کو مؤلف گیا ہے، اُدھر ہی کو ہم بھی اُس کے ساتھ ساتھ گئے ہیں۔"

حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ اس مقام کے متعلق فرماتے ہیں:۔

"ہاں بے شک یہ کہنا آپ کا بجا اور سچ ہے۔ نافہم طالبِ علم کا یہی وطیرہ ہوتا ہے کہ معلّم کے پیچھے طوطی کی طرح صرف الفاظ بعینہا کہتا چلا جاتا ہے۔"

اِس دلچسپ مضمون کا پورا لطف تو "سیفِ چشتیائی" میں مفصّل سوال و جواب پڑھنے سے ہی آسکتا ہے۔

حضرتؒ کی یہ تصنیف یعنی "سیفِ چشتیائی" اپنے نادر استدلال، بلند پایہ علمی مضامین اور مسئلہ زیرِ بحث پر سوال و جواب کے پیرایہ میں واضح اور دل نشین انداز اور تجزیہ کے باعث نہایت مقبول ہوئی اور آج نصف صدی گزرنے پر بھی بار بار طبع ہو کر ہاتھوں ہاتھ لی جارہی ہے۔ بلند پایہ علماء کے طبقہ میں تو بالخصوص اس کی بہت مانگ ہے اور وہی درحقیقت اس کی صحیح قدر و منزلت بھی کرسکتے ہیں۔ چنانچہ مولوی اشرف علی تھانوی اپنی تفسیر بیان القرآن میں آیت وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ (سورہ نساء - آیت ۱۵۷) کے ذیل لکھتے ہیں۔ "اور حیات و موتِ عیسوی کی بحث میں کتاب "سیفِ چشتیائی" قابلِ مطالعہ ہے۔" اِسی طرح دیوبند کے شیخ الحدیث علامہ انور شاہ کشمیری نے بھی اپنی کتاب عقیدۃ الاسلام فی حیوۃ عیسیٰ علیہ السّلام کے دیباچہ میں سیفِ چشتیائی کو مسئلہ حیاتِ مسیح پر ایک بہترین اور کافی و افی تحریر قرار دیا ہے۔

ایک اور صاحب کا قول ہے کہ قادیانیت کی تمام کائنات "سیفِ چشتیائی" کے اِن دو فقروں سے واضح ہو جاتی ہے:۔

اوّل تو یہ کہ مرزا صاحب قادیانی نے حضرت پیر صاحبؒ کی نسبت لکھا تھا کہ (معاذ اللہ) وہ خبیث ہے اور خبیث ہے وہ جو اُس کے مُنہ سے نکلتا ہے۔ اِس کے جواب میں حضرت پیر صاحبؒ فرماتے ہیں۔ کہ مرزا صاحب آپ مجھے تو بے شک مُنہ بھر کر گالیاں دے لیں۔ مگر چونکہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمارے مُنہ سے اکثر کلامِ ربّانی اور تسبیح و تہلیل کے پاک کلمات بھی نکلتے رہتے ہیں اس لیے اُنہیں گالی دے کر مستوجب سزا نہ ہوں۔

دُوم، مرزا صاحب نے لکھا تھا کہ معراج نبویؐ ایک اعلیٰ درجہ کا کشف تھا اور میں خود اِس قسم کے کشف میں صاحبِ تجربہ ہوں۔ اِس کے جواب میں حضرت پیر صاحبؒ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ

---

[1] حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کے کلمۂ طیبہ کے معنی والے سوال کے متعلق مولانا عبدالصمد سندوری اپنے ایک رسالہ موسومہ "امروہی کے شمس کا سفۂ کا دائمی کسوف" مطبوعہ کشمیری پریس لاہور میں لکھتے ہیں:۔ "کافۂ علمائے اسلام پر واضح ہو کہ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب رزقہ اللہ موجباتِ رضاۂ نے بمقابلہ لاف زنی مرزا غلام احمد قادیانی درباره عدیم المثال ہونے اپنے کے خدا شناسی اور تفسیر دانی میں امتحاناً اور محض اِس کے اتنے بڑے دعویٰ کو توڑنے کے لیے کلمۂ طیبہ کے معنی ظاہری طور پر اپنی کتاب "شمس الہدایۃ" کے ابتدا میں استفسار فرمائے تھے۔ جس کے جواب پر قادیانی صاحب باوجود لاتعداد اصراروں معتقدین و غیر معتقدین کے قادر نہ ہوسکے۔"

وسلّم کے معراج شریف کے نتائج میں تو پانچ وقتہ نماز ابدالدہر کے لیے ثابت ہُوئی۔ لیکن آپ کا کشف محمّدی بیگم کے نکاح کو اِس دُنیا میں ایک لمحہ کے لیے بھی وجُود میں نہ لایا۔[1]

حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کی اِس ضمن میں ایک پیش گوئی

سیفِ چشتیائی میں حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ نے ابنِ عساکر کی حدیثِ نزولِ ابنِ مریم روایت کردہ حضرت ابُوہریرہؓ درج فرما کر لکھا تھا کہ:-

"اِسی حدیث کے آخر میں حاجاً اور معتمراً ولیقفنّ علی قبری ویسلمن علیّ ولاردن علیہ موجُود ہے۔ اور ہم پیشین گوئی کرتے ہیں کہ مدینہ منورہ زادھا اللہ شرفاً میں حاضر ہو کر سلام عرض کرنے اور جواب سلام سے مشرف ہونے کی نعمت قادیانی کو کبھی نصیب نہ ہوگی۔"

چنانچہ یہ پیشین گوئی پُوری ہُوئی اور مرزا صاحب کو نہ حج نصیب ہوا اور نہ مدینہ منورہ کی حاضری ہی جو اِس حدیث کی رُو سے حضرت مسیح ابنِ مریم علیہ السلام یعنی مسیح موعُود کے لیے ایک نہایت ہی ضروری نشان ہے۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہونے کے بعد حج بھی کریں گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے روضۂ پاک پر حاضر ہو کر صلوٰۃ وسلام بھی عرض کریں گے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم اُنہیں قبرِ مُبارک سے سلام کا جواب بھی دیں گے۔

ہندوستان کے مشہور مُفتی اور عالم، اور ریاست رام پُور میں مدرسۂ عالیہ کے پرنسپل مولینا فضل حق رام پُوری نے ایک سال اجمیر شریف میں عُرس کے موقعہ پر حضرت بابُوجی مدظلہ العالی سے حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کی اِس تصنیف کے متعلق ذکر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ:-

"یُوں تو حضرتؒ کے کمالات بہت بیان ہوتے ہیں، لیکن میں تو اُس دماغ کا شیدائی ہُوں جس سے سیفِ چشتیائی ظہُور میں آئی ہے۔"[2]

حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کے مکتُوبات شریف سے بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ کی اِس نادر تصنیف نے عُلمائے عصر سے بے حد خراجِ تحسین حاصل کیا۔ آپ حضرت صاحبزادہ مولوی محمد چراغ سجادہ نشین چکوڑی شریف کو ایک جوابی مکتُوب "مہرِ چشتیہ" صفحہ ۶۳ میں تحریر فرماتے ہیں:-

---

[1] حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کی اِس تحریر کے پانچ چھ سال بعد مرزا صاحب بغیر اِس نکاح کے ہی رحلت کر گئے۔ اور اُن کا کشف معراج شریف کے مقابلہ میں جو وقعت حاصل کر سکا وُہ تمام عالم پر واضح ہے۔

[2] بہت ہی ثقہ حضرات سے معلوم ہوا ہے کہ مولینا موصُوف نے حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کی خدمت میں بیعت کے لیے عریضہ لکھا تھا جس کے جواب میں آپ نے ایک رُومال روانہ فرما کر اوراد و وظائف کی اجازت بخشی اور ارشاد فرمایا کہ آپ کی یہی بیعت کافی ہے زیادہ سفر کی تکلیف نہ فرائیں۔ مولینا موصُوف پکے وحدت الوجُودی تھے اور حضرت کی تصنیف "تحقیق الحق" سے بے حد متاثر تھے۔ اُنہوں نے اپنے اُستاد مولینا عبدالحق خیرآبادی کے والد بزرگوار مولینا فضل حق خیرآبادی کے رسالہ مسئلۂ وحدت الوجُود کی طرف اپنے شاگرد مولینا غلام محمد گھوٹوی، شیخ الجامعہ بہاول پُور کی رہنمائی فرمائی تھی۔ اِس رسالہ کو مولینا غلام محمد نے حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کی خدمت میں پیش کیا تو حضرتؒ نے مطالعہ کے بعد فرمایا کہ جس چیز کو صُوفیائے وجُودیہ نے ریاضات و مکاشفات سے حاصل کیا مولینا نے اُسے معقُول اور براہین سے پالیا ہے۔

"آپ نے وجہ اشاعتِ کتاب خوب پیدا کی ہے۔ ہر ملک سے مخالفِ اہلِ حق کی رسوائی کے متعلق روزانہ خطوط پہنچ رہے ہیں۔ علمائے اسلام اِس کتاب کی اشاعت سے بہت خوش ہیں اور دعائیں دیتے ہیں۔ اور یہ امر کسی ایک گروہ کے ساتھ مخصوص نہیں مقلدین اور غیر مقلدین صوفیائے کرام سبھی اظہارِ خوشنودی فرما رہے ہیں"۔ (ترجمہ)

ایک اور مکتوبِ گرامی مندرجہ صفحہ ۶، میں ازراہِ انکسار فرماتے ہیں :-

"یہی فقرے روزمرہ کتاب کے حق میں بذریعہ خطوط پہنچ رہے ہیں مخلصین تو میری ناتمامی اور شوقِ تحصیل سے بے خبر نہیں مگر ناواقف حضرات اپنے زعم میں اِس بے ہیچ کو زمرۂ علماء میں تصور کر کے ایسے ایسے القاب لکھ رہے ہیں کہ ندامت ہوتی ہے۔ خیر مرزا صاحب عیسیٰ وقت ہو گئے تو میں عالمِ عصر ہو گیا۔ بڑے میاں سبحان اللہ اور چھوٹے میاں واہ وا"۔ (ترجمہ)

"سیفِ چشتیائی" پر بہتانِ سرقہ کی حقیقت

سیفِ چشتیائی کی اشاعت کو تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ ستمبر ۱۹۰۲ء میں مرزا صاحب کے اخبار "الحکم قادیان" میں مولوی کرم الدین سکنہ ضلع جہلم اور اُن کے شاگرد شہاب الدین قادیانی کے خطوط کے حوالہ سے یہ خبر شائع ہوئی کہ مولوی صاحب مذکور کے عم زاد بھائی مولوی محمد حسن فیضی، مرزا صاحب کی تفسیر "اعجاز المسیح" کا جواب لکھ رہے تھے کہ ۱۸۔ اکتوبر ۱۹۰۱ء کو دردناک موت کا شکار ہوئے۔ اُن کے انتقال کے بعد اُن کے مضامین پیر صاحب نے سیفِ چشتیائی میں شامل کر لیے ہیں۔ ساتھ ہی مرزا صاحب نے یہ اعلان بھی کر دیا کہ دیکھ لو، میری الہامی پیش گوئی من قام للجواب وتنمر فسوف یریٰ انہٗ تندم وتدمر یعنی جو مخالف اِس تفسیر کا جواب لکھنے پر آمادہ ہو گا، نادم ہو گا اور ہلاکت اُٹھائے گا، پوری ہو گئی۔ فیضی بُری موت مرا اور پیر صاحب خود سرقہ مضامین کے ملزم بن گئے۔

یہ اعلان "تحفہ ندوہ" مطبوعہ ۶۔ اکتوبر ۱۹۰۲ء میں شائع ہوا۔ اور واقعات کی پوری تفصیل مرزا صاحب کی کتاب "نزول المسیح" میں درج ہوئی۔ بعد ازاں "کشتیٔ نوح" "مواہب الرحمٰن" اور "حقیقۃ الوحی" اور کئی دیگر رسالوں اور اشتہاروں میں بھی بطور نشان درج ہوتی رہی۔

مرزا صاحب نے "نزول المسیح" میں ان خطوط کی نقول درج کر کے یہ بھی لکھا کہ اُن کے مرید شہاب الدین کی کوشش سے یہ سرقہ مضامین برآمد ہو رہا ہے۔ مولوی کرم دین نے پیر صاحب کا ایک کارڈ بھی بھیج دیا ہے جس میں اعتراف کیا گیا ہے کہ فیضی کے نوٹ استعمال ہوئے ہیں۔ اور مولوی صاحب موصوف نے "اعجاز المسیح" کا وہ نسخہ بھی پیش کر دیا ہے جس کے حاشیہ پر فیضی کے نوٹ درج ہیں۔ اور جو بڑتال پر سیفِ چشتیائی کے متعلقہ مضامین سے حرف بحرف مطابقت رکھتے ہیں۔

پھر مولوی کرم دین اور اُن کے شاگرد کی طرف سے ۶۔ اور ۱۳۔ اکتوبر ۱۹۰۲ء کے سراج الاخبار جہلم میں ایک تحریر شائع ہوئی جس میں ظاہر کیا گیا تھا کہ مذکورہ بالا خطوط جعلی ہیں فیضی مرحوم کی بُری موت مرنے اور سیفِ چشتیائی میں اُن کے مضامین استعمال کرنے کے الزامات میں کوئی حقیقت نہیں۔ اور "اعجاز المسیح" کے حاشیہ پر ایک نیم خواندہ طالب علم کے ہاتھ سے "سیفِ چشتیائی" کے بعض مطبوعات محض اِس غرض سے نقل کرائے گئے تھے کہ مرزا صاحب کے مریدوں، خاص کر شہاب الدین پر اُن کے مسیح موعود کی ملہمیت کی قلعی کُھل جائے۔ یہ میاں شہاب الدین بحوالہ "الحکم" ۳۱۔ جولائی ۱۹۰۱ء مرزا صاحب کی بیعت میں تازہ ہی داخل ہوئے

تھے کہ اسی اثنا میں مولوی کرم دین کے زیر تبلیغ آ گئے۔ اب مولوی کرم دین چاہتے تھے کہ کسی طرح میاں شہاب الدین کو مرزا صاحب کی حقیقت سمجھ میں آ جائے۔

مرزا صاحب نے اپنے ایک بعد کے اشتہار مورخہ ۱۴ جون ۱۹۰۴ء میں مندرجہ بالا نیم خواندہ طالب علم کو خام نویس کے الفاظ سے خطاب کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:-

"یہ خطوط مجھے ایسے وقت ملے جب کہ میں کتاب "نزول المسیح" لکھ رہا تھا۔ سو وہ خطوط میں نے "نزول المسیح" میں درج کیے۔ ایسا ہی ایڈیٹر الحکم "اخبار" نے بھی ان خطوط کی بنیاد پر ایک مضمون اپنے اخبار میں مع نقل خطوط درج کیا۔ اخبار "الحکم" کے جواب میں ایک مضمون مولوی کرم دین کے نام سے سراج الاخبار جہلم مورخہ ۶۔ اکتوبر ۱۹۰۲ء اور ایک قصیدہ مولوی صاحب مذکور کی طرف سے سراج الاخبار مورخہ ۱۳۔ اکتوبر ۱۹۰۲ء میں شائع کیا جس میں اس نے یہ ظاہر کیا کہ یہ خطوط جعلی اور جھوٹے ہیں۔ اس میں یہ بھی لکھا کہ مرزا غلام احمد یعنی راقم کی ملہمیت کی آزمائش کے لیے میں نے اسے دھوکا دیا اور خلاف واقعہ خطوط لکھے اور لکھائے اور ایک خام نویس طفل کے ہاتھ سے نوٹ لکھا کر ان کو محمد حسن فیضی کے نوٹ ظاہر کیے۔ پھر اسی دھوکے کے ذریعہ چھ روپے بھی حاصل کیے اور راقم مضمون نے صرف اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ سراج الاخبار کے ان مضامین میں میری نسبت سخت الزام لگائے اور یہ شائع کیا کہ گویا میں جو بحیثیت ایک مامور من اللہ اور مصلح ہونے کے ایک کام کر رہا ہوں یہ تمام کام میرا مکر و فریب ہے۔"

(تبلیغ رسالت جلد دہم)

بہر حال یہ بات ہر محاذ پر تسلیم کر لی گئی کہ یہ غلط سلط نوٹ کسی عربی دان عالم کے قلمی نہیں ہو سکتے۔ مولوی کرم دین مذکور اس سے کچھ عرصہ ہی پہلے یعنی ۲۶۔ اگست ۱۹۰۲ء کو صدر جہلم میں قادیانی مبلغ مولوی مبارک علی کے ساتھ ایک پبلک مناظرہ کر چکے تھے۔ اور تعجب ہے کہ قادیانی حضرات نے ان پر اعتبار کیسے کر لیا اور ان کے جال میں کیونکر پھنس گئے۔ دراصل حضرت قبلۂ عالم قدس سرہ کی ذاتِ شریف سے قادیانیت کو جو زک پہنچی تھی اور جو گھاؤ آپ کی سیفِ چشتیائی نے لگائے تھے اس مذہب کی تاریخ میں ان کی مثال نہیں ملتی۔ لہٰذا مولوی صاحب کے زرخیز دماغ نے اس دام کے نیچے سیفِ چشتیائی کے سرقہ مضامین کا جو دانہ ڈالا اس کی کشش سے بچ نکلنا ممکن نہیں رہا تھا۔ چنانچہ فریقین میں مقدمہ بازی چل نکلی۔ اور گورداسپور کی عدالتوں میں پورے دو برس تک چلتی رہی۔ قادیانیوں نے مولوی صاحب پر تین فوجداری مقدمے کیے۔ جن میں سے ایک مقدمہ ازالۂ حیثیت میں مدیر سراج الاخبار کو چالیس روپے اور مولوی کرم دین کو پچاس روپے جرمانہ ہوا۔ اور باقی دو مقدمات میں انہیں بری کر دیا گیا۔

مولوی کرم دین نے بھی مرزا غلام احمد قادیانی اور حکیم فضل دین مالک مطبع و ناشر "الحکم" و کتاب "مواہب الرحمٰن" پر فیضی مرحوم کے ازالۂ حیثیتِ عرفی کا استغاثہ کیا جو اس بنا پر خارج ہو گیا کہ بیوہ اور نابالغ بیٹے کی موجودگی میں عم زاد بھائی کو ایسے استغاثہ کا حق نہیں پہنچتا۔ دوسرا استغاثہ مولوی صاحب نے ان ہر دو صاحبان کے خلاف ازالۂ حیثیتِ عرفی ذاتی کا کیا کیونکہ پہلے استغاثہ کے اخراج کی تاریخ کو ہی احاطہ کچہری میں مرزا صاحب نے اپنی کتاب "مواہب الرحمٰن" لوگوں میں مفت تقسیم کی جس میں مولوی کرم دین کو مذکورہ بالا دھوکہ دہی کے رنج و غصہ میں لئیم اور کذاب المہین کے خطابات سے موسوم کیا گیا تھا۔ اس مقدمہ میں مرزا صاحب کو پانچ صد روپے جرمانہ یا بعدم ادائگی جرمانہ چھ ماہ قید اور حکیم فضل دین کو دو سو روپے جرمانہ یا پانچ ماہ قید کا حکم ہوا۔ اگر اپیل پر انگریز سیشن جج نے ان کو اس لیے بری کر دیا کہ اپنی واضح اور ثابت شدہ فریب دہی کے باعث مستغیث یعنی مولوی کرم دین نے اپنے آپ کو ان خطابات

کا مستحق بنا لیا تھا۔

مرزا صاحب نے سرقہ مضامین کا الزام واپس لے لیا

مقدمہ حکیم فضل دین بنام مولوی کرم دین بجرم ۴۲۰/۴۱۷ تعزیراتِ ہند میں مرزا غلام احمد قادیانی کو بطور گواہ صفائی طلب کیا گیا اُنہوں نے مورخہ ۱۹۔ اگست ۱۹۰۳ء کو عدالت رائے چندو لال مجسٹریٹ درجہ اوّل گورداسپور میں شہادت دیتے ہُوئے بیان کیا :-

"پہلے میں نے قبل سراج الاخبار کے شائع ہونے کے خیال کیا تھا کہ دونوں[1] الہام متعلق مولوی محمد حسن فیضی و پیر مہر علی شاہ) سچے ہو گئے ہیں۔ مگر سراج الاخبار کے شائع ہونے کے بعد میں نے یقین کر لیا کہ یہ میری رائے غلط نکلی کیونکہ پیش گوئیوں کا مصداق قائم کرنا اکثر رائے سے ہوا کرتا ہے۔ یہ بات صرف رائے سے متعلق ہے نفسِ پیش گوئی کو اس سے کچھ تعلق نہیں"۔

الفاظِ بالا سے روشن ہے کہ سرقہ مضامین کا وُہ الزام جو "نزول المسیح" میں مرزا صاحب نے حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کی ذاتِ گرامی پر لگایا تھا، بزبانِ خود اُسے غلط تسلیم کر کے واپس لے لیا۔

گورداسپور کے مقدمات میں حضرتؒ کو بطور گواہ طلب کرنے کی قادیانیوں کی طرف سے کوشش ناکام

مندرجہ بالا مقدمات میں مرزا صاحب اور اُن کی جماعت نے بار بار کوشش کی کہ حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کو کسی طرح بطور گواہ عدالت میں طلب کیا جائے مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ قرائن سے تو حضرتؒ کی شہادت عدالت میں لازمی دکھائی دیتی تھی کیونکہ آپ کا مبیّنہ دستخطی کارڈ مسل مقدمہ پر آ چکا تھا۔ اب اُس کی تصدیق یا تردید آپ کی زبانی ضروری تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس تکلیف سے محفوظ رکھا۔ بظاہر وجہ یہ معلوم ہوتی تھی کہ عدالت کی رائے میں یا تو یہ پوسٹ کارڈ جعلی ثابت ہو چکا تھا اور یا ایسے حالات پیدا ہو گئے تھے کہ اسے غیر متعلق اور غیر مؤثر قرار دے دیا گیا۔ بہر حال فریقِ مخالف کی کوششِ بسیار کے باوجود عدالت آپ کو طلب کرنے پر آمادہ نہ ہُوئی۔ اِس کے متعلق حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کا ایک مکتوبِ گرامی صفحہ ۹۷ "مہرِ چشتیہ" پر بدیں مضمون موجود ہے :-

"میری شہادت اُس دعوےٰ میں ہے جو حکیم فضل دین بھیروی ثمّ القادیانی نے مولوی کرم دین صاحب پر گورداسپور میں کیا تھا۔ جس کی ایک تاریخ پر (جو ۱۶۔ دسمبر ۱۹۰۳ء تھی) میں نہیں گیا۔ اور نہ آئندہ جانے کا ارادہ ہے۔ اِلّا ان یشاء اللہ"۔

جب اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ نے اپنے ولی کے ارادہ کو پُورا فرمایا اور عدالت نے قادیانیوں کی چوتھی اور آخری درخواست بھی مُسترد کرتے ہُوئے حضرتؒ کی شہادت کو غیر ضروری قرار دیا تو آپ اُس کا ذکر اور شُکر اپنے ایک مکتوبِ گرامی مندرجہ صفحہ ۷۳ مہرِ چشتیہ میں اس طرح فرماتے ہیں :-

---

[1] پہلے الہام سے من قام للجواب وتنمّر فسوف یریٰ انّہ تندّم وتذ مّر (جو مخالف اِس تفسیر کا جواب لکھنے پر آمادہ ہوگا، نادم ہوگا اور ہلاکت اُٹھائے گا) کی طرف اشارہ ہے اور دُوسرے سے اِنّی مُھینٌ من اراد اھانتک (جو تیری اہانت کرے گا، اُس کی میں اہانت کروں گا) مُراد ہے اور اِن دونوں الہامات کو علی الترتیب مرزا صاحب نے مولوی محمد حسن فیضی اور حضرت پیر صاحب سے منسوب کیا تھا۔

"اللہ تعالیٰ شغولی کما حقہٗ فرمائے۔ مولوی صاحب کو بھی تکلیف سے رہائی ہو۔ چنانچہ اس نیازمند درویش کو بھی اُس قدیم الاحسان نے گورداسپور کی شہادت سے باوجود نہایت اصرار و مساعی مخالفین بچ لیا۔ اور وہ اصلاً مایوس ہوئے۔"

عدالت نے اپنے فیصلہ میں مولوی کرم دین کو حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کا مُرید لکھا ہے۔ یہ مُرید تو نہیں تھے مگر حضرتؒ کے عقیدت مند ضرور تھے اور آپ کے وصال پر ایک مرثیہ بھی تحریر فرمایا جو صفحہ ۳۴۴ پر شائع شدہ ہے۔ اپنی کتاب "تازیانۂ عبرت" میں بھی حضرتؒ کے ساتھ بے حد عقیدت اور نیاز کا اظہار کیا ہے اور گورداسپور کے مقدمات میں اتنی بڑی منظم اور بااثر جماعت کے مقابلہ میں تن تنہا ہوتے ہوئے محفوظ اور بالآخر کامیاب رہنے کو حضرتؒ کی خاص توجہ اور دُعا سے منسوب کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مولوی صاحب مرحوم پر رحم فرمائیں۔ اگر واقعات ایسے ہی تھے جیسے کہ بیان ہوئے ہیں۔ اور ان کی تہ میں کوئی اور نامعلوم واقعات یا مجبوری کارفرما نہ تھی تو ایک ایسے کام کے لیے جو دیگر معقول طریقوں سے بھی سُلجھ سکتا تھا۔ ایک ایسا طریق کار اختیار کرنا جس میں ان کے مرحوم عم زاد بھائی کی موت پر آوازے کسے گئے۔ حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ جیسی شخصیت گرامی کی تصنیف لطیف پر شبہات و اعتراضات کیے گئے۔ اور پھر خود ان کی اپنی ذات ایک طویل پریشانی اور زیر باری کا شکار ہوئی کس حد تک دانش مندانہ تھا۔

مولوی محمد حسن فیضی

اس جواں مرگ عالم و فاضل کا ذکرِ خیر اس کتاب میں "رُوئیدادِ جلسۂ لاہور" کے اُس ایڈریس سے چلا آرہا ہے جو اُس نے حضرتؒ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ یہ صاحب مدرسہ انجمن نعمانیہ میں نائب مدرس تھے اور اپنے پرنسپل اور غالباً اُستاد جناب مولینا غلام احمد کے ہمراہ حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کے عقیدت مندوں میں شامل تھے۔ بے نقطہ نظم و نثر لکھنے کے باعث فیضی مشہور ہو گئے تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک طویل بے نقط قصیدہ لکھ کر، مرزا غلام احمد قادیانی کے پاس سیالکوٹ جا پہنچے مگر مرزا صاحب اور اُن کے حاشیہ نشین تو اس کی املا تک پر قادر نہ ہو سکے۔ یہی وجہ تھی کہ جب مرزا صاحب نے حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کو تفسیر نویسی کا چیلنج دیا تو مولوی فیضی نے اُن کی علمیت سے واقفیت کے باعث ایک مطبوعہ اشتہار کے ذریعہ مرزا صاحب کو جواباً چیلنج کیا کہ حضرت پیر صاحبؒ کی ذاتِ گرامی تو بہت ہی بلند ہے۔ پہلے آپ میرے ساتھ اپنی ہی تمام شرائط پر تفسیر نویسی کا مقابلہ کر لیجیے۔

اس اشتہار میں اُنہوں نے بعض باتیں بہت پتے کی لکھیں:۔

۱۔ کسی عربی عبارت کے متعلق یہ دعویٰ کرنا کہ اس کے اندازِ فصاحت کا مقابلہ کوئی شخص نہیں کر سکتا، آج سے پہلے صرف قرآنی عبارت کا ہی خاصہ تھا۔

۲۔ بے شمار غیر مُسلم عرب فضلاء کی تصانیف، فصاحت و بلاغت میں اعلیٰ پایہ کی تسلیم کی جا چکی ہوئی ہیں۔ کئی غیر مُسلم بھی قرآن مجید کے مُفسّر اور حافظ ہو گذرے ہیں۔ اس لیے عربی نویسی رسالت اور مجددیت کا معیار نہیں ہو سکتی۔ اگر آپ کے مقابلہ میں اس مُلک کے عُلماء عربی نویسی میں ہار بھی گئے، تو بھی دُنیا کے عُلماء آپ کے دعویٰ کو تسلیم نہیں کریں گے۔ اور

۳۔ آپ نے حضرت پیر صاحبؒ کو دعوت کے اشتہار میں لکھا ہے کہ کوئی غلطی سہو یا نسیان پر محمول نہیں کی جائے گی۔ حالانکہ خود اسی اشتہار میں محصنات کو آپ نے دو دفعہ محسنات لکھ دیا ہے۔

مخالفین کا حضرتؒ کی تصانیف کو غیروں سے منسوب کرنے کا رجحان

حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کی تصانیف کو اغیار سے منسوب کرنے کی کوشش کوئی نئی چیز نہیں۔ اس سے پہلے بھی مرزائیوں نے "شمس الہدایت" کو جناب مولینا محمد غازی کی تالیف قرار دینے کی کوشش کی تھی۔ چنانچہ ڈاکٹر بشارت احمد قادیانی نے اپنی کتاب "مجدّدِ اعظم" مطبوعہ ۱۹۴۰ء میں اس کی طرف واضح اشارہ کیا ہے۔ اور اسی طرح ایک اور قادیانی سیرت نگار دوست محمد شاہد نے بھی "تاریخِ احمدیّت" حصہ سوئم میں فرضی روایات کی بنا پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت پیر صاحبؒ پہلے تو مرزا صاحب کے مدّاح تھے مگر مولویوں کے کہنے میں آکر مخالفت پر اُتر آئے۔ لیکن اربابِ فہم و درایت پر قادیانیوں کی یہ دیرینہ چالیں خُوب روشن ہیں۔

افسوس اِن لوگوں نے حضرتؒ کی تصانیف کو آپ کے تلامذہ اور مستفیدین کے ساتھ منسوب کرتے وقت یہ بھی خیال نہ کیا کہ اس منطق کا نتیجہ تو خود اُن کے خلاف جاتا ہے یعنی جب حضرتؒ کے بحرِ علم و عرفان سے پیاس بُجھانے والوں کی تحریرات نے عالمِ مرزائیّت میں اس قدر تہلکہ مچا دیا تو اگر آپ بنفسِ نفیس قلم اُٹھاتے تو کیا حشر برپا ہوتا۔ اور یہی وجہ تھی کہ مرزا صاحب، حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کے سامنے آنے کی جرأت نہ کر سکے۔

قادیانیوں کے علاوہ غیر مقلدین بھی "الفتوحات الصمدیہ" کو کبھی جناب مُفتی غلام مُرتضیٰ اور کبھی جناب مولینا محمد غازی کی طرف منسُوب کرتے رہے۔ نیز مولوی عبدُ الاحد خانپوری دوا فروش راولپنڈی نے بھی جھوٹ مُوٹ لکھ مارا کہ مولوی محمد غازی نے ایک جگہ ذکر کیا کہ حضرتؒ کی فلاں کتاب میں نے لکھّی ہے۔ اِس پر مولینا مرحوم کو اپنا حلف نامہ شائع کرنا پڑا کہ میں نے ایسا نہیں کہا اور یہ بیان میری طرف غلط منسوب کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر بشارت احمد کہتے ہیں کہ شمسُ الہدائت کی اُردو بے محاورہ ہے اور اسے پڑھتے ہُوئے آدمی پٹڑی سے اُتر جاتا ہے۔ وُہ درُست کہتے ہیں۔ کیونکہ ایک اُردو دان طبیب یا انگریزی دان فلاسفر، قرآن و حدیث اور مفسّرین و محدّثین کے محاورات کی پٹڑی پر واقعی نہیں چل سکتا۔ عام آدمی کا تو ذکر ہی کیا یہ واقعی ایسی دُشوار گذار پٹڑی ہے کہ اُن کی جماعت کے سب سے بڑے فاضل مولوی محمد احسن امروہی بھی محض کلمہ طیّبہ کے معنی سمجھنے میں اور خود مرزا صاحب اور حکیم نور دین حقیقتہ معجزہ کے سوال پر ہی اس سے اُتر جاتے ہیں۔

حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کے ملفوظات، محاورات اور اندازِ تحریر سلفِ صالحین کے رنگ میں ہیں۔ آپ سوچتے ہی عربی میں ہیں۔ اور یہی آپ کا اصل اور حقیقی فضل و کمال ہے۔ پھر اپنی عربی کی سوچ کو حسبِ ضرورت اُردو یا فارسی کے ترجمہ کا لباس پہناتے ہیں۔ "شمسُ الہدائت" کے ابتدائی حصّہ میں ہی حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ نے ڈاکٹر صاحب کے "اربابِ یوروپ" "تعلیم یافتگانِ لندن" اور اُردو خوان زعمی مولوی فاضل حضرات کو مخاطب کر کے اپنے محاوروں سے آگاہ فرما دیا ہے۔ قادیان کی سودیشی نبوّت تو عربی نویسی کو ہی اپنا کمال سمجھ رہی ہے۔ اور حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کی تو ماشاء اللہ یہ اپنے گھر کی چیز ہے جس کی کیفیت کوئی سمجھنا چاہے تو حضرت حاجی امداد اللہ علیہ الرحمۃ اور مولینا حاجی رحمت اللہ مہاجر مکّی سے پُوچھے۔ جناب مولینا لُطف اللہ علی گڑھی، مولینا احمد علی سہارن پُوریؒ۔ اُستاذ الکُل مولینا احمد حسن کانپُوری، عُلمائے دیوبند کے مقتدر مولوی اشرف علی صاحب تھانوی، فاضل اجل مولانا فضل حق رام پُوری، مولینا مولوی عبدُاللہ ٹونکی، علّامہ انور شاہ کشمیری اور مناظرِ زمان مولوی نذیر احمد انبیٹھوی سے دریافت کرے جو فرماتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کے فضل سے تمام علوم حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کے جلو میں دست بستہ حاضر اور تصرّف کے منتظر معلوم ہوتے ہیں۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

الجیٹھ بالجیٹھ

۱۹۰۴ء میں ختم ہونے والے قادیانی مقدمات کے بعد، ۱۹۰۸ء میں پھر ایک مرتبہ قادیانیت کی طرف سے حضرتؒ کے متعلق ایک کارروائی کا پتہ چلتا ہے۔ شائد اس سال مرزا صاحب نے پھر کوئی زبانی یا تحریری پیشین گوئی داغی ہوگی جسے سُن کر یا پڑھ کر نواب محمد حیات قریشی سکنہ ضلع سرگودھا کے والد بزرگوار میاں محمد قریشی جو حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کے پیر بھائی اور مُحب صادق تھے، پریشانی کے عالم میں گولڑہ شریف پہنچے اور عرض کی کہ مرزا قادیانی کہتا ہے۔ اس آنے والے جیٹھ کے مہینہ میں پیر صاحب گولڑہ کا انتقال ہو جائے گا۔ لہٰذا آپ اپنی حفاظت کا مناسب انتظام رکھیں مبادا کوئی حملہ کر دے۔ حضرتؒ نے اُنہیں تسلّی دے کر فرمایا کہ میاں محمد موت تو برحق ہے اور اُس سے مفر نہیں مگر تسلّی رکھو انشاء اللہ اس جیٹھ میں تو میں نہیں مرتا۔ جب اگلے جیٹھ کا مہینہ آیا تو مرزا صاحب کا انتقال ہو گیا۔ اُس سال جب سیال شریف کے عُرس پر ملاقات ہوئی تو حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ نے میاں صاحب سے فرمایا۔ اَلْجیٹھ بِالْجیٹھ یعنی جیٹھ جیٹھ سے بدل گیا۔

قادیانیت کے خلاف حضرتؒ کا معرکہ آپ کی اسلامی خدمات میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس کا چرچا برِّصغیر ہند سے نکل کر دیگر اسلامی ممالک تک بھی پہنچا۔ اُس وقت سے تمام مسلمان مؤرخ اور محقق اپنی کتابوں اور تحریروں میں تسلیم کرتے چلے آ رہے ہیں کہ حضرت قبلۂ عالم گولڑوی قدس سرہٗ کی علمی اور رُوحانی قیادت اس تحریک کی شکست میں ایک کارگر حربہ ثابت ہوئی۔ اس سلسلہ میں جناب ابُوالقاسم رفیق دلاوری جو ایک مشہور نقّاد اور محقق ہیں کی تصنیف ائمۂ تلبیس قابلِ ذکر ہے۔

معرکۂ قادیانیت کے متعلق حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کا ایک اہم بیان

ذیل میں ہم حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کے ایک اہم بیان پر اس طویل بحث کو ختم کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے جس سے اجمالی طور پر اس تمام معرکہ کا پس منظر سامنے آ جاتا ہے۔ یہ بیان سیفِ چشتیائی کی اشاعت کے موقعہ پر شایع ہوا تھا۔

"قابلِ توجہ اہلِ اسلام

اس ہیچمدان، خوشہ چینِ عُلمائے کرام کو مطابق قول السّلامۃُ فی الوحدۃ گوشہ نشینی پسند رہی ہے۔ تصنیف و تالیف کا شوق نہیں، کیونکہ یہ اُمور یا تو بغرضِ شہرت و نام آوری، یا بغرضِ حصولِ دولت کیے جاتے ہیں سو اس خاکسار کو ان دونوں اُمور سے نفرت ہے آج کل کے ابنائے زمان اُن کمالات کو پسند کرتے ہیں جو منجملہ تعلیماتِ یُورپ کے ہیں اور جس سے یہ عاجز ناواقف ہے۔ اُس طرزِ قدیم سے جس پر زمانۂ سلف کے بزرگان دین تصنیف و تالیف کرتے آئے ہیں اور جس سے اِس ہیچمدان کو قدرے موانست ہے، نفرت رکھتے ہیں۔

باوجود اِن موانعات کے چند احباب کے اصرار پر رسالہ شمس الہدائیت لکھا گیا تھا جس سے مُراد نہ تو طلبِ شہرت نہ حصولِ دولت تھی بلکہ اصل غرض یہ تھی کہ اعلاءِ کلمۃ الحق میں کوتاہی نہ ہو اور قیامت میں بازپُرس سے بچ جاؤں۔ اور اگر ان اوراق کی تصنیف سے گُم کردہ راہ رَو، براہ آ جائیں یا متزلزل الاعتقاد گمراہ ہونے سے بچ جائیں۔ تو عند اللہ مستحقِ ثواب ٹھہروں۔

اس رسالہ کے شایع ہونے سے کچھ مدت بعد مرزا صاحب قادیانی اور اُن کے مُریدوں کی طرف سے بجائے

کسی جواب کے مباحثہ کے لیے اشتہار شایع ہونے شروع ہوئے۔ ہر چند مباحثہ کے لیے کُل شرائط مرزا قادیانی نے خود ہی تجویز کی تھیں۔ اس طرف سے نہ تو کوئی شرط پیش ہوئی اور نہ کسی شرط کی ترمیم کی درخواست کی گئی اور یہ خادمُ الفقرا معہ عُلمائے کرام اور مشائخ عظّام تاریخ مقررہ پر لاہور پہنچ کر کئی روز تک محمدن ہال انجمن اسلامیہ پنجاب لاہور میں بغرضِ انتظارِ مرزا صاحب قادیانی ٹھہرا رہا۔ مگر مرزائے قادیانی، قادیان سے باہر نہ نکلا۔ اِس تمام واقعہ کی عوام نے بلا میری اطّلاع کے تشہیر کر دی تھی۔ اِس لیے اب اِس کی تشریح کی کوئی ضرورت نہیں۔

بہت دیر بعد "شمسُ الہدایت" کے جواب میں، مرزا قادیانی کے امروہی مُرید نے "شمس بازغہ" لکھی اور مرزا نے "تفسیر فاتحہ" چھپوائی تو دوبارہ اہلِ اِسلام اور میرے احباب نے مجھے مجبُور کیا کہ اِس کے جواب میں قلم فرسائی کروں گو بہت کچھ انکار کیا گیا۔[1] اور کہا گیا کہ ؎

آں کس کہ ز قُرآں و خبر زو نہ رہی
آں ست جوابش کہ جوابش نہ دہی

لیکن پھر بھی سوال پیش آیا کہ مرزا قادیانی اور اُس کے مُریدوں سے کیا غرض ہے، عوام مُسلمانانِ ہندو پنجاب کے فائدے کے لیے ہی سہی لہٰذا یہ چند اوراق لکھ کر مولوی محمد غازی صاحب کے حوالہ بغرضِ طبع کر دیے کہ وُہ اِسے کتاب کی صُورت میں چھپوا کر میرے پاس لائیں تاکہ یہ عُلمائے کرام اور معززینِ اِسلام میں بدستُورِ سابق مُفت تقسیم کی جائے۔ کیونکہ مجھے اِس کی اشاعت سے مقصود نفعِ اہلِ اِسلام ہے نہ کہ تجارت۔ وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ۔

مُحِبّ الفُقرا، مہر علی شاہ عفی عنہٗ"

---

[1] شاہی مسجد لاہور کے جلسہ کا حوالہ دیا گیا جس میں جُملہ عُلمائے کرام اور صُوفیائے عظّام نے آئندہ مرزا صاحب کو مخاطب کرنے سے منع فرمایا تھا۔

چھٹی فصل

تحریکِ وہابیّت کا مقابلہ

اُس زمانہ میں مملکتِ ہند میں وہابیّت نے زور پکڑنا شروع کر دیا تھا اور تصوّف و اہلِ تصوّف کو ہدف بنا رکھا تھا اس تحریک کو مولوی اسماعیل دہلوی اور مولوی عبد اللہ غزنوی ثم الامرتسری کی تعلیمات سے، غیر مقلّدین کے وجود اور خود اہلِ سُنّت میں سے کئی سرگرم داعی مل جانے کے باعث تقویّت ہوئی۔ یہ لوگ تاویلوں کے جال پھیلائے ہوئے بزرگانِ دین کے اعراس پر جا پہنچتے اور زائرین کو قبر پرستی اور حدیث شدّ رحال جس کا ذکر نیچے آئے گا، کے طعنے دے کر پھنسانے کی کوشش کرتے۔ جس کی وجہ سے اکثر سادہ لوح عقیدت مند ان کی باتوں میں آ کر بھٹک جاتے۔

پاک پتن شریف میں حضرت گنج شکرؒ کا سالانہ عُرس اس گروہ کی معاندانہ اور مخالفانہ کوششوں کا خصوصی مرکز بنا ہوا تھا۔ لہٰذا حضرت ثانی سیالوی کے ایما پر حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کئی سال تک اس تقریب میں شمولیت فرماتے رہے۔ اور امرتسر، قصُور و ریاست بہاولپور کے غیر مقلّد علما کے ساتھ توحید، شرک، سُنّت، بدعت، زیارتِ قبور، بہشتی دروازہ، نذر و نیاز اور پیری مریدی وغیرہ مسائل پر کئی اہم مذاکرات میں شرکت فرمائی۔ جن کی تفصیل اس کتاب کے "مناظرات" و "تصانیف" کے ابواب میں دی گئی ہے نتیجۃً کئی مناظرین نے اپنے مسلک سے توبہ کی اور متعدّد آپ سے بیعت بھی ہوئے۔

حدیثِ شدِّ رحال

حدیثِ بُخاری:۔ لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰی ثَلٰثَةِ مَسَاجِدَ (سفر کا اہتمام تین مساجد مسجد الحرام، مسجدِ نبوی، اور مسجدِ اقصیٰ کے سوا اور طرف نہ کیا کرو) کا یہ مطلب کبھی نہیں لیا گیا تھا کہ ان مساجدِ ثلاثہ کے علاوہ اور کسی طرف بھی حصولِ ثواب کی خاطر سفر ممنوع ہے ہمیشہ یہی معنی لیے جاتے رہے کہ ان مقدّس مساجد میں عبادت کا ثواب علیٰ فرقِ مراتب زیادہ ملتا ہے اور دُنیا کی باقی مساجد ثواب میں برابر ہیں کسی کو کسی پر فضیلت نہیں۔ چنانچہ اس مفہوم کی تائید مُسندِ امام احمد کی اس روایت سے ہوتی ہے جو بہ الفاظِ ذیل ہے:۔

لَا یَنْبَغِیْ لِلْمُصَلِّیْ اَنْ یَّشُدَّ رِحَالَهٗ اِلٰی مَسْجِدٍ یَّبْتَغِیْ فِیْهِ الصَّلٰوةَ غَیْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی وَمَسْجِدِیْ (یعنی کسی نمازی کو مناسب نہیں کہ کسی مسجد کی طرف ادائے نماز کی نیّت سے سفر کرے سوائے مسجدِ حرام اور مسجدِ اقصیٰ اور میری مسجد کے) تفصیل کے لیے فتح الباری اور عینی شروح بُخاری، کتاب التہجد باب فضل الصلوٰۃ فی مسجدِ مکّہ و مدینہ ملاحظہ ہوں۔

اس حدیث کے امتناعی احکام کو سب سے پہلے شیخ ابن تیمیہ نے زیارتِ روضۂ رسولؐ کے خلاف استعمال کیا۔ بعد کے دور میں عبد الوہاب نجدی اور اُن کے ہم مسلک اس نرالے استدلال سے کام لیتے رہے۔ ان کے علاوہ تمام اُمّتِ مُسلمہ نے

خیر القرون سے آج تک اِس حدیث شریف کا یہ مطلب نہیں لیا۔

تجزیۂ بالا کے بعد زیارتِ روضۂ رسولؐ سے منع کرنے والوں کے پاس اِس مسئلہ کے متعلق فقط یہ دلیل باقی رہ جاتی ہے کہ حج عرفات۔ جہاد، تحصیلِ علم، خدمتِ خلق، سیاست، تجارت یا دیگر شرعی ضروریات کے لیے سفر کا جواز تو اپنی اپنی جگہ واضح ہے لیکن نبی کریمؐ کی قبر شریف کی زیارت کے لیے سفر کا جواز کہیں سے ثابت نہیں ہے۔

نیز کہتے ہیں کہ ارشاداتِ قرآنی :۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝ (سورت نساء آیت ۶۴)

اور اگر یہ لوگ جب اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ آپ کے پاس آتے اور اللہ تعالےٰ سے بخشش مانگتے اور رسولؐ بھی اُن کے لیے بخشش مانگتے تو وُہ اللہ کو بخشنے والا مہربان پاتے۔

اور

وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ (سورت نساء آیت ۱۰۰)

اور جو کوئی راہِ خدا میں وطن چھوڑ جائے وُہ زمین میں کُشادگی اور وُسعت پائے گا۔ اور جو کوئی اللہ اور اُس کے رسولؐ کی طرف مہاجر ہو کر اپنے گھر سے نکلے۔ پھر اُسے موت آجائے تو بے شک اُس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

کے احکام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے وِصال کے بعد منقطع ہو چکے ہیں۔ اب نہ مُستغفرِین اُمّت کے لیے (معاذ اللہ) یہ سہارا باقی رہ گیا ہے۔ اور نہ دار الحرب کے مُسلمان مثلاً غدر کے زمانہ کے علمائے ہند یا اس کے بعد اشتراکیت اور مشرکین بھارت کے ستم زدہ ترکستانی یا کشمیری مُسلمان اپنی جانیں اور ایمان مکہ معظمہ و مدینہ منوّرہ میں سلامت لے جا کر مہاجراً الی اللہ و رسولہٖ کہلوانے کے مستحق ہو سکتے ہیں۔ لُطف کی بات یہ ہے کہ یہ حضرات اپنی نمازوں میں مسلسل و متواتر اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ کہتے چلے آرہے ہیں۔ جس سے مہاجراً الی اللہ و رسولہٖ مندرجہ آیتِ بالا کے مفہوم کی تائید ہوتی ہے۔

زیارتِ روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تائیدی احادیث

مندرجہ ذیل احادیث سے زیارتِ روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کا جواز ظاہر ہے۔ مخالف حضرات اِن سب احادیث کو ضعیف قرار دیتے ہیں مگر یہ تسلیم نہیں کرتے کہ جہاں تک ضُعفِ روایت کا تعلق ہے لَا تَشُدُّ الرِّحَالَ والی حدیث کے بعض راویوں کو بھی غیر معتبر اور عبداللہ بن نافع کو مجرُوح کہا گیا ہے۔

۱۔ مَنْ زَارَ قَبْرِيْ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِيْ

جس نے میری قبر کی زیارت کی اُس کے لیے میری شفاعت واجب ہو گئی۔

۲۔ مَنْ زَارَ قَبْرِيْ حَلَّتْ لَهٗ شَفَاعَتِيْ

جس نے میری قبر کی زیارت کی اُس کے لیے میری شفاعت جائز ہو گئی

۳۔ مَنْ زَارَنِيْ بَعْدَ مَوْتِيْ فَكَاَنَّمَا زَارَنِيْ فِيْ حَيَاتِيْ۔

جس نے میری موت کے بعد میری زیارت کی تو گویا اُس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔

۴ - مَنْ حَجَّ الْبَيْتَ وَلَمْ يَزُرْنِي فَقَدْ جَفَانِي۔

جس نے بیتُ اللہ کی حج کی اور میری زیارت کے لیے نہ آیا تو بے شک اُس نے مجھ پر ظلم کیا۔

۵ - مَنْ جَاءَنِي زَائِرًا لَا تَحْمِلُهُ حَاجَةٌ اِلَّا زِيَارَتِي كَانَ حَقًّا عَلَيَّ اَنْ اَكُوْنَ لَهُ شَفِيْعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ

جو کوئی میری زیارت کے لیے آیا۔ اور اُس میں میری زیارت کے علاوہ اور کوئی حاجت نہیں رکھتا تو مجھ پر واجب ہے کہ روزِ قیامت اُس کی شفاعت کروں۔

احادیثِ مندرجہ بالا میں نمبر ا و ۲ کے متعلق امام ابن حجر مکیؒ نے صَحَّحَهُ جَمَاعَةٌ مِّنْ اَئِمَّةِ الْحَدِيْثِ کے الفاظ اور نمبر ۳ کے متعلق امام سبکیؒ نے اَجْوَدُ الْاِسْنَاد کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ علاوہ ازیں شیخ محقق دہلویؒ نے بھی اپنی مشہور کتاب جذبُ القلوب میں احادیثِ مذکورہ سے استحباب موکد ثابت فرمایا ہے۔

زیارتِ قبور

علاوہ ازیں جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اپنے عمل شریف سے بھی ان احادیث کی تائید و تصدیق ہوتی ہے یعنی آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بارہا شہدائے اُحد اور جنت البقیع میں مدفون حضرات کی قبروں کی زیارت فرمائی والدہ ماجدہ کی مزار پر مقامِ ابوا تشریف لے گئے۔ صحابہ کرامؓ کو اہلِ قبور کی زیارت کی اجازت بخشی اور وہاں کے آداب مقرر فرمائے۔ اولیاء اللہ اور صالحین اُمت، سلف سے خلف تک، زیارتِ روضۃ الرسولؐ کے لیے سفر کرتے رہے ہیں۔ شیخ ابن تیمیہ اور محمد بن عبدالوہاب کی تعلیم کی روشنی میں تو اُمتِ مرحومہ کا تیرہ صد سالہ عمل غیر شرعی ہو جاتا ہے۔ اور تفقہ فی الدین اور استنباطِ مسائل کی حقیقت بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے۔ اور اجماعِ اُمت صرف وُہی رہ جاتا ہے جس میں مندرجہ بالا دو حضرات کو اختلاف نہ ہو۔

غیر مقلدین کے ساتھ مناظرات

اکابر علمائے اہلِ سُنت کی طرح حضرتؒ نے بھی نجد کے شیخ محمد بن عبدالوہاب کے بعض متشددانہ نظریات کو اپنی تصنیف سیفِ چشتیائی میں مسلکِ اہلِ سنت کے خلاف قرار دیا تھا جس کی وجہ سے بعض غیر مقلد وہابیوں کی طرف سے مناظرانہ چھیڑ چھاڑ شروع ہو گئی۔ حالانکہ اس سے پہلے حرمین شریفین اور دیگر ممالکِ اسلامیہ کے عُلماء اہلِ سُنت اپنی اپنی تصانیف میں فرقہ وہابیہ کو گمراہ اور خارجی قرار دے چکے تھے۔ چنانچہ علامہ زینی دحلان مفتی مکہ مکرمہ کی کتاب "الدرر السنیہ" اس پر شاہد ہے۔ اور فقہ حنفی کے مشہور عالم علامہ ابن عابدینؒ شامی نے بھی حاشیہ دُرِ مختار باب الخوارج میں فرقہ وہابیہ کو خوارج میں شمار کیا ہے اور اُس وقت کے اکثر عُلمائے ہند بھی محمد بن عبدالوہاب کی تردید میں بہت کچھ لکھ چکے تھے۔ چنانچہ مولوی محمد حیدر اللہ خان درانی المجددی النقشبندی اپنی کتاب "درۃ الدرانی" میں لکھتے ہیں کہ مؤرخ ملطبرون نے اپنی کتاب "جغرافیہ عمومیہ" مطبوعہ مصر کی تیسری جلد معربہ رفاعہ بک ناظر مدرستہ الالسنہ میں لکھا ہے کہ محمد بن عبدالوہاب نے لوگوں کے سامنے یہ عقیدہ پیش کیا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگرچہ خُدا کے رسُول اور دوست ہیں مگر اُن کی مدح اور تعظیم از قبیل شرک ہے اور چونکہ لوگوں کا یہ شرک اللہ تعالیٰ کو پسند نہ آیا لہذا اُس نے مجھے اپنی طرف سے بھیجا ہے تاکہ میں لوگوں کو سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کروں۔

پس جو کوئی مجھے قبول کرے گا وُہ دوستوں میں سے ہے اور جو میرا حکم نہ مانے گا وُہ عذاب کا مستحق ہے۔ اور اُس کا قتل بلاشبہ واجب ہے۔

عُلمائے مکّہ کی طرف ابنِ عبدالوہاب نجدی کا رسالۂ دعوت

محمد بن عبدالوہاب کا جو رسالہ عُلمائے مکّہ کی طرف بطور دعوت و حُجّت بھیجا گیا تھا اُس میں تحریر تھا کہ "جو شخص نبی کو اپنا ولی اور شفیع سمجھتا ہے وُہ اور ابو جہل شرک میں برابر ہیں۔ جو شخص اپنی حاجت کے وقت یا محمّد کہتا ہے اگرچہ اُن کے متعلّق سب باتوں میں بندۂ عاجز ہونے کا اعتقاد رکھتا ہو تو بھی مُشرک ہو جاتا ہے۔ اور تجھے اِن باتوں میں ہمارا شیخ ابنِ تیمیہ بس ہے۔ اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ محمّد کی قبر اور مشاہد اور مساجد اور آثار کی طرف سفر کر کے جانا شرکِ اکبر ہے۔"

اسی رسالہ میں مزید یہ تحریر تھا:۔

اَمَّا السَّابِقُوْنَ فَاللَّاتُ وَالسُّوَاعُ وَالْعُزّٰی وَاَمَّا اللَّاحِقُوْنَ مُحَمَّدٌ وَّعَلِیٌّ وَعَبْدُ الْقَادِرِ (معاذاللہ)

پہلے بُت لات اور سُواع اور عُزّیٰ تھے۔ اور پچھلے بُت محمّدؐ اور علیؑ اور عبدالقادرؒ ہیں۔ (معاذاللہ)

حالانکہ قرآن فرماتا ہے:۔

وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ (سورہ فتح ۹)

نبیؐ کو قوت دو اور اُن کی تعظیم کرو۔

اور فرماتا ہے:۔

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ (سورۂ حج آیت ۳۲)

شعائر اللہ کی تعظیم قلوب کے تقویٰ سے پیدا ہوتی ہے۔

اور شعائر اللہ کیا ہیں۔ قُربانی کے اُونٹ کو خدا شعائر اللہ میں شمار فرماتا ہے۔ وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ۔ پھر قرآن فرماتا ہے:۔

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رَاكِعُوْنَ ○ (المائدہ۔ آیت ۵۵)

تمہارا دوست تو اللہ اور اُس کا رسُول اور ایمان دار لوگ ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے اور عاجزی کرنے والے ہیں۔

اسی طرح نبی کریمؐ کو اپنا شفیع سمجھنے کے متعلّق قرآنِ کریم کا ارشاد ہے:۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا الرَّحِيْمًا ○ (النساء ۶۴)

یارسُول اللہ! اگر اِن لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا تو آپ کے پاس آتے اور اللہ سے اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرتے اور رسُول (یعنی آپ) بھی ان کے حق میں اللہ سے بخشش مانگتے تو یہ لوگ یقیناً اللہ کو توّاب اور رحیم پاتے۔

اور لَا تَشُدُّوا الرِّحَالَ اِلَّا اِلٰى ثَلٰثَةِ مَسَاجِدَ والی حدیث کی رُو سے مسجدِ نبویؐ کی طرف سفر کے استحباب سے تو آج وہابیوں کو بھی انکار نہیں لیکن اس کے باوجود ابن عبدالوہاب آنجناب کی مساجد اور آثار کی طرف سفر کو بدستور شرکِ اکبر کہہ رہا ہے۔ پس عرب معاصرین نے کچھ غلط نہیں کہا تھا کہ ابن عبدالوہاب نے علم کی کسی صنف میں بھی تکمیل نہیں کی تھی۔ اور طالب علمی کے ایام

میں محض مُسیلمہ کذاب اور اسود عنسی کے سوانحات ہی پڑھتا رہتا تھا۔ نیز علم و ادراک کی طرح قوتِ اظہار اور اسلوب کلام میں بھی ناقص تھا۔ البتہ جوشِ غضب اور اشتعالِ طبع میں منفرد تھا۔

محمد بن عبدالوہاب نجدی کی عُمدگی عقاید کے متعلق مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کا فتویٰ

تعجب ہے کہ مولوی رشید احمد گنگوہی فتاوٰی رشیدیہ میں شیخ محمد بن عبدالوہاب کے عقائد کو عُمدہ تحریر کرتے ہیں۔ حالانکہ ان میں سے ایک ایک عقیدہ کی براہِ راست زد خود مولوی صاحب کے اپنے شیخ اور پیر و مرشد حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ گرامی پر پڑتی ہے۔ جن کا ارشاد ہے:۔

شفیع عاصیاں ہو تم وسیلہ بے کساں ہو تم
تمہیں چھوڑ اب کہاں جاؤں بتا دو یا رسول اللہ
کرم فرماؤ ہم پر اور کرو حق سے شفاعت تم
ہمارے جرم و عصیاں پر نہ جاؤ یا رسول اللہ

نیز فرماتے ہیں

کہے ہے شوق نبی یہ آکر چلو مدینے چلو مدینے
میں ہوں گا دل سے تمہارا رہبر چلو مدینے چلو مدینے
ہلاکت امداد اب تو آئی جو فوج عصیاں نے کی چڑھائی
نجات چاہو تو اے برادر چلو مدینے چلو مدینے

اور مولوی رشید احمد گنگوہی کے برادرِ طریقت مولوی اشرف علی صاحب تھانوی اپنی کتاب شیم الحبیب شم الطیب میں فرماتے ہیں:

یَا شَفِیْعَ الْعِبَادِ خُذْ بِیَدِیْ	اَنْتَ فِی الْاِضْطِرَارِ مُعْتَمِدِیْ
دستگیری کیجیے میری نبی	کشمکش میں تم ہی ہو میرے ولی
لَیْسَ لِیْ مَلْجَاءٌ سِوَاکَ اَغِثْ	مَسَّنِی الضُّرُّ سَیِّدِیْ سَنَدِیْ
جز تمہارے ہے کہاں میری پناہ	فوجِ کلفت مجھ پہ آ غالب ہوئی
لَیْتَنِیْ کُنْتُ تُرْبَ طَیْبَتِکُمْ	فَالْتَثِمْتُ النِّعَالَ ذَاکَ قَدِیْ
کاش ہو جاتا مدینہ کی میں خاک	نعل بوسی ہوتی کانی آپ کی

بعض اہلِ طریقت "رجعت" کی زد میں

ابن عبدالوہاب پر کچھ گلہ نہیں وہ تو اِس کوچہ سے محض نابلد تھے۔ البتہ جب اِس مُلک کے بعض مدعیانِ طریقت بھی ان کے متشددانہ عقائد کو اپنا کر عشقِ رسولؐ کا راستہ ہمیشہ کے لیے بند کرتے نظر آتے ہیں تو حیرانی کی حد نہیں رہتی اور اِس طریق پر سوائے رجعت کے اور کسی لفظ کا اطلاق صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ مولوی عبداللہ غزنوی اور اُن کے صاحبزادے مولوی عبدالجبار اہلِ حدیث ہونے کے ساتھ ساتھ اہلِ طریقت بھی کہلاتے تھے۔ مولوی عبداللہ، سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں حضرت کوٹھہ والا رحمۃ اللہ

علیہ کے خلیفہ مجاز تھے۔ اور یہی حال مولوی حسین علی صاحب ساکن واں بھچراں کا تھا جن کے شیخ طریقت نے اپنے تجربہ و مشاہدہ کی بنا پر ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تو ذکر ہی کیا اُن کی تو بہت ہی بڑی شان ہے بعض اوقات آنجناب کے غلاموں پر بھی علم غیب عطائی کی کیفیات اِس طرح طاری ہوتی ہیں کہ تمام رُوئے زمین پر کوئی چیز بھی اُن کے مشاہدہ سے باہر نہیں رہتی۔ مگر مولوی حسین علی بول اُٹھے کہ میرے نزدیک تو ایسا عقیدہ کفر ہے۔

حضرتؒ کے فتویٰ کے خلاف مُخالفین کا اِشتہار

حضرتؒ سے غیر مقلد وہابیوں کی مخالفت کی اصل وجہ تو وُہی تھی جو قبل ازیں ذکر ہو چکی ہے لیکن مولوی عبداللہ غزنوی کے ایک مُرید مولوی عبدالاحد خان پُوری نے طاعون زدہ مقام سے خروج کے متعلق حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کے ایک فتویٰ کو سامنے لاتے ہُوئے بحث و مباحثہ کی ابتدا کی یہ مولوی رشید احمد گنگوہی کا فتویٰ تھا کہ

"طاعُون زدہ علاقہ میں بلا ضرورت جانا گناہ ہے اور طاعُون زدہ جگہ سے بخوفِ طاعُون بھاگنا حرام ہے البتہ ایک محلّہ سے دُوسرے محلّہ میں اور اُسی شہر کے آس پاس جنگلوں اور باغوں میں چلے جانے میں مضائقہ نہیں ہے۔ ہاں اگر سب بستی والے چھوڑ کر چلے جائیں اور ایک شخص بھی وہاں نہ رہے تو یہ درُست ہے۔"

اِس مضمون کا ایک فتویٰ مولوی عبدالغفار مدرّس مدرسہ انوار العلوم نوانگر ضلع بلیا نے بھی دیا تھا اور حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ نے ایک اِستفتا پر اِن فتوؤں کی تائید فرمائی تھی اور مزید تفصیلی بحث کر کے دلائل و براہین دیئے تھے۔ آپ کا یہ مفصل فتویٰ "فتاویٰ مہریہ" میں درج ہے۔

مولوی عبدالاحد خان پُوری کی تحریک پر حضرتؒ کے اِس فتویٰ کی تردید میں ایک اِشتہار جاری کیا گیا جس میں طاعُون زدہ مقام سے خرُوج کو، خواہ بقصدِ علاج اور حصُولِ صحت ہی کیوں نہ ہو مطلق حرام اور اِس کے جائز قرار دینے والے کو کافر کہا گیا۔ اور دلیل میں یہ آیت پیش کی گئی:-

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ۔ (البقرہ آیہ ۲۴۳)	کیا تُم نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جو موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے نِکلے حالانکہ وُہ ہزاروں تھے۔

اِس پر گولڑہ شریف کے ایک طالب علم مولوی قائم علی چشتی فاضل لاہوری نے اِس آیت کے متعلق مولوی صاحب خانپُوری پر بذریعہ اشتہار چند طالب عِلمانہ سوالات کیے اور لکھا کہ اگر مولوی صاحب بالمشافہ 'اٰمَنْتُ بِاللہِ' کے معنی پُوری طرح سمجھا سکیں تو اُنہیں مبلغ یک صد رُوپے بطور انعام دیئے جائیں گے۔

الفتُوحاتُ الصّمدیہ

اِس کے جواب میں مولوی عبدُالاحد نے ایک رسالہ مسمّٰی "البیان والاغاثۃ" تالیف کیا اور حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کو مخاطب کر کے دس علمی سوالات تحریر کرتے ہُوئے آخر میں لکھا کہ اگر پیر صاحب نے اِن سوالات کے جوابات تحریر فرمائے تو اُنہیں بھی مؤلف پر سوالات کرنے کا حق حاصل ہوگا۔ حضرتؒ کے ایک عقیدت مند مفتی غلام مُرتضیٰ مدرّس اعلیٰ دارُالعلوم نعمانیہ لاہور اِن سوالات کے جواب شائع کرنا چاہتے تھے مگر ایک مخلص کے مشورہ پر حضرتؒ نے خُود جوابات لکھوائے۔ اور ساتھ ہی بارہ سوالات بھی تحریر

فرمائے جو آپ کی کتاب "الفتوحات الصمدیہ" میں شایع ہُوئے۔ مولوی عبدالاحد کی کتاب "البیان والاغاثہ" کے جواب میں مُفتی صاحب موصُوف نے "التبیان والحماسہ" شایع فرمائی۔

یہ مولوی عبدالاحد خانپُور ضلع ہزارہ کے باشندے تھے۔ طبابت کرتے تھے۔ اَور وہابیّت کے اِلزام میں ترکِ وطن پر مجبور ہو کر راولپنڈی آ گئے تھے۔ یہاں گذرِ اَوقات کی معقُول سبیل نہ پاکر مولوی عبدالجبار غزنوی امرتسری کی سفارش پر دربار گولڑہ شریف میں چندے بطور مہمان اَور طالبِ علم قیام پذیر رہے تھے۔ قادیانی معرکہ میں حضرتؒ کے ہمراہ لاہور بھی گئے تھے اَور بعض کتابوں کا سبق لینے کے لیے آپ کے درس میں بھی شامل ہوتے رہے۔ اِن کی اپنی علمیت تو ایسی نہ تھی کہ وُہ دس سوالات تجویز کرتے۔ اِس لیے شرُوع سے ہی سب پر روشن ہو چکا تھا کہ امرتسر کی جماعتِ اہلِ حدیث اِس مناظرانہ چھیڑ چھاڑ کی پُشت پر ہے علیٰ ہٰذا القیاس حضرتؒ کے سوالات کی مخاطب بھی یہی جماعت تھی۔ حضرتؒ نے اپنے سوالات کے خاتمہ پر تحریر فرمایا تھا کہ

"گو ہمارے سوالات قریب ایک سَو کے لکھّے ہُوئے ہیں مگر بخیال اس کے کہ جواب سے جواب ہی ہو گا پھر کیوں تضیعِ اَوقات کریں۔ لہٰذا انہی پر اختتام کیا جاتا ہے"۔

عجالہ بر دو سالہ

جب اِن سوالات کو کیے ہُوئے دو سال گذر گئے اَور فریقِ مخالف کی طرف سے کوئی جواب شایع نہ ہوا تو جناب مولٰینا محمد غازی صدر الاساتذہ گولڑہ شریف نے ایک رسالہ "عجالہ بر دو سالہ" کے نام سے شایع کیا جس میں بعض مضامین حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کے افادات سے تھے۔ اِس دوران جماعتِ اہلِ حدیث کے بعض ارکان یہ بیان دیتے رہے کہ پیر صاحب کے سوالات کے جوابات عنقریب بڑی شان سے شایع کیے جا رہے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اِس جماعت نے اِس موضوع پر اپنے ہم خیال عُلمائے نجد اَور مصر سے بھی اِستفادہ کیا۔ اَور پُوری کوشش کی۔ مگر حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کی پیش گوئی کے مُطابق اُن سے قطعاً کوئی جواب نہ بن پڑا۔ اَور بالآخر مولوی عبدالاحد نے ایک ٹریکٹ شایع کیا جس میں اپنے سوالات کے بعض جوابات پر اِعتراض کرتے ہُوئے لکھا کہ چُونکہ ہمارے سوالات کے جوابات پیر صاحب نے تسلّی بخش نہیں دیئے ہیں اِس لیے پیر صاحب کے سوالات کے جواب دینے کی ہم پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی ہے۔

حضرت شیخِ اکبرؒ کی تائید میں اِنعامی دعوتِ مناظرہ اَور عُلمائے اہلحدیث کا سکُوت

مولوی صاحب خانپُوری نے اپنے رسالہ جات میں حضرت شیخِ اکبر محی الدّین ابن عربی قدس سرّہ العزیز کی شان میں تشنیع و تکفیر سے کام لیا تھا جس پر حضرتؒ کے کچھ عقیدتمندوں کی طرف سے ایک اشتہار شائع کر کے اہلِ حدیث کے عُلماء کو اِنعامی دعوتِ مناظرہ دی گئی مگر اُن کی طرف سے کوئی جواب موصُول نہ ہوا۔ البتّہ اُن کی جماعت کے ایک فاضل عالم مولوی ابُوالوفا ثناء اللہ صاحب نے اپنے اخبار "اہلِ حدیث" مورخہ ۱۴۔ فروری ۱۹۱۳ء میں مولوی صاحب خانپُوری کے طرزِ تحریر کی مذمت کی۔ اَور لکھا:۔

کچھ شک نہیں کہ قاضی عبدالاحد صاحب ہماری جماعت اہلِ حدیث کے بڑے سرگرم ممبر ہیں۔ اَیسے سرگرم ہیں۔ کہ بڑے بڑے نامور عُلماء اَور محدّث بھی آپ کے خیال میں اہلحدیث نہیں۔ اِس لیے ان کی نسبت زیادہ وزن دار رائے دینے کا ہم کو بہت زیادہ حق ہے۔ لہٰذا ہم خُدا لگتی کہنے کو برادری کے حقُوق سے مقدّم جان کر صاف کہتے

ہیں کہ ہمارے بھائی سراسر قصور وار ہیں۔ کیونکہ اِن کا لہجہ اور ادائے مطلب کا رنگ اور طرزِ تحریر مکروہ ہے اور نہایت مکروہ ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کوئی شریف آدمی نہ اِس قسم کی تحریر کر سکتا ہے نہ پڑھ سکتا ہے۔ قاضی صاحب چونکہ اہلِ حدیث اور ہمارے شہر (امرتسر) کے مقتدر عالم مولینا عبد الجبار صاحب غزنوی کے شاگرد اور مُرید ہیں اِس لیے اُن کے وطیرہ سے ہم بہت نادم ہیں[1] اور کھُلے لفظوں میں کہتے ہیں کہ اِن کی وجہ سے ہماری ساری جماعت اگر بدنام ہو تو بے جا نہیں۔ یہ ایسے صاحب کمال ہیں کہ جو اِن کے سامنے آیا، گالیوں کی بوچھاڑ سے ایسا کر دیتے ہیں کہ اُٹھ نہ سکے خواہ شُرفا کی نگاہ میں خُود ہی ذلیل ہوں۔"

حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کی تصنیف اعلاءُ کلمۃ اللہ

اِن ہی ایام میں اعلاءُ کلمۃُ اللہ کے نامِ نامی سے حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کی ایک تصنیف فارسی زبان میں شایع ہوئی جس میں وَمَا اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللہ کی تفسیر کے علاوہ سماعِ موتی، مسئلہ حُرمتِ ذبیحہ فوق العقدہ، اِستمداد از قبورِ صالحین وغیرہ پر تحقیق کے ساتھ ساتھ جماعت غیر مقلّدین کے اِعتراضات کا جواب بھی دیا گیا تھا۔ اِن میں بعض مسائل از قسمِ اِستمداد، سجدۂ تعظیمی، علمِ غیب، حاضر ناظر وغیرہ پر خُود مقلّدین میں شدید اِختلاف پیدا ہو گیا تھا اور بریلوی اور دیوبندی ناموں سے دو گروہ بن گئے تھے۔ اِن مسائل پر حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کے مسلک کے متعلق تفصیلی بحث تصانیف کے باب میں آئے گی۔ ملفُوظات اور مکتُوبات کے باب میں آپ کے اِرشادات سے پُوری طرح واضح ہو جاتا ہے کہ مقلّدین کے اِن فرقوں کے درمیان رفعِ اختلاف کا آپ کو کس قدر خیال تھا۔

---

[1] "شمسُ الہدایت" کی توصیف میں مولوی عبد الجبار صاحب کا ایک مکتُوب پہلے درج ہو چکا ہے۔ اب حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کی ایک اور مشہور کتاب "تحقیقُ الحق" کی تعریف میں مولوی صاحب ممدُوح کے صاحبزادے مولوی داؤد غزنوی کا یہ قول مُلاحظہ ہو کہ مُفتی محمد حسن صاحب جامعہ خیر المدارس ثُمّ جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور سے یہ کتاب عاریۃً برائے مطالعہ لے گئے۔ اور واپس طلب کیے جانے پر کہہ دیا کہ مولینا ایسی کتابیں ہاتھ آ جائیں تو واپس دینے کے لیے نہیں ہوتیں۔ مُفتی صاحب فرماتے تھے کہ میں خود یہ نادر کتاب عاریۃً ایبٹ آباد کے ایک دوست سے لایا تھا۔
(حسبِ روایت حاجی ملک محمد خُدا بخش ٹوانہ)

ساتویں فصل

حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ اور تحریکِ خلافت

انڈین نیشنل کانگرس نے اُنیسویں صدی عیسوی سے ہندوستان کی آزادی کی تحریک چلا رکھی تھی۔ بیسویں صدی کے آغاز میں ایک انقلابی پارٹی بنگال میں بھی پیدا ہو گئی۔ لیکن شمالی ہند اور پنجاب میں ان تحریکات کا کوئی خاص نمایاں اثر نہ تھا۔ کانگرسی تحریک تمام تر ہندوانہ تھی جس کا قومی ترانہ "بندے ماترم" تھا۔ یہ ترانہ کسی زمانہ میں بنگالہ کی اسلامی حکومت کے خلاف بغاوت پیدا کرنے کے لیے موزوں کیا گیا تھا۔ نیشنلسٹ یعنی کانگرسی مسلمانوں کا وجود آٹے میں نمک کے برابر بھی نہ تھا۔ کانگرس اپنے پورے زوروں پر اُس وقت آئی جب پہلی جنگِ عظیم (۱۸-۱۹۱۴ء) کے اتحادی فاتحین نے ترکی کے حصے بخرے کرنے شروع کیے اور مسلمان تحریکِ خلافت شروع کر کے دھڑا دھڑ کانگرس میں شامل ہونے لگ گئے۔ دورانِ جنگ کانگرس کے بڑے بڑے لیڈروں نے ہندوستان اور افریقہ سے برطانیہ کی بھرپور امداد کی تھی مگر اس کے باوجود اگر خلافتی مسلمان کانگرس میں شامل ہو کر اس کو تقویت نہ پہنچاتے تو ہندوؤں کا مطالبہ غالباً ڈومینین سٹیٹس (داخلی خود مختاری) سے آگے نہ بڑھ سکتا۔ یہ ہندو مسلم اجتماعی طاقت ہی تھی جس نے بالآخر حکومتِ برطانیہ کو جھکنے پر مجبور کر دیا۔

حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ اور ملکی سیاست

حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کا منصب چونکہ مسلمانوں کی مذہبی اور روحانی بہبود کا تھا۔ اس لیے آپ کا واسطہ ملکی سیاست سے اُسی حد تک پڑتا تھا جس حد تک وہ آپ کے اس منصبِ جلیلہ پر براہِ راست اثر انداز ہوتی تھی۔ جنگ کے ایام میں ایک زیادہ مستعد ریکروٹنگ آفیسر نے حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ صوبہ سرحد اور پنجاب کی اکثر مارشل قومیں آپ کی ارادت مند ہیں۔ اگر آپ انہیں ملک اور بادشاہ کی خدمت کے لیے فوج میں بھرتی ہونے کی ترغیب دیں تو نہ صرف میرے محکمہ کی مشکلات بہت حد تک آسان ہو جائیں گی بلکہ گورنمنٹ بھی بے حد مشکور ہو گی۔ حضرتؒ نے فرمایا، علمائے اسلام موجودہ حالات میں انگریزوں کی فوجی ملازمت کو جائز قرار نہیں دیتے۔ اگر کوئی شخص مجھ سے فوجی ملازمت کے متعلق دریافت کرتا ہے تو میں اُسے اس کی شرعی حیثیت سے آگاہ کر دیتا ہوں۔ آپ لوگ کسی مسلمان اہلِ علم سے توقع نہ رکھیں کہ وہ لوگوں کو خلافِ شرع کام کا مشورہ دے گا۔ چنانچہ جب کمشنر صاحب راولپنڈی نے آپ کو اسی قسم کا ایک پیغام بھجوایا جس میں آپ سے بعض مسلمان سیاست دانوں کو امتناعی ہدایات دینے کا مطالبہ کیا گیا تھا تو آپ نے یہ جواب تحریر فرمایا جو مکتوباتِ شریف میں طبع ہو چکا ہے:-

"از مہر علی شاہ۔ بجواب پیغام کمشنر صاحب

آپ کا پیغام در بارہ امتناعی ہدایت بعض مخالفین دولتِ برطانیہ پہنچا۔ اگر مجھے غیر اسلام اور غیر اہلِ اسلام کا طرفدار سمجھ کر مخاطب بنایا گیا ہے تو یہ خیال بالکل غلط اور خلافِ واقعہ ہے۔ اگر اس وجہ سے مخاطب بنایا

گیا ہُوں کہ گروہِ مخالفین دولتِ برطانیہ سے متفق نہیں ہُوں تو میرا تخالف بوجہ اصُولِ اسلامیہ تجاویز جزئیہ میں ہے نہ مطلقاً اَور نہ اصل مدعٰی اَور غایت و نتیجہ میں۔ مجھ سے مطلوبہ ہدایت اُسی صُورت میں متصور ہو سکتی ہے۔ کہ مقاماتِ مقدسہ مکّہ و مدینہ و بغداد و بیت المقدس پر قبضہ چھوڑا جائے۔ ورنہ معاذاللہ دائرۂ اسلام سے خارج ہو کر آپ کے پیغام کی تعمیل بالکل ناممکن ہے۔ والسّلام علٰی من اتبع الھدٰی۔ والحمد للہ اولاً و آخراً۔

العبد المشتکی الی اللہ الصمد عوبہ مہر علی شاہ بقلم خود۔ از گولڑہ۔"

تحریکِ خلافت کے اسباب

اسلامی دُنیا میں سُلطانِ ترکی کو مقاماتِ مقدسہ کے خادم اَور ایک بڑی اسلامی مرکزی سلطنت کے سربراہ کی حیثیت سے "خلیفۃ المُسلمین" کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا جب یورپ اَور امریکہ کا بزعمِ خود اِس مردِ بیمار کو عملاً ختم کر دینے کا منصوبہ مکمل ہو گیا تو برطانوی ہند کے مسلمانوں کو جو اپنی حکومت تو کھو چکے تھے مگر سلطنتِ عثمانیہ کو اسلامی شوکت کی آخری یادگار سمجھتے تھے اِنتہائی صدمہ ہوُا۔ چنانچہ عوام اَور سیاسی لیڈروں کے علاوہ فرنگی محل، ندوہ، دیوبند، تونسہ شریف اَور سیال شریف وغیرہ کے دینی اَور رُوحانی مراکز کے عُلماء اَور مشائخ بھی "خلافتِ اسلامیہ" کے تحفظ پر کمربستہ ہو گئے۔ حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کے بعض اصحاب مثلاً حضرت مولینا غلام محمد شیخ الجامعہ بہاول پُور، مولینا برکت علی پروفیسر اسلامیہ کالج پشاور، حکیم شمس الدّین وزیرآبادی اَور سیّد عطاءاللہ شاہ بُخاری امرتسری وغیرہ نے بھی اِس تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔

اِسلامی خلافت کے متعلق عُلمائے راسخین کا مسلک

حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ اَور بعض دیگر علمائے راسخین مثلاً حضرت سیّد دیدار علی شاہ الوری، جناب مولوی محمد علیؒ مونگھیری صُوبہ بہار کے علاوہ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی جو ہر مسئلہ کو خالص شرعی نقطۂ نظر سے دیکھنے کے عادی تھے۔ ترکی سلطنت کو اسلامی خلافت کا درجہ نہیں دیتے تھے تاہم اِن حضرات کی مکمل ہمدردی اُس وقت تک ترکوں کے ساتھ رہی جب تک اُن کی انقلاب پسند جماعت نے برسرِ اقتدار آکر اِس بات کا اعلان نہ کر دیا کہ ہماری حکومت کا کوئی مذہب نہیں۔ مثلاً جنگِ طرابلس اَور جنگِ بلقان میں حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ نے گھر کے زیورات اَور اصطبل کے گھوڑے تک بیچ کر ترکوں کی امداد کے لیے چندہ دیا تھا۔ طرابلس کی جنگ کے زمانے میں کئی بار غازی انور پاشا جو اُن دنوں انور بے کہلاتے تھے کا ذکر عزّت اَور محبّت کے لہجہ میں فرمایا اَور اُن کے حق میں دُعائے خیر فرمائی۔ حتیٰ کہ تحریکِ خلافت کے دِنوں میں بھی آپ نے اُن مخلصین کو جو اِس میں عملی حصّہ لے رہے تھے منع نہیں فرمایا۔

اپنے مسلک کے باوجود حضرتؒ نے مخلصین کو تحریکِ خلافت میں حصّہ لینے سے منع نہیں فرمایا

جیسے کہ اُوپر ذکر ہو رہا تھا اپنے شرعی مسلک کے باوجود آپ نے اپنے مخلصین کو تحریکِ خلافت میں کام کرنے سے منع نہیں فرمایا۔ چنانچہ اِس سلسلہ میں مولینا غلام محمد گھوٹوی شیخ الجامعہ بہاولپور لکھتے ہیں :-

تحریکِ خلافت کی ابتدا تھی۔ اَور میں اِس تحریک کا بہت بڑا علَم بردار تھا۔ حکومت نے میری گرفتاری کے وارنٹ جاری کر دیئے۔ مجھے کسی ذریعہ سے پہلے پتہ چل گیا۔ لہٰذا میں بھاگ نکلا اَور سیدھا گولڑہ شریف جا پہنچا

حضرت قبلۂ عالمؒ فجر کی نماز کے بعد مہمانوں کو رُخصت کر رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر فرمایا، غلام محمد کیا بات ہے۔ میں نے عرض کی کہ تنہائی میں عرض کروں گا۔ عادت مُبارک تھی کہ تنہائی اور خلوت کے وقت لوگوں کو اُٹھا دیتے تھے، مگر اُس روز خلافِ عادت، مسجد کے جنوب مشرقی منارہ کے پاس تشریف لا کر میری عرض کو استماع فرمایا اور ارشاد کیا کہ کل دس بجے جواب دُوں گا۔ چنانچہ دُوسرے دِن دس بجے بُلا کر ایک تعویذ عطا فرمایا اور زبان مُبارک سے فرمایا "بِحَوْلِ اللہِ وَقُوَّتِهٖ لَا یَقْدِرُ اَحَدٌ عَلَیْنَا۔ (اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور قوّت سے ہم پر کوئی ایک بھی قُدرت نہ پا سکے گا۔ حزب البحر) واپس چلے جاؤ کوئی بال بھی بیکا نہ کر سکے گا۔ میں نے عرض کی تقریریں کرتا رہُوں یا چھوڑ دُوں تو فرمایا جو میرا کام تھا میں نے کر دیا ہے۔ تقریریں کرنا یا نہ کرنا تمہاری اپنی رائے پر منحصر ہے"۔

گویا یہ آپ کے اُس اِسلامی نظریہ کا ثبوت ہے کہ فروعی معاملات میں اور مسائل میں اپنے اپنے دلائل کے پیشِ نظر ہر فریق آزاد ہے۔ البتہ تشدّد، تعصب اور ایک دُوسرے کے خلاف کیچڑ اُچھالنا تفریق فی الدین کے مترادف اور سخت ممنوع ہے۔

۱۹۰۸ء میں سُلطان عبدالحمید خان جب تختِ ترکیہ سے معزُول کیے گئے تو حضرت قبلۂ عالم قدس سِرّہٗ نے بہت رنج اور افسوس کا اظہار فرمایا تھا کیونکہ جیسے کہ بعد میں سب پر روشن ہو گیا یہ معزُولی دراصل سلطنتِ ترکیہ کے زوال و انتشار کا پیش خیمہ تھی۔ اِس کے بعد سب سے پہلے تو بلغاریہ ہاتھ سے گیا۔ پھر آسٹریا نے مختلف تُرکی علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ اٹلی نے ۱۹۱۱ء میں دُولِ مغرب کے اشاروں پر طرابلس میں جنگ چھیڑ دی۔ جس میں کافی علاقہ ترکوں کے ہاتھ سے جاتا رہا۔ پھر ۱۹۱۴ء میں پہلی جنگِ عظیم شروع ہونے پر شُومئی قسمت سے ترکوں نے جرمنی کا ساتھ دے کر اپنی رہی سہی طاقت بھی کھو دی۔ اتحادیوں نے عرب ممالک میں بغاوتیں کرا کر بتدریج ۱۹۱۶-۱۷ء تک شام، حجاز، فلسطین و عراق سب علیحدہ کرا لیے۔ اور وُہ عظیم تُرکی سلطنت جو سُلطان عبدالحمید خان کے زمانہ تک بلغاریہ سے بحیرۂ عرب اور طرابلس تک پھیلی ہُوئی تھی۔ فقط ایک مختصر سے علاقہ پر محدُود ہو کر رہ گئی۔ سُلطان عبدالحمید خان کے بعد ترکوں نے سلطان محمد خامس اور پھر سُلطان عبدالمجید خان کو خلیفہ بنایا۔ لیکن آخر کار ترکی میں نئی جمہُوریّت کے شوق نے خلافت کی بساط ہی اُلٹ کر رکھ دی۔ جس سے نہ صرف تمام عالمِ اسلام میں صفِ ماتم بچھ گئی بلکہ خود ترکوں کی اِسلامی مرکزی حیثیّت ختم ہو جانے کے باعث یہ صُورت اُن کے لیے بے حد ضُعف کا باعث بنی۔

یہ درُست ہے کہ سُلطان موصُوف میں کچھ خامیاں ضرُور رہوں گی۔ مگر جہاں تک دینداری اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے والہانہ عقیدت و محبّت کا تعلق ہے سُلطان ایک منفرد حیثیّت کا مالک تھا۔ پڑھے لکھے لوگ جانتے ہیں کہ جب پیرس میں جناب نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے متعلق ایک تھیٹریکل ڈرامہ اسٹیج کرنے کا منصُوبہ زیرِ تجویز تھا تو سُلطان عبدالحمید خان کس قدر غضبناک ہُوا تھا اور تلوار نیام سے نکال کر اعلان فرمایا تھا کہ جب تک عیسائی دُنیا بانیِ اسلام صلّی اللہ علیہ وسلّم کے متعلق اس ناپاک عزم سے باز نہیں آئے گی یہ تلوار باہر ہی رہے گی اور اِس مضمون کا ایک تار فرانسیسی حکومت کو بھی روانہ کیا تھا جس سے نہ صرف فرانس بلکہ تمام یورپ تھرّا اُٹھا تھا۔ اور معذرت خواہی کے ساتھ اُس پروگرام کو ختم کر دیا گیا تھا۔ یُونانیوں کے ساتھ سُلطان موصُوف کے مجاہدانہ کارناموں کا ذکر کرتے ہُوئے بیسویں صدی کے مشہُور مصری ادیب و شاعر احمد شوقی اپنی نظم صدی الحرب میں سُلطان سے خطاب کرتے ہیں:-

بسیفك یعلو الحق والحق اغلبُ   وینصر دین اللہ ایان تضربُ

(تیری تلوار کے ذریعہ حق کو بلندی ملتی ہے اور حق ہمیشہ غلبہ پانے والا ہے۔ اور جہاں جہاں تُو شمشیر کے جوہر دکھاتا ہے۔ دین کو مدد ملتی ہے)

علاوہ ازیں مولٰینا رحمت اللہ مہاجر مکّی کو جن کی حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ سے خاص عقیدت کا ذکر پہلے آ چکا ہے، سُلطان موصُوف نے مشہُور عیسائی مناظر پادری فنڈر سے مناظرہ کے لیے بصد اعزاز طلب فرمایا تھا جس کے فرار کے بعد مولٰینا کو بڑے تزک و احتشام کے ساتھ ہدایا و تحائف دے کر واپس مکّہ معظمہ روانہ کیا۔

حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کے فرزندِ ارجمند جناب بابُوجی مدظلّہٗ العالی آج تک سُلطان عبد الحمید خان کا نام بہت احترام سے لیتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ سُلطان کے عشقِ رسُولؐ کے باعث مجھے اُن سے غائبانہ اُنس ہے۔ چنانچہ جب آپ حضرت مولٰینائے رُوم رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کی زیارت کے لیے ترکی تشریف لے گئے تو خاص طور پر سلطان عبد الحمید خان کے مدفن پر جا کر فاتحہ پڑھی۔

تحریکِ خلافت میں ہندو کانگرس کے ساتھ تعاون کا مسئلہ

جب خلافت کا مسئلہ اپنے دیگر متعلقہ مسایل کے ساتھ بطور استفسار اِن عُلمائے ربّانیین کی خدمت میں پیش ہُوا تو اِن بزرگان نے اپنا مافی الضمیر نہایت واضح الفاظ میں بیان فرمایا اور رائے عامہ کی شدت کی ذرہ بھر بھی پرواہ نہ کی۔ اب مسایل نے اِس ترتیب سے صُورت اختیار کی۔

۱۔ کیا حکومتِ ترکیہ خلافتِ اسلامیہ نبویہ کا حُکم رکھتی ہے؟

۲۔ آیا خلافت کے اِستحکام کے لیے ہندو کانگرس کا تعاون اور اِن صُورتِ حالات کے تحت مُسلمانوں کے لیے مسٹر گاندھی کی قیادت جائز ہے؟

۳۔ آیا ہندوؤں کی معاونت حاصل کرنے کے لیے گئوکُشی کو بند کیا جائے؟ اور

۴۔ کیا انگریزوں کی اسلام دُشمن حکُومت کی وجہ سے ہندوستان دار الحرب بن چکا ہے اور مُسلمانوں کے لیے اس مُلک سے ہجرت واجب اور جائز ہو گئی ہے؟

پہلے مسئلہ پر کارکنانِ تحریکِ خلافت کا فتویٰ یہ تھا کہ سُلطانِ رُوم کی ترکی حکُومت اسلام کی رُو سے خلافتِ جاریہ ضروریہ کا حُکم رکھتی ہے۔

حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کا ارشاد تھا کہ صحیح حدیث کی رُو سے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے بعد صرف تیس برس تک اسلامی خلافت (راشدہ) قائم رہی۔ بعد ازاں سلطنت ہو گئی تھی جس کے لیے حدیث شریف میں "عضوضیت" اور جبر کا مفہُوم آیا ہے۔ اگر مذہبِ اسلام ایسی سلطنت کو خلافتِ جاریہ ضروریہ قرار دیتے ہُوئے اِس کے جواز کی ذمّہ داری قبول کرے تو یزید ابنِ معاویہ اور منصُور عباسی بھی، سلاطینِ جابرہ کی بجائے خُلفائے نبویؐ قرار پائیں گے۔ اور حضرت امام حُسین اور امام ابُو حنیفہ رضی اللہ عنہما جو ان کے حُکم سے شہید کیے گئے معاذ اللہ باغی کہلائیں گے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے "حجۃ اللہ البالغہ" جلد دوم کے باب الفتن میں بُخاری شریف کی حدیث کی رُو سے یزید کو دعاۃ الضلال "یعنی گمراہی کی طرف بُلانے والوں میں شمار فرمایا ہے۔ لہٰذا جو شخص ضلالت اور گمراہی کا داعی ہو اُسے کوئی بھی صاحبِ انصاف خلیفۃ المسلمین کے مقدّس منصب کا مستحق نہیں سمجھ سکتا۔

ہندوؤں کے ساتھ تعاون

کانگرس کے ساتھ تعاون اور مسایل ۲ تا ۴ مندرجہ بالا کے متعلق جناب شیخ الجامعہ حضرتؒ کے مسلک کو یُوں بیان کرتے ہیں:

"خلافت کمیٹی کی تفصیل یہ ہے کہ پہلی جنگِ عظیم میں جو اگست ۱۹۱۴ء کو شروع ہوئی تھی خلافتِ عثمانیہ نے انگریزوں کے خلاف اعلانِ جنگ کیا تھا جس میں بالآخر ترکوں کو شکست ہوئی اور بہت سے صوبے یعنی شام، فلسطین، عراق و عرب وغیرہ اُن سے چھن گئے اور ترکی شہنشاہیت کا خاتمہ ہو گیا۔ مسلمانانِ ہند اس واقعہ سے بہت پریشان ہوئے اور مولانا محمد علی مرحوم و مغفور نے تجویز کی کہ مسلمان اس مُلک سے ہجرت کر جائیں۔ مولانا محمد علی مسلمانوں کے مخلص لیڈر تھے اور بہت پُرجوش مسلمان تھے۔ مولانا تاج محمود سندھی نے اس تحریک کو عملی جامہ پہنایا اور مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد کو لے کر افغانستان کی طرف روانہ ہو گئے۔ اثنائے راہ اضلاع ہزارہ و پشاور کے ہزاروں مسلمان بھی اُن کے ساتھ ہو لیے۔

حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ سے جب اس کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس ہجرت کے جواز کی کوئی وجہ کتاب و سنّت اور دیگر دلائلِ شرعیہ سے نہیں ملتی۔ نہ اس قسم کی ہجرت صحابہؓ نے کی ہے۔ وُہ ہجرت تو اس واسطے تھی کہ مسلمانوں کو اقامتِ دین سے مُشرک منع کرتے تھے تا آنکہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو بمعہ جمیع بنی ہاشم و بنی عبد المطلب شعب ابی طالب میں محصور ہونا پڑا۔ مگر یہاں ایسے اسباب موجود نہیں۔ نیز ہندوستان میں سات کروڑ مسلمان ہیں۔ اگر بالفرض سب پر ہجرت فرض ہے تو کوئی مُلک اتنی بڑی جماعت کو بسا نہیں سکتا۔ پس بوجہ فقدانِ استطاعت یہ فرض ساقط ہے۔ اور اگر سب پر فرض نہیں بعض پر فرض ہے تو اس ترجیح بلا مرجح کی توجیہ نہیں ہو سکتی۔

نیز آپ نے فرمایا کہ سب سے پہلے مسلمانوں کو اپنی اصلاح کرنا چاہیئے۔ ہجرت کرنے والوں میں بہت تھوڑے نمازی ہیں۔ جب نماز جیسے ضروری امر کا التزام نہیں تو الاھم فالاھم کے اصل کے ماتحت پہلے اس فرض کو قائم کرنا چاہیئے۔

یہ بھی فرمایا کہ عنقریب اس غیر شرعی ہجرت کا نتیجہ خراب نکلے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ایک ہفتہ کے بعد مسلمانوں نے واپس آنا شروع کر دیا۔ بہت سے لوگ جو اصل میں جاسوس تھے اور ساتھ شریک تھے۔ اُنہوں نے مسلمانوں کو واپسی کی رغبت دلانی شروع کی۔ افغانستان کے تخت پر اگرچہ امان اللہ متمکن تھا جو انگریزوں کے خلاف تھا مگر وُہ اتنے کثیر تعداد لوگوں کی مستقل میزبانی و ضیافت سے کیسے نبرد آزما ہو سکتا تھا۔ مہاجرین میں اکثریت مفلس اشخاص کی تھی۔ چنانچہ جب واپس ہوئے تو بہت ذلّت اور خواری کا سامنا کرنا پڑا جاتے وقت اپنی زمینیں اور مکانات نہایت سستے داموں بیچ گئے تھے۔ واپس آئے تو رہنے کو ٹھکانہ بھی نہ تھا اور نہ گذران کے لیے کوئی ذریعہ معاش۔ جائدادیں زیادہ تر ہندوؤں نے خرید کر لی تھیں حتیٰ کہ پشاور کی تحصیل صوابی سب کی سب ہندوؤں کے ہاتھ بِک گئی تھی۔ آخر انگریزوں کے پاس جا کر منّت سماجت کی تو اُنہوں نے ایک قانون پاس کیا کہ مہاجرین کی زمینیں اور مکانات اُن ہی قیمتوں پر واپس کیے جائیں جن پر خریدے گئے تھے۔ اچنانچہ اس دور کے ایک مشہور سیاسی کارکن ظفر حسن ایبک اپنی کتاب "آپ بیتی" حصہ اوّل میں تحریک ہجرت کے متعلق رقمطراز ہیں "نتیجہ یہ ہوا کہ ہزاروں سادہ لوح مسلمان اپنے گھر بار سے محروم ہوئے۔ افغانستان پر مالی بوجھ پڑا۔ ہندوستانی مسلمان افغانوں سے اور افغان ہندوستانی مسلمانوں سے کبیدہ خاطر

ہُوئے۔ اگر کسی نے اِس سے فائدہ اُٹھایا تو وُہ صرف انگریز تھے"۔ ایک اَور مقام پر موصُوف لکھتے ہیں کہ اِن کارروائیوں سے ترکوں کو مدد تو ضرور ملی لیکن اِس سے ہندوستان کی آزادی کا راستہ نہ نکلا۔ صرف انگریزوں کے لیے ہندوستان میں قدرے پریشانی بڑھ گئی مگر اِن کو کوئی زیادہ نقصان نہ پہنچا)

دُوسرا مسئلہ اعانت کا تھا۔ خلافت کمیٹی کے ممبروں نے طے کیا کہ ہندوؤں اَور سکھوں اَور دیگر ہندوستانی قوموں سے امداد حاصل کرنی چاہیئے اَور مسٹر کرم چند گاندھی جو بعد میں مہاتما گاندھی کے نام سے مشہُور ہوئے خود بخود مُسلمانوں سے مِل گئے اَور اُن کے اِتباع میں باقی ہندو لیڈر بھی مسلمانوں کی ہمدمی کا دم بھرنے لگے۔ حتیٰ کہ ہندو مُسلم اِتحاد کا بہت بڑا پرچار شروع ہو گیا۔ اَور بڑے بڑے جوشیلے مُسلمان جن کی زبانیں شعلے برساتی تھیں کانگریس میں شامِل ہو گئے جو ایک بہت بڑی قومی جماعت متصوّر ہونے لگ گئی۔ کانگریس کی اِس قوت اَور ترقی کا اصل باعث اِس میں مُسلمانوں کی شمُولیت تھی جس نے اِسے ہندو کانگریس کی فرقہ دارانہ پوزیشن سے اِنڈین نیشنل کانگریس کی عمومی نمائندگی کی پوزیشن پر لا کھڑا کیا۔ اِس کی طرف مُسلمانوں کے رجُوع کا ایک اَور باعث بھی ہُوا اَور وُہ یہ تھا کہ مولینا محمُود الحسن دیوبندی جو بعد میں شیخ الہند کے نام سے مشہُور ہُوئے اِن ایّام میں جزیرہ مالٹا سے رہا ہو کر واپس ہندوستان تشریف لے آئے تھے اَور اِس تحریک کے بڑے حامی ہو چکے تھے۔ اِن کی معیّت میں بلکہ اِن کے اِتباع میں تمام دیوبندی علماء بہ استثنائے[1] جناب مولوی اشرف علی تھانوی اِس تحریک میں شامِل ہو چکے تھے۔ اِس وقت دو مسئلے شرعی پیدا ہو گئے۔ ایک یہ کہ دین کے کام یعنی احیائے خلافتِ اسلامیہ

---

[1] جناب مولوی اشرف علی تھانوی کے عزیز مولوی احتشام الحق تھانوی صاحب کا ایک بیان اخبار روزنامہ کوہستان مؤرخہ ۲۵۔ نومبر ۱۹۶۵ء میں آیا ہے جسے یہ دِکھانے کے لیے یہاں درج کیا جاتا ہے کہ دین میں گہری نظر رکھنے والے علماء مسٹر گاندھی کو کس نظر سے دیکھتے تھے:۔

"چند روز ہُوئے ایک محفل میں مولانا احتشام الحق تھانوی نے گاندھی جی کا ایک دلچسپ واقعہ سُنایا۔ فرمایا کہ تحریکِ خلافت کا ابتدائی زمانہ تھا اَور مُسلمان ابھی پُوری طرح میدان میں نہیں اُترے تھے۔ تحریک میں گاندھی جی کی دلچسپی بعض دُور اندیش مُسلمانوں کے لیے حیرت کا مُوجب بنی ہوئی تھی۔ اَور آپس میں یہ پُوچھا جا رہا تھا کہ گاندھی جی کس مقصد کے تحت تحریک پر اتنے مہربان ہیں۔ اِنھی ایّام میں گاندھی جی نے حکیم اجمل خان مرحُوم کو مشورہ دیا کہ تحریک کے لیڈروں کو چاہیئے کہ مولویوں اَور مذہبی دیوانوں کو اپنے ساتھ ملائیں۔ گاندھی جی کا خیال تھا کہ اِن کے مِلائے بغیر تحریک قوت نہیں پکڑ سکتی اَور عوامی تحریک نہیں بن سکتی چنانچہ اِس مشورے کے مُطابق خلافت کے زُعماء کا ایک وفد جس میں حکیم اجمل خان، مولینا محمد علی، مولینا شوکت علی اَور دُوسرے لیڈر شامِل تھے بہار کے ضِلع مونگھیر میں مولینا محمد علی مونگھیری سے مِلنے کے لیے گئے۔ مولینا صرف اپنے علاقے میں ہی نہیں بلکہ اِس سے باہر بھی بڑی مؤثر شخصیت تھے۔

مولینا محمد علی مونگھیری اَور مسٹر گاندھی کا مکالمہ

وفد کے ہمراہ جب گاندھی جی بھی مولینا کی خدمت میں حاضر ہُوئے تو گاندھی جی نے مولینا سے بہت اَدب کے ساتھ کہا کہ مولینا، میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی سیرت کا مُطالعہ کیا ہے۔ اَور حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی شخصیت سے بے حد متأثر ہوا ہُوں۔ آپ دُنیا کے عظیم ترین اِنسان تھے۔ اِس کے علاوہ میں نے قرآن حکیم کا مطالعہ کیا ہے۔ یہ عظیم کتاب ہے اَور اِس (باقی آئندہ صفحہ پر)

میں کافر کی امداد لینی جائز ہے یا نہیں۔ دُوسرے عدم تعاون یعنی گورنمنٹ انگلشیہ سے ترکِ موالات و ترکِ تعاون۔ کیونکہ جو حضرات کانگرس میں شامل ہو گئے تھے وُہ ہندوؤں کے ساتھ تعاون اَور موالات کے بے حد حامی تھے اَور انگریز کے ساتھ تعاون و اشتراکِ عمل کے سخت مُخالف۔ ہندوؤں کے لیے گئو ہتیا ناقابلِ برداشت تھی اِس لیے اکثر بڑے بڑے کانگریسی مُسلمانوں نے زور شور سے کہنا شروع کر دیا تھا کہ گائے کا ذبیحہ ہندوستان میں موقوف ہونا چاہیئے۔ حکیم حافظ محمد اجمل خان مرحوم و مغفور نے تو اِس کے متعلق علماء سے ایک فتویٰ بھی حاصل کر لیا تھا۔ اَور امرتسر کے مولوی عبدالحق ایڈیٹر رسالہ "اہلسنت والجماعت" نے ایک رسالہ گائے کے گوشت کی کراہت میں بھی لکھ ڈالا تھا۔ کہتے ہیں مہاتما جی سے جب ہندو سوال کرتے کہ آپ مسلمانوں کے ساتھ اِس قدر کیوں مِل گئے ہیں تو وُہ فرماتے تھے کہ میں گائے کی حفاظت کے لیے مُسلمانوں کو اپنے ساتھ مِلا رہا ہُوں۔ چنانچہ گائے کے ذبیحہ کی رسمی ممنوعیت کا بھی ایک مسئلہ پیدا ہو گیا تھا۔ غرض مُسلمانوں کی بڑی بڑی جماعتیں یعنی خلافت کمیٹی اَور جمعیۃ العلمائے ہند اپنے لائحہ عمل کو، کانگریس کے پروگرام کے مُطابق تیّار کرتی تھیں۔ اَور کانگریس کی کرتا دھرتا چُونکہ صرف مہاتما گاندھی کی ذات تھی۔ اِس لیے گویا مہاتما جی تمام ہندوؤں اَور مُسلمانوں کے مُشترکہ اَور واحد لیڈر رہتے۔ جو بھی فرماتے اُس کی تعمیل ہوتی۔ اُن کی خوشنودی کی خاطر مُسلمان مقرر جلسوں میں ابتداہی ذبیحہ گاؤ کی ممانعت کے مسئلہ سے کرتے۔ مہاتما جی نے عدم تعاون، کھدر کے پرچار اَور چرخہ کاتنے کی تحریک چلائی اَور کانگریسی مُسلمانوں نے اِن سب پر صاد کیا۔ غرضیکہ ایک مہاتما کی ذات محور تھی اَور تمام ہندوستان اُن کے گرد گردش کُناں تھا۔

حضرتؒ سے جب سوال کیا گیا کہ مہاتما جی جو سناتن دھرمی ہندو ہیں اَور جن کا ارشاد ہے کہ میں بُت پرست ہُوں اَور بُت پرستی پر فخر کرتا ہُوں۔ کیا مُسلمانوں کے لیے اُن کے احکام کے تحت چلنا شرعاً جائز ہے یا نہیں۔ تو آپؒ نے ناجائز فرمایا اَور کہا کہ مُسلمان کے لیے چار اُمور پر عمل پیرا ہونے کا حکم ہے۔ (۱) کتاب اللہ (۲) سُنّتِ رسُول صلی اللہ علیہ وسلّم (۳) اجماع الاُمّۃ (۴) قولِ مُجتہد۔ مہاتما گاندھی (قِسم کے لوگوں) کے قول کا اِتباع کہیں نہیں آیا۔ بلکہ لاتترٰی ناراھما کا حکم تو حدیث میں ہے یعنی مُسلمانوں اَور مُشرکین کی آگ بھی ایک دُوسرے

(حاشیہ بقیہ صفحہ گذشتہ)

نے میرے دِل و دماغ پر گہرا اثر کیا ہے۔"

مولینا مونگھیری گاندھی جی کی اِن باتوں کو خاموشی سے سُنتے رہے اَور جب گاندھی جی اپنی بات کہہ چکے تو مولینا نے پُوچھا۔ "مجھے تو آپ اسلام کی وُہ بات بتایئے جو آپ کو پسند نہیں آئی۔ اَور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی سیرت کے اُس کمزور پہلو سے آگاہ کیجیئے جسے آپ نے اچھا نہیں سمجھا" گاندھی جی اِس سوال کے لیے تیّار نہ تھے۔ کچھ چونکے اَور فوراً بولے۔ "ایسا تو کوئی پہلو میری نظر میں نہیں آیا۔" اِس پر مولینا مونگھیری نے سوال کیا۔ "تو پھر آپ نے ابھی تک اِسلام قبول نہیں کیا؟" گاندھی جی کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ مولینا خفا ہو گئے اَور فرمایا کہ آپ نے جو کچھ کہا غلط ہے۔ آپ ہمیں صرف پھانسنا چاہتے ہیں۔ صیّاد بھی پرندوں کو پکڑنے کے لیے اُنہی کی بولیاں بولا کرتا ہے۔" (مسٹر احسان بی اے کی ڈائری)

حضرت مولینا محمد علی مونگھیری بہار کے ایک مشہور شیخ طریقت اَور حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کے اُستاد بھائی تھے۔ سہارن پُور میں حضرت مولینا احمد علی محدث کے شاگردانِ عظام سے تھے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما۔

کو نہ دیکھے گی۔

عُلمائے تحریکِ خلافت نے قزمان مُنافق کا قصہ پیش کیا اور اِنَّ اللّٰہَ لَیُؤَیِّدُ ھٰذَا الدِّیْنَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ (بے شک اللہ تعالیٰ اِس دین کی مدد ایک فاسق فاجر سے بھی کرا لیتا ہے) والی حدیث پیش کی تو حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ نے فرمایا کہ لَا اَسْتَعِیْنُ بِمُشْرِکٍ (میں مُشرک سے مدد نہیں لیتا) کا بھی جنگ بدر کے موقعہ پر صراحتہً ورُود ہے اور مُنافق پر اِسلام کے ظاہری احکام نافذ ہوتے ہیں۔ تا آنکہ ایک وقت اُن کے جنازے بھی پڑھے جاتے تھے اور وُہ نمازیں مسلمانوں کے ساتھ شریک ہوا کرتے تھے۔ ہاں کافر محاہر سے کہیں اعانت طلب فرمائی ہو تو دکھلایئے اور اِنَّ اللّٰہَ لَیُؤَیِّدُ ھٰذَا الدِّیْنَ والی حدیث میں اللہ تعالیٰ کے تائید فرمانے کا ذکر ہے تو اللہ تعالیٰ تو ہر طرح اپنے دین کی تائید فرماتے ہیں۔ وُہ کوئی مکلف نہیں ہیں کہ یہ کریں وُہ نہ کریں مگر مسلمان مکلف ہے۔ اس کو وَلَا تَرْکَنُوْٓا اِلَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّکُمُ النَّارُ سورہ ھُود۔ ۱۱۳ (مت جھکو ظالموں کی طرف پس لگے گی تم کو آگ) کا حکم ملا ہوا ہے۔ وُہ کیسے مُشرک سے اعانت طلب کر سکتا ہے۔ این الثریا من السھا۔

بعض لوگ اس آیت سے ہندوؤں کی موالات پر دلیل لاتے تھے:۔

لَا یَنْھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَلَمْ یُخْرِجُوْکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ اَنْ تَبَرُّوْھُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَیْھِمْ۔

سورہ الممتحنہ ۔ ۸

اللہ تعالیٰ تمہیں منع نہیں فرماتا اُن لوگوں سے کہ تم سے نہیں لڑے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا۔ یہ کہ تم اُن سے انصاف اور احسان کرو۔

مگر یہ غور نہ کرتے تھے کہ اس آیت کا حکم کیا ہے۔

الغرض حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ نے ہندو سے موالات کے جواز کا اِنکار فرمایا۔ بلکہ فرمایا کہ یہود اور مُشرکین کی عداوت قرآن شریف میں صراحتہً مذکور ہے پس ترک موالات ہندو اور انگریز اور یہود سب سے ہونی چاہیئے تفریق اور ترجیح بلا مرجح ٹھیک نہیں۔ نیز آپ نے کھدر کے استعمال کو تسلیم نہ کیا اور فرمایا کہ فقہ اور دین کی کتابوں میں ایسا کوئی حکم نہیں۔ اور ذبح گاؤ کی قباحت کو آپ نے ردّ کیا۔ فرمایا ذبح گاؤ کی خُوبیاں اور فضیلت مذکور ہے اِس طرح آپ نے مہاتما جی کی تمام باتوں کو تسلیم کرنے سے انکار فرمایا جس کی وجہ سے سب لیڈر آپ سے ناراض ہو گئے۔

تعجب ہے کہ بعض لیڈر عین جنگ کے زمانہ میں گورمنٹ کی اعانت کرتے رہے اور رنگروٹ بھی بھرتی کراتے رہے۔ مگر حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ جنگ کے دَوران میں بھی حکومت کی برابر مخالفت کرتے رہے۔ فوجی بھرتی کو بھی ناجائز قرار دیا اور ریکروٹنگ آفیسر کو بھی واضح الفاظ میں بتلا دیا کہ میں فوجی بھرتی کا مخالف ہُوں۔ مجھ سے یہ توقع نہ رکھیں کہ مَیں مخلصین کو فوج میں بھرتی ہونے کا مشورہ دُوں گا۔ مگر جب بعض لیڈروں کو حسبِ خواہش مربعہ جات اراضی نہ ملے تو وُہ مخالفت پر تُل گئے اور حضرت کو سرکار کا خیر خواہ ظاہر کرنا شروع کر دیا۔

انگریز حکومت کی طرف سے جاگیر کی پیش کش

یہاں پہنچ کر حضرت شیخ الجامعہؒ لکھتے ہیں کہ اس موقعہ پر حکومتِ برطانیہ نے چار سو مربع نہری زمین کی جاگیر حضرت قبلۂ عالم قدس سرۂ کو دینے کی پیش کش کی تھی۔ اس ضمن میں گورنمنٹ کا جو افسر حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اُس نے اس جاگیر کے بے ضرر بلکہ قانوناً اور اخلاقاً جائز ہونے کے یہ دلایل پیش کیے کہ حکومت پر واجب ہوتا ہے کہ اپنی رعایا کی تعلیمی بہبود کے لیے مالی امداد دیتی رہے۔ چنانچہ مختلف کالجوں اور یونیورسٹیوں کو گرانٹ دی جا رہی ہے۔ یہ خانقاہ بھی ایک تعلیمی ادارے کا حکم رکھتی ہے جہاں رعیت کا ایک بڑا حصہ دینی تعلیم اور رُوحانی تربیت حاصل کرنے کے لیے حاضر رہتا ہے۔ پس یہ گرانٹ انہی لوگوں کی امداد کے لیے ہے۔ ہم سے پہلے مغل اور پٹھان حکومتیں بھی رعایا کے ہندو، مُسلم، جینی اور سکھ طبقوں کو ایسی جاگیریں دیتی چلی آئی ہیں جو ہم نے بدستور قائم رکھی ہوئی ہیں۔ ہر نئی حکومت کو ایسی چیزیں وِرثے میں ملتی ہیں۔ اور وہ ان کے قیام کے لیے بین الاقوامی دستور کے ماتحت ذمہ دار ہوتی ہے۔

اِس افسر نے یہ بھی کہا کہ آپ کو اِس اراضی کے انتظام میں کسی قسم کی تکلیف برداشت نہیں کرنا پڑے گی۔ بلکہ آپ چاہیں تو ضلع کا کلکٹر بطور کورٹ آف وارڈز اِس کا انتظام کرائے گا اور ہر فصل پر اس کی آمدنی نقدی کی صُورت میں خانقاہ میں داخل کرا دی جایا کرے گی۔

حضرتؒ نے یہ تقریر سُن کر فرمایا کہ جو حکومت ہم پر اتنا بڑا احسان روا رکھے تو بطور انسان ہم پر بھی یہ فرض عائد ہونا چاہیے کہ کسی نہ کسی رنگ میں اس احسان کا معاوضہ ادا کریں۔ اور اگر عملاً اور کچھ نہ کر سکیں تو از راہِ شکر گذاری کبھی کبھار اس حکومت کے بڑے بڑے کارپردازوں کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام ہی کر آیا کریں۔ لیکن میں تو اتنا کرنے سے بھی معذور ہوں۔ جو لوگ یہاں آتے ہیں یا کچھ عرصہ یہاں رہ کر دینی تعلیم یا رُوحانی تربیت حاصل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن کے اخراجات اور ضروریات کی کسی نہ کسی صُورت میں بہتر کفالت فرما دیتے ہیں۔

اِس واقعہ کا ذِکر کرنے کے بعد شیخ الجامعہ تعجب کا اظہار فرماتے ہیں کہ ایسے شخص کے متعلق قسم قسم کے الزامات تراشے گئے اور اجانب تو اجانب بعض اپنے بھی اس میں شریک ہو گئے مگر اللہ تعالیٰ نے بعد میں اپنے مقبول بندے کی رائے کو سچا ثابت کر دیا۔ مہاتما گاندھی نے آنکھیں پھیر لیں مُسلمانوں کے خلاف شُدھی کی تحریک شروع کر دی گئی۔ خلافت کمیٹی نے ایک مرتبہ سوامی شردھانند دُشمنِ اسلام کو دہلی کی جامع مسجد میں منبر پر بٹھلا کر تقریر کروائی تھی۔ جس کے فوٹو لے کر ہندو مبلغ یُوپی کے طول و عرض میں پھیل گئے اور دُور اُفتادہ علاقوں میں جا کر ہزاروں مُسلمانوں کو یہ دھوکا دیا کہ دیکھو سوامی جی مسجد کے منبر پر اس لیے بیٹھے ہیں کہ تمام مُسلمان ہندو ہو گئے ہیں۔ ان تصاویر کو دیکھ کر بہت سے مُسلمان اسلام سے مُنحرف ہو گئے۔ اور یہ ثابت ہو گیا کہ خود ہندو بھی محارب فی الدین تھا۔ غرض حضرت قبلۂ عالم قدس سرۂ اسلام کی اصلی روش پر قائم رہے اور کوہِ وقار ثابت ہُوئے۔ اور دُوسرے اکثر لوگ صراطِ مستقیم چھوڑ کر بالآخر کفِ افسوس مَلتے ہُوئے حضرتؒ کی روش کے قایل ہُوئے۔ ان مؤخر الذکر قسم کے حضرات میں خود شیخ الجامعہ کی ذاتِ گرامی بھی تھی جو حسب تحریر خود کسی زمانہ میں مُلتان اور نواحی اضلاع کے عُلمائے دین میں تحریکِ خلافت کے رُوحِ رواں تھے۔

کانگرس کے تعاون سے مولیٰنا عبدالباری کا رجوع

حضرت مولیٰنا عبدالباری فرنگی محلی کو اِس تحریک اور جمعیۃ العلمائے ہند کے ارکان میں صدر الصدور کی حیثیت حاصل تھی۔ اُن دنوں کانگرسی مسلمانوں میں گاندھی جی کے بعد علی برادران اور مولینا ابوالکلام آزاد کا مقام تھا اور مولینا عبدالباری، مولینا محمد علی جوہر کے پیر و مرشد اور ابوالکلام کے اُستاد تھے۔ آپ مولینا سید عین القضاۃ لکھنوی کے شاگردوں میں سے تھے۔ آپ کے برادرِ حقیقی مولینا عبدالباقی کو خواب میں سرکارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہوا تھا کہ وہاں یعنی حجاز مقدس میں سکونت اختیار کریں۔ چنانچہ آپ نے وہاں ایک مدرسہ بھی جاری کیا تھا۔ مولینا عبدالباری آخر کار ان تحریکوں اور ہندو مسلم اتحاد سے ایسے دل برداشتہ ہوئے کہ جب آرہ کے مسلمانوں پر مظالم ڈھائے گئے تو آپ نے کانگرسی لیڈروں کو متنبہ کیا کہ اگر ہندو باز نہ آئے تو میں ان کے خلاف عام جہاد کا فتویٰ جاری کر دوں گا۔

مولینا عبدالباریؒ نے خلافت اور ہجرت کی تحریکوں پر حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کے مسلک سے آگاہ ہو کر آپ کی خدمت میں خط لکھ کر چند سوالات کی وضاحت طلب کی تھی۔ یہ مکتوب اور اس کا جواب "مکتوباتِ طیبات"، "مہرِ چشتیہ" میں شائع ہو چکے ہیں، جن کی نقل اِس کتاب کے باب "ملفوظات و مکتوبات" میں دی جا رہی ہے۔

مولوی محمد اسحٰق مانسہروی کا چیلنج

تحریکِ خلافت کو علاوہ دیگر علمائے کرام کے حضرت خواجہ ضیاء الدین سیالویؒ کی بھی پُرزور تائید حاصل تھی۔ جمعیۃ العلمائے ہند نے اِن سے بھی ایک فتویٰ دلوا دیا تھا کہ اب انگریزی کی ملازمت حرام ہے۔ اور ان پیرزادہ صاحب کے ذریعہ حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ پر بھی اثر ڈلوانے کی کوشش کی تھی۔ حضرت خواجہ صاحب موصوف ۱۹۰۹ء میں سیال شریف کی گدی پر رونق افروز ہوئے تھے اور خدمتِ قوم کے لیے ایک خاص جذبہ اور درد مند دل رکھتے تھے۔ ان کے والدِ گرامی حضرت خواجہ محمد دین المعروف حضرت ثانی سیالوی رحمۃ اللہ علیہ جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ سے دلی محبت و شفقت رکھتے تھے ابتداء میں حضرت خواجہ ضیاء الدینؒ کے مراسم بھی حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کے ساتھ اُسی نہج پر تھے مگر بعد میں مسئلہ مندرجہ بالا پر اس حد تک شکر رنجی بڑھ گئی کہ اُن کے ایماء سے سیال شریف کے ایک عُرس کے موقعہ پر مولوی محمد اسحٰق مانسہروی حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ سے بحث مباحثہ و مناظرہ کے لیے پہنچ گئے۔ مولوی صاحب دراصل ایک سیاسی کارکن تھے اور وہابیت کی طرف مائل۔ پیروں اور گدی نشینوں کے بھی خلاف تھے۔ چنانچہ اپنے مبلغ علم کے باعث حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کے سامنے آنے کی تو جرأت نہ ہوئی البتہ مسجد سیال شریف میں ایک دھواں دھار تقریر کے دوران یہ کہہ دیا کہ کہاں ہیں خلافتِ اسلامیہ کے منکر، اُنہیں میرے سامنے لاؤ کہ یہاں مسجد میں میرے ساتھ مناظرہ کریں۔ چونکہ اشارہ واضح طور پر حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کی ذاتِ گرامی کی طرف تھا اس لیے حاضرین میں ایک شور بپا ہو گیا۔ سیال شریف کے عُرس پر لوگ دُور دُور سے حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کی زیارت کو آتے تھے جن میں ارادت مند اور غیر ارادت مند سب شامل ہوتے تھے۔ اُن میں سے بعض اہلِ علم نے اُسی وقت مولوی محمد اسحٰق کے چیلنج کو قبول کر کے کہا کہ پہلے ہمارے ساتھ مناظرہ کر لو جو حضرت پیر صاحبؒ کے شاگردوں کی سی حیثیت بھی نہیں رکھتے ہیں۔ بات یہاں تک بڑھی کہ پولیس کو حفظِ امن کے خیال سے مولوی صاحب کو فوراً وہاں سے رخصت کرنا پڑا۔

مولوی ظفر علی خان کی حاضری

پنجاب کے سیاسی لیڈر اور روزنامہ "زمیندار" کے فاضل مدیر مولوی ظفر علی خان، سنہ ۱۹۲۰ء میں حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کے ساتھ خلافت اور ہجرت کے موضوع پر گفتگو کے لیے گولڑہ شریف حاضر ہوئے۔ صبح کا وقت تھا حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ، جناب حضرت اچی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف پر موجود تھے۔ مولوی ظفر علی خان خلافت، ہجرت، ترکوں کے خلاف عربوں کی بغاوت، شریفِ مکہ کا انگریزوں کے ساتھ گٹھ جوڑ اور ہندو کانگرس کے ساتھ تعاون کی ہنگامی ضرورت وغیرہ مسایل پر بولتے رہے۔ مگر جب حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ نے شرع شریف کی روشنی میں ان معاملات پر اپنا مسلک بیان فرمایا تو خاموش رہ گئے۔ اور کوئی مزید بات نہ کر سکے۔

اسلامیانِ ہند کی آزادی کے لیے دُعا

مولوی ظفر علی خان اہلِ دل ہونے کی کئی خصوصیات رکھتے تھے حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کی صحبت کا اثر لے کر جاتے ہوئے ایک پتے کی بات عرض کر گئے کہ جناب، میں تو اہل اللہ کے اِس دربار میں مسلمانانِ ہند کے لیے سلطنت مانگنے آیا ہوں"۔ حضرتؒ نے کچھ توقف کے بعد فرمایا "میں دُعا کرتا ہوں، آپ بھی دُعا کریں کہ اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ اِس مُلک کے مسلمانوں کو آزادی نصیب فرمائیں اور ایسی حکومت بخشیں جو اُن کے دین کی خدمت کر سکے"۔ چنانچہ حضرتؒ کے وصال کے دس سال بعد ہی اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے مقبول بندے کی دُعا کا اثر ظاہر فرمایا اور "پاکستان" عالمِ وجود میں آگیا۔ اللہ تعالیٰ اسے قائم رکھیں اور اس کے باشندوں کو خدمتِ دین کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

عَلٰی بَصِیْرَۃٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ میں بصیرت کے معرفہ اور نکرہ ہونے کا سوال

حضرت بابوجی مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ انہی دنوں مولوی ابوالکلام آزاد کا ایک مضمون شایع ہوا اور حضرتؒ کی نظر سے گذرا جس میں آیت کریمہ ذیل کی تشریح میں لکھا تھا کہ میں خلافت کی تحریک اور ہندو مسلم اِتحاد کے معاملہ میں بصیرت پر ہوں۔

قُلْ ھٰذِہٖ سَبِیْلِیْٓ اَدْعُوْٓا اِلَی اللّٰہِ عَلٰی بَصِیْرَۃٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ (سورۂ یوسف ۱۰۸) — کہہ دو میرا اور میرے تابعداروں کا بصیرت کے ساتھ یہ راستہ ہے کہ میں لوگوں کو اللہ کی طرف بلا رہا ہوں۔

حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ نے مولوی ظفر علی خان کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے مجلس میں اپنے موجودہ متعلقین کو مخاطب کر کے فرمایا کہ بعض لوگ اِس آیت کی تشریح کرتے ہوئے مدعی ہیں کہ وُہ اِن معاملات میں بصیرت پر ہیں۔ لیکن اگر کوئی سوال کرے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں بصیرۃ کو نکرہ کیوں کہا ہے اور معرفہ (البصیرۃ) کیوں نہیں فرمایا تو اس کی وجہ بیان نہیں کر سکیں گے۔

حضرتؒ کے ایک مخلص مولینا عبدالغفور ہزاروی مرحوم بیان کرتے تھے کہ میں کچھ عرصہ تک بعض قومی تحریکوں میں مولوی ظفر علی خان کے ساتھ کام کرتا رہا ہوں اُنھوں نے ایک روز مجھے بتایا تھا کہ جب میں گولڑہ شریف سے راولپنڈی واپس پہنچا تو وہاں مولوی ابوالکلام آزاد کو بھی خلافت و ہجرت کے موضوعات پر گفتگو کی غرض سے گولڑہ شریف جانے کے لیے تیار پایا میں نے حضرت پیر صاحبؒ کے مندرجہ بالا ارشاد کا ذکر کرتے ہوئے اُن سے کہا کہ اگر بصیرۃ کے نکرہ یا معرفہ ہونے کا جواب معلوم ہے تو بے شک جایئے۔ چنانچہ آزاد صاحب

نے جانے کا ارادہ ترک کر دیا اور واپس چلے گئے۔

دربار گولڑہ شریف کے علماء مولینا مولوی محمد غازی اور قاری عبدالرحمٰن جونپوری کے ساتھ چائے پیتے ہوئے مولوی ظفر علی خان نے اثنائے گفتگو قاری صاحب کے ہجرت کے متعلق شرعی وجہ کے سوال پر بلا تامل کہہ دیا کہ شرعی وجہ تو قطعاً کوئی نہیں۔ صرف اتنی بات ہے کہ ہم انگریز حکومت پر اپنی ناراضگی واضح کرنا چاہتے ہیں۔ یہ سُن کر قاری صاحب جو پہلے اس تحریک کی طرف مائل تھے، بے حد نادم ہوئے۔ اور جب یہ بات حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کی خدمت میں عرض کی گئی تو آپ نے مسکرا کر فرمایا کہ یہ وجہ تو عقلاً بھی درست نہیں کیونکہ جب کمزور قوی سے رُوٹھے گا تو قوی جو خوفِ خدا نہیں رکھتا یہی کہے گا کہ رُوٹھتا ہے تو بے شک رُوٹھے میرا کیا بگاڑے گا۔

ظفر علی خان کے خلاف شہادت دینے سے اِنکار

اِسی اثنا میں حکومت نے مولوی ظفر علی خان کی حضرو ضلع کیمبل پُور میں ایک تقریر کی بنا پر اُن پر حکومت کے خلاف بغاوت کے اِلزام میں ایک مقدمہ چلانا چاہا۔ ان دنوں چونکہ علاقہ چھچھ ہزارہ میں تحریکِ خلافت کا زور تھا اس لیے حکومت کی طرف سے اِستغاثہ کی شہادت دینے والا کوئی نہ ملتا تھا۔ بامرِ مجبوری ملک سر محمد امین آنریری مجسٹریٹ شمس آباد اور ایک ذیلدار کی شہادت رکھی گئی مگر اُن کی زندگیاں خطرے میں پڑ گئیں۔ بنّوں کے سیّد لعل شاہ اُن دِنوں کیمبل پُور میں سپرنٹنڈنٹ پولیس تھے اُن کے سیاسی دماغ نے یہ چال چلی کہ مولوی ظفر علی خان کی گولڑہ شریف والی گفت گو کی بنا پر حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کا اسمِ گرامی بھی گواہانِ استغاثہ میں درج کر دیا۔ حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ نے تو خیر مولوی ظفر علی خان کے خلاف گواہی دینے سے اِنکار کر دیا۔ مگر اِس کا اِتنا فائدہ ضرور ہوا کہ جب لوگوں نے آپ کا نامِ نامی فہرست گواہان میں دیکھا تو گواہانِ مندرجہ بالا کے خلاف اُن کا جوش و خروش قطعاً جاتا رہا اور اپنے گھروں میں خاموش ہو کر بیٹھ گئے۔

مولوی ظفر علی خان کا مِسٹر گاندھی سے بگاڑ

کچھ عرصہ بعد مولوی ظفر علی خان کانگرس سے الگ ہو گئے اور مسٹر گاندھی سے ایسا بگاڑ ہوا کہ اُن کی شان میں مندرجہ ذیل اشعار کہہ ڈالے۔ اِس اختلاف کی ابتدا کراچی میں کانگرس کے سالانہ اجلاس میں ہوئی جب کہ مولوی ظفر علی خان جلسہ کی کارروائی نماز کے لیے بند کرانا چاہتے تھے کہ نماز کے بعد پھر شروع کی جائے۔ گاندھی جی نے اس سے اِنکار کر دیا۔ جس پر یہ واک آوٹ کر گئے۔ گیٹ میں سے نِکل رہے تھے کہ ایک ہندو خاتون رضاکار نے آوازہ کسا "مولانا، کیا آپ عرب سے تشریف لائے ہیں"۔

اَے سامریِ وقت کہ گاندھی ہے تِرا نام　　کہتے ہیں نصاریٰ کا تجھے بندۂ بے دام
ہندو کو مُسلماں سے لڑانا ہے تِرا کام　　ہم کو نظر آتا ہے جو ہو گا تِرا انجام

اَے دُشمنِ اِسلام

تقدیرِ وطن کی اُسی دِن سے ہُوئی کھوٹی　　جب شیخ کے تہمد سے مِلی تیری لنگوٹی
اور چادرِ تہذیبِ عرب ہو گئی چھوٹی　　ہم قائلِ اِلہام ہیں تُو مائلِ اَوہام

اَے دُشمنِ اِسلام

تحریکِ خلافت اور ہندو مُسلم تعاون کے خلاف حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کے مسلک کی صحت کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو گا کہ خود مولوی ظفر علی خان کے قلم سے اُس کی تصدیق ہو رہی ہے۔ حضرت شیخ اکبرؒ نے ایک مقام پر لکھا ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم، وقت کے ولی سے کام لے کر اُمّت میں اپنی پاک منشا جاری فرماتے ہیں یعنی ولی کی رُوحانیت نُورِ نبوّت سے توجہات اور اشارات حاصل کر کے رائے عامہ میں منشائے الٰہی کے مُطابق انقلاب پیدا کرتی ہے۔ گویا یہاں الٰہی پروگرام کچھ اور ہی تھا یعنی ہندو کے ساتھ اتحاد میں نہیں بلکہ مخالفت میں پاکستان کی داغ بیل پڑنا تھی۔

تحریکِ ہجرت میں رائے عامہ کا طُوفان

تحریکِ خلافت کے ایام میں رائے عامہ کا طُوفان اس مُلک یعنی ہندوستان میں صرف آستانۂ عالیہ گولڑہ کی چٹان سے ٹکرایا۔ اخبارات نے مخالفانہ اداریے لکھے۔ شعراء نے ہجویہ اشعار کہے۔ پریس اور پلیٹ فارم سے جو متواتر حملے ہوتے رہے اُن میں عُلماء و مشائخ کے طبقہ نے بھی دِل کھول کر حصّہ لیا۔ بلکہ بعض اپنا کہلانے والوں نے بھی مخالفت کی۔

حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کے ایک ارادت مند مولوی صاحب نے ہزارہ سے لکھا کہ حضرت، ہم تو اللہ کی راہ میں ہجرت کر رہے ہیں۔ آپ پیری مُریدی سنبھال کر بیٹھے رہیئے۔ یہ صاحب اگلے مہینے ہی اشکِ ندامت بہاتے ہوئے واپس لَوٹ آئے اور کہتے تھے کہ اگر کابل کی طرف قبلہ ہوتا تو ادائیگیِ نماز کے لیے بھی اُس طرف رُخ کرنے کو جی نہ چاہتا۔

حکیم شمسُ الدّین وزیر آبادی ـــــ حضرتؒ کے ایک سرگرم خلافتی مُرید

وزیر آباد کے حکیم شمسُ الدّین حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کے ایک روشن دماغ مگر تُنک مزاج مُرید تھے۔ طالب علمی کے زمانہ میں حضرتؒ کے ہم درس بھی رہ چکے تھے۔ طبِّ یُونانی میں بہت شہرت کے مالک تھے۔ اکثر دہلی اور بمبئی کے اُمراء کا شرطیہ علاج کیا کرتے۔ اُنہیں سیاسی سُوجھ بُوجھ کا بھی بڑا دعویٰ تھا۔ تحریکِ خلافت کے ایام میں شکووں کے طُومار لکھ لکھ کر حضرتؒ کی خدمت میں بھیجے، جن کے مختصر جوابات "مکتوباتِ طیّبات" میں درج ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت بابُوجی قبلہ مدّظلّہ کسی سفر کے دَوران حکیم صاحب کے آبائی گاؤں کے قریب سے گذرے تو معلوم ہُوا کہ حکیم صاحب گاؤں ہی میں ہیں۔ چُنانچہ آپ اُن سے مِلنے کے لیے تشریف لے گئے۔ حکیم صاحب بہت مدارات سے پیش آئے مگر حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کی شان میں وُہ جلی کٹی سُنائیں کہ جناب بابُو جی کے ہمراہی دِل برداشتہ ہو کر لاحول پڑھتے ہُوئے باہر نکل گئے۔ خلافت کے اِنکار، ہندو مُسلم اتحاد کی مخالفت اور انگریزوں کی خاطر داری کے علاوہ حکیم صاحب نے حضرتؒ پر یہ الزام بھی لگایا کہ آپ مجھے ایک ہندو عورت کے جال تک سے نہ چھڑا سکے، کیسے پیر ہُوئے؟ حکیم صاحب ہندو مُسلم اتحاد کی رَو میں ایک ہندو عورت پر فریفتہ ہو گئے تھے۔ کہنے لگے ہم طبیبوں کے پاس جب کوئی مریض آتا ہے۔ اگر وُہ لاعلاج ہو تو ہم صاف کہہ دیتے ہیں کہ اِس کا ہمارے پاس علاج نہیں اور علاج سے اِنکار کر دیتے ہیں۔ اگر مَیں رُوحانی طور پر لاعلاج ہی تھا تو حضرتؒ نے مجھے صاف کیوں نہ کہہ دیا۔ اور کیوں بیعت کر کے مجھے دھوکا دیا۔

حضرت بابُوجی قبلہ اس بے تکلّف ارادت مند کی باتیں سُن سُن کر مُسکراتے رہے۔ آپ حکیم صاحب کو حضرت کے اُستاد بھائی ہونے کی نسبت سے چچا کہا کرتے تھے۔ جب حکیم صاحب اپنے دِل کا غبار نکال چُکے تو بابُوجی نے فرمایا، چچا اب میری بات بھی سُنیئے اور جو سوال مَیں پُوچھوں اُن کے جواب دیجئے۔ پھر بابُوجی نے پُوچھا۔ کیا آپ نے علمِ طب پڑھا ہے؟ حکیم صاحب نے جواب دیا۔

ہاں پڑھا ہے۔ باؤجی نے پُوچھا کہاں پڑھا ہے تو حکیم صاحب نے اپنے کئی اساتذہ کے نام گنوائے۔ پھر پُوچھا۔ اِن اُستادوں نے اس علم کے متعلق جو ہدایات آپ کو دی ہوں گی، آپ نے یقیناً اُن کی پُوری پُوری تعمیل کی ہوگی۔ اِس فن کے مطالعہ اور حصُول پر اپنا وقت اور اپنا دماغ خرچ کیا ہوگا۔ اور کافی محنت کے بعد آپ کو ایک ایسے کامیاب طبیب کا مقام حاصل ہوا ہوگا جس سے مخلُوقِ خدا زندگی اور موت کے دوراہے پر مشورہ اور امداد حاصل کر کے شفا پاتی ہے۔

حکیم صاحب کہنے لگے، بالکل درست ہے۔ باؤجی نے دریافت فرمایا، اگر کوئی مریض آپ کے پاس آئے! اور آپ اُسے علاج کے لیے قبول کرلیں۔ مگر وُہ نہ تو آپ کی تجویز کردہ دوا استعمال کرے نہ آپ کے بتلائے ہُوئے پرہیز کا خیال رکھے اور پھر بیماری کے دُور نہ ہونے کی شکایت کرتے ہُوئے الزام آپ پر دھرے تو آپ اُس کے متعلق کیا کہیں گے۔ حکیم صاحب نے ایک موٹی سی گالی دے کر کہا کہ وُہ مریض الیسا ہوگا اس میں میرا کیا قصُور۔ باؤجی نے فرمایا جس وقت آپ نے حضرتؒ کو اپنا رُوحانی اُستاد بنایا تھا تو اُنہوں نے آپ کو دینی اور رُوحانی ترقی کے لیے ضرور کچھ ہدایات دی ہوں گی یعنی صوم وصلوٰۃ کی پابندی کی تاکید کی ہوگی اور کچھ اور وظائف بھی بتلائے ہوں گے۔ کیا آپ نے اُن ہدایات پر عمل کیا؟ حکیم صاحب نے جواب دیا، نہیں۔ باؤجی نے فرمایا۔ کہ ایسی صُورت میں اُس گالی کا مصداق کیا آپ خُود نہ ہُوئے۔ اِس میں حضرتؒ کا کیا قصُور ہُوا۔

بعد میں جب ہمراہیوں نے حضرت باؤجی سے شکایت کی کہ آپ ہمیں کیسے شخص کے پاس لے آئے جو حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کا اس قدر مخالف ہے تو آپ نے فرمایا کہ میں پیری مُریدی سے الگ ہو کر اِس شخص کو محض ایک آشنا کی حیثیت سے مِلتا ہُوں۔ پیر جانے اور اُن کا مُرید جانے۔ پھر فرمایا کہ میں نے دیکھا ہے اہل اللہ مُرید کے دِل پر نظر رکھتے ہیں اور اخلاص کے معنی یہی ہیں کہ جو دِل میں ہو وُہی زبان پر آئے اور یہ بھی فرمایا کہ ان اللہ والوں کو اکثر ہاتھ پکڑنے کی لاج ہوتی ہے۔ مُرید چھوڑنا بھی چاہے تو یہ نہیں چھوڑتے اور آخری دم تک اُس کے حُسنِ عاقبت کے لیے متوجہ رہتے ہیں۔

حکیم صاحب سے خلافت کے متعلق خط و کتابت

جناب باؤجی مدظلہ العالی کے مندرجہ بالا خیال کی تائید حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کے خطُوط سے بھی ہوتی ہے جو آپ نے حکیم صاحب کو جواباً تحریر فرمائے تھے۔ ایک خط میں ارشاد فرماتے ہیں:۔

"مہربانِ من حکیم شمسُ الدّین صاحب حفظک اللہ تعالیٰ

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ عنایت نامہ کاشف مافیہا ہُوا۔ آپ تحریر فرماتے ہیں کہ اس وقت آپ خُدا سے دُعا کریں کہ فیصلہ تُرکوں کے حق میں ہو۔ پہلے عنایت نامہ جات میں دُعا کو بے معنی اور لاشئے قرار دیا گیا تھا اور آخری عنایت نامہ میں دُعا سے آویزش مُوجبِ تعجّب ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ جو کچھ آپ کو کرنا چاہیئے تھا اور نہایت آسان تھا اُس کا وقت گذر چکا ہے۔ الخ

ایسے فقرات کے متعلق گفتگو مُلاقات پر رہنے دیجئے۔ آپ خواہ کچھ سمجھیں اور خواہ ہم اس قابل نہیں مگر ہم بہ لحاظِ اخوّتِ اسلامی وحقِ صُحبت سالہا گذشتہ آپ کی بہی خواہی میں قاصر نہ ہوں گے۔ اور ہمیں کب یہ دعویٰ تھا کہ ہم ایسے ہیں اور ایسے۔ اور ہم نے کب آپ کو پنجاب میں بُلانے کی تکلیف دی تھی۔ وُہی لایا جس کے ہاتھ میں مَلَکُوتُ کُلِّ شَیْءٍ ہے۔ وُہی صراطِ مُستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

گو میں ایک ایسا ہُوں مگر سب بزرگانِ دین میں آپ کا ایسا زُعم بالکل غلط ہے۔ آپ کے سچ کے مقابلے میں سچ کہنا ضرُوری سمجھا جاتا ہے کہ آپ میں مادہ سُوءِ ظنّی کا غالب ہے۔ ہمارے متعلق آپ کے خیال (خیر خواہی برطانیہ وغیرہ وغیرہ) بالکل غلط اُور خلافِ واقعہ ہیں۔ ہر شخص کو اپنے قلبی عقائد اُور ادراکات پر علم ہوتا ہے وَ کَفیٰ بِاللّٰہِ شَہِیْدًا۔ پھر کیونکر نہ کہوں کہ آپ میں مادۂ سُوءِ ظنّی اُور کج فہمی غالب ہے۔ آپ کے ہدایت ناموں جات میں کتاب اللہ اُور کتاب الرسُول سے اصلاً کام نہیں لیا گیا آج کل کے لوگوں کی طرح صرف خیالی امُور مبنیٰ علیہا قرار دی گئی ہیں۔ آپ جیسے تحصیل یافتہ اِنسان سے ایسے معلُومات کا ظہُور مقامِ حیرت ہے۔ آپ ناراض تو ضرُور ہوں گے مگر ہماری اِس پیشین گوئی کو یاد رکھنا کہ آپ کے حق میں ہم ویسے ہی ہیں اُور ہوں گے جو پہلے تھے۔ ہم کو آپ سے مدح یا ذم یا لوگوں کے مطاعن سے بچنا جیسا کہ آپ لکھتے ہیں ملحُوظ نہیں اُس علیم اُور لطیف قبل کل لطیف نے محض اپنے فضل وکرم سے امُورِ مذکورہ کو مُلتفت الیہا نہیں چھوڑا (وَ اَمَّا بِنِعْمَتِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ) آپ کا ویسا ہی دُعا گو جیسا کہ تھا۔ از گولڑہ بقلم خود"

آپ حکیم صاحب کے نام ایک اُور خط میں امُورِ مُعترضہ پر اپنا مسلک واضح فرماتے ہُوئے لکھتے ہیں:-

"(الف) مدّتِ مدیدہ سے ہمارا خیال دربارہ عدم جوازِ فوجی ملازمتیں و مجسٹریٹی خاص وعام پر روزِ روشن کی طرح ظاہر ہے اُور بفضلہٖ تعالیٰ بحسبِ ہدایات ہمارے بہت لوگوں نے ترک بھی کر دیں۔

(ب) ہمارا تفرد جمعیتِ آرا سے اصُولِ شرعیہ پر مبنی ہے۔ وُہ بھی بعض امُور میں، نہ مُطلقاً اُور نہ اِس بنا پر کہ معاذ اللہ ہمیں کُفّار کی طرفداری منظُور ہے۔ چنانچہ آپ نے ہمارے قول سے (کہ کافر کا طرفدار من جہت الکفر کافر ہوتا ہے) استنباط کیا ہے اُور شکوکِ اربع میں سے اوّل ہی تحریر فرمایا (اوّل میرے خیال میں آپ گورنمنٹ کے طرفدار تو ہیں مگر من جہۃ الکفر نہیں الخ حضرت صاحب، آپ کی بڑی مہربانی ہوگی جو آپ گورنمنٹ کے اُن اِحسانات کو تحریر فرمائیں گے جن کے باعث آپ طرفدار ہیں)

جواباً گذارش ہے کہ آپ نے پہلے عنایت نامہ میں تحریر فرمایا تھا کہ آپ (راقم) کو لوگ گورنمنٹ کا طرفدار کہتے ہیں۔ اِن کی تردید میں جُملۂ ذیل میں نے لکھا تھا "کافر کا طرفدار من جہۃ الکفر کافر ہوتا ہے"۔ جس سے مطلب یہ تھا کہ ایسے وقت میں جب کہ اِسلام اُور کُفر کا مقابلہ ہو، کافر کا طرفدار مُسلمان نہیں ہو سکتا۔ بلکہ وُہی ہوگا جس کو کُفر مرغوب و محبُوب ہو اُور من جہۃ الکفر اُس کی طرفداری کرے اُور الحمد للہ و احسانہٗ میں مُسلمان ہُوں۔ گویا اثبات المدعی بابطالِ نقیضہ دررنگِ قیاسِ استثنائی ٹھہرا۔ قید (من جہۃ الکفر) بوجہ اِس کے کہ اِس کو صحتِ قضیہ میں دخل ہے۔ ضروری الذکر ٹھہری۔ اُور قضیہ مذکورہ بالا میں بعد مُلاحظہ مقابلہ اِسلام و کُفر اِس احتمال کی گنجائش ہی نہیں جس کو آپ نے لے کر اِستفسار فرمایا ہے کہ حضرت صاحب۔ الخ۔ تعجّب اِس پر ہے کہ باوجود مانعین ایک ملاحظہ مقابلہ دُوسرا ہمارا معاملہ وروش مذکور الصدر جس سے آپ بخوبی واقف ہیں وعموم نقیض قید یعنی لامن جہۃ الکفر اسی احتمال کو لیا اُور اِس میں انحصار سمجھا اُور اِستفسار فرمایا۔ اِلزام و دفعِ اِلزام میں جانبین کو ملاحظہ وقت و مقابلہ منظُور ہے نہ اطلاق تا کہ منوطیتِ حکم بالقید المذکور نفیاً و اثباتاً مقصُود ہو کما فی العقائد۔ ہاں اِس پہلو کو بھی ہم عند الملاقات بیان کریں گے جس پر اِلزام عائد نہ ہوگا۔"

حکیم صاحب کے اشکِ ندامت

جب ترکوں نے خلافت کا قضیہ خود ہی نپٹا دیا، جب ہندو مسلم اشتراک و اتحاد کی کشتی مدن موہن مالویہ، موتی لال نہرو اور شردھانند نے گنگا جمنا کے سنگھم میں ڈبو دی۔ جب ہجرت کرنے والے مسلمانوں کا انجام نظر آیا اور اُس میں ہندو کی گہری سازش کے بخیئے اُدھڑ کر سامنے آ گئے۔ اور آرہ کے مذہبی فسادات میں فرنگی محل کے خلافتی مشائخ خود ہندو کے خلاف جہاد کا فتویٰ دینے کو تیار ہو گئے۔ تو حکیم شمس الدین کو اپنے نظریات کا سراب دکھائی دیا اور حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کے پُروقار اور باعظمت مقام کا پتہ چلا کہ نہ تو انگریز کے روایتی دار و رسن سے آپ مرعوب ہیں کہ عین جنگ اور اقتدار کے زمانہ میں اُس کی فوجی ملازمت کو ناجائز قرار دے رہے ہیں نہ آپ کو کسی قسم کا لالچ ہے کہ انگریز کی کئی سو مربعہ زمین کی جاگیر ٹھکرا رہے ہیں۔ نہ وجاہت کی طلب ہے کہ اپنے صاحبزادے کے لیے آنریری مجسٹریٹی کی پیش کش مسترد فرما رہے ہیں۔ شاہی دربار میں شمولیت سے، جسے اُس زمانہ میں حکیم صاحب اور اُن کے ہم نوا عزت کا باعث سمجھتے تھے یہ کہہ کر انکار فرما رہے ہیں کہ بادشاہوں کے دربار میں درویش کا کیا کام، کمشنر اور ڈپٹی کمشنر بلائیں تو جواب دیتے ہیں کہ مجھے تم سے کوئی کام نہیں اس لیے میں نہیں آ سکتا۔ تمہیں اگر مجھ سے کوئی کام ہے تو یہاں آ سکتے ہو۔ الغرض نہ حکومت سے خائف، نہ لیڈروں کے طعن و تشنیع کا ڈر، نہ عوام اور اپنے ارادت مندوں کے بدظن ہونے کا اندیشہ، قدم ہے کہ جادۂ حق سے نہیں ہٹتا۔ اگر تعلق ہے تو محض اللہ اور اُس کے رسول ﷺ سے اور اسی تعلق کی بناء پر اُس کی مخلوق کی خیرخواہی ہر حال میں مقصود اور پیشِ نظر ہے۔

اِس کے بعد حکیم صاحب تھوڑا ہی عرصہ زندہ رہے۔ آخری مرتبہ جب گولڑہ شریف حاضر ہوئے تو بہت دُور ہی سے تانگے سے اُتر کر پاپیادہ ہو لیے۔ شیخ الجامعہؒ لکھتے ہیں کہ آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور کہتے تھے کہ افسوس ہم نے حضرتؒ کو نہ جانا نہ پہچانا۔

پشاور کے خلافتی کارکنوں کا وفد

حضرتؒ کے ایک مخلص ارادتمند اور مستفید پروفیسر برکت علی اسلامیہ کالج پشاور بیان کرتے تھے کہ جب لوگ افغانستان کی ہجرت سے واپس ہوئے تو پشاور کے بعض خلافتی کارکنوں نے مجھے آکر کہا کہ کابل کے ایک مجذوب فقیر نے بعض مہاجرین سے کہا ہے کہ حضرت داتا گنج بخشؒ لاہوری تو انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنا چاہتے ہیں مگر خواجہ غریب نوازؒ اجمیری نہیں چاہتے۔ گولڑہ والے پیر صاحب سے خواجہ غریب نوازؒ کی بارگاہ میں سفارش کراؤ چنانچہ میں ان کارکنوں کے مجبور کرنے پر گولڑہ شریف پہنچا۔ جناب مولینا محمد غازی کو ساتھ لے کر حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ واقعات عرض کیے مگر آپ نے کوئی توجہ نہ فرمائی بلکہ چہرۂ مبارک پر کچھ تکدر کے آثار ظاہر ہوئے۔ اِس پر جناب مولینا صاحب نے پہلو بدل کر عرض کی کہ حضرت شیخ اکبرؒ نے لکھا ہے کہ کوہ ابُو قبیس (مکہ معظمہ) پر ہر جمعہ کے روز حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا ایک خاص دربار منعقد ہوتا ہے جس میں دُنیا کی سلطنتوں کے معاملات طے کیے جاتے ہیں اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر سلطنت کا کوئی نہ کوئی وکیل اِس دربار میں حاضر ہو کر معاملات پیش کرتا ہوگا۔ لہٰذا انگریزی سلطنت کا بھی ضرور کوئی وکیل ہوگا۔ اِس کے جواب میں حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ نے صرف حافظؔ کا یہ شعر پڑھ دیا ؎

حدیث مطرب و مے گو و رازِ دہر کم تر جو   کہ کس نکشود و نہ کشاید بحکمت ایں معمّارا

آٹھویں فصل

حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ اور حکومتِ برطانیہ

قبل ازیں ذکر آچکا ہے کہ حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کے دورِ مبارک میں برطانیہ کا ستارۂ اقبال عروج کمال پر تھا خصوصاً ہندوستان میں برطانوی سطوت پورے زوروں پر تھی۔ اُمراء اور والیان ریاست انگریز کا دم بھرتے تھے بلکہ اکابرینِ اُمّت بھی اس کے دربار میں باریابی کو مسلمانوں کے لیے معاشی بہبودی اور سیاسی اقتدار کا باعث سمجھتے تھے۔ بایں ہمہ حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ نے کبھی بھی اس غیر مسلم حکومتِ وقت کی طرف داری اور تملّق سے اپنے دامنِ تقدّس کو آلودہ نہ ہونے دیا۔ اور ساتھ ہی ایسی تحریکات میں بھی شرکت سے احتراز فرمایا جن کا منشور کتاب و سُنّت کے خلاف تھا۔

انگریز شہنشاہ کے دربار میں شمولیّت سے اِنکار

۱۹۱۱ء میں جارج پنجم کے دہلی دربار میں شمولیّت کے لیے مذہبی پیشواؤں کی سلک میں حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کو بھی دعوت نامہ موصول ہوا تو آپ نے جواباً لکھوایا کہ مجھے اس حاضری سے معذور رکھا جائے۔ حکومت کو اس انکار میں سیاسی اور انتظامی خدشات نظر آئے۔ کیونکہ آپ صرف ہند و پنجاب کے ہی مذہبی پیشوا نہ تھے بلکہ سرحدی پٹھانوں اور آزاد قبائل کے بھی پیر و مُرشد تھے۔ کمشنر راولپنڈی نے پہلے ایک پٹھان مجسٹریٹ ڈپٹی مظفر خان کو اور پھر آپ کے ایک مخلص ارادت مند میاں شیخ احمد سکنہ ٹھٹھہ گورمانی ضلع مظفر گڑھ کو آپ کی خدمت میں روانہ کیا۔ اُنہوں نے حضرت رحؒ سے عرض کیا کہ آپ کو سفر میں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ آپ کے لیے ریل گاڑی کا ایک علیحدہ ڈبہ ریزرو کرا دیا جائے گا۔ اور صرف ایک دن کے لیے جب کہ شہنشاہ مذہبی رہنماؤں کا سلام لیں گے آپ کو دربار میں جا کر اُس کے حق میں دُعا کرنا ہوگی۔ مگر حضرت رحؒ رضامند نہ ہوئے اور کمشنر کی روبکار پر تحریر فرمایا کہ میں ایک درویش ہوں اور درویشوں کی حاضری شاہی درباروں میں کبھی مناسب خیال نہیں کی گئی۔ تاہم اس حکومت میں ہمارے سچّے مذہب اسلام کے ارکان پر کوئی پابندی نہیں ہے اس لیے میں بادشاہ کے حق میں یہیں سے دُعا کرتا ہوں۔

دربار کے منعقد ہو جانے کے بعد اُس سال جب آپ حسبِ معمول پاک پتن شریف کے عُرس پر گئے تو ایک روز سرِ مجلس دیوان سید محمد سجادہ نشین پاک پتن شریف سے فرمایا کہ آپ کا دہلی دربار میں شامل ہونا اس وجہ سے درست تھا کہ آپ کی ایک حیثیت جاگیردار ہونے کی بھی تھی۔ جو اسلامی حکومتوں کے وقت سے چلی آرہی ہے۔ دہلی اور علی گڑھ کے بعض دوستوں نے مجھے لکھا تھا کہ آپ ضرور آئیں کیونکہ اس میں اسلام کی عزت ہے مگر میں نے جواب دیا کہ میرے نزدیک ذلّت ہے۔ اس پر جناب دیوان صاحب نے اس امر کی تصدیق کی کہ واقعی آپ کا ارشاد بجا ہے کیونکہ بڑے ادب سے جھک کر بادشاہ کو نذرانہ پیش کرنے کا منظر ایک باعزت مسلمان کے لیے حقیقتاً ناقابلِ برداشت تھا۔

اِس اِنکار پر حکومتِ برطانیہ کا ردِّ عمل

حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کے منصرمِ خط و کتابت ملک سُلطان محمُود خان بیان کرتے تھے کہ جب دہلی دربار کے کوائف "ٹائمز آف لنڈن" میں شایع ہُوئے تو حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کے اِنکارِ شمُولیّت کے ساتھ تحریر تھا کہ آپ سرحدی پٹھانوں اَور قبائیلیوں کے پیر ہیں۔ اَور اِس اِنکار کے وجُوہ اِن لوگوں کی حکومت سے سرکشی کی بنا پر سیاسی قِسم کے ہیں جن پر حکومت کو نظر رکھنا چاہیئے۔ اِس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ پنجاب کے لیفٹیننٹ گورنر سر لوئی ڈین نے اپنی کونسل کے اجلاس بمقام شملہ میں کہا کہ میری گورنمنٹ پیر آف گولڑہ کے اِس اِنکار کی اصلی وجہ معلوم کرے گی اَور تحقیقات کے بعد مُناسب اقدام کرے گی۔ چنانچہ راولپنڈی کے کمشنر نے ڈپٹی مظفر خان مجسٹریٹ کے ذریعہ آپ کو بُلوا بھیجا۔ خان صاحب نے حاضر ہو کر عرض کی کہ آپ کی مُلاقات سے یہ معاملہ رفع دفع ہو جائے گا اَور بذریعہ ریل گاڑی آمد و رفت پر صرف تین گھنٹے صرف ہوں گے۔ اَور اگر عصر کے بعد حسبِ معمُول سواری کے دَوران "ٹوپی رکھ" جاتے ہُوئے کمشنر صاحب سے مِل لیں تو اَور بھی کم وقت لگے گا۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ میں تین منٹ کے لیے بھی اِس مسجد کو چھوڑ کر جانے کے لِیے تیار نہیں کمشنر صاحب سے کہہ دیجئے کہ وُہ یہاں آجائیں۔

سرحد اَور پنجاب میں اِس خبر سے ایک ہیجانی کیفیّت پیدا ہو گئی۔ بعض ذی اثر لوگ لیفٹیننٹ گورنر سے بھی مِلے۔ اَور اِنتظامیہ کی طرف سے بھی اِس بے اِطمینانی و ہیجان کی خُفیہ اِطلاعات گورنمنٹ کو پہنچیں۔ اُدھر گورنمنٹ کے قانونی مشیر (لیگل ریممبرنسر) نے رائے دی کہ جو شخص گورنمنٹ کا ملازم یا وظیفہ خوار نہیں اُس کی طرف سے دہلی دربار میں شمُولیّت یا کمشنر کی تحقیقات میں حاضری سے اِنکار کسی قانُون کی خلاف ورزی نہیں ہے۔ آخر کار لیفٹیننٹ گورنر نے کمشنر راولپنڈی سے کہا کہ کسی روز خود جا کر پیر صاحب سے مِلیں تاکہ اُن کے وسیع حلقۂ اثر میں بے چینی اَور کشیدگی ختم ہو۔ چنانچہ ایک روز کمشنر صاحب خود ڈپٹی مظفر خان اَور پشاور کے میاں کریم بخش سیٹھی کی معیّت میں گولڑہ شریف پہنچے۔ اَور حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ سے مِل کر اِس کشیدگی کو رفع کیا۔

ڈاکو کا جنازہ پڑھنے پر ڈپٹی کمشنر کی روبکار کا جواب

سال ۱۹۱۱ء کے دہلی دربار میں شمُولیّت سے اِنکار کے ایّام میں بعض حاسدین کو حقِ عداوت ادا کرنے کا موقعہ مِل گیا۔ اَور اُن کی غلط شکایات پر انگریز افسران بھی جذبۂ اِنتقام کی تسکین کے لِیے بار بار آمادہ ہوتے مگر کچھ کر نہ سکتے تھے۔ آپ پر یہ اِلزام لگایا گیا کہ آپ مواضعات میرا بادیہ۔ میرا اکو اَور مضافاتِ گولڑہ کے چوروں اَور ڈاکوؤں کے پیر ہیں۔ اَور مفرُور ڈاکوؤں کے بال بچّوں کی پرورش کرتے ہیں۔ اُن ہی دِنوں جہانداد نامی ڈاکو کو پھانسی کی سزا مِلی۔ اَور جامع مسجد راولپنڈی میں اُس کا جنازہ پڑھا گیا۔ حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ اتفاقاً جمعہ کی نماز پڑھنے کے لِیے مسجد میں موجُود تھے۔ اَور نمازِ جُمعہ کے بعد نمازِ جنازہ میں شریک ہُوئے۔ مخالفین نے اِس واقعہ کو اِس رنگ میں پیش کیا کہ اِس ڈاکو کا جنازہ پڑھنے سے عُلمائے نے اِنکار کر دیا تھا مگر آپ نے جنازہ پڑھوایا۔ ڈپٹی کمشنر نے اِس کے متعلق ایک روبکار کے ذریعہ حضرتؒ سے جواب مانگا۔ آپ کے جواب کے بعض فقرات یہاں بعینہٖ درج کیے جاتے ہیں:-

"۱۔ اگر آپ بحیثیّت منصبِ ڈپٹی کمشنری کے چوری یا ڈاکہ یا قتلِ بے گناہ کو بُرا مانتے ہیں تو ہم بہ لحاظ ہدایت کتاب آسمانی و عقل؛ اُمورِ مذکورہ بالا کو حرام و ناجائز سمجھتے ہیں۔

۲۔ جرائم مذکورہ کا مرتکب یا مجرموں کا معاون وُہی شخص ہوسکتا ہے جو اعلیٰ درجہ کا جاہل ہو یا لالچی ہو۔

۳۔ پیر کے معنٰی یہ ہیں کہ ہر ایک کو آسمانی کتاب کے مُطابق ہدایت کرے۔ اور مُرید کہلانے کا مستحق وُہی شخص ہے جو بحسب ہدایتِ پیر کے عمل کرے۔ بفضلہٖ تعالیٰ آباؤ اجداد سے آج تک ہمارا پیشہ یہی چلا آتا ہے کہ مُریدوں کو اچھے کاموں کی ہدائت کرتے ہیں اور بُرے کاموں سے روکتے ہیں۔ جس نے تعمیل نہ کی وُہ ہمارا مُرید نہیں ہوسکتا۔ ہاں ایسے لوگ نام کے مُرید ہوتے ہیں نہ کام کے۔

۴۔ ہم کو ہمارا خُدائے تعالیٰ بغیر مجرموں کے چُونکہ اچھی طرح رزق پہنچاتا ہے اس لیئے ہمیں مُجرموں کی اعانت اور اُن سے لالچ رکھنے کی ضرورت کیا ہے۔ کیا ہم بھی پرلے درجے کے جاہل ہیں یا لالچی؟

۵۔ آپ کو اپنا منصب اور اپنے اعلیٰ حاکم کمشنر صاحب بہادر یا لاٹ صاحب بہادر کا خوف اُمُورِ بالا کی اجازت نہیں دیتا تو ہم کو اپنا منصب یا اپنے حاکمِ حقیقی جلّ شانہٗ کا خوف کیسے اجازت دے سکتا ہے؟ اگر ہم ایسے ہی ہیں تو ہزارہا باخبر، باعلم اور بادیانت لوگ ہم سے علیحدہ کیوں نہیں ہوتے؟ اگر گنہگار ہیں تو ذاتی گناہ کے مرتکب ہوں گے نہ کہ مخلوقِ خُدا کا گلا کاٹنے والوں کے خیر خواہ۔

۶۔ اس میں شک نہیں کہ مجرموں کے بال بچے یا بیوگان بحالتِ بےکسی روٹی کھانے کو بھی آجاتے ہیں جب سرکارِ عالی ان پر رحم فرماکر ان کو اپنے مُلک سے خارج نہیں کرتی تو سرکار کی رعایا سے اگر کسی آسُودہ حال کے دروازہ سے روٹی مانگ لیں تو کیا قباحت ہے؟ یہ بھی یعنی ایسی حالت میں آنے کا کبھی سالہا گزرنے پر اتفاق ہوتا ہوگا۔

۷۔ یہ بھی واقعی بات ہے کہ مجرموں کے پس ماندگان اپنے خیال کے مُطابق آکر دُعا کراتے ہیں جس پر ان کے لیے یہ دُعا کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت کرے اور نیک اعمال کی توفیق بخشے نہ یہ کہ وُہ ایسے کام کرتے رہیں اور سزایاب نہ ہوں۔

۸۔ عیسائی لوگ اگر اپنے اعتقاد کے مُطابق اپنے مجرموں کے واسطے اپنے پیر پادری سے دُعا کرائیں اور وُہ دُعا کریں اور دُعا بھی یہ کہ خُدائے تعالیٰ ان کو راہِ راست پر لائے تو کیا پادری صاحبان کو بوجہ اس دُعا کرنے کے مُجرموں کی تعزیر میں شریک کیا جائے گا؟ عقل و انصاف اس بات کی ہرگز اجازت نہیں دیتے۔

۹۔ رہا یہ کہ پھر مختلف زبانوں سے جناب کی خدمت میں شکائتیں کیوں ہُوئیں۔ جواباً معرُوض ہے کہ اُنہوں نے یہ نہیں سوچا کہ واقعی مُرید کون ہوتے ہیں اور نام کے کون۔ دُوسرے یہ کہ اُن کے اطفال یا پس ماندگان کے آنے جانے کی نسبت سوچتے ہیں کہ یہ اعانت نہیں تو کیا ہے وغیرہ وغیرہ وُجُوہات جن کا منشا بغیر کم فہمی یا حسد کے عاقل کے نزدیک اور کچھ نہیں۔

۱۰۔ ہمارا بھاری عیب یہ ہے کہ تملّق اور خوشامد مزاج میں نہیں۔ جس کی وجہ سے خوشامد طلب ناخوش ہوسکتے ہیں اور ناخوش ہوکر خلافِ واقعات گوش گذار کرتے ہیں۔

۱۱۔ جمعہ کے روز بغرضِ نماز مسجد جامعہ میں ہمارا حاضر ہونا ہوا۔ بعد فراغت از نماز حسبِ عادت مروّجہ مُلک کہ آؤ جنازہ پڑھ لیا جائے۔ سب لوگ جنازہ پڑھنے لگے ہم بھی شامل ہُوئے۔ کیا اس جنازہ پڑھنے سے یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ یہ مُردہ ہم سب کے نزدیک نیک چلن تھا اور اس کی بداعمالیوں پر راضی ہیں؟ البتہ یہاں پر یہ دکھانا منظور ہے کہ ہمارا مذہب اسلام ایسے

شخص پر نماز جنازہ پڑھنے کی اجازت دیتا ہے یا نہ دُوسری (یعنی اجازت نہ دینے کی) صُورت میں بیشک جنازہ پڑھنے والے خلافِ مذہب کہلانے کے مستحق ہو سکتے ہیں نہ اس الزام کے کہ یہ لوگ اِس میّت کے اعمال پر خوش تھے اور اُس کے معاون۔ آج تک ایسے لوگوں کا جنازہ پڑھنے والوں پر یہ الزام کبھی نہیں لگایا گیا اور نہ لگایا جا سکتا ہے۔"

اِسی زمانہ میں ایک مسلمان افسر نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ گو مجھے پہلے سے شرفِ نیاز حاصل نہیں ہے مگر میں عرصہ سے آپ کا غائبانہ معتقد ہُوں اور آج یہ بتانے کو حاضر ہوا ہُوں کہ گورنمنٹ کے پاس رپورٹ کی گئی ہے کہ آپ کو اِس مُلک سے جلا وطن کر دیا جائے حضرتؒ یہ سُن کر مسکرا دیئے اور فرمایا کہ جو گورنمنٹ مجھے جلاوطن کرنے کا اِرادہ رکھتی ہے اُسے معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے خُود اُس کے متعلق کیا ارادے ہیں۔ اِس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد برطانوی حکومت، جرمنی کے ساتھ موت و حیات کی جنگ یعنی جنگِ عظیم اوّل ۱۹۱۴-۱۸ء میں مُبتلا ہو گئی۔ اور جلا وطنی کی مِسل دھری کی دھری رہ گئی۔

حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی بارگاہِ عالی میں اِستغاثہ

اِن ہی ایّام میں حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ نے بحضورِ جناب غوث پاک رضی اللہ عنہ پنجابی زبان کے مندرجہ ذیل اشعار میں اِستغاثہ پیش کیا تھا۔

رو رو لکھیئے چِٹھیئے درداں بھریئے، پتہ پُچھیں بغداد دے واسیاں دا
دیہویں جا سینہڑا دُکھاں بھریا اِنہاں اکھیاں درس پیاسیاں دا
آہیں سُولاں بھریاں سینے سڑے وِچوں نکلن حال ایہہ سدا اُداسیاں دا
تیرے مُڈھ قدیم دے بردیاں نوں لوک دَس دے خوف چپڑاسیاں دا
دستگیر کر مہر توں مہر علی تے کون باجھ تیرے اللہ راسیاں دا

انگریز سپرنٹنڈنٹ پولیس سے مفروروں کے متعلق گفتگو

اِسی دَوران ایک دفعہ سپرنٹنڈنٹ پولیس ضلع راولپنڈی گولڑہ شریف آیا اور حضرتؒ سے کہنے لگا کہ موضع میرا بادیہ وغیرہ کے بعض اشخاص ڈاکہ زنی اور قتل کے مقدمات میں مفرور ہیں اور ہمیں اطلاع ملی ہے کہ وُہ آپ کے مُرید ہونے کی حیثیت سے آپ کی خانقاہ میں پناہ لیتے ہیں۔ اور اسلحہ وغیرہ یہاں رکھتے ہیں۔ حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ نے جواب دیا "میرے پاس لوگ دُعا اور دینی ہدایت کے لیے آتے ہیں میں اُنہیں نیکی کا امر کرتا ہُوں اور گُناہ کے کاموں سے منع کرتا ہُوں۔ جو یہاں ٹھہر جاتے ہیں بحیثیت مہمان اُن کی تواضع کی جاتی ہے۔ مجھے معلوم نہیں ہوتا کہ اِن میں کسی شخص کی قانونی حیثیت کیا ہے۔ اگر کوئی مفرور یہاں آ جائے یا اسلحہ لے آئے تو پکڑ لیا کیجیے۔" نیز فرمایا "ایک بات اور سُن لیں اور اپنی سرکار کو پہنچا دیں کہ میں خُوب جانتا ہُوں کہ تمہاری نیّت میرے متعلق کیا ہے لیکن یاد رکھنا یہ عزّت جو مجھے مِلی ہُوئی ہے اِس کے دینے والے تم نہیں ہو، کوئی اور ہے۔ اور اگر اِس عزّت کے دینے والے تم نہیں تو اِس کے لینے والے بھی تم نہیں ہو سکتے۔ اگر لے گا تو وُہی لے گا جس نے دے رکھی ہے۔" اِس سے پہلے رائے صاحب دیوی دیال انسپکٹر پولیس راولپنڈی کی ایک چِٹھی پہنچی تھی جس میں حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کی طرف لکھا گیا تھا کہ آپ مؤرخہ ۲۷ دسمبر ۱۹۱۳ء کو سپرنٹنڈنٹ صاحب پولیس کی کوٹھی پر اُنہیں ملیں۔ اور حضرتؒ نے یہ جواب لکھوا دیا تھا کہ میں

بوجہ مصروفیت اپنے کام کے صرف نمازِ عصر کے بعد فارغ ہوتا ہوں لہٰذا معذور ہوں۔ صاحب بہادر مجھ سے جس امر کی دریافت کرنا چاہیں خود تشریف لا کر یا بوساطتِ عملۂ ماتحت دریافت فرما سکتے ہیں۔" چنانچہ یہ جواب موصول ہونے پر سپرنٹنڈنٹ پولیس آئے اور متذکرہ بالا گفت و شنید ہوئی۔

پہلی جنگِ عظیم کے بعد رولٹ ایکٹ کے خلاف ہنگاموں کے دوران جلیانوالہ باغ امرتسر کی فائرنگ کے ہیرو، بدنامِ زمانہ سر مائیکل اوڈوائر لیفٹیننٹ گورنر پنجاب کی یہاں سے روانگی کے وقت طبقۂ اُمراء اور بعض سجادہ نشینوں نے الوداعی پارٹی کے دوران لاہور میں ایک سپاسنامہ پیش کیا جس میں انگریزی راج کی تعریف و توصیف کی گئی تھی۔ اِس موقعہ پر کمشنر راولپنڈی اور دیگر متعدد اُمراء و حکام کے شدید اصرار کے باوجود حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ نے اس اجتماع میں شرکت سے قطعاً انکار فرمایا، مگر ملک سر عمر حیات خان ٹوانہ کے بے حد تقاضا و اصرار پر بالآخر اپنے صاحبزادہ جناب بابوجی مدظلہٗ العالی کو شمولیت کے لیے یہ فرماتے ہوئے بھیج دیا کہ ملک عمر حیات خان غربا کے کام کرتا ہے اور اس وجہ سے مجھے اُس کا خیال ہے۔ لہٰذا جناب بابوجی مدظلہٗ العالی طوعاً و کرہاً لاہور تشریف لائے۔ ملک عمر حیات خان نے کہا کہ آپ خود کوئی بات نہ کیجئے گا جو کچھ ہم کہیں آپ صرف ہاں میں ہاں ملا دیں۔ جناب بابوجی نے دریافت فرمایا آپ لوگ کیا کہیں گے تو ملک صاحب نے انگریزوں کے لیے مدحیہ الفاظ کہے۔ بابوجی نے فرمایا میں اس کی تو تائید نہیں کر سکتا کیونکہ یہ صحیح نہیں ہے۔ اِس پر ملک صاحب نے بابوجی کی شمولیت کو مناسب نہ سمجھا چنانچہ آپ اُن سے فارغ ہو کر واپسی سے قبل جب جناب دیوان سید محمد سجادہ نشین پاک پتن شریف سے ملے تو اُنھوں نے باصرار روک لیا اور اپنے ہمراہ پارٹی میں لے گئے۔ بابوجی فرماتے ہیں کہ مجھے کچھ علم نہ تھا کہ ایسے اجتماعات کے طور طریقے اور آداب کیا ہوتے ہیں۔ ایک کاغذ پر سب کے دستخط کرائے گئے۔ میں نے بھی اس خیال سے کہ حاضرین کی فہرست ہے دستخط کر دیئے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ دستخط سپاسنامہ کے سلسلے میں تھے۔ سخت افسوس ہوا مگر اُس وقت مجبوری تھی اور کچھ نہ ہو سکتا تھا۔

تعجب ہے کہ مولوی ظفر علی خان مرحوم مدیر اخبار "زمیندار" نے اُن مشائخ و سجادہ نشینوں کے خلاف جو نظم شائع کی اُس میں حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کا ذکر کیسے کر دیا۔ حالانکہ سب پر روشن تھا کہ آپ اس اجلاس میں قطعاً شریک نہیں ہوئے اور نہ ہی اِسے پسند فرمایا تھا۔

ایک انگریز ڈپٹی کمشنر کی حاضری اور عقیدت

حضرت شیخ الجامعہؒ نے اپنے مسوّدات میں ایک ڈپٹی کمشنر کا واقعہ بدیں انداز تحریر کیا ہے:۔

ایک انگریز افسر جو پہلے فوج میں رہ چکا تھا راولپنڈی میں بطور ڈپٹی کمشنر تعینات ہوا اور اُس نے دیہاتی دورہ کے سلسلے میں گولڑہ شریف کے قریب کیمپ لگوالیا۔ اُسے توقع تھی کہ پیر صاحب سلام کے لیے آئیں گے مگر آپ نہ گئے۔ آخر اُس نے دربار شریف کے بالکل قریب کیمپ لگوایا اور مقیم ہوا۔ ملک گلاب خان سکنہ حسن ابدال اور دیگر نیازمندان نے آپ کی خدمت میں عرض کی کہ مقامی افسر ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آج عصر کے بعد جب آپ سواری کی غرض سے تشریف لے جائیں تو چند منٹ کے لیے توقف فرما کر ڈپٹی کمشنر صاحب سے ملتے جائیں۔ مگر آپ نے اُس روز سواری کے وقت کیمپ کا راستہ ہی چھوڑ دیا۔ اِس سے کچھ پہلے اربابِ حکومت نے سرحدی علاقہ کی ایک مہم کو بمشکل تمام سر کیا تھا اور حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کے اُس علاقہ میں پیری مریدی کے وسیع اثر سے بخوبی آگاہ ہو چکے تھے۔ کہتے ہیں کہ ڈپٹی کمشنر صاحب کے ایک قادیانی مسلمان نے اس موقعہ سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے حالات کو

کچھ اس انداز میں اُن کے پیش کیا کہ اُسے یقین ہو گیا کہ حضرتؒ واقعی انگریزوں کے مخالف ہیں۔ شیخ الجامعہ لکھتے ہیں کہ اس صورت حال کے پیدا کرنے میں بعض مقامی حاسدین کا بھی ہاتھ تھا جو بظاہر ایسے نیاز کا اظہار کرتے تھے کہ آتے جاتے دربار شریف کے قریب احتراماً سواری پر سے اُتر پڑتے تھے۔

چنانچہ ڈپٹی کمشنر صاحب نے واپس راولپنڈی پہنچ کر حضرتؒ کی طرف ایک روبکار بھیجی کہ آپ بروز سوموار تین بجے میری کوٹھی پر آکر مجھے ملیں۔ حضرتؒ نے اِس روبکار کی پشت پر لکھا کہ ملنے کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ مجھے آپ کے ساتھ کوئی کام ہو، سو مجھے تو آپ کے ساتھ کوئی کام نہیں ہے۔ اور دُوسری وجہ یہ کہ آپ کو میرے ساتھ کوئی کام ہو۔ اگر ایسی بات ہے تو پھر آپ کو یہاں میرے پاس آنا چاہیئے کیونکہ ہمیشہ ضرورت مند کو ہی جانا پڑتا ہے۔ ایک غیر ضرورت مند کو حاضری کا حکم دینا نظرِ ثانی کا محتاج ہے۔

قاضی سراج الدین بیرسٹر اُس زمانہ میں سرکاری وکیل تھے۔ ڈپٹی کمشنر صاحب نے اُنہیں مشورہ کے لیے بُلایا۔ قاضی صاحب نے سمجھایا کہ آپ ایسے شخص سے اُلجھنا چاہتے ہیں جو دونوں جہان پر لات مارے ہُوئے ہے۔ اور خُدا کے سوا دُنیا اور مافیہا سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ نیز ایک جنگ کو بمشکل ختم کیا ہے اور دُوسری بلا وجہ شروع کرنا چاہتے ہیں۔

قاضی صاحب کا پہلی جنگ سے اِشارہ سرحدی علاقہ کی مہم سے تھا۔ چنانچہ ڈپٹی کمشنر صاحب کی سمجھ میں بات آگئی اور اُنہوں نے حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کو اطلاع بھجوائی کہ میں خُود ملاقات کے لیے آؤں گا۔ چنانچہ تیسرے چوتھے روز اپنی میم صاحبہ و لڑکی سمیت آیا۔ حضرت بابُوجی مدظلہٗ اور ملک گلاب خان نے دربار شریف سے کچھ آگے جا کر اُن کا استقبال کیا تو اُنہیں دیکھ کر کہنے لگا۔ ہم اگر بادشاہ ہیں تو پیر صاحب بھی شہنشاہ ہیں۔ اگر وُہ ہمیں ملنے نہیں آئے تو ہم اُن سے ملنے کے لیے آگئے ہیں۔ مُلاقات پر حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ نے ڈپٹی کمشنر صاحب سے تو ہاتھ ملایا۔ مگر جب میم صاحبہ نے ہاتھ بڑھایا تو آپ نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ اُس نے اپنے خاوند سے کہا کہ شائد میں بہت گنہگار ہُوں اس لیے پیر صاحب نے مجھ سے ہاتھ نہیں ملانا چاہا۔ ڈپٹی کمشنر صاحب نے ان الفاظ کی ترجمانی حضرتؒ سے کی تو آپ کی طبیعت پر اس انگریز عورت کی بےنفسی اور انکساری کا اثر ہُوا اور فرمایا کہ یہ بات نہیں۔ بلکہ مذہب اسلام میں غیر عورتوں سے ہاتھ ملانے کی اجازت نہیں۔ اُن کی لڑکی نے کہا بےشک بائیبل مقدس میں بھی یہی حکم ہے۔

دورانِ گفتگو ڈپٹی کمشنر صاحب نے سوال کیا کہ آیا آپ کے پاس کوئی جاگیر ہے تو حضرتؒ نے فرمایا کہ مشرق سے مغرب تک حضرت غوث پاکؒ کی جاگیر ہے جو ہمارے جدِ امجد ہیں۔ اور یہ سارا ملک ہم کو جاگیر میں مِلا ہُوا ہے۔ لڑکی نے حضرتؒ کے ہاتھ والی تسبیح کے متعلق دریافت کیا کہ یہ کیا چیز ہے۔ فرمایا، اِس پر مَیں اپنے مالک کا نام لیتا ہُوں۔ اُس نے پُوچھا آپ کا مالک آپ کو تنخواہ کیا دیتا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ آپ لوگوں کی طرح تنخواہ مقرر نہیں بلکہ میرا مالک میری تمام ضروریات کے مطابق عطا کرتا ہے اور بےحد و حساب دیتا ہے۔ پھر وُہ پُوچھنے لگی کہ کیا آپ جو کچھ اپنے خُدا سے مانگیں وُہ آپ کو دیتا ہے۔ آپ نے فرمایا اگر وُہ چیز ہمارے لیے بہتر ہو تو عطا فرماتا ہے اور اگر اُس میں ہمارا نقصان ہو تو نہیں دیتا۔ جیسے معصوم بچہ روٹی کو ہاتھ مارتا ہے۔ مگر ماں اُسے دُودھ دیتی ہے کیونکہ بچے کا معدہ روٹی کو ہضم نہیں کر سکتا۔

گرمی کا موسم تھا۔ اور بارش کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی۔ لڑکی نے کہا۔ اگر ایسی بات ہے تو آپ بارش کے لیے دُعا کریں۔ کیونکہ آج کل بارش ہمارے لیے مفید معلوم ہوتی ہے۔ حضرتؒ اُس کی اس دانائی کی بات پر مسکرائے اور فرمایا ہم دُعا

کرتے ہیں۔ اگر بارش مفید ہے تو ہو جائے گی۔ پھر تمام حاضرین کو مخاطب کر کے بارش کے لیے دُعا کرائی۔ اور ساتھ ہی خود بھی ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگی۔ چنانچہ اُسی روز بارش ہو گئی حضرت بابوجی مدظلہ فرماتے ہیں کہ ڈپٹی کمشنر ایسا متاثر ہوا کہ جاتے ہُوئے کہا پیر صاحب ہم آپ کی چائے پینے کل پھر آئیں گے۔ چنانچہ دُوسرے دن پھر حاضرِ خدمت ہو کر دُعا کا طلب گار ہوا۔ اِسی طرح ایک اَور انگریز افسر نے آپ سے نرینہ اَولاد کے لیے درخواست کی تھی۔ شہر سے باہر کیمپ میں اُس کا قیام تھا حضرتؒ نے خدام کو کھانا پہنچانے کا حکم فرمایا چنانچہ پُرتکلف کھانا دیا گیا مگر اُس کی میم صاحبہ نے لنگر سے دال منگوا کر کھائی۔ اللہ تعالےٰ نے اُسے لڑکا عطا کیا پھر وُہ ساہیوال (منٹگمری) سیشن جج مقرر ہوا۔ ایک قتل کے مُلزم کو جس کا مقدمہ اُس کی عدالت میں زیرِ سماعت تھا اُس کی حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ سے عقیدت کا عِلم تھا۔ اُس نے اپنی صفائی کے گواہوں کی فہرست میں حضرتؒ کا نام تحریر کرا دیا۔ مسل پیش ہونے پر اُس نے ملزم سے پُوچھا کہ کیا پیر صاحب تمہاری صفائی کی شہادت دیں گے؟ ملزم نے ویسے ہی کہہ دیا کہ جی ہاں دیں گے۔ اُس نے یہ بات باور کرتے ہُوئے اُسے فوراً بری کر دیا۔

کئی سال بعد ایک انگریز، اِنگلستان سے آ کر حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اَور کہا کہ میں علاقہ کھوڑ میں تیل و پٹرول کی تلاش میں آیا ہُوں۔ فلاں صاحب نے جو یہاں ڈپٹی کمشنر رہ گئے ہیں اَور بعد میں کمشنر ہو کر ریٹائر ہوئے تھے، اِنگلستان میں مجھے کہا کہ تیل کے کنویں کھُدوانے سے پہلے پیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر دُعا کرانا حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ہاں وُہ صاحب میرے آشنا تھے اَور پھر دُعا فرمائی۔

نویں فصل

حضرت دیوان صاحب پاک پتن شریف کی عقیدت

حضرت دیوان سید محمد سجّادہ نشین درگاہ سُلطان الزّاہدین حضرت بابا فریدُالدّین مسعود گنج شکر رحمۃُ اللہ علیہ پاک پتن شریف کی استدعا پر حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ نے اُنہیں سلسلہ شریف چشتیہ صابریہ کے اَوراد و وظائف اَور ارشاد کی اجازت عطا فرمائی تھی۔ سلسلہ شریف چشتیہ نظامیہ میں وُہ پہلے سے ہی اپنے نانا بزرگوار حضرت دیوان اللہ جوایا سے بیعت تھے۔

حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کے ساتھ ان کے روابط کی تقریب یہ ہُوئی کہ دیوان اللہ جوایا لاولد تھے لہٰذا اپنے وصال سے پہلے اُنھوں نے اپنے نوعمر نواسے اَور متبنّیٰ دیوان سید محمد کو بذریعہ وصیّت اپنا جانشین نامزد کیا۔ لیکن اُن کے انتقال کے بعد اُن کے بارسُوخ بھتیجے میاں فتح محمد زبردستی گدّی پر قابض ہو گئے۔ دیوان سید محمد کی طرف سے دیوانی دعویٰ ہوا مگر خارج ہو گیا۔ اُنھوں نے اپیل کی تو فریق مخالف نے اُنہیں قتل کی دھمکی دی اَور جان لینے کے دَرپے ہو گئے۔ لہٰذا دیوان سید محمد کو جان بچانے کے لیے ریاست پٹیالہ کے ایک گاؤں میں جا کر پناہ لینا پڑی۔ اِس دَوران میاں فتح محمد نے خاندان چشتیہ کے تمام مشہور سجّادہ نشینوں سے اِس مضمون کے ایک محضر نامے پر دستخط کروا لیے کہ میاں سید محمد کم عمر ہیں اَور پاک پتن شریف جیسی گدّی کے لیے میاں فتح محمد ہی موزُوں و مستحق ہیں۔ جب یہ محضر نامہ دستخطوں کے لیے گولڑہ شریف پہنچا تو حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ نے دستخط کرنے سے انکار فرما دیا۔ میاں فتح محمد کے حضرت ثانی سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ کوشش و اصرار کے جواب میں حضرت نے فرمایا کہ آپ کا فرمان بجا مگر میرا دِل اِس طرف راغب نہیں ہوتا۔

اِس رُوحانی بشارت کی اطلاع کسی طرح حضرت دیوان سید محمد کی والدہ صاحبہ کو ہو گئی۔ لہٰذا جب چیف کورٹ تک اُن کی اپیلیں نامنظور ہو گئیں تو مائی صاحبہ نے اپنے ایک لاہور کے عزیز میاں خُدا بخش نامی کے ذریعے حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کی خدمت میں توسّل اَور استمداد کی درخواست کرتے ہوئے عرض کی کہ آئندہ اپیل کے لیے بہت رقم کی ضرورت ہوگی۔ اگر آپ اجازت بخشیں تو کوشش کی جائے۔ حضرت نے فرمایا کہ اگر گنجائش ہے تو ہمّت کریں۔ چنانچہ آپ کی دُعا کے بھروسہ پر مائی صاحبہ نے اٹھارہ ہزار روپیہ قرض لے کر پریوی کونسل لندن میں اپیل دائر کرا دی۔ جہاں اللہ تعالیٰ کے فضل سے دیوان سید محمد کے حق میں فیصلہ ہوا اَور وُہ بالآخر گدّی پر متمکّن ہو گئے۔

کچھ عرصہ بعد حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ نے پاک پتن شریف کی حاضری کا ارادہ فرمایا۔ اَور مولوی محبوب عالم صاحب آپ کی رہائش کا انتظام کرنے کی خاطر وہاں پہنچے۔ عُرس شریف کا موقعہ تھا اس لیے جب اُنھوں نے دیوان صاحب سے حضرت کے ارادہ کا ذکر کر کے جائے قیام کی درخواست کی تو وُہ خاموش رہے۔ اُس وقت تک دیوان صاحب کے ساتھ حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کا یا آپ کے خُدّام کا براہِ راست کوئی تعارف یا تعلق نہیں تھا۔ اَور نہ باہم خط و کتابت کی نوبت ہی آئی تھی۔ اِس لیے مولوی صاحب نے دیوان صاحب کی خاموشی کو انکار پر محمول کر کے جب بدیں خیال اُٹھنا چاہا کہ شہر میں کسی کرائے کے مکان کا انتظام کرنا چاہیے، تو

دیوان صاحب نے اُنہیں روک کر فرمایا کہ میں یہ سوچ رہا تھا کہ ایسے خصوصی مہربان بزرگ کے لیے جنہوں نے ایک نازک وقت پر بغیر کسی تعارف کے میری اِمداد فرمائی کونسی جگہ مُناسب ہوگی۔ میری خواہش تھی کہ آپ کا قیام موتی محل میں ہو لیکن چُونکہ وہاں عُرس کے موقعہ پر بعض دیگر حضرات قیام فرماتے ہیں۔ اِس لیے مجھے اندیشہ تھا کہ مبادا وُہ حضرات محسوس کریں۔ مگر اَب میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ آپ کی جائے قیام موتی محل ہی ہوگی۔ دُوسروں کے متعلق حضرت باوا صاحبؒ جانیں اَور وُہ صاحبان جانیں۔

پہلی مُلاقات پر دیوان صاحب کا تاثّر

جب حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ پاک پتن شریف پہنچے اَور دیوان صاحب سے مُلاقات کی تو دیوان صاحب بیان فرماتے تھے کہ آپ کو دیکھ کر میں تعظیماً اُٹھ کر تو مِلا مگر میرے دِل میں آپ کے متعلق جو حُسنِ ظن تھا وُہ جاتا رہا۔ میرا خیال تھا کہ حضرتؒ کے سر پر رُوئی کی ٹوپی ہوگی۔ کمر میں نیلے یا جوگیا رنگ کا تہمد ہوگا۔ اَور گلے میں قدرے مَیلا اَور مستعملہ لمبا سا کُرتا ہوگا۔ کیونکہ اُس وقت تک ایک فقیر اَور ولی اللہ کی ہیئت اَور لباس کا یہی نقشہ ہمارے ذہن میں تھا۔ مگر دیکھا تو ماشاء اللہ نہایت خوبصورت گھنگھریالی زُلفیں، نفیس کُلاہ پر سفید عمامہ، پارچات مصفّٰی اَور سفید رنگ جن پر چُغہ پہن رکھا تھا۔ میں نے سمجھا کہ دُنیادار ہیں۔ اَور اُٹھ کر مِلنے پر دِل ہی دِل میں افسوس بھی ہُوا۔ لیکن حضرتؒ نے میرے خطرۂ دِل پر مطلع ہو کر مجلس میں اپنے ایک اِرادت مند افسر مال سے مخاطب ہو کر دریافت فرمایا کہ جب آپ لوگ اپنے کسی افسر سے مُلاقات کے لیے جاتے ہیں تو کیا اچھا لباس پہن کر جاتے ہیں یا مَیلا کُچیلا اَور پھٹا پُرانا؟ اُس نے عرض کیا کہ اگر ہم اچھا لباس پہن کر نہ جائیں تو افسران بُرا منائیں گے۔ اِس پر حضرتؒ نے فرمایا کہ جب دُنیاوی افسروں کی حاضری کے یہ آداب ہیں تو جو دینی پیشوا اَور صاحبِ سجّادہ ہو اُس کے دربار میں حاضری کے آداب کا خود خیال کر لیں۔ نیز حدیث شریف میں ہے کہ خُدا جمیل ہے اَور جمال کو پسند کرتا ہے۔

دیوان صاحب کہتے تھے کہ یہ سُن کر میں اپنے خطرۂ دِل پر نادم اَور پشیمان ہُوا۔ اَور پھر عُمر بھر میرے دِل میں حضرتؒ کے متعلق کبھی کسی قسم کا شک و شُبہ پیدا نہیں ہُوا۔

لباس اَور سواری کے متعلّق ایک انگریز افسر کا اِعتراض اَور اُس کا جواب

اِس خُوش پوشی کے متعلق ایک اَور واقعہ بھی بہت مشہور ہے۔ بابو کریم بخش ہیڈ کلرک دفتر پولیس راولپنڈی جو گوجر خاں کے رہنے والے اَور حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کے اِرادت مند تھے۔ ایک عُرس کے موقعہ پر گولڑہ شریف حاضری کے لیے اپنے انگریز سپرنٹنڈنٹ پولیس سے ایک دِن کی رُخصت لینے کے لیے اُن کے سامنے پیش ہُوئے۔ کپتان صاحب نے کہا "یہ آپ کا پیر صاحب کیسا پیر ہے؟ ہم سے زیادہ اچھے گھوڑے پر سواری کرتا ہے اَور رئیسوں کا لباس پہنتا ہے۔ پیر فقیر تو وُہ ہوتا ہے جو کوئی مکان اَور سامان نہیں رکھتا۔ جہاں رات آجاتی ہے روٹی مانگ کر کھا لیتا ہے اَور مسجد وغیرہ میں پڑ کر سو رہتا ہے۔" پھر کہنے لگا۔ "اچھا جاؤ اَور ہماری طرف سے پیر صاحب سے یہ بھی پُوچھنا کہ آپ کے پاس اسلحہ کتنا ہے؟" یہ وُہ زمانہ تھا جب ۱۹۱۱ء کے دربار دہلی میں شمُولیت سے انکار پر حضرتؒ سے انگریز افسران بہت ناراض تھے۔ جب بابو کریم بخش نے یہ باتیں حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کی خدمت میں عرض کیں تو آپ نے فرمایا "اچھا، اگر تم اُسے جواب نہ دے سکو گے، میں خُود ہی جواب دُوں گا۔" چنانچہ اُسی سال جب آپ سیال شریف کے عُرس سے واپسی پر حسبِ معمول کچھ وقت کے لیے راولپنڈی میں قیام پذیر تھے۔ اَور عصر کے وقت ایک مخلص کی فٹن میں ٹوپی رکھ کی طرف

جا رہے تھے تو راستہ میں وُہی سُپرنٹنڈنٹ پولیس گھوڑے پر سوار آتا نظر آیا۔ آپ نے خدّام سے پُوچھا۔ کیا یہ انگریز یہاں کا پولیس کپتان ہے جواب اثبات میں ملنے پر آپ نے اُس کے قریب پہنچ کر فٹن رُکوائی اُس نے آپ کو سلام کیا۔ جس کا جواب دیتے ہُوئے آپ نے فرمایا آپ کا پیغام پہنچا تھا۔ اَب جواب سُن لیں۔ آپ نے کہا تھا کہ فقیر اچھے گھوڑے پر کیوں سواری کرتا ہے اور اچھا لباس کیوں پہنتا ہے۔ آپ اپنے افسروں کو خوش کرنے کے لیے اچھے گھوڑے پر سوار ہوتے ہیں اور اچھا لباس پہنتے ہیں۔ اگر فقیر اپنے افسر کی خوشی کے لیے جو سارے افسروں کا افسر اور بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔ اور جس کے ہاتھ میں سارے افسروں اور بادشاہوں کی جان ہے اچھے گھوڑے پر سوار ہو اور اچھا لباس پہنے تو اس میں کیا بُرائی ہے۔ اور آپ نے پُوچھا تھا ہمارے پاس ہتھیار کتنے ہیں۔ فقیر کا ہتھیار فقط یہ تسبیح ہے جو آپ کے تمام اسلحہ سے زیادہ کاری ہے"۔ اِس جواب سے وُہ انگریز افسر نادم سا ہو کر رہ گیا۔ اور آپ آگے روانہ ہو گئے۔

حضرت دیوان صاحب کے لیے اَولادِ نرینہ کی دُعا

حضرت بابُوجی مدّظلّہ العالی فرماتے ہیں کہ ایک دِن میاں تابا قوّال نے امرتسر میں کہیں سے سُنا کہ دیوان صاحب کے نرینہ اولاد ہو ہی نہیں سکتی۔ اور اِس بارہ میں کسی جادُوگر کا ذکر بھی ہُوا۔ جب اُس نے مجھ سے ذکر کیا تو میں نے کہا کہ حضرتؒ کی خدمت میں عرض کرو۔ چُنانچہ اُس کے عرض کرنے پر حضرتؒ نے فرمایا کہ خُدا تعالیٰ قادر ہے۔ سحر کا کُچھ اثر نہیں ہوگا۔ اور دُعا فرمائی۔ چنانچہ اگلے سال ہی حضرت دیوان غلام قطبُ الدّین تولّد ہُوئے اور مخالفین کے جادُو بے اثر ہو کر رہ گئے۔

نومولُود کے نام رکھنے کا واقعہ حضرت دیوان سید محمد خُود اِس طرح بیان فرمایا کرتے کہ میں قطب الاقطاب حضرت خواجہ قُطب الدّین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے عُرس شریف پر دہلی گیا ہُوا تھا۔ اور وہاں میرے دِل میں بار بار خیال آتا تھا کہ میرے بیٹے کا نام غلام قطب ہو۔ حضرتؒ کی خدمت میں نام تجویز فرمانے کے لیے عریضہ لکھا ہُوا تھا۔ جب دہلی سے واپسی پر پاک پتن شریف میں حضرتؒ کا خط مِلا تو اسی فکر میں کانپتے ہاتھوں سے کھول کر پڑھا تو آپ نے غلام قطبُ الدّین ہی نام تجویز فرمایا ہوا تھا۔

جناب خواجہ حسن نظامی دہلوی

حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ اور حضرت دیوان سید محمدؒ کے باہم بہت ہی خاص تعلّقات تھے۔ حضرتؒ اقدس زمانۂ استغراق تک عمُوماً ہر سال حضرت بابا صاحب گنج شکر قدس سرّہ العزیز کے عُرس مبارک پر پاک پتن شریف جاتے رہے۔ جہاں ادائے رسُومات میں دیوان صاحب کی طرف سے آپ کو ایک خصُوصی اِمتیاز اور اختیار حاصل رہا۔ چُونکہ عُرس شریف کے موقعہ پر پاک پتن شریف میں بے حد اژدہامِ خلائق ہوتا تھا اس لیے ہر مکتبۂ فکر کے لوگوں کو حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کی ذاتِ شریف سے اِستفادہ کا موقعہ مِلتا تھا۔ سُلطان المشائخ حضرت محبُوب الٰہیؒ کے خواہر زادہ جناب خواجہ حسن نظامی کی مُلاقات بھی حضرتؒ سے یہیں ہُوئی اور اُن کے اصرار پر حضرتؒ نے اُنہیں بیعت بھی فرمایا۔ خواجہ صاحب حُسنِ تحریر کے لیے دُعا کے طالب ہُوئے تو آپ نے دُعا فرما کر کوئی خاص طریق بھی تلقین فرمایا۔ جس کی برکت سے خواجہ صاحب اپنے وقت کے مشہُور اہلِ قلم ہُوئے اور مصوّرِ فطرت کا لقب پایا۔[1]

[1] حضرتؒ نے خواجہ حسن نظامی کے لیے حُسنِ تحریر اور سیّد عطاء اللہ شاہ بُخاری کی اِستدعا پر اُن کے لیے حُسنِ تقریر کی دُعا فرمائی تھی۔ اور بیان کیا جاتا ہے کہ آپ نے دونوں صاحبان کو متنبّہ فرما دیا تھا کہ تحریر و تقریر کی فصاحت مقامِ خطر بھی ہے۔ ان کے صحیح استعمال کا خاص خیال رکھنا چاہیئے۔

خواجہ صاحب اپنے رسالۂ "مُنادی" میں ہمیشہ حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کو اپنا شیخ طریقت تسلیم فرماتے رہے۔ آنجناب کے وصال پر گولڑہ شریف میں حاضر ہُوئے۔ اَور ایک خصوصی مقالہ "مُنادی" میں شایع کیا۔ خواجہ صاحب بے حد روادار طبیعت اَور مرنجان مرنج قسم کے انسان تھے۔ ابتداءً قادیانیوں کے حق میں نرم خیالی کے باعث عُلماء میں معتوب تھے۔ مگر بالآخر ۷ ؍ جون ۱۹۳۵ء کے پرچہ میں اعلان کیا کہ میرے پیرو مُرشد حضرت مولینا سید مہر علی شاہ چشتی نظامی سجادہ نشین گولڑہ شریف کا ایک بیان میری نظر سے گذرا جس میں حضرتِ اقدس نے ایک فیصلہ کُن حکم صادر فرمایا ہے اَور وُہ یہ ہے کہ قادیانی اپنے عقائدِ مخصوصہ کے سبب مسلمان نہیں کہلا سکتے اِس واسطے کسی مُسلمان کو اِن سے کسی قسم کا تعاون جائز نہیں[1]۔

پاک پتن شریف میں، مولوی غلام قادر سکنہ منچن آباد ضلع بہاول نگر اَور بعض عُلمائے قصُور کے حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کے ساتھ زیارتِ قبور، استمدادِ اولیاء اللہ اَور بہشتی دروازہ کے مسائل پر مناظرات، خصوصاً مولوی غلام قادر کی آپ سے بیعت کا ذکر بابِ ششم میں آئے گا۔ افسوس کہ ان رُوح پرور مجالس کا ریکارڈ نہیں مل سکا۔ ورنہ اِس موضوع پر ایک مستقل کتاب تیار ہو سکتی تھی۔

جناب بابُوجی مدّظلہ العالی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ پاک پتن شریف جانے کو تیار ہُوئے اَور مجھے فرمایا کہ تُم گھر پر ہی رہو لینگر اَور مہمانوں کا خیال رکھنا اَور نماز باجماعت اَور اَوقاتِ مکتب کی پابندی کرنا۔ مجھے چُونکہ دیوان صاحب کے ساتھ قلبی لگاؤ اَور دِلی تعلق تھا اِس لِیے میں ساتھ جانے پر مُصر تھا مگر حضرتؒ نہ مانتے تھے۔ آپ کا معمُول تھا کہ بعد نمازِ عصر اپنی والدہ مُحترمہ یعنی میری دادی صاحبہ کے سلام کے لِیے گھر حاضر ہُوا کرتے تھے۔ چنانچہ میں بھی ساتھ ہو لیا۔ اَور جب گھر کے قریب والی جھاڑی کے پاس پہنچے تو میں نے پھر ساتھ چلنے کے لِیے عرض کی۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ کسی کے مزار پر حاضر ہونے کا مزا جب ہے کہ آدمی صاحب مزار سے کم ازکم گفتگو تو کر سکے۔ میں نے عرض کیا کہ اَب تو میرا جانا اَور بھی ضرُوری ہو گیا ہے۔ کیونکہ آپ تو حضرت باوا صاحبؒ کے لِیے جاتے ہیں اَور وُہ آپ سے گفتگو فرماتے ہیں۔ میں تو دیوان صاحب کی محبّت کی وجہ سے جاتا ہُوں اَور وُہ مجھ سے گفتگو فرماتے ہیں۔ چُنانچہ آپ نے تبسّم فرمایا اَور اجازت دے دی۔

بظاہر مطالعہ و شغلِ تسبیح اَور بہ باطن حضرت باوا صاحبؒ سے گفتگو

جناب بابُوجی مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرتؒ پاک پتن شریف میں قیام فرما تھے اَور صُبح کے وقت وظائف سے فارغ ہو کر کتاب "فتوحاتِ مکیہ" سامنے رکھے ہُوئے تسبیح کا شغل فرما رہے تھے کہ دیوان صاحب مُلاقات کو آئے اَور دس پندرہ منٹ تک دروازہ میں کھڑے رہے مگر آپ نے توجہ نہ فرمائی۔ میں سخت حیران تھا کہ دیوان صاحب کھڑے ہیں اَور حضرتؒ ان کی طرف توجہ نہیں فرماتے۔ ایک ہمراہی مسمّی شیر باز خان حضرت کو توجہ دلانے کے لِیے آگے بڑھنے لگا تو دیوان صاحب نے منع کر دیا۔ اَور مجھ سے فرمایا کہ حضرتؒ ابھی مصرُوف ہیں۔ میں اِتنے میں باوا صاحبؒ کو سلام کر آؤں اَور کچھ اَور اُمور بھی طے کرتا آؤں۔ تقریباً ایک گھنٹہ بعد دیوان صاحب دوبارہ آئے لیکن حضرتؒ پھر متوجّہ نہ ہُوئے اَور اپنے شغل ہی میں مصرُوف رہے۔ میں دِل گرفتہ تھا کہ دیوان صاحب حضرت گنج شکرؒ کے سجّادہ نشین ہیں مگر حضرتؒ متوجّہ نہیں ہو رہے ہیں۔ دیوان صاحب پندرہ بیس منٹ تک منتظر رہ کر یہ کہتے ہُوئے کہ حضرتؒ ابھی مشغُول ہیں میں جاتا ہُوں۔ جب آپ فارغ ہوں مجھے اطلاع کرا دیں، تشریف لے گئے۔ میں بھی اُن کے ساتھ گیا۔ مگر

---

[1] اِس قسم کے کسی فتویٰ کی حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ سے نِسبت کی ذمہ داری جناب خواجہ صاحب پر ہے۔

کبیدہ خاطر تھا۔ اور بار بار سوچیتا کہ حضرتؒ نے دیوان صاحب کی طرف کیوں توجہ نہیں فرمائی۔

بہرحال کچھ وقت کے بعد اطلاع ملی کہ حضرتؒ اَب فارغ ہیں۔ مَیں چاہتا تھا کہ دیوان صاحب اَب نہ جائیں۔ اِس لیے جب وُہ جانے کے لیے اُٹھے تو میں نے عرض کی کہ اَب نہ جائیں۔ عصر کے وقت جب حضرتؒ اِس طرف آئیں گے تو اُن سے مل لیجئے گا۔ دیوان صاحب نے اپنے ہونٹوں پر اُنگلی رکھی اَور فرمایا "خبردار، ایسی کوئی بات مُنہ سے نہ نکالنا۔ میں ایک مرتبہ ایسا کر چکا ہُوں جس کا مجھے آج تک افسوس ہے۔ میں ابھی حضرتؒ کے سلام کے لیے جاتا ہُوں۔"

قبلہ باؤجی مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ حضرتؒ کے جتنے بھی ملنے والے تھے، دیوان صاحب جیسی محبّت اَور اخلاص اُن میں سے کسی میں بھی نہ تھا۔ بہرحال جب ہم حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہُوئے تو آپ دیوان صاحب کے ساتھ نہایت شفقت اَور مہربانی سے پیش آئے اَور فرمایا دیوان صاحب مجھے معلوم ہے کہ آپ تشریف لائے۔ مگر چُونکہ اُس وقت میں حضرت باوا صاحبؒ سے مصروفِ تکلّم تھا اِس لیے آپ کی طرف متوجہ نہ ہو سکا مبادا اُن کی شان میں بے ادبی یا گستاخی ہو جائے۔

قبلہ باؤجی مدظلہٗ نے فرمایا گو یہ بات حضرتؒ کے مشرب کے خلاف تھی اَور آپ اِس قسم کی باتیں نہیں کیا کرتے تھے، مگر اُس روز شائد اِس لیے ایسی بات فرمائی کہ دیوان صاحب کی طبیعت پر کسی قسم کا ملال نہ رہے۔

دسویں فصل

والیانِ ملک اور رؤسائے عظّام کا آپؒ سے توسّل

امیر حبیب اللہ خان والئی افغانستان

امیر حبیب اللہ خان والئی کابل، ایامِ شہزادگی میں خُفیہ طور پر حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کی خدمت میں دُعا کے لیے حاضر ہوئے تھے۔ محلّاتی سازشوں اور سوتیلے رشتوں کی جانب سے "اگر مادر شاہ بانو بُدے" کی قسم کے اعتراضات کے باعث اُن کی ولیعہدی خطرہ میں پڑی ہُوئی تھی۔ حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ نے دُعا بھی فرمائی اور دو روز مہمان بھی رکھا۔ مگر کسی کو امیر حبیب اللہ خان کی آمد یا روانگی کی خبر نہ ہوئی۔ حضرتؒ کے ایک غُلام خان زادہ قُل احمد خان ہزاروی کو البتہ بہت بعد میں معلوم ہوگیا تھا۔ اُن کا بیان ہے کہ ایک روز حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ نے مجھے فرمایا کہ قُل احمد بعض مہمان اپنے مرتبہ کا اظہار نہیں کرتے۔ اس لیے تم لوگ خود اُن کی قدر پہچان کر حسبِ مرتبہ خوراک اور تواضع کا مُناسب خیال رکھا کرو۔ اِس پر میں نے سمجھ لیا کہ کوئی خاص مہمان آنے والا ہے دُوسرے یا تیسرے روز برسات شرُوع ہوگئی۔ اور کئی روز تک متواتر رہی۔ ایک رات تہجد سے کچھ پہلے اچانک میری آنکھ کُھل گئی اور حضرتؒ کے حُجرۂ مبارک کی طرف کشش محسُوس ہُوئی۔ میں وہاں گیا تو دیکھا کہ تین اشخاص درختوں کے نیچے کھڑے ہیں۔ اور حُجرۂ مبارک کا دروازہ بند ہے۔ اِن لوگوں نے پوستینیں پہن رکھی تھیں۔ کہتے تھے سرحد پار سے آئے ہیں۔ اور آدھی رات کے بعد پشاور سے آنے والی ریل گاڑی سے اُترے تھے۔ ان میں سے ایک شخص جو نسبتاً کم عمر تھا کئی بار تخلیہ میں حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا۔ دو روز قیام کے بعد یہ لوگ واپس چلے گئے۔ کچھ عرصہ بعد پاک پتن شریف سے واپسی پر حضرتؒ لاہور میں قیام فرما تھے کہ سابق امیرِ کابل سردار یعقوب خان نے جو اُن دنوں بحالتِ نظربندی لاہور میں رہتے تھے بذریعہ خاص آدمی حضرتؒ سے علیحدگی میں مُلاقات کی اجازت لے کر شام کے وقت چڑیا گھر کے عقب والے مزار شریف کی مسجد میں حضرتؒ کی خدمت میں حاضری دی۔ اُس وقت حضرتؒ کا ایک خادم باہر وضُو کر رہا تھا، دُوسرا کچھ دُور ذکرِ جہر میں مصرُوف تھا۔ قُل احمد خان کہتے تھے کہ میں تنہا حضرتؒ کے پاس بیٹھا تھا۔ سردار صاحب موصُوف نے پُر معنی نگاہ سے میری طرف دیکھا جس پر حضرتؒ نے فرمایا کہ یہ اپنا ہی درویش ہے۔ جو کچھ کہنا ہو بلا خوف و خطر کہیں۔ اُنہوں نے عرض کیا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے مقبول ہیں۔ دُعا فرماویں میرا حق مجھے واپس مِل جائے۔ آپؒ نے فرمایا کہ تختِ کابل کے لیے اس سے قبل میں سردار حبیب اللہ خان کے حق میں دُعا کر چکا ہُوں۔ آپ کی حُسنِ عاقبت کے لیے دُعا کرتا ہُوں۔ اور ہاتھ اُٹھا کر دُعا فرمائی۔

خان زادہ قُل احمد خان کہتے تھے کہ اِس سے کچھ عرصہ بعد جب امیر حبیب اللہ خان تخت نشین ہُوئے تو مجھے حضرتؒ کے یہ الفاظ یاد آئے لیکن صحیح پتہ اُس وقت چلا جب ۱۹۰۷ء میں امیر موصُوف ہندوستان کے سرکاری دَورہ پر آئے۔ اور دہلی کے چاندنی چوک میں اُن کا جلوس دیکھ کر میں نے پہچانا کہ اِس بادشاہ کو میں دو دِن تک اپنے ہاتھ سے چائے تیار کر کے پلاتا رہا ہُوں۔

۱۹۲۸ء میں امیر امان اللہ خان جلاوطن ہوا تو حضرتؒ نے فرمایا کہ وہ حکومتِ افغانستان کا اہل نہ تھا۔ اور اُس کے کام شرع شریف کے مطابق نہیں تھے۔ سرحدی پٹھانوں اور افغانوں کے حال پر حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کی خاص توجہ تھی۔ جس کی وجہ سے برطانوی حکومت کے کارپردازان بھی ایک موقعہ پر آپؒ کے متعلق شکوک و شبہات میں مبتلا ہو گئے تھے۔

امیر حبیب اللہ خان کے والد امیر عبدالرحمٰن خان والیٔ افغانستان کی بھی حضرتؒ کے ساتھ خط و کتابت کا حال کسی رسالہ میں نظر سے گذرا ہے۔ تفصیل معلوم نہیں ہو سکی۔ البتہ اِتنا معلوم ہے کہ حضرتؒ کے ایک بہت بڑے ارادت مند اور مشہور واعظ قاضی قدرت اللہ سکنہ قاضی خیل پشاور امیر موصوف کی دعوت پر اکثر وعظ کہنے کے لیے کابل جایا کرتے تھے۔

نوّاب صاحب بہاول پُور

نوّاب صادق محمد خان سادس امیر بہاول پُور کو بھی حضرتؒ سے بہت نیاز اور عقیدت تھی۔ اُن کی طرف سے اکثر مہمات میں عرضداشتیں پہنچتی رہیں اور مقاصد حل ہوتے رہے۔ مگر اُن کی بیعت کی تمنّا پُوری نہ ہوئی۔ ۱۹۲۵ء میں ریاست بہاول پُور کے دو عُہدے دار غلام حسن خان ناظم اور محمّد امین خان سُپرنٹنڈنٹ پولیس جو حضرتؒ کے مُخلصین وارادت مندوں میں سے تھے۔ گولڑہ شریف حاضر ہُوئے اور حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کی خدمت میں عرض کی کہ نواب صاحب گولڑہ شریف آنے کو تیار تھے بلکہ اپنا ڈبہ ریل گاڑی کے ساتھ لگوانے کے لیے ریلوے کو لکھ بھی دیا تھا مگر اچانک سرکاری کام سے دہلی جانا پڑ گیا۔ اب واپسی پر یہاں کی حاضری کا پروگرام طے ہو گا۔ اِس پر حضرتؒ نے فرمایا کہ محلات سے نوّاب صاحب کے صاحبِ اِختیار ہونے کے لیے دُعا کا پیغام آیا تھا۔ سو اللہ تعالیٰ نے اُن کی تاجپوشی کرا دی ہے۔ اِس سے زیادہ اُن کی آمد و رفت یا والیانِ ریاست کے ساتھ پیری مُریدی کا تعلّق مجھے پسند نہیں کیونکہ حاجت مند لوگ سفارش کی توقّع رکھتے ہیں۔ اور مجھے نہ سفارش کرنا اچھا لگتا ہے اور نہ اِس سے اِنکار۔

نوّاب ولی الدّولہ حیدر آباد دکن

ریاست حیدر آباد دکن کے ایک رئیس نوّاب ولی الدّولہ کی حضرتؒ سے بیعت تھی۔ بیماری کے سلسلہ میں ڈاکٹروں نے اُنہیں بحری ہوا خوری کے لیے لندن جانے کا مشورہ دیا۔ نوّاب صاحب نے آپؒ کی خدمت میں اجازت کے لیے عریضہ لکھا تو آپؒ نے لکھ بھیجا کہ اگر بحری ہوا ہی کھانا ہے تو بجائے لندن کے حجِّ بیتُ اللہ اور مدینہ شریف کی زیارت کو جایئے۔ بحری ہوا خوری کا مقصد بھی پُورا ہو جائے گا۔ اُن کو شراب کی عادت تھی۔ اُسی سال (۳۴-۱۹۳۳ء) نواب صاحب بہاولپُور اور اُن کے ہمراہ جناب شیخ الجامعہ بھی حج کے لیے گئے۔ جب جدہ پہنچے تو اُنہوں نے دیکھا کہ نوّاب ولی الدّولہ نے شراب کے تمام بکس جو ہمراہ تھے، سمندر میں پھنکوا دیئے اور سچّے دل سے توبہ کی۔ فریضۂ حج ادا کرنے کے بعد مدینۂ عالیہ پہنچ کر فوت ہو گئے۔ تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ تک اُن کا جنازہ روضۂ عالیہ کے سامنے پڑا رہا۔ دیکھنے والے رشک کرتے تھے کہ یہ کون خُوش نصیب اِنسان ہے حضرت شیخ الجامعہؒ نے اُٹھ کر تعارف کرایا کہ یہ میرا پیر بھائی ہے۔ حضرت پیر جماعت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ علی پُوری بھی وہاں موجود تھے۔ اُنہوں نے فرمایا لوگو، دیکھو باخُدا اِنسان سے تعلّق ونسبت کے کیسے عُمدہ نتائج پیدا ہوتے ہیں۔

نوّاب صاحب انب دربند

ریاست انب دربند کے سابق نوّاب صاحب عالم نوّاب زادگی کے ایّام سے ہی حضرتؒ کی خاص عنایات سے مشرف و

سرافراز تھے۔ اِن کی جانشینی کو خطرہ لاحق ہو گیا تھا جو آپ کی دُعا اور توجہ سے دُور ہوا۔ اُن کے صاحبزادے جو اِس وقت والیٔ ریاست ہیں اور جن کا اسمِ گرامی نواب محمد فرید خان ہے نے راقم سطور ہذا کو مندرجہ ذیل خط لکھا ہے :۔

"یُوں تو میرے والد بزرگوار کو بھی حضورؒ کی غُلامی کا شرف حاصل رہا ہے۔ میں ۱۹۲۱ء میں جناب خان بہادر قاضی سراج دین سکنہ راولپنڈی کے ہمراہ بغرضِ بیعت حضورؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضورؒ نے بڑی عنایت سے مجھے غلامی میں منسلک فرمایا۔ نماز کی پابندی کی تاکید کے ساتھ کچھ اوراد و وظائف بھی تلقین فرمائے۔ دُنیوی تکلیفات و حوادث میں حق تعالیٰ کے بعد میں حضورؒ کی یاد کو دل میں رکھا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ خواب میں حضورؒ نے فرمایا کہ تو ہر وقت اپنی تکلیفات میں ہمیں یاد کرتا رہتا ہے۔ اِس لیے ہم تمہیں ایک وظیفہ بتلاتے ہیں جو مقررہ اوقاتِ نماز کے بعد ایک دفعہ پڑھ لیا کرو۔ صبح بیدار ہونے پر خواب تو مجھے یاد رہا لیکن وظیفہ بھُول گیا۔ میں نے ایک چٹھی حضورؒ کی خدمت میں ارسال کی اور سارا خواب بھی اُس میں لکھ کر عرض کی کہ وظیفہ تو بھُول گیا ہُوں صرف ایک لفظ "عظیم" یاد رہ گیا ہے۔ بواپسی حضورؒ نے وُہی وظیفہ مجھے لکھ کر بھیج دیا۔ شرفِ غلامی کے بعد بفضلِ خُدا میں اپنے آپ میں ایک انقلاب محسُوس کرتا ہُوں۔ جب مجھے نماز کی تاکید فرمائی تھی تو وُہ الفاظِ مُبارک بندُوق کی گولی کا کام کر گئے تھے۔ حضورؒ کے اُس ارشاد کی برکت سے آج تک ایک نماز بھی مجھ سے قضا نہیں ہُوئی۔"

سردار محمد علی خان گھیبہ

علاقہ گھیبی کے نامور رئیس سردار محمد علی خان گھیبہ کو حضرتؒ کے ساتھ بیعت کا شرف حاصل تھا۔ آخری عُمر تک اولادِ نرینہ سے محرُوم تھے۔ ایک روز حضرتؒ نے بذریعہ خاص آدمی خط بھجوایا جس میں تحریر تھا کہ فوراً دُوسری شادی کرلو چنانچہ اُنہوں نے ایسا ہی کیا اور نکاح کے چند ماہ بعد فوت ہو گئے۔ اِسی نکاح سے سردار محمد نواز خان تولد ہُوئے۔ وُہ بھی حضرتؒ کے عقیدت مندوں میں سے تھے۔ اِن کے متعلق حضرتؒ کے وصال کے بعد آپ کی نمازِ جنازہ پڑھانے کی ایک غلط روایت مشہُور ہو گئی تھی۔ نمازِ جنازہ میں شامل ہونے کا شرف اِن کو ضرور حاصل ہُوا تھا مگر حضرتؒ کی نمازِ جنازہ آستانہ عالیہ کے امام مسجد جناب قاری غلام محمد پشاوری نے پڑھائی تھی۔

نواب سر عُمر حیات خان و سر خضر حیات خان ٹوانہ

کالرہ اسٹیٹ ضلع سرگودھا کے نواب جنرل سر عُمر حیات خان ٹوانہ کو بھی آپ سے شرفِ بیعت حاصل تھا جس کی بدولت نہ صرف شراب نوشی کی عادت سے بچ گئے تھے بلکہ پانچ وقتہ نماز کی پابندی کے ساتھ ساتھ حج بیتُ اللہ شریف اور زیارتِ روضۂ اطہر سیّد المرسلین صلّی اللہ علیہ وسلّم کی سعادت سے بھی مشرف ہُوئے۔ اِس ضمن میں مشہُور ہے کہ خوانینِ ہزارہ میں سے حضرتؒ کے ایک مُخلص ملک سر عُمر حیات خان کے مقروض تھے۔ قرضہ کی رقم زیادہ تھی جسے وُہ یکمُشت ادا کرنے سے قاصر تھے۔ مُہلت لینے اور آسان اقساط کے ذریعہ ادائیگی کی اجازت کے لیے حضرتؒ کا سفارشی خط لے کر ملک صاحب کے پاس گئے۔ ملک صاحب اُس وقت تک حضرتؒ سے بالکل متعارف نہ تھے لیکن اِس کے باوجُود حضرتؒ کے گرامی نامہ کا اِس قدر احترام کیا کہ قرضہ معاف کرتے ہُوئے رسید وصُولی قرضہ لکھ کر حاملِ گرامی نامہ کے حوالے کر دی۔

اِن کے صاحبزادے نواب ملک سر خضر حیات خان سابق وزیرِ اعظم پنجاب کی بھی حضرت قبلہ عالم قدس سرہٗ کے ساتھ عقیدت

کی بدولت اَب یہ کیفیت ہے کہ اکثر باوضُو رہتے ہیں اَور مجالس سماع و ذکر میں اُن پر رقت و گریہ کی حالت طاری رہتی ہے۔ کسی زمانہ میں حضرتؒ سے وزارت کی دُعا کے متمنّی ہُوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے حضرتؒ کے وصال کے وقت وزیر اَور بعد میں پنجاب کے وزیر اعلیٰ ہُوئے۔

نواب میاں محمّد حیات قریشی

اپنے زمانہ کے نوجوان امیرزادوں میں سے صابو وال ضلع سرگودھا کے نواب میاں محمد حیات قریشی پر حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ بہت زیادہ شفقت فرماتے تھے۔ ان کے والد بزرگوار جناب میاں محمد قریشی، حضرتؒ کے پیر بھائی تھے۔ اَور یہ خود یعنی نواب میاں محمد حیات حضرت ثانی سیالویؒ کے اِرادت مند تھے۔ لیکن روایت ہے کہ کسی نے حضرتؒ سے سوال کیا تھا کہ حضور کو اپنے ارادتمندوں میں سے کون زیادہ عزیز ہے تو فرمایا کہ محمد حیات اچھا لگتا ہے۔

یہ حضرات اوسط درجہ کے مرفہ الحال زمیندار خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ مگر حضرتؒ کی توجّہ سے اَب اِن کا شمار ضلع بلکہ کمشنری کے چوٹی کے رؤسا میں ہوتا ہے۔ نواب صاحب مرحوم معمولی انگریزی تعلیم کے باوجود صُوبائی سروس کمیشن کے ممبر رہے۔ اَور نواب کا خطاب بھی حاصل کیا۔ دُنیوی ترقّی کے ساتھ ساتھ دینداری میں وُہ مقام حاصل کیا کہ بقول شخصے خُدائے تعالیٰ نے چاہا تو بروزِ حشر اُمرائے زمان میں سے بطور مثال پیش کیے جا سکتے ہیں۔ مفتی محمد حسن جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور بیان کرتے ہیں کہ میاں صاحب نے اپنی بیماری کے دَوران تخلیہ میں اُنہیں وصیّت کی تھی کہ اگرچہ میری کوئی نماز قضا نہیں ہُوئی مگر میں نے احتیاطاً اپنے لڑکے میاں محمد ذاکر سے کہہ رکھا ہے کہ میرے بعد میری تین برس کی نمازوں کی قضا کا صدقہ یعنی فدیہ ادا کر دے۔ اَور آپ اُسے میری موت کے بعد فوراً یاد دہانی کرا کر ادا کرا دیں۔

سر سکندر حیات خان۔ خان بہادر میاں مُشتاق احمد خان گورمانی و نواب عبداللہ خان آف خان گڑھ

حضرتؒ کے فیضانِ نظر سے آپ کے بہت سے عقیدت مند شرفاء باوجود اَوسط درجہ کی تعلیم و مالی حالت کے ترقّی کے بلند ترین مراحل طے کر کے حکومتِ وقت کے اعلیٰ ترین مناصب پر فائز ہُوئے اَور مُلک کے سرکردہ سیاسی لیڈروں میں شُمار کیے گئے۔ اِن میں واہ ضلع کیمبل پُور کے سردار سر سکندر حیات خان سابق وزیر اعظم و گورنر پنجاب اَور ٹھٹھہ گورمانی ضلع مظفر گڑھ کے خان بہادر میاں مشتاق احمد خان گورمانی سابق گورنر مغربی پاکستان کے نام بطور مثال پیش کیے جا سکتے ہیں۔ سر سکندر پر حضرتؒ کی اوائل سے ہی نظرِ عنایت تھی۔ اَور وُہ اپنی کامیابیوں کو بالعموم حضرتؒ کی توجہ اَور آپ کے فرمُودہ وظائف کی پابندی کے ساتھ منسُوب کرتے تھے اَور میاں مُشتاق صاحب تو نہ صرف خود آپ سے بیعت تھے بلکہ میاں صاحب کے والد صاحب بھی حضرتؒ سے بیعت تھے۔ اِن دونوں صاحبان کا تعلق حضرتؒ کے جواں سال عقیدت مندان کے طبقہ سے ہے۔ اَور نواب عبداللہ خان سکنہ خان گڑھ کا شمار حضرتؒ کے متقدّمین ارادت مندوں میں ہوتا ہے۔ اِن کی بیعت اَور دُنیوی مشاغل کے ساتھ ساتھ دینداری کا کچھ ذکر باب کرامات کتاب ہٰذا میں بھی آئے گا۔

حاجی میاں کریم بخش، میاں عبدالرحیم و میاں عبدالرشید سیٹھی پشاور و میاں امام بخش سوداگر مُلتان

حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کے صاحبِ ثروت مگر درویش صفت ارادتمندان میں سے یہ چار حضرات سرِ فہرست ہونے کے قابل ہیں۔

اِن صاحبان کا برِّصغیرِ پاک وہند میں اور ممالکِ افغانستان، ایران، تُرکستان، چین اور رُوس و انگلستان وغیرہ میں کروڑوں روپوں کا کاروبار تھا۔ مگر اپنے شیخ کریم کے ساتھ صحیح تعلق اور نسبت کی بدولت درویشانہ زندگی بسر فرماتے تھے۔ سیٹھی کریم بخش و عبدالرحیم نے زائرین کی سہولت کے لیے دامنِ کوہ میں پہاڑی نالوں اور کھڈوں سے پٹی ہُوئی اس سرزمین گولڑہ شریف میں ریلوے اسٹیشن سے لے کر آستانۂ عالیہ تک تین میل لمبی سڑک تعمیر کرائی۔ نیز تعمیرِ مرکز میں بھی بیش از بیش حصّہ لیا۔ یہ چاروں حضرات آپ کے ابتدائی زمانہ کے ارادت مندوں میں سے ہیں۔ جن کی صحیح اسلامی زندگی کی برکات کا عکس ان کی اولاد میں بھی نمایاں ہے۔

بعض نوعُمر امیر زادے

خانزادہ قُل احمد خان جن کا ذکر اُوپر آچکا ہے۔ خوانینِ درّوسا ہزارہ میں سے تھے بچپن میں حضرتؒ کی زیارت کو آئے اور یہیں کے ہو گئے۔ گولڑہ شریف میں ہی چند درسی کُتب کا مطالعہ کیا اور لنگر شریف کی خدمت کرتے رہے۔ پھر حضرتؒ کے ارشاد کی تعمیل میں کچھ عرصہ حکیم شمسُ الدین گجراتی کے پاس دہلی اور بمبئی میں گزار کر علمِ طب حاصل کیا مگر حقیقی شغل مولینا محبوب عالم ہزاروی اور ملک سُلطان محمود ٹوانہ شاہ پُوری وغیرہ احباب کی طرح ہمیشہ نظارۂ جمالِ شیخ ہی رہا۔ حضرت خواجہ محمود تونسویؒ ایک بار اجازت لے کر ان کو اپنے ہمراہ لے گئے۔ اور کہتے ہیں کہ جتنے روز بھی وہاں رہے، غمِ فراقِ شیخ میں آنکھیں گریاں ہی رہیں۔ ناچار اُنہوں نے واپس گولڑہ شریف بھیج دیا۔

اولیاء اللہ بالخصوص اربابِ چشت اہلِ بہشت کے آستانوں پر اکثر امیر خسروؒ صفت امیر زادے دِکھائی دیتے ہیں جو لطیف مزاج، خُوش پوش اور سخن سنج ہونے کے ساتھ ساتھ، تصوّف کے لیے بھی جو دراصل رُوحِ مذہب ہے ایک والہانہ ذوق رکھتے ہیں۔ یہی ذوق اُنہیں رندِ خرابات ہونے سے اور بالآخر ہلاکت سے بچا لینے کا باعث ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ جب ہم کسی قوم کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں۔ تو سب سے پہلے اُس کے اُمراء کو گناہوں میں مُبتلا کر دیتے ہیں۔ لہٰذا اربابِ تصوّف کی نظر میں اس نوع یعنی امیر اور امیر زادوں کی اصلاح نہایت ضروری ہوتی ہے۔

حضرت امیر خسروؒ دہلوی نے جناب محبوبِ الٰہی قدس سرّہ العزیز کی شان میں کہا تھا ؎

ہر قوم راست راہے، دینے و قبلہ گاہے
من قبلہ راست کردم بر سمتِ کج کلاہے

حضرت خواجہ نظام الدین چشتی اورنگ آبادیؒ کے ایک رئیس زادہ غلام نے اپنے شیخ کی جناب میں یہ عرض کیا۔

آتش بہ دلم جمالِ رویت افروخت — وز شعلۂ آں فردِ ہستی ہمہ سوخت
زُلفِ تو مرا بہ بست، مژگانِ تو کُشت — حُسنِ تو مرا خرید عشقِ تو فروخت

اور حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کے ایک غُلامِ بے دام جناب خواجہ محمد اسماعیل المتخلص بہ علیی امرتسری نے آپ کو اس طرح مخاطب کیا ؎

اَے کہ از سر تا بہ پا نُورِ اَحد — مہرِ علی، مہرِ سپہرِ الصَّمد
قبلۂ من کعبۂ من کُوئے تُست — دین و ایمانم جمالِ رُوئے تُست

سنگِ بابِ تُست بیت اللہِ من
نقشِ پائے تُست سجدہ گاہِ من

پیچ در پیچ آمدہ گیسوئے تو
ہمچو سُنبل زُلفِ عنبر بُوئے تو

بہرِ عاشق یا شبِ یلداست ایں
یا غلافِ کعبہ یا لیلاست ایں

یا برائے مُرغِ دل جام است ایں
یا شبِ وصل آمدہ شام است ایں

حجِّ بیت اللہ جمالِ رُوئے تو
آسماں گرمِ طوافِ کُوئے تو

حُسنِ سیمائے تو شرحِ والضحٰی
یا مہِ دو ہفت شب جلوہ نما

یاکہ ایں اعجازِ ختم المرسلینؐ
یا چُناں ماہے کہ روشن برزمین

یا خطِ تقدیرِ حق آگاہ ست ایں
یا سراپا لوحِ الاّ اللہ ست ایں

گیارھویں فصل

آزمائش کی چند گھڑیاں

یہ قُدرت کا قانُون ہے کہ ہر عُروج و کمال کو اپنی اِرتقائی منازل میں اِبتلا اور آزمائش کی مشکل ترین رُکاوٹوں کو عبُور کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ جب حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کی شہرت کا دور دورہ ہوا تو کسی حلقۂ فکر میں رشک نے کروٹ لی۔ کہیں حسد چیں بہ جبیں ہوا، اور کہیں بُغض و عداوت نے تعصب و اِلحاد سے رِشتہ جوڑ کر سر اُبھارنا شروع کیا۔

حضرتؒ کی ذات پر بعض حاسدین کے ناکام حملے

تلوارِ برہنہ

ایک حاسد جان لینے کے درپے ہوا اور کئی جتن کیے مگر ؎

دُشمن چہ کُند چوں مہرباں باشد دوست

پہلے ایک اُجرتی قاتل کو خنجر دے کر بھیجا جو موقعہ پاکر پلنگ کے نیچے چھُپ گیا۔ آپ مسجد میں عشاء کی نماز ادا کر کے واپس آکر پلنگ پر لیٹ گئے لیکن اُسے حملہ کی جُرأت نہ ہوئی۔ اِتفاقاً کروٹ بدلتے وقت آپ کا بازو نیچے لٹک کر اُسے جا لگا۔ جس پر وُہ پسینہ پسینہ ہو کر بھاگ کھڑا ہوا۔ کچھ عرصہ بعد یہ شخص کسی مقدّمہ میں ماخوذ ہو کر قید ہو گیا۔ کہا کرتا تھا کہ اِس معاملہ میں بے قصُور ہُوں۔ البتہ حضرتؒ پر حملہ کرنے کے اقدام کا گنہگار ہُوں۔ اور یہ سزا اُسی قصُور کی ہے۔

ایک اور شخص برہنہ تلوار لے کر آیا۔ آپ درختوں کے نیچے چارپائی پر لیٹے تھے مگر جاگ رہے تھے۔ شیخ الجامعہ اپنے مسوّدہ میں لکھتے ہیں کہ حضرتؒ فرماتے تھے جب اُس شخص نے چارپائی کے برابر آکر تلوار اُٹھائی تو میں نے خیال کیا بس ابھی اس دردِ سر کا قصّہ تمام ہوتا ہے مگر وار نہ پڑا۔ میں نے اُسے کہا کہ بھئی اپنا کام کیوں نہیں کرتے۔ جس پر تلوار پھینک کر وُہ میرے قدموں سے لپٹ گیا اور رونے لگا۔

سالن میں زہر

ایک شخص ساگ کا سالن پکا کر اور اُس میں زہر ملا کر لایا۔ آپ کو شُبہ تو ہو گیا تھا۔ مگر اُس کی دلجوئی کے لیے دو تین لُقمے کھا لیے۔ جس کی وجہ سے بعد میں اُس زہر کا معمُولی سا اثر بھی ہوا۔ شیخ الجامعہ لکھتے ہیں کہ حضرتؒ فرماتے تھے۔ مجھے شُبہ تو ہو گیا تھا کہ اِس میں زہر ہے لیکن اگر نہ کھاتا تو وُہ لوگ شرمندہ ہوتے۔ نیز اُن کے اِرادوں اور پیہم اقدامات سے زندگی ہیچ معلوم ہونے لگی تھی۔ پھر یہ خیال بھی آیا کہ موت کا وقت مقرر ہے۔ اگر تقدیر میں ابھی نہیں ہے تو اِس زہر کا کچھ ضرر نہ ہوگا۔

اَربابِ دِل کی یہ کیفیتیں عقل کی دسترس سے باہر ہوتی ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ حضرت خالد بن ولیدؓ سے شکست کے بعد ایک ایرانی جرنیل نے گرفتاری کے وقت زہر پھانکنے کی کوشش کی۔ مگر اُسے پکڑ کر ایسا کرنے سے روک دیا گیا۔ اور معاملہ حضرت خالدؓ

کے پیش ہوا۔ اُنہوں نے بسم اللہ پڑھ کر وُہ زہر خود کھالیا اور فرمایا کہ موت اللہ تعالیٰ کی منشاو قدرت میں ہے چنانچہ اُن پر زہر کا کوئی اثر نہ ہوا۔ یہاں بھی غالباً اِسی قبیل کا کوئی تاثر مقصود تھا۔

جادُو کا وار

پھر سری نگر کے ایک برہمن سے جادُو کروایا گیا اور آپ سخت بیمار ہو گئے۔ بے ہوشی کے دَورے پڑنے لگے۔ اور آپ بے حس و حرکت پڑے رہتے۔ اِس حالت میں کوئی مہینہ بھر گزر گیا۔ تو وُہ دُشمن جان خوشی میں آکر شیخی مارنے لگا کہ کشمیری پنڈت نے سر دھڑ کی بازی لگا دی ہے صرف دس دِن باقی رہ گئے ہیں ان کا کام تمام ہو جائے گا۔ اگر اِن کا کام تمام نہ ہوا تو وُہ کہتا تھا کہ میں ختم ہو جاؤں گا۔ جب یہ بات مولینا محبُوبؒ عالم کے کانوں تک پہنچی تو اُنہوں نے حضرتؒ کے کان میں چلّا کر کہا کہ آپ پر ایک کشمیری پنڈت نے جادُو کر کے معمولات دریا میں بہا دیئے ہیں۔ اور مخالفین بغلیں بجا رہے ہیں۔ مولوی محبُوبؒ عالم یہ کہہ کر بے اختیار ڈھاریں مار کر رونے لگ گئے۔ وُہ کہتے تھے کہ میرا اِس طرح رونا تھا کہ حضرتؒ فوراً اُٹھ کر بیٹھ گئے۔ اور فرمانے لگے۔ میں سمجھ رہا تھا کہ مرض کا آزار ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہمان بن کر آیا ہے۔ کافر کا جادُو مجھے نہیں مار سکتا، جاؤ تسلّی رکھو۔

چاہ کن را چاہ درپیش

پھر معلوم ہوا کہ وُہ کشمیری کافر اِس اچانک شفایابی کی اِطلاع پا کر حضرت پیر حیدر شاہ جلال پُوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر گڑگڑایا کہ حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ سے معافی دِلوا دیں یا خود نظر کرم اور توجہ فرمائیں۔ مگر اُنہوں نے فرمایا "تُم نے ہمارے گوہر شب چراغ کو ضائع کرنا چاہا تھا۔ ہمارے پاس تمہارے لیے پھٹکار کے علاوہ کچھ نہیں ہے" چنانچہ وُہ واپس سری نگر چلا گیا۔ جہاں پہنچ کر اپنے ہی سحر کی ناکامی کے ردِّ عمل سے ہلاک ہو گیا۔ جادُو کرانے والا بھی زیادہ عرصہ زندہ نہ رہا۔ البتّہ حضرتؒ کے ایماء پر اُس کی شخصیت ہمیشہ پردۂ اخفاء میں رہی۔

قرابت داروں سے حضرتؒ کا سلُوک

بڑے پیر صاحب حضرت پیر فضل دین شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے غلبۂ حال کے باعث متاہل زندگی اِختیار نہ فرمائی تھی۔ اُنہوں نے حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کے علاوہ کسی دیگر عزیز کو خلافت اور ارشادِ خلق کے قابل نہ سمجھا تھا۔ اور حضرتؒ ماشاء اللہ بڑے پیر صاحبؒ کی حیات و موجُودگی میں ہی مرجع خلائق ہو چکے تھے۔ حضرتؒ نے اِس خیال سے کہ بڑے پیر صاحبؒ کے زیادہ قریبی اعزّا کو یہ امر ناگوار نہ گُزرے، اِبتداء میں اپنے ننھیال یعنی قصبہ حسن ابدال میں سکونت پذیر ہونے کا قصد فرمایا۔ مگر بڑے پیر صاحبؒ نے اجازت نہ دی۔ پھر قصبہ گولڑہ شریف سے کچھ دُور ایک ڈیرہ پر رہائش اختیار فرمائی۔ مگر بڑے پیر صاحبؒ نے کہلا بھیجا کہ میرے پاس آکر رہو ورنہ جہاں بھی تم رہو گے میں خُود وہیں چلا آؤں گا۔ تمام عزیزوں کے ساتھ حضرتؒ کا سلوک ہمیشہ مثالی رہا۔ آپ کے لنگر سے دیگر مستحقین کی طرح اِن کو بھی مالی اِمداد ملتی رہی لنگر شریف کے ساتھ متعلّقہ درس کے عُلماء اِن کے بچّوں کی تعلیم پر بھی متوجّہ رہے۔ اور آپ کا دستِ دُعا ان کی دُنیوی اور اُخروی صلاح و فلاح کے لیے ہمیشہ دراز رہا۔ بڑے پیر صاحبؒ کے بعد تقریباً تمام خاندان آپ سے بعیت ہوا اور ہر قسم کے دینی و دُنیوی مفادات آپ کی بدولت اِن کو حاصل ہوتے رہے۔ اگر کسی سے ظاہری یا اندرُونی کدُورت کا اظہار

بھی ہوا تو آپ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے مصداق اُس عزیز کو زیادہ سے زیادہ تر لُطف و کرم سے نوازا۔ اور یہی حالت اب تک آپ کے فرزندِ ارجمند جناب بابوجی مدظلّہٗ کے سلوک و شفقت کی ہے۔ صالحین اُمّت کو سُنّتِ انبیائے کرام علیھم السّلام کی پیروی میں اس تنگنائے سے گزرنا ہی پڑتا ہے۔ اور اسی سے ان کی مَرَّوا کِرَامًا کی شان عظمتِ کردار اور قُربِ کردگار کی نشان دہی ہوتی ہے۔

بعض معاصرانہ چشمکیں

اِس دَوران میں دیگر معاصرین کے علاوہ خود راہِ سلوک کی بعض محترم شخصیتوں کی جانب سے بھی بعض دُشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ حضرتؒ کے علمی مناظرات کو مولویّت کا طعنہ دیا گیا۔ آپ کے استغناء کو غرور سے، اور استغراق کو بے نیازی سے تعبیر کیا گیا۔ لیکن آخر کار اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ تمام غلط فہمیاں رفع ہو کر عداوتیں اور چشمکیں اخلاص و نیاز میں تبدیل ہو گئیں۔

درُود شریف کبریتِ احمر میں جو اورادِ غوثیہ قادریہؓ کے معمولات میں سے ہے۔ اور خاندانِ چشت کے وظائف میں بھی شامل ہے۔ ایک جگہ فَاَعْشَوْشَبَ مِنْهُ الْقَفْرُ کسی طرح فَاغْشَوْشَبَ تحریر ہو گیا ہوا تھا۔ چنانچہ سیال شریف کے عُرس پر حضرتؒ نے اس غلطی کی طرف توجہ دلائی تو بعض حلقوں میں اعتراض کیا گیا کہ اب پیر صاحب گولڑہ شریف، اپنے مشائخ کے وظائف میں بھی علمی اصلاح کا زور شور دکھلانے لگے ہیں۔ مگر حضرت ثانی سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایما پر تحقیق کی گئی تو حضرتؒ کی تصحیح درست پائی گئی۔ جس کی وجہ سے وظائف کی کتابوں میں اس کے مطابق اصلاح کر دی گئی۔ لُغاتِ عربی (منجد) کے مطابق اعشَوشَبَ سرسبز ہونے کے معنی میں آتا ہے جس سے اس عبارت کا مطلب ہوتا ہے کہ "صحرا سبزہ زار بن گئے"۔ اور غشب بعض کُتب میں معنی ظُلم ہے۔ مفصّل عبارت درج ذیل ہے:-

وَاَنْزَلْتَ مِنَ الْمُزْنِ بِدَعْوَتِهٖ فِیْ عَامِ الْمَحْلِ وَالْجَدْبِ وَابِلَ الْغَيْثِ وَالْمَطَرِ فَاَعْشَوْشَبَ مِنْهُ الْقَفْرُ وَالصَّخْرُ وَالْوَعْرُ وَالسَّهْلُ وَالرَّمْلُ وَالْحَجَرُ وَالْمَدَرُ۔	اور نازل فرمائی تُو نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی دُعا سے قحط اور خشک سالی میں مُوسلا دھار بارش۔ پس سرسبز ہوئی اُس سے زمین سُوکھی اور پتھریلی اور کڑی اور نرم اور ریگستان اور پتھر اور اینٹیں۔

ایک مرتبہ سیال شریف کے عُرس کے موقعہ پر بعض صاحبان نے اعتراض کیا کہ دُوسروں کی طرح حضرتؒ خود اُٹھ کر قوّال کو ویل کا روپیہ کیوں نہیں دیتے۔ اُس وقت قوّال یہ مصرعہ پڑھ رہا تھا۔ ع

من ذاتِ بحتِ مطلقم من نیستم من نیستم

حضرت ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو اس اعتراض کے متعلق اطلاع ہُوئی تو اُنہوں نے فرمایا کہ جب سالک ایسے مصرعہ میں مستغرق ہو تو اُسے ویل دینے کا ہوش ہی کہاں ہوتا ہے۔ صُوفی کلام کی طرف متوجہ ہو یا اُٹھ کر ویل دینے کی طرف۔ بعد میں فرمایا، تم لوگ ایک ایسے شخص پر اعتراضات کرتے ہو جس کے نزدیک زرِ خالص اور خزف میں کوئی فرق نہیں ہے۔ روپے پیسے کی سنبھال اور دیکھ بھال خُدّام کے ذمّہ ہے۔ وُہی اُٹھ کر ویل دے دیتے ہیں۔

شمس الہدایت پر مولوی محمد ذاکر بگوی کا اعتراض اور رجوع

جب حضرتؒ نے قادیانیت کے خلاف "شمس الہدایت" کتاب شائع فرمائی تو معلوم ہوا کہ مولوی محمد ذاکر بگوی نے اِس پر کچھ اعتراضات کیے ہیں۔ چنانچہ جب آپ عرس کے موقعہ پر سیال شریف حاضر ہوئے تو حضرت ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مولوی محمد ذاکر سے فرمایا کہ پیر صاحب کے سامنے اپنے اعتراضات بیان کرو۔ اور جب حضرتؒ نے مولوی صاحب کے تمام اعتراضات کا شافی جواب دے دیا تو نہ صرف مولوی صاحب نے اپنے اعتراضات سے رجوع کر لیا۔ بلکہ جب اگست ۱۹۰۰ء میں حضرتؒ، مرزا قادیانی کے ساتھ مناظرہ کی غرض سے لاہور تشریف لے گئے تو مولوی صاحب آپ کے علمائے ہمرکاب میں شامل تھے۔

جناب مولوی عبداللہ گڑھیؒ افغاناں کا اعتراض و اصرار

اِسی طرح جناب مولوی عبداللہ سجادہ نشین گڑھی افغاناں ضلع کیمبل پور نے بھی اِس کتاب پر چند اعتراضات شائع کرائے۔ چونکہ اِن کے عمِ بزرگوار جناب مولوی محمد فاضل، خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ کے خلیفۂ مجاز تھے۔ اِس لیے اِس نسبتِ سلسلہ و خاندان کی رعایت سے حضرتؒ نے اِن اعتراضات کے جوابات تحریر فرما کر بجائے شائع کرانے کے براہِ راست مولوی صاحب کو بھجوا دیئے۔ مگر جب اِس کے بعد بھی اُنہوں نے اپنی بعض مجالس میں اُن اعتراضات پر اصرار کیا تو یہی خط جس میں حضرتؒ نے جوابات تحریر فرمائے تھے، حضرتؒ کے ایک مخلص جناب مولوی محمد چراغ چکوڑوی نے شائع کرا دیا۔ اِن اعتراضات و جوابات کی تفصیل حضرتؒ کے مکتوبات "مہر چشتیہ" میں موجود ہے۔

حضرت خواجہ اللہ بخش تونسویؒ کی مُلاقات کے لیے سفر

حضرتؒ کے کسی معاصر نے حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جا کر کہا کہ پیر صاحب گولڑہ شریف دیوبندی علمائ سے علم حاصل کر آئے ہیں۔ اور مولویوں کی طرح مرزا قادیانی سے اُلجھ پڑے ہیں۔ ورنہ صوفیا کو مناظروں سے کیا واسطہ؟ نیز یہ کہا کہ دیوان صاحب اجمیری کے پیرہن کر اترا گئے ہیں۔ چنانچہ حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی رحمۃ اللہ علیہ نے اِن باتوں کا ذکر تونسہ شریف کے عرس پر حضرت ثانی سیالویؒ سے فرما کر غالباً یہ بھی کہا کہ آپ کے شاہ صاحب (یعنی حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ) یہاں کبھی نہیں آئے۔ حضرت ثانیؒ نے سیال شریف کے عرس کے موقعہ پر حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ سے یہ سارے واقعات بیان فرما کر مشورۃً کہا کہ کبھی تونسہ شریف بھی حاضری دے آئیں۔ کیونکہ حضرت خواجہ صاحبؒ کی طبع پر کچھ بار معلوم ہوتا ہے جس کا رفع کرنا ضروری ہے۔ حضرتؒ نے کہا میں یہیں سے چلا جاتا ہوں۔ جولائی کا مہینہ تھا اور مجوزہ سفر بھی نہایت گرم علاقہ کا تھا مگر اِس کے باوجود آپ فوراً روانہ ہو گئے۔ حضرت ثانیؒ نے ڈیرہ غازی خان میں اپنے ایک ارادت مند افسر نواب ملک خدا بخش ٹوانہ کو تار دیا جنہوں نے استقبال کر کے آپ کو ایک دن اور رات مہمان رکھ کر وہاں سے آگے گھوڑوں اور سانڈنیوں پر تونسہ شریف روانگی کا انتظام کر دیا۔ یہ سفر اُس زمانہ میں کچھ غیر منظم سا تھا پہلی منزل صدر الدین کے مقام پر ہوئی۔ وہاں اگرچہ ڈاک بنگلہ تھا۔ مگر قرب و جوار میں کوئی آبادی نہ تھی۔ اور حضرتؒ کے ہمرکاب قریباً بتیس اشخاص تھے۔ مولوی محبوب عالمؒ نے عرض کیا کہ معلوم ہوتا ہے آج فاقہ رہے گا آپ نے فرمایا۔ اللہ کافی ہے۔ چنانچہ تھوڑی ہی دیر گذری تھی کہ دُور کے ایک گاؤں کے کچھ لوگ پکا پکایا پُرتکلف کھانا لے کر پہنچ گئے اور

حضرتؒ کے قافلہ نے شکم سیر ہوکر پلاؤ زردہ وغیرہ کھایا معلوم ہوا کہ ایک راہرو نے گزرتے ہوئے گاؤں والوں کو اطلاع دی تھی کہ پیر صاحب گولڑہ شریف آئے ہوئے ہیں۔ گویا اُس زمانہ میں بھی حضرتؒ کے نام نامی کی شہرت اِن دُور دراز علاقوں تک پہنچی ہوئی تھی۔ اِس جگہ بھی لوگ کثرت سے بیعت ہوئے۔ اَور آئندہ منزلوں پر بھی۔ کیونکہ آپ کی آمد کی خبر آپ کے پہنچنے سے پہلے پہنچ جاتی رہی۔ اگلی رات سیّد شاہنواز کی دعوت پر اُن کے گاؤں میں قیام فرمایا اَور اِس طرح تیسرے چوتھے روز تونسہ شریف جا پہنچے۔

ملاقات

تونسہ شریف میں حضرت ثانی سیالوی اَور نواب ملک خُدا بخش کے اطلاع نامے پہنچ چکے تھے۔ مگر کوئی خاص انتظام نہ تھا۔ آپ کے پہنچنے پر تحصیل کے قریب والی سرائے میں جہاں عام لوگ ٹھہرتے تھے، آپ کے قیام کا انتظام کیا گیا۔ حضرت خواجہ اللہ بخشؒ سے پہلی ملاقات سرسری طور پر نماز کے بعد ہوئی اَور اُس میں رسمی سلام اَور مزاج پُرسی کے علاوہ اَور کوئی بات نہ ہوئی اگلے روز مجلس میں مُلاقات پر حضرت خواجہ صاحبؒ نے دریافت فرمایا۔ "سائیں کیویں آئے وے؟" یعنی صاحب، کیسے آنا ہوا؟ آپ نے فرمایا۔ "از خود نہیں آیا، بھیجا گیا ہُوں۔ اَور اپنے پیرزادہ کے ارشاد کی تعمیل کر رہا ہُوں۔" خواجہ صاحب نے تعلیم کے متعلق سوال کیا کہ کیا کچھ پڑھا ہے اَور کہاں سے پڑھا ہے؟ جب جواب دیتے ہُوئے دورۂ حدیث کے ضمن میں حضرتؒ نے اپنے اُستاد مولینا احمد علی سہارنپوری کا نام لیا تو خواجہ صاحب بولے۔ وُہ تو بہت بڑا وہابی تھا۔ حضرتؒ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ اُن پر رحمت فرمائے وُہ بہت بڑے حنفی تھے۔ البتہ صُوفیائے کرام کی رُسوم کے پابند نہ تھے۔ حضرتؒ کے قادیانی مناظرات کے متعلق خواجہ صاحبؒ نے اعتراض کیا تو حضرتؒ نے فرمایا، میں اس اَمر میں معذور ہوں۔ کیونکہ جس طرح مرزائی دلائل دیتے ہیں۔ اگر کوئی اَور صاحبِ علم اُن کی تردید کر سکے تو مجھے مناظرات کی کیا ضرورت ہے۔ بصُورتِ دیگر میرا سکُوت نامُناسب ہے۔ اگر مُسلمان ہی نہیں رہیں گے تو صُوفیائے کرام تصوّف کی تعلیم کِسے دیں گے؟

پھر مولینا رحمت اللہ مہاجر مکیؒ اَور دیوان غیاث الدین اجمیری کی بیعت کا ذِکر آ گیا۔ جب خواجہ صاحب نے مولینا رحمت اللہ کے ساتھ حضرت کی ندائے یارسُول اللہ ﷺ پر گفتگو کی تفصیل سُنی تو ازراہ انکسار فرمایا۔ شاہ صاحب، اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔ ہمارے ساتھ تو عرب شریف میں جب کبھی مزارات پر بوسہ اَور سلام کی بحث کی نوبت آئی، تو ہم صرف یہ شعر پڑھ دیتے تھے ؎

از خُدا جوئیم توفیقِ اَدب بے اَدب محرُوم ماند از لُطفِ رب

اِس پہلی مجلس کا یہ اثر ہوا کہ حضرتؒ کا سامان سرائے سے دیوان خانہ میں منتقل کیا گیا اَور کئی قسم کے مشرُوبات اَور فواکہات مہیا کیے گئے۔ نیز خُدّامِ خاص آپ کی تواضع پر مقرر ہوئے۔ آپ نے پانچ روز تونسہ شریف میں قیام فرمایا۔ اَور ہر روز جناب خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ علم و عرفان کی صُحبتیں رہیں۔

ایک مجلس میں حضرت غوث الاعظمؒ کا قول شریف قدمی ھٰذہ علیٰ رقبۃِ کلِّ ولی اللہ (میرا یہ قدم تمام اولیاء اللہ کی گردنوں پر ہے) زیر بحث آ گیا۔ حضرت خواجہ صاحبؒ نے فرمایا۔ ہم تو اپنے پیرانِ عُظام پر کسی کو فضیلت نہیں دیتے۔ حضرت پیران پیرؒ کا یہ فرمان کچھ اِس قسم کا معلوم ہوتا ہے جیسے ایک لاڈلا بچہ بزرگوں کی مسند پر بیٹھنے کے لیے ضد کرے اَور وُہ پیار کی وجہ سے اُس کے لیے اپنی کرسی خالی کر دیں۔

جناب شیخ الجامعہ جنھوں نے اِس مُلاقات کی پُوری تفصیل اپنے مسوّدات میں قلمبند کی ہے اِس مقام پر لکھتے ہیں:۔

یہاں حضرتؒ کو قدرے جوش سا آ گیا اَور آپ کی رگِ ہاشمی پھڑک اُٹھی۔ آپ نے فرمایا دیکھنا یہ ہے کہ آیا حضرت

غوث الاعظمؓ کا یہ قول شطحیات کی قسم سے تھا جو عالمِ سُکر میں اولیائے کرام سے صادر ہوتے ہیں۔ جیسے سُلطان العارفین حضرت بایزید بُسطامیؒ نے سُبحَانِی مَا اَعظَمَ شَانِی کہا تھا اور بعد میں ہوش آنے پر توبہ کر لی تھی۔ یا آنجنابؓ نے یہ کلمات بقائمی ہوش و حواس ارشاد فرمائے اور ہمیشہ ان پر قائم رہے۔

پھر حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ نے فتوحاتِ مکیہ، بہجۃ الاسرار، نفحات الانس اور عربی فارسی کی دیگر کئی معتبر کُتب کے حوالہ جات سے اور حضراتِ شیخ اکبر محی الدین ابنِ عربیؒ، شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردیؒ، شیخ بہاء الدین زکریا مُلتانیؒ، شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اور مولینا عبدالرحمن جامیؒ رحمہم اللہ کے کلماتِ نظم و نثر سے ثابت فرمایا کہ حضرت غوث الاعظمؓ اس فرمان کے لیے منجانب اللہ مامور تھے۔ اور یہ چیز بھی متصوّر ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو جملہ اولیاء اللہ پر آپ کی فضیلت واضح کرنا منظور و مطلوب ہو۔ اس فضیلت پر متقدمین و متاخرین ہر زمانہ میں متفق چلے آئے ہیں۔ حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین اجمیریؒ نے حضرت غوث الاعظمؓ کا یہ ارشادِ گرامی سُن کر کہا تھا "بَل عَلٰی رَاْسِی وَعَینِی" (بلکہ میرے سر اور آنکھوں پر) اور موجودہ دور میں حضرت شیخ احمد سرہندیؒ اپنے "مکتوبات شریف" میں حضرت غوث الاعظمؓ کے اس دائمی اور عالمگیر منصب کا ذکر فرماتے ہُوئے لکھتے ہیں کہ ہر ولی اللہ کو آپ ہی کی وساطت سے نعمت ملتی ہے۔

حضرتؒ نے اس ضمن میں ایک ولی اللہ کا واقعہ بھی بیان فرمایا، جنہوں نے گردن تو جھکا دی تھی مگر خیال گزرا کہ میں حضوری خاص میں ہُوں۔ اس کے باوجود شیخ عبدالقادر کو کبھی نہیں دیکھا۔ اس پر حضرت غوث الاعظمؓ نے اُس کے خیال سے مطلع ہو کر اُسے کہلا بھیجا کہ میں حضوری خاص الخاص اور مقام مخدع میں رہتا ہُوں جہاں سے میں تمہیں دیکھتا ہُوں لیکن تم مجھے نہیں دیکھ سکتے۔ اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ فلاں وقت پر بارگاہِ الٰہی سے تمہیں جو خلعت عطا ہوئی تھی۔ اور جس کی کیفیت سُورۂ فاتحہ پر مبنی تھی وُہ میرے ہی ہاتھوں تم نے وصُول کی تھی۔

اِس مسئلہ پر ۱۳۳۱ھ میں حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ نے کتاب "انوارِ قادریہ" پر تقریظ تحریر فرما کر مفصّل بحث کی تھی جس کی نقل باب اوّل کتاب ہذا میں آچکی ہے۔

حضرت شیخ الجامعہؒ نے حضرت خواجہ محمود تونسویؒ کی زبانی سید نجیب علی احمد پوری کے حوالہ سے روایت تحریر کی ہے کہ حضرت خواجہ اللہ بخش رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روز فرمایا کہ غوث زمان حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ کا ارشاد ہے کہ حضرت بہاؤ الدین زکریاؒ مُلتانی نے فرمایا ہے "بر شیراں شرف دارد سگِ درگاہِ جیلانیؓ" مگر میں کہتا ہُوں کہ "بر پیراں شرف دارد سگِ درگاہِ جیلانی"

تونسہ شریف سے واپسی کے وقت حضرت خواجہ اللہ بخشؒ نے حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کی سواری کے لیے اپنا خاص گھوڑا عنایت فرمایا اور اعزاز و اکرام سے رُخصت کیا۔ اس مُلاقات کی کامیابی سے حضرت ثانی سیالویؒ اور حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کے ارادتمندوں اور خیر خواہوں کو بے حد مسرت ہُوئی۔

تونسہ شریف کی ان پُر کیف صحبتوں کے باعث حضرت قبلۂ عالمؒ کے احبابِ کرام میں ایک اور پیرزادہ صاحب کا اضافہ ہُوا۔ جو حضرت خواجہ اللہ بخشؒ کے منجھلے صاحبزادہ، حضرت خواجہ محمود تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ گرامی تھی۔ جن کے صوری، ذہنی اور رُوحانی محاسن نے دربارِ تونسوی میں ارشاد کی ایک الگ مسند بچھا دی اور ہدایت کا ایک اور چراغ روشن کیا۔ مکتوباتِ طیبات یعنی "مہرِ چشتیہ" میں حضرتؒ کے ساتھ ان کی خط و کتابت کے متعدد دل افروز مرقعے نظر آتے ہیں۔

بارھویں فصل

حضرتؒ کے مقرّرہ اَور ہنگامی سفر

پاک پتن شریف کے سفر میں مقاماتِ قیام

حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ فرمایا کرتے تھے کہ سفر سے میری غرض ہمیشہ اعلاء کلمۃ اللّٰہ یا اہل اللّٰہ کی زیارت ہوا کرتی تھی۔ اِن دو مقاصد کے علاوہ مجھے سفر پسند نہیں تھا۔ سال بھر میں آپؒ کے صرف دو سفر مقرر تھے جو بجز کسی خاص عُذر کے نہایت باقاعدگی سے انجام پاتے تھے۔ ماہِ محرّم کے پہلے ہفتہ میں آپ اپنے صابری و نظامی چشتی سلاسل کے سرخیل، شیخ اکبر اَور سیّد الطائفتین حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللّٰہ علیہ کے عُرس مُبارک پر پاک پتن شریف جایا کرتے اَور ماہِ صفر کے چوتھے ہفتہ میں اپنے مُرشدِ طریقت حضرت خواجہ شمسُ الدین سیالوی رحمۃُ اللّٰہ علیہ کے عُرس میں بمقام سیال شریف ضلع شاہ پُور سرگودھا شرکت فرمایا کرتے تھے۔

جب پاک پتن شریف کو جانے والی ریلوے لائن ابھی تیار نہیں ہُوئی تھی تو ساہی وال منٹگمری تک ریل میں سفر کر کے آگے تانگوں میں جایا کرتے تھے۔ مگر ریلوے لائن کے تیار ہو جانے کے بعد کبھی براستہ لاہور و قصُور اَور کبھی براستہ کُندیاں مظفر گڑھ۔ مُلتان و لودھراں تشریف لے جاتے۔

کُندیاں کی طرف سے ریلوے سفر میں میاں شیخ احمد گرُمانی سکنہ ٹھٹھہ محبُوب ضلع مُظفر گڑھ، نواب عبداللّٰہ خان سکنہ خان گڑھ ضلع مظفر گڑھ، حاجی میاں امام بخش سکنہ مُلتان، میاں محمد بخش گھوٹہ اَور حضرت سیّد مخدُوم صدرالدین شاہ گیلانی سجّادہ نشین حضرت مُوسیٰ پاک شہید رحمۃ اللّٰہ علیہ (دربار پیران پیر مُلتان) کی دعوت قبول فرمایا کرتے تھے۔ ریلوے اسٹیشن شاہ عالم پر بالعمُوم مولوی نُور محمد اَور شہر کے دیگر مُخلصین کے استفادہ کے لیے ایک دن اَور رات قیام فرماتے۔ جناب شیخ الجامعہؒ لکھتے ہیں کہ میاں شیخ احمد گرُمانی کے انتقال کے بعد کچھ عرصہ کے لیے ضلع مظفر گڑھ کا قیام ترک ہو گیا تھا۔ مگر میاں محبُوب علی اَور میاں مُشتاق احمد گورمانی کے پاک پتن شریف حاضر ہو کر استدعا کرنے پر آپ پھر وہاں تشریف لے گئے اَور سبق میں سُورۃ واللیل کی تفسیر فرما کر حضرت صدیق اکبر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت میں ایسے استدلال قایم کیے کہ حاضرین میں سے جو افراد شیعیت کی طرف مائل تھے راہِ راست پر آ گئے۔

قصُور کے راستہ واپسی پر ڈہاں کے نواب شہباز خان و فتح باز خان کی دعوت مقرر تھی اَور لاہور کے مُخلصین میاں محمد دین وغیرہ کے یہاں بھی ایک آدھ روز قیام فرماتے۔ ایک مرتبہ علاقہ پیر محل میں مشہُور صوفی شاعر حضرت علی حیدر میاں کے مزار واقع موضع قاضی غالب پر تشریف لے گئے۔ کیونکہ اُن کی اَولاد میں سے بعض مخلصین نے حضرت دیوان سید محمد کے ذریعہ سفارش کرائی تھی۔ اِس موقعہ پر جناب سید قطبؒ شاہ سکنہ سندیلیانوالی نے بھی آپ کی دعوت کی تھی۔

سفرِ سیال شریف کے دَوران مقاماتِ قیام

سیال شریف کے سفر میں عمُوماً بذریعہ ریل خوشاب پہنچ کر سردار بہادر خان بلوچ کے یہاں ایک رات قیام رہتا۔ اگلی صُبح کشتی میں سوار ہو کر دریا کے راستے نواب میاں محمد حیات قریشی کے ہاں صابووال تشریف لے جاتے اور ۲۲ صفر کو سیال شریف پہنچتے۔ ۲۴ کو عُرس کے گزُرنے پر بالعموم میاں محمد خان لاہڑی کوٹ چوغطہ، میاں محمد و اُن کے صاحبزادے نواب محمد حیات قریشی سکنہ صابووال۔ رانا شہادت خان مانگووال۔ سردار نبی بخش مکین چک ۸۹ شمالی۔ مہر عبد الرحمٰن و مہر جہانداد خان لک سکنہ ڈیرہ سادہ لک، چوہدری ولی داد و زیاد بخش لک سکنہ سکیسر۔ مہر صاحب داد خان، ولی داد خان، برخوردار خان بلوچ عاقل شاہ۔ سیّد علی حسین شاہ، سیّد محمد شاہ، مولوی فضل حق، میاں جلال قصاب (شاہ پُور)۔ چوہدری راجے خان شاہ پُور صدر۔ میاں سردار بخش ننگیانہ کالووال اور ملک سر عُمر حیات خان، خضر حیات خان ٹوانہ کالرہ کے ہاں ایک ایک وقت یا دن رات قیام فرماتے ہُوئے واپس تشریف لے جاتے۔ واپسی کے لیے اکثر بھلوال یا جبہ اسٹیشن سے ریل گاڑی پر سوار ہوتے۔ بعض اوقات چکوڑی شریف ضلع گجرات، وزیر آباد، گوجر خان وغیرہ میں قیام فرما کر مخلصین اور مخلوقِ خدا کو مستفید فرماتے تھے۔ اِس طرح اِس سفر میں کبھی ایک ایک مہینہ تک گزر جاتا۔ سیال شریف سے واپسی پر عمُوماً راولپنڈی میں بھی کچھ قیام فرماتے اور عصر کے بعد ٹوپی رکھ جنگل کی طرف جایا کرتے۔ ۱۹۱۴ء میں اس سفر سے واپسی پر بھیرہ بھی تشریف لے گئے اور میراں سیّد محمد احمد رحمۃُ اللہ کے مزار کی زیارت کی۔ مزار شریف پر قدموں کی طرف ہاتھ رکھا اور مجلس میں فرمایا کہ مجھے حضرت ثالث سیالوی (خواجہ ضیاء الدینؒ) نے بتلایا ہے کہ حضرت میراں صاحبؒ بھی وحدت الوجود کا مسلک رکھتے تھے۔ اِس سفر میں ایک مرتبہ علاقہ سُون کوہستانِ نمک میں بھی تشریف لے گئے۔ وہاں بے شمار لوگ جمع ہُوئے اور ایک قریبی موضع نلی کا مشہور مجذوب حضرت میاں بُندی جو خود مرجع خلائق تھا اپنے گوشۂ تنہائی سے نکل کر آپ کی پیشوائی کے لیے آ گیا۔ ایک بانس پر کپڑا باندھ کر بطور عَلَم ہاتھ میں لے رکھا تھا اور حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کی سواری کے جلُوس سے آگے آگے نعرے لگا رہا تھا کہ "لوکو جہان دا پیر آیا نے"۔ یعنی اے لوگو تمام عالم کا پیر آ رہا ہے۔

میاں بُندی مجذُوب کا آپ کے نام خط

سیال شریف کے قیام کے دَوران ایک مرتبہ ایک شخص ان مجذُوب حضرت میاں بُندی کا ایک خط حضرت کی خدمت میں لایا۔ آپ نے کھول کر دیکھا تو کاغذ پر ایک کونہ سے چند ٹیڑھی سیدھی لکیریں ڈالی ہوئی تھیں۔ بعض خُدّام نے عرض کی کہ حضرت یہ تو لکیریں سی پڑی ہُوئی ہیں۔ فرمایا اِس تحریر کو پڑھنے کے لیے نُورِ عرفان کی ضرُورت ہے۔ پھر خط لانے والے شخص سے فرمایا۔ تُم لوگ فقیروں کے پاس اِس لیے جاتے ہو کہ کسی خوُبصورت عورت کا خاوند مر جائے یا اُسے طلاق ہو جائے اور تُم اُسے اپنی بیوی بنا لو۔ وُہ رو پڑا اور کہنے لگا۔ حضرت عشق نے دیوانہ کر رکھا ہے۔ حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ نے اُسے ایک تعویذ دیا اور دُعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اُس کے دِل کو اپنی طرف پھیر لیں۔

حضرت شاہ عبد العزیز دہلویؒ اور ایک صاحبِ مزار کی خط و کتابت

یہاں حضرت شاہ عبد العزیز دہلوی رحمۃُ اللہ علیہ کا ایک واقعہ دِلچسپی سے خالی نہ ہو گا۔ اُن کے کسی طالب علم نے دہلی کے قریب

ایک میلہ پر جانے کی اجازت مانگی جو کسی غیر معروف بزرگ کے مزار پر لگتا تھا۔ آپ نے فرمایا وہاں لہو و لعب اَور ناچ گانے کا سلسلہ رہتا ہے کیوں جاتے ہو۔ اُس نے اصرار کیا تو آپ نے ایک رقعہ لکھ دیا کہ اِسے مزار پر رکھ دینا۔ اِس طالب علم کو میلہ کی حدُود سے باہر ہی ایک درخت کے نیچے ایک کمبل پوش فقیر بیٹھا ہوا ملا جس نے کہا کہ لاؤ وُہ کاغذ جو تمہارے مولوی صاحب نے بھیجا ہے۔ چنانچہ وُہ کاغذ لے کر اُس نے ایک ٹھیکری پر کوئلے سے کچھ نشان لگائے اَور کہا فوراً واپس جاؤ اَور یہ ٹھیکری اپنے مولوی صاحب کو دے دینا۔ چنانچہ اُس لڑکے پر ہیبت سی طاری ہو گئی اَور وُہ میلہ دیکھے بغیر ہی وہیں سے لَوٹ آیا اَور ٹھیکری حضرت شاہ صاحب کے پیش کی۔ شاہ صاحب ٹھیکری پر نظر ڈال کر ہنس پڑے اَور حاضرین کی دریافت پر فرمایا کہ ہم نے صاحب مزار کو لکھا تھا کہ بزرگ ہو کر اِتنا تصرف نہیں رکھتے کہ لوگوں کو اُس بدعت سے روکیں جو وُہ آپ کی قبر پر کر رہے ہیں۔ اُنھوں نے جواب میں لکھا ہے کہ آپ اپنے درس کے ایک شاگرد لڑکے کو نہیں روک سکے تو میں خُدا کی اِتنی مخلوق کو کیسے روک سکتا ہُوں۔ اَور میرا کیا ہے میں تو یہاں باہر نکل کر بیٹھا ہُوں خالی قبر پر جو چاہیں کرتے رہیں۔

بعض ھنگامی سفر

اِن مقررہ سفروں کے علاوہ، اِس زمانۂ اِرشاد میں حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ نے کئی ہنگامی سفر بھی کیے۔ اپنے پیرزادوں اَور بعض دیگر مشایخ کی اَولاد اَور بعض اَوقات اپنے کسی خاص مخلص کی شادی غمی کی تقریب میں شرکت کے لیے بھی تشریف لے گئے۔

اِسلامیہ کالج پشاور میں تعمیر مسجد کا اِشارہ

اِسلامیہ کالج پشاور کی تعمیر کے لیے چیف کمشنر نے چندہ کی اپیل کی، تو میاں عبدالرحیم نے حضرتؒ کی خدمت میں عریضہ لکھا کہ کالج میں طرزِ تعلیم انگریزی اَور غیر اِسلامی ہوگی۔ چندہ دینے سے دِل گھبراتا ہے اَور چیف کمشنر کو انکار کرنا بھی مشکل ہے۔ آپ توجہ فرمائیں۔" آپؒ نے دُعا فرمائی اَور لکھا کہ مطمئن رہو۔ جو کچھ پردۂ غیب سے ظاہر ہوگا بہتر ہوگا۔" خط ملتے ہی سیٹھی صاحب کے دِل میں خیال گزرا کہ کیوں نہ کالج میں مسجد تعمیر کرانے کی پیش کش کی جائے۔ چنانچہ اُنھوں نے ایسا ہی کیا اَور اُسے بخوشی قبول کر لیا گیا۔ چنانچہ سیٹھی صاحبان نے کالج کی عالیشان مسجد تعمیر کروادی۔

پشاور میں حضرت اخوند درازندہ صاحب کے مزار پر

سیٹھی کریم بخش بیان کرتے تھے کہ ایک بار آپؒ سفر پشاور کے دَوران حضرت اخوند درازندہ صاحب کے مزار پر فاتحہ کے لیے تشریف لے گئے۔ قریب پہنچ کر بہت تیز قدموں سے چل کر مزار پر پہنچے۔ بعد میں میرے اصرار پر فرمایا کہ "اخوند صاحب مزار سے نکل کر میری ملاقات کے لیے آرہے تھے اِس لیے مَیں نے احترام کی غرض سے پیش قدمی کی۔"

ایک ایسا ہی واقعہ علاقہ سُون میں حضرتؒ کے ایک مخلص شاگرد مولوی بیدل صاحب مرحُوم کا ہے۔ جب اثنائے سفر آپؒ اُس کی قبر پر بغرضِ فاتحہ تشریف لے جانے لگے تو ایسا معلوم ہوا کہ آپ ہاتھ کے اشارے سے اُسے ہدایت کر رہے ہیں کہ اپنی جگہ پر رہے۔ بعد میں آپؒ نے بعض مخلصین کے اصرار پر فرمایا کہ اُس کی نسبت اِتنی قوی ہے کہ میں نہ روکتا تو باہر نکل کر ملاقات کرتا۔" اِس قسم کے واقعات اُن لوگوں کے لیے جو عالمِ مثال اَور حیاتِ برزخی سے خبر رکھتے ہیں بعید از قیاس نہیں۔ حضرت شیخ

احمد رفاعیؒ اور حضرت جلال الدین بُخاریؒ سے متعلقہ ایسے ہی واقعات قبل ازیں بیان ہو چکے ہیں۔ مزید تفصیل کے لیئے کتاب الرّوح مصنفہ علّامہ ابن قیّم اور شرح الصدور مصنفہ علّامہ سیوطی ملاحظہ ہوں۔

ایک بار آپؒ غالباً ۱۹۲۴ء میں پاک پتن شریف کے سفر کے دوران بہاول پُور بھی تشریف لے گئے۔ نواب صاحب بہاول پُور جن کو اُس وقت تک بوجہ کم سنی سرکارِ انگلشیہ کی طرف سے اختیارات تفویض نہیں کیے گئے تھے، آپؒ کی خدمت میں حاضر ہُوئے اور نمازِ جمعہ آپؒ کے ساتھ پڑھی۔ قاری غلام محمد صاحب پشاوری نے خُطبۂ جمعہ پڑھایا۔ جس میں نواب صاحب کے لیے دُعائیہ کلمات بھی پڑھے گئے۔ حیدر آباد دکن کے نواب ولی الدّولہ جو بہاول پُور میں مُقیم تھے اسی موقعہ پر بیعت ہُوئے اور بعد میں گولڑہ شریف بھی حاضر ہُوئے۔

پیران کلیر کے سفر کے حالات "بابِ مناظرات" میں منقول ہیں۔ اور سفرِ بھوپال کے حالات "بابِ سیر و سلوک" میں بیان کیے گئے ہیں۔ ایک مرتبہ علی گڑھ بھی اپنے اُستاد مولینا لُطف اللہ صاحب کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ جس کی تفصیل بابِ دُوم میں گزر چکی ہے۔

تیرھویں فصل

تنظیمِ اَوقات اَور شمایل و خصایل

شیخ الجامعہ صاحب کی قلمی یادداشت سے اقتباس

حضرتؒ کے اَوقاتِ مشاغل اَور بعض شمایل و خصایل کی تفصیل جناب شیخ الجامعہ صاحب نے اپنی قلمی یادداشت میں اس طرح بیان کی ہے:-

اشغال:- ہمیشہ ذکر و شغل اَور ارشادِ مخلوق میں وقت صرف فرماتے تھے۔ فجر کی نماز کی سُنّتیں پڑھ کر حُجرہ شریف سے مسجد میں تشریف لاتے۔ مسجد میں امام کا اِنتظار فرماتے۔ جب کبھی امام صاحب بوجہ بارش یا بیماری کے نہ آسکتے تو کسی دُوسرے قابلِ امامت مخلص کو امام بنالیتے۔ بعد ادائیگی نمازِ فرض آیۃ الکرسی اَور سُبحان اللہِ وَالحمدُ لِلّٰہِ وَاللہُ اکبرُ پڑھ کر دُعا مانگا کرتے تھے۔ پھر ذکرِ جہر فرماتے اَور تین چار بار کلمہ شریف پڑھ کر دوبارہ دُعا فرماتے۔ پھر مکرّر ذکرِ کلمہ شریف بالجہر فرما کر تیسری دفعہ دُعا مانگا کرتے تھے۔ اُس کے بعد عادت مُبارک تھی کہ دس بجے تک اَوراد و وظائف میں مشغول رہتے۔ کبھی یہ شغل مسجد میں ہی ادا ہوتا اَور کبھی حُجرہ شریف میں۔ اِس شغل کے دَوران کسی کے ساتھ کلام نہیں فرماتے تھے۔ ویسے بھی آپ کا قُدرتی رُعب ایسا تھا کہ کسی کو بے تکلف ہو کر گفتگو کرنے کی جُرأت نہیں ہوتی تھی۔ صُبح کے اِن اَوراد کے دوران خاص طور پر کوئی بغیر اجازت آپؒ کے نزدیک نہیں جاتا تھا۔ کیونکہ بعض وظائف کی نوعیت ایسی ہوتی تھی کہ پاس پھٹکنے والے کے مجنُون ہونے کا اندیشہ ہوتا تھا[1]۔

ارشاد و تلقین:- ساڑھے دس گیارہ بجے دن حُجرہ سے باہر دیوان خانہ میں تشریف لاتے۔ اُس وقت ہر شخص کو اپنے عرائض پیش کرنے کی اجازت ہوتی تھی۔ اس دوران اِرشاد و تلقین کا سلسلہ بھی جاری رہتا اَور مخلصین سے سلسلۂ تکلّم بھی۔ تعویذ اَور دم بھی جاری رہتے اَور بعض اَوقات اسباق کا شغل بھی شرُوع ہوجاتا۔ مثنوی شریف مولانائے رُومؒ، فتوحاتِ مکیہ، فصُوص الحکم، بُخاری شریف، شرح چغمینی، یہ مختلف کتابیں میں نے آپؒ کو اس مجلس میں پڑھاتے دیکھا ہے۔ بارہ یا ساڑھے بارہ بجے حُجرہ میں تشریف لے جاتے۔ کھانا کھا کر قیلولہ فرماتے اَور تقریباً ایک گھنٹہ آرام فرما کر اُٹھا کرتے۔ ضرُوریات سے فارغ ہو کر وضو کر کے اوّل وقت نمازِ ظہر کے لیے مسجد میں تشریف لے جاتے۔ ظہر کے بعد حُجرہ شریف میں جا کر ذِکرِ الٰہی میں مشغول رہتے مگر اُس وقت اگر کوئی آدمی کچھ عرض کرنا چاہتا تو اُسے اجازت ہوتی تھی بلکہ بعض دفعہ مخصُوص لوگوں کی مختصر سی خاص مجلس بھی منعقد ہوجاتی تھی۔ پھر اُسی وضو سے نمازِ عصر کے لیے مسجد میں تشریف لے جاتے۔ نمازِ عصر کے بعد اپنے سامنے ختم شریف خواجگانِ چشتیہ و قادریہ پڑھواتے اَور ایصالِ ثواب کے

---

[1] راولپنڈی کے ایک نوجوان کے ساتھ ایسا ہی واقعہ ہُوا۔ اُسے حضرتؒ نے فرما رکھا تھا کہ وقت بے وقت دیکھ کر آیا کرو، مگر وُہ حضرتؒ کا کرم دیکھ کر بے تکلف ہوگیا اَور ایک رات حضرتؒ کے قریب شغل کی حالت میں چلا گیا۔ آپ نے "ہُوں، ہُوں" کر کے روکا مگر وُہ نہ رُکا۔ کمرہ کے اندر قدم رکھتے ہی کسی تجلّی کی زد میں آکر دیوانہ ہوگیا۔ پہلے دو روز چُپ چاپ روتا رہا۔ کبھی اتنا کہتا "کہ بھول ہوگئی"۔ پھر زبان بند ہوگئی۔ حضرتؒ سے دُعا اَور دم کرواتے رہے مگر افاقہ نہ ہُوا۔

بعد مسجد سے نکل کر کبھی حجرہ میں چلے جاتے اور کبھی سرائے سے باہر اصطبل کے سامنے والے چبوترے پر جا کر گھوڑے پر سوار ہو کر باہر تین چار میل دُور بستی میرا بادیہ تشریف لے جاتے یا کبھی اُس سے بھی آگے۔ نمازِ مغرب اور نمازِ عشاء باہر ہی ادا کرتے اور وہیں ذکر و شغل جاری رہتا۔ کافی رات گئے واپس آکر کھانا تناول فرما کر سو جاتے۔ تہائی رات باقی رہے پھر بیدار ہو کر تہجد کی تیاری فرماتے اور وضو کے بعد سبز چائے نوش فرماتے۔

رمضان شریف کے اوقات:۔ رمضان شریف میں مغرب اور عشاء کی نماز اپنی مسجد میں ادا فرماتے اور عصر کے وقت سواری کا دستور ترک ہو جاتا۔ تراویح میں ہر روز صرف سوا پارہ قرآن شریف سُنا کرتے مقتدیوں کی رعایت مدِّنظر ہوتی تھی نمازِ فجر کے بعد اپنے والدِ ماجد کے مزار پر بیٹھا کرتے اور وہیں واپس جانے والوں کو رُخصت فرماتے۔ اسی طرح ظُہر کی نماز کے بعد بھی وہیں پر نشست ہوتی۔

تلقینِ ذکر حسبِ استعداد فرماتے تھے بعض اشخاص کو بیعت کے بعد دس بار کلمہ شریف، دس دفعہ دُرود شریف اور دس دفعہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھنے کی تلقین فرماتے اور بعض کو صرف پہلے دو امُور کا ارشاد فرماتے تھے۔ تلقین نہایت نرمی اور آہستگی سے فرماتے۔ جب دس دفعہ کلمہ شریف کا امر فرماتے تو زبان سے کلمہ شریف لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ بھی پڑھتے تھے۔ دُرود شریف کا ارشاد ہوتا تو دُرود شریف پڑھتے اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ بعض لوگ عرض کرتے کہ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ پڑھیں یا نہیں؟ آپ فرماتے کہ مجھے یُونہی ارشاد ہوا ہے جیسا میں نے بتایا بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ ناجائز ہے اور سیدنا کا ملانا لازم ہے۔ یہ درحقیقت اُن کی ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ حضرتؒ کا عقیدہ یہ نہیں تھا کہ سیدنا کہنا ممنوع ہے۔ آپ کی غرض یہ تھی کہ مجھے اپنے بزرگوں سے اسی طرح پہنچا ہے۔ یہ مسئلہ مسلّم ہے کہ اوراد میں تغیرّ و تبدّل نہیں کرنا چاہیئے۔ حدیث شریف میں ہے:۔

"قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ اِذَا اَتَیْتَ مَضْجَعَكَ فَتَوَضَّأْ وُضُوْءَكَ لِلصَّلٰوةِ ثُمَّ اضْطَجِعْ عَلٰی شِقِّكَ الْاَیْمَنِ ثُمَّ قُلِ اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْلَمْتُ وَجْهِیْ اِلَیْكَ وَفَوَّضْتُ اَمْرِیْ اِلَیْكَ وَاَلْجَأْتُ ظَهْرِیْ اِلَیْكَ رَغْبَةً وَّرَهْبَةً اِلَیْكَ لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَأَ مِنْكَ اِلَّا اِلَیْكَ۔ اَللّٰهُمَّ اٰمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِیْ اَنْزَلْتَ وَنَبِیِّكَ الَّذِیْ اَرْسَلْتَ فَاِنْ مُتَّ مِنْ لَیْلَتِكَ فَاَنْتَ عَلَی الْفِطْرَةِ۔ وَاجْعَلْهُنَّ اٰخِرَ مَا تَتَكَلَّمُ بِهٖ قَالَ فَرَدَّدْتُهَا عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا بَلَغْتُ اَللّٰهُمَّ اٰمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِیْ اَنْزَلْتَ قُلْتُ وَرَسُوْلِكَ الَّذِیْ اَرْسَلْتَ قَالَ لَا وَنَبِیِّكَ الَّذِیْ اَرْسَلْتَ"

علامہ عینی حاشیہ بُخاری میں فرماتے ہیں:۔ "اِنَّ اَلْفَاظَ الْاَذْكَارِ تَوْقِیْفِیَّةٌ فِیْ تَعْیِیْنِ اللَّفْظِ وَتَقْدِیْرِ الثَّوَابِ رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ فِیْ صَحِیْحِهٖ مِنْ حَدِیْثِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت براء بن عازبؓ کو ایک عمل ارشاد فرمایا کہ جب اپنے بستر پر لیٹنے لگو تو پہلے نماز کا وضو کرو۔ پھر دائیں کروٹ لیٹ کر یہ پڑھا کرو۔ اَللّٰهُمَّ اَسْلَمْتُ الخ۔ صحابی فرماتے ہیں کہ میں نے اس دُعا کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دُہرایا جب میں بِكِتَابِكَ الَّذِیْ اَنْزَلْتَ پر پہنچا تو کہا وَرَسُوْلِكَ الَّذِیْ اَرْسَلْتَ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "نہیں۔ وَنَبِیِّكَ الَّذِیْ پڑھو" علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ وظائف اور اوراد کے الفاظ توقیفی ہوتے ہیں۔

جو لفظ رہنما بتائے اُسے بدلنا جائز نہیں۔ چونکہ دُرود شریف کی روایت جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے اُس میں سیدنا کا کلمہ وارد نہیں۔ اسی بنا پر حضرتؒ سیدنا کا کلمہ نہیں پڑھاتے تھے اور یہ اتباعِ سُنّت تھا جو آپؒ کا اوڑھنا اور بچھونا تھا۔ اتباعِ سُنّت میں جو شغف حضرتؒ کو تھا بہت کم لوگوں میں دیکھا گیا۔

جس شخص کو اہل پاتے کچھ دُوسرے وظائف اور شغل بھی فرما دیتے۔ ایک دفعہ قاری صاحب حضرتؒ سے بہت سے اَوراد اور وظائف کی اجازت طلب کر رہے تھے۔ گرمی کا موسم تھا اور رمضان المبارک کا مہینہ۔ میں نے ازرُوئے مذاق کہا کہ قاری صاحب آپ نے اِتنے سارے وظائف پڑھنے تو ہیں نہیں، کیوں اس گرمی میں حضرتؒ کو تکلیف دے رہے ہو۔ آپؒ نے مجھے مُخاطب کر کے فرمایا "تکلیف مجھے دے رہا ہے تمہیں تو نہیں دے رہا تم کیوں دخل درمعقول دیتے ہو"۔

عادت مُبارک تھی کہ باتیں بہت کم کرتے تھے مجلس میں بیٹھتے تو بھی ذکر میں مشغول رہتے۔ تلقین و تدریس کے دَوران بھی ذِکر جاری رہتا تھا کسی نے کوئی عرض کرنا چاہی آپؒ نے اِجازت فرمائی۔ وُہ بیان کرتا رہتا آپؒ سُنتے بھی رہتے اور تسبیح بھی چلتی رہتی۔ اُس نے عرض ختم کی۔ آپؒ نے جواب ارشاد فرمایا اور تسبیح پھر شروع ہو گئی خیرالکلام ماقلّ و دلّ کا عجیب نمُونہ تھا۔ میں آدھ آدھ گھنٹہ ایک بات عرض کرتا رہتا۔ آپؒ سُن کر ایک دو لفظ فرما دیتے جو سب کا جواب ہوتا تھا۔

مُتعلّقین سے وفاداری کا معاملہ

حضرتؒ کی عادت مُبارک تھی کہ اپنے متعلّقین سے نہایت وفاداری کا معاملہ فرماتے تھے۔ ہمیشہ اُنہیں نصح اور خیر خواہی سے نوازتے۔ اُن کے حالات دریافت فرماتے۔ اُن پر اس قدر نوازش فرماتے کہ لوگ آپؒ کو محض پیر ہی نہیں بلکہ اپنا ملجا و ماویٰ اور سب سے زیادہ خیر خواہ سمجھتے تھے۔ ہر غم کی کُشادگی، ہر درد کی دوا، ہر تکلیف کا مداوا حضرتؒ کی ذات تھی۔

ایک دفعہ مجھے عرق النساء کی تکلیف ہُوئی۔ یہاں تک کہ چارپائی سے اُٹھنا دُشوار ہو گیا۔ درد کی شدت کے باعث غشی طاری ہو جاتی تھی۔ کروٹ بدلنے کی ہمت بھی نہ تھی۔ اُنہی دِنوں حضرتؒ کو پاک پتن تشریف لے جاتے ہُوئے ٹھٹھہ محبوب میں قیام فرمانا تھا جہاں پر حاضری میری عادتِ مستمرہ تھی مگر تکلیف کی وجہ سے حاضری محال۔ طلبہ کی ایک جماعت آپؒ کی خدمت میں وہاں حاضر ہُوئی تو حضرتؒ نے استفسار فرمایا "تمہارا مولوی کہاں ہے؟" اُنہوں نے میری حالت بیان کی۔ آپؒ نے اُسی وقت میاں شیخ احمد مرحُوم کو فرمایا کہ ایسے سُوت کی سات تاندیں لاؤ جس کے کاتنے والی عورت کا باپ اور خسر دونو زندہ ہوں۔ وُہ منگوا کر اُن پر دم کر کے اور چند گانٹھیں لگا کر طلبہ کو دیں اور فرمایا کہ انہیں مولوی صاحب کے گلے میں باندھا جائے۔ اتفاقاً مجھے اُس شام نیند آ گئی۔ خواب میں کیا دیکھتا ہُوں کہ حضرتؒ گلاس اور بوتل ہاتھ میں لیے مجھے دوا پلا رہے ہیں۔ میں گھبرا کر اُٹھ بیٹھا۔ چند منٹ بعد پھر نیند آ گئی۔ اور دوبارہ وُہی حالت دیکھی۔ اِس کے بعد میں نے محسُوس کیا کہ درد جاتا رہا اور جسم میں ایک گونہ طاقت بھی آ گئی ہے۔ فوراً حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہونے کو تیار ہو گیا اور دُوسرے روز صبح کے وقت سناواں ریلوے اسٹیشن پر حضرتؒ کی قدمبوسی کے لیے کھڑا تھا۔ حضرتؒ تشریف لائے تو دُور ہی سے فرمایا "سُنا ہے تم بیمار ہو گئے ہو"۔ میں نے عرض کیا "آپؒ نے بے توجہی جو فرمائی تھی بیمار کیوں نہ ہوتا"۔ فرمایا "کیا توجہ نہیں کی"؟ میں نے عرض کیا "تو پھر کیا میں حاضر نہیں ہو گیا"؟

معاندین سے حُسنِ سلوک

مخلصین سے زیادہ معاندین کے ساتھ حُسن سلوک کی عادتِ کریمہ تھی۔ ایک دفعہ ایک صاحب حضرتؒ کی مجلس میں حاضر ہُوئے اور ایک روپیہ نذر رکھ کر مناسب مقام پر بیٹھ گئے۔ جب نذر بردار نذر اُٹھانے کے لیے آیا تو آپؒ نے خلافِ عادت اُسے فرمایا کہ اِس روپیہ کو پڑا رہنے دو۔ جب تمام لوگ اپنی حاجات پیش کر کے چلے گئے تو اُن صاحب کو بُلایا اور دریافت فرمایا کہ کیسے آئے ہیں۔ اُنھوں نے عرض کی کہ فلاں تحصیلدار جو آپؒ کا مخلص ہے اُس کی طرف سفارش نامہ لکھوانا ہے۔ آپ نے کاغذ قلم منگوا کر اپنے ہاتھ سے اُن تحصیلدار کی طرف خط لکھ کر اُنہیں دیا اور ہدایت فرمائی کہ یہ خط اُنہیں گھر پر جا کر دیا جائے کچہری میں نہیں۔ جب وُہ صاحب روانہ ہونے لگے تو فرمایا یہ اپنا روپیہ بھی لیتے جائیں۔ اُنھوں نے بہت معذرت کی۔ مگر آپؒ نے اصرار فرمایا چُنانچہ وُہ روپیہ لے کر چلے گئے۔ اُن کے چلے جانے کے بعد میں نے روپیہ کی واپسی کا سبب پُوچھنے کی جرأت کی۔ فرمایا کہ یہ ہمیشہ مجھے بُرے الفاظ سے یاد کیا کرتا ہے۔ اور معاند ہے۔ اب ضرورت کے وقت اُس نے یہ خیال کر کے روپیہ پیش کیا تھا کہ اِس سے سفارش نامہ لکھوانے میں مدد ملے گی۔ میں نے اِس لیے رُوپیہ واپس کر دیا اور سفارش نامہ بھی خود لکھ کر دیا۔

سخاوت بہت پوشیدہ طور پر کرتے۔ ایک دِن عصر کی نماز کے بعد مسجد میں تشریف فرما تھے۔ ملنے والے رُخصت ہو کر چلے گئے۔ میں اکیلا پاس بیٹھا تھا۔ مجھے قریب بُلا کر ایک کاغذی تھیلی سی دی کہ اُس شخص کو دے آؤ جو لنگر کے دروازہ پر کھڑا ہے۔ میں جا کر دے آیا۔ میں اُسے پہچانتا نہیں تھا مگر کوئی سفید پوش حاجت مند معلوم ہوتا تھا۔

دُنیا سے بے توجّہی

دُنیا کی طرف سے بے توجّہی حضرتؒ کی ذاتِ مُبارک کا خاصہ تھا۔ مسجد میں حضرت اجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر مختلف اوقات میں بیٹھا کرتے۔ زائرین کی طرف سے نذرانہ اور ہدایا کا سلسلہ بارش کی طرح جاری رہتا۔ لیکن جب آپ اُٹھ کر تشریف لے جاتے تو اُدھر آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھتے اور میاں محمد صاحب یا کوئی دُوسرا بزرگ اُن نذرانوں کو اُٹھا کر غلام محمد صاحب لانگری کو دے آتا۔ اِسی طرح سفر میں بعض اسٹیشنوں پر گاڑی رُکنے کے دوران یہی کیفیت ہوتی تھی آپؒ کی طرف سے کوئی حساب یا نگہداشت اِن چیزوں کی نہیں ہوتی تھی۔ جو کچھ اکٹھا ہوتا لانگری اپنے پاس رکھتا اور لنگر وغیرہ پر خرچ کرتا رہتا۔

دوستی اور دُشمنی کے متعلّق نظریہ

جناب شیخ الجامعہ صاحب نے اپنے قلمی مسودات میں حضرتؒ کی ذات اور خاندان کے ساتھ، غلط فہمی یا حسد کی بنا پر، لوگوں کی مخالفت اور پرخاش کا بھی ذکر کیا ہے۔ اِس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ صرف یہ بتانا ہے کہ دوستی اور دُشمنی کے متعلق اِس گھرانے کا نظریہ کچھ مختلف ہے۔ اِن کی نظروں میں اصل دُشمن اِنسان کا اپنا نفس ہے اور اصل دوست اللہ تعالیٰ کی ذات یہ اپنا وقت نفس پر فتح حاصل کرنے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہونے کی کوشش میں صرف کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک دوست اور دُشمن "ہمہ از دوست" ہیں۔

حضرت باؤجی مدظلہ اِس بارہ میں اپنے والدِ کریمؒ کے ارشادات کی وضاحت میں فرمایا کرتے ہیں کہ جنہیں تم لوگ ہمارا دُشمن

سمجھتے سو وہ ہمارے لیے فائدہ کا موجب بنتے ہیں۔ تمہاری قصیدہ گوئی اور مبالغہ آمیز تعریف ہمیں فتنہ میں مبتلا کرتی ہے اُس کے برعکس دشمن ہمارے نقائص اور عیب گنواتا ہے۔ اگر درست ہوں تو ہم اصلاح کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اگر غلط ہوں تو خدا کا شکر ادا کرتے ہیں۔ دشمنوں کی ایذارسانی پر ہم صبر کرتے ہیں اور اجر پاتے ہیں۔ باوجود اُن کی مخاصمت کے ہم اُنہیں اپنے خدا کی مخلوق سمجھ کر اپنی دعاؤں میں شامل رکھتے ہیں اور اس طرح بھی عنداللہ ماجور ہوتے ہیں۔

حضرت مائی صاحبہؒ کی برکات کے خصوصی اثرات

حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ نے ایک مرتبہ اپنی اہلیہ محترمہ کے اوصافِ حمیدہ کا اظہار فرماتے ہوئے اعتراف فرمایا تھا کہ مجھے علم و فقر میں جو کچھ حاصل ہوا ہے اُس کے اسباب میں اِس خاتون کے صبر و قناعت اور خدا پرستی کا بڑا حصہ ہے۔ اس نے مجھے طلبِ مولیٰ کی راہ میں آزاد چھوڑ دیا اور کبھی اپنے مطالبات سے میرے راہ میں حائل نہیں ہوئی۔ حضرتؒ کے وسیع حلقۂ ارادت کی مستورات میں حضرت مائی صاحبہؒ کی بےنفسی، خدا پرستی اور قبولیتِ دعا کے تذکرے آج تک زبان زدِ خلق ہیں۔ وہ قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کے وصال کے بعد تھوڑے عرصہ تک ہی زندہ رہیں مگر اُن کی تربیت کا اثر اِس گھرانے میں ابھی تک جاری و ساری ہے۔

حضرتؒ کی خوراک

شیخ الجامعہ صاحب لکھتے ہیں:۔

"عادت مبارک تھی کہ عشاء کی نماز کے بعد ایک دو لقمے تناول فرما کر وضو کر کے بظاہر سو جاتے تھے۔ مگر دراصل جاگتے رہتے اور پاسِ انفاس میں رات گزار دیتے۔ میں نے ایک رات آپؒ کے گھوٹہ کے قیام کے دوران دیکھا کہ عشاء کی نماز ادا کر کے وضو فرما کر بظاہر سو گئے۔ میں تمام رات دروازہ پر بیٹھا رہا۔ آخر شب قریباً چار بجے آپؒ نے اُٹھ کر اُسی وضو سے نماز تہجد پڑھی۔ اور اکثر یہی معمول تھا۔ باوجود کم خوری کے جسمانی قوت اس قدر تھی کہ باید و شاید۔ ایک روز ایک پہلوان خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میں کشتی لڑنے جا رہا ہوں میرے لیے فتح کی دعا فرمائیں۔ آپؒ نے فرمایا۔ ذرا میرے پاؤں دابو کہ تمہاری طاقت کا اندازہ کروں۔ اُس نے پاؤں دابنے شروع کیے۔ سردی کا موسم تھا مگر دو منٹ بعد ہی اُس کا پسینہ بہنا شروع ہو گیا۔ آپؒ نے دیکھا تو فرمایا۔ "تم تو شاید بہت زور لگا رہے ہو مگر مجھے محسوس بھی نہیں ہو رہا کہ میرے پاؤں دابے جا رہے ہیں"۔ قلّتِ خوراک کے باوجود اتنی طاقت اور برداشت محض التفاتِ خداوندی سے تھی۔

"آخر عمر میں جب آپؒ صاحبِ فراش ہو گئے تو فرمایا کرتے تھے کہ چھتیس سال سے مَیں نے غذا زیادہ تر ترک کر رکھی ہے میری مجموعی خوراک غالباً دو تین چھٹانک فی ہفتہ سے زیادہ نہیں ہو گی۔ اب معدہ کو ہضم کی عادت نہیں رہی۔ جو چیز معدہ میں جاتی ہے وہیں رکھی رہتی ہے۔

اِس کے باوجود جسم مبارک اتنا مضبوط تھا کہ فولاد کا معلوم ہوتا تھا۔ پاؤں دابنے کے وقت اگر اتفاقاً ہاتھ جسم مبارک پر پڑ جاتا تو ایسے معلوم ہوتا کہ لوہے یا پتھر پر پڑا ہے۔ دابنے سے جسم مبارک دبتا نہیں تھا بلکہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اُبھرتا ہے۔"

اُستادزادوں کا احترام

اساتذہ اور اُن کی اولاد کے احترام کے متعلق شیخ الجامعہ صاحب لکھتے ہیں :-

"مَیں نے اکثر دیکھا ہے کہ جہاں جہاں حضرتؒ نے تعلیم پائی وہاں کے تمام باشندوں کا آپ بے حد احترام فرماتے تھے۔ اُستادزادگان کے احترام کی تو حد ہی نہ تھی۔ موضع بھوئی کے مولوی صاحبان کے ساتھ حضرتؒ کا سلوک ضرب المثل تھا۔ انگہ کے اُستاد حافظ سلطان محمود صاحب کے صاحبزادے مولوی شمس الدین صاحب کو آپؒ خود بخاری شریف پڑھایا کرتے اور جب اُن کا انتقال ہوا تو اُن کی تعزیت کے لیے انگہ تشریف لے جا کر وہاں اپنے خرچ سے وسیع پیمانے پر طعام پکوا کر تقسیم فرمایا۔ اُس کے بعد مدت العمر تمام کُنبے کی خبر گیری فرماتے رہے۔ انگہ کا کوئی آدمی ملنے آتا تو اُس کا خاص خیال فرماتے۔ بلکہ وادیٔ سون کا تمام علاقہ حافظ سُلطان محمود صاحب کی وجہ سے حضرتؒ کے نزدیک قابلِ احترام ہو گیا تھا۔

حضرتؒ کا حُلیہ مُبارک

حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہ کا حُلیہ مُبارک اِس طرح بیان کیا گیا ہے :-

رنگ گندم گوں، پیشانی بلند اور چمکدار، آنکھیں مخمور اور رُعب آفرین، ناک سُتواں، ابرُو گھنے اور کماندار، لب متوسط، دہن فراخ، دندان روشن اور جُدا جُدا، ریش گھنی اور تا بہ سینہ، گیسُو گھنگھریالے اور کانوں تک دراز، سینہ کُشادہ، بطن خمیدہ، رُخسار کم گوشت، انگشت ملائم اور باریک، کفِ دست کُشادہ، قد مُبارک میانہ مگر مجلس میں بیٹھے ہُوئے بلند و بالا معلوم ہوتے تھے۔ قدم شریف نرم اور نازک، جسم گٹھا ہوا اور متوسط۔

حضرتؒ کے فوٹو بھی ملتے ہیں جو عقیدت مند اور عُشاق حضرات آپؒ کی عُمر کے مختلف ادوار میں لیتے رہے۔ ان میں سے ایک حضرت خواجہ محمد دین صاحب (حضرت ثانی) سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں سیال شریف کے عُرس کے موقعہ پر لیا گیا۔ اور دُوسرا آپؒ کے زمانۂ استغراق کا ہے۔ اوّل الذکر فوٹو میں حضرت ثانی صاحب سیالویؒ اور دربار شریف کے کئی خُلفائے کرام بھی موجود ہیں۔ حضرتؒ خود تصویر کشی کو پسند نہیں فرماتے تھے اور شدّت سے روکتے تھے۔ چنانچہ یہ چند تصاویر بھی آپؒ کی اجازت یا علم کے بغیر ہی لی گئیں۔

حضرتؒ کا لباس

آپؒ کو سفید لباس پسند تھا جس کی نظافت اور لطافت قابلِ دید ہوتی تھی۔ لٹھے کی شلوار، موسم کے لحاظ سے خاصہ یا ململ کا کھُلی آستینوں والا کُرتہ، اور سفید ململ کی ہلکی مایہ لگی ہوئی پگڑی پہنتے تھے۔ دستار مُبارک بُخاری قسم کی نوکدار کُلاہ پر بندھی ہوتی تھی۔ کُرتے کے اُوپر واسکٹ اور لمبا کھُلے کالر والا فراک کوٹ یا چُغہ ہوتا تھا۔ بعض اوقات دھُوپ میں پگڑی اور دوش مُبارک پر لُنگی یا چادر ڈال لیتے تھے۔ پاؤں میں گھیبی نمونہ کی نفیس اور نصف طلادار پاپوش استعمال فرماتے تھے۔ ہاتھ میں ہمیشہ تسبیح رہتی تھی گھوڑے کی سواری کے وقت بھی چھڑی کی ضرورت محسُوس نہیں فرماتے تھے۔ شریر سے شریر گھوڑا بھی حضرتؒ کے قریب آتے ہی رام ہو جاتا۔

سوار ہونے سے پہلے آپؒ اپنی تسبیح دیسی زین کے اُٹھے ہوئے "ہنّے" سے لپیٹ دیتے اور پھر سوار ہوتے۔ گھوڑا یوں سر جھکا کر کھڑا رہتا جیسے "سُبحَانَ الَّذِی سَخَّرَلَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ" کے معنی سمجھتا ہے۔

حضرتؒ کے لباس اور استعمال کی تمام دوسری چیزیں مثلاً تسبیح، کنگھی اور مسواک وغیرہ آپؒ کے حجرہ مبارک میں بطور تبرک شیشہ دار الماریوں اور میزوں میں رکھی ہیں۔ آپ کا بستر اپنے اصلی مقام پر اُسی طرح لگا ہے اوپر چھپر کھٹ اور مچھر دانی تنی ہوئی ہے۔ آپؒ کے عُرس اور عیدین کے موقعہ پر ارادت مندان تبرکات کی زیارت بڑے شوق اور عقیدت سے کرتے ہیں اور آپ کے ہم عصروں کی آنکھوں کے سامنے وہی پُرانا نقشہ پھر جاتا ہے۔ اِس کمرہ کے برابر والے مجلس خانہ میں لائبریری ہے جس میں ہر فن کی کافی کتابیں موجود ہیں۔

آواز و گفتار

آواز مبارک شیریں، پُرسوز اور باوقار تھی۔ یُوں متانت سے گفتگو فرماتے کہ ایک ایک لفظ گِنا جا سکے اور یاد رہ جائے۔ اکثر لوگ اپنا تجربہ بیان کرتے ہیں کہ حضرتؒ نے اُنہیں کافی طویل اوراد اور وظائف تلقین فرمائے جو ایک ہی بار سُن لینے سے دماغ میں نقش ہو گئے۔ اور پھر کبھی فراموش نہیں ہوئے۔ یہ چیز حضرتؒ کی کرامات سے شمار ہوتی تھی۔

چال اور رفتار

رفتار اور چال ڈھال میں اہلِ علم کو وقار اور سلامت روی نظر آتی تھی اور اہلِ دل کو ایک بانکپن اور محبوبیت۔ جب آپؒ کسی گروہ یا جمعیت میں تشریف لاتے تو تمام فضا میں عقیدت اور محبت کی خوشبو پھیل جاتی اور دیکھنے والوں میں مسرت کی ایک لہر دوڑ جاتی۔ اکثر لوگ دست بوسی کے لیے ہجوم کر کے آجاتے اور بعض لوگ دُور کھڑے ہی "قربان۔ قربان" کہہ کر اپنی پیاس بُجھا لیتے۔ ہجوم کو روکنے کے لیے خدام کو ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑ کر حضرتؒ کے گرد حلقہ بنانا پڑتا۔ کئی اشخاص صرف حضرتؒ کے لباس کو چھُو کر ہی اپنے ہاتھ چُوم لیتے۔ پشاور کے ایک جوان الطاف الٰہی رنگینؔ نے ایک روز حضرتؒ کو گھوڑے پر سوار اژدحامِ خلق میں گھرے ہوئے دیکھ کر یہ شعر پڑھا تھا ؎

تم شہسوارِ حُسن ہو لگ جائے گی نظر　　گھوڑے سے اُترو آنکھ بچا کر رکاب کی

حضرتؒ کی شان میں اسی شاعر کا کہا ہوا ایک اور مصرعہ ہے:۔　ع　جانِ الطافِ الٰہی صدقہ جانِ شما

حضرتؒ کی اسپ سواری

آپ اطباء کے مشورہ پر بعد نماز عصر اسپ سواری کی غرض سے نکلا کرتے تھے اور دیہات "میرا بادیہ" اور "میرا اکو" بلکہ بعض اوقات قصبہ راولپنڈی اور رکھ ٹوپی کے مضافات سے ہو کر عشاء کے بعد واپس تشریف لایا کرتے۔ ایک مخلص سیّد صدیق شاہ نے آپ کی حفاظت کے خیال سے عرض کی کہ ایک خادم کو ہمراہ رکھا کریں۔ اور اپنی اِس استدعا کو تقویت دینے کے خیال سے فرمانِ خداوندی خُذُوا حِذْرَكُمْ یعنی اپنی حفاظت کا سامان کر لیا کرو۔ کا حوالہ بھی دیا۔ حضرتؒ نے فرمایا، شاہ صاحب، وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (اللہ تعالےٰ آپ کو انسانوں سے محفوظ رکھے گا) بھی تو اُسی ذاتِ

عالی کا ارشاد ہے۔ شاہ صاحب نے عرض کی، حضرتؒ یہاں لفظ یَعۡصِمُکَ میں حرف کاف صیغہ واحد حاضر ہونے کی وجہ سے صرف جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی ہی شان میں وارد ہو کر محض آنحضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی ہی حفاظت کی ضمانت کا اظہار کر رہا ہے۔ اِس پر حضرتؒ نے فرمایا، شاہ صاحب، ہم بھی تو اسی کاف کی اوٹ میں ہیں۔ گویا جناب رحمۃ لِلعالمین صلی اللہ علیہ وسلّم کے بحیثیتِ مجموعی پناہِ بے کساں ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے مقامِ فنا فی الرسول کی طرف بھی ایک لطیف پیرائے میں اشارہ فرمایا۔

ایک مُخلِص کے دِلی خطرہ کا از خُود جواب

یہی سیّد صدّیق شاہ بیان کرتے تھے کہ ایک مرتبہ میں اپنے گاؤں سے گولڑہ شریف آ رہا تھا جب چکوال پہنچا تو کسی کی زبانی سُنا کہ حضرتؒ نے ایک گھوڑی خرید فرمائی ہے۔ میرے دِل میں وقتی طور پر خیال گزرا کہ میرے شیخ تو ولی کامل ہیں اُنہیں اِن دُنیاداریوں سے کیا غرض۔ جب حاضرِ خدمت ہُوا تو خود بخود فرمانے لگے۔ شاہ صاحب مجھے اِطبّاء نے مجبُور کیا ہے کہ گھوڑے کی سواری کا اِلتزام کیا جائے۔ اِس ضرورت کے پیشِ نظر میں نے گھوڑی خرید کی ہے۔ چنانچہ میں اپنا وُہ دِلی خیال یاد کر کے بے حد نادم ہُوا۔

اِس کے بعد حضرتؒ کے اصطبل میں بہترین گھوڑے آتے رہے۔ آپ کی شاہ سواری کا بھی اپنے والدِ مُحترم حضرت اجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرح یہ عالم تھا کہ سرکش سے سرکش جانور بھی رام ہو جاتے تھے۔ ایک بار ملک احمد خان ٹوانہ نے ایک بیش قیمت گھوڑی جو اُن سستے ایام میں بھی مبلغ چار ہزار روپے میں آئی تھی، آپ کی نذر کی۔ آپ سیال شریف سے رُخصت ہو رہے تھے کہ یہ گھوڑی آپ کے سامنے لائی گئی۔ گرمی کا موسم تھا۔ آپ نے سوار ہو کر چھتری مانگی۔ ملک صاحب نے عرض کی کہ حضرت، گھوڑی نئی ہے چھتری کو برداشت نہیں کرے گی اور ڈرے گی۔ آپ نے فرمایا، چھتری بند کر کے مجھے دے دو۔ پھر آپ نے چھتری کھول کر گھوڑی کو دَوڑایا اور موضع مانگووال تک دوڑاتے آئے۔ گھوڑی نے بِدکنے کا نام بھی نہ لیا۔ بلکہ بعد میں لنگر شریف کا کوئی بھی خادم اِس پر بآسانی سواری کر لیتا تھا۔

حضوری نام گھوڑے کا اظہارِ اَدب

حضرتؒ کی سواری کے ایک گھوڑے کا نام "حضُوری" مشہُور ہو گیا تھا جب تک آپ اس پر وظائف پڑھتے رہتے یہ آہستہ خرام رہتا۔ مگر جب آپ فارغ ہو جاتے تو یک لخت تیز رفتار ہو جاتا۔ ایک روز سواری کے دوران آپ کی لُنگی نیچے گِر گئی۔ گھوڑا اگر آگے قدم رکھتا تو اُس پر پڑتا۔ اِس لیے گھوڑا ایک دَم رُک گیا اور ہانکنے پر بھی نہ چلا۔ حضرتؒ نے خادم سے فرمایا کہ دیکھو گھوڑا کیوں رُک گیا ہے۔ اُس نے دیکھا تو آپ کی لُنگی نیچے گری پڑی تھی اور گھوڑے نے بہ پاسِ اَدب اپنا وُہ پاؤں جو اُس پر پڑنے والا تھا اُٹھا رکھا تھا۔ سُبحان اللہ! مَنۡ لَّہُ الۡمَوۡلیٰ فَلَہُ الۡکُلُّ (جس کا خُدا ہے، اُس کا سب کچھ ہے)

پاک پتن شریف میں ایک گھوڑے کی سرکشی

حضرت دیوان سیّد محمد سجّادہ نشین پاک پتن شریف نے جو حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ سے بے حد عقیدت و محبّت

رکھتے تھے، حضرتؒ کی سواری کے لیے ایک گھوڑا مختص کر رکھا تھا جس پر تمام سال کوئی شخص سوار نہ ہوتا۔ اور فقط آپ ہی حضرت باباصاحبؒ کے عُرس شریف کے دوران اُس پر سواری فرماتے تھے۔ سال بھر زین نہ ڈالنے کی وجہ سے گھوڑا سرکش ہو جاتا۔ اِس لیے اِحتیاطاً حضرتؒ کی تشریف آوری سے کچھ روز قبل دیوان صاحب اپنے بھائی جناب میاں غلام رسُول سے فرماتے کہ اگرچہ مجھے یقین ہے کہ حضرت اِس کی سواری میں کوئی تکلیف محسُوس نہیں فرمائیں گے۔ تاہم بہتر ہے کہ آپ اِسے کچھ رواں کرلیں۔

ایک مرتبہ حضرتؒ اِس گھوڑے پر سوار تھے کہ موتی محل کے قریب وُہ کچھ ایسے انداز میں کُودا کہ زین کا "تنگ" نیچے سے ٹوٹ گیا اور آپؒ زین سمیت اُوپر کو اُچھلے۔ لوگوں میں شور مچ گیا کہ آپ گر گئے اور ایک شخص دوڑتا ہوا دیوان صاحب کی خدمت میں اطلاع کے لیے پہنچا لیکن دیوان صاحب فرمانے لگے تم غلط کہتے ہو حضرتؒ نہیں گر سکتے۔ اِتنے میں آپ بھی تشریف لے آئے اور دیوان صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا، یہ غلط نہیں کہتا میں واقعی زین سمیت گھوڑے سے کافی اُوپر اُٹھ گیا تھا لیکن پھر محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے بمعہ زین گھوڑے کی پُشت پر آ کر مُستقر ہو گیا۔ دیوان صاحب عمُوماً سال میں ایک دو اچھے گھوڑے آستانۂ عالیہ گولڑہ شریف بھجوا دیا کرتے تھے۔ چونکہ اُن ایام میں موٹر کاریں ابھی عام نہیں ہُوئی تھیں۔ اِس لیے اصطبل میں اچھی قِسم کے نر و مادہ گھوڑوں کی کثرت تھی۔ مگر کبھی کسی جانور کے دُوسرے کے ساتھ لڑنے کی نوبت نہ آئی اور نہ کسی قِسم کا شور و شغب ہُوا۔ اکثر لوگ یہ صُورتِ حال دیکھ کر حیران ہوتے تھے اور اِسے صرف آستانۂ عالیہ کی خصوصیّت قرار دیتے تھے۔

ڈھیری شاہان کی بارات کا واقعہ

جناب شیخ الجامعہ نے اپنے مسوّدات میں تحریر فرمایا ہے کہ ایک مرتبہ گولڑہ شریف سے ایک بارات موضع ڈھیری شاہان گئی۔ وہاں کے رواج کے مُطابق نیزہ بازی کا مظاہرہ کیا گیا۔ لڑکی والوں نے شرط عائد کی کہ جب تک گولڑہ شریف کے سوار میخ اُکھاڑ کر باہر نہیں پھینکیں گے اُس وقت تک نکاح نہیں ہو گا۔ تین روز تک نیزہ بازی ہوتی رہی۔ مگر گولڑہ شریف و اُس کے مضافات کا کوئی سوار میخ اُکھاڑ کر باہر نہ پھینک سکا۔ آخر حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کی خدمت میں حاضر ہو کر اُنہوں نے عرض کیا کہ اب آپ ہی اِس مشکل کو حل فرمائیں۔ چنانچہ حضرتؒ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر وہاں تشریف لے گئے۔ پہلے جا کر میخ کا بغور معائنہ فرمایا اور پھر نیزہ ہاتھ میں لے کر گھوڑا دوڑایا اور میخ کو اُکھاڑ کر باہر پھینک دیا۔ لوگ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ میخ کے ساتھ عام گھریلو آٹا پیسنے والی چکّی کا ایک پتھریلا پاٹ بھی نکل کر باہر آن گرا۔ جس کے سُوراخ میں میخ کو پھنسایا گیا تھا۔

معنوی جمالیات کے علاوہ صُوری محاسن پر نظر

حضرتؒ کی نگاہ لُطف اور شفقت بھری ہلکی مُسکراہٹ میں ایک عجیب کیف اور انداز تھا۔ جسے محسُوس تو کیا جا سکتا تھا مگر بیان کرنا ممکن نہ تھا۔ آپؒ کی پہلی نظر میں شکار ہونے والے آج بھی سینکڑوں باقی ہیں۔ حُجرہ شریف کا نام ہی "عشق آباد" پڑ گیا تھا جو ابتداً دیوان صاحب پاک پتن نے تجویز فرمایا تھا۔

سلسلۂ چشتیہ اہلِ بہشت کے جُملہ بزرگانِ کرام معنوی جمالیات کے ساتھ حُسنِ ظاہری سے بھی مالا مال ہوتے تھے۔ اور اُن کے باہمی تعلق اور نسبت میں نظرِ پاکباز کا بھی ایک غالب عنصر شامل ہوتا تھا۔ خود حضرتؒ کی ذات جسے ازل سے اِس سلسلۂ قدس کی سرداری مقدر ہوئی تھی۔ اپنے شیخ پر عاشق ہو کر مُرید ہوئے تھے۔ آپؒ فرمایا کرتے تھے کہ اِبتدا میں، جب کسی کامل شیخِ طریقت

کی تلاش تھی تو دل چاہتا تھا کہ کوئی ایسا شخص ملے جو معنوی حُسن کمال کے ساتھ ظاہرہ خُوبی اور جمال سے بھی مالامال ہو۔ چنانچہ سیال شریف میں جب اپنے اُستاد مولوی سُلطان محمُود صاحب کے ہمراہ حاضری کا اِتفاق ہُوا تو حضرت خواجہ صاحبؒ پر نظر پڑتے ہی دِل فریفتہ ہوگیا۔ درحقیقت یہ نسبت اُس صفتِ خُداوندی کا کرشمہ ہے جس کے متعلق حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ "اَللّٰہُ جَمِیْلٌ وَّ یُحِبُّ الْجَمَالَ"۔ حضرت صدیق اکبرؓ سے سوال ہُوا تھا کہ آپ کو دُنیا میں سب سے زیادہ کیا چیز پسند ہے۔ تو فرمایا اَلنَّظَرُ اِلٰی وَجْہِ رَسُوْلِ اللّٰہِ (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ)

نبیؐ کا مصحفِ پُر نُور ہے کلام اللہ — یہ خط یہ رُخ یہ جبیں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ
جو ایک عارضِ انور ہے وَالضُّحیٰ تنویر — تو دُوسرا بھی ہے وَالْفَجْر سے جمال اللہ
اِدھر کی زُلفِ مُعنبر ہے سُورتِ حٰمٓ — اُدھر کی طُرّہ وَالَّیْل ہے کلام اللہ
حضُور! عارضِ انور کا خال ہے وَالنَّجْم — جبینِ پاک ہے وَالشَّمْس خوش جمال اللہ
یہ جِسم نُور ہے واللہ اور مُطلق نُور — یہ دِل کلیم تو دِل کی زباں کلام اللہ
اِسی طرح سے چھپائے ہُوئے ہے دِل حق کو — الف کو جیسے چھپائے ہوئے ہے بِسْمِ اللّٰہ

اَدب سے دَرد کی جانب سے اے صبا کہہ دے
ببارگاہِ رسُولِ کریم صَلِّ عَلٰی اللّٰہ

دَرد کاکوروی

باب ششم

وصالِ اولاد و احفاد اور متوسلین

پہلی فصل

بیماری اور ضعف

خواب و خور سے بے نیازی

یہ حقیقت ہے کہ کم خوردن، کم خفتن و کم گفتن ابتدا ہی سے حضرتؒ کے معمولات سے رہے۔ دائمی ذکر اور پاس انفاس کے شغل نے آپؒ کو خواب و خور سے بے نیاز کر دیا تھا۔ خود فرمایا کرتے تھے کہ طالب علمی کے زمانہ میں بھی کئی دنوں تک کچھ نہ کھاتا تھا۔ لیکن بھوک کی چنداں تکلیف محسوس نہیں ہوتی تھی۔ غالباً اسی وجہ سے آخر عمر میں معدہ نے کام کرنا چھوڑ دیا اور ہچکی شروع ہو گئی تھی۔ یہ بے چین کر دینے والا مرض کبھی کبھی دورہ کرتا اور بعض اوقات ہفتوں پیچھا نہ چھوڑتا۔

ارادت مندوں کے دکھ درد کا احساس

بایں ہمہ اکہتر بہتر سال کی عمر تک حضرتؒ کی صحت خاصی اچھی رہی۔ مگر ۲۹-۱۹۲۸ء سے ضعف کے آثار بڑھنے لگے۔ اس کا باعث محض بیماری ہی نہ تھی۔ کثرت مشاغل اور لوگوں کے دکھ درد کے روز افزوں احساس کو بھی اس میں کافی دخل تھا۔ گولڑہ جنکشن پر کوئی گاڑی ایسی نہیں آتی تھی جس میں دس پندرہ زائرین دور دراز سے نہ پہنچتے ہوں۔ اور نواحی علاقہ جات سے تو تانگوں سائیکلوں اور موٹر کاروں سے آنے والے ارادت مندوں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ ہر شخص کچھ امید لے کر حاضر ہوتا اور پوری توجہ حاصل کر کے واپس جاتا۔ کوئی غم دنیا پیش کر رہا ہے تو کوئی فکر عقبےٰ۔ اس سے کہیں زیادہ تعداد میں دکھ بھرے خطوط روزانہ موصول ہوتے جو من و عن پیش کر دیئے جاتے۔ وحدت الوجود کے مسلک کے باعث مخلوق کے مصائب ذاتی مصائب بن کر رہ گئے تھے۔ کسی کی بے وقت موت یا غم واندوہ کی کہانی پیش کی جاتی تو طبع مبارک بے چین ہو جاتی اور بار بار سرد آہیں بھرتے رہتے۔

مظہر رحمت عالمؐ

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ابتدا میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحت بہت اچھی تھی۔ آخر میں امت کے غم نے اس قدر نڈھال کر دیا تھا کہ بیٹھ کر نوافل پڑھنے لگے تھے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ رات کی نماز میں یہ آیت پڑھتے اور روتے رہتے۔

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ (سورہ مائدہ - ۱۱۸)

(ترجمہ) اگر تو ان کو عذاب کرے تو یہ تیرے ہی بندے ہیں اور اگر تو ان کو معاف کر دے تو بے شک تیری ذات عزیز و حکیم ہے۔

وَلِلّٰہِ دَرُّ الْقَائِلِ جو اس غمخواری کو مدِّ نظر رکھ کر کہتا ہے ۔

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر ۔ روزِ محشر عذر ہائے من پذیر

در حسابم را تو بینی ناگزیر ۔ از نگاہِ مصطفےٰ پنہاں بگیر ۔ اقبالؒ

آخری عمر میں حضرتؒ کی کیفیتِ قلبی حضور رحمتِ عالمؐ کی محبتِ اُمّت کا کامل مظہر تھی ۔

افزونیٔ مشاہدہ

حضرتؒ کا سن شریف جُوں جُوں بڑھ رہا تھا مشاہدہ تیز تر ہوتا جا رہا تھا ۔ ۱۹۲۵-۲۶ء میں یہ حالت ہو گئی تھی کہ خلوت ہو یا جلوت ایک وجدانی کیفیت طاری رہتی ۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک آہ بھر کر سر اُٹھا لیتے اور باطنی کیفیات کے وُرود کے باعث چہرہ مُبارک کا رنگ کبھی زرد ، کبھی سبز اور کبھی سُرخی مائل ہو جاتا اور پھر وُہی کیفیت طاری ہو جاتی ۔ اپنے نظامِ اوقات کے تحت مجلس خانہ میں بدستور گھنٹہ دو گھنٹہ کے لیے تشریف لاتے مگر محفل پر خاموشی طاری رہتی ۔ حاضرین میں سے بعض پر یہ کیفیت دیکھ کر گریہ طاری ہو جاتا اور بعض حسرت بھری نگاہ سے دیکھتے اور سوچتے رہ جاتے کہ خُدا جانے کیا ہونے والا ہے ۔ اُن دنوں اکثر یہ شعر فرماتے تھے ۔

نہ مقامِ گفتگو ہے نہ محلِّ جُستجو ہے

دلِ بے نوائے میرے جہاں چھاؤنی ہے چھائی

نووارد زائرین کے لیے حضرتؒ چُپ چاپ اپنا دستِ مُبارک مصافحہ کے لیے بڑھا دیتے ۔ البتّہ سلام کا جواب دیتے ۔ اور کبھی کبھی اپنا یہ پیارا دستوری فقرہ فرما دیتے کہ "خیریں آئے وے" ۔ (آپ خیریت سے آئے ہیں ؟)

بشارات

اِس زمانہ میں بعض صاحبِ عرفان مُخلصین اور مُحبّین کو خوابوں میں آپؒ کی اس کیفیت کے بارے میں تسلّی دِلائی گئی چنانچہ مُلتان میں ایک سیّد صاحب نے استخارہ کے بعد کہا کہ اُنہیں حضور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا ۔ جنھوں نے حضرتؒ کے متعلق فرمایا کہ وُہ ایک ایسا مقام طے کر رہے ہیں جہاں مشائخ کی امداد نہیں پہنچتی ۔ مگر اس مرحلہ پر بھی ایک ایسا شخص ہے جو برابر اُن کی مدد اور رہنمائی کر رہا ہے ۔ (اس سے مُراد اُن کی اپنی ذاتِ مقدّس تھی جن کا فرمان قَدَمِی هٰذِہٖ عَلٰی رَقَبَةِ کُلِّ وَلِیِّ اللّٰہِ ہے ۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما و علیہم اجمعین)

ایک شکوہ آمیز گذارش

اِس زمانہ میں ملک سُلطان محمُود خان صاحب ٹوانہ منصرمِ مراسلات کے چھوٹے بھائی میجر ملک غلام حُسین خان

ا: اے اللہ العالمین ! تُو دونوں عالم سے بے نیاز ہے اور میں مُحتاج ہُوں ۔ اوّل تو قیامت میں میرا عُذرِ گناہ قبول فرما کر بخش دے لیکن اگر ضرور حساب ہی لینا ہے تو حضورِ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نگاہ سے پوشیدہ لینا ۔ (فیض)

حاضرِ خدمت ہُوئے۔ دربار میں مختلف النوع خوابوں اور مکاشفات کے باعث یہ چرچا عام تھا کہ آپؒ کی یہ حالت کسی بیماری کے باعث نہیں بلکہ آپؒ کے اپنے مسلسل مجاہدہ کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ ملک صاحب حُجرہ شریف میں حاضر ہُوئے اور عرض کیا "سرکار، نبوّت تو آپ کو ملنے سے رہی۔ اُسے تو اللہ تعالیٰ نے حضُور رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وسلّم پر ختم فرما دیا تھا۔ اب اس سے نیچے اور کون سا ایسا بلند مقام رہ گیا ہے جس کے لیے آپ نے اپنی جان کو اِس قدر تکلیف میں ڈال رکھا ہے اور اپنے غلاموں کو دِن رات رُلا رہے ہیں؟ اگر اپنے آپ پر رحم نہیں آتا تو مخلوقِ خُدا پر ہی رحم فرمایئے۔" اس پر آپؒ نے مُسکرا کر ملک سلطان محمُود سے فرمایا۔ "دیکھو یہ تمہارا بھائی کیسی باتیں کرتا ہے۔" اور پھر اپنے شغل میں مصرُوف ہو گئے۔

طِبّی مشوروں پر ہواخوری کا اِلتزام

اُس زمانہ میں ضُعفِ جسمانی کے باعث سواری ترک ہو چکی تھی مگر ڈاکٹروں کی تاکید تھی کہ تفریح اور ہواخوری کا التزام ضروری ہے۔ چنانچہ کچھ عرصہ کے لیے نمازِ عصر کے بعد تھوڑی دُور چہل قدمی فرمانے لگے۔ مگر جب اِس میں بھی دُشواری ہُوئی تو حضرت ثانی سیّد غلام محی الدّین المعرُوف جناب بابُوجی صاحب مدظلہ العالی نے طِبّی مشورہ کے تحت موٹر کار خرید لی جس میں ہواخوری کے لیے روزانہ دس بارہ میل باہر تشریف لے جایا کرتے۔

کار کا حادثہ

ایک مرتبہ سواری کے دوران کار کو حادثہ پیش آیا۔ شاہراہِ اعظم پر سنگ جانی کی طرف سے واپس آتے ہُوئے حضرتؒ نے فرمایا کہ نمازِ مغرب کا وقت قریب ہے۔ کار کو روک کر کہیں نماز ادا کر لیں۔ ایک ہمراہی نے عرض کیا کہ ابھی سُورج غروب نہیں ہوا۔ نماز کے وقت تک گولڑہ شریف کے موڑ پر واقع خانقاہ تک پہنچ جائیں گے۔ چنانچہ سفر جاری رکھا گیا تھوڑی دُور آگے چل کر جھنگی سیّداں کے قریب اچانک کار ٹرک سے ٹکرا کر اُلٹ گئی۔ حضرت صاحبؒ اور بابُوجی تو باہر گرے مگر دیگر ہمراہی یعنی مولوی محبُوب عالم صاحب اور لال خان ڈرائیور کار کے نیچے آگئے۔ اُس وقت بابُوجی صاحب نے اکیلے ہی اُن کو باہر نکالا۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ یہ تکلیف نمازِ مغرب میں تاخیر کا خوف نہ کرنے پر غیرتِ الٰہی کے باعث پیش آئی ہے اور اِنشاء اللہ سُودمند ثابت ہو گی۔

لنگرِ غوثیہ کا بذل وسخا

مہمانوں کی جو کثرت دربار گولڑہ شریف میں دیکھنے میں آتی ہے کہیں اور کم ہی نظر آتی ہو گی۔ حضرتؒ کے زمانے میں دو بڑے عُرس منائے جاتے تھے۔ ایک حضُور غوث الاعظم رضؓ جیلانی کا اور دُوسرا حضرت خواجہ غریب نواز اجمیریؒ کا۔ ان اعراس پر اُس زمانہ میں بھی ہزاروں کا اجتماع ہو جاتا تھا۔ اِس کے علاوہ خُدّام اور اُن کے متعلّقین اور مدرّسین اور طُلباء، جن کی تعداد اڑھائی تین سو سے کم نہ ہو گی۔ دربار شریف سے مُستقل طور پر بہرہ اندوز ہوتے تھے۔ لنگر کی آمدنی زیادہ تر نذر و نیاز پر منحصر تھی۔ تاہم بذل وسخا دریا کے پانی کی طرح جاری ہی رہتی تھی۔ اس لیے آپؒ کبھی صاحب زکوٰۃ نہ ہُوئے "ملفُوظاتِ طیّبات" میں مذکور ہے کہ حضرتؒ بعض اوقات اِس چیز پر اظہارِ شُکر فرماتے تھے۔ ایک بار فرمایا کہ حضُور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لنگر

کی بھی یہی کیفیت تھی کہ کبھی قرضدار ہو گیا اور کبھی مالدار، مگر مستوجب زکوٰۃ نہ ہوا۔ بیواؤں اور یتیموں کے وظیفے مقرر فرما رکھے تھے۔ پشاور کے بعض متموّل مُریدین جو کابل، بُخارا اور وسط ایشیا کے ممالک میں تجارت کرتے تھے۔ جب انقلاب رُوس کے باعث مُفلس ہو کر رہ گئے تو سالہا سال تک لنگرِ غوثیہ سے اُن کی پرورش ہوتی رہی۔ ایسے متعدّد اور خاندانوں کے وظائف بھی مقرّر تھے۔

"تصفیہ" مابین سُنّی و شیعہ" کی تالیف

اِس زمانہ میں شیعہ سُنّی مباحثات کا ایک نیا دَور چلا تھا۔ فریقین کے بعض متشدّد مصنّفین نے ایسی کتابیں شائع کیں، جن میں تعصب زیادہ اور انصاف کی رعائیت کم تھی۔ حضرتؒ کی خدمت میں مُعاملہ پیش ہوا تو "تصفیہ مابین سُنّی و شیعہ" کے عنوان سے ایک رسالہ لکھنے کا ارادہ فرمایا اور کچھ روز تک اپنے منصرم مراسلات خان بہادر مولوی شیر محمد صاحب لاہوری ریٹائرڈ پولیٹیکل ایجنٹ گلگت کو چند ابواب لکھواتے بھی رہے۔ مگر بیماری اور روز افزوں کیفیتِ استغراق کے باعث یہ قیمتی افادات کما حقّہٗ پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکے۔ خان بہادر مولوی صاحب کی وفات پر اُن کے کاغذات میں سے اِس تالیف کے جو مضامین دستیاب ہُوئے اُن میں سے چند اقتباسات اِنشاء اللہ باب التصانیف میں ہدیۂ ناظرین کیے جائیں گے۔

علّامہ اقبال کا عریضہ

زمانۂ استغراق کے اوائل میں جناب ڈاکٹر سر محمد اقبال مرحوم کا ایک عریضہ موصول ہوا جس میں زمان و مکان پر حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "فتوحاتِ مکیّہ" کے ایک باب کی وضاحت کے لیے استدعا کی گئی تھی۔ یہ خط ملک سُلطان محمُود صاحب ٹوانہ نے، جو خان بہادر مولوی صاحب کی وفات پر مراسلات کی خدمت پر مامُور ہُوئے تھے، ایک خاص وقت میں حضرتؒ کو متوجہ کر کے پیش کیا۔ آپؒ نے غور فرما کر سُنا اور ارشاد فرمایا کہ کسی وقت جب میری طبیعت میں افاقہ ہو، پیش کرنا تاکہ جواب لکھوا دیا جائے۔ جب کئی روز بعد ملک صاحب نے پھر یہ خط پیش کیا تو بوجہ علالت و تکلیف فرمایا کہ لکھ دو میں بیمار ہُوں اس لیے جواب سے معذور ہُوں۔ چنانچہ ملک سُلطان محمُود صاحب نے جواب میں لکھا کہ "اقبال صاحب آپ اپنے ہی مشہُور قول کے مصداق اِس مکتب میں دیر سے پہنچے ہیں۔" علّامہ اقبال کو کیمبرج یُونیورسٹی میں زمان و مکان (TIME AND SPACE) کے متعلق حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کے نظریہ پر لیکچر دینا تھا لیکن اُنہیں بھی موت نے مہلت نہ دی۔ اُن کے عریضہ کی نقل "اقبال نامہ" جلد اوّل میں شائع ہو چکی ہے۔ تاہم یہاں بھی درج کی جاتی ہے۔

لاہور، ۱۸۔ اگست ۱۹۳۳ء

مخدوم و مکرّم حضرت قبلہ۔ السّلام علیکم

اگرچہ زیارت اور استفادہ کا شوق ایک مدّت سے ہے، تاہم اِس سے پہلے شرفِ نیاز حاصل نہیں ہوا۔ اب اِس محرُومی کی تلافی اِس عریضہ سے کرتا ہُوں۔ گو مجھے اندیشہ ہے کہ اِس خط کا جواب لکھنے یا لکھوانے میں جناب کو زحمت ہوگی۔ بہر حال جناب کی وُسعتِ اخلاق پر بھروسہ کرتے ہُوئے یہ چند سطور لکھنے کی جرأت کرتا ہُوں کہ اِس وقت ہندوستان بھر میں کوئی اَور دروازہ نہیں جو پیشِ نظر مقصد کے لیے کھٹکھٹایا جائے۔

مَیں نے گذشتہ سال انگلستان میں حضرت مجدّد الف ثانیؒ پر ایک تقریر کی تھی جو وہاں کے اداشناس لوگوں میں بہت مقبوُل ہُوئی۔ اَب پھر اُدھر جانے کا قصد ہے اَور اِس سفر میں حضرت محی الدّین ابن عربیؒ پر کچھ کہنے کا اِرادہ ہے۔ نظربایں حال چند امُور دریافت طلب ہیں۔ جناب کے اخلاق کریمانہ سے بعید نہ ہوگا۔ اگر سوالات کا جواب شافی مرحمت فرمایا جائے۔

۱۔ اوّل یہ ہے کہ حضرت شیخ اکبرؒ نے تعلیم حقیقتِ زمان کے مُتعلّق کیا کہا ہے اَور ائمہ متکلّمین سے کہاں تک مختلف ہے۔

۲۔ یہ تعلیم شیخ اکبرؒ کی کون کون سی کُتب میں پائی جاتی ہے اَور کہاں کہاں۔ اِس سوال کا مقصُود یہ ہے کہ سوال اوّل کے جواب کی روشنی میں خود بھی ان مقامات کا مطالعہ کرسکوُں۔

۳۔ حضراتِ صُوفیہ میں اگر کسی بزرگ نے بھی حقیقتِ زمان پر بحث کی ہو تو اُن بزرگ کے اِرشادات کے نشان بھی مطلوب ہیں۔ مولوی سیّد انور شاہ صاحب مرحُوم و مغفور نے مجھے عربی کا ایک رسالہ مرحمت فرمایا تھا اُس کا نام تھا درایۃ الزّمان۔ جناب کو ضرُور اِس کا عِلم ہوگا۔ میں نے یہ رسالہ دیکھا ہے۔ مگر چوُنکہ یہ رسالہ بہت مختصر ہے اِس لِیے مزید روشنی کی ضرُورت ہے۔

میں نے سُنا ہے کہ جناب نے درس و تدریس کا سِلسلہ ترک فرمادیا ہے اِس لِیے مجھے یہ عریضہ لکھنے میں تامّل تھا۔ لیکن مقصُود چونکہ خدمتِ اسلام ہے، مجھے یقین ہے کہ اِس تصدیعہ کے لِیے جناب معاف فرمائیں گے۔ باقی التماسِ دُعا۔

مخلص محمّد اقبال

دُوسری فصل

عالمِ اِستغراق

دریائے ناپیداکنارِ توحید

محویت واِستغراق کی حقیقت تو کچھ وُہی حضرات جان سکتے ہیں جو اِس وادی سے گزُرے ہوں البتہ بزرگانِ دین کے احوال وسِیَرسے اِس قدر معلوم ہوتا ہے کہ تجلیاتِ الٰہی کے وُرُود سے توحید کے دریائے ناپیداکنار میں عشاقِ الٰہی پر کچھ ایسی محویّت کی کیفیّت طاری ہوجاتی ہے کہ تمام ماسوا سے توجہّ اور شعُور اُٹھ جاتا ہے۔ ؎

عشق آں شعلہ است کو چوں بر فروخت
ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت (رُومیؒ)

اِستغراق میں عُذرِ نماز کا اِستفتاء

ویسے تو ہر دَور کے مستانِ بادۂ توحید کے حالات میں ایسے واقعات بکثرت ملتے ہیں لیکن قرونِ وسطیٰ کے بزرگانِ دین میں حضرت قدوۃ العرفا مولانا رُومی قدس سرّہٗ اور متاخرین میں سے حضرت قُطب العالم شیخ عبدالقدّوس گنگوہی قدس سرّہٗ پر وصال سے کچھ مدّت پہلے کوائفِ اِستغراق وارد ہُوئے۔ کچھ اِسی قسم کے حالات حضرت قبلۂ عالم گولڑوی قدس سرّہٗ کی ذاتِ گرامی میں بھی زمانۂ وصال سے قبل نظر آتے ہیں۔ اور ایسا کیوں نہ ہو۔ حضرت عارف رُومی قدس سرّہٗ کے فلسفۂ تصوّف کو اِس آخری دَور میں جس حد تک آنجنابؒ نے سمجھا اور سمجھایا مشائخ کرام میں اِس کی نظیر کم ملتی ہے۔ اور حضرت قطب العالم گنگوہیؒ کی ذات سے تو آنجنابؒ کو ایک خصُوصی نسبت ہے۔ آنجنابؒ کے جدِّ امجد حضرت میراں شاہ قادر قمیص قدس سرّہٗ کی حضرت قطب العالم گنگوہیؒ سے نسبت اور اِستفادہ کے واقعات تفصیلاً اِسی کتاب کے پہلے باب میں ناظرینِ کرام ملاحظہ کر چکے ہیں۔

بہر حال اِس عجیب وغریب کیفیّت کا وُرُود حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ پر ۳۳-۱۹۳۲ء میں ہوا۔ اور ۳۶-۱۹۳۵ء تک اِنتہا کو پہنچ گیا۔ پہلے نماز کے لیے مسجد کا جانا متعذّر ہوا۔ پھر بستر پر نماز پڑھنے لگے۔ پھر اشاروں سے نماز ادا ہونے لگی اور آخر اشاروں سے بھی معذُوری ہوگئی اور لگاتار اِستغراق کی کیفیّت رہنے لگی۔ ایک روز صبح میں آکر علماءِ آستانہ کو بُلوایا اور فرمایا۔ مجھ سے اب نماز پُوری طرح ادا نہیں ہوسکتی درمیان ہی میں رہ جاتی ہے۔ آپ صاحبان میرے معاملہ میں غور کر کے فتویٰ دیں کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیئے۔ عُلما حضرات آبدیدہ ہو کر چلے گئے۔ ایک روز پھر بُلوایا اور فرمایا مجھے آپ کے شرعی فتویٰ کی حاجت ہے۔ اگر نماز اشارہ سے بھی پڑھنا شروع کروں تو حواس وشعور جواب دے جاتے ہیں۔

اُستاذ العلما جناب مولانا محمد غازی صاحب رحمۃ اللہ علیہ پہلے تو خاموش رہے۔ جب آپ نے دوبارہ یہی سوال فرمایا تو انہوں

نے عرض کیا کہ حضرتؒ آپ تو جانتے ہی ہیں کہ استغراق اور سکر میں نماز نہیں ہوتی۔ کیونکہ انسان مجبور و معذور ہوتا ہے۔ پھر لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَہَا۔ اللہ تعالیٰ کسی کو اُس کی وسعت سے زیادہ مکلف بھی نہیں ٹھہراتا۔ یہ سُن کر فرمایا جزاکم اللہ خیر الجزا۔ یہ چیز آپؒ کے کمال پابندیٔ شرع کی دلیل ہے کہ استغراقِ کامل میں بھی علماءِ دین کا شرعی حکم حاصل کرنا ضروری سمجھا۔ اس میں اصحابِ صحو سلیم الحواس مدعیانِ جذب کے لیے بڑا سبق ہے۔

وَاَنْتُمْ سُکَارٰی اور ہُمْ فِیْ صَلٰوتِہِمْ دَائِمُوْنَ کا باطنی مدلول

جناب مولینا محمد غازی صاحب عالم بھی تھے اور عارف بھی۔ لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنْتُمْ سُکَارٰی کے ظاہری معانی کے علاوہ علمِ اعتبار کے ماتحت اِس فرمانِ نہی کے باطنی مدلول پر بھی وسیع نظر رکھتے تھے۔ بھلا پچاس برس اس پایہ کے ایک مقبولِ خدا کی جلو میں رہ کر عالمِ مشاہدہ کے سکر کی کیفیت اور ؎

بخلوتے کہ منم یاد دوست بے ادبی ست

کے تقاضوں سے کیسے بے خبر رہ سکتے تھے؟ اگرچہ اربابِ تحقیق کے نزدیک شرابِ عشق و توحید کے مستوں کا مقام اور حکم اُمّ الخبائث کے نشہ اور مدہوشی کے احکام سے کہیں مختلف اور بلند و بالا ہے مگر قویٰ حسیہ کا تعطّل دونوں میں قدرِ مشترک ہے اور اسی وجہ سے شرعاً جس طرح مجنون غیر مکلف ہے ویسے ہی مجذوب صاحب سُکر بھی پابندیٔ احکام سے آزاد ہے۔ صاحب جذب و استغراق یُوں بھی ھُمْ فِیْ صَلٰوتِہِمْ دَائِمُوْنَ کے باطنی مفہوم کی بنا پر ہمہ وقت نمازی میں ہوتا ہے۔

ملّتِ عشق از ہمہ ملّت جدا ست ؎
عاشقاں را مذہب و ملّت خدا ست

عرض و معروض کی کیفیات

ابتدا میں جب حالتِ صحو کے وقفے طویل ہوتے تھے۔ حاضر ہونے والوں کی معروضات سُن کر ہاتھ اُٹھا کر دُعا فرما دیا کرتے تھے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ مصاحبِ خاص جناب مولوی محبوب عالم صاحبؒ عرض کرتے حضور فلاں صاحب حاضر ہیں۔ ان کے مقصد کے لیے دُعا فرمائیے۔ اور یہ کہہ کر خود دُعا مانگ کر بلند آواز سے آمین کہتے اور حضرتؒ بھی آمین فرما دیتے۔ بسا اوقات یُوں بھی ہوتا کہ صاحبِ حاجت کچھ عرض کرتا آپ اُسی جملے کو دُہرا دیتے اور اُس کی حاجت پُوری ہو جاتی۔ چنانچہ ایک شخص کو ناف کی تکلیف تھی جسے اس علاقے میں گھن کہتے ہیں۔ اُس نے حاضر ہو کر عرض کیا "گھن دا لکھ دیو یک تعویذ"۔ یعنی گھن کا ایک تعویذ لکھ دیجیے۔ آپؒ نے تین دفعہ یہی الفاظ دُہرا کر دم فرما دیا اور وہ شخص فوراً ٹھیک ہو گیا۔ اسی طرح سیّد امام شاہ صاحب (مہر آباد تحصیل لودھراں) دانتوں کے درد میں مبتلا تھے۔ حاضر ہو کر عرض کیا "ڈاڈھی پیڑ ہے" یعنی سخت درد ہے۔ حضرتؒ نے "ڈاڈھی پیڑ ہے" کے الفاظ تین دفعہ فرما کر دم کر دیا تو درد جاتا رہا ؎

گفتۂ اُو گفتۂ اللہ بود   گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

(اُس کا کہا ہُوا اللہ کے کہے ہوئے کا حکم رکھتا ہے۔ اگرچہ اللہ کے بندے کے حلق سے ادا ہوتا ہے)

مجاذیب اَور اہلِ سُکر کی کثرتِ حاضری

زمانۂ اِستغراق میں اَربابِ سلوک اَور صاحبِ منزل حضرات طیِّ مقامات کے لیے دُور دُور سے کھنچے چلے آتے تھے۔ اِن میں مجاذیب اَور اہلِ سُکر کی کثرت ہوتی تھی۔ بیشتر حضرات حجرہ شریف میں "جو عشق آباد" کے نام سے مشہور ہوگیا تھا داخل ہوکر پلنگ کی پائینتی کو بوسہ دیتے۔ کچھ دیر چُپ چاپ آپ کو دیکھتے رہتے۔ اَور پھر خُود ہی دُعا مانگ کر رُخصت ہوجاتے۔ بسترِ مُبارک پر باریک جالی کی مچھر دانی لگی ہوتی تھی۔ اَور جبینِ مُبارک سے عرفانِ الٰہی کی تجلّیات کا عکس اس میں سے چھن چھن کر آ رہا ہوتا تھا۔ نہ سوال ہوتا تھا نہ جواب ؎

اَے لقائے تو جوابِ ہر سوال — مشکل از تو حل شود بے قیل و قال

(اَے محبُوب! تیرا دیدار ہی ہر سوال کا جواب ہے، تجھے دیکھ لینے سے ہی کچھ کہے سُنے بغیر ہر مشکل حل ہوجاتی ہے)

گمشدگیٔ سایہ کی اِطّلاع

حضرت مولٰینا غلام محمد صاحب شیخ الجامعہ بہاول پُور رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی یادداشت میں لکھا ہے کہ حضرتؒ کے اِبتدائے اِستغراق کے زمانہ میں ایک روز میں ایک غیر معروف راستہ سے جامعہ کی طرف جا رہا تھا۔ ایک سنسان گلی میں ایک مجذُوب لیٹا ہُوا تھا۔ اُس نے اچانک سر اُٹھا کر مجھے مخاطب کر کے کہا "مولوی جی، تمہارے پیر کا کیا حال ہے؟" میں نے جواب دیا حضرتؒ کی طبعِ مُبارک آج کل کچھ ناساز ہے۔ کہنے لگا "تمہارا پیر مکر کرتا ہے۔ دراصل اُس کا سایہ گُم ہوگیا ہے۔ اَور اِس بات کو چُھپانے کے لیے وُہ چارپائی لے کر حُجرہ میں پڑ گیا ہے۔ بیماری وغیرہ کچھ نہیں۔" مقامِ فنافی الرّسُولؐ پر فائز ہونے والے حضرات کے لیے ایسے آثار کا پایا جانا کچھ مستبعد نہیں ؎

بسیار دیدہ ام کہ یکے را دو کرد تیغ
تلوارِ عشق بیں کہ دو کس را یکے کُند (حافظؒ)

(مَیں نے اکثر دیکھا ہے کہ تلوار ایک چیز کے دو ٹکڑے کر دیتی ہے۔ لیکن تلوارِ عشق کا تماشہ دیکھو کہ دو کو مِلا کر ایک کر دیتی ہے۔

"تفریح الخاطر" کے مقدمہ میں حضرت بلالؓ اَور حضرت اویسؓ قرنی کے بے سایہ ہوجانے کے متعلق بھی ثبوت ملتا ہے۔

تیسری فصل

کوائفِ وصال

[اس فصل میں حضرتؒ کے استغراق، علالت اور وصال سے متعلق جو حالات بیان کیے گئے ہیں، انہیں بیشتر مولوی عبدالرحمٰن صاحب، بنگو ضلع کیمبل پور کے تحریر کردہ اُن حالات سے حاصل کیا گیا ہے جو رسالہ "مُنادی" دہلی میں وصال کے کچھ عرصہ بعد شائع ہُوئے تھے۔]

مقبولانِ خُدا کے وصال کی باطنی کیفیات تو صاحبِ حال لوگ ہی جان سکتے اور بیان کر سکتے ہیں۔ یہاں صرف وہ واقعات درج کیے جاتے ہیں جو اس عالمِ اسباب میں آپؒ کے وصال سے کچھ عرصہ قبل ظہور میں آئے۔

ابتدائے تعمیرِ حال میں حضرتؒ نے اپنے نفسِ زکیہ کو ریاضاتِ شاقہ اور مجاہداتِ شدیدہ میں ڈال کر خود کو ترکِ غذا کا عادی بنا لیا تھا۔ رفتہ رفتہ معدہ غذا سے غیر مانُوس ہو کر لطیف اور نازک ہو گیا۔ چنانچہ آخری عمر میں تقاضائے بشری کے تحت اور طبّی نقطۂ نگاہ سے جب جسمانی طاقت کے تحفّظ کے لیے ادویات کی ضرورت محسُوس ہُوئی تو اُن کے قلیل استعمال سے ہی مستقل طور پر دورہ ہچکی (فواق القلب) لاحق ہو گیا۔ اس کے بعد ایک ایسا مرض عارض ہُوا جس کی تشخیص سے حکمتِ یُونانی اور ڈاکٹری فن کے ماہرین عاجز رہ گئے۔ اس نامعلوم الکیفیت مرض کی وجہ سے جسمِ مُبارک کمزور سے کمزور تر ہوتا چلا گیا۔ یُوں تو تقریباً دس برس تک یہ مختلف تکالیف رہیں لیکن چار پانچ سال تک تو حضرتؒ مسلسل صاحبِ فراش رہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ قدرت حضرتؒ کے محبّین اور معتقدین کو آنے والی بلائے ہجر و فراق کا خوگر بنا رہی ہے۔ ہچکی کے شدید دورہ اور دیگر تکالیف کی شدّت کے باوجود حاضرِ آستانہ ہونے والے تمام زائرین کو حسبِ معمول، سابقہ اوقاتِ مقررہ پر باریابی کا شرف بخش کر فرداً فرداً تسلّی بخش جوابات اور اطمینان دہ دُعاؤں سے فیض یاب فرماتے رہے اور کسی کو توجہ سے کبھی محرُوم نہ رکھا۔ دریائے فیضان شدید سے شدید تکلیف میں بھی جاری رہا۔

خلقِ خُدا کی دلجوئی ہر حال میں حضرتؒ کے مدِّنظر رہی۔ اگرچہ حضرت بابُوجی صاحب مدظلہ العالی کو عرصہ سے ارشاد و ہدایت کے لیے مجاز و مامُور فرما چکے تھے اور حضرت بابُوجی بھی وقتاً فوقتاً حسبِ ضرُورت و مجبُوری تمنائے اہلِ طلب خلقِ خدا کو مستفیض فرماتے رہتے تھے۔ تاہم شفقتِ کاملہ اور ہمتِ عالیہ کی بناء پر سلسلۂ ارشاد کو آخر وقت تک (سوائے علالت کے ایک دو مواقع کے) خود بذاتِ اقدس انجام فرماتے رہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ حضرت بابُوجی احتراماً، اور شیخ کامل کے مقامِ طریقت کی نگہداشت کے باعث بیعت کرنے سے حتّی الوسع احتراز فرماتے تھے۔

عالمِ استغراق میں ایک دُعا کی تلقین

تقریباً دو اڑھائی سال تک استغراق اور محویت کی حالت طاری رہی۔ بسا اوقات ایسا ہوتا کہ جناب مولوی محبُوب عالم

صاحبؒ زائرین کے معروضات کو متعدد مرتبہ پیش کرتے تب آپ کسی وظیفہ کے ارشاد یا دعا سے مستفید فرماتے۔ راقم الحروف نے حضور کی زبانِ فیض ترجمان سے یہ دعا سُنی ہے:-

اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لَنَا بِالْخَیْرِ وَاجْعَلْ عَوَاقِبَ اُمُوْرِنَا بِالْخَیْرِ بِحُرْمَتِ سَیِّدِ الْاَبْرَارِ — الٰہی ہمارا آغاز خیر پر کیجیے اور خاتمہ خیر پر کیجیے اور ہماری عاقبت امور کو بہتر بنایئے بہ تصدّق حضور سید الابرار صلی اللہ علیہ وسلم۔

عالمِ استغراق میں کبھی کبھی تکلّم کی طرف بھی رجوع فرماتے لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد پھر وہی کیفیت طاری ہوجاتی۔ البتّہ صحو کی طرف رجوع فرمانے اور پھر اعادہ استغراق کے وقت نسبتاً زیادہ شدّت کی تکلیف محسوس فرماتے جس کی اصلیت صرف سیّاحانِ منازلِ طریقت وساکنانِ حریمِ حقیقت ہی جانتے ہوں گے۔ ہم محجوبانِ اسافلِ تنزّلات کو کیا معلوم ہاں اتنا موہوم سا خیال آتا ہے کہ ارواحِ مقدّسہ کو تنفسّاتِ بشریّت سے تعلّقات منقطع کر کے پروازِ حقیقت میں نزع کی سی کیفیّت محسوس ہوتی ہوگی۔ واللہ اعلم

سُورۂ یُوسُفؑ کی تلاوت میں چار رِقّت انگیز مقامات

ایک دفعہ صحو کی کیفیّت میں حضرتؒ نے مولینا مولوی قاری غلام محمد صاحب مرحوم کو یاد فرما کر سورۂ یوسف سُنانے کے لیے ارشاد فرمایا۔ دورانِ تلاوت چار مقامات پر حضرتؒ آبدیدہ ہوگئے۔ ان میں سے پہلا مقام وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اور دوسرا مقام لَاتَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ تھا۔ باقی دو مقامات راقم الحروف کو یاد نہیں رہے۔ ایک دفعہ حضرتؒ نے صحو کی طرف رجوع فرمایا تو حضرت بابوجی مدظلہ العالی نے حجرہ شریف (عشق آباد) کے دروازے کھلوا دیئے تاکہ تمام حاضرین مشاہدۂ فیضان سے مستفیض ہوسکیں۔ راقم الحروف کو یاد نہیں کہ اس موقع پر سورۂ یوسف استماع فرمائی تھی یا سورۂ مزمّل۔ بعد استماع دعا کے لیے دستِ مبارک بارگاہِ ربّ العُلا میں اُٹھائے تو حضرت بابوجی مدظلہ العالی نے حاضرین۔ غائبین۔ متوسّلین۔ غیر متوسّلین غرض سب اُمّتِ مرحومہ کے لیے دعا کی استدعا فرمائی۔

آئندہ عُرس پر صحو کی طرف رجوع کا وعدہ

ایک دفعہ جب صحو ہوا تو گیارھویں شریف کا عُرس غوثیہ رضؓ قریب تھا۔ حضرت بابوجی نے عرض کیا کہ عُرس شریف قریب ہے اور خلقِ خدا دور دور سے عُرس میں شرکت اور حضورؒ کی زیارت کے لیے حاضر ہوگی۔ براہِ کرم وعدہ فرمادیں کہ ان ایام میں صحو کی طرف رجوع فرمائے رکھیں گے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا تو وعدہ وفا ہوگا۔ چنانچہ گیارہ ربیع الثانی کے روز صبح سویرے آپؒ نے حسبِ وعدہ رجوع فرمایا۔

"بھارڈے سے جیویں پھلاں تھیں حق تیویں سنسار کنوں"

اُس روز صاحبزادہ سعد اللہ صاحب سیالوی حاضر ہوئے تو حضرتؒ (احسن تقویم کے مطابق زینتِ ظاہری میں) چنبیلی کے پھولوں کا ہار پہنے تشریف فرما تھے۔ آپؒ کی طبع لطیف کو پھولوں کے ساتھ خاص اُلفت تھی۔ اس موقع پر معتمد المراسلات ملک سلطان محمود صاحب کی زبانی سُنا ہوا حضرتؒ کا ایک مصرعہ یاد آگیا ہے۔

ع "بہار ڈِسے جیویں پھُلاں بھیں حق تیویں سنسار کنوں"

یعنی جس طرح پھُولوں سے بہار نظر آتی ہے اسی طرح جہان سے حق تعالیٰ کی ذات کا مشاہدہ ہوتا ہے۔

"ہار نہیں جیت ہے"

صاحب زادہ سعد اللہ صاحب سیالوی کے بھائی صاحب زادہ عبد اللہ صاحب نے ازراہِ انبساط عرض کیا کہ آج تو آپ ہار پہنے بیٹھے ہیں متبسم ہو کر فرمایا کہ "ہار نہیں جیت ہے"۔

"اچھا یار! میں وعدہ کرناں"

قاضی نورِ عالم صاحب خوشنویس بیان کرتے ہیں کہ اُس روز حضرت نے عُرس کے انتظام کی خوش اسلوبی پر خوشنودی کا اظہار فرمایا تو بابُوجی مدظلہ العالی نے شکریہ ادا کر کے عرض کیا کہ وعدہ فرمایئے کہ ہمیشہ آپ کے زیر سایہ ایسا ہی بلکہ اِس سے بھی بہتر انتظام رہے گا۔ فرمایا۔ جس طرح منظورِ خدا ہو گا۔ مگر حضرت بابُوجی کے پُختہ وعدہ کے اصرار پر فرمایا "اچھا یار! میں وعدہ کرناں" (یعنی وعدہ کرتا ہُوں) پھر ایک ارادت مند نے عرض کیا کہ ہم مُریدوں پر بھی ہمیشہ سایہ رہے۔ فرمایا "میں وعدہ کرتا ہُوں"۔ پھر محفل ختم شریف کے وقت حضرتؒ کے لیے مسندِ مقدس بالاخانے پر لگائی گئی۔ قوالوں نے آپؒ کی اپنی مشہور و مقبول نعت "اَج سِک متراں دی ودھیری اے" پڑھنی شروع کی جب اس مصرع پر پہنچے ع

ادہا مٹھیاں گالیں الاؤ مٹھن جو حمرا وادی سَن کریاں

تو فرطِ شوق سے آبدیدہ ہو گئے۔ عشا کے وقت راقم الحروف بھی حاضرِ خدمت ہُوا۔ اُس وقت حضرتؒ نے قصیدہ ابن الفارضؒ کے یہ اشعار ذوقیہ زبانِ فیض بیان سے پڑھے ؎

سَائِقَ الْاَظْعَانِ یَطْوِی الْبِیدَ طَے	مُنْعِمًا عَرِّجْ عَلٰی کُثْبَانِ طَے
لَسْتُ اَنْسیٰ بِالثَّنَا یَا قَوْلَهَا	کُلُّ مَنْ فِی الْحَیِّ اَسْرٰی فِیْ یَدَیْ

پھر ان اشعار کا اپنا فرمایا ہُوا پنجابی ترجمہ ترنم سے پڑھتے رہے ؎

سار باناں مہر باناں راہیا	شالا جیویں خیمہ ٹھیوی ماہیا
آکھیں جا انہاں پیاریاں دل جانیاں	گوہڑے نیناں والیاں مستانیاں
بِن تساڈے ہِک گھڑی سو سال دی	بیہہ ٹھکانے پئی تساڈے بھالدی
لا پریتاں دے کے لارے اوہ گئے	اوہ گئے اوہ دل دے پیارے اوہ گئے
سارا عالم صدقے آکھاں بول توں	واراں سر ہیں اُس انوکھڑے ڈھول توں
بُھلدے نہیں اوہ بول مٹھڑے ڈھول دے	بول سانول یار روہی رولدے

اس کے بعد آپؒ اپنے شیخ حضور حضرت خواجہ سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکرِ خیر فرماتے رہے۔ پھر وادی حمرا میں عشا کی سُنّتوں کے نہ پڑھنے پر حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے بالمشافہ تخاطب کے شرف سے سرفراز فرمانے کا ذکر فرمایا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا۔ "آلِ رسُولؐ کو میری سُنّت ترک نہیں کرنا چاہیئے"۔

"صاحبزادی کون؟ صاحبزادہ کون؟ آپ کون؟"

حضرتؒ کے عالمِ استغراق کا ایک واقعہ حضرت بابوجی مدظلہ العالی یوں بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ جناب بڑی ہمشیرہ صاحبہ بغرض زیارت حاضر ہوئیں۔ فرمایا کون ہو؟ عرض کیا غلام محی الدین کی ہمشیرہ۔ فرمایا غلام محی الدین کون ہے؟ عرض کیا آپ کا فرزند۔ فرمایا آپ کون ہیں؟ غرضیکہ مائی صاحبہ کی ہر عرض پر اسی قسم کا جواب فرمایا۔ اِس قسم کا ایک اور واقعہ حضرتؒ کے بھتیجے سیّد عبد القادر صاحب بیان کرتے ہیں کہ مَیں ایک دفعہ دانتوں کے درد میں مُبتلا ہُوا۔ کوئی علاج کارگر نہیں ہوتا تھا۔ ایک دن حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر دم فرمانے کے لیے عرض کیا۔ فرمایا کون ہے؟ عرض کیا۔ سیّد عبد القادر۔ ارشاد ہُوا کون عبد القادر؟ عرض کیا گیا آپ کے برادر سیّد محمود شاہ صاحب کے فرزند۔ فرمایا۔ کون محمود شاہ؟ یہ سُن کر مَیں واپس آگیا۔ بعد میں ایک روز اچانک اِس طرف توجہ فرمائی اور حافظ سراج دین صاحب کو بھیجا کہ جا کر سیّد عبد القادر سے کہو کہ فلاں آیت سات دفعہ پڑھ کر دم کر لے۔ چنانچہ اطلاع مِلنے پر صرف تین مرتبہ آیت پڑھنے کے بعد یہ پُرانی تکلیف بالکل رفع ہو گئی۔

تجدیدِ بیعت و ارشاد

ایک دفعہ صحو میں ہُوئے تو لوگوں میں شور برپا ہُوا کہ آپ بفضلہٖ بالکل خیریت سے ہیں اور باتیں فرما رہے ہیں۔ خود بابوجی فرماتے ہیں کہ مَیں حاضرِ خدمت ہُوا تو دیکھا کہ بالکل پہلے وقتوں کی طرح علمی مباحث جاری ہیں۔ مختلف کُتبِ علوم کی عبارتیں نوکِ زبان سے پڑھ رہے ہیں۔ مَیں نے تجدیدِ بیعت کی اِستدعا کی جسے قبول فرمایا اور کافی دیر تک مختلف زبانوں میں تلقین فرماتے رہے۔ (بابوجی نے یہ بھی فرمایا کہ مَیں نے شرفِ بیعت متعدد دفعہ حاصل کیا ہے۔) فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں وہاں سے اُٹھ کر چلا آیا لیکن لحظہ بہ لحظہ حالت معلوم کرنے کے لیے آدمی بھیجتا رہا۔ کیونکہ اندیشہ تھا کہ کہیں یہ سب کُچھ ہماری تسلّی کے لیے ہی نہ ہو اور یہ الوداعی مُلاقات ہی نہ ہو۔ کیونکہ اِس کیفیّت پر اِستقرار مشکل ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہُوا اور تھوڑی دیر کے بعد خبر ملی کہ آپؒ پر پھر وُہی کیفیّتِ اِستغراقیہ طاری ہو گئی ہے۔

ایک مدنی شیخ کی پیشین گوئی

حضرت بابوجی حضرتؒ کے وصال کے متعلق ایک اور واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ جب میں ۱۹۲۹ء میں پہلی مرتبہ حج پر گیا تو شیخ الجامعہ صاحب مرحوم بھی وہاں تھے۔ ایک روز مسجدِ نبویؐ میں ایک دُبلا پتلا شخص عربی لباس پہنے آ کر مجھ سے مِلا اور میرا ہاتھ پکڑ کر آسمان کی طرف نظر اُٹھائی۔ پھر لمبی سانس لے کر کہنے لگا کہ ۱۹۳۷ء میں ایک بہت بڑا انقلاب آئے گا۔ بابوجی فرماتے ہیں کہ اُس وقت میرے دِل میں یہ خیال گزرا کہ غالباً یہ حضرتؒ کے وصال کی طرف اشارہ ہے۔ چونکہ اُس شخص نے "بہت" کے لفظ کو نہایت لمبا کر کے کہا تھا۔ اِس لیے مَیں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ظاہری اور باطنی اِنقلاب ہو گا۔ بندہ مؤلف نے عرض کیا کہ حضور فی الحقیقت ایسا ہی ہُوا کیونکہ ۱۱ مئی ۱۹۳۷ء کو حضرتؒ کا انتقال ہُوا۔ اور ۱۲ مئی ۱۹۳۷ء کو، جب کہ آپؒ کا جسمِ اطہر سپردِ مزار ہو رہا تھا، تو ایڈورڈ ہشتم نے تخت و تاج چھوڑ دیا اور اُن کی جگہ جارج ششم نے لی۔ اس کے تھوڑا عرصہ بعد دُوسری جنگِ عظیم اور آزادیِ ہند وغیرہ کے اِنقلابات بھی رُونما ہُوئے۔

کیفیتِ وصال کا واقعہ

مارچ - اپریل ۱۹۳۷ء میں حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ نے متعدد مرتبہ سورۂ یٰسین، سورۂ یوسف، سورۂ تغابن، سورۂ مُلک، سورۂ مزمّل، درُود مستغاث شریف، سلسلہ شریف مشائخ کرام، درُود کبریتِ احمر اور دُعائے کبیر مولینا مولوی قاری غلام محمد صاحب مرحوم خطیب جامعہ سے استماع فرما کر حاضرین، غیر حاضرین، متوسّلین، غیر متوسّلین اور تمام اُمّتِ مرحومہ کے لیے بارگاہِ ربّ العزت میں دُعا فرمائی۔ سنِ وصال کے ماہِ محرم میں زائرین کی تعداد بتدریج بڑھتی گئی۔ حتّٰی کہ چھ سات سو یومیہ تک پہنچ گئی۔ ماہِ صفر میں حضرتؒ کو زکام اور میعادی بخار کا عارضہ لاحق ہوا جس سے بالآخر مالوس کُن اثرات کا ظہور ہوا۔ آخری تین روز یہ کیفیت رہی کہ بار بار دستِ حق پرست دُعا کے لیے اُٹھاتے۔ پھر اپنے چہرہ مبارک کے سامنے تک لے جاتے کبھی صفحۂ پیشانی تک اُنگلیاں پہنچاتے۔ اِس کے علاوہ مکمّل سکوت کبھی کبھی نیاز مندوں کی بار بار کی التجا پر چشمِ حق بیں وا فرماتے۔

آہ یومِ سہ شنبہ ۲۹ صفر

یومِ سہ شنبہ ۲۹ صفر ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۱ مئی ۱۹۳۷ء کی صُبح کو نبض کی یہ حالت تھی کہ داہنے ہاتھ کی نبض رُک رُک کر چلتی تھی۔ اور بائیں طرف یعنی قلب مبارک کی طرف کی نبض حسبِ معمول جاری تھی۔ ٹمپریچر پہلے ۹۵ ہو کر پھر ۹۸ ہو گیا۔ گیارہ بجے حضرتؒ کو مسند لگا کر تھوڑی دیر کے لیے بٹھایا گیا۔ پھر لٹا کر حسبِ دستور سُرمہ لگایا گیا۔ بوقتِ عصر ساڑھے پانچ بجے دونوں ہاتھ اُٹھا کر اشارہ فرمایا جس کی تعمیل میں آپؒ کو سہارا دے کر اُٹھایا گیا اور آپؒ تکیہ پر سہارا لیے بغیر سیدھے بیٹھ گئے۔ اس وقت حضرتؒ نے اپنی گردن مبارک کو ذرا سا ایک طرف جُھکا کر تبسّم فرمایا جس کے تاثرات اور تنویرات کی کچھ تفصیل حضرتؒ کے ایک دیرینہ مُرید حاجی محمد خدا بخش ٹوانہ کی زبانی ملاحظہ فرمایئے جو اُس وقت حاضرِ خدمت تھے۔ اُن کا بیان درج ذیل ہے:-

مسرّت، حیا، نیاز

میں پلنگ مبارک کی پائینتی کی طرف حسرت و یاس میں رُخِ انور پر نظر جمائے بیٹھا تھا اور درُود شریف پڑھ رہا تھا کہ اتنے میں تبسّم فرمایا اور میرے قلب و نظر کی گہرائیوں میں بجلی کوند گئی۔ اس دلنواز اور ایمان افروز یقینی تبسّم میں مسرّت، حیا اور نیاز کا ایک ایسا حسین امتزاج تھا کہ بے ساختہ زبان پر سُبحان اللہ کا وِرد جاری ہو گیا اور اُس وقت پردۂ تصوّر پر تین مختلف مناظر کے نقوش اُبھر آئے۔ (اوّلاً) قرآن مجید کی وُہ بشارت یاد آ گئی جس کی تفسیر خود حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کی زبان مبارک سے گھوٹہ ضلع مُلتان کی ایک مجلس میں سُنی گئی تھی۔

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝ نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُکُمْ

بے شک جن لوگوں نے کہا اللہ ہمارا پروردگار ہے اور اِس بات پر ثابت قدم رہے اُن پر ملائکہ نازل ہوتے ہیں۔ جو کہتے ہیں مت خوف کرو اور مت غم کھاؤ اور بشارت سُنو اس جنّت

فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ ۚ وَلَکُمْ فِیْھَا مَا تَشْتَھِیْٓ اَنْفُسُکُمْ وَلَکُمْ فِیْھَا مَا تَدَّعُوْنَ ۝ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ ۝ (حٰمٓ السجدہ آیات ۳۰ تا ۳۲)

کی جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔ ہم دُنیا کی زندگانی میں بھی تمہارے دوست ہیں اور آخرت میں بھی۔ اور وہاں تمہارے لیے وُہ سب کچھ ہے جس کی تمہارے جی خواہش کریں اور جو کچھ تم مانگو اللہ غفور رحیم کی مہمانی ہے۔

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اِس وقت ملائکۂ رحمت اور مشائخ عظّام کی ارواحِ طیّبہ ارمغانِ بشارت نچھاور کر رہے ہیں۔ اور آپ کو مسرّت ہو رہی ہے۔ ساتھ ہی مثنوی شریف کا وُہ سبق یاد آ گیا جب حضرتؒ یہ شعر پڑھتے تھے ؎

اُذکرُوا اللہ کارِ ہر اوباش نیست ارجعی بر پائے ہر قلّاش نیست

تو "ہر اوباش نیست" پر ایک عجیب ادا سے ہاتھ اُٹھا کر جھٹک دیتے تھے

(ثانیاً) حیا کے ضمن میں یُوں محسوس ہوتا تھا جیسے مائیں اور سہیلیاں کسی دُلہن کو بنا سجا کر وفورِ شوق میں بلائیں لے رہی ہوں اور وُہ لجا کر مُسکرا رہی ہو۔

اور (ثالثاً) نیاز۔ گویا حضور آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم میرے حضرتؒ کو عالمِ ناسُوت کی کامیاب زندگی پر شاباش اور مُبارک باد دے رہے ہیں اور آپؒ اپنے عجز و نیاز کا تحفہ پیش کر کے عرض گزار ہیں کہ یہ سب حضورؐ کا ہی صدقہ ہے۔

ساتھ ہی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی بارگاہ میں حضرتؒ کا دائمی عجز و نیاز یاد آ گیا۔ عادت مُبارک تھی کہ جب کسی اہلِ ذکر ارادتمند کو سلسلہ شریف کی اجازت عطا فرماتے تو اپنے اسمِ گرامی کے سامنے اپنے قلمِ مُبارک سے یہ الفاظ تحریر فرما دیتے "الٰہی بعجز و نیازِ مہر علی شاہ عاقبتِ فلاں محمُود گرداں"۔

اِسمِ ذات کی برق انگیز، طویل اور عمیق گُونج

تھوڑی دیر کے بعد حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ العزیز کو آپؒ کے اشارہ پر لٹا دیا گیا۔ ملک سُلطان محمُود صاحب معتمد صیغہ مراسلات جو اُس وقت خدمتِ عالیہ میں حاضر تھے بیان کرتے ہیں کہ مَیں نے دستِ راست کی نبض پر ہاتھ رکھا تو وُہ رُک رُک کر چلتی تھی لیکن بائیں ہاتھ کی نبض پُوری طرح جاری تھی۔ بعدہٗ آں شاہبازِ اوجِ رُوحانیت نے اسمِ ذات شریف "اللہ" ایک دفعہ ہی آہستہ مگر ایسی طویل اور عمیق آواز میں زبانِ شوق اور قلبِ عرفان سے ادا فرمایا کہ اس کی گُونج آپؒ کے دماغِ عالی سے لے کر قدمِ مُبارک کے ناخنوں تک سارے بدنِ اطہر میں رگ و ریشہ اور سینۂ مجلّی کی وسیع گھاٹیوں میں پھیل گئی۔ اُس وقت ایک صاحب مسمّی کرم شاہ قریشی سکنہ غوث پُور قریشیاں ضلع مُلتان حضورؒ کے قدمِ مُبارک دبا رہے تھے۔ اِن کا بیان ہے کہ قدمِ مُبارک میں بجلی کی کرنٹ سی محسُوس ہُوئی اور میرے ہاتھ اُٹھ گئے۔ یہ کیفیت عالمِ نمُود کی الوداعی جھلک تھی جس میں آں مجسّمۂ نُورانیت سُلطان الواصلین نے قاصدِ محبُوبِ حقیقی، داعیِ وصال کا رُوحی "لبّیک" سے خیر مقدم فرمایا۔ بہارِ نمُود نے نمودِ بہار سے منتقل ہو کر چمنستانِ برزخِ اعلیٰ کی طرف توجہ مُنعطف کی اور مظہرِ نمُود صحیفۂ رُخِ انور پر زعفرانی رنگ مشاہدہ ہُوا۔ چہرہ مُبارک کیفِ وصال سے مجسّمۂ نیاز نظر آیا۔ پھر دوبارہ متوسّلین کو الوداعی تلقین میں اسی طرح اسمِ ذات شریف کا اعادہ فرما کر رُو بقبلہ ہو گئے ؎

صُورت از بے صُورتی آمد بروں باز شُد اِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْن (رُومیؒ)

جب قاری مولیٰنا غلام محمد صاحب مرحوم خطیب نے پیشانی مبارک کو الوداعی بوسہ دیا تو خدام کی یہ حالت تھی، کہ کوئی بے ہوش گم صُم تھا، کوئی چیخ رہا تھا، کوئی نقش دیوار سکوتِ حیرت۔ یہ امر واقعہ ہے کہ اگر حضرت بابوجی دامت برکاتہ، کا حوصلہ اور ضبط اس وقت توفیق الٰہی سے عملی صورت میں نمودار نہ ہوتا تو اس صدمۂ جانکاہ سے حاضرین کا وہ حشر ہوتا کہ لوازمِ تجہیز و تکفین مشکل ہی سر انجام پا سکتے۔

حضرت بابوجی صاحب عین وصال کے وقت اُس کمرہ میں موجود نہ تھے۔ نیچے مہمان خانہ میں ملک سلطان محمود صاحب کے کمرہ میں تشریف فرما تھے اور بار بار آدمی بھیج کر خبر منگوا رہے تھے۔ خاندان چشت اہل بہشت میں حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ سے، جیسا کہ کتب مقدسہ "ہشت بہشت" وغیرہ سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے اور ان سے پہلی کتابوں میں بھی کہیں اشارات ملتے ہیں، شیخ کریم کے وصال کے وقت نعمتِ کبریٰ اور عظمیٰ کا وارث پاس نہیں ہوتا۔ اور یہ سُنّت اس سلسلہ شریف میں مسلسل چلی آ رہی ہے۔ اس کے علاوہ حضرت بابوجی مدظلہٗ، کا اپنے عدیم المثال اور شفیق والد قدس سرہٗ سے حقیقی نیاز ایک بااخلاص مرید کی حیثیت سے بھی تعشق کے درجہ کو پہنچا ہوا تھا۔ چنانچہ جب کبھی حضرتؒ کو شدت کی جسمانی تکلیف ہوتی تو وہ تاثیرِ احساس اور وفورِ الم کی بنا پر اس تکلیف کو دیکھنا برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

اِن سب باتوں کے باوجود حضرت بابوجی نے کمال ضبط و حوصلہ سے تجہیز و تکفین کا مناسب ترین انتظام کرایا اور جائے وصال پر پہنچ کر غمزدہ حاضرین کو اپنے تسلی بخش کلمات سے صبر کی تلقین فرمائی۔ یہ بلاشبہ توفیقِ ربانی سے ممکن ہوا اور نہ آپ کے حساس اور مغموم قلب سے ایسے نازک وقت پر اتنے حوصلے سے سعیِ عمل کی کسی کو اُمید نظر نہ آتی تھی۔

سجادہ نشین اور مشائخ کرام کو اور اُن مخلصین کو جن سے نمازِ جنازہ میں شرکت کی توقع ہو سکتی تھی برقی پیغامات ارسال کیے گئے۔ کئی متعلقین و متوسلین خود حضور صاحب الوصال قدس سرہٗ کی روحانی کشش کے باعث اور بعض دوسرے سعادت مند حضرات رؤیائے صادقہ کے ذریعہ شرکتِ نمازِ جنازہ کی نعمت سے مستفیض ہوئے۔ چنانچہ مزارِ اقدس کے پہلے مجاور صوفی غلام سرور صاحب ساکن پوٹھی تھانہ مندرہ ضلع راولپنڈی کو حضرتؒ نے وصال سے ایک روز پہلے خواب میں فرمایا کہ آج ہم بہت خوش ہیں کیونکہ کل بارگاہِ رب العزت اور رفیقِ اعلیٰ کی طرف سفر کر رہے ہیں۔

مستورات کے واویلا پر جبینِ مبارک پر انقباض

حضرتؒ کے جسدِ اطہر کو شرعی غسل دے کر آخری زیارتِ جسمانی کے لیے اہل بیت شریف کے پاس پہلے حرم سرائے میں پہنچایا گیا۔ بعض مستورات سے جو اُس وقت حاضر تھیں سُنا گیا ہے کہ باہر سے آنے والی کچھ مستورات نے حسب عادت واویلا وغیرہ شروع کر دیا جس سے چہرہ مبارک پر ناراضگی کا تاثر پیشانی کے انقباض کی صورت میں ظاہر ہوا۔ جب واویلا بند کرایا گیا تو یہ انقباض مسرت میں تبدیل ہو گیا۔

آخری زیارت، جنازہ اور تدفین

دوسرے دن بروز بدھ، یکم ربیع الاول ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۲ مئی ۱۹۳۷ء ایک بجے سے چھ بجے شام تک حضرتؒ کی چارپائی مبارک کو آستانہ عالیہ کے مہمان خانہ میں ایک اونچی جگہ تخت پر رکھا گیا تاکہ زائرین بآسانی جسدِ مقدس کی آخری

زیارت سے مُستفیض ہو سکیں۔ بعد نمازِ عصر ساڑھے چھ بجے شام مولینا مولوی قاری غلام محمد صاحب مرحوم خطیب آستانہ کی امامت میں نمازِ جنازہ ادا کی گئی۔ ایک اندازے کے مُطابق جنازہ میں تقریباً ڈیڑھ پونے دو لاکھ افراد شریک ہُوئے جن میں غیر مذاہب کے لوگ ہندو، سکھ، عیسائی وغیرہ بھی سینکڑوں کی تعداد میں شامل ہو کر سب سے پیچھے کی صفوں میں ہاتھ باندھ کر کھڑے رہے۔ وُہ کہتے تھے آپ جگت گرو ہیں۔ اہلِ حدیث حضرات بھی کافی تعداد میں شریکِ نماز ہُوئے۔ اِس موقع پر محکمہ ریلوے کی طرف سے سپیشل ٹرینیں چلانے کا انتظام کیا گیا۔ اِس کے علاوہ دُوسری تمام گاڑیوں پر بھی جہاں کہیں ریلوے والوں کو زائرین کا ہجوم اسٹیشنوں کے درمیان پیدل سفر کرتے ہُوئے نظر آتا تو گاڑی کو روک کر اُنہیں سوار کر لیتے اور گولڑہ اسٹیشن پر اُتار دیتے۔ اِس طرح زائرین کی کثیر تعداد کو نمازِ جنازہ میں حاضری کا موقعہ نصیب ہو گیا۔

آٹھ بجے شام آں قبلۂ رُوحانیت، محبُوبِ الٰہی، تشریف فرمائے وطنِ اصلی عالمِ قُدس ہُوئے۔ حضرتؒ کا جسمِ اطہر مسجد کے جنوبی باغ میں اُس جگہ دفن کیا گیا جس جگہ کے لیے حضرتؒ نے بیماری کے دَوران متعدّد بار اظہارِ اشتیاق فرمایا تھا۔

(یعنی عالمِ استغراق میں جناب مولینا محبُوب عالم صاحب سے فرمایا کرتے تھے "مجھے باغ میں لے چلو"۔ پھر فرماتے۔ "کب لے چلو گے؟" اور اُس وقت خُدّام اور حاضرین کی سمجھ میں نہ آتا کہ یہ کیا پیغام ہے۔ فیض)

حضرتؒ کے مہجُور متوسّلین اب داغِ مفارقت صوری کا ناقابلِ برداشت صدمہ اُٹھا رہے ہیں مگر آپؒ کی یاد ہر وقت تازہ ہے۔ اور فیوضاتِ رُوحانی کی بارش روز افزوں ترقی پذیر ہے ؎

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شُد بعشق	ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما
(جس کا دِل عشق سے زِندہ ہوا وُہ کبھی نہیں مرتا۔	دفترِ عالم پر ہماری دائمی زندگی لکھ دی گئی ہے)

چوتھی فصل

مُلکی اخبارات و رسائل کے تاثّرات

حضرتؒ کے وصال پر قریباً تمام ہم عصر مشائخ کرام نے اظہارِ تعزیت فرمایا۔ حضرت سید احمد عطاس صاحب مدنی[1] سجادہ نشینان و صاحبزادگانِ دربارہائے پاک پتن شریف، تونسہ شریف، سیال شریف، بسال شریف، میرا شریف و دربار حضرت مُوسیٰ پاک شہیدؒ و غوث بہاؤالحق صاحبؒ مُلتان، حضرت خواجہ حسن نظامی دہلویؒ، پیر جماعت علی شاہ صاحبؒ و حافظ جماعت علی شاہ صاحبؒ علی پُوری اور متعدد دیگر حضرات خُود تشریف لائے اور فاتحہ پڑھی۔ تعزیت ناموں کے انبار لگ گئے اور برِّصغیر کے اخبارات و رسائل نے تعزیتی مقالے شائع کیے۔ چُونکہ اِن تاثّرات کی طرف توجّہ بہت دیر سے کی گئی۔ اِس لیے صرف چند ہی رسالوں اور اخباروں کے اندراجات دستیاب ہو سکے ہیں۔ ورنہ اُس وقت غالباً اس وسیع برِّصغیر کا کوئی بھی ایسا رسالہ اور اخبار نہ ہو گا جس نے اِس موضوع پر اظہارِ خیال نہ کیا ہو۔ حضرتؒ کے وصال کے حالات پر ایک طویل مضمُون مصوّرِ فطرت حضرت خواجہ حسن نظامی صاحبؒ کے تقاضا پر یہاں سے آستانۂ عالیہ کے ایک متوسّل مولینا عبدالرّحمٰن صاحب بنگوی نے ارسال کیا تھا جو خواجہ صاحب موصُوف نے اپنے اخبار "مُنادی" دہلی میں نمایاں طور پر شائع فرمایا تھا۔ اِس باب کی تیسری فصل اِسی مقالے کے افادات پر مشتمل ہے۔ چند دیگر اخبارات و رسائل کے چیدہ چیدہ اقتباسات درج ذیل ہیں:-

۱۔ اخبار "مُعین" اجمیر شریف ۱۴ مئی ۱۹۳۷ء

مَوْتُ الْعَالِمِ مَوْتُ الْعَالَم

... حضرت علّامہ پیر سیّد مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ... جیسے شیخِ کامل اور عالمِ باعمل کی رحلت عالمِ اسلامی کے لیے ناقابلِ تلافی صدمہ ہے۔ خصُوصاً اس لیے کہ سرزمینِ ہند میں اب ایسی جامعِ برکات اور بزرگ شخصیتیں پیدا نہیں ہوتیں کہ ایک طرف علُومِ اسلامی میں متبحرانہ و مجتہدانہ شان نظر آئے اور دُوسری طرف فیوض و برکاتِ باطنی، مدارج و مراتبِ رُوحانی میں عرفا

---

[1] حضرت سیّد احمد مضار عطاس صاحب مدینۂ عالیہ کے ممتاز سادات کرام میں سے تھے اپنی زندگی میں حرم نبوی کی مجلس انتظامیہ کے نائب صدر رہے۔ آپ کے والدِ بزرگوار ترکوں کے وقت میں حرم النّبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے نوادرات کے خازنِ اعلےٰ تھے۔ ترکوں کے چلے جانے کے بعد آپ کچھ عرصہ حالاتِ زمانہ کی ناسازگاری کی وجہ سے مُلک سے باہر رہے اور ہندوستان میں بھی کچھ عرصہ قیام فرمایا۔ یہاں گولڑہ شریف حاضر ہُوئے تو حضرتؒ کا اُس وقت زمانۂ استغراق تھا۔ ایک دو روز قیام کے بعد واپس کاٹھیاواڑ تشریف لے گئے۔ وہاں احمد آباد میں تھے کہ ایک رات خواب میں دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم آستین مُبارک اُونچا کیے ہیں جیسے وضُو فرمانے کا ارادہ ہے۔ اِنہوں نے عرض کیا کہ حضُور پانی لاؤں ارشاد ہُوا نہیں ہیں گولڑہ میں وضُو کرُوں گا۔ وہاں مجھے دیگر انبیاء علیہ السّلام کے ساتھ سیّد مہر علی شاہ کا جنازہ پڑھنا ہے۔ یہ سو کر اُٹھے تو پریشان ہُوئے، خواب اپنی ڈائری میں نوٹ کر لیا۔ دُوسرے روز اخبارات میں حضرتؒ کے وصال کی خبر پڑھی اور کچھ عرصہ بعد خود تعزیت کے لیے حاضر ہُوئے۔ اُن کی زندگی کے چند اور واقعات اِسی کتاب میں کچھ اور جگہوں پر بھی درج ہیں۔

کاملین کا نمونہ ہو.......

۲۔ روزنامہ "زمیندار" لاہور۔ ۱۴ مئی ۱۹۳۷ء

....حضرت مولٰینا پیر مہر علی شاہ مسند آرائے گولڑا شریف (ضلع راولپنڈی) مرحوم.... کے عقیدت کیشوں کی تعداد کئی لاکھ تک ہے۔ آپ ان مشایخ میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے جو صاحب بصیرت و حقیقت ہونے کے علاوہ علوم ظاہری میں بھی فاضل باکمال تھے.... ہم اس حادثۂ جانکاہ کو سلسلۂ چشتیہ کے لیے ناقابلِ تلافی صدمہ سمجھتے ہیں۔

۳۔ "پیغام سرحد" ہری پور ہزارہ۔ ۱۷ مئی و ۴ جون ۱۹۳۷ء

ہندوستان کا آفتاب علم و فضیلت غروب ہو گیا

....حضرت صاحب مرحوم صوبہ سرحد و پنجاب و ہندوستان کے بہت بلند پایہ عالم، فاضل اور خاندانِ چشت کے بلند ترین بزرگ، ہادی و رہنما تھے۔ بلحاظِ علم و عمل آپ کی نظیر اور ہمسر ہندوستان بھر میں نہ تھا۔ آپ کی رُوحانی برکات سے ہزارہا بندگانِ خدا ہندوستان، مصر، شام، افغانستان میں فیضیاب ہو چکے ہیں۔ جو آپ کے حلقۂ عقیدت و ارادت و بیعت میں داخل ہوا تقویتِ رُوحانی اُس کے ہم آغوش رہی۔ آپ کے چہرۂ مبارک میں لمعاتِ فیض تاباں رہتے تھے۔ آپ کے دیدار سے دل کو کیف و سُرور حاصل ہوتا تھا۔ آپ کے عقیدت مندوں کا حلقہ وسیع تھا۔ مذاکرۂ علمیہ و فنِ مناظرہ میں بلند پایہ تھے۔ مفسر تھے۔ محدث تھے۔ فقیہ تھے۔ صائم الدہر اور قائم اللیل تھے۔

حضرتؒ کو علمِ لدنی حاصل تھا۔ اجتہاد کا رُتبہ رکھتے تھے۔ آپ کی وفاتِ حسرت آیات و انتقالِ پُرملال سے طول و عرض ہندوستان میں ماتم ہو رہا ہے۔ ایسی جلیل القدر ہستی کا دُنیا سے اُٹھ جانا ملک، قوم اور ملت کی بدنصیبی کا موجب خیال کیا جاتا ہے۔ آپ کے نُورانی چہرہ میں ایک خاص ملاحت تھی جو کہ میں نے آج تک کسی فرد بشر میں نہیں دیکھی۔ وُہ سب خوبیاں اور نیکیاں موجزن تھیں جو صحابۂ کرام میں موجود رہتی تھیں۔ حضرتؒ دُنیائے ناپائدار سے سفرِ اختیار کر گئے۔ مگر آپ کی نُورانی شعاعیں آپ کی محترم اولاد اور مُریدوں میں ابد تک چمکتی رہیں گی۔ اور یہ سلسلہ قیامت تک رہے گا.....

۴۔ روزنامہ "وحدت"۔ دہلی۔ ۱۸ مئی ۱۹۳۷ء

آفتاب علم و عرفان غروب ہو گیا

....حضرت پیر صاحب کا انتقال نہ صرف مُسلمانانِ پنجاب بلکہ کُل مُسلمانانِ ہند کے لیے ایک غم انگیز حادثہ ہے۔ اُن کے انتقال سے ہندوستان کے مُسلمان ایک ایسے عالم ربانی اور بزرگ ہستی سے محروم ہو گئے جو علم و فضل کا آفتاب اور پابندیٔ شریعت، ریاضت، عبادتِ الٰہی اور تقدیسِ ذاتی میں فی زمانہ اپنی مثال آپ تھا۔ حضرت مرحوم کے علم و فضل کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضرت مولٰینا مُفتی عبدالکافی صاحب مفتیٔ اعظم کانپور (مرحوم)، حضرت مولانا احمد حسن صاحب کانپوری مرحوم، حضرت مولٰینا عبدالرحمٰن مہاجر مکی الٰہ آبادی، حضرت مولٰینا شاہ محمد غازی مہاجر مکی مدرّس مدرسہ صولتیہ وغیرہ جیسے علمائے کرام آپ کے حلقۂ مُریدین میں شامل تھے.... آپ پہلے بزرگ تھے جنھوں نے سب سے پہلے مرزا غلام احمد قادیانی کے عقائد کے خلاف آواز اُٹھائی اور

"سیفِ چشتیائی" جیسی مدلّل و مبسوط کتاب تحریر فرما کر مسلمانانِ ہندوستان کو قادیانی عقائد سے آگاہ کیا اور ان کا رد فرمایا۔ قرآن مجید، قصیدہ ابنِ فارض، مثنوی مولینا رومؒ اور دیوانِ حافظ کا درس بھی دیا کرتے تھے اور حاضرینِ مجالس پر سوز و گداز و عشقِ الٰہی کی عجیب کیفیاتِ رُوحانی طاری ہو جاتی تھیں لیکن اب تقریباً دس سال سے آپ نے تمام مشاغلِ علمی کو ترک کر دیا تھا اور ریاضتِ الٰہی و عبادتِ الٰہی کے سوا کسی اور طرف متوجہ نہ ہوتے تھے۔

۵۔ روزنامہ "وحدت" دہلی۔ ۲۶ مئی ۱۹۳۷ء

. . . حضرت مرحوم کی ذاتِ گرامی منبع فیوض و کرم ہونے کے سبب اس زمانہ قحط الرجال میں مسلمانوں کے لیے موجبِ خیر و برکت تھی۔ اِس لیے روہیل کھنڈ علماء پولیٹیکل کانفرنس کا یہ اجلاس آپ کے انتقالِ پُرملال کو ایک ناقابلِ تلافی قومی و مذہبی نقصان سمجھتا ہے۔

۶۔ "ترجمانِ سرحد" پشاور۔ ۲۰ مئی ۱۹۳۷ء

. . . حضرت پیر صاحب . . . . عرصہ سے بے حد کمزور بلکہ عملاً صاحب فراش تھے۔ بہت بڑے پایہ کے عالم اور متقی بزرگ تھے آپ کے مُریدوں کی تعداد لاکھوں ہے جو پنجاب و سرحد اور دُوسرے صُوبوں میں پھیلے ہُوئے ہیں۔ آپ کی وفات پر بے حد رنج و الم کا اظہار کیا جا رہا ہے۔

۷۔ روزنامہ "سیاست" لاہور۔ ۲۱ مئی ۱۹۳۷ء

مولینا بہاء الحق قاسمی کا بیان

. . . حضرت مُرشدی نور اللہ مرقدہٗ دورِ حاضر کے اکابر علماء اور اعاظم صلحاء میں سے تھے۔ یُوں تو آپ کو اکثر علومِ عقلیہ و نقلیہ میں تبحر حاصل تھا لیکن علمِ تصوّف کے ساتھ خاص شغف اور طبعی لگاؤ تھا۔ بڑے بڑے عُلماء، وصُوفیا، تصوّف کے دقائق و غوامض کو حل کرانے، بلکہ تصوّف کی دقیق کتابوں کو درساً پڑھنے کی غرض سے حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہُوا کرتے تھے۔ تدبّر، وقار اور حکّام سے استغناء آپؒ کے خاص اوصاف تھے مُسلمانوں کی باہمی خانہ جنگی اور تکفیر سے حتے الوسع احتراز فرماتے تھے۔ البتہ مرزا غلام احمد صاحب کی تکفیر کے باب میں عُلماء اسلام کے ہم نوا تھے۔ بلکہ مرزا آنجہانی کی زندگی میں اُن کے خلاف کلمۂ حق کہنے والے بزرگوں میں حضرت پیر صاحب قدس سرّہٗ کو خاص درجہ حاصل ہے۔ اُن کے خلاف بعض لاجواب فاضلانہ اور کفر شکن تصنیفات آپؒ کی یادگار کے طور پر موجود ہیں۔ غرض حضرتؒ کا وجود گرامی اس قحط الرجال میں مغتنماتِ روزگار سے تھا۔

۸۔ روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور۔ ۲۴ مئی ۱۹۳۷ء

. . . لاکھوں بندگانِ خدا کو آپؒ کی ذات سے عقیدت کا فخر حاصل تھا۔ اِس زمانہ کفر و الحاد میں آپؒ کا وجود مغتنمات سے تھا کیونکہ اس چشمۂ فیض سے ہزاروں، لاکھوں ارادت مندوں کو فیضان اور جسمانی برکات حاصل ہُوئیں۔ آپ کا آستانہ عالی منبعِ فیوض تھا۔ دینیات کی تعلیم کا بھی انتظام موجود تھا۔ لنگر بھی جاری تھا۔ آپ کی ذاتِ مقدس کے طفیل گولڑہ جیسے معمولی گاؤں کو

سارے ہندوستان میں شہرت حاصل ہوئی۔ آپ کی وفاتِ حسرت آیات سے طبقۂ صوفیاء اور طبقۂ علماء، دونوں کو ناقابلِ تلافی صدمہ پہنچا ہے۔ عالمِ دین کی موت ایک جہان کی موت کا حکم رکھتی ہے۔ گولڑا کی سرزمین آج ایک باعمل درویشِ کامل اور صوفی بزرگ کے سایۂ عاطفت سے محروم ہوگئی ہے۔ ایسے باکمال حضرات ہمیشہ پیدا نہیں ہوتے۔ سچ ہے ؎

قرن ہا باید کہ تا صاحب دلے پیدا شود
بایزیدؒ اندر خراساں یا اویسؒ اندر قرن

نہ قرن میں دوسرا اویسؒ قرنی پیدا ہوا نہ بسطام نے آج تک دوسرا بایزیدؒ پیدا کیا۔ گولڑا کو بھی دوسرے مہر علیؒ شاہ کی ہمیشہ آرزو باقی رہے گی۔ لیکن سلسلۂ موت وحیات لگا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کسی کو بقا نہیں۔ یہ دنیا و ما فیہا سب فانی ہیں ؎

ہر آں کہ زاد بناچار بایدش نوشید
ز جامِ دہر مئے کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَان

پانچویں فصل

شعراو ادبا کا اظہارِ عقیدت۔ مرثیے اور قطعاتِ تاریخِ وصال

ا۔ مرثیہ عربیہ بموصال حضرت قبلۂ عالم گولڑوی

از حضرت شیخ محمد علی مدنی رفاعی بر تی غوث الزماں قطب الاقطاب محبوب الشیخ سید پیر مہر علی شاہ قدس سرہ العزیز

شیخ محمد علی مدنی رفاعی حضرت غوث الزماں قطب الاقطاب محبوب الشیخ سید پیر مہر علی شاہ قدس اللہ سرہٗ کا مرثیہ کہتے ہوئے فرماتے ہیں :-

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْبَاکَا	نَصْرٌ مِّنَ	اللّٰهِ	وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ	سنہ ۱۳۵۷ ہجری
۵۵	۹۰-۳۴۰	۶۶	۳۱۲-۴۹۴	

لِفَقْدِ مِثْلِكَ مِهْرِ عَلِي شَاهْ تَبْكِي الْعُيُوْنُ — وَلِعُرْسِكَ الشَّرِيْفِ قَدْ حَضَرَ الْمُحِبُّوْنَ

اے خواجہ مہر علی شاہ آپ جیسی ذات کے گم ہونے پر آنکھیں ہمیشہ روتی ہیں اور آپ کے عرس پر آپ کے پروانے حاضر ہیں

لَقَدْ خَانَنَا فِيْكَ هٰذَا الزَّمَانُ — فَلَا كَانَ هٰذَا الزَّمَانُ الْخَؤُوْنُ

آپ کے معاملہ میں اس زمانے نے ہمارے ساتھ دھوکا کیا۔ اب خدا کرے یہ دھوکے باز بھی نہ رہے

فَوَا اَسَفِيْ كَمْ سَهِرْتَ اللَّيَالِيْ — وَاَظْهَرْتَ سِرَّ الْجَمَالِ الْمَصُوْنِ

آپ کی وفات پر افسوس ہے آپ نے کتنی راتیں بیداری میں گذاریں۔ اور باری تعالےٰ کے جمال مستتر کا راز ظاہر فرمایا۔

وَاَوْضَحْتَ لِلطَّالِبِيْنَ الْهُدٰى — وَبَيَّنْتَ لَهُمْ مَا يَجْهَلُوْنَ

اور ہدایت طلب کرنے والوں کے لیے صراطِ مستقیم (سیدھا راستہ) اور وہ ہر چیز جس سے کہ وہ جاہلِ مطلق تھے آپ واضح اور بیان فرماتے رہے

وَكَمْ رَدَدْتَ عَلَى الزَّائِغِيْنَ — اَهْلِ الْبِدَعِ وَالضَّلَالِ وَالْفُتُوْنِ

اور بدعتیوں اور گمراہوں کی اور فتنہ بازوں کی کس قدر آپ نے تردیدیں فرمائی ہیں

وَذٰلِكَ لِنُصْرَةِ هٰذَا الدِّيْنِ — وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُوْنَ

مذکورہ بالا تمام کا تمام محض اس دین کی مدد کی غرض سے تھا لیکن کیا کیا جائے کہ وہ ساری قوم ہی بے سمجھ ہے

ے یہ مرثیہ کی تاریخ نظم ہے۔

وَلَقَدْ رَمَتْكَ الْمَنُوْنُ بِسِهَامِهَا   فَمَا اَخْطَأَتْكَ سِهَامُ الْمَنُوْنُ

یقیناً موت نے اپنے تیروں سے آپ کی ذاتِ گرامی کو نشانہ بنایا پس وُہ موت کے تیر نشانہ پر بیٹھے

ظَنَنَّاكَ لِنَفْعِ الْعِبَادِ تَبْقیٰ   فَخَابَتْ بِمَوْتِكَ تِلْكَ الظُّنُوْنُ

ہمارا گمُان تھا کہ آپ کی ذاتِ کریم بندوں کے فائدہ پہنچانے کے لیے زندہ رہے گی۔ مگر آپ کی اچانک موت نے ہمارے تمام گمان غلط ٹھہرائے۔

اَرَدْنَا بَقَاءَكَ وَلٰكِنَّنَا   اَرَدْنَا مِنَ الدَّهْرِ مَا لَا يَكُوْنُ

خُدا سے ہم نے آپ کا زندہ رہنا مانگا تھا لیکن ہمارا یہ ارادہ حقیقتاً اس چیز کا ارادہ تھا جو سراسر نہ ہونے والی ہو۔ لہٰذا ہم کامیاب بھی نہ ہُوئے۔

اِنَّمَا سُرِرْنَا بِقَوْلِهٖ اَلَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ

یقیناً ہمیں اللہ تعالےٰ کے اس قولِ مُبارک نے خُوش کیا ہے کہ اَے لوگو معلوم کرلو کہ اولیاء اللہ پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ کسی قسم کا غم ہے

وَلَقَدْ تَرَكْتَ لَنَا سِرَاجًا مُضِيْئًا   فَكَمْ لَهٗ مِنْ اَسْرَارٍ وَشُئُوْنٌ

اور بخدا آپ نے ہمارے نفع کے لیے ایک ایسا چمکتا (روشن) سُورج[1] چھوڑا کہ اس کے رازوں اور بھیدوں کی انتہا کوئی معلوم نہیں کر سکتا یعنی اپنا جانشین فرزند ارجمند مدظلہ العالی

وَاَزْكٰی صَلوٰةٍ عَلَی النَّبِیِّ   مَا هَبَّ رِيْحٌ وَمَالَتْ غُصُوْنٌ

اور بہترین صلوٰۃ اور سلام خُدا کے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتے رہیں جب تک کہ ہوائیں چلتی رہیں اور ٹہنیاں جھُومتی رہیں

وَاغْفِرْ يَا رَبِّ لِنَاظِمِهَا عُبَيْدِكَ   مُحَمَّدْ عَلِیْ وَاَوْصِلْهٗ مَدِيْنَةَ الْمَيْمُوْنْ

اَے اللہ اپنے کمترین بندہ یعنی اس مرثیہ کے شاعر محمد علی کو بخش دے اور بہت جلد اسے مدینہ مُبارکہ میں پہنچادے۔

۲۔ بر وصالِ پُرملال حضرت قبلہ عالم گولڑوی قدس سرّہٗ

ازقلم ابُوالفضل مولانا مولوی کرم الدین صاحب مرحوم دبیر مُصنّف تصانیفِ کثیرہ ومبلّغ ومناظر اہل سُنّت والجماعت سکنہ بھین۔ ضلع جہلم

آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمین   بر وفاتِ پیرِ ما شاہنشہِ دُنیا و دین

شُد غرُوب آں مہرِ عالمتاب شُد گیتی سیاہ   بر فلک گریاں ملائک جنّ و انساں بر زمین

رخت بستہ زیں سرا چُوں رفت در دارُ السّلام   گفت رضواں خیر مقدم فادخلوھا خالدین

حُور و غلماں صف کشیدہ مُنتظر بہر جمال   طالب دیدار اَرواحِ عباد الصالحین

جسم شُد محجُوب از ما لیک رُوحِ پاکِ او   ہر زماں نگرانِ حالِ طالبانِ صادقین

باشد از بہرِ مُریداں حضرتِ اقدس دبیر
روزِ محشر مثلِ جدِّ خود شفیع المذنبینؐ

---

[1] اس سے مُراد آنجناب کے خلفِ صدق قبلہ بابُوجی مدظلہ العالی کی ذاتِ گرامی ہے۔

اخبار "رہبر پشاور" مورخہ ۱۶ مئی ۱۹۳۷ء

نوحۂ وفات حسرت آیات قبلۂ عالم گولڑہ شریف قدس سرہٗ

از جناب مائل صدیقی پشاوری

اللہ اللہ انقلاب چرخ کیں ۔۔۔ اُٹھتے جاتے ہیں جہاں سے صالحیں
وائے ویلا چھپ گیا زیر زمیں ۔۔۔ آسمان علم کا مہر مبیں
اُٹھ گیا وُہ شہ نشین عارفین ۔۔۔ اُٹھ گیا وُہ صدر بزم سالکیں
اُٹھ گیا افسوس وُہ فرد وحید ۔۔۔ بزم اہل علم کا کُرسی نشیں!
اُٹھ گیا ماہر کلام اللہ کا ۔۔۔ کس سے پوچھیں رمز قرآن مبیں
آہ سُونا ہو گیا ہندوستاں ۔۔۔ اُٹھ گیا ہندوستاں کا فخر دیں
اُٹھ گیا وُہ مرد میدان عمل ۔۔۔ خواجۂ مہر علی سُلطان دیں
انتقال خواجۂ مہر علی ۔۔۔ ہے مصیبت بہر قوم مسلمیں
مرگ عالم ایک عالم کی ہے موت ۔۔۔ کم نہیں یہ حادثہ اے مسلمیں
کر گئی پرواز جب رُوح حضور ۔۔۔ چل بسی جب جانب خُلد بریں
بہر استقبال آئیں دوڑ کر ۔۔۔ جنّتُ الفردوس سے حُوران عیں
گولڑہ کل تک جو تھا رشک جناں ۔۔۔ آج ہے ماتم کدہ وُہ سرزمیں
صدمۂ جانکاہ ہے میرے لیے ۔۔۔ کیوں نہ ہُوں میں مُضطر و اندوہگیں
کیا کہوں کس سے کہوں کیونکر کہوں ۔۔۔ مجھ پہ جو گذرا ہے صدمہ ہم نشیں
چشم گریاں جسم لرزاں ہوش گم ۔۔۔ دل پریشاں مُضطرب جان حزیں
تھے مرے اُستاد کے اُستاد وُہ ۔۔۔ پیر و مُرشد راہنمائے راہ دیں
تھے حلیم الطّبع عالی حوصلہ ۔۔۔ فیض بخش و خندہ رُو روشن جبیں
حاضر و غائب سے تھا یکسر سلُوک ۔۔۔ ظاہر و باطن میں تھے سب کے قریں
عالم و فاضل بھی تھے درویش بھی ۔۔۔ صاحب عرفان ربّ العٰلمیں
تھے نہایت نرم دل سادہ مزاج ۔۔۔ تھے وُہ اِک تصویر سلف الصّالحیں
التجا ہے اب ہماری اَے خُدا ۔۔۔ رحم فرما بہر ختم المرسلیںؐ!
ڈھانپ لے مرحُوم کو رحمت تری ۔۔۔ صبر دے ہم سب کو ربّ العٰلمیں

مائل مخلص کو ہو یاربّ نصیب
عرصۂ محشر میں قرب مُخلصیں

۱؎ فخر الدّین رازی

اخبار "رہبر پشاور" مورخہ یکم جون ۱۹۳۷ء

وصالِ حزن مآل پُرملال حضرت پیر سید مہر علی شاہ صاحب گولڑوی

بارشادِ حضرت مولائی اُستاذی مولوی گل فقیر احمد صاحب پشاوری

نتیجۂ فکرِ جناب ماسٹر عبدالحق صاحب علوی شیخوپوری معلم مشن سکول پشاور

شبِ فراقِ تو تنہا نہ خان و مانم سوخت ۔ چہ روزِ وصلِ تو آمد کہ جانِ جانم سوخت

یقیں بُدم کہ مرا روزِ وصل خواہد ماند ۔ بلائے کہنۂ ایں طرز آسمانم سوخت

فغاں ز ابر کہ ریزد بہ دامنم خوں ہا ۔ اماں ز برقِ تجلّیٰ کہ دیدگانم سوخت

قرار و صبر و تحمل نہ ماند در خرمن ۔ شرارِ آتشِ فرقت ببیں چنانم سوخت

سبک برفتی ز ما و سخن بہانہ زدی ۔ ز رفتنِ تو چساں جبرِ دلگرانم سوخت

ز ضبطِ گریہ میندار آں کہ خاموشم ۔ زبس گریستنم در دہاں زبانم سوخت

مرا نہ شیوہ ریا باشد و نہ اظہارم ۔ عیاں بسوختم و ہم نہاں نہانم سوخت

شبِ فراقِ تو تنہا نہ خان و مانم سوخت
چہ روزِ وصلِ تو آمد کہ جانِ جانم سوخت

برفت مہر علیؒ رُویش از جہاں پوشید ۔ جوارِ رحمتِ حق دائماً جوارش باد

بروزِ سلخ صفر رختِ سفر بربستہ! ۔ قیامِ منزلِ حضرت بسے گوارش باد

وصالِ احمدؐ و چہلم ز خواجہ جیلانیؓ ۔ فتادہ جفت بوصلش کہ ہر دو یارش باد

فرازِ مسندِ ارشادِ خواجہ محی الدین ۔ نشستہ بر فرقش چتر تاجدارش باد

زہے نصیبِ فلک کو بکامِ او گردد ۔ طوافِ کوچۂ خواجہ اگر مدارش باد

خدا ببارد ش انوارِ رحمتِ باری ۔ ہجومِ لطفتِ ایزد سرمزارش باد

ثوابِ ختمِ کلام و درودِ پیغمبر! ۔ بروحِ اقدس انوارِ چل ہزارش باد

مباد آنکہ گریبانِ خود نہ چاک کند ۔ بمیرد آنکہ نہ دامان تارتارش باد

ہر آنکہ معتقد خاکِ پائے آں باشد ۔ دلیلِ مغفرتش نزدِ حق سپارش باد

شہا معاوضہ علوی ز تو نمی طلبد
خزانِ عقلتِ او را بدل بہارش باد

ہفتہ وار "رہبرِ سرحد" پشاور، ۱۰ جون ۱۹۳۷ء مطابق ۳۰ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ

نوائے غم

پیشکش بحضور قبلہ و کعبہ حضرت صاحبزادہ صاحب حسب الارشاد اُستاذی و مولائی حضرت مولانا

گل فقیر احمد صاحب خطیب جامع مسجد

بر وصال حضرت قبلۂ عالم قطب الاقطاب سیّد السالکین زبدۃ العارفین حاجی سیّد مہر علی شاہ صاحب چشتی قادری صدر نشین خانقاہ گولڑا شریف ضلع راولپنڈی پنجاب

(پیش کردہ جناب سیّد ضیاء جعفری القادری صدر دائرۂ ادبیہ پشاور)

ساقیا امروز بے کیف است جامِ زندگی — خار خارِ رنج و حرماں گام گامِ زندگی
مادرِ گیتی سیاہ پوش است چوں شب ہائے تار — جز کفِ افسوس نبود حاصلِ لیل و نہار
سرزمینِ گولڑا امروز ماتم خانہ شُد — گولڑا ویراں چہ شد عالم ہمہ ویرانہ شُد
مہرِ عالم تاب از پیشِ نظر ہیہات رفت — چشمۂ آبِ بقا اندر دلِ ظلمات رفت
حاصلِ کون و مکاں یکتا گہر گُم کردہ ایم — چشمہا داریم لیکن ما نظر گُم کردہ ایم
دیدۂ بے خواب است آں چشمِ غزالی را چہ شُد — نالہ بے تاب است آں رُوحِ بلالی را چہ شُد
شُد لباسِ فقر از خُونِ تمنّا لالہ زار — عِلم و عرفان و عمل با مرگِ حسرت ہم کنار
آہ اَے مہر علیؒ اَے پیکرِ صدق و صفا — از وصالت شُد زمین و آسماں ماتم سرا
تا نمُودی پردہ از چشمِ ظاہر بینِ ما — داغ با دِل آشنا شد گریہ با چشمِ وفا
بسکہ انجم ریخت چشمِ اشک بارِ کہکشاں — نیلگُوں در ماتمِ تو شُد قبائے آسماں
اَے کہ ذاتِ پاکِ تو سرمایۂ اسرارِ عشق — اَے کہ مہرِ جلوہ ات شُد مطلعِ انوارِ عشق
اَے خلیلِ کعبۂ دل اَے مسیحِ جانِ ما — جانِ ما جانانِ ما اَے دینِ ما ایمانِ ما
آستینِ جلوۂ فکرت یدِ بیضا ستے — سینۂ بے کینہ ات ہم طور و ہم سینا ستے
از چراغِ قلبِ تو گشتہ بسے دلہا چراغ — وز دماغِ روشنِ تو شُد منوّر صد دماغ
بُود نُطقِ گوہر نیت آیۂ فردوسِ گوش — گشت آں رنگینیٔ گفتار تصویرِ خموش
بُود از ہجری ہزار و سہ صد و پنجاہ و شش ۱۳۵۶ — روزِ سہ شنبہ سفر کرد از جہاں آں مہر وش
بست و نہم از صفر در یومِ وصلِ مصطفٰےؐ — در جوارِ رحمتِ حق رفت آں نورِ خدا
حق دہد صبر و سکُوں با خواجہ محیُ الدّین سعید — زینتِ سجّادہ زیبِ مسند و خلفِ رشید
اَے شہنشاہِ ولایت اَے امیرِ روزگار — نورِ چشمِ غوثِ اعظمؓ اَے شہِ گردُوں وقار
تاجدارِ معرفت اَے معنیٔ سرِّ حیات — شش جہت آئینہ از جلوۂ ذات و صفات
اَے تو شمسُ الدین تبریزیؒ و مولانائے ما — ما کُجا بے جلوۂ رُویت رویم اَے وائے ما
دیدہ ہائے گل فقیر احمد ہمہ طوفاں گرفت — ہاں دلِ بے اختیارش آتشِ سوزاں گرفت
آں فقیرِ در گہت اُستادِ ما مولائے ما — بے تو رفت از خویشتن اے وائے ما اَے وائے ما
آنکہ از بحرِ تو یک جُو بست در گلزارِ عشق — گشت از مہرِ تو چوں آئینۂ اسرارِ عشق
آتشے در سینۂ غم پرورِ اُو را گرفت — داستانِ خاکِ پاکِ گولڑا از سر گرفت

ذرّهٔ وامانده حیراں از غروبِ آفتاب — عالمِ معنی ہمہ تاریک شُد دِل ہا خراب
از سروش آمد ندا کے بندهٔ وہم و گمُاں — بہرہ از رُوحِ پاکش گیر و ایں آیت بخواں
گُفت حق جانِ شہیداں را مسلّم شُد حیات — کُشتۂ تسلیم را پس کے بود خوفِ ممات
مرگ بہرِ اولیا وصلِ حبِیباں و زندگیست — زاں کہ رُوحِ شاں ہمہ تابندگی پایندگیست

برُ اُمیدِ یک نگاہِ آں دو چشمِ سُرمہ سا
لالہ ہا برُ مرقدش کارید اشکِ خُوں ضیاؔ

بر وصالِ پُرملال حضرت قبلۂ عالم گولڑوی قدس سرّہٗ

از نیاز مند درگاہِ مہریہ فیض احمد عفی عنہ (مؤلف)

دوش از صمیمِ قلب بگوشم کسے نواخت — کاں شیخِ وقت قُطبِ زماں ایں جہاں گُذاشت
آں شاہبازِ قُدسی نشیمن کہ در زمین — دِلہا شکار کردہ علَم در جہاں فراشت
آں نورِ ذاتِ حق کہ بیک پرتوِ نگاہ — ذرّاتِ خاک سجدہ گہِ آفتاب ساخت
آں مردِ کاملے کہ بعرفان و عشقِ حق — در وقتِ خویش مثلِ خود اندر جہاں نداشت
آں حجّتِ خُدا کہ بہر جا قدم نہاد — باطل بصد خجالت و ذِلّت ازاں شتافت
مردانِ راہ گرد ازاں جا نیافتند — آنجا کہ اسپِ فضل و کمالش دوید و تاخت
سبطِ جنابِ حیدر رضؓ و دلبندِ غوثِ پاک رحؒ — فرزندِ شاہِ کون و مکاں آلِ مُصطفےٰ است

فیضؔ از نگاہِ لُطفِ خُدا کے شود جُدا
آں کس کہ قدرِ مہر علی شاہؒ بدل شناخت

اِنتقالِ پُرملال

قُطب الاقطاب سیّدی و مولائی اعلیحضرت حضُور پیر سیّد مہرعلی شاہ صاحب چشتی قادری گولڑوی قدس سرّہٗ

از جناب شیخ ڈاکٹر اللہ دتا صاحب طالبؔ نقشبندی کنجاہی

از چہ تاریک است در چشمم جہاں — وز چہ می خیزد ز قلبم ایں فغاں
از چہ شُد خُونبار چشمِ دوستاں — وز چہ شُد ماتم کدہ ہندوستاں
از چہ در دستم بلرزد خامہ — وز بیانش در دہن سوزد زباں
چیست ایں شورے کہ در عالم فتاد — در نواحِ گولڑا آہ و فغاں
سیّدِ ما حضرتِ مہر رحؒ علی — آفتابِ معرفت قُطبِ زماں
مظہرِ فیضِ عظیمِ مُصطفےٰ صلعم — سیّد السّادات بس عالی نشاں
پیشوائے اصفیاء و اتقیاؔ — ناقصاں را پیر، شمسِ کاملاں

مہرِ چرخِ زُہد و ورع و اتقا | در علومِ شرع بحرِ بے کراں
دَورِ گیتی چُوں مثالش کم بزاد | چشمِ مہر و ماہ ندیدہ ہم چُناں
از قدم بوسیش محرُومم بساخت | رفت از دارِ محن سُوئے جناں
حیف و واویلا دریغا حسرتا | شُد جُدا از ما پناہِ بیکساں
دیدنش کفّارۂ عصیانِ ما | بُود مردِ حق پرست و حق نشاں
موتِ عالِم موتِ عالَم گفتہ اند | بُود در علم و عمل جانِ جہاں
بہرِ تاریخِ وصالش ایں بگفت | طالب از گنجاہ با درد و فغاں
روزِ سہ شنبہ صفر بست و نہم | قبلۂ عالم چو شُد جنّت رواں
از صدِ بستم برفتہ سی و ہفت | یازدہ از مئی بحق واصلاں
مرحبا مے گفت رضواں مرحبا | مقدمش را ایستادہ حُوریاں
زانکہ سُوئے حق روی اَے حق نما | لب کُشائی چُوں بحقِ دوستاں
یادم آری از کرم بس عاصیم | زانکہ لُطفِ بیشتر بر عاصیاں
ہمّتِ مردِ خُدا گردد فزُوں | چُوں شوند از سجن بیرُوں مومناں
رحمتِ حق بر مزارت تا ابد | قبرِ تو دَر وسطِ گلزارِ جناں

دیگر

(از مولانا مولوی سلام اللہ خان صاحب رئیس چک عمرؔ)

چہ گویَم زِ بے مہریٔ چرخِ دُوں | زِ دستش کسے شادمانی ندید
نہ شاید زِ دستانِ مکرش گریخت | نہ خواہد کسے از بلایش رہید
زِ دُنیا رواں گشت قُطبِ زماں | چو معرُوفؒ و ذُوالنُّونؒ چُوں بایزیدؒ
مسیحا دم و خضرِ فرخندہ پے | مُبارک بسیرت ہمایوں پدید
زِ اَولادِ پیغمبرِ پاک دین | چراغِ شبستانِ شاہِ شہیدؓ
ہمہ نامدارانِ رُوئے زمین | بِصدق و ارادت مطیع و مُرید
بہ تسبیح و تہلیل یادِ خُدا | بذکرِ خُداوند عرشِ مجید
زِ ماہِ صفر بُود بست و نہم | سفر کرد و دامن زِ یاراں بچید
بآفاق ظُلمت شُدہ رُو نما | چو مِہر از جہاں مہربانی کشید

بخاکِ مزارش خُداوندگار
دہد یُمن و برکت زِ لُطفِ مزید

تاریخ ہائے وفات اعلیٰ حضرت پیر سیّد مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

چو آں مہرِ سپہرِ اَوجِ رفعت — نہاں شُد شُد عیاں وقتِ زوالش
سیاہی گشت در عالم ہویدا — جہاں بے نُور شُد از انتقالش
برُوحِ پاکِ اُو بارانِ رحمت — الٰہی نیک گردانی مآلش!
بگو نورِ ہدایت رفت ہجری — اگر خواہی زِ من سالِ وصالش

۶ ۵ ۱۳ ھ

مسیحی سال آں قُطبِ یگانہ
بگو ہے ہے چراغِ چشت سالش

۷ ۳ ۹ ۱ ء

دیگر

جنابِ پیر صاحب فخرِ سادات — چو از دُنیا بجنّت رفت ناگاہ
اسیرِ قیدِ غم گردید ہر یک — جہاں تاریک شُد چُوں رُوئے بدخواہ

بگو فخرِ زمان و قُطبِ دَوراں
۶ ۵ ۳ ۱ ھ
بتاریخِ وصالش از سرِ آہ

دیگر

(از جناب مولوی محمد فاضل صاحب صابر از ٹھیکریاں)

از ازل رسمِ قدیم آمد کہ مہرِ آسماں — مے بود محجوب تر اندر زمستاں بے گماں
لیک اے حسرت نصیبِ گشتہ وبختِ نگوں — مہرِ ما گردید در آغازِ تابستاں نہاں
خویشتن دمساز شد با غم گسارِ خویشتن — کوہِ غم انداختہ بر قلبِ ما پس ماندگاں
الغیاث از مکر ہائے آسمانِ حیلہ ساز — الاماں از بازیِ چرخِ ستم گر الاماں
آں کہ بر اعداء چوں سیفِ چشتیائی برکشید — سر بُریدہ صد ہزاراں را بہ تیغِ جانستاں
آں کہ در میدانِ مہیب کوسِ جنگی را نواخت — بند گردانید سخن مدّعیِ قادیاں
بعد ازیں ہرگز نباید داشت اُمّیدِ بقا — نیست در ایں خاکداں گنجینۂ امن واماں
لیک آہ آں آبِ حیواں رفت در زیرِ زمیں — کیست آں واپس بیارد از برائے تشنگاں
طالباں را تشنہ لب بگذاشت زآبِ فیضِ خویش — ما کنوں از قطرۂ فیضش نکردہ تر زباں
ہائے آں شاہِ ولایت سرگروہِ اولیاءَ — بود یکتائے زمن اہلِ صفا قطبِ زماں
چُوں ازیں دُنیا برائے سفر رختِ خویش بست — در ہمہ عالم بپا شد سر بسر آہ وفغاں
بر دلِ مردم رسیدہ آں چُناں دردِ فراق — گر نہی بر کوہ ندارد تابِ ایں بارِ گراں

بُود آں بحرِ علومِ ظاہری و باطنی
صاحبِ علم و عمل صُوفی و عالی خانداں

از وجُودش گولڑا گلزار بُودہ سربسر
بہرِ گُل چیدن ز ہر سُو خلق گرد آمد دراں

آہ آں گلزارِ زیب گشت پامالِ خزاں
باغ چُوں رونق پذیرد گر نماند باغباں

جامۂ خود چاک کردہ غُنچہ از رنج درُوں
بید بر خود مے کُند لرزہ میانِ بوستاں

ہست نیلوفر بغم نیل پیراہن زدہ
بسکہ بارِ ہجر اُو را ساخت بےتاب و تواں

صابر از سنِ وصالِ شاں بگو آمد ندا
بے ضیا ماندہ جہاں چُوں مہرِ عالم شد نہاں

+ ۱۸۳۷ = ۱۹۳۷ء

راقم الحرُوف (مؤلف) کی اِستخراج کردہ تاریخ وصال: تُوُفِّیَ وَدُوْدُ اللہِ مُجَدِّدُ طَرِیْقَتِہٖ یعنی اللہ کا دوست طریقۂ الٰہیہ کا مجدد فوت ہوا قبل ازیں بھی تحریر ہو چکی ہے۔ اس کے علاوہ رام پور، لکھنؤ، دہلی وغیرہ کے عقیدت مندوں کے مرثیہ جات و تاریخ ہائے وصال بخوفِ طوالت درج نہیں ہو سکے۔

چھٹی فصل

بعض کوائف بعد از وصال

حجابِ برزخ کی کیفیّت

حضرت باؤجی مدظلہ العالی بیان فرماتے ہیں کہ وصال کے چند روز بعد میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ مزار شریف والی جگہ پر ایک مکان میں پلنگ پر موجود ہیں۔ اُس پلنگ کے ایک جانب نہایت باریک سیاہ رنگ کا پردہ لٹک رہا ہے۔ میں متعجب ہوتا ہُوں کہ حضرتؒ کا تو وصال ہو چکا ہے۔ پھر دُوسرے لوگوں کو بھی بُلاتا ہُوں کہ آؤ زیارت کر لو۔ اس پر آپؒ اِس پردہ کی طرف اِشارہ کرکے فرماتے ہیں کہ ہم اِدھر سے ذرا اُدھر ہو جائیں تو یہی ہمارے لیے موت کی کیفیت ہے۔ سچ ہے۔ اَوْلِیَآءُ اللّٰہِ لَا یَمُوْتُوْنَ بَلْ یَنْتَقِلُوْنَ مِنْ دَارٍ اِلٰی دَارِ اُخْرٰی۔ (اولیاء اللہ مرتے نہیں بلکہ اس دار سے دارِ آخرت کو منتقل ہو جاتے ہیں)۔

ایک مہجُور ارادت مند کا خواب

وصالِ مُبارک کے بعد عقیدت مندوں پر جو کیفیّت گزُری وُہ بیان سے باہر ہے۔ اِس صدمے سے مہینوں روتے رہے۔ کھانے پینے کو جی نہ چاہتا۔ اور نہ کسی محفل میں جی لگتا۔ ایسے ہی ایک غمزدہ نیاز مند نے خواب میں دیکھا کہ حضرتؒ نے اسے گولڑہ شریف میں طلب فرمایا۔ وہاں پہنچ کر اُس نے دیکھا کہ حضرتؒ سنگ مرمر کے تخت پر تشریف فرما ہیں اور خیر و عافیت دریافت فرمانے کے بعد اُس کے رات دِن آنسُو بہانے کی طرف اِشارہ کرکے اِرشاد فرماتے ہیں کہ "یہ جو تمہاری حالت ہے اللہ تعالیٰ کی طرف راہ پانے کے لیے یہ بھی ایک ضروری چیز ہے"۔ یہ خواب اُس نے حضرتؒ کے وصال کے چوتھے روز اپنے شہر میں دیکھا۔ اِس پر اُسے ایسا جوشِ گریہ طاری ہُوا کہ تین چار ماہ بعد جاکر اس میں کچھ کمی واقع ہُوئی۔ سنگ مرمر کا روضہ اور تخت جو اُس نے خواب میں دیکھے تھے تقریباً بیس برس بعد جاکر تیار ہُوئے۔ اِس ناشاد کا نالۂ غم اِس طرح منظوم ہو گیا تھا ؎

یادِ ایّام کبھی دہر میں آباد تھے ہم ۔۔۔ باعثِ رونقِ کاشانۂ ایجاد تھے ہم

بزمِ گلزار تھی وُہ یار تھا اور ابرِ بہار ۔۔۔ گُل و بُلبل تھے کبھی قُمری و شمشاد تھے ہم

جانِ پروانہ تھی اور سامنے وُہ شمعِ جمال ۔۔۔ نشۂ دید میں ہر فکر سے آزاد تھے ہم

رُوح قُربان تھی اور نذرِ دل و جاں کا خراج ۔۔۔ جلوۂ حُسن میں مسرور تھے دِلشاد تھے ہم

ناگہاں چھوڑ کے وُہ یار طرحدار گیا ۔۔۔ ناگہاں دُور تھے، مہجُور تھے، برباد تھے ہم

ظُلمتِ غم کی سیاہ رات ہے اے مہرِ مُنیر

تیری فُرقت میں بہت روتا ہے یہ تیرا فقیر

مولوی عبدالرحیم صاحب (تھٹی) کا غش

حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کی نمازِ جنازہ کے بعد ایک دردمند مخلص مولوی عبدالرحیم صاحب سکنہ تھٹی ضلع کیمبلپور سڑک پر بے ہوش پڑے پائے گئے۔ کچھ لوگ اُنہیں ہوش میں لانے کے بعد ملک سلطان محمود صاحب منصرم مراسلات کے کمرہ میں لے آئے۔ مولوی صاحب نے بیان کیا کہ نمازِ جنازہ سے واپسی کے وقت میں حضرتؒ کے حجرۂ مُبارک (عشق آباد) کے بالاخانے پر نظریں جمائے روتا ہوا آ رہا تھا کہ آپؒ اچانک میرے پاس سڑک پر آ کر کھڑے ہو گئے اور مُسکرانے لگے۔ میں اس نظارہ کی تاب نہ لا کر بے ہوش ہو گیا۔

حضرت بابُوجی کی داستانِ غم

حضرت بابُوجی مدظلہ العالی کی ذاتِ اقدس پر جو کیفیت گزر گئی اُس کی داستان طویل ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ آپ نے حضرتؒ کے وصال کے وقت حیرت انگیز ضبط اور وقار کا مظاہرہ فرمایا تھا۔ لیکن انتظام اور تجہیز و تکفین کے فوری فرائض سے فراغت پانے کے بعد گریہ کا طوفان ایسے اُمڈ آیا جو کبھی تھمتا معلوم نہ ہوتا تھا۔ خُدام اور مخلصین میں آپ کی یہ کیفیت دیکھ کر نئے سرے سے کہرام برپا ہو جاتا تھا۔ اپنے سلسلہ کے بزرگان اور مُلک بھر کے ہم عصر مشائخ دستاریں ساتھ لیے تشریف لاتے رہے لیکن دستار بندی کا ذکر آتے ہی آپ پر شدید رقت طاری ہو جاتی۔ فرماتے "وُہ اپنی جگہ آپ ہیں۔ مَیں تو صرف خدمت کے لیے ہُوں"۔ یہ بات سُن کر ان حضرات پر بھی گریہ طاری ہو جاتا۔ چنانچہ آج تک مجلس کے مقامِ صدر میں حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کے لیے مصلّےٰ بچھتا ہے اور بابُوجی مدظلہ العالی ایک جانب دوزانو بیٹھا کرتے ہیں۔ حجرۂ مُبارک میں حضرت اعلیٰؒ کا بستر بدستُور سجا ہوا ہے اور چھپرکھٹ لگی ہے۔ اردگرد آپؒ کی تسبیح، جائے نماز، مسواک، رُومال، کُلاہ، جُبّہ، مختلف پارچات پوشیدنی، پاپوش، کھڑاؤں، شیشہ والی الماریوں میں اور میزوں پر بطور تبرکات رکھے ہُوئے ہیں۔ جن کی زیارت اعراس اور عیدین کے موقعہ پر کرائی جاتی ہے۔ حضرتؒ کی نشست گاہ کو آنجنابؒ کی لائبریری بنا دیا گیا ہے۔ اور حضرت بابُوجی نے اپنی نشست کے لیے علیحدہ ایک مختصر سی جگہ مخصُوص فرمائی ہے۔ طالبین کا کثرت سے رجُوع ہے۔ اور حضرتِ اعلیٰؒ کے حسب ارشاد بے شمار لوگ داخلِ سلاسلِ عالیہ ہو رہے ہیں لیکن حضرتؒ کے مُرید جب بابُوجی سے تجدیدِ بیعت کی درخواست کرتے ہیں تو فرماتے ہیں کہ تمہارے شیخ زندہ ہیں۔ وہاں حاضری دو۔ اُدھر مزار شریف پر حاضر ہونے والوں کو حضرتؒ کی طرف سے حکم ہوتا ہے "بابُوجی کے پاس جاؤ"۔ چُنانچہ چنیوٹ کے ایک صاحبِ کشف خطیب صاحب کہتے ہیں کہ مَیں مزار شریف پر متوجہ ہُوا تو القا ہُوا کہ "بابُوجی کو جا کر ملو"۔ مجھے دریافت پر معلوم ہُوا کہ آپؒ حضرت صاحب ثانی کو اِس نام سے یاد فرماتے تھے۔ تاہم حضرتؒ کے بعض خوش نصیب مُرید باصرار استدعا تجدیدِ بیعت سے مشرف ہو چکے ہیں۔

ساتویں فصل

روضہ شریف کی تعمیر

وصال شریف کے بعد حضرت بابوجی صاحب مدظلّہ العالی نے خدّامِ حاضرین کا یہ مشورہ پسند فرمایا کہ مدینہ منورہ کے نقشہ پر حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کا مرقدِ پاک بھی مسجد کے متّصل بائیں طرف ہو۔ چنانچہ اِس مقصد کے لیے باغ کا وُہ حصّہ منتخب کیا گیا جو مسجد کے جنوب میں کچھ نشیب میں واقع تھا جب روضہ شریف کی تعمیر کے لیے باغ کا یہ حصّہ کاٹ کر اس کی سطح مسجد کے فرش کے برابر کر دی گئی تو حضرتؒ نے خواب میں بعض متوسّلین سے فرمایا کہ مجھ پر اس قدر بوجھ کیوں ڈال دیا گیا ہے۔ اِس پر انجینئر مہتمم تعمیر بابو لعل محمد صاحب چغتائی سابق اسسٹنٹ چیف آرکی ٹیکٹ، گورنمنٹ پنجاب نے، جنھیں حضرتؒ سے شرفِ بیعت بھی حاصل تھا مشورہ دیا کہ تابُوت شریف کو نکال کر نئے تعویذ میں رکھا جائے جس کی گہرائی چھ فٹ سے زیادہ نہ ہو جب کہ موجُودہ صُورت میں گہرائی بیس فٹ سے بھی زیادہ ہو گئی تھی۔

تابُوت شریف کی برآمدگی

چُنانچہ یہ مُبارک تقریب وصال شریف سے تقریباً تین سال بعد اس طرح عمل میں آئی کہ ایک شام تابُوت مُبارک کو نکال کر حضرت اچی صاحب رحمۃُ اللہ علیہ (یعنی حضرتؒ کے والدِ محترم) کے مزارِ مقدّس کے پاس رکھ دیا گیا۔ جہاں رات بھر، دُوسرے روز اور آئندہ شب مسلسل قرآن خوانی ہوتی رہی۔ پروگرام تو یہ تھا کہ اسی رات صُبح سے پہلے یہ کام مکمل ہو جائے اور کسی باہر والے کو اس کا علم نہ ہو لیکن تابُوت مُبارک کی برآمدگی سے فضا اس قدر معطّر ہُوئی کہ قصبہ اور نواحی آبادیوں کے مرد و زن سینکڑوں کی تعداد میں جمع ہو گئے۔ اور اگلے روز تو حضرتؒ کے جنازہ کے ہجُوم کی سی شان پیدا ہو گئی۔ پھر باطنی فضائیں کچھ اس طرح منوّر ہُوئیں کہ جب اگلی صبح بسال شریف سے حضرت مولینا محمد جعفر صاحب گولڑہ شریف پہنچے اور حضرت بابُوجی نے ازراہِ تعجب دریافت فرمایا کہ آپ کو پچاس میل دُور کیسے خبر ہو گئی تو عرض کیا میں تہجّد کے لیے بیدار ہُوا تو اس طرف سے ایسی خوشبودار مہک آئی کہ مجھ سے رہا نہ گیا اور چل پڑا۔

بخدا کہ رشکم آید بدوچشمِ روشنِ خُود

جب تابُوت شریف شام کے وقت باہر نکالا گیا تو اُس میں ایک دراڑ نے نمایاں ہو کر حضرت بابُوجی کو دعوتِ نظارہ دی۔ آپ نے جھانک کر دیکھا تو پیشانی میں سے ایک ایسا نُور نکلتا نظر آیا جس کی مثال کسی دُنیاوی روشنی یا چمک سے نہیں دی جا سکتی۔ بہت عرصہ پہلے آپ نے حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ سے حضرت حافظؒ کے اِس شعر کا مفہوم دریافت کیا تھا۔
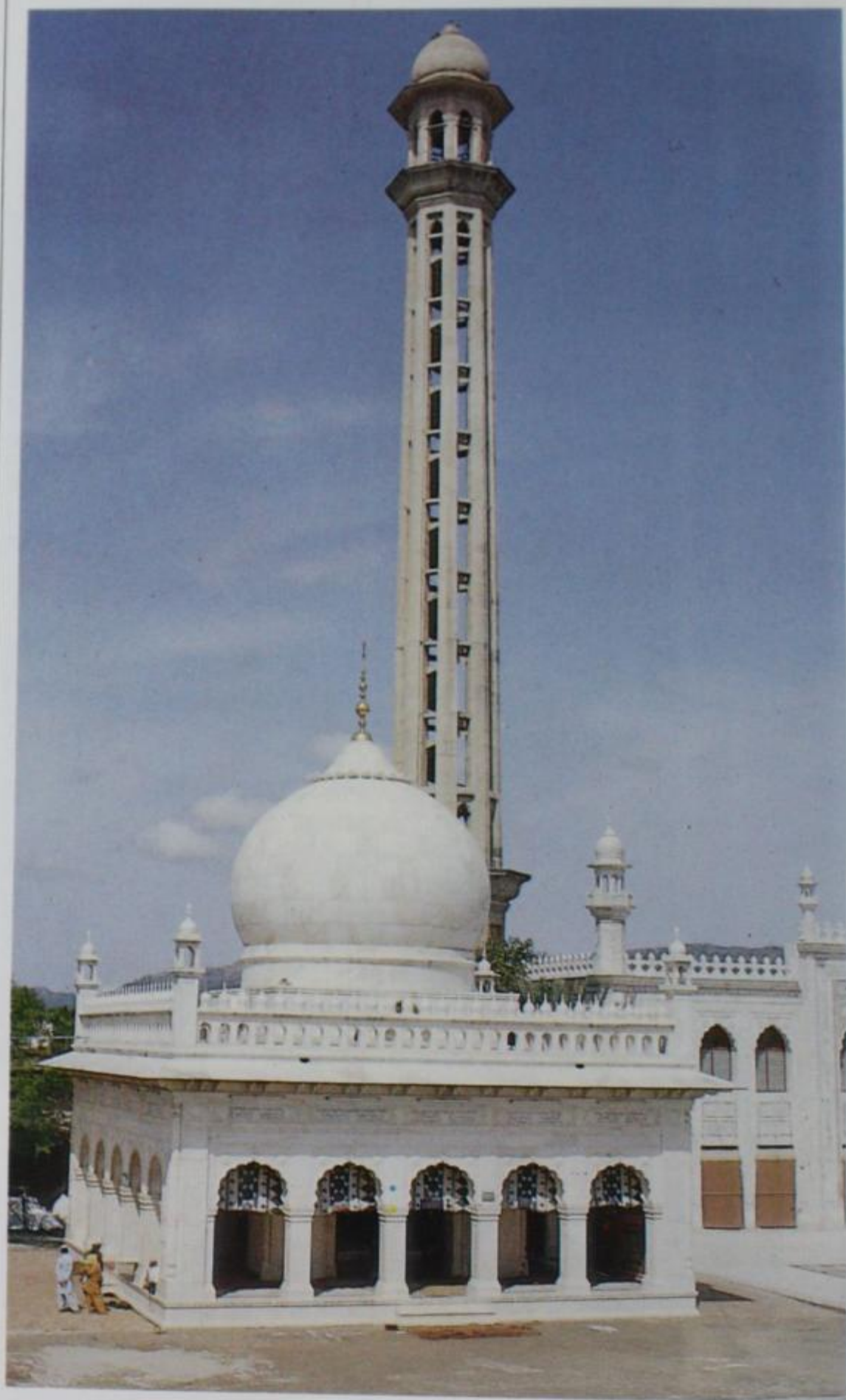
روضۂ مبارک حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب   ازجانبِ مشرق
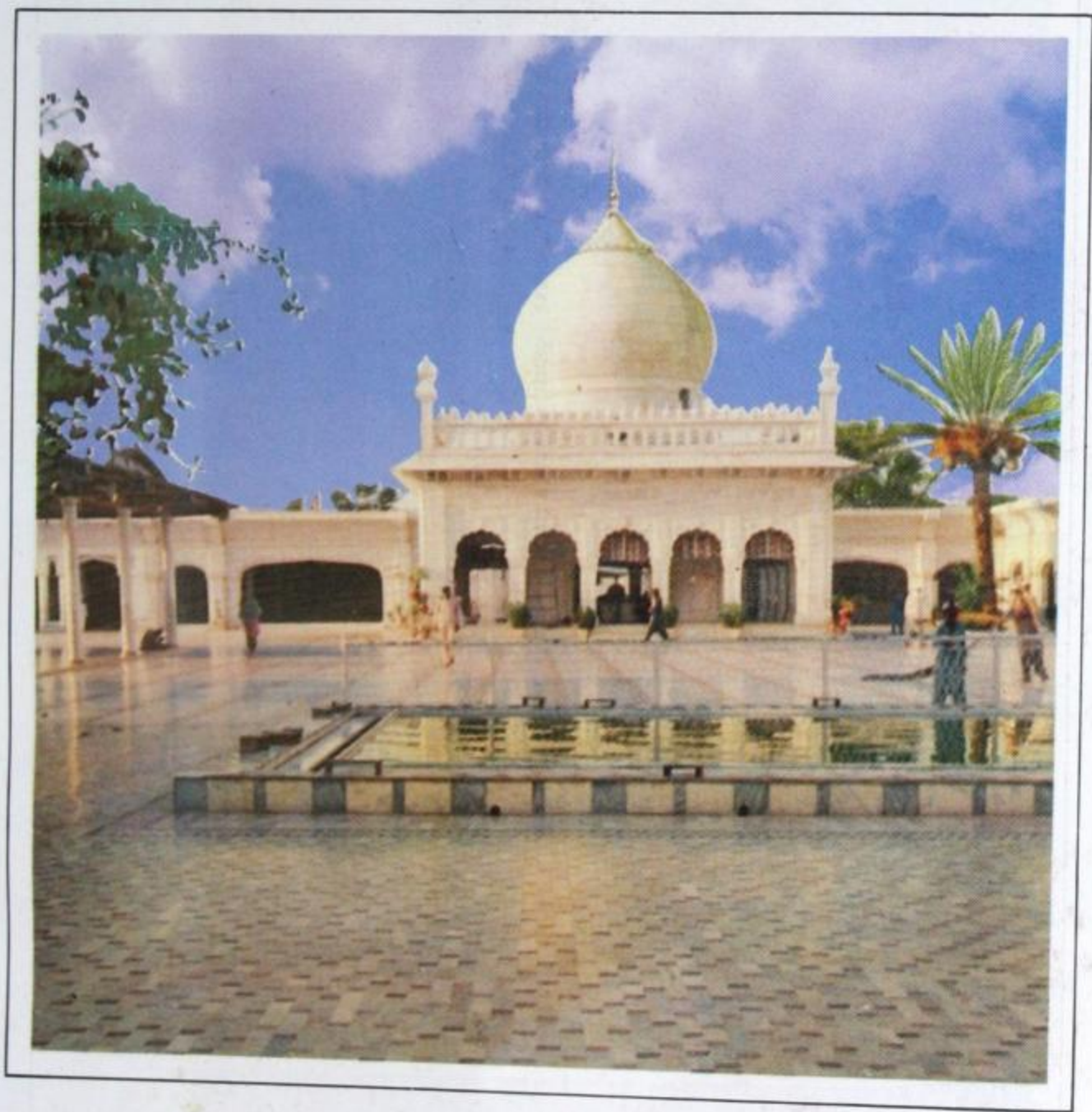
روضۂ مبارک حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب از جانب شمال
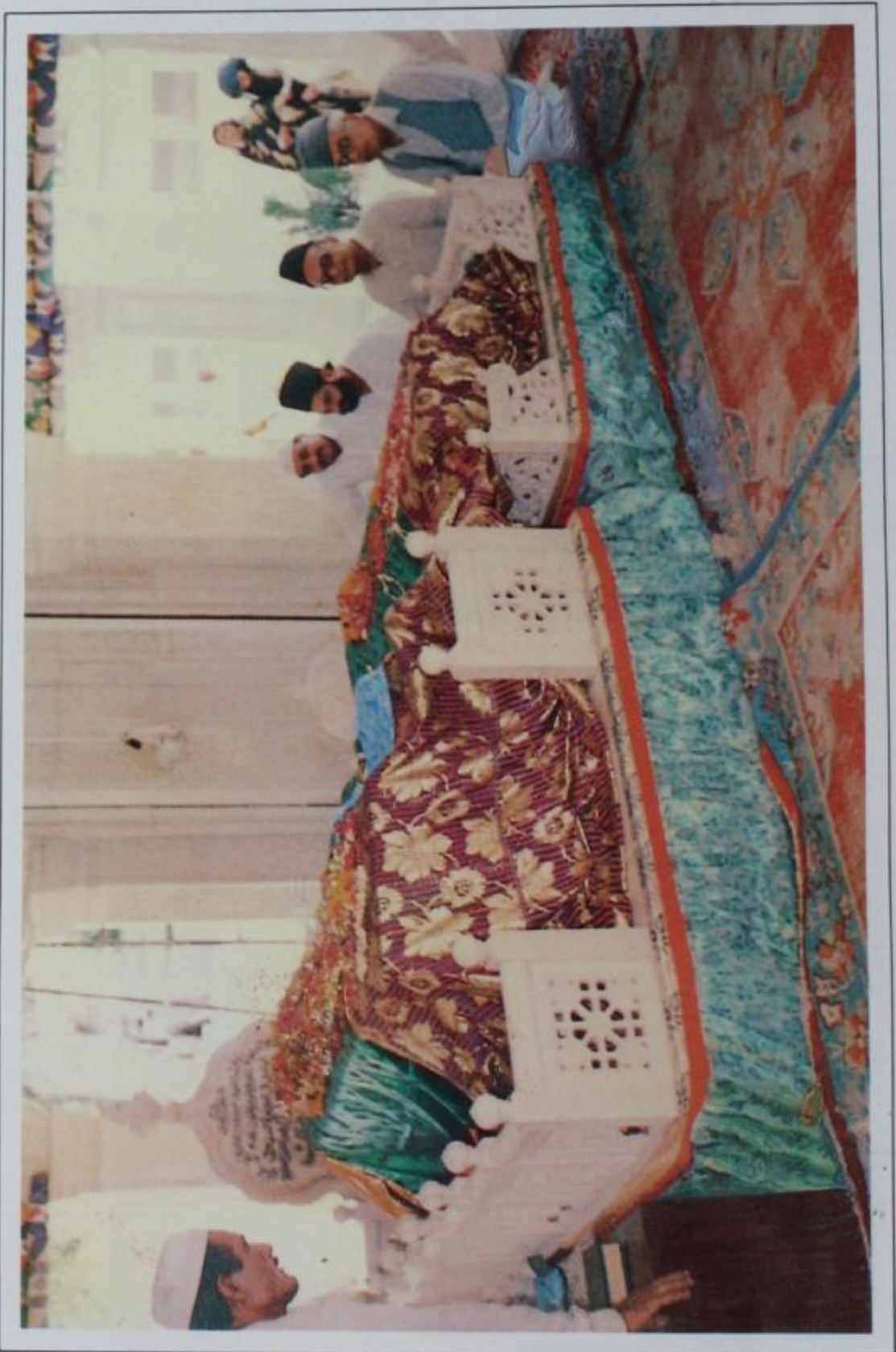
روضۂ مُبارک حضرت سیّد پیر مہر علی شاہ صاحبؒ کا اندرُونی منظر مرقد مُبارک جناب پیر صاحبؒ و بابوجیؒ۔

حضرت بابوجیؒ کے سفر ہائے بغداد شریف و قونیہ شریف کی دو نادر و یادگار تصاویر۔
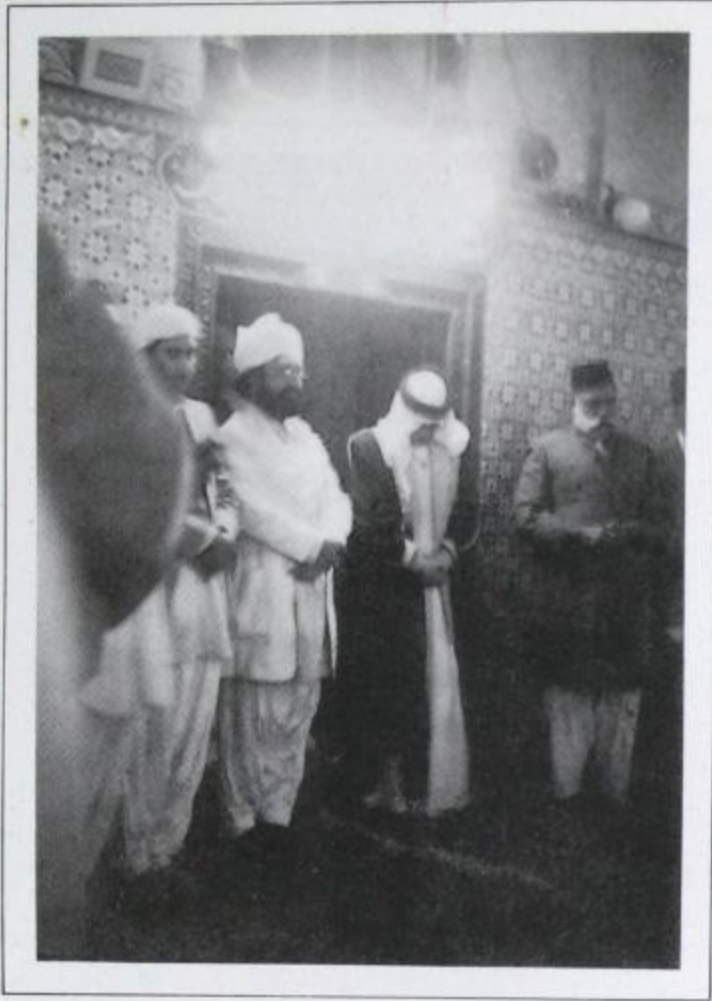
مزار مبارک سیدنا غوث الاعظمؒ کے اندر سلام عرض کرنے کا منظر

حضرت مدنی صاحب، متولی صاحب اجمیر شریف، صاحبزادہ غلام فرید صاحب پاکپتن شریف کے ہمراہ

(بشکریہ : محمد حیات خان اسسٹنٹ کمشنر انکم ٹیکس)

قونیہ شریف مزار مبارک سیدنا مولانا رُوم کے باہر بمعہ اپنے افرادِ قافلہ۔

بخدا کہ رشکم آید بدو چشمِ روشنِ خود کہ نظر دریغ باشد بچنیں لطیف روئے[1]

توحضرتؒ نے مسکرا کر فرمایا تھا کہ ایک وقت آئے گا جب اِس شعر کے معنی تم پر خود بخود واضح ہو جائیں گے حضرت باؤجی فرماتے ہیں کہ اِس کیفیت کو دیکھ کر اچانک یہ شعر میری زبان پر جاری ہو گیا اور حضرتؒ کے اُس ارشاد کے انوار دل و دماغ میں کوند گئے۔

روضہ مُبارک پر کندہ آیات احادیث اور اقوال

حضرتؒ کے حسین سنگِ مرمریں روضہ پاک کی تیاری میں ۲۲ بائیس برس لگے ہیں۔ سنگ مرمر موجودہ جودھ پور ریاست میں مکرانہ کی مشہورِ عالم کان سے منگوایا گیا۔ معمار بھی وہیں سے آئے اور بالآخر گولڑہ شریف میں رہائش اختیار کر کے پاکستانی شہری بن گئے ہیں۔ روضہ شریف کے اندر اور باہر بلندی پر سنگِ سیاہ سے آیات، احادیث اور اُن کے ہم معنی اشعار اس خوبصورتی سے کندہ کیے گئے ہیں کہ باید و شاید۔ اِن کی تفصیل زائرین کے بڑھتے ہوئے اشتیاق کی بدولت اب ایک علیحدہ ٹریکٹ میں شائع ہو چکی ہے بعض مثالیں درج ذیل ہیں:۔

آیت شریف:۔ اَللّٰہُ یَجْتَبِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَیَھْدِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یُّنِیْبُ ۝

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ چُن لیتا ہے اپنے لیے جس کو چاہے اور راہ دیتا ہے اپنی طرف اُس کو جو اُس کی طرف رجُوع کرے۔

حدیث شریف:۔ اِنَّ قُلُوْبَ بَنِیْ آدَمَ کُلَّھَا بَیْنَ اِصْبَعَیْنِ مِنْ اَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ کَقَلْبٍ وَّاحِدٍ یُصَرِّفُھَا کَیْفَ یَشَآءُ

ترجمہ:۔ تمام بنی آدم کے دِل اللہ تعالیٰ کی اُنگلیوں میں سے دو اُنگلیوں میں مثل ایک دِل کے (قابو و قبضہ میں) ہیں وُہ پھیرتا ہے اُن کو جیسا چاہے۔

شعر۔ ہیچ کسے بخویشتن رہ نہ بَرد بسُوئے او بلکہ بپائے اُو رَوَد ہر کہ رَوَد بسُوئے او

ترجمہ۔ کوئی شخص خود بخود اُن کی طرف نہیں جا سکتا۔ بلکہ جو بھی اُن کے دَر تک جاتا ہے اُنہی کی مرضی سے جاتا ہے۔

شعر۔ تا نبُوَد از و طلب طالب او کسے نہ شُد ایں ہمہ جستجوئے ماہست ز جستجوئے او

ترجمہ۔ جب تک اُن کی طرف سے طلب نہ ہو کوئی اُن کا طالب نہیں ہو سکتا۔ یہ ہماری جستجو انہی کی مہربانی کی بدولت ہے

حدیث شریف:۔ لَایَزَالُ الْعَبْدُ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اَکُوْنَ سَمْعَہُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِہٖ

ترجمہ:۔ ہمیشہ بندہ نوافل کے ذریعے میرے قریب ہوتا ہے۔ حتّٰی کہ میں اُس کی شنوائی ہو جاتا ہوں جس کے ذریعہ وُہ سُنتا ہے۔

شعر ـــــ گفتۂ اُو گفتۂ اللہ بُوَد گرچہ از حلقومِ عبداللہ بُوَد

ترجمہ ـــــ اللہ تعالیٰ کے بندوں کا کہنا اللہ تعالیٰ کا کہنا ہے اگرچہ وُہ بظاہر انسان کے مُنہ و زبان سے ہو۔

شعر ـــــ گر جُدا بینی زحق تو خواجہ را گم کُنی ہم متن و ہم دیباچہ را

ترجمہ ـــــ اگر تُو اپنے مُرشد کو حق تعالیٰ سے جُدا سمجھے گا تو متن اور دیباچہ بظاہر و باطن سب کھو بیٹھے گا۔

---

[1] واللہ مجھے اپنی اِن دو آنکھوں پر رشک آرہا ہے کہ ایسے حُسن لطیف کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھنا ہی غیرت کا مقام ہے۔ (فیض)

آیت شریف :۔ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝

ترجمہ ۔ اگر وُہ لوگ جنھوں نے اپنے اُوپر ظلم کیا تیرے پاس آتے اور پھر اللہ سے معافی مانگتے اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اُن کے حق میں طلب معافی فرماتے تو البتہ اللہ تعالیٰ کو مُعاف کرنے والا مہربان پاتے۔

حدیث شریف :۔ سَلْ تُعْطَ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ

ترجمہ ۔سوال کر تجھے دیا جائے گا۔شفاعت کر تیری شفاعت قبول کی جاوے گی۔

شِعر ـــــ گویم زکمالِ تو چہ غوث الثقلینا ـــ محبُوب خُدا ابنِ حسن آلِ حُسینا

ترجمہ ـــ اے دونوں جہاں کے غوث آپ کے درجہ وکمال کے کیا کہنے (بہتر اور مختصر یہ ہے) کہ آپ خُدا کے محبُوب اور ابنِ حسن اور آلِ حسین رضی اللہ عنہ ہیں۔

شِعر ـــــ ماعاجز وحیران بماندیم بگرداب ـــ لامخلص الابک باللہ لدینا

ترجمہ ـــ ہم گرداب میں حیران وپریشان پھنسے پڑے ہیں۔خُدا کی قسم تیرے سوا ہمارا کوئی ذریعۂ نجات نہیں۔

آیت شریف ۔ وَمَا كَانَ اللهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ۔

ترجمہ ۔اور اللہ تعالیٰ نہیں ہے کہ تم کو خبر دے غیب کی لیکن اللہ تعالیٰ چھانٹ لیتا ہے اپنے رسُولوں میں جس کو چاہے۔

حدیث شریف ۔ فَتَجَلّٰى لِيْ كُلُّ شَيْءٍ وَّعَرَفْتُ

ترجمہ ۔تمام اشیا مجھ پر ظاہر کر دی گئیں اور میں نے ان کو جان لیا(علم غیب کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت چاہیئے)

شِعر ـــــ کاملاں از دُور نامت بشنوند ـــ تا بقعرِ تار وپودت در روند

ترجمہ ـــ کاملین دُور سے تیرے نام کو سُن کر تیرے حقائق ودقائق کا پتہ کر لیتے ہیں۔

شِعر ـــــ بلکہ پیش از زادن تو سالہا ـــ دیدہ باشند ترا با حالہا

ترجمہ ـــ صرف یہ نہیں بلکہ تیرے پیدائش سے بھی سالہا سال پہلے تجھے تیرے احوال سمیت دیکھ چکے ہوتے ہیں۔

آیت شریف :۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ۔

ترجمہ ۔اے ایمان والو ڈرتے رہو اللہ تعالےٰ سے اور سچّوں کے ساتھ رہو۔

حدیث شریف ۔ اَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ ۔ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ

ترجمہ ۔سرورِ کائنات صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا تو اُن کے ساتھ رہے گا جن کے ساتھ تیری محبت ہے۔آدمی اُن کے ساتھ ہوتا ہے جن سے محبت ہو۔

شِعر ـــــ ہر کہ با ایشاں نشیند یک دمے ـــ روز فردا او کجا دارد غمے

ترجمہ ـــ جو اُن کے پاس ایک لمحہ بھی بیٹھے گا۔تو قیامت کے دِن اُس کو کوئی فکر وغم نہ ہوگا۔

آیت شریف ۔ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝

ترجمہ ۔اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے اُنہیں مُردہ نہ کہو، بلکہ وُہ زندہ ہیں لیکن تم کو خبر نہیں اور تم نہیں جانتے۔

حدیث شریف ۔ اِنَّ الشُّهَدَآءَ اَحْيَآءٌ وَّاِنَّمَا يَنْتَقِلُوْنَ مِنْ دَارٍ اِلٰى دَارٍ

ترجمہ۔ شہداء زندہ ہیں وُہ صرف ایک مکان سے دُوسرے مکان کو منتقل ہوجاتے ہیں۔

شعر ___ مرا زندہ پندار چوں خویشتن ___ من آیم بجاں گر تو آئی بہ تن

ترجمہ ___ مجھے اپنے جیسا زندہ سمجھ۔ اگر تو میری طرف جسم سے آئے تو میں جان سے آؤں گا۔

شعر ___ ہرگز نمیرد آں کہ دِلش زندہ شُد بعشق ___ ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

ترجمہ ___ جس کا دل عشقِ الٰہی سے زندہ ہوا وہ کبھی نہیں مرے گا صفحہ ہستی پر ہمارا دوام ثبت ہو چکا ہے۔

آیت شریف۔ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَابْتَغُوْا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ۔

ترجمہ۔ اَے ایمان والو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اُس تک وسیلہ ڈھونڈو۔

حدیث شریف۔ قال عُمر رضی اللہ عنہ

اَللّٰھُمَّ اِنَّا کُنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّنَا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

ترجمہ۔ عُمر رضی اللہ عنہ نے دُعا مانگی۔ فرمایا، اَے اللہ ہم پہلے تیرے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ توسّل کرتے تھے۔

شعر ___ پیر را بگزیں کہ بے پیر ایں سفر ___ ہست بس پُر آفت و خوف و خطر

ترجمہ ___ پیر کو حاصل کرو۔ کیونکہ یہ سفرِ آخرت بغیر پیر کے نہایت پُر آفت و پُر خطر ہے۔

شعر ___ چُوں تُو ذاتِ پیر را کردی قبول ___ ہم خُدا در ذاتش آمد ہم رسُول

ترجمہ ___ اور جب تو نے پیر کو مان لیا تو گویا تُو نے خدا اور رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کو مان لیا اور قبول کیا۔

آیت شریف۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ۔

ترجمہ تحقیق جو لوگ بیعت کرتے ہیں تجھ سے وُہ بیعت کرتے ہیں اللہ سے، اللہ تعالیٰ کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں کے اُوپر ہے۔

حدیث شریف۔ فَقُلْنَا قَدْ بَایَعْنٰکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ اَلَا تُبَایِعُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰہِ فَبَسَطْنَا اَیْدِیَنَا وَقُلْنَا عَلٰی مَا نُبَایِعُہٗ۔

ترجمہ پس ہم نے عرض کیا یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم آپ سے بیعت کر چکے ہیں فرمایا کیا تم بیعت نہیں کرتے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ پس ہم نے ہاتھ بڑھائے اور عرض کی کہ کس چیز پر بیعت کریں ہم۔ (الحدیث)

شعر ___ دستِ اُو را حق چو دستِ خویش خواند ___ پس یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ براند

ترجمہ ___ اولیائے کرام کے ہاتھ کو اللہ تعالےٰ نے اپنا ہاتھ کہا ہے۔ (اگر یقین نہ ہو تو) یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ (کو پڑھ اور مدِّ نظر رکھ)

شعر ___ دستِ پیر از غائباں کوتاہ نیست ___ دستِ اُو جز قبضۂ اللہ نیست

ترجمہ ___ پیر کا ہاتھ دُور دراز و غائب لوگوں تک پہنچنے سے قاصر نہیں ہے کیونکہ اُن کا ہاتھ سوائے قبضۂ جل و علیٰ کے کوئی دُوسری چیز نہیں۔

شعر ___ من خس و خاشاک و ستم پست را بگرفتہ ___ ایں نگویم شاہِ خُوباں مست را بگرفتہ

ترجمہ ___ مجھ خس و خاشاک وحقیر و پست چیز کو آپ نے بیعت کر رکھا ہے۔ اَے شاہِ خُوباں میں یہ نہیں کہتا کہ آپ نے کس مست کا ہاتھ تھام رکھا ہے۔

شعر ـــــــ مثلِ محبوبِ الٰہی کردہ ای مارا مُرید وقتِ بیعت بے تامّل دست را بگرفتۂ

ترجمہ ـــــــ آپ نے حضرت خواجہ محبوبِ الٰہی کی طرح مجھ ناچیز کو مُرید کیا ہے۔ اور بیعت کے وقت بے تامّل میرا ہاتھ تھام لیا ہے۔

آیت شریف ۔ اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَاخَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَاهُمْ یَحْزَنُوْنَ ۔

ترجمہ ۔ یاد رکھو جو لوگ اللہ تعالٰے کے دوست ہیں نہ ڈر ہے اُن پر اور نہ وُہ غمگین ہوں گے اِن کو کوئی خوف و ہراس نہیں۔

حدیث شریف ۔ هُمُ الْجُلَسَاءُ لَایَشْقٰی جَلِیْسُهُمْ

ترجمہ ۔ وُہ ایسے مجلس والے ہیں جن کا ہم مجلس کبھی بدبخت اور ذلیل و خوار نہیں ہوتا۔

شعر ـــــــ اولیا را ہست قدرت از اِلٰہ تیرِ جستہ باز گرداند ز راہ

ترجمہ ـــــــ اولیاء کرام کو اللہ تعالٰی کی طرف سے الٰہی طاقت حاصل ہے کہ کمان سے نکلے ہُوئے تیر کو بھی واپس کر سکتے ہیں۔

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

آیت شریف ۔ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ

ترجمہ ۔ ہم زیادہ قریب ہیں اُس کی شہ رگ سے بھی یعنی بہت ہی قریب اور ہر وقت ساتھ ہیں۔

حدیث شریف ۔ وَاِنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ اِلَیْهِ بَاعًا

ترجمہ ۔ اگر انسان ایک بالشت میرے قریب آوے تو میں ایک ہاتھ اُس کے قریب آتا ہُوں۔

آیت شریف ۔ لَاتُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ یُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ۔

ترجمہ ۔ اُس کو آنکھیں نہیں پا سکتیں اور وُہ آنکھوں کو پا سکتا ہے۔ اور وُہ نہایت لطیف اور خبردار ہے۔

شعر ـــــــ اے بروں از وہم و قال و قیلِ من خاک بر فرقِ من و تمثیلِ من

ترجمہ ـــــــ اے ہمارے قیل و قال اور وہم و گمان سے باہر تیرا کیا بیان ہو۔ ہمارے سر اور مثال دینے پر خاک پڑے۔

آیت شریف ۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ۔

ترجمہ ۔ جو لوگ ستاتے ہیں اللہ کو اور اُس کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلّم کو، اللہ تعالٰے دُنیا اور آخرت میں اُن پر لعنت بھیجتے ہیں۔

آیت شریف ۔ مَنْ اٰذٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ

ترجمہ ۔ جو میرے دوست کو ستاتے ہیں اُس کو اعلانِ جنگ کرتا ہُوں۔

آیت شریف ۔ سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْ اَنْفُسِهِمْ ط

ترجمہ ۔ اب ہم دِکھلائیں گے اُن کو اپنی نشانیاں دُنیا میں اور خود اُن کی جانوں میں۔

شعر ـــــــ حق پدید است از میانِ دیگراں ہمچو ماہ اندر میانِ اختراں

ترجمہ ـــــــ حق غیروں میں ایسا ظاہر ہے جیسے چاند ستاروں میں ظاہر چمکتا ہے۔

جلوۂ حق یُوں نمایاں صُورتِ انساں میں ہے

نُورِ خورشیدِ فلک جیسے مہِ تاباں میں ہے

لااسراف فی الخیر

حضرت باؤجی مدظلہ العالی روضہ شریف کی تعمیر کے بارے میں متردد تھے۔ علمائے اہل سُنّت کی ایک کثیر تعداد نے اس کے حق میں زبانی اور تحریری فتوے دیئے۔ مگر ایک صاحب نے لکھ بھیجا کہ اگرچہ شرعاً بنا علی القبور پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا تاہم تعمیر میں اس قدر خرچ ہوگا کہ اسراف کی شق میں آسکتا ہے۔ اس پر آپ نے تصوّف کی ایک کتاب غالباً "فوائد الفواد" کھولی تو یہ لکھا نظر آیا کہ حضرت نظام الدین اولیاؒ سے کسی نے سوال کیا کہ اسراف کسے کہتے ہیں"۔ فرمایا کہ شیخ ابُوسعید ابُوالخیرؒ بڑا خرچ رکھتے تھے۔ کسی نے آپ کی خدمت میں یہ حدیث پڑھی۔ "لاخیر فی الاسراف"۔ شیخ ابُوسعیدؒ نے جواباً فرمایا کہ "لااسراف فی الخیر"۔ اس کے بعد حضرت باؤجی نے عالمِ رویا میں حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کو اس حالت میں دیکھا کہ آپ نہایت ذوق کے عالم میں تشریف لارہے ہیں۔ اور تسبیح مُبارک کو ہر دو دوش مُبارک پر مارتے ہُوئے یہ آیت تلاوت فرمارہے ہیں :-

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ۝ یاد کرو جب ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے لیے جائے امن وامان بنایا۔

چُنانچہ آپ نے اس سے یہی تعبیر اخذ کی کہ تعمیرِ روضہ مطلوب ہے۔

لے فوائد الفواد حصّہ دُوم، جلد چہارم، صفحہ ۳۰۳، ترجمہ اُردو، مطبع مجتبائی دہلی

آٹھویں فصل

اولاد و احفاد

حضرتِ قبلۂ عالم قدس سرہٗ کے صاحبزادہ صاحب اور جانشین حضرت بابوجی مدظلّہ العالی کو اپنی ذات کے متعلق تعریف و توصیف کا ایک لفظ تک سُننا گوارا نہیں۔ اخفائے حال اور خودی کی نفی اِس قدر منظورِ خاطر ہے کہ ایک بار ایک مخلص نے علامہ اقبال کے اِس شعر کی تعریف کی ؎

میں جبھی تک تھا کہ تیری جلوہ پیرائی نہ تھی
جو نمودِ حق سے مِٹ جاتا ہے وُہ باطل ہُوں میں

تو فرمایا۔ "کیا کہا؟ میں جبھی تک تھا۔ ارے میں تو کبھی تھا ہی نہیں"۔

چُونکہ حضرت قبلۂ عالمؒ کی سیرت کا کوئی مرقع آپ کی ذاتِ اقدس کے اِس مظہرِ اتم کے حالات کے بغیر مکمل نہیں کہلا سکتا تھا۔ اور یہ اندیشہ بھی تھا کہ آپ کے متوسّلین کی طرف سے ان حالات کی تالیف بارِ خاطر کا باعث ہوگی۔ اِس لیے حاجی مصباح الدّین صاحب نقشبندی دہلوی (حال مقیم راولپنڈی) کا یہ مقالہ پیش کرنے کی جرأت کر رہا ہُوں۔

حاجی صاحب موصُوف فرماتے ہیں کہ میں نے حتی الوسع قلم کو روک کر اور اپنے احساسات کو دبا دبا کر یہ شذرات قلم بند کیے ہیں۔ (فیض)

دُرِّ یتیم حضرت قبلہ بابُوجی مدظلّہ العالی

الحمدُ للہ ثم الحمدُ للہ۔ حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کا فیضِ عام اُن کے اکلوتے صاحبزادے اور خلف الصّدق، سیادت پناہ، جانِ ایقان و کانِ عرفان، حضرت ثانی قبلہ شاہ غلام محی الدّین المعرُوف بہ بابُوجی، صاحب مدظلّہ العالی کے دستِ حق پرست پر جاری و ساری ہے۔

اس دُرِّ یتیم حضرت بابُوجی مدظلّہ پر اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْہِ کی اصطلاح صحیح معنوں میں صادق آئی۔ نقّاشِ ازل جلّ جلالہٗ نے اس نقشِ ثانی کی ذاتِ بابرکات کو ایک ایسا صاف اور روشن آئینہ بنایا جس میں حضرتِ اعلیٰؒ کے فضائل و خصائل کی ہُوبہُو تصویر اور تمثیل نظروں کے سامنے آگئی۔ اور یہ ایک ایسا عظیم احسانِ الٰہی ہے جس کے لیے حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کے متوسّلین اور خُدّام حق تعالےٰ شانہٗ کی جس قدر حمد بجا لائیں کم ہے ؎

گر بر تنِ من زباں شود ھر مُو
یک شُکر از ھزار نتوانم کرد
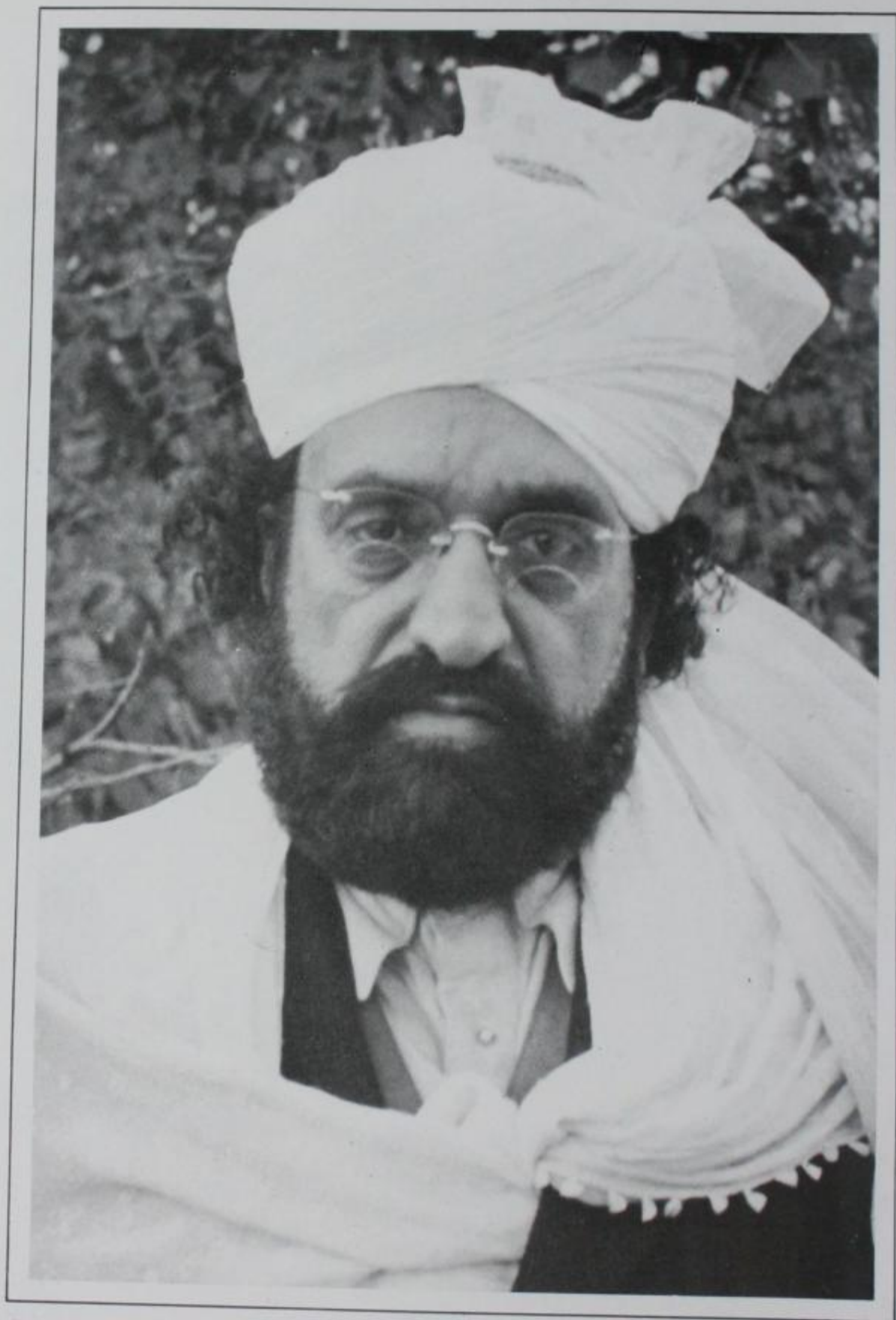
حضرت بابو جیؒ

بیٹے کے خلیفۂ اعظم ہونے کی روایات

سلاسلِ طریقت میں یہ پہلا موقع نہیں کہ بیٹے نے باپ کی مسند کو چار چاند لگائے ہوں اور خلافتِ عظمیٰ کا استحقاق اپنے لیے ثابت کیا ہو، بلکہ سلسلۂ عالیہ قادریہ اور چشتیہ میں ابتداء سے یہ شاندار روایت چلی آ رہی ہے۔ بالخصوص چشتیہ بہشتیہ میں حضرت محمد ابن حضرت احمد ابدال، حضرت قطب الدین مودود ابن حضرت ابو یوسف، حضرت علم الدین ابن حضرت سراج الدین، حضرت جمال الدین جمن ابن حضرت محمود راجن، حضرت محمد ابن حضرت حسن محمد اور حضرت مولینا فخر الدین ابن حضرت نظام الدین اورنگ آبادی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کی ذواتِ قدسیہ اس حقیقت کی روشن مثالیں ہیں۔

اللہ اللہ کرنے والی رُوح

حضرت بابوجی کی ولادت دسمبر ۱۸۹۱ء (۹-۱۳۰۸ھ) میں ہوئی۔ حضرت اعلیٰ کو دستورِ زمانہ کے مطابق اس ولادت باسعادت کی خوش خبری مبارک کے لفظ سے دی گئی۔ تو پہلے یہ ارشاد فرمایا کہ میں نے مبارک کے لفظ سے سمجھا کہ شاید مجھے خدا مل گیا۔ بعد ازاں فرمایا کہ ہر شخص کو نرینہ اولاد کے پیدا ہونے سے خوشی ہوتی ہے۔ لیکن مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ ہمارے گھر میں ایک اللہ اللہ کرنے والی رُوح کا وُرود ہوا ہے۔

چنانچہ سفر ہو کہ حضر، صحت ہو کہ علالت، حضرت بابوجی مدظلہ العالی کسی وقت بھی اپنے مالک کی یاد سے غافل نہیں رہتے۔ اُن کی اس کیفیت کو خود حضرت اعلیٰ نے بارہا سراہا۔ ملک محمد خدابخش ٹوانہ راوی ہیں کہ ایک روز حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ بالاخانے پر تشریف فرما تھے کہ دُور سے حضرت بابوجی گھوڑے پر سوار راولپنڈی کی طرف سے آتے ہوئے نظر آئے۔ حضرتؒ نے اُنہیں دیکھ کر فرمایا۔ "غلام محی الدین ہے۔" پھر متبسم ہو کر گوہر فشاں ہوئے۔ "دیکھو گھوڑا دوڑا رہا ہے مگر اپنے کام (یعنی یادِ حق) میں برابر مشغول چلا آ رہا ہے۔" ذکرِ حق میں ہمیشہ منہمک رہنے کی تلقین اور ترغیب ہم حضرت اعلیٰ کے ملفوظات میں اس شعر کی تکرار میں بھی پاتے ہیں ؎

نمی گویم کہ از عالم جُدا باش ۔۔۔ بہر جائے کہ باشی با خدا باش

تعلیم و تربیت

حضرت بابوجی مدظلہ العالی کی تعلیم و تربیت حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کے زیرِ سایہ علم و فضل کے گہوارے میں ہوئی۔ حضرتؒ نے اوّل دن سے ہی بہ نورِ فراست جانچ لیا تھا کہ یہ نہال گلشنِ نبوت اس دورِ قحط الرجال میں رُشد و ہدایت کا محور بنے گا۔ اس لیے آپ کو ظاہری و باطنی علوم سے مزین کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ فرمایا۔ یُوں تو ہر فاطمیؑ اخلاقِ حسنہ کا ایک نمونہ ہوتا ہے اور اسے شرحِ صدر ابتداء ہی سے حاصل ہو جاتا ہے اور اُس کا سینہ علوم کا گنجینہ ہوتا ہے۔ اس سونے پر سُہاگہ یہ ہوا کہ حضرت اعلیٰؒ نے آپ کے لیے اتالیق بھی وقت کے صاحبِ کمال حضرات مقرر فرمائے۔

آپ کے اتالیق

حضرت بابوجی نے علمِ قرأت (تجوید) حضرت اُستاد القراء قاری عبد الرحمٰن صاحب جونپوریؒ سے حاصل فرمایا۔ قاری صاحب

اپنے فن کے یگانۂ روزگار تھے۔ اور اِن اضلاع میں فنِ تجوید کی قندیل سب سے پہلے اُن ہی کے دم قدم سے روشن ہوئی۔ دیگر علومِ دینیہ کی تحصیل حضرت بابُوجی نے حضرت مولانا محمد غازی صاحب سے کی۔ حضرت مولینا کے تبحرِ علمی اور طریقۂ تعلیم کی خوبی پر حضرتؒ کے وُہ الفاظ دال ہیں جو آپ نے بابُوجی قبلہ کو ایک خط میں تحریر فرمائے تھے یعنی "ایسے شفیق اور بے نظیر محقق عالم کے زیرِ تعلیم ہونا اُس وہاب الخلاق کا کمال احسان ہے۔" فی الحقیقت مُشفق اور محقق اُستاد کا میسر آجانا شاگرد کی خوش نصیبی ہے۔ پھر اِس شاگردِ رشید نے بھی پُوری طرح منتفع ہونے اور اُستاد کی قدردانی میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی۔

فیضانِ نظر

بابُوجی قبلہ نے علومِ اسرارِ باطنیہ حضرتِ اعلیٰؒ کی مجلس اور فیضانِ نظر سے حاصل کیے اور ذاتی اِستعداد و علوِ ہمتی کے سبب قرب و کمال کی بلند و بالا منزلیں طے فرمائیں۔ حضرتِ اعلیٰؒ نے آپ کی تعلیم پر ہمیشہ کڑی نظر رکھی۔ حضر ہو یا سفر، کسی حالت میں بھی توجّہ خاص میں کمی نہ آنے دی۔ اِس کا کچھ اندازہ اُن خطوط سے لگتا ہے جو حضورؒ نے بابُوجی قبلہ کے نام وقتاً فوقتاً ارقام فرمائے۔ اُن میں سے کچھ خطوط کے اقتباس یہاں پیش کیے جاتے ہیں۔

آپ کی طرف حضرتِ اعلیٰؒ کے خطوط کے اِقتباسات

خط ۱ ۔ لَئِن شَکَرتُم لَاَزِیدَنَّکُم برخوردار غلام محی الدین حفظلہ اللہ و وفقلہ لما یحب اللہ ویرضیٰ دُعا و سلام۔ ایسے شفیق اور بے نظیر محقق عالم حفظہ اللہ کے زیرِ تعلیم ہونا اُس وہاب الخلاق کا کمال احسان ہے۔ ایسے اُستاد کے حسبِ ہدایت کاربند ہونا مُوجب حصولِ مُدعا ہے۔ ہر کام اور ہر حال اُسی لطیف قبل از لطیف کی طرف دھیان رکھو اور اُسی کے دست نگر رہو۔ دررحم اُمّہات اُس کی بے عوض عنایت نے کیا کچھ کم کیا ہے جو آئندہ نہ کرے گا۔ صرف اسی ایک نعمت کا شکریہ ادا نہیں ہو سکتا کہ باوجود اطلاع علی المعاصی عفو و رحم و ستاری سے معاملہ فرمارہا ہے۔ ایسے ستار رحیم سے بہرحال کامل اُمید کامیابی کی ہو سکتی ہے۔ مکرر لکھتا ہوں کہ بہر حال اُسی کے دروازہ پر گڑگڑانا اور اُسی سے محظوظ ہونا اصل الاصول ہے حصولِ سعادتِ دارین کے لیے۔ خالص بندہ کو حصولِ مطلب سے چنداں حظ نہیں ہوتا جس قدر کہ اُس کے آگے ہاتھ پھیلانے اور اظہارِ نیاز سے۔ اوّل لالچ ہے اور ثانی عبادت۔ عالم، فاضل متصف باوصافِ کاملہ ہمہ شدیم مگر بندۂ او نشدیم کہ در بندِ خویشیم[1] خواہ از عالمِ دُنیا یا از عالمِ عقبیٰ۔ بندہ از بندگانش فرمُودہ ؎

غبارِ خاطرِ عشاق مدعا طلبی است بخلوتے کہ منم یادِ دوست بے ادبی ست[2]

---

[1] ترجمہ۔ ہم عالم فاضل اور اوصافِ کاملہ سے متصف سب کچھ ہُوئے مگر اُس کے بندے نہ ہُوئے۔ کیونکہ اپنے آپ میں گرفتار ہیں۔ خواہ دُنیا کی وجہ سے یا عقبیٰ کی وجہ سے۔ اللہ تعالےٰ کے بندگانِ کامل میں سے ایک بندہ نے فرمایا ہے کہ مدعا طلب کرنا عاشقوں کے لیے دِل کا غبار ہے۔ جس خلوت میں اِس وقت مَیں ہُوں وہاں اللہ تعالےٰ کی یاد بھی بے ادبی کا حکم رکھتی ہے۔ (فیض)

[2] یہ شعر حضرت خواجہ کلیم اللہ جہان آبادی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جو آپ نے اپنے وصال سے تھوڑی دیر پہلے فرمایا تھا۔ (فیض)

خط ۲

اَے غلامِ غوث اعظمؒ فکر کُن! فکر کُن در خلقتت پس شُکر کُن

ترجمہ - اَے غلام محی الدین (غلام محی الدین) فکر کر اپنی پیدائش میں اور شُکر کر۔

جمع گشتہ در تو عالمِ خلق و امر جسم تو خلق است رُوحت ہست امر

(تیرے اندر عالمِ خلق و امر جمع ہیں ۔تیرا جسم عالمِ خلق سے ہے اور رُوح عالمِ امر سے)

ہست در تو جُملہ از عالمِ کبیر زیں جہت شُد نامِ تو عالمِ صغیر

(تجھ میں عالمِ کبیر کی نظیر ہے ۔ اس لیے تیرا نام ہی عالمِ صغیر ہے)

جدِّ تو کُل شُد ملائک جُزءِ او زیں سبب آمد خطابِ اسجدو

(تیرے جدِّ امجد کُل ہُوئے اور ملائک جزو ٹھہرے اِس وجہ سے فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حُکم آیا)

تیسرے بیت کی تشریح مُلاحظہ ہو۔ والسّلام[1]

خط ۳

برخوردار غلام محی الدّین حفظك اللہ مع اللحقۃ و وفقك لما یحب ویرضٰی

بعد دُعا و سلام آنکہ ...... تم کو چاہیئے کہ اُمورِ ذیل کے پابند رہو:۔

۱۔ شغلِ سبق میں بحفظِ اوقات ساعی رہو۔

۲۔ رات کا سونا حسبِ ہدایت مکان پر میری آرام گاہ میں مع رُفقا بالتزام ماوجب آرام کرنا۔

۳۔ ختم معہود کو بدستور قائم رکھو۔

۴۔ بعد فراغت ہر روز ضرور گھر میں جایا کرو۔

۵۔ نماز باجماعت کو اہم المہمات سمجھو۔

۶۔ سب طلبا کے ہر طرح خبر گیر رہو۔

خط ۴

برخوردار غلام محی الدّین حفظك اللہ عما یکرہ وعما تسوء

بعد دُعا و سلام ایں کہ ..... سب گھروں اور مہمانوں کی خبر گیری رکھنا جُمعہ و جماعت کا اِلتزام رہے۔اپنے اُستاد صاحب کا حسبِ ہدایت خیال رکھنا۔اُن کی ضروریات کو قبل از وقت مہیا رکھنا۔اُن کی صحت کا خیال چاہیئے نہ صرف اپنے سبق اور مطلب کا۔ایسا ہی جناب قاری صاحب کی خبر گیری رکھو۔یعنی کوئی وطنی ناتراشیدہ حسبِ عادتِ اہلِ وطن پیش آنے نہ پاوے۔ایسا حلیم نہ ہونا چاہیئے کہ ضروریات میں نقصان ہو اور نہ ایسا درشت کہ خلق اللہ بیزار ہو۔

خط ۵

برخوردار غلام محی الدّین وفقك اللہ لموجبات رضائہ ولقائہ

دُعا و سلام ۔ اما بعد۔یہاں پر بفضلہٖ سبحانہٗ من کل الوجوہ خیریت ہے ۔

---

[1] یہ تشریح باب ملفوظات و مکتوبات میں زیرِ عنوان "فصوص الحکم کا ایک سبق" مُلاحظہ فرمائیں۔

نے گویم کہ از عالم جدا باش   بہر جائے کہ باشی باخدا باش

الیوم نیز تاکیداً در بارہ شراب دوشینہ یعنی محافظت نسبت و سائر امورِ مسطورہ قلمی نمودہ مے آید۔ (آج بھی شراب دوشینہ یعنی نسبت مع اللہ کی حفاظت اور دیگر جملہ امورِ مسطورہ کے متعلق تاکید کی جاتی ہے) جہان میں سخن گو ایک ہی ہے۔ پارسی، ہندی، عربی سب ایک ہیں۔ اِس دارِ وجود میں کون بسنے والا ہے سوائے اُس حکیم و ودود کے اور کوئی نہیں۔ اُس کا جلوہ ہر شے میں نمایاں ہے اور اُس کا علم ہر شے پر محیط ہے۔

نو عمری سے توجّہ الی الحق

حضرت بابُوجی مدظلہٗ میں بچپن ہی سے رُشد و ہدایت کے آثار پائے جانے لگے تھے۔ آپ کے بچپن کا زمانہ دیکھنے والوں سے سُنا گیا ہے کہ آپ نو عمری ہی سے متوجہ الی الحق ہو گئے تھے۔ قیادت نظم و ضبط اور جذب کی جھلکیاں نمایاں ہونے لگی تھیں۔ ملک سُلطان محمود صاحب ٹوانہ سے نقل ہے کہ آپ نے صغر سنی میں ایک مُبارک خواب دیکھا جسے سُن کر حضرتِ اعلیٰ نے فرمایا تھا کہ ہم کو بھی اِس عُمر میں ایک ایسا ہی خواب آیا تھا لیکن غلام محی الدین کا خواب ہمارے اُس خواب سے کچھ فوقیت لیئے ہُوئے ہے۔

میری راہ اختیار کرنی ہے تو تین باتوں پر کاربند رہنا

ملک فضل قادر صاحب مرحوم راوی ہیں کہ ایک دن ضلع شاہ پُور کے دو معمّر بزرگ جو حضرتؒ کے پیر بھائی تھے حضرتؒ سے ملنے کے لیے تشریف لائے۔ دورانِ گفتگو اِن بزرگوں نے فرمایا "ماشاء اللہ آپ کا یہ سُنہری دور ہے۔ اپنے صاحبزادے صاحب کے حال پر خصوصی توجہ رکھیں"۔ حضرتِ اعلیٰؒ نے لفظ سُنہری سُن کر ازراہِ تواضع فرمایا کہ جس زمانہ کو سُنہری کہا جا سکتا ہے وُہ تو حضرت قبلہٗ عالم سیالوی رحمۃ اللہ علیہ (یعنی حضرتؒ کے مُرشد) ہی کا تھا۔ جسے آپ حضرات نے خُوب دیکھا ہے اب وُہ بات کہاں"۔ اِن حضرات نے جواب میں کہا کہ "جناب ہمیں تو آج وُہی رنگ یہاں بھی نظر آ رہا ہے"۔ اُس وقت حضورؒ نے اِس قدر ظاہر فرمایا کہ "غلام محی الدین ابھی چھوٹی عُمر میں تھا کہ ایک روز یہ میرے پیچھے پیچھے میرے قدموں کے نشانوں پر اپنے قدم رکھتا ہوا چلا آ رہا تھا۔ میں نے پیچھے مُڑ کر اس کی یہ کیفیت دیکھی تو اس سے کہا کہ اگر میری راہ پر چلنا ہے تو تین باتوں پر مستقل کاربند رہنا ہو گا۔

اوّل۔ ہر وقت باوُضو رہنا

دوم۔ اپنی خُودی کو مٹا کر مخلوقِ خُدا کی خدمت میں مشغول اور اَحَدٌ مِنَ النَّاس بن کر رہنا۔

(تیسری بات کا ذکر آپؒ نے اُس وقت نہیں کیا)

پھر فرمایا "آج تک تو یہ اِن باتوں پر کاربند چلا آ رہا ہے"۔ چُنانچہ آگے چل کر دُنیا نے دیکھ لیا کہ اِس سعادت مند بچے نے اپنے مقدّس باپ کے نصائح پر عمل پیرا ہو کر ایک امتیازی شان پیدا کی اور اپنے آبا و اجداد کا نُورانی عَلم بلند سے بلند تر رکھا۔ گولڑہ کا وُہ سُنہری دَور آج بھی خُدا کے فضل و کرم سے بدستُور سُنہری ہے۔

حضرت اعلیٰؒ کی نظر میں حضرت بابُوجی کا مقام

حضرت بابُوجی کے مقام کی نسبت یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ جن دنوں حضرتِ اعلیٰؒ پر استغراق کا غلبہ شروع ہوا تھا۔ اُس زمانہ

میں سر سکندر حیات مرحوم وزیر اعظم پنجاب نے حضرت بابوجی کی خدمت میں ایک خط کچھ اس مضمون کا لکھ کر بھیجا تھا کہ حضرتِ اعلیٰؒ کے اِستغراق کی وجہ سے آپ اَب باہر کا آنا جانا کم کر دیں اَور آستانہ شریف پر زیادہ قیام فرمایا کریں۔ آپ کو یہ بات کچھ ناگوار گزری۔ تاہم اِس کا اِظہار کیے بغیر آپ نے یہ خط حضرت اعلیٰؒ کے گوش گزار کر دیا۔ اِسے سُن کر حضورؒ نے فرمایا "جو لوگ تمہیں ایسی باتیں لکھتے ہیں وُہ تمہارے حال سے بے خبر ہیں۔" سچ ہے جوہر کی قدر جوہری ہی جانتا ہے، بے خبر کیا سمجھیں کہ اِن حضرات کے سفروں میں کیا رُموز مخفی ہوتے ہیں۔

صاحبزادگی کی قضا کا تدارک

ایک مرتبہ حضرتِ اعلیٰؒ نے فرمایا کہ ہمارے دِل میں خیال گذرا کہ برخوردار غلام محی الدّین کی بیعت اپنے پیرخانہ سیال شریف میں کرا دیں۔ لیکن اِس امر نے باز رکھا کہ صاحبزادگی بڑا نازک مقام ہے۔ مبادا یہ اِس بار کو نہ اُٹھا سکے۔ چنانچہ اپنے ہی پاس رکھنا بہتر خیال کیا۔

عموماً دیکھنے میں آیا ہے کہ بزرگوں کی اَولاد میں ایک طرح کا عُجب پیدا ہو جاتا ہے۔ اِس میں مُریدوں کی نیازمندی اَور آؤ بھگت کو بڑا دخل ہے۔ ہر مُرید شیخ کا قُرب حاصل کرنے کی خاطر شیخ کی اَولاد کی خِدمت کرنا اپنے لِیے باعثِ سعادت سمجھتا ہے۔ اِس عُجب کی وجہ سے اکثر صاحبزادگان کسبِ کمال سے محرُوم رہ جاتے ہیں لیکن اِس طبیبِ حاذق اَور فرض شناس والدؒ نے اپنے عزیز فرزند کے تربیتی نسخے میں اِبتدا ہی سے اِس متعدّی بیماری کا پرہیز شامل کر دیا تھا اَور تاکید فرمائی تھی کہ خُودی کو مٹائے رکھنا، مشغولِ خدمتِ خلق رہنا اَور اَحَدٌ مِّنَ النَّاس بن کر رہنا۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ حضرت بابوجی ایک طرف تو دُنیا کی بڑی سے بڑی شخصیت سے مرعُوب نہیں ہوتے۔ اَور دُوسری طرف ادنیٰ سے ادنیٰ حیثیت کے اِنسان پر بھی شفقت میں کوئی کمی نہیں آنے دیتے۔ اگرچہ اکلوتے بیٹے تھے، سب کی توجہ کا مرکز، ہر ایک خُوشنودی حاصل کرنے کا خواہاں۔ غرض بگاڑ کے سارے سامان موجُود، مگر اللہ رے استقامت کہ طبیعت ہمیشہ فقر ہی کی طرف مائل رہی۔ خُود تو کیا بگڑتے بفضلہٖ تعالیٰ اپنے دونوں صاحبزادوں رفیع اللہ قدرہما کو بھی صاحبزادگی کی خُو بُو سے محفُوظ رکھا۔ سچ ہے ترکِ دُنیا دِل سے ہوتی ہے نہ کہ کمی مال و اسباب سے۔

"بے خُونِ جگر چشیدن نتواں"

حضرتِ اعلیٰؒ نے اپنی طالب علمی کے زمانے میں بڑی مشقتیں جھیلی تھیں، سفر کی صعُوبتیں اُٹھائی تھیں۔ حضرتؒ کے ایثار کا یہ عالم تھا کہ جو رقومات ذاتی اخراجات کے لِیے گھر سے موصُول ہُوا کرتی تھیں وُہ بھی اپنے ہم سبق طلباء کی ضرورتوں پر صرف کر دیتے تھے اَور خود فاقہ کش رہتے تھے۔ ادھر حضرت بابوجی کی نظر جب اپنے تعلیمی ماحول پر گئی تو معاملہ بالکل برعکس پایا۔ گھر میں رہتے تھے۔ ہر طرح کا آرام موجُود۔ ہر قسم کی آسائش میسّر۔ چنانچہ اِس طالب علم بلکہ طالب مولیٰ نے مشقّت اَور جفاکشی کو التزاماً اپنا شعار بنایا۔ کم خوری کی عادت ڈالی۔ لذائذ اَور تن آسانیاں ترک کر دیں۔ اَور سفر کی صعُوبتیں اُٹھانا معمُول بنا لیا۔

اِیں شربتِ عاشقی ست خسروؔ　　بے خُونِ جگر چشیدن نتواں

دینی طُلباء کو عمُوماً جن سختیوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ ان سے ہم آہنگی پیدا کرنے کی ایک انوکھی ترکیب نکالی۔ جمعرات کی شام کو چند ہم جولیوں کو ساتھ لے کر کسی نواحی بستی میں چلے جاتے اَور وہیں کسی مسجد میں شب بسر کرتے۔ ہمراہی رُوکھے

سُوکھے ٹکڑے طلباء کی طرح گداگری کر کے جمع کرتے اَور مسجد میں لے آتے۔ آپ سب کے ہمراہ اُنہیں تناول فرما کر خُدائے ذُوالجلال کا شُکر ادا کرتے۔ رفتہ رفتہ لوگوں کو پتہ چل گیا کہ یہ رُوکھے سُوکھے ٹکڑے کس نُورِ عین کے لِیے جمع ہوتے ہیں۔ چُنانچہ ٹکڑوں کی بجائے پُرتکلّف کھانے آنے شروع ہو گئے۔ جب دیکھا کہ یہ بھید کُھل گیا تو شب باشی اَور بوریا نشینی کا یہ انداز ترک کرنا پڑا۔

فِکر و نظر کی بلندی

نظر و فِکر زمانۂ طفلی ہی سے بلند و اعلیٰ ہو گئے تھے۔ علمی بات ہو یا فنّی، کسی کام سے متعلّق ہو یا کھیل سے، آپ اِس کی گہرائیوں تک پہنچتے۔ اَور حضرت رُومی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح اِس بات کا وُہ نتیجہ نکالتے جو حقائق و معارف سے لبریز ہوتا۔ اَور جسے سُننے والے حیرت زدہ رہ جاتے۔ آپ کے فِکر و ذہن میں حضرت مولانا رُومؒ کا رنگ بہت غالب ہے جس کا برابر مظاہرہ ہوتا رہتا ہے۔ حضرت مولاناؒ کی ذاتِ گرامی سے آپ کو گہری نِسبت اَور عقیدت ہے۔ چُنانچہ اُن کے مزارِ اقدس کی زیارت کے لِیے قُونیہ شریف (ترکیہ) کے کئی سفر اختیار کر چکے ہیں۔

بچپن میں ریلوے اِنجن سے شغف

زمانۂ طفولیّت سے آپ کو ریلوے اِنجن سے خصُوصی شغف ہے۔ اُس زمانہ میں اِنجن ڈرائیور عمُوماً انگریز ہوا کرتے تھے۔ جو آپ کی خُوش اخلاقی اَور معصُومیت کی وجہ سے آپ سے بے حد مانُوس ہو گئے تھے۔ اِن ڈرائیوروں نے آپ کا شوق پُورا کرنے کے لِیے آپ کو اِنجن چلانا تک سکھا دیا تھا۔ یہ شوق اِس حد تک بڑھا کہ اکثر راتیں گولڑہ ریلوے اسٹیشن پر گذار دیتے۔ خالی اوقات میں گھر پر بھی اِس کھیل کی طرف مائل رہتے۔ یہاں تک کہ اپنی بیٹھک کی چھت پر ریلوے سگنل کی طرح کا ایک سگنل آویزاں کرا دیا۔ جب کوئی ریل گاڑی رات کے وقت گولڑہ اسٹیشن سے گذرتی تو آپ کے جاننے والے ڈرائیور اِنجن کی سیٹی بجا دیتے۔ جس کی آواز سُن کر آپ اپنی بیٹھک کا سگنل گِرا دیا کرتے۔ سیٹی کی آواز سے بھی آپ کا دردمند دِل متاثر ہوتا اَور رِقّت طاری ہو جاتی۔ اِسی کھیل کی وجہ سے شب بیداری کی عادت پڑ گئی تھی۔ اِس خصُوصی وابستگی کو دیکھتے ہُوئے بہت سے مخلصین نے نشست گاہ کی زینت کے لِیے اِنجنوں کی تصاویر اَور نقشے بنا بنا کر پیش کِیے۔ اَور جناب شاہ عبدالولی صاحب گوالیاری نے تو ایک ماڈل اِنجن، جس میں کوئلے کی بجائے مٹھائی اَور پانی کی بجائے شربت بھرا تھا، پیش کیا تو آپ بہت محظوظ ہُوئے۔ آپ کی اِس دِلچسپی کو دیکھ کر حضرتِ اعلیٰؒ نے آپ کو "بابُوجی" کا خطاب عطا فرمایا جو اِس قدر مقبُول و معرُوف ہوا کہ سب لوگ آپ کو "بابُوجی" ہی کہنے لگے۔ وضع داری اَور تعلّق کا یہ حال ہے کہ بچپن کا یہ خُوش نصیب دوست "اِنجن" آج تک نظرِ التفات کا مورد چلا آ رہا ہے۔ اَور اِس کی وجہ سے ریلوے کا سارا محکمہ ہی منظُورِ نظر ہے۔

ایک مرتبہ کسی بے تکلّف دوست نے آپ سے کہا کہ کیا کالے کلوٹے پر آپ کا دِل آیا ہے اَور کیسی بھونڈی شکل والی شے کو آپ نے محبُوب بنایا ہے۔ جواب میں حضرت بابُوجی نے فرمایا کہ "مجھے اِس کی چار ادائیں بہت پسند ہیں:-

ایک تو اِس کا حوصلہ کہ جتنی زیادہ آگ ڈالو اُتنا ہی زیادہ تیز چلتا ہے۔

دُوسرے اِس کی وفا کہ اِس کے ساتھ خواہ فرسٹ کلاس کا ڈبہ لگا دو یا مال گاڑی کا چھکڑا۔ جہاں خود جائے گا اپنے ساتھیوں کو بھی وہیں لے جائے گا۔

فوٹو انجن جو گوالیار میں حضرت باؤجی صاحب مدظلہ العالی کو پیش کیا گیا (صفحہ ۳۶۶)

حضرت باؤجی مدظلہ کی بیٹھک
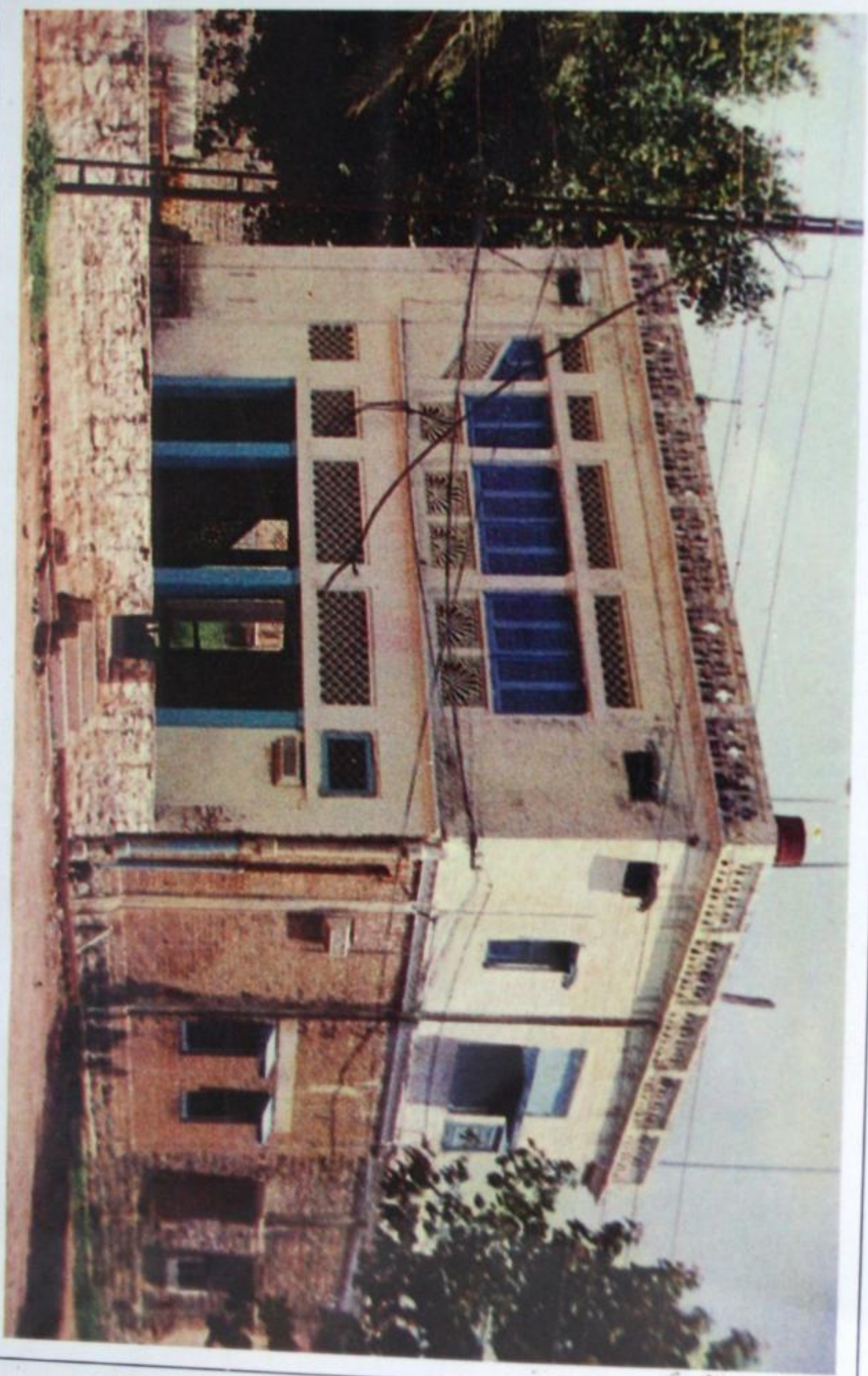
تیسرے ایثار کہ خود جلتا ہے مگر دُوسروں کو نفع پہنچاتا ہے یعنی منزلِ مقصود پر لے جاتا ہے۔ اور
چوتھے استقامت کہ اپنی متعینہ راہ (لائن) پر ہی چلتا ہے۔ بے راہ روی اختیار نہیں کرتا۔
غالب نے کہا ہے ؎

وفاداری بشرطِ اُستواری عینِ ایماں ہے
مرے بُت خانہ میں تو کعبہ میں گاڑو برہمن کو

مُرشدِ راہ کے لیے انجن کی چار خصُوصیات کا سبق

آپ کے یہ الفاظ کسی تشریح کے محتاج نہیں۔ ان میں جہاں ایک طرف بلند نگاہی کا مظاہرہ ہے تو دُوسری طرف مُرشد کی خصُوصیات کی وضاحت ہے۔ صاحبِ ارشاد کے لیے ضروری ہے کہ

۱۔ وُہ بلند حوصلہ ہو۔ مےِ عرفان کے خُم کے خُم پی جائے مگر اُس کا ظرفِ عالی چھلکنے نہ پائے۔
۲۔ باوفا ہو کہ اپنے جملہ صاحب نسبت مبایعین کو خواہ وُہ کیسے ہی ہوں، منزلِ مقصُود تک پہنچا دے۔
۳۔ صاحبِ ایثار ہو کہ دُوسروں کے نفع کے لیے خود ضرر تک اُٹھا لے۔
۴۔ اِستقامت (نصف کرامت) پر ایسا راسخ ہو کہ کسی حالت میں جادۂ حق نہ چھُوٹے۔

اِس وحید العصر شخصیت نے عملی طور پر ان تمام خصُوصیات کو بدرجۂ اتم اپنایا۔ الحمد للہ والمنۃ علیٰ ذالک ؎

ہر کسے را بہرِ کارے ساختند میلِ آں اندر دِلش انداختند

سرکس کا کرتب ایک اہم مسئلہ کے حل کا باعث ہُوا

قبلہ بابُوجی فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ اثنائے تدریس میں مسئلہ جبر و قدر اور کسب و اختیار پر حضرت قبلہ عالم قدس سرہٗ تقریر فرما رہے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ ممکن کا اِختیار کچھ معنی نہیں رکھتا۔ لے دے کے آخر وُہی جبر ہی معلوم ہوتا ہے۔ اس پر حضرتؒ نے اہلِ سُنّت والجماعت کے مسلک کے مُطابق تقریر فرمائی جس کا خلاصہ یہ تھا۔ کہ بندہ کو فی الجملہ اِختیار حاصل ہے۔ گو وُہ اختیار میں مجبُور ہے تاہم جبریہ کے خیال کے مُطابق حجر (پتھر) کی طرح نہیں اور اِسی موہُوم اِختیار پر مدارِ تکلیف ہے۔ پھر فرمایا کہ ایک دِن یہ مسئلہ خود ہی تمہاری سمجھ میں آجائے گا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ کافی مدّت کے بعد ایک دفعہ بعض احباب کے اصرار پر بمبئی میں ایک سرکس دیکھنے کا اِتفاق ہُوا۔ اس میں ایک شخص کو بہت بھاری بوجھ اُٹھاتے دکھایا گیا۔ جو عادۃً ممکن نہ تھا۔ تحقیق کرنے پر معلوم ہُوا کہ یہ محض اِس شخص کے کسب اور ریاضت کا نتیجہ ہے۔ اس وقت مجھے اچانک حضرتؒ کا مذکورہ بالا ارشاد یاد آگیا۔ اور میں نے یہ محسُوس کیا کہ واقعی اِنسان میں کسب و اختیار کی نعمت موجُود ہے اور اگر وُہ اس کو اِستعمال کرے تو بہت کچھ کر سکتا ہے۔ گو یہ سب مشیّتِ الٰہی کے ماتحت ہی ہے۔

سُبحان اللہ! حضرات اہل اللہ کی نظرِ بصیرت کا کیا عجیب عالم ہے، جو چیز لوگوں کے نزدیک ایک کھیل تماشہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اِن حضرات کی نگاہِ نکتہ رس اُس سے کیسے باریک نتائج اخذ کر لیتی ہے۔ سچ ہے۔ ع

فکرِ ہر کس بقدرِ ہمتِ اوست

اجازتِ بیعت و اِرشاد

قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ جب حضرت بابُوجی صاحب کی علمی و رُوحانی تکمیل سے ہر طرح سے مطمئن ہو گئے تو آپ کو اجازتِ بیعت عطا فرمائی۔ چُونکہ بابُوجی طبیعتاً منکسر المزاج واقع ہُوئے ہیں۔ اِس لیے اپنا سلسلۂ اِرشاد جاری فرمانے سے ایک عرصہ تک گریز کرتے رہے۔ مگر حق تعالیٰ نے تو آپ کو اِس منصب کے لیے ازل سے ہی چُن لیا تھا۔ آخر وُہ دِن آ ہی گیا جب یہ بارِ گراں آپ کو اُٹھانا پڑا۔

حضرتِ اعلیٰؒ جن ایّام میں علیل تھے قبلہ بابُوجی نے پاک پتن شریف جانے کا قصد فرمایا۔ حسبِ دستُور حضرتؒ کی خدمت میں رُخصت کے وقت سلام کے لیے حاضر ہُوئے تو آپ نے اِرشاد فرمایا۔ اگر کوئی اخلاص سے اصرار کرے تو بیعت لے لیا کرو۔ قبلہ بابُوجی نے اِس حُکم پر عرض کی کہ "اگر بیعت لینے کے لیے اہلیّت ضروری ہے تو بندہ میں اِس کا یکسر فقدان ہے۔ اور اگر اِس سے غرض روٹی کمانا ہے تو حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ اور آپ کی جُوتیوں کا صدقہ کسی کی محتاجی نہیں۔ وقت عِزّت و آبرُو سے گزر رہا ہے۔ نیز یہ بھی تو آپ ہی کا اِرشاد ہے کہ "بیعت لینے کا اِستحقاق اس شخص کو حاصِل ہے جس کی نظر اعیانِ ثابتہ تک ہو" اور میں تو ظاہری نظر کے لیے بھی عینک کا محتاج ہُوں"۔ حضرتِ اعلیٰؒ نے فرمایا۔ دُوسرے لوگ کون سے ولیوں کی اَولاد ہیں۔ قبلہ بابُوجی نے عرض کیا۔ "جناب دُوسروں کی نِسبت کُچھ عرض نہیں کر سکتا۔ صرف اپنا حال عرض کر رہا ہُوں"۔ کُچھ خاموشی کے بعد حضرتؒ نے تیسری مرتبہ پھر اپنا حُکم دُہرایا تو بابُوجی نے عرض کی کہ "تعمیلِ حُکم کے لیے تیّار ہُوں۔ لیکن ایک شرط ہے۔ وُہ یہ کہ آپ وعدہ فرمائیں کہ جسے مَیں بیعت کرُوں گا اُس کے ذِمّہ دار آپ ہوں گے"۔ غالباً یہ شرط آپ نے اِس وجہ سے لگائی کہ نہ حضرتؒ ایسا وعدہ فرمائیں گے اور نہ انہیں بیعت کا بار اُٹھانا پڑے گا۔

جواب میں حضرتؒ نے فرمایا۔ "ذِمّہ داری جن کی ہے وُہی ذمہ دار ہیں۔ میں بیچارہ کون ہُوں ذِمّہ داری اُٹھانے والا"۔ اِس پر بابُوجی کو یہ عرض کرنے کا موقع مِل گیا کہ "اگر جناب بھی بے چارہ ہیں تو پھر میری بے چارگی کا کیا کہنا۔ مجھ میں یہ بارِ گراں اُٹھانے کی تاب کہاں"۔ بالآخر کُچھ سکُوت کے بعد حضرتؒ نے فرمایا۔ "اچھّا جو شخص تمہارے ہاتھ پر بیعت کرے گا اُس کا مَیں ذِمّہ دار ہُوں"۔

ذِمّہ داری کی کیفیّت کا ظہُور

اِس ذِمّہ داری کی کیفیّت بھی وقتاً فوقتاً علانیہ ظہُور میں آئی ہے۔ ایک شخص محمد دین نامی لنگر کی زمین میں ہل چلانے پر مامُور تھا۔ سادہ لَوح مگر بہت با اَدب اِنسان تھا۔ اس کے اَدب کا اندازہ اِس ایک واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک مرتبہ قبلہ بابُوجی باہر سفر پر تشریف لے گئے۔ دیوان غلام رسُول صاحب نے محمد دین سے کہا کہ بابُوجی کی خالی بیٹھک میں رات کو سو رہا کرو۔ لیکن وُہ بے اَدبی کے خیال سے بیٹھک میں نہ سوتا اور باوضو رہ کر تمام رات جاگ کر گزار دیتا تھا۔ جب سفر سے واپسی پر حضرت بابُوجی کو یہ علم ہوا تو اظہارِ ناراضگی فرمایا کہ اِس غریب کو کیوں مُفت میں مُصیبت میں ڈالا۔ کِسی اَور کو سُلا دِیا ہوتا۔ اِلقصّہ ایک دن حضرتِ اعلیٰؒ کے وصال کے کُچھ عرصہ بعد یہ شخص قبلہ بابُوجی صاحب کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ اَور یہ پیغام پہنچایا کہ حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ نے فرمایا ہے۔ "غلام محی الدّین سے کہو وُہ دِل گرفتہ نہ رہا کرے اَور کُھلے دِل سے بیعت لے لیا کرے"۔ اُس وقت حضرت بابُوجی نے یہ حقیقت ظاہر فرمائی کہ "میں نے حضرتؒ کے اِرشاد کی تعمیل میں بیعت تو لینا شروع کر دی تھی لیکن ہر وقت دِل گرفتہ رہتا تھا اَور رہ رہ کر خیال آیا کرتا کہ حضرتؒ نے ذمہ داری تو اُٹھائی ہے اَور سِلسلۂ طریقت کے اکابرین کی ذیل میں مجھ نااہل کا نام بھی آ گیا ہے لیکن اپنے

گناہوں کی وجہ سے یہاں اور وہاں بجز شرمساری کیا حاصل ہوگا۔ یہ ایسی بات تھی جسے کبھی زبان پر نہ لا سکا۔ اور دل ہی دل میں کڑھتا رہا۔ اس شخص کے پیغام سے حیرانی تو ہوئی ہے مگر ساتھ ساتھ اطمینان بھی ہوا ہے کہ بات سچی ہی کہہ رہا ہوگا۔ کوئی دوسرا شخص اس راز سے آگاہ نہ تھا۔ اس لیے نہ تو یہ ممکن تھا کہ اس نے اپنے پاس سے یہ بات بنائی ہوگی اور نہ یہ کہ کسی نے اسے سکھا دی ہوگی ؎

رِشتہ را بس نہ دہد ہر کہ بگیرد گوہر　　　مے پذیرند بداں را بطفیلِ نیکاں

حضرت مدنی صاحب کی بیعت

اسی قسم کا ایک واقعہ خود میرے تجربہ اور علم میں آیا ہے۔ میں نے اپنے مدینہ منورہ کے قیام میں حضرت سید احمد العطاس المعروف بہ مدنی صاحب سے استفسار کیا کہ جناب کے تعلقات قبلہ بابوجی صاحب سے کس طرح استوار ہوئے۔ جناب مدنی صاحب نے اس کی تفصیل یوں بتائی کہ "میں ایک مرتبہ گولڑہ شریف میں حاضر ہوا۔ میری دلی تمنا تھی کہ حضرت قبلۂ عالم سید مہر علی شاہ قدس سرہ العزیز سے شرفِ بیعت حاصل ہو لیکن حضرتؒ کا وصال ہو چکا تھا۔ ایک دن میں صبح کی نماز کے بعد کمرہ بند کیے ہوئے اپنے خاندانی اوراد پڑھنے میں مشغول تھا۔ حضرتِ اعلیٰؒ کی زیارت سے محرومی کے باعث بڑا قلق تھا اور آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ اچانک حضرتِ اعلیٰ بنفسِ نفیس وہاں تشریف لے آئے۔ مجھے تسلی و دلاسہ دیا اور ارشاد فرمایا "میں اور غلام محی الدین دو نہیں ہیں"۔ اس سے میری تشفی ہو گئی اور کچھ عرصہ بعد بغداد شریف کے قیام کے دوران حضرت بابوجی صاحب سے بیعت کا شرف حاصل ہوا"۔

کیفیتِ ذمہ داری کا ایک اور واقعہ

حضرت بابوجی کے مبایعین کی حفاظت اور ذمہ داری کا جو وعدہ حضرتؒ کی طرف سے فرمایا گیا تھا اُس کے ظہور کا ایک اور واقعہ آپ کے ایک مخلص ملک محمد خدابخش ٹوانہ کی زبانی رسالہ "سلطان العارفین" گکھڑ بابت مئی ۱۹۵۸ء میں "ضرورتِ شیخ" کے عنوان سے شائع ہوا تھا جس کا اقتباس یہاں دیا جاتا ہے۔

۱۵ مئی ۱۹۵۶ء کا واقعہ ہے۔ میں گولڑہ شریف میں حاضر تھا۔ حضرت ثانی صاحب مدظلہ العالی صبح کے اوراد پڑھ رہے تھے اور لوگ آکر سلام بھی کر رہے تھے۔ ایک نوجوان پٹھان کھڑکی کے سامنے آیا اور خاموش کھڑا ہو گیا۔ دریافتِ حال پر معلوم ہوا کہ حاضرین سے شرما رہا تھا۔ بالآخر کہنے لگا کہ میں مؤکل حاصل کرنے کے لیے عرصہ سے وظیفہ پڑھ رہا ہوں اور بار بار ناکام رہتا ہوں۔ وظیفہ بتانے والا کہتا ہے کہ "جب کلام کی تاثیر کا وقت آتا ہے تو ہر مرتبہ غیب سے ایک ہاتھ تمہارے ہاتھ پر آکر اس اثر کو ضائع کر دیتا ہے"۔ پھر میں جلال آباد (افغانستان) میں ایک بڑے عامل کے پاس گیا۔ جس نے اپنے سامنے مجھ سے چلّہ کروایا اور کہا "یہ وہ ہاتھ ہے جس پر تم نے بیعت کی ہے۔ پیر کی اجازت کے بغیر یہ عمل کامیاب نہیں ہوگا"۔ لہٰذا میں اجازت لینے آیا ہوں۔

حضرت بابوجی نے پوچھا "کیا تم نے میرے ہاتھ پر بیعت کی تھی؟" اُس نے اثبات میں جواب دیا۔ آپ نے حالات دریافت کیے تو معلوم ہوا کہ پشاور کا رہنے والا ہے۔ ایف۔ اے کے دوسرے سال میں تعلیم پا رہا ہے۔ اور اس عمل کے شوق میں کئی سال سے فیل ہو رہا ہے۔ بیوہ ماں اور ایک چھوٹا بھائی ہے۔ اور کچھ زرعی جائداد ہے۔ جس پر گزر اوقات ہے۔ آپ نے فرمایا۔ "یہ طریقہ

میرا اور میرے شیخ کا نہیں۔ عملیات میں عمر ضائع ہو جاتی ہے اور آخری وقت میں پشیمانی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ علم پڑھو اور ماں اور بھائی کی خدمت کرو۔" مگر اُس لڑکے نے اصرار کیا۔ بابوجی صاحب نے پوچھا۔ "کیا جو کچھ میں نے بتایا تھا اُسے پڑھا کرتے ہو؟" اُس نے کہا۔ "اکثر پڑھ لیتا ہوں۔ کبھی ناغہ بھی ہو جاتا ہے۔" آپ عوام کو بیعت کرتے وقت بالعموم یہی بتاتے ہیں کہ پانچ وقت کی نماز نہ چھوڑنا اور ہر نماز کے بعد دس دفعہ کلمہ شریف لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اور دس مرتبہ درود شریف اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ پڑھا کرنا۔

فرمایا۔ "تو اچھا اس وظیفہ کو چھوڑ دو۔" لڑکے نے خوش ہو کر کہا کہ عمل کے پورا ہونے پر پھر پڑھنا شروع کروں گا۔ آپ نے فرمایا۔ "تمہاری مرضی"۔ اس دوران میں ہم حاضرین میں سے بعض نے اس لڑکے کے حال پر افسوس کر کے اسے سمجھانا چاہا جس پر آپ نے فرمایا۔ "تم میں سے خود کتنے ہیں جنہیں میں اُن کے شوق کی چیز سے روکوں تو رُک جائیں گے۔"

باہر آنے پر میں نے اُس جوان سے کہا کہ اگر تم نے حضرتؒ کے بتائے ہوئے وظیفہ کو ترک کر دیا تو پھر کبھی نہیں پڑھ سکو گے۔ اس پر وہ کچھ ناراض ہو گیا۔ سہ پہر کے وقت میں نے مجلس میں اس واقعہ کا ذکر حضرت بابوجی سے کیا تو آپ نے جلال اور ملال کے ملے جلے لہجے میں فرمایا۔ "ہاں۔ پھر پڑھ لینا کوئی آسان چیز نہیں ہے۔"

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس شخص کے متعلق پیر کو بظاہر معلوم ہی نہیں کہ وہ اُس کا مرید ہے صرف بیعت کے سلسلہ میں شامل ہو جانے کے بعد وہ کون سا دستِ غیب ہے جو اُس کی حفاظت کر رہا ہے جو اُسے گمراہی یا شاید کفر اور شرک پر منتج ہونے والی ضلالت سے بچا رہا ہے؟ کیا یہ وہی ہاتھ تو نہیں جس کے متعلق مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

دستِ پیر از غائباں کوتاہ نیست دستِ اُو جز قبضۂ اللہ نیست

اور قرآن فرماتا ہے:۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ

ترجمہ:۔ بے شک جن لوگوں نے (یا رسول اللہ) آپ سے بیعت کی یقیناً اُنہوں نے اللہ تعالیٰ سے بیعت کی اللہ تعالیٰ کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں پر ہے۔

حضرت قبلہ بابوجی کی شادی

حضرت قبلہ بابوجی کی شادی خانہ آبادی ۱۹۱۰ء میں وقوع پذیر ہوئی۔ اِس مبارک تقریب میں ہر طبقہ کے لوگوں نے شرکت کی۔ عوام و خواص کے علاوہ صوفیائے کرام اور علمائے عظام بھی کثرت سے شریک ہوئے۔ حضرت سید محمد صاحب قبلہ دیوان پاکپتن شریف۔ حضرت صاحبزادہ خواجہ محمود صاحب تونسہ شریف۔ حضرت صاحبزادہ خواجہ ضیاء الدین صاحب سیال شریف۔ حضرت مولینا میاں شیر محمد صاحب شرقپور شریف۔ حضرت پیر جماعت علی شاہ صاحب اور حضرت جماعت علی شاہ صاحب ثانی علی پور شریف خصوصی مہمانوں میں تھے۔

خطبۂ نکاح نمازِ ظہر کے بعد حضرت قبلہ اچی صاحبؒ کے مزار شریف کے قریب پڑھا گیا۔ دُعا کے بعد مجلس سماع منعقد ہوئی اور ایسا عجیب سماں بندھا جو بہت کم دیکھنے میں آتا ہے۔ حضرت صاحبزادہ محمود صاحب کی خواہش پر گھڑ سواری کے کرتب دکھانے کا اہتمام بھی کیا گیا۔ کسی سوار نے نیزہ بازی کے ہنر دکھائے تو کسی نے گھوڑے کی پُشت پر کھڑے ہو کر اُسے دوڑایا۔ کسی

نے شمشیر زنی کے جوہر دکھائے۔ غرض سب حاضرین بہت محظوظ ہوئے۔ حضرتِ اعلیٰ بھی بنفسِ نفیس شریکِ اجتماع رہے۔ اس مُبارک موقعہ پر ایک حادثہ بھی پیش آیا۔ علاقہ پوٹھوار کے ایک سیّد صاحب جو ایک مرتبہ اپنے جوہر دکھا چکے تھے دوبارہ بغیر باری اور اجازت نیزہ بازی کے لیے تیار ہو گئے۔ دوڑ میں گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور گر کر بے ہوش ہو گیا۔ سیّد صاحب بھی دُور جا کر گرے۔ جب گھوڑے کے بچنے کی کوئی اُمّید نہ رہی تو صاحبزادہ محمود صاحب نے حضرتِ اعلیٰؒ سے فرمایا کہ اَب آپ ہی اِس گھوڑے کا کوئی علاج کریں۔ حضرت گھوڑے کے قریب تشریف لے گئے اور حکم فرمایا کہ گھوڑے پر ایک سفید چادر ڈال دو اور اِسے یُوں ہی پڑا رہنے دو۔ کچھ دیر کے بعد گھوڑے پر سے چادر اُتروائی گئی تو وُہ بھلا چنگا کھڑا ہو گیا۔ ع

برکریماں کارہا دُشوار نیست

سیّد موصُوف سے حضرتؒ نے بس اِتنا فرمایا کہ اپنی باری کے بغیر سبقت نہیں کرنی چاہیئے۔ حضرتِ اعلیٰؒ نے شادی کی تقریب میں کوئی کام خلافِ شرع عمل میں نہیں آنے دیا اور تقریب کے بخیر و خُوبی اختتام پر فرمایا کہ اولاد کی شادی کی خُوشی تو ہر شخص کو ہوتی ہے تاہم ہمیں اِس اَمر سے خُوشی ہُوئی ہے کہ اِس بہانے سے اِتنی ذی قدر شخصیتیں بہ یک وقت یہاں جمع ہو گئیں۔ احباب سے مُلاقات اور اُن کی میزبانی کا شرف حاصل ہوا۔ علاوہ ازیں بڑے پیر صاحب (حضرت اجی) رحمۃ اللہ کی یہ وصیت کہ "غلام محی الدین کی شادی بڑے اِہتمام سے کرنا" بھی پُوری ہو گئی۔

تواضع اور اِنکسار

جیسا کہ پہلے بھی تحریر کیا گیا حضرت بابُوجی کے مزاج پر تواضع اور اِنکسار کا بہت غلبہ ہے۔ اپنی تعریف و توصیف کسی رنگ میں بھی پسند نہیں فرماتے۔ اگر مجلس میں کوئی ایسا تذکرہ چھڑ جائے جس میں آپ کی مدح کا پہلو ہو تو آپ ایسے لطیف انداز میں گفتگو کا پہلو بدل دیتے ہیں کہ مخاطب کو اِحساس بھی نہیں ہوتا اور توصیف کا موضوع بھی نکل جاتا ہے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ لوگ تو جھُوٹی تعریف کو قابلِ فخر سمجھتے ہیں مگر ہمارے نزدیک سچی تعریف بھی ضرر سے خالی نہیں ہوتی۔ اِس سے عُجب پیدا ہوتا ہے اور نفس کے قوی ہونے کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔ اِس کے بالمقابل نفس کے خلاف بات سے طبیعت میں اِنکسار اور توجہ اِلی اللہ پیدا ہوتی ہے۔ ؎

تو مباش اصلاً کمال این است و بس رَو در و گم شو وصال این است و بس

ایک مرتبہ آپ بمبئی میں حکیم شمسُ الدین صاحب کے یہاں مقیم تھے۔ دورانِ گفتگو ایک ایسے شخص کا ذِکر آ گیا جو آپ کے خاندان سے حسد و عناد رکھتا تھا۔ اُس کی گستاخی اِس حد تک بڑھ گئی تھی کہ وُہ لوگوں میں کہتا پھرتا تھا کہ یہ سادات کا خاندان نہیں ہے۔ حکیم صاحب نے اس شخص کی مذمّت شروع کر دی۔ اِس پر قبلہ بابُوجی نے حکیم صاحب کو منع فرمایا اور ساتھ ہی کہا۔ "حکیم صاحب! کیا خبر ہے کہ ہم اُس علیم و خبیر ذات جلّ شانہٗ کے نزدیک اہلِ سیادت ہیں بھی یا نہیں؟" اِن کلمات کو سُن کر حکیم صاحب تڑپ اُٹھے۔ ملک سُلطان محمُود صاحب ٹوانہ کہتے تھے کہ ایک روز حکیم شمسُ الدین صاحب نے اِس واقعہ کا ذکر کر کے کہا کہ اگر میں نے حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ سے بیعت نہ کی ہوتی تو اُس روز آپ کے اِس عظیم صاحبزادے کے ہاتھ پر بیعت کر لیتا۔

اخلاقِ فاضلہ

اِن ہی حکیم صاحب کے یہاں قیام کے دوران ایک سفید ریش صاحب حضرت بابُوجی سے ملنے آئے اور دعوتِ طعام

کی پیش کش کی۔ کہا جاتا ہے کہ وُہ صاحب درحقیقت جولاہے تھے لیکن اپنے تئیں حضرتِ اعلیٰؒ کا بھائی ظاہر کرکے پیری مُریدی کا دھندا کیا کرتے تھے۔ حکیم صاحب اس شخص کے حال سے واقف تھے اس لیے اُس پر برس پڑے اور اُسے مکّار، کذّاب وغیرہ کہنا شروع کر دیا۔ حضرت بابوجی نے حکیم صاحب کو روکا اور فرمایا۔ "سفید داڑھی کا لحاظ کریں اور انہیں کچھ نہ کہیں"۔ بلکہ اپنے آبائی حِلم سے کام لیتے ہُوئے اُس کی دعوت بھی قبول فرمائی۔ اُس دعوت میں کچھ عمائدینِ شہر بھی شامل تھے۔ دورانِ گفتگو اس شخص نے حضرتِ اعلیٰؒ کی توصیف میں کہا کہ حضرتؒ کی خدمت میں بہت لوگ حاضر ہوتے ہیں۔ حکیم صاحب مرحُوم بڑے تیز طبع تھے۔ بول اُٹھے لوگوں کا جمع ہونا بھی کوئی کمال کی دلیل ہے؟ بھیڑ تو وہاں بھی لگی رہتی ہے جسے بازارِ حُسن کہتے ہیں تو کیا یہ زنانِ بازاری ولی اللہ ہوتی ہیں؟ پھر حکیم صاحب نے حضرتؒ کے حسب ونسب، علم وفضل، زُہد وتقویٰ پر ایک بصیرت افروز تقریر کی اور شانِ ولایت کا ایسا مرقع کھینچا کہ حاضرین بے حد متاثر ہُوئے۔

جُود وسخا

جُود وسخا خاندانِ نبوّت کا فطری کمال ہے۔ ہر دَور میں اس خاندانِ عالی کے مقتدر افراد اِس وصف میں امتیازی شان کے مالک رہے ہیں۔ جس پر کوئی دلیل پیش کرنے کی حاجت نہیں۔ قبلہ بابُوجی مدظلّہ العالی اِس وصف میں بلا مبالغہ ایک خصُوصی شان رکھتے ہیں جس کی تفصیل حدِ بیان سے باہر ہے اور خود قبلہ بابُوجی کا مسلک بھی اِس کے ذکر سے مانع ہے۔ پوشیدہ طور پر، اندرُون اور بیرُونِ مُلک دینی مدّات، مدارسِ اسلامیہ اور غربا اور مستحقین کی فیاضانہ امداد فرماتے ہیں۔ اِس کے علاوہ آستانۂ عالیہ میں روزمرّہ زائرین کے قیام وطعام کا انتظام آپ کے جُود وسخا کی سب سے بڑی دلیل ہے جسے خواہش ہو مُلاحظہ کرلے۔ درحقیقت یہی داد ودہش اور خلقِ خُدا کی خدمت ہی ولایت کی رُوح ہے اور یہی سب سے بڑی کرامت ہے۔ حضرت سعدی شیرازی علیہ الرحمۃ کیا ہی خوب فرما گئے ہیں ؎

کرامت جواں مردی وناں دہی ست　　　　مقالاتِ بیہُودہ طبلِ تہی ست

دُوسری جنگِ عظیم کے خاتمہ کے قریب ۱۹۴۴ء میں جب برِصغیر ہند اور جنوب مشرقی ایشیا بلکہ حجازِ مقدس سے سمندر پار کے تمام ممالک کے مُسلمانوں پر حج بیت اللہ شریف کا راستہ دوبارہ کھُلا تو حضرت قبلہ بابُوجی نے عرب میں تشریف لے جا کر ایسی بے نظیر داد ودہش فی سبیل اللہ کا مظاہرہ فرمایا جس کی مثال شاید والیانِ مُلک کے لیے بھی پیش کرنا مشکل ہو۔ کئی برس تک حج بند رہنے کی وجہ سے عرب شریف کے غربا ومساکین، طلبا، اساتذہ مدارس، مشائخ اور خدّامِ حرمین بیرُونی ممالک کی اقتصادی اعانت سے محرُوم رہے تھے۔ مارکیٹ کا حال مندا ہونے کے باعث بڑے بڑے تاجروں کی حالت بھی ناگفتہ بہ تھی۔ حضرت نے جدّہ سے مکّہ معظمہ اور مدینہ منورہ تک کے اثنائے راہ کے قریوں اور آبادیوں سمیت ہر درجے اور صِنف کے مستحقین کی امداد کی اور اُن کی ضرُوریات کی کفالت فرمائی۔ کثیر تعداد میں پہننے کے کپڑے سلوا کر بغرضِ تقسیم ہمراہ لے گئے تھے۔ مدینہ منورہ میں جب تیار شدہ فہرستوں کے مُطابق علما، مشائخ، اساتذہ اور خُدّامِ حرم میں زرِ اعانت تقسیم ہو چکا تو اعلان فرما کر فقراء اور مساکین کو ایک بڑی حویلی میں جمع کرایا اور اُن میں خیرات تقسیم فرمائی۔ بعد ازاں جب پتہ چلا کہ مقامی پولیس (شرطہ) کو سال کے بیشتر حصّہ میں تنخواہیں نہیں ملیں۔ تو پولیس کے سپاہیوں کی بھی امداد فرمائی اور اُن کے افسروں کو اُن کے گھروں پر عطیات بھجوائے۔

شرفائے سادات کے ایک عُمر رسیدہ بزرگ مدینہ شریف کے ایک بیرُونی محلّے میں رہتے تھے۔ حضرت بابُوجی خود اُن کے

پاس تشریف لے گئے۔ وُہ کرایہ کے مکان میں رہائش رکھتے تھے اور کئی برس کا کرایہ اُن کے ذمّہ واجب الادا تھا۔ اِس کے علاوہ وُہ کافی مقروض بھی تھے۔ جب آپ اُن کی تمام حاجات پُوری فرما کر واپس لوٹنے لگے تو اُنہوں نے بتایا کہ چند روز پہلے میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اپنی مالی بے بسی کی حالت عرض کی تھی تو آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں فرمایا کہ تمہارا ایک دوست آنے والا ہے وُہ تمہاری مدد کرے گا۔

حویلی کے اندر فقراء اور غرباء میں تقسیم اعانت کے دَوران حضرت بابُوجی کے حکم سے روپوں اور ریالوں سے بھرے ہُوئے ٹوکروں کو کپڑوں سے ڈھانپ دیا گیا تھا۔ آپ نے ہدایت فرمائی کہ رُوپے کپڑے کے نیچے ہاتھ ڈال کر نکالے جائیں اور کپڑے کو ٹوکرے کے اُوپر سے نہ اُٹھایا جائے۔ آپ کے ایک مخلص رفیق میاں غلام قادر صاحب کا بیان ہے کہ تقسیم شروع ہونے سے تقریباً ایک گھنٹہ بعد، اِس خیال سے کہ رُوپے اب ختم ہونے کے قریب ہوں گے، میں نے ایک ٹوکرے پر سے کپڑا اُٹھا کر جھانکا تو دیکھا کہ ابھی ایک چوتھائی رُوپے بھی ختم نہیں ہُوئے تھے۔ سمجھ گیا کہ برکتِ خُداوندی کا کرشمہ ہے۔ چنانچہ فوراً کپڑا دوبارہ ٹوکرے کے مُنہ پر ڈال دیا۔ اُدھر ایک تقسیم کنندہ نے غلطی سے ایک ٹوکرے پر سے کپڑا اُلٹ دیا تو دیکھا گیا کہ رُوپوں کی تہ تیزی سے اُترنے لگی اور تھوڑی دیر میں ٹوکرا خالی ہو گیا۔ اِس کے برعکس حویلی کے دُوسرے دروازہ پر جو ٹوکرا اِستعمال ہو رہا تھا اور جس پر سے کپڑا نہیں اُٹھایا گیا تھا اُس میں سے بہت دیر تک تقسیم جاری رہی اور وہاں کے تمام مستحقین کے لیے وُہی روپیہ کافی ثابت ہوا۔ اِس واقعہ کو سب نے حضُور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ شمار کیا۔

یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت بابُوجی کی واپسی کے موقعہ پر حضرت مدنی صاحب نے خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت بابُوجی کی اِس جُود وسخا پر اظہارِ خُوشنودی فرماتے دیکھا۔

حضرت مدنی صاحب کا مکتوب

حضرت قبلہ سیّد احمد العطاس صاحب مدنی دامت برکاتہ کے افادات بعنوان "مبشراتِ مدنی" سے حضرت بابُوجی صاحب مدظلہ العالی کے سفرِ حج (۱۳۶۳ھ) اور وہاں کے صدقات وخیرات کے متعلق ایک بیان ملاحظہ ہو:-

ففی سنة ۱۳۶۳ھ علی ما اذکروا امل بان ذاکرتی ما نسیت شیئًا وقد مضت علی ذالك سنون عدیدة۔ کان قاصد الحج والزیارة سیدی ومرشدی سید غلام محی الدین وکان قریبا ویصل الی جدة ومن یرفقه من الاخوان رائیت فی المنام حضرت سیدی الرسول الاعظم صلی اللہ علیہ وسلم وانا واقف بالقرب منه وھو یقول لی اذھب الی ابنی فقابله وبلغه السلام۔

(ترجمہ) اور ۱۳۶۳ھ میں جیسا کہ مجھے یاد ہے اور اُمید ہے کہ باوجود بہت سال گذرنے کے میرا حافظہ کسی چیز کو نہیں بھُولا۔ میرے سردار اور مُرشد سیّد غلام محی الدین حج اور زیارت کے ارادہ سے تشریف لا رہے تھے۔ اور آپ ہمراہیوں سمیت جدّہ کے قریب پہنچ چکے تھے۔ کہ مجھے خواب میں حضُور رسُولِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہُوئی اور میں آپ کے قریب کھڑا تھا۔ آپ نے فرمایا جا میرے فرزند کا اِستقبال کر اور اُسے میرا سلام پہنچا۔

وللمرة الثانیه رایته صلی اللہ علیہ وسلم ینادینی باسمی ویقول لی بلغ سلامی لابنی

اور دُوسری بار میں نے حضُور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ مجھے میرے نام سے پکار کر فرماتے ہیں کہ میرے فرزند غلام محی الدین اور

غلام محی الدین والجماعة واخبرہ بانی راض عنه وھو من المقبولین۔

(الامر بالقضاء من المحارب)

وفی تلك السنة لما جاء سیدی سید غلام محی الدین الی المدینة المنورة ووزع وقسم الکثیر من الخیرات والصدقات والزکاة کان فی ذالك الوقت تصل من کثیر من الناس اوراق مکتوبة یطلبون فیها ویذکرون حاجاتهم وکنت کل یوم اجمع مایجیٔ من ھذہ الاوراق فی جیبی حتی یجیٔ الوقت لاسلمها واقرءھا لسیدی غلام محی الدین وکان فی ذالك الیوم من جملة الاوراق ورقة جاءت من محارب السجن والمتهم بتهمة القتل وضعتها فی جیبی من جملة الاوراق وقد جلست علی دکة داخل البیت وکنتُ تعباً کثیراً جداً فنمت وانا جالسٌ علی الدکة رائیتُ حضرت رسول الله صلی الله علیه وسلم وھو یقول لی این الاوراق۔ ففتشتُ فی جیبی واخرجتُ ورقة فاذا ھو التی جاءت من محارب فقال لی صلی الله علیه وسلم قل لغلام محی الدین یقضی عن ھذا۔

وامتثالاً لامرہ صلی الله علیه وسلم قد اجری کل مالزم من جهة الحکومة وذوی الامر واطلق سراح محارب وبالضمن کل من ھو فی السجن وقضی عنه وعن الجمیع واطلق سراحهم من السجن جمیعا وقد علم بالیقین بان محارب متهم ظلماً کان فرحاً عظیماً لکل الوجوہ فی المدینة المنورة لذالك الامر۔

اُس کی ہمراہی جماعت کو میرا سلام پہنچا اور اُس کو خبر دے کہ میں اُس سے راضی ہُوں اور وُہ مقبولوں میں سے ہے۔

(ایک قیدی کے قرضہ اُتارنے کا حکم)

اور اسی سال جب سیّدی سیّد غلام محی الدین مدینہ منوّرہ میں تشریف لائے اور بہت خیرات وصدقات اور مالِ زکوٰۃ تقسیم فرمائے تو بہت لوگوں کی طرف سے خطوط آتے تھے جن میں وُہ اپنی حاجات کا تذکرہ کرتے تھے اور اِمداد مانگتے تھے اور میں روزانہ وُہ خطوط جمع کر کے جیب میں رکھتا تاکہ وقت آنے پر آپ کے پیش کروں اور آپ کے سامنے پڑھوں۔ انہیں دنوں میں ایک قیدی کی طرف سے خط آیا جو بوجہ تہمتِ قتل جیل میں بند تھا۔ میں نے وُہ رُقعہ دُوسرے رقعوں کے ساتھ جیب میں رکھ لیا اور گھر کے اندر تخت پوش پر بیٹھ گیا اور بہت تھکا ہُوا تھا۔ بیٹھتے ہی نیند آ گئی۔ دیکھتا ہُوں کہ حضور رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اِرشاد فرماتے ہیں کہ وُہ رُقعے کہاں ہیں؟ مَیں نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک رُقعہ نکالا اور دیکھا تو وُہی قیدی والا رقعہ تھا۔ پس حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ غلام محی الدّین سے کہو کہ اس کی طرف سے ضمانت ادا کر دے۔

چنانچہ سیّدی غلام محی الدّین نے اُس کی طرف سے وُہ تمام چیز ادا کر دی جو حکومت اور حکّام کی طرف سے اُس پر واجب تھی اور قیدی کو چھڑا دیا۔ اس کے علاوہ تمام قیدی جو اُس کے ساتھ تھے اُن کی طرف سے بھی بطور ضمانت سب کچھ ادا کر دیا اور اُن کو بھی جیل سے رہائی دلائی۔

حالانکہ یہ یقیناً معلوم تھا کہ وُہ قیدی ظُلم کے ساتھ متہم ہے اور مدینہ منورہ میں اِس اَمر پر بڑی خوشی کا اظہار کیا گیا۔ حتّٰی کہ بہت لوگوں کے وجُوہ اِس امر کو دیکھ کر خیرہ ہو گئے

اخفائے حال

جیساکہ پہلے عرض کیا گیا کہ حضرت قبلہ بابوجی اظہارِ کمال سے انتہائی اجتناب فرماتے ہیں۔ یہاں تک کہ کنایۃً بھی کوئی ایسی بات زبان پر نہیں لاتے جس سے اِن کے بے اندازہ ظاہری اور باطنی علوم کا پتہ چل سکے۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ فقیر وُہ ہے جو عرفان کے سمندر پی جائے مگر ظرف کا یہ عالم ہو کہ سب کچھ جذب کرے۔ سچ ہے دریائے عمیق کی خاموشی پائی کو دعوے سے کیا غرض ؎

گرداب وار یار تیرے صدقے جائیے　　　دریا کا پھیر پائیے تیرا نہ پائیے

حضرت نُورِ جہانیاں صاحب سجادہ نشین مہار شریف نے ایک مرتبہ فرمایا کہ "صاحبزادہ صاحب گولڑوی کی ذات میں دیگر کمالات کے علاوہ جو نیاز اور نفی دعویٰ ہے وُہ کہیں اور نہیں پائی جاتی"۔

جناب راز رام پُوری اپنے رشحاتِ قلم میں ذکر کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت بابُوجی رام پُور تشریف لائے تو آپ کی مجالس میں وہاں کے ایک بڑے عالم بھی شریک ہُوئے تھے۔ جب حضرت واپس تشریف لے گئے تو اُن مولوی صاحب نے مجھے فرمایا کہ ہم نے تمہارے شیخ کو ہر رنگ میں کامل پایا۔ پہلے تو ہم اِن کے کمالِ درویشی سے متاثر ہوئے۔ اِس کے بعد چونکہ آپ نے اُس سے اُس وقت تک کسی علمی موضوع پر گفتگو نہیں فرمائی تھی اِس لیے دِل میں یہ خطرہ گزرا کہ معلوم نہیں انہیں علمِ ظاہری میں بھی دسترس ہے یا نہیں۔ اُس وقت نمازِ مغرب ادا ہو چکی تھی۔ ہمارے دِل میں اس خطرہ کے آتے ہی حضرت نے نماز کا ذِکر درمیان میں لاکر عشا کی نماز کے وقت کے موضوع پر فقہا کے اختلاف کے متعلق ایک سیر حاصل تبصرہ فرما دیا جس سے ثابت ہوگیا کہ آپ علومِ ظاہری سے بھی پُوری طرح آگاہ ہیں۔

اِسی تواضع اور انکسار کا نتیجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنجناب کو اپنے زمانہ میں وُہ رفعت بخشی ہے جس کی نظیر بہت کم دیکھنے میں آتی ہے۔ حدیثِ صحیحہ میں وارد ہے کہ مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَہُ اللّٰہُ (جو شخص خالص خُدا کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے رفعت عطا فرماتا ہے) اپنی زبان فیض ترجمان سے اظہارِ کمال کا تو حضرتؒ کے یہاں سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن جب کبھی کِسی عقیدت مند نے بھی آپ کی کرامت اور کمال کے متعلق بنا بر مشاہدہ اظہارِ خیال کرنا چاہا تو آپ نے اِس شدّت سے منع فرمایا کہ سُننے والوں کو عبرت ہوتی۔

محبّت فی اللہ

احادیثِ مُبارکہ میں محبت فی اللہ کو افضل الاعمال قرار دیا گیا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ مومن کے لیے سب سے بڑا سرمایہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسُولِ مقبول صلّی اللہ علیہ وسلّم کی محبّت ہے۔ پھر جس چیز کو اللہ اور اُس کے رسُول صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ جس قدر زیادہ نسبت ہوگی محبّت فی اللہ کا مقتضایہ ہے کہ انسان بھی اُس چیز کے ساتھ اتنی ہی زیادہ محبّت رکھے۔ اس انتساب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے اہل بیت اور صحابہ کرامؓ سب سے پیش پیش ہیں۔ اُن کے بعد اولیائے عظامؒ کا درجہ ہے۔ حضرت قبلہ بابُوجی مدظلہ العالی کی ذات گرامی خُدائے تعالیٰ اور اُس کے محبُوب بندوں کی محبت کا پیکر ہے تقریباً بیس دفعہ حج بیت اللہ شریف اور سرکارِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بارگاہ میں حاضری کا شرف حاصل فرما چکے ہیں۔ علاوہ ازیں نجفِ

اشرف، کربلائے معلیٰ، کاظمین شریفین، بغداد شریف، قونیہ شریف (ترکیہ) مزار شریف و ہرات (افغانستان) مصر، شام، بیت المقدس وغیرہ اور دُوسرے اسلامی ممالک میں مختلف مقبولانِ خدا کے مشاہد مبارکہ کی زیارت کے لیے متعدد بار سفر فرما چکے ہیں خصُوصاً حضرت مولینا رُوم علیہ الرحمۃ اور سرکارِ بغداد قدس سرّہٗ کی ذواتِ مُبارکہ سے تو آپ کو انتہائی والہانہ عقیدت ہے تقسیمِ ہند سے پہلے تقریباً ہر سال اجمیر شریف اور ہندوستان کے دیگر مزاراتِ مقدسہ کی زیارت کے لیے تشریف لے جاتے تھے۔ اور اس کے بعد بھی اجمیر شریف کی چند مرتبہ حاضری دی۔ توحیدِ وجُودی کا ذوق ایسا غالب ہے کہ تمام خلقِ خُدا پر شفقت و رحمت عادتِ شریفہ بن چکی ہے۔ ہر فرقہ و ملت کے لوگ، حتیٰ کہ ہندو، سکھ، عیسائی وغیرہ غیر مُسلم بھی آنجناب سے عقیدت رکھتے ہیں تقسیمِ مُلک سے پہلے لاہور میں مقیم ایک ہندو مسمّیٰ ددوار کا سنگھ نے ایک دفعہ عرض کیا کہ مجھے اور کسی چیز کی ضرورت نہیں فقط میرا تعلق خُدا سے ہو جائے۔ اُس کے اِس جذبہ سے آپ اِس درجہ متاثر ہوئے کہ جب بھی وُہ سماع وغیرہ کی مجلس کے انعقاد کی درخواست کرتا آنجناب عدیم الفرصتی کے باوجُود اُس کی قیام گاہ پر تشریف لے جاتے تھے اور توحید کے موضوع پر مجالسِ سماع منعقد ہوتی تھیں تقسیم کے بعد بھی آپ نے ایک مرتبہ امرتسر اور دہلی میں ہندوؤں اور سکھوں کے مجمع میں مجالس سماع منعقد کرائیں رفقائے سفر سے معلوم ہوا کہ ان مجالس کی کیفیت بیان سے باہر ہے۔ ایک مجلس میں آپ کے قوال محبوب علی صاحب نے توحید کے متعلق مضمون بیان کرتے ہوئے یہ مصرعہ پڑھا۔ ع

تمہارے بڑے پن میں شک ہے کسے

اور ساتھ ہی اللہ اکبر کہا۔ بس پھر کیا تھا۔ تمام مجمع میں اللہ اکبر، اللہ اکبر کی صدا گُونج اُٹھی۔ اُس میں شریک سب ہندو اور سکھ بے ساختہ ہاتھ جوڑ جوڑ کر اللہ اکبر، اللہ اکبر کہنے لگے۔ دہلی کی مجلس سے پہلے کئی سرکاری اور غیر سرکاری افراد نے مشورہ دیا تھا کہ مجلس منعقد کرنا خطرہ سے خالی نہ ہوگا۔ تاہم آپ نے محض اِس خیال سے کہ پنجاب کے ان ہندو اور سکھ تارکینِ وطن سے وعدہ ہو چکا تھا۔ اور وُہ خدا کی تعریف سُننا چاہتے تھے۔ فرمایا کہ مجلس ضرور ہوگی۔

الغرض خلق اللہ ہونے کی حیثیت سے ہر شخص کے ساتھ حسبِ مراتب آپ کا تعلق ہے۔ خلقِ خُدا کی ایذا رسانی سے اتنی شدید نفرت ہے کہ اِس قسم کے واقعات کا سُننا بھی برداشت نہیں فرماتے۔ گویا مجسّم شفقت و رحمت ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کا سایۂ کرامت دیرپا فرمائے۔ آمین۔ ثم آمین۔

عفو و درگُذر

عفو حق تعالیٰ کی عظیم صفات میں سے ہے۔ اس صفت کا حقیقی نظارہ تو میدانِ حشر ہی میں حاصل ہوگا۔ تاہم عالمِ شہُود میں حضُور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ مُبارکہ اس صفت کی مظہرِ اتم بن کر آئی اور نہ صرف آپ کے اہلِ بیتِ اطہار کو اس کا وافر حصّہ ملا بلکہ آج تک آپ کی ذرّیتِ طیّبہ میں بھی اُسی شانِ عفو کا ظہور ہو رہا ہے۔

حضرت قبلہ باؤجی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ چند شیعہ حضرات حضرتِ اعلیٰؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یزید پر لعنت بھیجنے کے بارے میں آپ کی رائے دریافت کی۔ آپ نے جواب میں فرمایا کیا یہ زیادہ مُناسب نہیں ہے کہ یزید پر لعنت کر کے وقت ضائع کرنے کی بجائے آلِ نبی پر درُود شریف پڑھا جائے؟ اِس کے بعد قبلہ باؤجی نے فرمایا کہ نبوّت کا گھرانہ بھی کیسا عظیم گھرانہ ہے کہ اس میں لفظ "نہ" کا تو وجُود ہی نہیں۔ جُود و سخا اور رحم و کرم ہی ہے۔ پھر فرمایا ایک دفعہ حضرت امام زین العابدینؓ سے یزید نے

عرض کیا یا امام! اہل بیت کے خون سے ہاتھ رنگ کریں نے گناہِ عظیم کا ارتکاب کیا ہے۔ اب خدارا کوئی نجات کی سبیل بتائیں۔ امام صاحبؒ نے بلا تامّل فرمایا کہ مغرب کے بعد دو رکعت نماز نفل فلاں ترتیب سے پڑھ لیا کرو۔ حضرت امام زین العابدینؒ سے بڑھ کر واقعۂ شہادت کا رنج کسے ہوگا۔ وُہ نہ صرف شہیدِ کربلا حضرت امام حسینؓ کے فرزند جگر بند تھے بلکہ اِس سانحۂ عظیم کے وقت خود وہاں موجود بھی تھے۔ علاوہ ازیں بعد میں جو مظالم ڈھائے گئے انھوں نے وُہ بھی سب دیکھے اور سُنے تھے باں ہمہ یزید جیسے دُشمن کی بھی صحیح رہنمائی فرمائی۔ مگر ذاتِ خداوندی چُونکہ بے حد غیور ہے اس لیے اُس نے یزید کو یہ توفیق ہی نہ بخشی کہ امامؒ کی بتائی ہُوئی دو رکعت اپنی زندگی میں ادا کر سکتا۔ پھر بابُوجی نے فرمایا۔ میرا تو خیال یہ ہے کہ اگر قیامت کے روز ان بزرگوں سے دریافت کیا گیا کہ تمہارے دُشمنوں سے کیسا سلُوک کیا جائے تو لاریب وُہ اُن کے لیے رحم اور بخشش ہی کی اِستدعا کریں گے۔ آخر اُسی مقدس ہستیؐ کے گھرانے سے ہیں جس نے ہر ظُلم وستم سہنے کے بعد بھی زبانِ مُبارک سے صرف اِتنا فرمایا کہ اے بارِ الٰہا میری قوم کو ہدایت دے۔ یہ ناسمجھ ہیں۔

حضرت قبلہ بابُوجی نے بھی ہمیشہ اسی شانِ عفو وکرم کا مظاہرہ فرمایا ہے۔ کئی مرتبہ قاتلانہ حملے ہوتے رہے لیکن باوجود علم ہونے کے دُشمنوں سے تعرّض نہیں فرمایا۔ ایک مرتبہ آپ کے پلنگ کے نیچے چُھپا ہُوا دُشمن پکڑا گیا۔ مگر آپ نے اُسے چھڑوا دیا۔ حاسد دُشمنوں نے آپ کی کار کا راستہ روک کر گولیوں کی بُوچھاڑ کی۔ گولیوں کی اُس بارش کے وقت آپ کے فرمان پر محبُوب علی قوّال نے جو ہمراہ تھا مولٰینا جامی رحمۃُ اللہ علیہ کی یہ نعت پڑھنا شروع کر دی ؎

نسیما جانبِ بطحا گذر کُن زاحوالم محمّدؐ را خبر کُن

دوستوں نے آیندہ کے لیے حفاظتی تدابیر سے متعلق کچھ تجاویز پیش کیں مگر آپ نے یہ جواب دے کر ٹال دیا، کہ اللہ تعالیٰ خود حافظ وناصر ہیں۔ موت کا ایک دِن معیّن ہے۔ اُس سے پہلے نہیں آئے گی۔ اور جب وقت آ گیا تو جو بہانہ یا مقام مقرر ہوگا اُسے کوئی تدبیر نہیں ٹال سکے گی۔

وفا اور آشنا پروری

وفا اور آشنا پروری حضرت بابُوجی مدظلہٗ کا امتیازی خاصہ ہے۔ ان کے یہاں قطعِ تعلّق پر بے مہری نہیں ہے۔ موجُودہ دَور میں ان کا یہ وصف اِس شعر کا صحیح مصداق ہے ؎

تُو جنسِ محبّت ہے، قیمت ہے گراں تیری
کم مایہ ہیں سوداگر، اِس دیس میں ارزاں ہو

کوئی لاکھ تعلّق توڑے یہ ہمیشہ اُسے جوڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اخلاص کی قدر یُوں تو کم وبیش سب کو ہوتی ہے، لیکن حضرت بابُوجی کے یہاں صاف گوئی، خواہ تلخ ہی کیوں نہ ہو اور صاف فطرت، خواہ مخالف ہی میں ہو، بے حد پسندیدہ ہے۔ چُنانچہ حکیم شمسُ الدین صاحب مرحُوم کی مذکورہ بالا خصُوصیات ہی کی وجہ سے آپ کو اُن سے بہت اُنس تھا۔

ایک مرتبہ انہی حکیم صاحب نے حضرتِ اعلیٰؒ کو خط لکھا کہ باوجُود آپ سے بیعت کے میری فلاں عورت سے محبّت میں کمی نہیں آئی۔ ایسی بیعت سے بھلا کیا فائدہ، میں اپنی بیعت فسخ کرتا ہُوں۔ ساتھ ہی قبلہ بابُوجی کو خط لکھا کہ مَیں آپ کے والد سے قطعِ تعلّق کر رہا ہُوں۔ لہٰذا آپ بھی مجھ سے تعلّق منقطع کر لیں۔ حکیم صاحب حضرتِ اعلیٰؒ سے بیعت کے علاوہ آپ کے اُستاد بھائی بھی

تھے یعنی حضرتِ اعلیٰؒ کے اُستاد مولینا لُطف اللہ صاحب علی گڑھی کے شاگرد تھے۔ لہٰذا قبلۂ عالم قدس سرہٗ نے جواب میں لکھا کہ تم شوق سے قطع تعلق کر لو مگر ہماری طرف سے آشنائی اور خیر خواہی میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔ اُدھر بابُوجی صاحب نے حکیم صاحب کے خط کا جواب یہ دیا کہ جب آپ نے حضرتؒ سے تعلق پیدا کیا تھا تو اُس وقت میں نے وکالت نہیں کی تھی۔ اب اس تعلق کا توڑنا آپ کا اور حضرتؒ کا باہمی معاملہ ہے۔ یہ ہمارے تعلقات پر اثر انداز نہیں ہوگا۔

حضرت بابُوجی کے بچپن کے ہمجولیوں میں سے جب ایک ساتھی کا انتقال ہوا تو آپ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا دِل چاہتا ہے کہ جب میرا وقت آجائے تو اِس ساتھی کے پہلو میں قبر بنے۔ اُس دوست کے صاحبزادے پر بڑی عنایت اور شفقت کی نظر رکھتے ہیں۔

"ہم ہیں غلام اُن کے جو ہیں آشنا پرست"

ایک مرتبہ آپ کو اپنے ایک مخلص کے اچانک انتقال کی اطلاع ملی۔ صدمہ ہوا۔ جنازے میں شرکت کے لیے اُن کے یہاں تشریف لے گئے۔ متوفّی لاولد تھے۔ اور اُن کی اپنے اعزّا سے شکر رنجی رہتی تھی۔ جب قبلہ بابُوجی واپس تشریف لانے لگے تو مرحوم کے اُن اعزّا نے پانچ سو کے نوٹ بطور نذرانہ پیش کیے۔ مگر آپ نے اس رقم کو یہ فرما کر واپس کر دیا کہ مجھے زیب نہیں دیتا کہ میں اپنے آشنا کے مُخالفوں کا ہدیہ قبول کروں۔ بعد میں اُن لوگوں نے وُہ نوٹ پُرزے پُرزے کر کے بذریعہ رجسٹری آپ کی خدمت میں گولڑہ شریف کے پتے پر روانہ کر دیئے لیکن آپ نے اُنہیں نئے نوٹوں میں تبدیل کرا کر واپس فرما دیا ؎

ہندو ہیں بُت پرست مُسلماں خدا پرست ہم ہیں غُلام اُن کے جو ہیں آشنا پرست

قبلہ بابُوجی مدظلّہ العالی کی حیاتِ مُبارکہ کے تفصیلی حالات کے لیے تو ایک دفتر درکار ہے۔ یہاں تبرّکاً صرف چند ایک باتوں پر اکتفا کیا گیا ہے۔ حجازِ مقدس، عراق، شام، مصر، ترکی، ایران وغیرہ ممالکِ اسلامیہ کے متعدد سفر، تعمیرِ پاکستان کے سلسلہ میں مُسلم لیگ کی کامیابی کے لیے آنجناب کی مساعی، جہادِ کشمیر ۴۸ - ۱۹۴۷ء و ۱۹۶۵ء میں آپ کی ملّی خدمات، تحریکِ ختمِ نبوت میں جمہُور اہلِ اسلام کے ساتھ تعاون وغیرہ کے متعدد ایسے واقعات ہیں جن پر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے۔ سب سے بڑھ کر احیائے تصوّف و رُوحانیت میں جو قابلِ قدر خدمات آپ نے انجام دی ہیں وُہ ایسے نازک دورِ الحاد و مادہ پرستی میں آپ ہی کا خاصہ ہیں۔ اِسی اخلاص اور مساعیِ احیائے دین و تصوّف کی برکت ہے کہ جب محکمہ اوقاف نے ۱۹۶۲ء میں دربار گولڑہ شریف کو اپنے قبضہ میں لے لیا تو جناب بابُوجی مدظلّہ کی قانونی چارہ جوئی پر سیّد محمد محسن ترمذی سیشن جج راولپنڈی کے حکم سے بالآخر اسے واگذار کر دیا گیا۔ اس مقدمہ کا فیصلہ اُردو اور انگریزی میں شائع ہو چکا ہے جس میں خود حضرت قبلہ بابُوجی کا حقیقت افروز بیان قابلِ مطالعہ ہے۔

(جناب حاجی مصباح الدّین صاحب کا مقالہ ختم ہوا)

دینی و ملّی خدمات

خدمتِ دین و ملت کے اہم فریضہ کی جو مستحکم بُنیاد حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ نے رکھّی تھی اس کی تعمیر و ترقّی میں آپ کے

خلف الصدق قبلہ بابُوجی مدظلّہ العالی نے قابلِ قدر خدمات انجام دیں۔ چنانچہ آستانۂ عالیہ پر تمام علُوم دینیہ کی تحصیل کے لیے قائم شدہ جامعہ غوثیہ میں ساٹھ ستّر طلبا کے قیام وطعام اور تعلیمی ضروریات اور مدرّسین کی کفالت کا مکمّل انتظام ہے۔ تقریباً چھ ہزار مطبُوعہ اور قلمی کُتب پر مشتمل کُتب خانہ دارالافتاء حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کی تصانیف کی اشاعت اور اعراس مبارکہ کے علاوہ محرم الحرام، میلاد شریف اور معراج شریف وغیرہ کی تقریبات پر اہلِ سنّت والجماعت کے مسلک کی اشاعت کے لیے علماءِ کرام کی تقاریر اور مجالس سماع کا آپ نے باقاعدہ انتظام فرما رکھا ہے جس سے ملک بھر کے ہزاروں حاضرین مستفیض ہوتے ہیں۔

حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کے زمانہ میں سب سے بڑا اجتماع حضور غوثِ اعظمؓ کے عُرس شریف منعقدہ ۹-۱۰-۱۱ ربیع الثانی کے موقع پر ہوتا تھا جس میں شمولیت کے لیے آنجنابؒ خاص طور پر تاکید فرماتے تھے۔ اُس وقت حاضرین کی تعداد ہزاروں تک ہوتی تھی مگر اَب لاکھوں تک پہنچ چکی ہے۔ اس عظیم سالانہ تقریب کے علاوہ حضرت قبلۂ عالمؒ کا اپنا ختم شریف ہر سال ۲۹ صفر کو ہوتا ہے۔ اور دُوسرے دِن شام کو چادر چڑھائی جاتی ہے۔ ۱۲ ربیع الاوّل کی رات کو میلاد شریف کی مجلس بڑے تزک واحتشام سے منعقد کی جاتی ہے۔ اوّل شب سے درُود خوانی شروع کی جاتی ہے۔ آدھی رات کے بعد تقریریں اور نعت خوانی ہوتی ہے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے عینِ وقتِ ولادت کے مُطابق قیام وسلام ہوتا ہے اور ایک سو ایک گولوں کی سلامی دی جاتی ہے جس کا منظر عجیب رُوح پرور ہوتا ہے۔

قبلہ بابُوجی مدظلّہ العالی کے دَور میں آستانۂ عالیہ پر تدریس وافتاء اور خطابت وامامت کے فرائض انجام دینے والوں میں مولینا قاری نعمت اللہ صاحب الٰہ آبادی مرحُوم، مولینا سید محمُود شاہ صاحب مُقیم راولپنڈی، مولینا مُحبّ النّبی صاحب بھوئی، ضلع ہزارہ، مولینا حافظ عطا محمد صاحب پدھراڑ علاقہ سُون، مولینا قاری محبُوب علی صاحب لکھنوی، مولینا محمد عبدُالرّازق صاحب گوہدو ضلع راولپنڈی، مولینا فریدالدّین صاحب بھوئی، مولینا فتح محمد صاحب مرحُوم راولپنڈی، مولینا اللہ بخش اور مولینا خدا بخش صاحبان مٹھیال ضلع کیمبل پُور اور مولینا محمد فاضل صاحب گوجرخان کے اسماءِ گرامی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ الحمدللہ کہ اپریل ۱۹۶۰ء سے بندہ راقم الحرُوف کو بھی اِس سعادت میں شمُولیت کی توفیق حاصل ہے۔

جامعہ غوثیہ میں تعلیم پانے والے طُلبا۔ کو دورۂ حدیث کے بعد سند دی جاتی ہے۔ یہاں کے بعض فارغ التحصیل طلبا نے جامعہ اسلامیہ بہاولپُور کے انتہائی درجات میں داخلہ لے کر نمایاں کامیابی حاصل کی۔ اِن میں سے اکثر مختلف دینی شعبوں میں کام کر رہے ہیں۔ راقم الحرُوف کے یہاں پر قیام کے بعد سے اس وقت تک حسب ذیل طلبا۔ کے نام اِس سلسلہ میں خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

۱۔ راقم الحرُوف کے برادرِ خورد مولوی مُشتاق احمد صاحب
۲۔ مولوی محمد اشرف صاحب ضلع میانوالی
۳۔ مولوی محمد حق نواز صاحب تحصیل کہوٹہ
۴۔ مولوی عبدالحمید صاحب ساکن عبدالحکیم ضلع مُلتان
۵۔ مولوی احمد نواز صاحب بھکّر ضلع میانوالی
۶۔ مولوی محمد مسعُود صاحب اور
۷۔ مولوی محبُوب سُبحانی صاحب علاقہ گوہدو ضلع راولپنڈی
۸۔ مولوی محمد سکندر شاہ صاحب ضلع ہزارہ

۹۔ صاحب زادہ مولوی عبدالحمید شاہ صاحب سوہاوہ شریف ۔ آزاد کشمیر

۱۰۔ صاحب زادہ رفیع الدین صاحب اٹل شریف ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خان

۱۱۔ مولوی ممتاز احمد خان صاحب بھکر ضلع میانوالی ۔ اور

۱۲۔ مولوی غلام نصیر الدین صاحب ریاست دیر

حضور غوث الاعظم قدس سرہٗ کے عرس مبارک اور حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کے ختم شریف کی مجالس میں متواتر کئی سال تک پاکستان کے مشہور واعظ مولینا عبدالغفور ہزاروی مرحوم اپنے مواعظ سے حاضرین کو مستفیض کرتے رہے ۔ مجالس سماع میں دیگر قوالوں کے علاوہ آستانۂ عالیہ کے قوال حاجی محبوب علی صاحب اپنے خاص انداز میں حاضرین کو متاثر کرتے ہیں ۔ ان کے طرزِ بیان میں حیدر آباد دکن کے مشہور و معروف علی بخش واعظ قوال مرحوم کا بھی خاصہ رنگ ہے ۔ صوفیاء کے علاوہ علمائے کرام بھی ان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے ۔ قبلہ بابوجی کی ہمرکابی میں اُنہوں نے کئی مرتبہ بھارت کے شہروں میں ہندوؤں اور سکھوں سے اللہ اکبر کے نعرے لگوا دیئے ہیں ۔

مقامی طور پر متذکرہ بالا دینی و ملّی خدمات کے علاوہ مُلک اور بیرونِ مُلک میں جہاں اور جب کبھی کوئی ایسا مسئلہ پیدا ہوا جس میں دینی نقطۂ نظر سے تعاون کی ضرورت تھی وہاں حضرت بابوجی سیاسی اور ذاتی اغراض سے بالاتر ہو کر محض رضائے الٰہی اور مسلمانوں کے مفاد کے پیشِ نظر حتی الوسع امداد فرماتے رہے ہیں ۔ استقرارِ پاکستان پر آپ مسلم لیگ کی حمایت میں پیش پیش رہے ۔ ۴۸-۱۹۴۷ء میں جہادِ کشمیر کے موقعہ پر مجاہدین اور مہاجرین کی ہر ممکن طور پر نقد و جنس سے بھرپور امداد فرمائی ۔ تحریکِ ختمِ نبوت میں جمہورِ اہلِ اسلام کے ساتھ پورا تعاون فرمایا ۔ ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ مابین بھارت و پاکستان میں ذاتی طور پر مجاہدین اور مہاجرین کی ہر قسم کی امداد کے علاوہ اپنے متوسلین کو بھی خاص طور پر اس جہاد میں حصہ لینے کی ترغیب اور تاکید فرماتے رہے ۔ چنانچہ خلافِ معمول و مشرب اس موقعہ پر ایک تقریر بھی ریکارڈ کرائی جو ۱۶ ستمبر ۱۹۶۵ء کو ریڈیو پاکستان سے نشر کی گئی ۔

نویں فصل

قبلہ بابُوجی مدظلہ العالی کی اَولادِ امجاد

حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کی تین صاحبزادیاں اَور ایک فرزند قبلہ بابُوجی مدظلہ العالی تھے۔ آنجناب کا نسب مُبارک فقط حضرت بابُوجی سے ہی فروغ پذیر ہوا۔ اِن کو اللہ تعالیٰ نے ایک صاحبزادی اَور دو فرزندِ ارجمند عطا فرمائے۔ بڑے صاحبزادے حضرت شاہ غلام معینُ الدّین شاہ صاحب (جن کا عُرف "لالہ جی" صاحب مشہُور ہوگیا ہے) اَور چھوٹے شاہ عبدالحق صاحب مدظلھما العالی۔ دونوں صاحبزادے حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کی حیاتِ مُبارکہ میں بالترتیب ۱۹۲۰ء اَور ۱۹۲۶ء میں پیدا ہُوئے۔ اَور اللہ تعالیٰ نے دونوں کو آنجنابؒ کی خصُوصی نوازشات سے بہرہ اندوز ہونے کا کافی موقعہ عطا فرمایا۔ حضرتؒ کے وصال کے وقت جناب شاہ غلام معین الدّین صاحب کی عُمر سترہ برس اَور جناب شاہ عبدالحق صاحب کی عُمر گیارہ برس تھی۔

صاحبزادوں کی تعلیم و تربیت

ہر دو صاحبزادگان کو جناب مولٰنا محمد غازی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسے متبحر عالم سے اِبتدائی تعلیم کا شرف حاصل ہُوا جب حضرت مولٰنا محمد غازی صاحب ۱۹۳۹ء میں اِنتقال فرما گئے تو اُنھوں نے جامعۂ بہاول پُور میں داخلہ لے کر کئی سال تک جناب شیخ الجامعہ کی تربیت میں درسِ نظامی کی تکمیل فرمائی۔ حضرت غلام معین الدّین شاہ صاحب نے مولوی فاضل کا کورس بھی پاس کیا۔ علاوہ ازیں آپ ایک نغز گو شاعر بھی ہیں "مُشتاق" تخلّص فرماتے ہیں۔ کلام میں درد اَور رِقّت کا غلبہ ہے۔ مجالس میں اُن کے اشعار اکثر پڑھے جاتے ہیں۔ اَور ہمیشہ کیف آور ثابت ہوتے ہیں۔ بعض اشعار درج ذیل ہیں :-

مثنوی سرِّ توحید۔ نمونہ کلام حضرت لالہ جی مدظلہ العالی

ذاتِ حق چُوں قابلِ حمد و ثناست	پس محمّد گفتن اُو راہم رواست
یاد کُن اُو را بصد عجز و نیاز	تا شوی از یادِ اُو تو سرفراز
نیست جز ذاتش کسے در شش جہات	مظہرِ او ہست جُملہ کائنات
ناظرِ او باش در جُملہ صُوَر	در حقیقت اوست ظاہر سربسر
ہستیٔ موہُوم را معدُوم ساز	فاش گردد آنچہ در وَے ہست راز
جُملہ موجُودات عکسِ یک وجُود	بُود مُطلق، شُد مقیّد در شہُود
چُوں تنزّل کرد آں ذاتِ قدیم	گشت او در صُورتِ اِنساں کلیم

سرِّ وحدت را نداند ہر کسے — گرچہ بینی در جہاں عاقل بسے
داند او را آں کہ قلبش پاک گشت — وز محبّت سینہ اش صد چاک گشت
تا توانی محرمِ ایں راز شو — کُن تجسّس کُو بکُو ہر جا بُرَو
محرمِ ایں راز بس آنگہ شوی — چُوں خیالِ غیر از دِل بر کنی
در تقیّد ما و تُو گفتن رواست — لیک در اطلاق ایں گفتن خطاست
چشمِ دِل واکُن ببیں در شش جہات — خُود وجُودش شد وجُودِ کائنات
منطقی و فلسفی در حیرت اند — آنچہ گوید عقل بر وَے کار بند
اوست خود اندر زمین و آسماں — روشن است از وَے مکان و لامکاں
باش دائم در خیالِ یک وجُود — کُن بس او را در ہمہ اشیا شہُود
در تکثّر گشت وحدت جلوہ گر — اوست اَلْآنَ کَمَا کَانَ مگر
مُردہ داں او را کہ او را ذوق نیست — وز محبّت در دِل او شوق نیست
کُن تصوّر دم بدم من نیستم — نیستم، من نیستم، من نیستم
در حصُولِ مُدّعا دِیوانہ باش — وز رہ و رسمِ جہاں بیگانہ باش
ہر چہ بینی در جہاں ایں عکسِ اوست — شو شناسا با جمالِ رُوئے دوست
نیست کثرت را بجُز وحدت نشاں — اندریں کثرت ببیں وحدت نہاں
فِکر کُن در بُودِ خود اے بے خبر — چیست اندر بُودِ تو شُد مُستتر
تُو مداں اُو را کہ اُو ہست از تو دُور — نَحْنُ اَقْرَبْ گُفت در وَے کُن شعُور
ایں وجُودِ من وجُودِ من کجاست — بل وجُودِ من ز انعامِ خُداست

بشنو از من اے برادر یک خبر
باش مُشتاقش کہ یابی زُود تر

حضرت بابُوجی مدظلہ العالی صاحبزادہ صاحبان کی تربیت کا ہمیشہ خاص اہتمام فرماتے رہے ہیں۔ بہاولپُور میں قیام کے دَوران جو پُر از حکمت و نصائح مکتُوبات آپ نے اِن حضرات کو ارسال فرمائے وُہ قابلِ دید اور بصیرت افروز ہیں۔ تبرّک کا یہاں ایک مکتوب درج کیا جاتا ہے۔

حضرت بابُوجی کا مکتُوب شریف

۷۸۶

ریلوے دفتر گولڑا
از گولڑا

آباد خدا رکھے مے خانہ محمدؐ کا

بنی آدم از علم یابد کمال — نہ از حشمت و جاہ و مال و منال

پئے علم چوں شمع باید گداخت | کہ بے علم نتواں خدا را شناخت
خردمند باشد طلب گارِ علم | کہ گرم است پیوستہ بازارِ علم
طلب کردن علم شد بر تو فرض | دگر واجب است از پیش قطعِ ارض

عزیزی غلام معین الدین و شاہ عبدالحق حفظکما اللہ تعالیٰ

بعد دُعائے ترقّی درجات کے واضح ہو کہ آں عزیزان کا مکتوب پہنچ کر کاشف مافیہا ہوا۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے جس طرح اِس ظاہری منزلِ مقصود پر تم کو پہنچایا۔ اسی طرح باطنی منزلِ مقصود پر جلد تر پہنچائے۔ عزیزا! تم بخوبی جانتے ہو کہ تمہارے اِس سفر کرنے سے، علاوہ گھر کے لوگوں کے، احباب بھی سخت تنگ ہیں۔ مگر چونکہ ہمیں تمہاری یہ چند روزہ زندگی جو کہ بالکل عارضی ہے اُس کی بہت ہی منظور ہے اِس لیے ہم لوگوں نے اپنے رنج اُٹھانے سے تمہاری بہبودی کو مقدّم رکھ کر یہ فراق چند روزہ اِختیار کر لیا۔ خُدا تمہیں اپنے اِس کام میں شوق دے اور خوب محنت سے کام کرو۔ اور اصل جو علم حاصل کرنے کا مقصد ہے وُہ ہاتھ سے جانے نہ دو۔ عزیزا۔ یہ جو تم نے لکھا ہے کہ ہم غریب الوطن ہیں۔ کیا تم یہ بتلا سکتے ہو کہ اگر تم یہاں گولڑا میں رہو تو پھر غریبُ الوطن نہ ہو گے (نہیں) عزیز تمہارا اور ہمارا دراصل اصلی وطن اور ہے جس طرف ہم نے آخرایک ایک دن ضروری جانا ہے۔ اِس عالمِ شہادت میں جہاں بھی ہم رہیں غریب الوطن ہی ہیں۔ ہم سب مُسافر ہیں۔ اصلی وطن کی طرف جانے کے لیے ہمیں ہر وقت تیّار رہنا چاہیئے۔ اور اِسی لیے تو تمہیں حصُولِ علم کے لیے لگایا گیا۔ تاکہ اس کی وجہ سے تمہیں اُس طرف کے لیے آسانی ہو جس طرح تمہارا اصلی وطن اور ہے اسی طرح تمہارا اصلی مقصد بھی اور ہے۔ جس کا بیان کچھ تھوڑا سا میں نے اجمیر شریف دارِ خیر میں اُس رات کو کیا تھا۔ اُس کو ہاتھ سے نہ جانے دینا۔ اپنے آپ کو اللہ کی راہ میں وقف کر دو۔ اُس کی مخلوق کی خدمت کرنے کی کوشش کرو۔ جہاں بھی رہو باخدا رہو اور مُسافرانہ زندگی اختیار کرو۔ اپنے آپ کو ہر ایک کا صحیح معنوں میں خادم سمجھو۔ خُدا اور اُس کے رسُول صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خوشنودی کو سب سے مقدّم سمجھو۔ چُونکہ دل مقام اُسی کا ہے اِس لیے اُس میں بغیر اُس کے کسی اور کو جگہ مت دو۔ اُسے ہی اپنا حقیقی مالک و کارساز ہر حال میں سمجھو۔ اصلی تعلق اُسی اپنے مالک سے پیدا کرو اور عارضی تعلق اُس کی مخلوق سے، مگر یہ بھی اِس حیثیت سے کہ یہ مخلوق اُسی کی مخلوق ہے۔ مالک الملک سے تعلق پیدا کرنے سے ہمیشہ آرام میں رہو گے۔ دائمی زندگی حاصل کرو گے۔ اصلی زندہ اُس وقت کہلانے کے مستحق ہو گے کہ جس وقت تم نے اُس زندہ سے تعلق پیدا کر لیا۔ غرض کہ بہر حال وبہر کیف اُسے نہ چھوڑو۔ اُسے اپنی کسی غرض کے لیے یاد نہ کرو۔ جب یاد کرو تو اُسے اپنا مالک اور رب سمجھ کر یاد کرو۔ وُہ دانا ہے۔ باحکمت ہے۔ ہماری سب ضرورتیں وُہ جانتا ہے۔ جو ہمارے مُناسب ہوتی ہیں وُہ ہمیں دے دیتا ہے۔ عزیزا! تم اُسی کے ہو جاؤ جس نے تمہیں نابُود سے برنگ بُود کر کے ظاہر فرمایا۔ جو تمہاری سب ضرورتوں کا کفیل ہے۔ تم کو رات دن اُسی کے خیال میں رہنا چاہیئے۔ تم زندہ رہو تو اُسی کے لیے، تم مرو تو اُسی کے لیے، تم کھاؤ تو اُسی کے لیے، تم پہنو تو اُسی کے لیے۔ غرض کہ جو کچھ بھی کرو اُسی کے لیے۔ اُسی کی یاد سے اپنے قلب کو شاد کرو۔ اُس کے مقبول بندوں کی غلامی ہمیشہ کے لیے اپنا فرض سمجھو۔ اپنی خداداد عقل کو قال اللہ اور قال الرّسُول کے مُطابق کام میں لاؤ۔ سلف صالحین کے طریقہ ہی کو صراطِ مستقیم سمجھو۔ اسی پر چلنے کو فلاحِ دارین یقین کرو۔ غرض کہ جو کچھ ہے وُہی ہے۔ اُسی کے ہو کر رہو۔ اچھا میں اب تم سے رُخصت ہوتا ہوں اور تمہیں ہمیشہ کے لیے اُسی اپنے حقیقی مالک کے سپُرد کرتا ہوں جس سے بڑھ کر کوئی طاقتور نہیں اور نہ کوئی دانا ہے۔ وُہی تمہیں توفیق دے تم اس کے ہی ہو جاؤ۔ میں اس سے بڑھ کر تمہارے حق میں

کوئی مُفید اور بہتر خیرخواہی نہیں تصور کر سکتا۔ خُدا تُمھیں خُوش رکھے۔ اپنے کام میں برکت دے آمین زیادہ دُعائے ترقّیِ درجات۔ تُمھارے اُستاد اور میرے مُحترم واجبُ التّعظیم شیخ الجامعہ صاحب کی خدمت میں نیازمندانہ نیاز۔ خُدا انھیں دارین میں خُوش وخُرّم رکھے۔ آمین۔ میرے حضرت کے وفادار غلام حافظ صاحب و جرنیل مولوی خُدا بخش کو بہت بہت سلام۔ گھر میں خیریت ہے۔ تُمھاری یاد سب کو ستا رہی ہے۔ مگر خیر چُونکہ تُمھاری بہتری کو سب مُقدّم سمجھتے ہیں۔ اِس لیے صبر سے کام لے رہے ہیں اور تُمھیں دُعائیں دیتے ہیں۔ عزیز عبدالحق کی صحّت کا خیال رہے۔ جس طرح کی ضرُورت ہو، اطّلاع دینا۔

والسّلام، راقم وُہی تمھارا دِلی خیرخواہ از گولڑا

اسی تربیت اور فطری شرافت کا اثر ہے کہ آستانۂ عالیہ کے یہ صاحبزادے بہت سی خصُوصی صفاتِ فاضلہ کے حامل ہیں، دونوں حضرات متاہل اور ذی اولاد ہیں۔ حضرت لالہ جی کا رشتہ اپنے ہی عالی گھرانہ میں ہُوا ہے اور حضرت شاہ عبدُالحق صاحب کا حضرت بابا صاحب گنج شکر قدس سرّہ کے خاندانِ عالی شان میں۔ حضرت لالہ جی مدظلّہ العالی کے تین فرزندان ہیں غلام نصیرالدین شاہ صاحب شاہ غُلام جلالُ الدّین اور شاہ غُلام حسام الدّین۔ اور حضرت شاہ عبدالحق صاحب مدظلّہ العالی کے دو بیٹے ہیں: شاہ غُلام مُعینُ الحق اور شاہ غُلام قطبُ الحق۔ یہ سارے صاحبزادگان خود بھی ماشاء اللہ صاحبِ اولاد ہیں جن کی تفصیل اسی فصل کے آخر میں شجرۂ مہریہ میں دی گئی ہے۔ حضُور بابُوجی رح نے اپنے دونوں بیٹوں کو سفر و حضر میں اپنے ساتھ رکھ کر باہمی اتفاق اور دینی و دُنیوی اور رُوحانی تربیت فرمائی جس کے نتیجے میں اس وقت آستانۂ عالیہ کے مُعاملات کا انتظام نہایت خُوش اسلُوبی سے انجام پا رہا ہے۔ تمام متوسّلین، متعلقین اور مہمانان کی خدمت اور اُن کے قیام و طعام کا انتظام اُنھوں نے حرزِ جان بنایا ہُوا ہے۔ حضُور لالہ جی مدظلّہ العالی کے فرزندِ اکبر شاہ غُلام نصیرالدّین متولّد ۱۳۶۸ھ/۱۹۴۹ء اپنے ہی دربارِ عالیہ سے درسِ نظامی کی تکمیل کے بعد قاری محبُوب علی لکھنوی سے علمِ تجوید بھی حاصل کر چُکے ہیں۔ فارسی، عربی، اُردُو اور پنجابی میں نہایت ہی ارفع شعر کہتے ہیں اور آپ کی رُباعیات اور غزلیات کے کئی مجمُوعے شائع ہو کر مشاہیرِ سخن اور ناقدان سے خراجِ تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ اُردُو نثر میں بھی کئی کتابیں تحریر فرما چُکے ہیں۔ اُن کے کلام کا نمُونہ مُلاحظہ ہو:-

نمُونۂ کلام صاحبزادہ غُلام نصیرُالدّین شاہ صاحب

رُباعیات

اَنْوَارُكَ فِی الدُّجٰی دَلِیْلُ الْخَیْرَاتْ — اَلْطَافُكَ لِلْعَبْدِ سَحَابُ الْبَرَكَاتْ
لَمْ نَدْرِ سِوَاكَ مُوْنِسًا فِی الْبَلْوٰی — مَنْ غَیْرُكَ فِی الْوَرٰی مُجِیْبُ الدَّعْوَاتْ

نمُونہ فارسی کلام

از شوقِ جمال درگذارم چہ کُنم — گر جاں بہ رُخِ دوست نہ بازم چہ کُنم
در کُلبۂ مُشتِ خاک طُوفانِ بہار — یا رب بکُجا روم، چہ سازم، چہ کُنم

از بے بصری ہوس پرستیم ہمہ — خُود را بہ فریبِ عقل بستیم ہمہ
گرچہ در ناموس گشند از بر ما — شرمندہ شویم زانچہ ہستیم ہمہ

نمونہ اُردو کلام

ہرگز نہ چلن اپنا بدلنا سیکھا ہر گام نئے قہر میں ڈھلنا سیکھا
گل چیں نے کب آدابِ گلستاں سیکھے سیکھا بھی تو پھولوں کو مسلنا سیکھا

اُفتادِ غم و درد کی ٹل جائے گی جو دل میں چبھن ہے وُہ نکل جائے گی
دیکھو گے جو تم چشمِ کرم سے مجھ کو سچ مچ مری تقدیر بدل جائے گی

زُہاد کو جنّت کی فضا راس آئی رِندوں کو مئے ہوش رُبا راس آئی
جنت سے غرض نہ میکدے سے مطلب ہم کو ترے کوچے کی ہوا راس آئی

حضرت بابُوجیؒ کی ایک ہی صاحب زادی تھیں جن کا اوائلِ عمر میں انتقال ہُوا اور حسبِ وصیت ان کا روضہ قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کے روضہ شریف کی پائنتی کی طرف مستورات کی زیارت گاہ ہے اور بفضل تعالیٰ اجابتِ دُعا کے لیے تریاق کا حکم رکھتا ہے۔ ملک خُدا بخش ٹوانہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے خُونی بواسیر کا شدید مرض تھا۔ میں نے ایک روز باہر سے آستان چُوم کر یہ الفاظ کہے: "فاطمۃ الزہراؓ کی بیٹی کو سلام، مجھے بواسیر کی سخت شکایت ہے۔" اُس وقت کے بعد آج تک ایک لمحہ کے لیے بھی پھر یہ شکایت نہیں ہُوئی۔ حالانکہ یہ میرا خاندانی اور موروثی مرض تھا۔

اللہ تعالیٰ بطفیل حضور سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اور سرکارِ بغداد قدس سرّہٗ اس خاندان کو متوسّلین کی ہدایت و عافیت کے لیے تا ابد قائم رکھے اور رُشد وہدایت کا یہ سلسلہ ہمیشہ قائم رہے۔ (آمین!)

این دُعا از من و از جُملہ جہاں آمین باد

شجرۂ مہریّہ

حضرت سیّدنا پیر مہر علی شاہ صاحب قدس سرّہٗ کی اولاد و احفاد کا نقشہ شجرۂ نسب حسب ذیل ہے:

حضرت سیّدنا پیر مہر علی شاہ صاحبؒ

حضرت سیّد پیر غلام محی الدین شاہ صاحب عرف سیّدنا بابُوجیؒ

- سیّد غلام معین الدین شاہ صاحب
  - سیّد غلام نصیر الدین شاہ
    - سیّد غلام نظام الدین شاہ
    - سیّد غلام نجم الدین شاہ
    - سیّد غلام شمس الدین شاہ
  - سیّد غلام جلال الدین شاہ
    - سیّد مہر محی الدین شاہ
  - سیّد غلام حسام الدین شاہ
    - سیّد مہر حماد الدین شاہ
    - سیّد مہر فواد الدین شاہ
- سیّد شاہ عبد الحق شاہ صاحب
  - سیّد غلام معین الحق شاہ
    - سیّد مہر فرید الحق شاہ
    - سیّد مہر مسعود الحق شاہ
    - سیّد مہر جواد الحق شاہ
  - سیّد غلام قطب الحق شاہ
    - سیّد مہر حنیف الحق شاہ
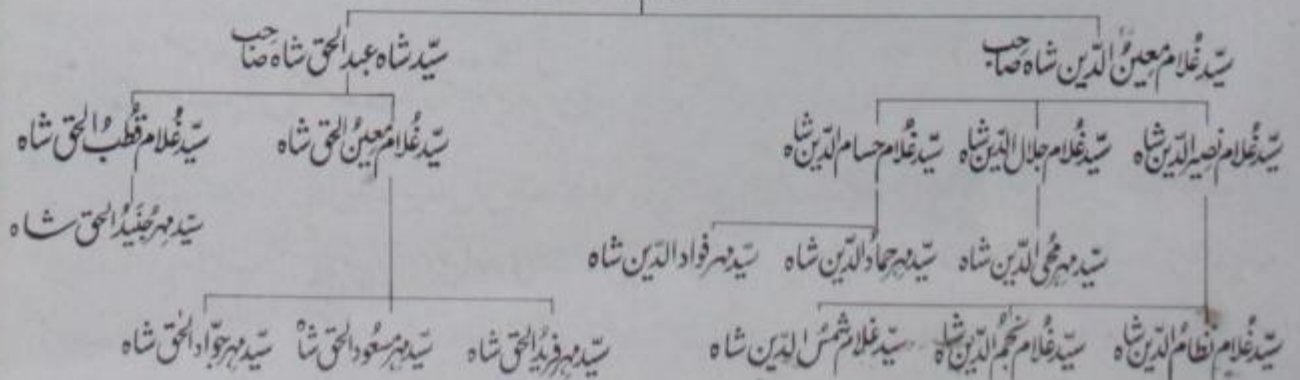
دسویں فصل

متوسّلین

حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کا حلقۂ ارشاد نہایت وسیع تھا۔ اگر سب متوسّلین کا تذکرہ اختصار سے بھی کیا جائے تو ایک دفتر تیار ہو جائے گا۔ اِس علم و فضل اور معرفتِ الٰہی کے دریائے ذخار سے بے شمار تشنہ کام سیراب ہُوئے۔ آپ کے دستِ حق پرست پر ہزاروں افرادِ اُمّت نے بیعت کا شرف حاصل کیا۔ آپ کے مُریدوں میں عُلمائے کرام اور سادات عظّام کثرت سے شامل ہُوئے۔ آپ کی نظرِ کیمیا اثر سے نفس کی اصلاح ہو کر عاداتِ رذیلہ کا ازالہ ہو جاتا تھا اور صفاتِ محمُودہ، بالخصوص اخلاص، اِیثار اور محبتِ الٰہیہ کا غلبہ ہو جاتا تھا۔ بقول ؎

آہن کہ بپارس آشنا شُد — فی الفور صُورتِ طلا شُد

حضرتؒ کے مخصوص رنگ یعنی توحیدِ وجُودی کی تاثیر سے آپ کے صُحبت یافتہ حضرات کی مجالس بھی کیف افزا ہُوا کرتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے اکثر وابستگان پر تزکیۂ نفس کے ساتھ ساتھ ظاہری خیر و برکت کے ابواب بھی کھول دیئے تھے تاکہ یادِ حق کے لیے یکسُوئی اور ماسوی اللہ سے اِستغنا حاصل رہے۔ حلقہ بگوش علماء اور فقراء بحرِ حقیقت کے شناور بنے اور شیخ کے فیض و توجّہ سے معرفت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہُوئے۔ اَوسط درجہ کے اہلِ علم و ہُنر نے بھی واعظ، مدرّس، مدیر، ادیب، اور مصنّف بن کر اپنے اقران و امثال میں خاص شہرت اور مقبولیّت حاصل کی۔

متوسّلین کا خاص رنگ

حضرتؒ کے دستِ حق پرست پر جس نے بھی اخلاص سے رضائے الٰہی کے لیے بیعت کی وُہ اپنی اِستعداد کے مُطابق بیعت کے آثار اور ثمرات سے بہرہ مند ہو کر رہا۔ آپ کے متوسّلین میں غرباء اور فقراء ہی نہیں بلکہ اکثر ارباب دولت بھی نظر آتے ہیں جنہیں دُنیوی کمال عرُوج بھی صلاح و تقویٰ، صوم و صلوٰۃ اور شب بیداری سے غافل نہ کر سکا۔ بالعموم اخلاص و اِستغنا حضرتؒ کے مبایعین کا خاص رنگ شمار ہوتا ہے اور حفظ و امان خاص نعمت۔

حضرتؒ کے بعض مُمتاز مُسترشدین

بہت سے طالبانِ مولیٰ نے آپؒ کی تربیت سے رُوحانی مدارج طے کر کے بلند مقام حاصل کیا۔ ان میں سے حضرت اُستاد العلما مولینا محمد غازی صاحب (ضلع کیمبل پُور)، مولینا قاری عبد الرحمٰن صاحب جونپوری، مولینا قاری غلام محمد صاحب پشاوری، مولینا محبُوب عالم صاحب ہزاروی مقیمان آستانہ عالیہ۔ مولینا شیر محمد صاحب لاہوری۔ مولینا شیخ الجامعہ غلام محمد صاحب گھوٹوی۔ مولینا مفتی غلام مرتضیٰ صاحب میانوی۔ مولینا عبد الحق صاحب سسرالوی اور مولینا گل فقیر صاحب پشاوری کے اسمائے گرامی خاص

طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ مؤخر الذکر دونوں حضرات نے آپؒ کے مطبوعہ ملفوظات جمع فرمائے۔

حضرتؒ کے بااخلاص مسترشدین میں رسمی خلافت اور ادعائے مشیخت کا وجود نہیں۔ البتہ بعض سالک اور صاحبِ نسبت متوسلین کو حضرتؒ اُن کی درخواست کے بغیر اس قدر فرمادیا کرتے تھے کہ اگر کوئی شخص ذکر و فکر اور شغل کا شائق ہو اُسے مناسب طریقہ بتادیا کریں۔ ان میں مندرجہ ذیل حضرات خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں:۔

حضرت سید چانن شاہ صاحب (جابہ ضلع کیمبل پور) حضرت سید ممتاز علی شاہ صاحب (ریاست پونچھ) حضرت مولینا فقیر محمد امیر صاحب (کوٹ اَٹل ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خان) حضرت مولینا ولی محمد صاحب (بانڈی ضلع ہزارہ) حضرت مولینا محمد چراغ صاحب اور اُن کے صاحبزادے مولینا غلام سرور صاحب (چکوڑی شریف ضلع گجرات) حضرت مولینا معز الدین صاحب (وڈبگہ صُوبہ سرحد) حضرت سید صدیق شاہ صاحب (مانگووال تحصیل خوشاب) حضرت پیر ولایت شاہ صاحب (نوشہرہ تحصیل خوشاب) حضرت مولینا حافظ حمید الدین صاحب (کوٹ نجیب اللہ ضلع ہزارہ) حضرت سید امام شاہ صاحب (مہر آباد تحصیل لودھراں) اور حضرت سید عبدالولی صاحب (گوالیار۔ ہندوستان)

حضرتؒ کے متوسلین کی امتیازی شان

حضرت قبلۂ عالمؒ کے خصوصی مسترشدین میں یہ امتیازی شان نظر آتی ہے کہ انہوں نے حتی الامکان اپنے متعلقین اور مستفیدین کو آستانۂ عالیہ گولڑہ شریف سے منسلک کرنے اور یہاں کے صاحبِ سجادہ سے بیعت کرانے کو ترجیح دی اور یہ چیز اپنے شیخِ طریقت سے کمال عقیدت کی علامت ہے۔

مدعیانِ مشیخت

یہ عجیب واقعہ ہے کہ جتنا ہی زمانہ کی نزاکت اور منصبِ ارشاد کی اہمیت کے پیشِ نظر حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ نے اس معاملہ میں احتیاط سے کام لیا اُتنا ہی آپ کی مقبولیتِ عامہ اور شہرتِ تامّہ سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے بعض مدعیانِ مشیخت نے آپ سے خلافت ملنے بلکہ بعض لوگوں نے تو آپ کے اہلِ قرابت ہونے کا بھی دعویٰ کر کے عوام میں سستی اشہرت حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن آخر کار اس ڈھول کا پول کُھل کے رہتا ہے۔

اہلِ علم حضرات پر یہ عمل بخوبی روشن ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دُنیاوی مناصب کے متعلق یہ خصوصی ہدایت فرمائی تھی کہ ایسا کوئی منصب کسی ایسے شخص کو نہ دیا جائے جو خود اس کا طلبگار اور متلاشی ہو، تو منصبِ ارشاد جو ایک خالص دینی چیز ہے کسی ایسے شخص کے سپرد کرنا کب درست ہوگا جو خود ہی مشیخت کا لبادہ اوڑھنے اور لوگوں میں شیخ مشہور ہونے کا شوق رکھتا ہو۔ بزرگانِ دین کے تذکروں سے یہ چیز اظہر من الشمس ہے کہ اُنہوں نے یہ اہم ذمہ داری اپنے مشائخ کے اصرار فرمانے پر بھی بڑی مشکل سے قبول فرمائی۔ یہ رفعت اور بلندی تو اُن ہی حضرات کے حصہ میں آتی ہے جنہوں نے اپنے آپ کو مٹایا۔ یہاں تک کہ سوائے ذاتِ حق جل شانہٗ کے اُن کا مطمحِ نظر اور کچھ نہ رہا۔ اور اُن ہی کی تلقین وارشاد کا یہ اثر ہوتا ہے کہ ان سے صحیح نسبت رکھنے والا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ بمعنی لَا مَعْبُوْدَ اِلَّا اللہ سے ترقی کر کے لَا مَطْلُوْبَ اِلَّا اللہ پر فائز ہوتے ہوئے لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللہ کے اسرار و معارف کا سراغ پالیتا ہے۔ اور پھر اُس محبوبِ حقیقی کے مقابلے میں دُنیا و آخرت ذرّہ بے مقدار نظر آنے لگتی ہیں۔

بابِ ہفتم

معاصرینِ کرام

معاصرینِ کرام

ہم عصر مشائخ کرام سے جن حضرات کے ساتھ حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کے تعلقات یا ملاقات کی اطلاع ملتی ہے ان کے مختصر کوائف پیش کیے جاتے ہیں۔ ان میں سے بعض حضرات کا ذکر دیگر ابواب میں بھی آگیا ہے۔ حضرتؒ کے اپنے پیشوایانِ عظام اور اساتذہ کرام اِس پر مستزاد ہیں اور اُن کے اذکارِ عالیہ بھی متعلقہ ابواب میں گذر چکے ہیں :-

۱۔ حضرت دِیوان غیاث الدین صاحبؒ اجمیر شریف (وصال ۱۹۲۲ء)

۲۔ حضرت دِیوان سید محمد صاحبؒ پاک پتن شریف (وصال ۱۹۲۴ء)

۳۔ حضرت خواجہ حسن نظامی صاحبؒ دربار حضرت سُلطان المشائخؒ دہلی

یہ تینوں حضرات درحقیقت حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کے مستفیضین کی سِلک میں شامل ہیں۔ چنانچہ ان کے مختصر حالات "مسندِ ارشاد" کے باب میں پیش کیے جا چکے ہیں۔ تاہم چونکہ ان حضرات کا تعلق حضرتؒ کے مشائخ کرام کے مُبارک خانوادوں سے ہے اس لیے انہیں حضرت کے معاصرینِ کرام میں بھی شامل کر لیا گیا ہے۔

۴۔ حضرت خواجہ اللہ بخش صاحبؒ تونسہ شریف (۱۸۲۳ء تا ۱۹۰۱ء)

حضرت خواجہ اللہ بخش صاحب تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ حضرتؒ کی مُلاقات اور باہمی تعلقات کا ذکر بھی پہلے گذر چکا ہے۔ تونسہ شریف میں حضرتؒ سے اس ملاقات کے کچھ عرصہ بعد ہی ۱۹۰۱ء میں خواجہ صاحبؒ وصال فرما گئے۔ اس عرصہ میں باہم خط وکتابت بھی ہوتی رہی۔ چنانچہ "مہرِ چشتیہ" میں خواجہ صاحبؒ کی طرف حضرتؒ کے ایک خط کی نقل درج ہے جس میں اسرارِ سلوک پر گفتگو کے علاوہ مرزا صاحب قادیانی کے اُس عدالتی اقرار نامہ کا ذکر بھی فرمایا ہے جو ۲۴۔ فروری ۱۸۹۹ء کو بدیں پابندی لیا گیا تھا کہ آئندہ کسی مخالف کے حق میں ہلاکت یا عذاب کی پیشگوئی نہیں کی جائے گی۔ خط کا متن عربی اور فارسی میں ہے اُس کا ترجمہ پیشِ خدمت ہے :-

حضرتی ومولائی۔ اللہ تعالےٰ کا ہر حال میں شکر ہے کیونکہ دراصل وُہی مقصودِ حقیقی ہے۔ گمراہی کے صحرا اور غیریت کی رات کی تاریکی سے رہائی پانے کا اور اس ہستیِ موہوم کے جہنّم کی پستیوں سے نجات حاصل کرنے کا ایک ہی ذریعہ ہے اور وُہ ہے عنایتِ ازلیہ کی رہبری اور ہدایت ؎

ولولا شذاها ما اهتديت لحانها　　ولولا سناها ما تصورها الوهم

(اگر اُس کی خوشبو نہ ہوتی تو اُس کے میخانہ کی طرف راہ نہ پاتا۔ اور اگر اُس کے جلوے نہ ہوتے تو اُس کا تصور بھی وہم میں نہ آتا)

اسی طرح مندرجہ ذیل اشعار میں بھی اُسی عنایت کے ساتھ تعلق اور برزخ کے احوال کی طرف اشارہ ہے :-

ای خواجہ عشق ما کہ از قید رسوم | فارغ شدہ ز اندیشۂ احوال و علوم

(اے خواجہ تو جو ہمارے قید رسوم سے آزاد اور احوال و علوم کے اندیشے سے فارغ ہے)

بر ظاہر شاں لوامع نور تو مے | للذین نجوم الشیاطین رجوم

(تیری ہدایت کی ضیا پاشی پر حضرت دین کے ستارے شیاطین کے لئے رجوم ہو جاتے ہیں)

تو گرد دین مدعیان منتج ترنگی نیست

سلیمانی بجز حشمت تو یا قبیہ ہوش

(اندیشوں پر تو کی ... کے منافی نہیں حضرت سلیمان علیہ السلام کی شان و شوکت کے بغیر ... تھی)

قبل از وقت لوگوں سے پتہ چلا ہے کہ مرزا صاحب سے آئندہ کے لیے کسی کے بارے میں پیش گوئی نہ کرنے کے متعلق اقرار نامہ لیا گیا ہے۔ الحمدللہ۔ شاید یہ اسی جرأت کا اثر ہو جو اپنی کتاب ایام الصلح میں ظاہر کی تھی۔[1]

ایک مدت سے مزاج مبارک کی کیفیت سے بے خبر ہوں۔ اگر مشرف فرمائیں تو ذرہ نوازی سے بعید نہ ہوگا۔

۵۔ حضرت خواجہ محمود صاحب تونسہ شریف

حضرت خواجہ اللہ بخش صاحبؒ کے صاحبزادہ والا تبار حضرت خواجہ محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارے حضرتؒ کے درمیان گہرے محبانہ مراسم تھے۔ جن کی کچھ تفصیل پہلے دی جا چکی ہے اور کچھ مکتوبات طیباتؒ میں مندرجہ اُس خط و کتابت کے مطالعہ سے واضح ہوتی ہے جو تقریباً ایک غیر منقطع تسلسل کے ساتھ عمر بھر جاری رہی۔ حتیٰ کہ بھوپال کے مختصر اور مخفی سفر سے بھی خواجہ صاحبؒ کو باخبر رکھا اور ان کا ایک خط حضرتؒ کو وہاں بھی ملا۔ دونوں طرف سے خطوط کا انتظار رہتا تھا۔ اگر کسی وجہ سے توقف ہوتا تو خواجہ صاحبؒ شکایت فرماتے ہے

یادم نمی کنی و زیادم نمے روی | عمرت دراز باد فراموش گارِ من

اور حضرتؒ معذرت پیش فرماتے کہ ہے

ہے پابندِ طاعت عقیدت ہماری | نہیں پیش دستی کی ہمت ہماری
یہ باعث ہے خط کے توقف کا صاحب | مبادا نہ بے جا ہو سبقت ہماری

کبھی حضرت خواجہ محمود صاحبؒ عنوان میں لکھتے ہے

خیز تا از درِ مے خانہ کشادے طلبیم | بر درِ دوست نشینیم و مرادے طلبیم
اشکِ آلودۂ ما گرچہ روان است ولے | برسالت سوئے آں پاک نہادے طلبیم

اور ادھر سے حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ عنوانِ خط میں یہ تاثرات ثبت فرماتے ہے

بریدِ بادِ صبا دوشم آگہی آورد | کہ روزِ محنتِ غم رُو بکوتہی آورد

---

[1] اس عدالتی اقرار نامہ اور مرزا صاحب کی تعلی کی تفصیل باب پنجم میں گزر چکی ہے۔

مُطربان صبُوحی دہیم جامۂ پاک   بایں نوید کہ بادِ سحر گہی آورد

حضرت خواجہ محمُود صاحبؒ اپنے رُوحانی اور باطنی کمالات کے علاوہ اپنے علمی۔ اَدبی اَور مجلسی فضائل کی وجہ سے بھی ہم عصر مشائخ میں بڑی مقبول اَور دِلنواز شخصیت سمجھے جاتے تھے۔ ۱۹۲۸ءمیں جب ان کا انتقال ہُوا تو حضرتؒ بیمار تھے اور اس خبرِ وحشت اثر سے آپ کو بہت صدمہ ہُوا۔ چنانچہ صاحبزادہ غلام نظام الدین صاحب کو تحریر فرمایا کہ اِس مقدس اَور شریف محسن ہستی کی مفارقت نے بحرِ درد و غم میں ڈال دیا ہے۔ "نیازمند بوجہ ناگفتہ بہ عوارض معدہ و دماغ وقلب قادر پور حاضر نہیں ہو سکا۔ کسی قدر افاقہ ہونے پر حاضری کا ارادہ ہے۔" اَور حضرت خواجہ صاحبؒ کے جانشینِ صادق جناب خواجہ نظام الدین صاحب علیہ الرحمۃ کو چند روز بعد اُن کی طرف سے بیمار پُرسی کے جواب میں تحریر فرمایا:۔

"کوہِ غم کے نیچے دبے ہُوئے کی یاد فرمائی۔ جناب کے اخلاق مورُوثی اَور ہمتِ محمُودی کا عکس ہے۔

مکرّماً! حضرت مرحُوم نے (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) عرصہ سال کا ہُوا ہے کہ بذریعہ تحریر نیازمند کو اطلاع بخشی (مجھے جتلایا گیا ہے کہ میں اِس سال میں دارِ فانی سے رُخصت ہو جاؤں گا)

عوارض معدہ و دماغ وقلب کی حالت معرضِ تحریر میں نہیں آسکتی جس نے آج تک حاضری سے محرُوم رکھا ہُوا ہے۔ مزید براں عوارض، استماعِ خبر اِس حادثۂ جانکاہ نے بالکلیہ مضمحل کر دیا۔ ..... خُدا کرے کہ کسی صُورت حاضری نصیب ہو۔"

چُنانچہ قدرے افاقہ ہونے پر آئندہ سال یعنی ۱۹۲۹ءمیں فاتحہ خوانی کے لیے حضرت خواجہ نظام الدین صاحبؒ کے پاس قادر پُور (ضلع مُلتان) تشریف لے گئے اَور یہ آپ کا گولڑہ شریف سے باہر جانے کا آخری سفر تھا۔

۶۔ حضرت خواجہ محمّد دین صاحبؒ سیال شریف (وصال ۱۹۰۹ء)

حضرت خواجہ محمّد دین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، جن کا ذکرِ خیر اِس کتاب میں حضرت ثانی صاحبؒ سیالوی کے لقب سے جابجا آچکا ہے حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کے مُرشد زادہ تھے اَور اوائل ہی سے باہمی رابطۂ محبّت استوار ہو کر عشق کی نوبت کو پہنچ گیا تھا کہ حضرتؒ اِس طرف ۔

آکھیں خواجہ شمس دینؒ دے لعل نوُں
گوڑھے نیناں والڑے لج پال نوُں

قسم کے فراقیہ اشعار موزُوں فرماتے رہتے تو اُس طرف حضرت ثانی صاحب قبلہ، قوال کو اس شعر ۔

پیت کا وعدہ کر کے پیا نے پیت نبھانا چھوڑ دیا
مہر کی اکھیاں پھیر لئیں دم دم کا آنا چھوڑ دیا

میں اصلاح دیتے کہ کہو ع

مہر نے اکھیاں پھیر لئیں دم دم کا آنا چھوڑ دیا

حضرت شیخ الجامعہ صاحبؒ کے مسوّدات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ثانی صاحبؒ سیالوی کے ارشاد ہی پر ہمارے حضرتؒ تونسہ شریف گئے تھے، انہی کے ایماء پر ابتداءً پاک پتن شریف کا سالانہ سفر اختیار فرمایا اَور اُنہی کے فرمان کی تعمیل میں

جناب دیوان غیاثُ الدّین صاحبؒ اجمیری کی معاونت و تائید میں بمقام پشاور سرحدی علماء کے ساتھ سماع کے موضوع پر مناظرہ فرمایا۔ حضورؒ کے "ملفوظاتِ طیّبات"، "مکتوبات شریف موسُومہ مہرِ چشتیہ" اور منظوم کلام میں حضرت ثانی صاحبؒ کے ساتھ آپؒ کے اِس خاص تعلّق کے واضح نشانات ملتے ہیں۔

حضرت بُوعلی قلندر پانی پتیؒ کے متعلّق روایت مشہور ہے کہ آپ نے حضرت نظام الدّین اولیاء محبُوبِ الٰہی قدس سرّہٗ سے نعمتِ ولایت سلب کرلی تھی۔ حضرت ثانی صاحبؒ سیالوی کے ارشاد پر حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ نے اِس مسئلہ پر محققانہ بحث سے یہ ثابت فرمادیا کہ مذکورہ روایت خلافِ واقعہ ہے بلکہ ایسا ہونا غیر ممکن ہے مفصّل بحث مکتُوباتِ مطبُوعہ میں درج ہے۔

حضرت ثانی صاحبؒ سیالوی ہمارے حضرتؒ سے عمر میں چالیس برس بڑے تھے۔ کتاب "انوارِ شمسیہ" میں آپ کی ولادت ۱۲۳۵ھ، سجادہ نشینی ۲۴ صفر ۱۳۰۰ھ اور وصال ۲ رجب ۱۳۲۷ھ (۱۹۰۹ء) درج ہے۔ آپ کا شمار اپنے زمانہ کے کثیر الکرامات اور وسیع الفیوُضات اولیاء اللہ میں ہوتا ہے۔ آپؒ کی بیماری کے ایّام میں حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ بیمار پُرسی کے لیے اکثر حاضر ہوتے رہے۔ چنانچہ ۷، جمادی الاوّل کے خط میں سیال شریف سے حضرت بابُوجی مدظلّہ العالی کو تحریر فرماتے ہیں:-

"شب جمعہ قریب دو بجے خوشاب اُتر کر اُسی وقت دریا کو عبُور کر کے آرام کیا۔ علی الصّبح وہاں سے نماز پڑھ کر بسواری بگھّی فوراً چھاؤنی پہنچے۔ حضرت صاحب عمّ فیوضہم[1] اس قدر خوش ہُوئے کہ تحریر سے باہر ہے آپ کو کئی روز کا سخت اِنتظار تھا۔ ہر ایک شخص اس انتظار کی عجیب کیفیّت بیان کر رہا ہے۔ بالخصُوص میرے اشعار متعلّق فارضیہ ؎

بھُلدے نہیں اوہ بول مٹھڑے ڈھول دے
بول سانول یار روہی رول دے

نہایت رقّت طاری کیے ہُوئے تھے۔ پہنچتے ہی میں نے انتظام سیال شریف لے جانے کا کیا۔ اُس روز آپ کو لبِ دریا کنارہ خوشاب سے کشتی پر سوار کیا۔ علی الصبح بروز شنبہ سیال شریف پہنچنے پر سب کو از حد خوُشی ہُوئی اور دُعائیں دینے لگے۔ حضرت صاحبؒ کو ضعف از حد ہے۔ غذا نہیں۔ مجھ کو ایک لحظہ آنکھوں سے غائب نہیں چاہتے۔"

پیش آنے والی جُدائی کے احساس اور تصوّر نے جو کیفیّات دِل میں پیدا کر رکھی تھیں اُنہیں حضرت ابنِ فارض مکّیؒ کے دو فراقیہ اشعار کی لَے اور تضمین میں اس طرح ثبت فرمایا ہے کہ آج بھی ان کی غم انگیز و پُر درد اُداسی، بےبسی اور بےچارگی دِلوں میں ہیجان پیدا کر دیتی ہے۔

سَائِقَ الْاَظْعَانِ یَطْوِی الْبِیْدَ طَےْ
مُنْعِمًا عَرِّجْ عَلٰی کُثْبَانِ طَےْ

ساربانان! مہربانان! راہیا! — شالا جیویں خیمہ تھیوی ماہیا!
آکھیں جا اُنہاں پیاریاں دلجانیاں — گوڑھے نیناں والیاں مستانیاں
لا پریتاں دے کے لارے اوہ گئے — اوہ گئے اُہ دِل دے پیارے اوہ گئے

[1] یعنی حضرت ثانی صاحب موصوفؒ (رفیض)

سارا عالم صدقے آکھاں بول توُں | واراں سر میں اُس انوکھڑے ڈھول توُں
بن تُساڈے ہک گھڑی سو سال دی | بہہ ٹھکانے پئی تُساڈے بھال دی
اِک وچھوڑا دُوجھے طعنے جگ دے | پیراں تھیں سر تک البیے اگ دے
بالدی ڈیوے پئی خانقاہاں تے | آوندا ویکھاں ڈھولا انہاں راہاں تے
چشماں فرش وچھاواں خاطر ڈھول دی | مرحبا یا مرحبا پئی بول دی
پہنچیں جد توُں سوہنیاں دی جھوک تے | خیر ہووی اِنہاں نُوں ذرا روک تے
جا سُنیہڑا دیویں اُنہاں جانیاں | گوڑھے نیناں والیاں ستانیاں

لستُ اَنسیٰ بِالثَّنایا قولَھا
کُلُّ مَن فی الحیِّ اَسریٰ فی یَدَیہِ

بُھلدے نہیں اوہ بول مٹھڑے ڈھول دے | بول سانول یار روہی رولدے
رات ساری گذری تارے گِندیاں | یاد کر کر قول میناں مہندیاں

دراصل محبّت ہی حضراتِ چشت اہلِ بہشت کا اصل خزانہ اور متاع ہے اور اِن کے حال کے مطالعہ کے وقت اِنہی کا مقولہ بار بار یاد آتا ہے کہ ؎

درخرمنِ کائنات چوں کردیم نگاہ
یک دانہ محبّت است باقی ہمہ کاہ

۷۔ حضرت خواجہ فضل الدّین صاحب سیالوی (وصال ۱۳۲۱ھ/۱۹۰۳ء)

حضرت ثانی صاحبؒ سیالوی کے برادرانِ عزیز حضرت خواجہ فضل الدّین صاحب اور حضرت خواجہ شعاع الدّین صاحب رحمۃ اللہ علیہما بھی حسبِ تصریح کتاب "انوارِ شمسیہ" اپنے والدِ کریم حضرت شمس العارفین سے خلافت یافتہ اور مجازِ ارشاد تھے۔ انوارِ شمسیہ میں مذکور ہے کہ اول الذّکر صاحبزادہ کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے زبردست جسمانی قوّت عطا فرمائی تھی۔ اور ثانی الذّکر کو اُن کے نام کی رعایت سے قوّتِ احساس کی دولت سے مالا مال فرمایا تھا۔ چنانچہ جناب خواجہ فضل الدّین صاحب چوبی میخ کو ہاتھ سے دبا کر زمین میں گاڑ دیتے۔ چھت کے شہتیر کو بازوؤں اور کندھوں کی ٹیک دے کر چوبی ستون بدلوا لیتے۔ تسبیح بڑے ڈبل موٹے دانوں کی تیار کروائی جاتی۔ مگر پھر بھی دو ایک مہینے کی گردش کو بمشکل برداشت کرتی۔

۸۔ حضرت خواجہ شعاع الدّین صاحبؒ سیالوی (وصال ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء)

حضرت خواجہ شعاع الدّین صاحب بے حد لطیف الاحساس تھے۔ کھیتوں کی طرف سے ہوا چلتی تو بعض اقسام کے پھولوں اور پودوں کی بُو سے انہیں گھر کے اندر رہتے ہوئے بھی زکام کی شکایت ہو جاتی۔ ایک بار بیمار پڑے اور دوا کی تیاری کے لیے کچھ دُور بادام توڑے جانے لگے۔ کوئی کڑوا نکلتا تو بُو پا کر وہیں سے فرما دیتے کہ کڑوا ہے، الگ کر دو۔ کوئی دس کوس کے فاصلہ پر ایک قصبہ میں شادی کی تقریب پر نقارے بج رہے تھے یہیں سے بتانے لگے کہ اب فلاں گت بج رہی ہے۔ حضرت ثانی صاحب نے سوار

دوڑا کر پتہ کروایا تو جو گتیں آپ نے بتائی تھیں نقارچیوں نے اُن کی تصدیق کی۔ رات کو گھر کے اندر کانوں میں روئی ڈال کر سوتے کہ مسجد اور حجروں میں درویشوں کے وظائف اور ذکر کا شور کچھ دیر سو لینے دے۔

مہاراجہ کشمیر نے ایک زمانہ میں دونوں صاحبزادوں کو بُلوا کر اپنے ہاں مہمان ٹھہرایا تھا۔ بہت عرصہ بعد خواجہ شعاع الدینؒ کا کسی شہر میں گذر ہوا۔ وہاں چند لوگ ایک مریض کے لیے اس عقیدہ سے پانی دم کروانے کی غرض سے حاضر ہوئے کہ جتی ستی کا دم آبِ حیات کا حکم رکھتا ہے۔ آپ نے فرمایا: "شاید میں جتی ستی کہلانے کا مستحق نہیں۔ کیونکہ جب میں مہاراجہ کشمیر کے یہاں ٹھہرا ہوا تھا تو ایک روز اُس کے محل میں طوائف گا رہی تھی جس کی آواز مجھے سُنائی دے گئی اور بھلی معلوم ہوئی تھی۔"

اَب ذرا اِس نسبت سے حضرت ثانی صاحبؒ کے اُن رُوحانی کمالات کا اندازہ لگایئے جن کی بنا پر حضرتِ اعلیٰ سیالوی رحمۃ اللہ علیہ نے اُنہیں اپنی مسند نشینی کے لیے منتخب فرمایا تھا۔

۹۔ حضرت خواجہ محمد ضیاءُ الدّین صاحبؒ سجّادہ نشین سیال شریف

حضرت ثانی صاحب موصُوف کے صاحب زادے اور جانشین حضرت خواجہ محمد ضیاء الدّین صاحبؒ کا ہمارے حضرتؒ کے ساتھ تحریکِ خلافت کے بارہ میں اختلاف ہو گیا تھا جس کا تذکرہ گذشتہ اَوراق میں کیا جا چکا ہے۔ یہ اختلاف، جو بہر حال مُسلمانوں کی سربلندی اور نصاریٰ کی سرکوبی کے جذبات کی پیداوار تھا، دراصل طریق کار سے متعلق تھا اور بعد ازاں واقعات کی روشنی میں خود بخود رفع ہو گیا۔ ابتدا میں باہم بڑا ارتباط تھا۔ چنانچہ "مکتوبات طیّبات" کے ایک جوابی خط مورخہ ۸۔ رمضان ۱۳۳۲ھ (۱۹۱۴ء) میں حضرتؒ انہیں سیّدی وسندی سے خطاب فرماتے ہُوئے لکھتے ہیں: "الحمد للہ کہ از اولادِ حضرت من دین راضیاتے واللہ را عباداتے بظہور آمد لازال کذالک آمین"۔ پھر عید سے پہلے سیال شریف کی حاضری کے ارادہ کا ذکر فرما کر تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت دیوان صاحب پاک پتن شریف عنقریب یہاں تشریف لانے والے ہیں۔ اگر اُن کے انتظار کی وجہ سے عید پر حاضری نہ ہو سکی تو "ہمیں جا بُوئے پیراہنِ یوسفی را در مشامِ یعقوبی شمیدہ از خود در خود خواہم سرائید۔"

عیدِ ما وعیدیِ ما دیدنِ رُوئے تو بس	عید شد ہر کس زیارے عیدیے دارد ہوس
ایں چنیں عیدے نہ بیند در دو عالم ہیچ کس"	عیدِ مردم دیدنِ مہ عیدِ ما دیدارِ تو

خواجہ محمد ضیاء الدّین صاحبؒ مجاہد اور مُصلح ہونے کے علاوہ اہلِ قلم بھی تھے۔ قادیانیّت کے خلاف ایک رسالہ "معیار المسیح" (مطبوعہ ۱۳۲۹ھ) آپ کی تصانیف میں قابلِ ذکر ہے۔ اِن کے صاحبزادہ اور جانشینِ صادق حضرت خواجہ حافظ محمد قمرُ الدین صاحب دامت برکاتہٗ بھی صاحب تصانیف کثیرہ ہیں۔

۱۰۔ حضرت صاحبزادہ محمد عبداللہ صاحب سیالوی

حضرت ثانی صاحب رحمۃُ اللہ علیہ کے صاحبزادہ خواجہ محمد عبداللہ صاحب نے بھی کسی زمانہ میں اشعار کے اندر باہمی اختلاف کا شکوہ کیا تھا۔ مگر پھر حضورؒ کے عالمِ استغراق کے دَوران عُرس پر گولڑہ شریف آئے۔ اَور ایک روز جب کہ حضرتؒ حالتِ صحو میں تھے اَور پھُولوں کا ہار پہنے ہُوئے تھے، حضُورؒ کے گلے میں پھُولوں کے ہار کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: "واہ۔ وا آج تو ہار پہن رکھا ہے"۔ حضرت اعلیٰؒ نے جواباً مُسکرا کر فرمایا: "ہار نہیں جیت ہے"۔ یعنی میرے شیخ زادہ آج میرے مہمان ہیں۔ گویا

فرمارہے ہیں ؎

شکر للہ میان من و تو صلح فتاد — حوریاں رقص کناں ساغر و پیمانہ زدند

۱۱۔ حضرت صاحبزادہ محمد امین صاحب سیالوی

۱۲۔ حضرت صاحب زادہ محمد سعد اللہ صاحب سیالوی

حضرت ثانی صاحبؒ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے جناب خواجہ محمد سعد اللہ صاحب سلمہ اللہ ہمارے حضرت کو نہایت عزیز تھے اور اس پیار میں دونوں جانب سے کبھی فرق نہیں آیا۔

۱۳۔ حضرات پیر حیدر شاہ صاحب جلالپور۔ ۱۴۔ خواجہ محمد امین صاحب چکوڑی شریف

۱۵۔ خواجہ معظم دین صاحب (مرولہ شریف)۔ ۱۶۔ خواجہ فضل دین صاحب (چاچڑاں شریف)

رحمۃ اللہ علیہم

حضرات پیر سید حیدر شاہ صاحب جلالپوری (وصال ۱۹۰۸ء)، خواجہ محمد امین صاحب چکوڑی شریف (وصال ۱۹۰۷ء)، خواجہ معظم دین صاحب مرولہ شریف (وصال ۱۹۰۷ء) اور خواجہ فضل الدین صاحب چاچڑاں شریف (وصال ۱۸۸۰ء) حضرتِ اعلیٰ سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کے اعاظم خلفاء میں شمار ہوتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ جلالپوری آپ کے سب سے پہلے اور ہمارے حضرتؒ سب سے آخری خلیفہ ہیں۔ مولوی امیر بخش صاحب خوشابی منشی دربار سیال شریف نے "انوارِ شمسیہ" میں ہمارے حضرتؒ کا ذکر خیر کرتے ہوئے کیا برجستہ کہا ہے ؎

معدنِ انوار مہر عالمیں — آخر آمد گشت فخر الاولین

جزاہ اللہ خیر الجزا۔ یہ سب حضرات علم و فقر میں نہایت بلند مقام رکھتے تھے اور وسیع حلقۂ ارشاد کے مالک تھے۔ سیال شریف میں اعراس کے ایام میں باہم فکر و نظر کی علمی اور روحانی صحبتیں رہتیں۔ بعض اوقات کسی مسئلہ میں باہم اختلاف رونما ہوتا تو حضرت ثانی صاحبؒ ہمارے حضرتؒ کو ثالث مقرر فرماتے۔ قادیانی معرکۂ لاہور میں ان آستانوں کے صاحبزادے اور علماء مولوی محمد چراغ صاحب چکوڑی شریف، مولوی عبد العزیز صاحب چاچڑ شریف اور مولوی شہاب الدین صاحب مرولہ شریف وغیرہم حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کے ناصرین اور مجاہدین میں شامل ہو کر آپ کے ساتھ لاہور گئے تھے۔ اور اسی سلک میں

۱۷۔ حضرت خواجہ عبد الخالق صاحب جہاں خیلاں

اور

۱۸۔ حضرت خواجہ عبد القاہر صاحب باجھ خیلاں بھی منسلک ہیں۔

[illegible] حضرت حاجی رحمت اللہ صاحب مہاجر مکی (ولادت [illegible] وفات [illegible])

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب ابن مولوی خلیل اللہ صاحب کا اصل وطن دہلی اور مقام ولادت قصبہ کیرانہ ضلع مظفر [illegible] کی ولادت [illegible] اور تاریخ وفات [illegible] رمضان المبارک [illegible] مطابق [illegible] ہے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم [illegible] جہاں ان کے والد [illegible] تھے۔ دینی تعلیم [illegible] مولوی محمد حیات صاحب [illegible] اور [illegible] ہجرت کے [illegible] گئے۔

انگریزوں کی ایسٹ انڈیا کمپنی ہندوستان میں عیسائیت کی تبلیغ پر کمربستہ تھی۔ پادریوں کے غول کے غول بازاروں اور شاہراہوں میں اسلام کے خلاف دل آزار تقریریں اور لٹریچر تقسیم کرتے پھرتے۔ پادری سی جی فنڈر شاہی مسجد کی سیڑھیوں پر کھڑا ہو کر علمائے اسلام کو چیلنج کرتا کہ مناظرہ کر کے مجھے مسلمان بنا لو یا خود عیسائی ہو جاؤ۔ مولانا رحمت اللہ صاحب کے مقابلہ میں فنڈر کو [illegible] مصنف کتاب ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء نے اس طرح بیان کیا ہے۔

"فنڈر نام پادری یورپ سے ہندوستان پہنچا۔ اسے عربی اور فارسی اور اسلامی علوم میں باضابطہ مہارت تھی۔ اس نے اسلام پر اعتراضات کا ایک متعصبانہ سلسلہ چھیڑ دیا تھا۔ ہندوستانی مسلمانوں کو عیسائیت اور عیسوی مذہب سے دور کا بھی تعلق نہ تھا۔ علماء بھی اس مذہب کی تفصیلات سے ناواقف تھے اور انہوں نے اس طرف کبھی توجہ بھی نہیں کی تھی۔ البتہ بعض محققین نے دین عیسوی پر کافی مطالعہ کر رکھا تھا۔ بہار کے ایک ڈاکٹر وزیر خان نامی جو مرشد آباد ایک موضع کے رہنے والے تھے۔ ڈاکٹری کی تکمیل کے لیے یورپ گئے اور وہاں انہوں نے عیسوی مذہب پر جس قدر کتابیں مل سکتی تھیں اُن کا شرح و تفسیر سے مطالعہ کیا۔ ہندوستان واپس آنے پر گورنمنٹ نے ان کا تقرر آگرہ میں کر دیا۔

پادری فنڈر مذکور نے ہندوستان میں چند جگہ علماء سے بھی گفتگو کی مگر وہ جواب نہ دے سکے پھر وہ آگرے آیا۔ یہاں اس وقت صدر نظامت کی وجہ سے علماء کا بڑا مجمع تھا۔ ڈاکٹر وزیر خان اور مولینا رحمت اللہ کے باہم بڑے تعلقات تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے پادری کی آمد کے بعد کیرانہ سے مولینا کو بلوا بھیجا جو آگرہ آئے اور یہاں مقیم ہو گئے۔

حکام صدر نے یہاں مناظرہ کروایا۔ ماہ رجب ۱۲۷۰ھ ہجری (۱۸۵۴ء) میں یہ مناظرے کی مجلس منعقد ہوئی جس میں ہندوستان سے بھی بڑے بڑے عالم اور اُمراء شریک ہوئے تھے۔ مسٹر اسمتھ حاکم صدر، مسٹر کرسچین سیکرٹری ریونیو بورڈ، مسٹر ولیم حاکم علاقہ فوجی، مسٹر لیڈے مترجم اوّل گورنمنٹ حکام میں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ عیسائیوں کی طرف سے پادری فنڈر مناظر اوّل اور پادری فرنچ مناظر دوم اور اہل اسلام کی طرف سے مولینا رحمت اللہ مناظر اوّل اور ان کے ساتھی ڈاکٹر وزیر خان تھے۔ جلسہ کئی روز رہا۔ ہزارہا ہندو و مسلمان تماش بینوں کی حیثیت سے مناظرے میں شریک ہوتے تھے۔ . . . آخر کار فاش شکست کے ساتھ فنڈر کو مجلس سے اُٹھنا پڑا اور وہ آگرہ سے روانہ ہو گیا۔"

مفتی انتظام اللہ صاحب نے اِس سلسلہ میں یہ بھی لکھا ہے:۔

"سب سے بڑا فتنہ مسلمانوں کے لیے یہ اُٹھا تھا کہ ایک طرف ان کے ہاتھ سے حکومت لی جا رہی تھی اور دوسری طرف مذہب پر ہاتھ صاف کیا جا رہا تھا۔ یہی چیز علماء کی بے چینی کا سب سے بڑا سبب ہوئی۔ چنانچہ علماء دلچسپی لینے لگے کہ بغیر تغلب نصرانیت سے چھٹکارا ممکن نہیں ..... فرانسیسی مشنریوں میں سے مسٹر جوزف بھی تھے۔ یہ مفتی انعام اللہ خان بہادر کے احباب سے تھے۔ حضرت احمد اللہ شاہ صاحبؒ کے فیض صحبت سے اسلام قبول کیا اور یوسف علی شاہ نام رکھا گیا۔ ایک مسجد ان کے نام سے آج تک آگرہ میں موجود ہے۔"

اِس مناظرہ کے کوائف مولینا رحمت اللہ صاحب کی کتاب "اظہار الحق" (مطبوعہ ۱۳۰۱ ہجری مطبع محمودیہ قاہرہ مصر) میں بھی شائع ہوئے تھے جس کے حاشیہ پر ڈاکٹر وزیر خان صاحب کا تحریری مناظرہ اُردو بھی عربی زبان میں ترجمہ کر کے شامل کیا گیا تھا۔ مولینا صاحبؒ نے پادری فنڈر کی شکست پر تحریری دستاویز لی تھی جس میں اُس کا یہ اقرار بھی شامل تھا کہ آئندہ مسائل زیر بحث پر علمائے اسلام سے کبھی مناظرہ نہیں کرے گا۔ کئی سال بعد فنڈر نے علمائے استنبول کو انہیں مسائل پر مناظرہ کی دعوت دی۔ مولینا اُس زمانہ میں ہجرت کر کے مکہ معظمہ میں مقیم ہو چکے تھے۔ سلطان عبدالحمید خان نے اپنا خاص اگنبوٹ بھیج کر آپؒ کو قسطنطنیہ بلوایا جہاں آپ کی آمد کی خبر پا کر فنڈر روپوش ہو گیا۔

مولینا رحمت اللہ صاحبؒ کی ہجرت کی سبیل یہ ہوئی کہ مناظرۂ آگرہ کے تین برس بعد ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مولینا نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ جس کی مختصر سرگذشت آپؒ کے بھائی کے ایک پوتے مولینا محمد عارف عثمانی صاحب نے اِس طرح تحریر فرمائی ہے:۔

"ضلع مظفر نگر کے پرگنہ شاملی میں زمینداره شیوخ اور گوجروں کے ہاتھ میں تھا جن میں دینداری کے ساتھ جوش بھی تھا۔ چنانچہ تھانہ بھون اور کیرانہ کا ایک محاذ قائم کیا گیا۔ اور مجاہدین کی جماعت مدافعت اور مقابلہ کرتی رہی۔ شاملی کی تحصیل پر حملہ کیا گیا اور پرگنہ کے چاروں طرف اس مجاہدانہ تحریک کا اثر عام ہو گیا تھا۔ تھانہ بھون کے رہنما مجاہدین (حضرت حاجی امداد اللہ صاحب وغیرہ) کے علاوہ نواح کیرانہ میں حضرت مولینا رحمت اللہ گورہ فوج کا مقابلہ کر رہے تھے .....

اُس زمانہ میں عصر کی نماز کے بعد مجاہدین کی تنظیم اور تربیت کے لیے کیرانہ جامع مسجد کی سیڑھیوں پر نقارہ بجایا جاتا تھا۔ جس کی آواز سن کر وہاں کے لوگ جمع ہو جاتے اور اعلان کیا جاتا تھا۔ "مُلک خُدا کا اور حکم مولوی رحمت اللہ کا"۔ اس جملہ کے بعد جو کچھ کہنا ہوتا تھا عوام کو سنایا جاتا تھا .....

کیرانہ کے محاذ پر بظاہر شکست کا امکان نہ تھا۔ مگر بعض ابنائے وطن کی زمانہ سازی اور مخبروں کی سازش نے حالات کا رُخ بدل دیا۔ کیرانہ میں گورہ فوج اور توپ خانہ داخل ہوا۔ محلہ دربار کے دروازے کے سامنے توپ خانہ نصب کیا گیا۔ اور گورہ فوج نے دربار کا محاصرہ کر لیا۔ ہر گھر کی تلاشی لی گئی۔ اس لیے کہ کسی مخبر نے اطلاع دی تھی کہ مولینا دربار میں روپوش ہیں۔ کیرانہ کے قریب پنجیٹھ مسلمان گوجروں کا ایک گاؤں ہے۔ وہاں حضرت مولینا اپنی باقی جماعت کے ساتھ پہنچے۔ خود اِس گاؤں کے لوگ بھی مجاہدین میں شریک تھے۔ اِس دوران میں گورہ فوج

کے ایک گھوڑا سوار دستے نے پنجیٹھ کا رُخ کیا۔ کیرانہ اور تمام قرب و جوار کے حالات کی اطلاع مولینا کو ملتی رہتی تھی۔ چنانچہ پنجیٹھ کے مکھیا کو جب فوج کی آمد کا حال معلوم ہوا تو اُس نے فوراً جماعت کو منتشر کر دیا اور مولینا سے عرض کی کہ کھرپا لے کر کھیت میں گھاس کاٹنے چلے جائیں۔ اِن کا اپنا بیان ہے کہ گورہ فوج اسی کھیت کی پگڈنڈی سے گذری جہاں میں گھاس کاٹ رہا تھا اور گھوڑوں کی ٹاپوں سے جو کنکریاں اُڑتی تھیں وہ میرے جسم پر لگ رہی تھیں۔

"انگریزوں نے قابض و متصرف ہو کر حضرت مولینا کے خلاف فوجداری مقدمہ چلانے کا حکم دیا۔ آپ کی گرفتاری کے لیے ایک ہزار روپیہ انعام مقرر کیا گیا۔ آپ کی تمام مزروعہ جائیداد اور املاک ضبط کر کے کوڑیوں کے مول نیلام کر دی گئی۔ حتیٰ کہ پانی پت میں جو آپ کا آبائی وطن تھا ایک مخبر کمال الدین کی اطلاع پر وہاں کی ساری موروثی جائیداد بھی ۳۰۔ جنوری ۱۸۶۴ء کو نیلام ہوئی۔

مولینا اپنا نام مصلح الدین رکھ کر کچھ عرصہ ہندوستان اور راجپوتانہ کے مختلف مقامات پر مجاہدین کی از سرِ نو تنظیم کی کوشش میں مصروف رہے اور بالآخر مایوس ہو کر سورت کے راستے جہاز پر عرب شریف پہنچ گئے اور وہاں کچھ عرصہ بعد مدرسہ صولتیہ کی صدارت اختیار فرما کر عرب و عجم کو علومِ دین سے بہرہ ور کرنے میں عمر گذار دی۔ کیرانہ کی مجاہدانہ زندگی میں دہلی تشریف لے گئے تھے وہاں علمائے کرام نے بہادر شاہ ظفر کی بادشاہی اور جہاد کا جو فتویٰ مرتب کیا تھا اُس پر مولینا رحمۃ اللہ صاحب کے دستخط بھی ثبت تھے۔" ہمارے حضرت رح سے مولینا صاحب کے تعلقات اور باہمی علمی مذاکرات کا مفصل ذکر باب چہارم میں گذر چکا ہے۔

مولینا کے دوست ڈاکٹر وزیر خان اور ایک مغل شہزادہ فیروز بخت بھی مولینا کی مجاہدانہ سرگرمیوں میں شریک رہ کر بالآخر ہندوستان سے ہجرت کر کے عرب شریف پہنچ گئے تھے۔ ڈاکٹر وزیر خان نے مکہ مکرمہ میں چودہ برس طبابت کر کے ۱۸۷۳ء میں وفات پائی۔ انگریزوں نے ترکی حکومت سے ڈاکٹر صاحب کے وارنٹ گرفتاری و منتقلی حاصل کر لیے تھے مگر بدوی قبیلہ کے ایک طاقتور شیخ نے انہیں پناہ میں لے کر بالآخر حکومتِ ترکیہ سے یہ وارنٹ منسوخ کروا دیے۔

۲۰۔ حضرت باوا افضل دین صاحب رح کلیامی (وصال ۱۸۹۲ء)

حضرت رح کے معاصرینِ کرام میں حضرت باوا افضل دین صاحب رح کلیامی بڑے پائے کے بزرگ گذرے ہیں۔ کلیام اوان راولپنڈی سے قریباً پندرہ سولہ میل دُور لاہور کی سڑک کے قریب واقع ہے۔ باوا صاحب رح کا سلسلہ چشتیہ صابریہ تھا۔ آپ کے پیرِ طریقت حضرت حافظ محمد شریف خان دہلوی بابر بادشاہ کی اولاد سے تھے اور اُن کا مزار بھی کلیام شریف میں ہے۔ کثرتِ جذب و سُکر کے باعث حضرت باوا صاحب رح سے ظاہری طور پر نماز چھوٹ گئی تھی۔ ایک دفعہ مقامی علماء نے کہا ہم آپ کا جنازہ نہیں پڑھیں گے۔ فرمایا میرا جنازہ علمِ شریعت کا اتنا بڑا شیر آکر پڑھائے گا کہ تم لوگوں کو مجبوراً شامل ہونا پڑے گا۔ آپ نے بہت عرصہ پہلے حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ سے کہہ رکھا تھا کہ یہ مولوی لوگ میرے حال سے بے خبر ہیں اور کہتے ہیں تمہارا جنازہ نہیں پڑھائیں گے چنانچہ آپ کو آکر میرا جنازہ پڑھانا ہوگا۔ اُدھر اپنے خدام کو بھی وصیت کر دی تھی کہ میرا جنازہ پیر صاحب رح پڑھائیں۔ حضرت رح فرماتے تھے کہ جس رات اُن

کا انتقال ہوا، اُنہوں نے خواب میں آکر مجھ سے فرمایا "پیرجی! میں مرگیا ہوں۔ آکر جنازہ پڑھا جاؤ" چنانچہ علی الصبح حضرتؒ نے گھوڑا سواری کے لیے تیار کرایا اور ایک خادم حافظ فضل دین کو ہمراہ لے کر ریلوے اسٹیشن گولڑہ پر پہنچے مگر گاڑی چھوٹ جانے کے باعث بسواری گھوڑا راولپنڈی جاکر ریل گاڑی میں سوار ہوئے۔ گولڑہ شریف ریلوے اسٹیشن پر باواصاحبؒ کے انتقال کے متعلق تار آیا رکھا تھا۔ اور راولپنڈی کے قریب بھی خبر پہنچانے کے لیے کلیام شریف کا ایک سوار بھی آتا ہوا ملا جسے احتیاطاً بھجوایا گیا تھا کہ مبادا تار وقت پر نہ ملے۔ جنازے میں اس قدر اژدہام خلائق تھا کہ حضرتؒ کو گھوڑے پر سوار ہو کر صفیں درست کرانی پڑیں۔ چنانچہ معترض مولوی صاحبان بھی بچشم پُرنم جنازہ میں شریک ہوئے۔ بلکہ ان میں سے بعض حضرات اس اثنا میں باواصاحبؒ سے بیعت بھی کرچکے تھے۔ ویسے بھی متعدد متشرع عُلما آپ کے سلسلۂ ارادت میں شامل تھے اور چند ایک حضرات کے علاوہ جو آخری عمر میں مجذوب ہوگئے، آپؒ کے تمام خُلفاء اور خُدام پابند صوم و صلوٰۃ اور وظائف و اوراد چشتیہ صابریہ پر کاربند تھے۔ آپؒ کے مشہور خُلفاء کے اسمائے گرامی یہ ہیں:۔

۱۔ سیّد امیر علی شاہ صاحب۔ کلیام (وصال ۱۹۱۶ء)

۲۔ سائیں محمد حسین صاحب سنگھوڑی والے (وصال ۱۹۳۰ء)

۳۔ جناب مولوی عبدالستار صاحب۔ کلیام (وصال ۱۹۴۲ء)

حضرت باوا فضل دین صاحبؒ کا وصال یکم جنوری ۱۸۹۲ء کو بروز جمعہ ہوا۔ آپ کے دربار کے موجودہ سجادہ نشین جناب سائیں مولا بخش صاحب ہیں۔

سیّد احمد شاہ صاحب ساکن پنڈ پراچہ داخلی جھنگی سیداں، جو حضرت قبلۂ عالم گولڑوی قدس سرہٗ کے مُرید ہیں۔ حافظ فضل دین صاحب مرحوم کی زبانی روایت کرتے ہیں کہ میں جناب باواصاحبؒ کی نمازِ جنازہ کے لیے حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کے ہمرکاب کلیام شریف گیا تھا۔ جب باواصاحبؒ کو قبر میں رکھا گیا تو آپؒ کی وصیت کے مُطابق آپؒ کا قوال سارنگی بجاتا رہا جس پر ہمارے حضرت قبلۂ عالم گولڑوی قدس سرہٗ کو خُوب وجد ہوا۔

روایت ہے کہ حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کو جناب باواصاحب بستی کلیام کے باہر زندہ بھی نظر آئے تھے۔ جب آپؒ نے پُوچھا کہ "باوا جی آپ تو یہاں پھر رہے ہیں میں جنازہ کس کا پڑھاؤں گا؟" فرمایا کہ "مجھ سے یہ نہیں ہوسکتا کہ آلِ رسُول میرے گھر میں آئے اور میں اُس کا اِستقبال نہ کروں"۔

کہتے ہیں حضرت باواصاحبؒ وصیت فرما گئے تھے کہ ہماری موت پر کوئی نہ روئے بلکہ گاؤں کی عورتیں شادی بیاہ کی طرح خُوشی کے گیت گائیں۔

باواصاحبؒ سے حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کی راہ ورسم زمانۂ طالب علمی سے تھی۔ اُس زمانہ میں ان کے بعض ظاہر بین مُرید حضرتؒ سے سوال کرتے تھے کہ باواصاحب کی آپ پر اس قدر توجہ ہے تو آپؒ کی نماز ابھی تک کیوں نہیں چھوٹی؟ حضرتؒ جواب میں فرماتے تھے کہ اگر باواصاحب خود بھی مجھے ترکِ نماز کے لیے کہیں تو میں تعمیل نہ کروں گا اور نہ اُن لوگوں کی بات ہی مانوں گا جو ان کی مُلاقات پر اعتراض کرتے ہیں۔

حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ جہادِ نفس میں اُنہیں بلند مقام حاصل تھا۔ چنانچہ ایک روز حضرتؒ سے فرمایا "پیرجی! درویشی مجاہدہ کا نام ہے۔ کئی برس سے نفس ٹھنڈا پانی مانگتا ہے۔ لیکن میں اسے گرم پانی دیتا ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ کس پھل کا ذائقہ کیسا ہوتا ہے

اور میٹھا کسے کہتے ہیں۔ خوراک کے طور پر دال کے چند گھونٹ دوسرے تیسرے وقت پی لیتے تھے۔"

باوا صاحبؒ نفس کشی میں اپنی مثال نہیں رکھتے تھے۔ گرمیوں کی دھوپ میں پتھر کی ایک سل پر پڑے رہتے۔ اور سردی میں سقے کو چھت پر کھڑا کر کے ٹھنڈے پانی کی دھار اپنے سر پر ڈلواتے اور عشقِ الٰہی کے سوز میں ہائے ہائے کرتے رہتے۔ ایک رات کمرے میں سو رہے تھے۔ پاس ہی چارپائی پر ستار رکھی تھی۔ ایک چوہا جو اوپر سے گذرا تو تاروں سے ایک جھنکار نکلی۔ تڑپ کر چارپائی سے دور جا گرے۔ کہتے تھے "ہائے سڑی گیاں۔ ہائے بلی گیاں" یعنی ہائے جل گیا۔ سماع کا شوق نہایت غالب تھا۔

حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ "مجھے حالتِ حیات بابرکات باوا فضل الدین صاحبؒ کلیامی میں گاہے گاہے ان کے پاس جانے کا اتفاق ہوا ہے۔ جس قسم کی ریاضاتِ شاقہ نفسانی راحت کو توڑنے والی انہوں نے کی ہیں اہلِ زمانہ نے ان کی نظیر نہیں دیکھی۔ اہلِ ظاہر ان کے اندرونی درد اور شغلِ باطن سے بے خبری کے باعث ان پر معترض ہوتے تھے۔ ان کا کوئی نفس اسمِ ذات کے ذکر سے خالی نہ گزرتا تھا اور کمالِ استغراق حال سے اشغالِ ظاہری کی طرف توجہ کرنے سے معذور تھے۔"

ایک دن باوا صاحبؒ کی مجلس میں کسی شخص نے پڑھا "قربان جیون فرید فرید" تو آپ کی ہڈیوں سے تڑاق تڑاق کی آواز آئی۔ اگر اس مجلس میں کوئی وجد کا منکر شخص ہوتا تو وہ بھی حیران ہو جاتا۔ باوا صاحبؒ کی نظر میں ناموسِ ظاہری کی کچھ وقعت نہ تھی۔ لوگوں سے بے نیاز ہو کر مظاہرِ صوری میں جمالِ مطلق کا مشاہدہ کرتے تھے۔ فرماتے تھے نیت مستقیم چاہیئے۔ قوال کو وصیت فرمائی تھی کہ میری نعش قبر میں رکھ کر میرے کان کے قریب چنگ خوب زور سے بجانا اور کسی کے منع کرنے سے ہرگز نہ رکنا۔ جب قوال یہ وصیت بجا لایا تو سب حاضرین میں بے حد ذوق و شوق کی کیفیت پیدا ہوئی۔

حضرتؒ فرماتے تھے کہ ایک دفعہ میں اور باوا صاحبؒ پاک پتن شریف کے عرس پر اکٹھے گئے تھے۔ جب بہشتی دروازہ کے کھلنے کا وقت قریب آیا تو باوا صاحبؒ نے کہا پیر صاحب! دیکھنا جب بہشتی دروازہ کھلے گا تو حضرت گنج شکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روضہ پر جو کلس ہے وہ گھوم جائے گا۔ چنانچہ میں نے دیکھا تو واقعی کلس گھوم گیا۔ حضرتؒ نے سنہ ۱۳۲۶ ہجری (۱۹۰۸ء) میں دروازہ کھلنے سے پہلے ایک مجمع کے سامنے یہ راز ظاہر فرمایا۔ چنانچہ بے شمار لوگوں نے (جن میں نواب محمد حیات صاحب قریشی اور حضرت شیخ الجامعہ صاحب بھی شامل تھے) اپنی آنکھوں سے دیکھ کر اس قول کی تصدیق کی۔ اُس روز حضرتؒ نے کلس کے گھوم جانے کی حکمت یہ بیان فرمائی تھی کہ اس وقت حضور سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحابِ کبار اور مشائخِ عظام تشریف لاتے ہیں اور یہ سلامی ہے۔

ایک سال باوا صاحبؒ پاک پتن شریف کے عرس پر دیوان صاحب کی حسبِ فرمائش اُن کے لیے ایک قیمتی چیز تحفۃً لیے جا رہے تھے۔ اثنائے سفر میں ایک سید زادہ صاحب مُصر ہوئے کہ مجھے دے دیں۔ انہوں نے عذر کیا کہ دیوان صاحب نے یہ چیز منگوائی ہے۔ وہ حضرت گنج شکرؒ کی اولاد ہیں۔ میں انہیں ناراض نہیں کر سکتا۔ شاہ صاحب نے کہا کہ اگر دیوان صاحب حضرت گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد ہیں تو میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آل سے ہوں۔ یہ سن کر باوا صاحبؒ تڑپ گئے اور وہ چیز اُسی وقت اُن کے حوالے کر دی۔ پاک پتن شریف پہنچے تو دیوان صاحب سخت ناراض ہوئے۔ رات کو خواب میں حضرت گنج شکرؒ نے حکم دیا کہ باوا صاحبؒ سے معافی مانگو۔ اُنہوں نے جو کچھ کیا ٹھیک کیا۔

ایک مرتبہ حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ بذریعہ ریل گاڑی سفر سے واپس آ رہے تھے۔ سخت سردی کا موسم تھا۔ صبح سویرے جب

کلیام شریف قریب آیا تو فرمایا ادھر کی کھڑکیاں کھول دو کہ باوا افضل صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے روضہ سے عشقِ الٰہی کی ہوائیں چلتی ہیں۔

پنجہ ضلع شاہ پور کے مشہور عالم اور قاری جناب قاضی عبدالحکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جب میں چھاؤنی راولپنڈی میں امام مسجد تھا تو اکثر کلیام شریف حاضر ہوا کرتا تھا۔ باوا صاحبؒ کے ایک مُرید مولوی صاحب انہی دنوں حج اور مدینہ منورہ کی زیارت کو گئے اور واپس آکر باوا جیؒ سے عرض کیا کہ مجھے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خواب میں زیارت سے مشرف فرما کر ارشاد فرمایا کہ اپنے بدعتی پیر کو ہمارا سلام کہنا۔ یہ سُن کر باوا صاحبؒ کو بڑی کیفیت ہوئی اور عرصہ تک اس پر وجد کرتے رہے۔

باوا صاحبؒ پر توحید اور ربوبیّت کا ایسا غلبہ تھا کہ غیر مسلموں تک سے نہایت مہربانی کے ساتھ پیش آتے تھے اور اُن کے لیے دُعائے خیر فرماتے تھے۔ کلر کا ایک ہندو زرگر آپؒ کا مُرید تھا۔ اُس نے یہ کہہ کر بمع اہل و عیال مُسلمان ہونا چاہا کہ قیامت کے دن بھی آپ کے دامن سے وابستہ رہیں۔ فرمایا "میں نے تمہیں مسلمان کر لیا ہے۔ قیامت کے روز اگر میں کسی قابل ہوا تو تمہیں پہچان لُوں گا۔"

اِس میں شک نہیں کہ یہ اُمورِ علمِ ظاہر کی دسترس سے باہر ہیں اور کسی اور ہی عالم کی خبر دیتے ہیں۔ علاوہ برآں یہ شرع شریف میں حُجّت بھی نہیں کہ اِن کا تعاقب کیا جائے۔ تاہم جب اِس قسم کی باتیں حضرت قبلۂ عالم گولڑویؒ، حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ یا حضرت مولینا جلال الدین رُومیؒ جیسے بلند پایہ بزرگان اور عالمانِ شریعت کی زبان اور قلم سے نکل جاتی ہیں تو دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگتی ہیں۔ "نفحات الانس" میں حضرت معشوق طوسی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق مذکور ہے کہ اُن سے نماز چھوٹ گئی تھی۔ عُلمائے وقت کے اصرار پر آپ نے نماز شروع کی تو اِیَّاكَ نَعْبُدُ تک پہنچنے پر ہر بُنِ مُو سے خُون جاری ہو گیا۔ فرمانے لگے اب تو مجھے معذور سمجھو گے؟

بعض کتابوں میں ایک مجذوب کے متعلق یہ روایت ملتی ہے کہ وہ بھاڑ جھونکتے تھے۔ ایک سالک راہ بہ تعمیلِ ارشادِ باطنی اُن سے یہ دریافت کرنے گئے کہ اللہ تعالیٰ سے کیا مانگوں؟ فرمایا کل آنا۔ اگلے روز جب وہ پہنچے تو بھٹیارن نے افسوس کے ساتھ بتایا کہ بے چارہ جاسوسی کے الزام میں قتل کر دیا گیا ہے اور لاش کے ٹکڑے فلاں جنگل میں پھنکوا دیئے گئے ہیں کہ جانور کھالیں۔ یہ وہاں پہنچے اور کہا "واہ صاحب! خُوب ایفائے وعدہ کیا۔" آواز آئی کہ "میاں! یہی تو تمہارے سوال کا جواب ہے۔ سرکار کا ہمارے حال پر بڑا کرم تھا۔ مگر عُمر بھر ہم سے بھاڑ جھنکوایا۔ بھوکا پیاسا رکھا۔ نماز روزہ اور ارکانِ اسلام سے محرُوم رہے۔ اور اب یہ حال کیا جو دیکھ رہے ہو۔ پس اُس سے درد اور عشق نہ مانگنا اور جو چاہو مانگ لو۔" ؎

دی شب ز سرِ صدق و صفائے دلِ من | در میکدہ آں رُوح فزائے دلِ من
جامے بمن آورد کہ بستان و بنوش | گفتم نخورم۔ گُفت برائے دلِ من

شرائع سابقہ میں اِس کی نظیر حضرت خضر علیہ السلام کے واقعات میں موجود ہے۔ لیکن آنحضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلّم کی شریعت مطہرہ میں بسلامتی عقل و حواس ایسے قطعی خلافِ شرع اُمُور کے ارتکاب کے لیے کوئی شرعی جواز نہیں۔ تاہم بعض مستانِ بادۂ توحید اہلِ جذب و سُکر سے ایسے واقعات کا ظہور ایک امرِ واقع ہے جن کا ثبوت کُتبِ سیرت میں بکثرت ملتا ہے۔ ہاں اصلی اور بناوٹی مجذُوب کے درمیان امتیاز نہایت ضروری ہے۔ اِسی لیے عوام کے حق میں اربابِ ارشاد و اصحابِ صحو و تمکین ہی کی صُحبت مُفید ہو سکتی ہے ورنہ غلط فہمی اور غلط روی کا سخت اندیشہ ہے۔

۲۱۔ حضرت خواجہ احمد صاحب ؒ میروی (وصال ۱۹۱۲ء)

حضرت خواجہ احمد صاحب ؒ میروی (وصال محرم ۱۳۳۱ھ مطابق ۱۹۱۲ء) حضرت خواجہ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز تھے۔ آپ ؒ کا اصلی وطن بلوچستان تھا۔ تجرّد کی زندگی بسر فرمائی۔ زُہد و اتقا میں سلف صالحین کا صحیح نمونہ اور وسیع حلقۂ ارشاد کے مالک تھے۔ خلفاء کی تعداد چالیس کے قریب بتائی جاتی ہے۔ آپ کے بعد حضرت فقیر احمد صاحب ثانی سجادہ نشین ہوئے اور موجودہ جانشین جناب فقیر عبداللہ صاحب ہیں۔

حضرت خواجہ احمد صاحب میروی رحمۃ اللہ علیہ کا ہمارے حضرت ؒ کے ساتھ ارتباط تھا۔ باہم آمد و رفت اور خط و کتابت بھی تھی۔ حضرت ؒ کے ساتھ اثنائے گفتگو میں آپ ؒ کو بڑے پیارے انداز میں "لالو" کہہ کر بلاتے، جو بزبانِ پنجابی بھائی کے مترادف ہے۔ ایک دو مرتبہ گولڑہ شریف بھی تشریف لائے۔ قاضی عطاء الرّسول صاحب سکنہ بدھو بیان کرتے ہیں کہ خواجہ صاحب بابوجی مدظلہ العالی کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے جو اس وقت کم سن تھے اور صرف کی ابتدائی کتابیں پڑھ رہے تھے۔ حضرت قاری عبدالرحمٰن صاحب جونپوری کے درس میں بابوجی سے قرأت سن کر اس قدر متاثر ہوئے کہ انہیں بازو سے پکڑ کر حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہ کے پاس لے گئے اور فرمایا۔ "لالو توجہ فرمائیے کہ یہ کچھ ہو جائے۔" حضرت ؒ نے فرمایا۔ آپ دُعا کریں کہ یہ کچھ نہ ہو۔ اس پر خواجہ صاحب ہاتھ ہلا ہلا کر منع کرنے لگے کہ "نہیں لالو نہیں۔ ایسا نہ کہیئے۔ دُعا کیجیئے کہ یہ بہت کچھ ہو۔ بہت اچھا ہو۔" آپ ؒ نے مسکرا کر فرمایا کہ اگر کچھ نہ ہو گا تو بہت کچھ ہو گا۔ کیونکہ اس کوچہ میں کچھ نہ ہونا ہی سب کچھ ہونا ہے ؎

تو مباش اصلا کمال این است و بس رَو درو گم شو وصال این است و بس

پھر دونوں حضرات نے ہاتھ اُٹھا کر بارگاہِ الٰہی میں ان کے حق میں دُعا فرمائی جس کی قبولیت کا اثر آج ایک عالم پر آشکار ہے۔ اَللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْ!

پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ قادیانی معرکۂ لاہور کے بعد حضرت خواجہ صاحب میروی ؒ فرمایا کرتے تھے کہ اگر مرزا قادیانی حضرت پیر صاحب ؒ گولڑہ شریف کے رُوبرو آجاتا تو پیر صاحب ؒ اپنی کرامت کے زور سے اُس خنّاس کو جو گوناگوں وساوس کا باعث ہو رہا ہے زمین کے اندر دھنسا دیتے۔

۲۲۔ حضرت مولوی اکبر علی صاحب ؒ میانوالی (وصال ۱۹۵۶ء)

حضرت مولوی اکبر علی صاحب ؒ خطیب میانوالی (وصال ۲۷۔ جمادی الاول ۱۳۷۶ھ مطابق ۲۹۔ دسمبر ۱۹۵۶ء) حضرت خواجہ احمد صاحب میروی کے اعاظم خلفاء میں سے تھے اور ہمارے حضرت ؒ کے ساتھ اُن کا گہرا رُوحانی رابطہ تھا۔ مستند عالم تھے۔ تصوّف، کشف اور رُوحانیت میں بلند مقام رکھتے تھے۔ چودھری اورنگ زیب صاحب ڈپٹی کمشنر سے جو حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہ کے دامن گرفتہ ہیں ان کے خصوصی تعلقات تھے۔ اور اُن سے بعض اوقات خاص اسرار کی باتیں بھی بیان فرما دیتے۔ مثلاً یہ کہ آج سبق کے دوران فلاں بزرگ کی رُوح تشریف فرما ہوئی۔ گولڑہ شریف عُرس کے موقعہ پر بھی کبھی کبھی حاضر ہوا کرتے تھے۔ ایک دفعہ عرس کی مجلس ختم ہوئی تو چودھری صاحب سے فرمایا کہ آج رُوحانی مجلس میں آواز بلند ہوئی کہ غوث کی عُمر ایک برس اور بڑھا دی گئی ہے۔ چنانچہ پورے ایک سال بعد حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہ کا وصال ہوا۔ ان کے صاحبزادے مولوی غلام جیلانی صاحب اب میانوالی کے

خطیب اور اپنے والد رحمۃ اللہ علیہ کی مسند پر متمکن ہیں۔

۲۳۔ حضرت خواجہ امیر احمد صاحب بسالوی (وصال ۱۹۳۹ء)

حضرت خواجہ امیر احمد صاحب بسالویؒ (وصال ۲۱۔ ذی الحجہ ۱۳۵۷ھ ۱۹۳۹ء) حضرت خواجہ اللہ بخش صاحب تونسوی علیہ الرحمۃ کے خلیفہ مجاز تھے۔ کچھ عرصہ تک اُن کے صاحبزادہ حضرت خواجہ محمود صاحبؒ کے پاس امامت کی خدمت پر سرفراز رہے۔ ایک مرتبہ صاحبزادہ صاحب موصُوف کے ہمرکاب گولڑہ شریف آئے تو حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کی مجلس میں صفِ نعال میں بیٹھ گئے۔ حضرتؒ کی دریافت پر بتایا گیا کہ حضرت صاحبزادہ محمود صاحب کے ہمراہیوں میں سے ہیں۔ فرمایا اس شخص سے اللہ اللہ کی خوشبو آرہی ہے۔ بعد میں جب بسال شریف میں آکر مسندِ ارشاد پر رونق افروز ہوئے تو اکثر گولڑہ شریف آمد و رفت رہی۔ دربارِ عالیہ گولڑہ شریف کے موجُودہ امام مسجد مولوی اللہ بخش صاحب کچھ عرصہ بسال شریف میں ان کے پاس بھی امامت اور تدریس پر قیام پذیر رہے۔ انہیں فرمایا کرتے تھے کہ میں نے حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ سے اجازت لے کر آپ کو اپنے پاس رکھا ہوا ہے۔ صاحبِ کشف و کرامات اور صاحبِ ارشاد بزرگ تھے۔ جنڈ کے سادات کا ایک گھرانہ ان کی تعلیم اور توجہ سے راہِ راست سے ہم کنار ہوا۔ حالانکہ ان لوگوں کی اہلسنت والجماعت کے ساتھ دشمنی اور اصحاب کرامؓ کی شان میں اعلانیہ تبرّا بازی اس نواح میں مشہور ہو چکی تھی۔ ان میں سے سیّد محبُوب شاہ صاحب نے حضرت خواجہ امیر احمد صاحب بسالوی رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ میں منسلک ہو کر علمِ دین حاصل کیا اور اہلسُنّت والجماعت کی تبلیغ کو اپنا شعار بنا لیا۔

حضرت صاحب بسالویؒ کا حلقۂ ارشاد پشاور سے بلوچستان تک پھیلا ہوا ہے اور ملک کے اندر متعدد خلفاء ان کے انوارِ ہدایت پھیلانے میں سرگرم ہیں سلیمان آباد (بسال شریف) میں ان کے جانشین جناب میاں محمد صاحب اس وقت سجادہ نشین ہیں۔ کثرتِ مراقبہ اور شغل کے باعث حضرتِ اعلیٰ بسالویؒ آخر عمر میں چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے تھے۔ مگر حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کے وصال پر گھوڑے میں بیٹھ کر گولڑہ شریف کا سفر اختیار فرمایا اور وصال کے بعد اگلی ہی رات مزار شریف پر حاضری دی۔ مزار شریف کی طرف دیکھ دیکھ کر مسکراتے تھے۔

۲۴۔ حضرت سُلطان نُور احمد صاحب دربار سُلطان العارفین باہُوؒ

سُلطان العارفین حضرت سُلطان باہُو صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سجّادہ نشین حضرت سُلطان نُور احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارے حضرتؒ کے تعلق اور رُوحانی نسبت کے متعلق ایک روایت ہے کہ سُلطان صاحب موصُوف نے ایک سیّد زادہ کو اُن کے سوال پر ایک گھوڑا اعطا کرنا قبول فرمایا۔ ان شاہ صاحب نے اصطبل میں حضرت موصُوف کی ذاتی سواری کے بیش قیمت گھوڑے پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا کہ اگر لیا تو یہ گھوڑا لوں گا۔ چُونکہ سُلطان صاحب سیّد کا سوال ردّ فرمانا نہیں چاہتے تھے اس لیے آپ نے وُہی گھوڑا اُن کو دے دیا۔ کچھ عرصہ بعد یہی سیّد صاحب سیال شریف کے عُرس میں ہمارے حضرتؒ کی جلو میں اژدہامِ خلق دیکھ کر سوال کے ارادہ سے لپک کر آپ کی طرف آئے۔ آپؒ نے اُن کے سوال سے پہلے ہی کچھ رقم جیب سے نکال کر حوالے کی اور سُلطان صاحب کے گھوڑے کا ذکر فرما کر بطور تنبیہ فرمایا کہ سیادت اعلیٰ شرف ہے اسے حقیر دُنیا کے لیے استعمال کرنا زیب نہیں دیتا۔ سیّد صاحب سخت متعجب ہُوئے کہ انہیں کیسے معلوم ہو گیا۔

حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کا حضرت سُلطان باہُو صاحبؒ کے ساتھ جو رُوحانی تعلق تھا اُس کے متعلق میرے والد مرحوم یہ چشم دید واقعہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ غلام رسُول خان کھر سپرنٹنڈنٹ پولیس کی دعوت پر حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کوٹ ضلع مظفر گڑھ تشریف لے گئے۔ وہاں قاضی فقیر محمد صاحب سکنہ بستی قاضیاں آپ کی مجلس میں حاضر ہُوئے۔ انہیں دیکھتے ہی حضرتؒ تعظیماً کھڑے ہو گئے اُور معانقہ فرمایا۔ چونکہ قاضی صاحب موصُوف حکمت کا کام کرتے تھے اُور اِس نواح میں کسی غیر معمُولی حیثیت یا شہرت کے مالک نہیں سمجھے جاتے تھے اِس لیے حاضرین کو اِس بات پر تعجب ہُوا۔ چنانچہ ایک ذی وجاہت آدمی نے عرض کیا کہ حضرتؒ یہ تو اِس علاقہ کے ایک طبیب ہیں۔ اِس پر آپؒ نے قدرے جوش کے لہجہ میں فرمایا کہ "میں طبیب وغیرہ نہیں جانتا۔ میں صرف اِس قدر جانتا ہُوں کہ یہ حضرت سُلطان العارفین (سُلطان باہُو) رحمۃ اللّٰہ علیہ کی اولاد سے ہیں"۔ قاضی صاحب کو اِس سے پہلے حضرتؒ کے ساتھ کوئی تعارف حاصِل نہیں تھا۔

۲۵-۲۶ حضرت پیر جماعت علی شاہ صاحبؒ (وصال ۱۹۵۱ء) حافظ جماعت علی شاہ صاحبؒ علی پُوری (وصال ۱۹۳۹ء)

حضرت پیر سیّد جماعت علی شاہ صاحب (وصال ۱۳۷۰ھ مُطابق ۱۹۵۱ء) اُور حضرت حافظ سیّد جماعت علی شاہ صاحب لاثانی (وصال ۱۳۵۸ھ مُطابق ۱۹۳۹ء) علی پُور شریف ضلع سیالکوٹ خاندانِ عالیہ نقشبندیہ کے مشہور بزرگانِ طریقت کی حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کے ساتھ راہ و رسم کی روایات موجُود ہیں۔ ہمارے ایک برادرِ طریقت شیخ فضل قادر صاحب سکنہ علاقہ حضرو بیان کرتے تھے کہ ۱۹۱۰ء میں یہ دونوں حضرات جناب بابوجی مدظلہ العالی کی شادی کی تقریب میں شریک ہُوئے تھے۔ حضرتؒ کے وصال پر جناب پیر جماعت علی شاہ صاحبؒ اُور جناب حافظ جماعت علی شاہ صاحبؒ یکے بعد دیگرے فاتحہ خوانی اُور زیارتِ مزار کے لیے گولڑہ شریف آئے تھے۔ اُور اوّل الذکر نے فرمایا تھا کہ مجھے حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کی شاگردی کا شرف حاصِل ہے۔ حضرت موصُوف قادیانی معرکہ لاہور میں ہمارے حضرت کے ناصرین و معاونین میں شامل تھے اُور جلسۂ شاہی مسجد میں تقریر بھی فرمائی تھی۔

دونوں حضرات نے خلافت حضرت باباجی خواجہ فقیر محمد صاحبؒ فارُوقی نقشبندی، تیراہی، چُورہ شریف ضلع کیمبل پُور سے پائی تھی۔ حضرت پیر جماعت علی شاہ صاحبؒ حسنی شیرازی اُور حضرت حافظ جماعت علی شاہ صاحبؒ حسینی جعفری سیّد تھے۔

حضرت پیر جماعت علی شاہ صاحبؒ برّصغیر ہند و پاکستان کی ایک مشہُور شخصیت ہیں۔ آپ نے ایک سو دس برس کی عُمر پائی۔ ساٹھ حج کیے۔ ۱۹۰۸ء میں بمقام لاہور مرزا صاحب قادیانی کو مباہلہ کی دعوت دی اُور انکار ہونے پر برسرِعام مرزا کی موت کی پیشین گوئی کی۔ جو ایک ہفتہ کے اندر صحیح ثابت ہوئی۔ حجاز ریلوے، مُسلم یُونیورسٹی علی گڑھ، خلافت فنڈ، سمرنا فنڈ، انگورہ فنڈ میں دِل کھول کر چندہ دیا۔ تحریکِ ہجرت کی مخالفت کی۔ آگرہ میں آریوں نے فتنۂ اِرتداد کھڑا کیا تو آٹھ اضلاع میں تبلیغ کروائی۔ بے شمار مساجد تعمیر کروائیں اُور درس جاری کروائے۔ علمائے اہلسنّت اُور اُن کی جمعیتوں اُور کانفرنسوں کی جابجا رہنمائی فرمائی۔

شیعہ اُور غیر مقلّدین کے ساتھ مناظرے کیے اُور کروائے۔ اُور کتابیں تالیف کروائیں۔ آپ خلفاء اُور مُریدین کا ایک بڑا سِلسلہ چھوڑ گئے ہیں جو خدمتِ اِسلام میں مصرُوف ہیں۔

حضرت قبلہ حافظ صاحب نسبتہً ایک گوشہ نشین بزرگ تھے جن کی زیادہ تر توجہ باطنی تزکیۂ نفوس اُور ذِکر و اذکار پر

مبذول رہی۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما

۲۷۔ حضرت میاں شیر محمد صاحب شرقپوری رح (۱۸۶۴ء تا ۱۹۲۹ء)

کتاب "خزینۂ معرفت" تذکرہ مشائخ نقشبندیہ میں درج ہے کہ حضرت میاں شیر محمد صاحب شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ پشاور سے واپسی پر گولڑہ شریف اُتر کر حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ سے ملاقات کی۔ اس کے علاوہ پاک پتن شریف میں حضرت بابا صاحب کے عُرس پر باہم ملاقاتوں کی بھی روایات ملتی ہیں۔ چنانچہ شیخ فضل قادر صاحب بیان کرتے تھے کہ ایک مرتبہ حضرت میاں صاحب شرقپوری حضرت بابا صاحب کے مزار شریف کے قریب تشریف فرما تھے۔ حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ تشریف لائے تو میاں صاحب تعظیماً اُٹھ کھڑے ہُوئے۔ حضرت کے فرمانے پر کہ آپ یہ تکلیف نہ کیا کریں۔ میاں صاحب نے فرمایا کہ میں تو یہاں حضرت بابا صاحب کی زیارت کے علاوہ آپ کی ملاقات کی غرض سے بھی حاضر ہوتا ہُوں۔ آپ اپنے زمانہ میں خاندانِ عالیشان نقشبندیہ کے ایک مشہُور بزرگ گذرے ہیں۔ آپ نے سلسلہ مجددیہ معصومیہ کے ایک شیخ حضرت خواجہ امیرالدین رحمۃ اللہ علیہ سے خلافت پائی تھی جن کا آستانہ کوٹلہ پنجو بیگ نزد چوہڑکانہ ضلع شیخوپورہ میں مرجع خلائق ہے۔

حضرت میاں صاحب طریقت کے ایک بڑے شیخ، شریعت کے علمبردار اور سُنّتِ نبویہ کی پیروی پر انتہائی تاکید فرمانے والے بزرگ تھے۔ آپ کی نرینہ اولاد نہ تھی۔ آپ کے بھائی حضرت میاں غلام اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے، اور ۱۹۵۷ء میں اُن کے وصال کے بعد اُن کے صاحبزادگان جناب میاں غلام احمد اور جناب میاں جمیل احمد صاحبانِ سجادگان سے طریقت اور شریعت کا یہ مقدس سلسلہ سلوک شرق پور میں اور دیگر خلفائے کرام کے ذریعے پاکستان میں جاری و ساری ہے۔ آپ کے خلفائے کرام میں سے حضرت سیّد اسماعیل صاحب کرماں والے سابق ضلع فیروزپور حال ضلع ساہیوال اور حضرت خواجہ محمد عُمر صاحب بیربل ضلع سرگودھا کے کمالاتِ علم و فقر کا کافی چرچا ہے۔

حضرت میاں شیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ اپنے ایک مخلص مولوی محمد ابراہیم صاحب قصوری سے سوال کیا کہ کلمہ طیبہ میں لفظ "لا" غیرِ الٰہ کی نفی ہے یا عین الٰہ کی؟ عرض کیا غیرِ الٰہ کی نفی کی جاتی ہے۔ فرمایا۔ پھر حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے اِس قول کے معنی کیا ہُوئے کہ جب اللہ اللہ کا ذکر کر رہے تھے تو کسی نے کہا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کیوں نہیں کہتے تو نعرہ مار کر فرمایا کہ اِس خوف سے کہ مبادا "لا" کہنے پر ہی میری زبان بند ہو جائے اور دم نکل جائے۔

ہمارے حضرت نے بھی ایک سفر میں اِسی قسم کے سوال پر فرمایا تھا کہ درویش کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ عشق ہوتا ہے، وہ اپنے محبوب کا نام لینے میں "لَا اِلٰہَ اِلَّا" کے الفاظ کی تاخیر برداشت نہیں کر سکتا اور جُدائی کے اِس لمحہ بھر وقفہ کو بھی گھٹا دینا چاہتا ہے۔

حضرت شبلی کو وصال کے وقت کلمہ طیّبہ کی تلقین کی گئی تھی جس پر فرمایا کہ جب غیر ہے ہی نہیں تو نفی کس کی کروں؟ اور حضرت شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی قدس سرّہ العزیز نے بھی آخری وقت میں یہ شعر کہا تھا ؎

غُبارِ خاطرِ عشاق مدّعا طلبی ست
بخلوتے کہ منم یادِ دوست بے ادبی ست

رحمۃ اللہ علیہم اجمعین

۲۸۔ حضرت خواجہ عبدالعزیز صاحبؒ ڈفرہ (وصال ۱۹۵۴ء)

حضرت خواجہ عبدالعزیز صاحب قادری المعروف حضرت صاحب ڈفرہ والے رحمۃ اللہ علیہ (وصال ۱۳۷۴ھ۔ نومبر ۱۹۵۴ء) جن کا مزار زراعت فارم راولپنڈی مری روڈ کے پاس ہے، ہمارے حضرتؒ کے ساتھ عقیدت رکھتے تھے اور آپ سے اکتسابِ فیض بھی فرمایا۔ عالمِ طفولیت سے ادھیڑ عُمر تک ممالکِ اسلامیہ میں سیر و سیاحت کر کے اولیاء اللہ مشہورین و مستورین اور سابقہ بزرگانِ دین سے فیض حاصل کیا۔ گولڑہ شریف میں اپنی پہلی حاضری کے متعلق ملک غلام فرید خان ٹوانہ سے بیان فرمایا کہ میں بچپن میں گولڑہ شریف پیدل جا رہا تھا۔ راستہ میں کچھ سوار آتے ہوئے نظر آئے۔ اور میں اس ڈر سے ایک کھڈ میں چھپ گیا کہ شاید کسی پولیس افسر کی سواری آ رہی ہے لیکن ایک سوار اپنا راستہ چھوڑ کر میرے پاس آ گیا جس کی دریافت پر میں نے بتایا کہ پیر صاحبؒ کی زیارت کے لیے گولڑہ شریف جا رہا ہوں۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہ سوار خود حضرت قبلۂ عالم پیر صاحبؒ ہی تھے۔ آپؒ نے بڑی مہربانی سے رات لنگر میں ٹھہرایا اور صبح کئی وظائف عطا فرمائے۔ حزب البحر پڑھنے کا طریقہ بتایا اور اس کی اجازت بھی عطا فرمائی۔

ملک غلام فرید خان صاحب سے یہ روایت بھی ہے کہ فرمایا جب میں نے راولپنڈی میں سکونت اختیار کر لی تھی تو ایک دفعہ تریاقِ دماغ کی ایک مجرب معجون تیار کر رہا تھا کہ ایک رات حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ نے خواب میں فرمایا کہ اس معجون میں ہمارا حصہ بھی رکھیں۔ چنانچہ جب تیار ہو گئی تو میں نے کچھ حضرتؒ کی خدمت میں پہنچا دی۔ پھر فرمایا کہ دورانِ سیاحت بعض اوقات پہاڑوں کی جڑی بوٹیاں اپنی تاثیر سے مجھے خود آگاہ کر دیتی تھیں اور میں اُنہیں استعمال میں لے آتا تھا۔

خواجہ صاحب مختلف امراض کے لیے شوقیہ طور پر ادویات تیار کرتے رہتے تھے جو ہمیشہ مُفید اور زود اثر ثابت ہُوا کرتی تھیں۔ اس چیز کو آپ نے خدمتِ خلق کا ظاہری سبب بنایا ہوا تھا۔

ان کے ایک مُرید قاضی عزیز الرحمٰن صاحب سکنہ قاضیاں علاقہ گوجر خان انسپکٹر مدارس بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مولوی صاحب کے ساتھ، جو کشفِ قبور کا ملکہ رکھتے تھے، ایک مرتبہ سیال شریف حاضر ہوا۔ جب روضہ شریف سے باہر آئے تو ان مولوی صاحب نے بتایا کہ حضرتِ اعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے تمہاری بیعت کے متعلق دریافت فرمایا تھا کہ کہاں ہے۔ جب میں نے لاعلمی کا اظہار کیا تو معاً ایک بزرگ ہوا میں دو زانو بیٹھے ہوئے آ گئے اور حضرتؒ کے پاس جا بیٹھے۔ اور مولوی صاحب نے اس بزرگ کا حُلیہ اور وضع قطع، لباس اور طریقۂ نشست بعینہٖ وُہی بیان کیا جو حضرت خواجہ صاحب ڈفرہ والوں کا تھا۔

ملک محمد نواز خان نوشہروی کا بیان ہے کہ کوہ مری میں ایک شخص نے ان کے سامنے حضرت خواجہ صاحب ڈفرہ والوں سے بیعت کے لیے درخواست کی۔ آپ نے پُوچھا، پہلے تو کہیں بیعت نہیں ہُوئے۔ کہا پیر صاحب گولڑہ شریف سے بیعت تھی مگر اُن کا وصال ہو گیا ہے۔ خواجہ صاحبؒ نے سخت ناراضی کے عالم میں فرمایا "او بے نصیب تُو نے حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کو مُردہ سمجھ لیا ہے۔ اس مرتبہ و شان کے اولیاء اللہ ہمیشہ زندہ اور باقی باللہ ہوتے ہیں۔"

۲۹۔ حضرت حافظ عبدالکریم صاحبؒ راولپنڈی

حضرت حافظ عبدالکریم صاحب نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ حضرت باباجی فقیر محمدؒ صاحب تیراہی چُورہ شریف کے خلیفہ تھے۔

حزب البحر کا وظیفہ ہمارے حضرتؒ سے حاصل کیا تھا جس کی روایت مولوی عبداللہ صاحب کُنجاہی آپ کی زبانی اس طرح بیان کرتے ہیں کہ میں ایک اجنبی بزرگ کی رہنمائی میں حضرت قبلۂ عالم گولڑہ شریف قدس سرّہٗ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس اجنبی بزرگ نے حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ سے کہا کہ اسے حزب البحر کی اجازت دیجیے اور اس کا طریقہ بھی سمجھا دیجیے۔ یہ کہہ کر وہ بزرگ چلے گئے۔ اگلے روز حضرتؒ نے اجازت دی اور طریقہ ورد عطا فرمایا اور معلوم ہوا کہ یہ بزرگ خود خضر علیہ السلام تھے۔

۳۰۔ حضرت مخدوم صدرُالدّین شاہ صاحبؒ گیلانی مُلتان

ہمارے حضرتؒ کے ساتھ مُلتان کے مشہور پیرِ طریقت حضرت مخدُوم صدرالدین شاہ صاحب قادری گیلانی، سجّادہ نشین دربار حضرت سید جمال الدین مُوسیٰ پاک شہید (رحمۃ اللہ علیہما) کی دوستی عقیدت کی حد تک بڑھی ہوئی تھی۔ حضرتؒ کا پاک پتن شریف کا سفر عُموماً مُلتان کی راہ سے ہوتا اور ہر سال باہم مُلاقات رہتی۔ اختلافی مسائل میں مخدُوم صاحبؒ کا مدار آپؒ ہی کے مسلک پر ہوا کرتا تھا چنانچہ حضُور صلی اللہ علیہ وسلّم پر اطلاق لفظِ بشر اور حاضر ناظر کے مسائل پر ان کے اِستفسار کے جواب میں حضرتؒ کا ایک مکتوبِ گرامی باب "مکتُوبات" میں درج ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مخدُوم صاحبؒ کو مُلتان اور نواحی اضلاع میں رُوحانی قیادت اور عظمت عطا فرما رکھی تھی۔ قطع نظر اِس تقدّس اور اِحترام کے، جو اِس آستانۂ عالیہ قادریہ کو حاصل ہے اور جس کی وجہ سے اس کا نام "دربارِ پیرانِ پیر" پڑ گیا ہے۔ اور اس کے دو قریبی شہر پناہ کے دروازوں کو بھی لوگ صدیوں سے "پاک دروازہ" اور "حرم دروازہ" کہتے چلے آ رہے ہیں، خُود حضرت مخدُوم صاحبؒ کی ذات کے ساتھ عوامی عقیدت کا یہ حال تھا کہ جب ۱۹۲۴ء میں آپ فریضۂ حج سے واپس آئے تو اِس خطّہ کے لوگوں نے ایسا شاندار اِستقبال کیا کہ مُلتان میں شاید کسی بادشاہ کو بھی نصیب نہیں ہوا ہوگا۔ جب ریلوے اسٹیشن کے وسیع اور طویل پلیٹ فارموں پر تِل دھرنے کو جگہ نہ رہی تو لوگ لائن کے کنارے دونوں طرف پھیلتے گئے اور یہ قطاریں سگنل کے قریب تک چلی گئیں۔ بہت پہلے جب ایک دفعہ مُلتان میں ہندو مُسلم فساد کا خطرہ پیدا ہوا اور بازار بند ہو گئے تو یہ سُن کر کہ مخدُوم صاحب خود سوار ہو کر آ رہے ہیں۔ دوکاندار، کیا ہندو کیا مُسلمان، خود بخود دوکانیں کھول کر بیٹھ گئے۔

۳۱۔ حضرت مخدُوم اللہ بخش صاحبؒ گیلانی مُلتان

حضرت مخدُوم اللہ بخش صاحبؒ گیلانی بھی حضرت جمال الدین مُوسیٰ پاک شہیدؒ کی اولاد سے ہیں۔ دربار پیران پیر مُلتان سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور حضرت ممدُوح کے بڑے صاحبزادے کی اولاد سے بیان ہوتے ہیں جن کو اپنے والد کی املاک تفویض ہوئی تھی اور چھوٹے بھائی کے حصہ میں آپ کا سجّادۂ طریقت آیا تھا۔ گولڑہ شریف حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کی خدمت میں حاضر ہو کر استفادہ فرمایا اور حضرتؒ نے انہیں تخلیہ میں بٹھا کر کلمۂ طیبہ کی تلقین فرمائی۔

۳۲۔ حضرت سیّد غلام عبّاس شاہ صاحبؒ سجّادہ نشین مکھڈ شریف

مکھڈ شریف کے خاندان قادریہ کے مشہور سجّادہ نشین حضرت غلام عبّاس شاہ صاحبؒ حسنی جیلانی کے دو خطوط دربارِ عالیہ گولڑہ شریف میں محفوظ ہیں۔ جو حضرتؒ کے ساتھ ان کے تعلقات پر روشنی ڈالتے ہیں۔ ایک پر ۳ مئی ۱۹۱۲ء کی تاریخ ہے اس میں حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کو شیعہ سُنّی مناظرہ موضع جنڈ ضلع کیمبل پُور میں شرکت کی دعوت دیتے ہُوئے تحریر فرماتے ہیں۔ کہ ۱۴ ار

اساڑھ کو وہاں شیعہ اور اہل سنّت جماعت کے درمیان خلافت کے موضوع پر بحث ہونے والی ہے۔ اہل سنّت کی طرف سے مناظر مولوی سلطان محمود گنجوی مدرّس ڈیرہ غازی خان ہیں۔ اور شیعہ صاحبان کی طرف سے مخدوم صاحب بلوٹ والے مہتمم ہیں نیازمند کو بھی اہل سُنّت کی طرف سے مجبور کیا جا رہا ہے کہ اس بحث میں شریک ہُوں۔ فقیر چاہتا ہے کہ جناب والا بھی شریک ہوں۔ اور سب اہل سُنّت کی رائے بھی یہی ہے۔ لیکن اس خط وکتابت کا علم محض فقیر تک محدود ہے۔" دُوسرے خط میں، جو، مئی ۱۹۱۲ء کا ہے، فرماتے ہیں :۔

"نوازش نامہ نے فخر و مباہات بخشی ۔ ۔ ۔ ۔ اُمید ہے کہ جناب توجہِ تام کو مبذول فرمائے رکھیں گے۔ فقیر نہایت ہی جناب کی اس مہربانی کا شکریہ ادا کرتا ہے جو کہ آپ نے اپنی خوبی شفقت سے بندہ کو ان امورات سے آگاہ فرمایا جو فقیر کے لیے مناسب امُور تھے ۔ ۔ ۔ ۔

یہ امر ہویدا ہے کہ آج کل مسلمانوں کی جو نازک حالت ہے وُہ ہرگز اس امر کے قابل نہیں کہ خانہ جنگیاں شرُوع رہیں۔ مگر آفرینش سے انسان طینت سے ایسا پیدا کیا گیا ہے کہ وُہ اپنی عمر کا ایک حصّہ انہی کاموں میں گذارنا چاہتا ہے۔ معرکہ شیعہ کے خیال حضور پیر محبوب سُبحانی قدس سرّہ العزیز کے حق میں بہت ہی بُرا اثر پیدا کرنے والے ہوتے ہیں۔ گویا آپ کے جدّ کی برکت ہے کہ کسی کو اس ملک میں حضور کی نسبت گفتگو کا موقع نہیں ملتا اور ان شاء اللہ نہ ملے گا۔ مگر تاہم احتیاط امر لابدی ہے۔ مولوی صاحب (سُلطان محمُود گنجوی) کے خط سے معلوم ہُوا کہ حافظ صاحب سیّد جماعت علی شاہ صاحب بھی شریک ہوں گے۔ فقیر کا ارادہ اُس صورت میں جانے کا ہو سکتا ہے۔ جب جناب بھی تشریف لاویں۔ مخدُوم بلوٹ والوں کی طرف سے بڑی کوشش ہو رہی ہے۔ یہ امر لابدی ہے کہ اگر بندہ یا حضُور اس موقعہ پر حاضر نہ ہُوئے تو دین اللہ کی کمزوری کے ماسوا دُشمنانِ دین ۔ ۔ ۔ ۔ سے ایک محل طعنہ کا ضرور ہوگا۔ فقیر نے ابھی تک بغیر رائے جناب کوئی پُختہ رائے اپنے کسی استفسار کنندہ کے آگے ظاہر نہیں کی۔ جیسے رائے ہو اُس سے آگاہ فرمایا جاوے۔ دوئم امر اگر یہ خیال بھی کیا جاوے کہ ہمارے منصب اس امر کے متقاضی ہیں کہ کسی شخص کا دل رنجیدہ نہ کریں لیکن بعض گروہ ایسے ہیں کہ وُہ کسی حال میں شکر گذار نہیں رہ سکتے۔ مزید خیال فرما کر اور سارے وجُوہات پر نظر ڈال کر اپنی رائے مبارک سے سرفراز فرما دیں گے کہ اُسی کے مُطابق طرزِ عمل رہے۔"

اس خط کے مضمُون سے حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کے جواب کی منشاء پر واضح اشارات ملتے ہیں کہ حضُور ان فرقہ وارانہ مناظرات کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے پیر صاحب مکھڈ شریف کے اصرار اور حالات کے تقاضوں کو مدِّنظر رکھ کر بالآخر شمولیت پر آمادگی کا اظہار فرما دیا تھا۔ کیونکہ حسبِ روایات جب حکومت نے اس مناظرہ کی ممانعت کر دی تو آپ نے فرمایا۔ "مراداں من دِیاں من وِچ رہیاں۔ شیعاں نوُں من دِیاں باتاں نہ کہیاں"۔

حضرت بابُوجی مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ انہی ایّام میں جب کہ جنڈ میں مناظرہ کے متعلق باتیں ہو رہی تھیں ایک سیّد محمد عالم شاہ نامی جو کبھی کبھی حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کی خدمت میں آیا کرتے تھے اور شیعہ خیالات رکھتے تھے۔ آپ کی خدمت میں آئے اور عین اُس وقت جب کہ ہم سبق پڑھ رہے تھے حاضر ہو کر باتوں باتوں میں یہ سوال کیا کہ اصحاب ثلاثہؓ کی خلافت کے خلاف شیعہ عُلمأ یہ دلیل پیش کرتے ہیں :۔

وَاِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ۚ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ۚ قَالَ وَمِنْ

ذُرِّيَّتِيْ ۚ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ ○ (البقرۃ ۱۲۴)

(ترجمہ۔ اور جس وقت آزمائش فرمائی ابراہیمؑ کی اُس کے پروردگار نے ساتھ کئی باتوں کے۔ پس پُورا کیا (ابراہیمؑ نے) اُن کو۔ فرمایا (اللہ تعالیٰ نے) بے شک میں تجھے انسانوں کے لیے امام بنانے والا ہُوں۔ عرض کیا اور میری اولاد سے بھی۔ فرمایا میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچے گا)

پس معلُوم ہُوا کہ ظالم عہدِ امامت کے لائق نہیں۔ اور قرآن مجید نے شرک کو ظلم عظیم فرمایا ہے (اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ) اور اصحاب ثلاثہؓ اِسلام لانے سے پہلے مذہب بُت پرستی پر تھے۔ حضرتؒ یہ سُن کر مسکرائے اور فرمایا کہ شاہ جی! جو لوگ یہ دلیل پیش کرتے ہیں اُنہیں شاید ایساغوجی[1] بھی نہیں آتی۔

اُنہیں اِتنا بھی معلُوم نہیں کہ یہ قضیہ مشروطہ عامہ ہے جس میں موضوع پر حکم تاوقتِ وصف ہوتا ہے لہذا جب تک وصفِ ظُلم رہے گا حکم رہے گا و الا فلا۔" شاہ صاحب یہ سُن کر حیران رہ گئے اور واپس جا کر شیعہ عُلماء سے ذکر کیا اور یہ بھی جا کر کہا کہ اگر یہ شخص مناظرہ میں شریک ہُوا تو تمہاری خیر نہیں۔ بابُوجی فرماتے ہیں کہ یہ مناظرہ بعض وجُوہ کی بناء پر ملتوی ہو گیا تھا۔

تعجب ہے کہ جن لوگوں نے اس مناظرہ جھنگ کی تحریک کی تھی اور شیعہ حضرات کے قائد تھے وُہ اپنا شجرہ نسب حضرت سیدنا میراں محمد شاہ موج دریا بُخاری (لاہوری) رحمۃ اللہ علیہ (۹۴۰ تا ۱۰۱۳ ہجری) تک پہنچاتے تھے۔ حالانکہ آنجنابؒ کے متعلق تاریخ مشائخ لاہور اور کئی دیگر معتبر کتب میں یہ واقعہ درج ہے کہ کسی شیعہ نے آنجنابؒ کے اہلسنت والجماعت ہونے پر طعن کیا تھا کہ "کاٹھ دی گنی نہیں اور سید سُنی نہیں"۔ اور آپؒ نے اس تحدی کو قبول فرما کر کاٹھ دی گنی" (لکڑی کی دیگچی) بنوائی اور شیعہ سُنی کے ایک بڑے مجمع کے اندر اُس میں چاول پکوا کر کھلا دیئے تھے۔

۳۳۔ حضرت پیر قُطب شاہ صاحب سندیلوی (وصال ۲۷-۱۹۲۶ء)

حضرت پیر سید قُطب شاہ صاحب قادری (سندیلیہ شریف۔ ضلع لائل پُور) (وصال ۲۷-۱۹۲۶ء) بھی ہمارے حضرتؒ کے ساتھ تعارف اور عقیدت رکھتے تھے جس سال حضرتؒ نے اس علاقہ کے مخلصین کی درخواست پر بغداد علاقہ تمبہ اور حضرت صُوفی علی حیدر شاہ صاحبؒ کے مزار قاضی غالب کا سفر فرمایا تھا تو جناب پیر قُطب شاہ صاحبؒ کی دعوت پر سندیلیانوالی میں بھی ان کے یہاں ایک روز قیام فرمایا تھا۔ اِن کے دو مشہُور خلفاء حضرت مولوی شیر محمد صاحبؒ (فتح پُور، ضلع ساہی وال) اور حضرت میاں اللہ یار صاحبؒ کملانہ (ضلع جھنگ) سے اِن علاقہ جات کے اکثر لوگوں کی عقیدت وابستہ ہے۔ ایک کتاب بعنوان "اسرارِ معرفت" اور ایک رسالہ حیات النبیؐ حضرت پیر قُطب شاہ صاحبؒ کی تصانیف سے یادگار ہیں۔ شاہ صاحبؒ قبلہ کے سلسلہ کے ایک درویش جناب سائیں غلام محمد صاحب کے ملفُوظات مطبُوعہ میں حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کا کافی تذکرہ ملتا ہے۔ اگرچہ بعض روایات کی نسبت حضرتؒ کی طرف درست معلُوم نہیں ہوتی۔

۳۴۔ حضرت خواجہ عبدالرحیم صاحب باغ درہ

حضرت خواجہ عبدالرحیم صاحب سابق باغ درہ حال سالک آباد علاقہ حسن ابدال موہڑہ شریف والوں کے خلیفہ اور خاندان

---

[1] "ایساغوجی" علم منطق کے ایک ابتدائی رسالہ کا نام ہے۔ (فیض)

نقشبندیہ میں ایک بڑے حلقہ کے پیشوا ہیں۔ انہیں حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کے ساتھ ہمیشہ بہت عقیدت رہی۔ حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کے متعلق ایک سائل کی دریافت پر فرمایا "ہر شخص کو اپنے پیر کی تعریف کرنی چاہیئے۔ لیکن سچی بات یہ ہے کہ حضرت پیر صاحبؒ گولڑہ شریف چاند ہیں اور باقی ستارے"۔

۳۵۔ حضرت خواجہ عبدالرحمٰن صاحب چھوہرہ شریف

حضرت خواجہ عبدالرحمٰن صاحب قادری (چھوہرہ شریف ضلع ہزارہ) حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کے ہم عصر تھے اور غالباً باہم ملاقات بھی تھی۔ ان کے متوسلین میں سے کسی صاحب نے ایک رسالہ موسومہ "صلواۃ الرسول" شائع کیا ہے جس میں اُنہیں غوث الاعظم کہا گیا ہے۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت قبلۂ عالم گولڑہ شریف قدس سرہٗ نے انہیں ایک وظیفہ بتایا تھا جس کا مقصد حصولِ مال و زر تھا مگر انہوں نے اِس کے پڑھنے سے اِنکار کر دیا۔ جب یہ رسالہ نظر سے گذرا تو راقم الحروف نے موجودہ سجادہ نشین صاحب زادہ محمود صاحب کی خدمت میں مندرجہ ذیل خط ارسال کیا جس پر انہوں نے ازراہِ نوازش اپنے صاحبزادے کو حضرت بابوجی مدظلہ العالی کے پاس بھیج کر اپنی لاعلمی اور ان غیر واقعی تحریرات کی اشاعت پر معذرت کا اظہار فرمایا۔

نقل خط متعلق بعض اندراجات رسالہ صلواۃ الرسول

"مکرمی واجب الاحترام جناب صاحبزادہ محمود صاحب زید مجدہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ بعد از تحیاتِ مسنونہ گذارش بخدمتِ عالیہ اینکہ کچھ روز ہوئے کتاب مجموعہ صلوات الرسول کے مطالعہ کا اتفاق ہوا۔ ابتدائے کتاب میں آپ کے حضرت علیہ الرحمۃ کے مختصر حالات بھی کسی متوسل نے تحریر کر دیئے ہیں۔ میری ناقص رائے میں غوثِ اعظم ہونا تو ایک ایسا مقام ہے جسے حضور سرکارِ بغداد قدس سرہٗ کے بعد کسی کے لیے ثابت کرنا سوء ادبی ہے۔ فقط آنجنابؒ کا ارادت مند ہونا وہ کمال ہے جس کے سامنے بڑے بڑے مدعیانِ فقر و ولایت کے کمالات ہیچ ہیں۔ جیسا کہ قصیدہ عالیہ غوثیہ سے واضح ہوتا ہے۔ اسی لیے تو کہا گیا ہے ؎

سگِ درگاہِ جیلاں شو چوں خواہی قُربِ ربانی
کہ بر شیراں شرف دارد سگِ درگاہِ جیلانی

بہر حال کسی متوسل کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اپنے شیخ کی تعریف و توصیف ایسے انداز میں کرے جس سے کسی دوسرے خدا رسیدہ و خدا رساں کی توہین کا پہلو نکلتا ہو۔ کیونکہ جب فخرِ موجودات علیہ الصلوٰت والتسلیمات کی ذاتِ بابرکات نے اپنے متعلق یہ ارشاد فرمایا کہ لَا تُفَضِّلُوْنِی عَلٰی یُوْنُسَ ابْنِ مَتّٰی کہ مجھے حضرت یونس علیہ السلام پر فضیلت مت دو۔ حالانکہ دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے کہ اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ وَلَا فَخْرَ کہ میں تمام اولادِ آدم کا سردار ہوں جس کی تطبیق علمائے کرام نے یہ بیان فرمائی ہے کہ پہلے ارشاد سے آنجنابؐ کی وہ فضیلت ہے جس سے کسی دوسرے پیغمبر کی توہین کا پہلو نکلے۔ تو پھر کسی اور انسان کو ایسی مدح و ثنا جس سے دوسروں کی تنقیص مترشح ہوتی ہو کہاں درست ہوگی۔

بندہ خاص طور پر آپ کی توجہ اِس روایت کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہے جو کتاب مذکور کے صفحہ دس پر موجود ہے جس میں اُنھوں نے تصریح کی ہے کہ حضرتِ اقدس گولڑوی قدس سرّہٗ نے حضرت صاحب چھوروی کو ایسا وظیفہ پڑھنے پر اصرار فرمایا تھا جس کا مقصد حصُولِ مال و زر تھا جس پر حضرت موصوف نے پڑھنے سے انکار فرمادیا۔ حالانکہ جن لوگوں کو حضرت گولڑوی علیہ الرحمۃ کے مسلک سے ذرا بھی واقفیت ہے وہ اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ حضور علیہ الرحمۃ کسی بھی مُسلمان کے لیے کلامِ الٰہی اور وظائف و اَوراد کا بغرضِ حصُولِ مال و زر پڑھنا نہایت ہی معیُوب خیال فرماتے تھے۔ چنانچہ آنجناب کے ملفوظاتِ مطبوعہ کے متعدد مقامات اِس امر کی بیّن دلیل ہیں خصُوصاً صفحہ ۵۳ پر عبارتِ ذیل ملاحظہ ہو :-

شیوۂ فقرِ محمدیؐ کفایت شعاری است و ترکِ تکلّف۔ فرمُودند ادائے اوراد و خواندنِ وظائف و سُوَرِ قرآنی محض برائے حصُولِ اغراضِ دُنیاوی کارِ خوب نیست۔ بلکہ نفاق است و ازیں سبب فائدہ حاصل نمے شود و ہمہ عُمر ضائع مے شود و کلام اللہ را محض برائے غرضِ ثواب و رضائے حق خواندہ شود و خود خُدائے عزّوجلّ مسبّب الاسباب کارساز است۔ در حدیث آمدہ است مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ۔ چہ طور تسلیم کردہ شود کہ بندہ ہرگاہ بندۂ خدا باشد باز در ہمہ حالات مطمئن نہ باشد۔ حافظ علیہ الرحمۃ در دیوان مے فرمایند ؎

تُو بندگی چُوں گدایاں برائے مُزد مکُن
کہ خواجہ خُود رَوِش بندہ پروری داند

پس جب آنجنابؒ کے نزدیک کسی بھی مُسلمان کا اَوراد و وظائف بغرضِ مال و زر پڑھنا نفاق ہے تو ایک ہستی کو جن کے متعلق کتاب مذکور میں غوثیتِ عظمٰی کا منصب اعلیٰ تک ثابت کیا گیا ہے۔ کس طرح آنجنابؒ ایسا وظیفہ پڑھنے پر اصرار فرما سکتے ہیں جس کا مقصد ہی حصُولِ مال و زر ہو۔

اُمید ہے آپ اِس غلط روایت کے متعلق خود ہی کوئی مناسب اقدام فرما کر ہم متوسّلین درگاہِ عالیہ گولڑہ شریف کو مطمئن فرمائیں گے۔ ورنہ مجبُوراً ہمیں خود کسی قدم اُٹھانے پر معذور تصوّر فرمائیں گے۔

نیز اِسی کتاب میں صفحہ ۱۶ پر ایک صاحب حال ستار بجانے والے شخص کا واقعہ مذکور ہے جس کے خلاف ایک مولوی صاحب نے کفُر کا فتویٰ صادر کیا ہوا تھا۔ تنگ آ کر صاحب حال ستار نواز مذکور نے حضرت صاحب چھوروی اُور آپ کے رفیقِ سفر ایک پیر صاحب سے امرِ مذکُور کی شکایت کی جسے سُن کر پیر صاحب نے ستار بجانے والے کو اِس فعل سے روکنا چاہا۔ مگر حضرت چھوروی نے ایسا تصرّف کیا کہ خود مولوی صاحب نے ستار بجانی شرُوع کر دی۔

بعینہٖ اِسی واقعہ کو آپ کے متعلقین میں سے کسی شخص نے ایک اخبار میں شائع کیا۔ اُور پیر صاحب سے مُراد حضرتِ اقدس گولڑوی علیہ الرحمۃ کی ذات لی گئی۔ حالانکہ یہ روایت بھی سابقہ روایت کی طرح حضرت گولڑویؒ کے مسلک کے خلاف ہے۔ کیونکہ مشائخ چشت کے نزدیک سماع وغیرہ اہلِ حال کے لیے بالاتفاق درست ہے۔ پھر آپ کس طرح ایک صاحب ذوق کو منع فرما سکتے تھے۔ اُور طُرفہ یہ ہے کہ روایت مذکورہ حضرت چھوروی کے مسلک کے بھی خلاف معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ کسی قادری سلسلہ کے بزرگ کے یہ شایانِ شان نہیں کہ وُہ تصرّف

کر کے کسی کو طریقۂ عالیہ قادریہ کے خلاف عمل پر یعنی ساز بجانے پر پابند کرے۔
اُمید ہے اِن شکوک کے جوابات سے مشرّف فرما کر شکریہ کا موقع دیں گے۔

۳۶۔ حضرت مولینا وصی احمد صاحب محدّث پیلی بھیت

حضرت مولینا وصی احمد صاحب محدّث سُورتی پیلی بھیتی ہمارے حضرتؒ کے ہم سبق اور ہم مشرب بزرگ تھے۔ سہارن پُور میں حضرت مولینا احمد علی صاحب محدّث کے درس میں حضرتؒ کے ساتھ ان کے ہم درس ہونے کا ذکر ابتدائی ابواب میں گذر چکا ہے۔ وہاں اکثر دُوسرے طُلبا غیر مقلّدانہ خیالات رکھتے تھے اور باہمی عقائد کی بحث میں ان دونوں حضرات کا پلّہ ہی ہمیشہ بھاری رہتا تھا۔ دسمبر ۱۹۱۲ء میں دار العلوم نعمانیہ لاہور کے اجلاس میں حضرتؒ کی تقریر کے بعد ان کی تقریر کا وقت مقرر تھا۔ منبر پر جا کر صرف ایک حدیث شریف پڑھی اور یہ کہہ کر اُتر آئے کہ حضرت پیر صاحبؒ کی تقریر کے بعد منہ کھولنے کی جُرأت نہیں ہوتی۔ لیکن تعمیل امر میں ایک حدیث شریف پڑھ دی ہے۔ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب بریلویؒ کا مولانا موصوف سے گہرا رابطہ تھا اور انہیں الاسد یعنی اہل سُنّت والجماعت کا شیر فرمایا کرتے تھے۔

۳۷۔ حضرت سیّد لعل شاہ صاحب دندہ شاہ بلاول

حضرت سیّد لعل شاہ صاحب نقشبندی (دندہ شاہ بلاول، ضلع کیمبلپور) قدوۃ السالکین حضرت حاجی دوست محمّد صاحب قندھاری کے خلیفۂ مجاز اور حضرت خواجہ محمد عثمان صاحب مُوسیٰ زئی شریف کے پیر بھائی تھے۔ حج کے موقعہ پر مکّہ مکرّمہ میں آپ کا حضرت قبلۂ عالم کے متعلق رئیس الحجاج ہونے کا کشفی مشاہدہ باب چہارم میں گذر چکا ہے۔

۳۸۔ حضرت شاہ سُلیمان صاحب پھُلواروی

پھُلوارہ شریف صُوبہ بہار کے حضرت شاہ سُلیمان صاحب مشاہیر بزرگانِ ہند سے ہُوئے ہیں۔ آپ گیلانی سیّد اور حضرت میراں شاہ قادر قُمیصؒ کے دُوسرے صاحب زادہ کی اَولاد سے ہونے کی وجہ سے ہمارے حضرتؒ کے ایک جدّی بھائی ہیں۔ حضرت قبلۂ عالم گولڑویؒ سے آپ کا تعلق اِس اعلامیہ سے واضح ہوتا ہے جو حضرتؒ کے وصال پر جناب سجّادہ نشین صاحب پھُلوارہ شریف نے حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب کو ارسال کیا تھا۔ اور اُن کے رسالۂ مُنادی (جون ۱۹۳۷ء) میں شائع ہوا۔ اس کی نقل یہاں دی جاتی ہے:-

"تعزیت۔ پھُلواری شریف میں حضرت پیر مہر علی شاہ صاحبؒ گولڑہ شریف کی فاتحہ"

"گذشتہ جمعہ ۹ بجے صبح کو حضرت مولینا سیّد شاہ غلام محی الدین صاحب کا ایک تار بنام حضرت مولانا سیّد شاہ حسین میاں صاحب سجّادہ نشین کے پہنچا جس میں یہ منحُوس اطلاع درج تھی کہ شیخ المشائخ حضرت مولانا پیر سیّد مہر علی شاہ صاحبؒ نے اِس جہانِ فانی سے رحلت فرمائی۔ اس خبرِ وحشت اثر کو سُن کر حضرت سجّادہ نشین صاحب کے علاوہ خانقاہ شریف کا ہر شخص تصویرِ غم والم بن گیا اور اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ حضرت قبلہ مولانا قاری سیّد شاہ سُلیمان صاحبؒ اور غفران مآب حضرت پیر صاحبؒ کے درمیان باہمی گہری محبّت تھی۔ اور

حضرت شاہ صاحبؒ پھلواروی، حضرت پیر صاحبؒ کے علم و فضل، وُسعتِ نظر، ان کے زُہد و اتقاء اور بالخصوص علمِ تصوف پر ان کے غایت عبُور کو اکثر اپنی مجلسوں میں بیان فرمایا کرتے تھے۔ جامع مسجد پھلواری شریف میں نمازِ جمعہ سے پہلے حضرت مولانا شاہ حسین میاں صاحب سجادہ نشین مدظلہٗ نے پیر صاحبؒ کے اوصاف اور اُن کی اِسلامی خدمتوں کو بیان فرمایا۔ لوگوں نے فاتحہ پڑھی۔ پھر بعد نماز بھی دُعائے خیر کی گئی۔ پھلواری شریف کے لوگوں کو اِس حادثہ کا رنج و الم ہُوا۔ والسّلام

۳۹۔ حضرت سیّد سید علی شاہ صاحبؒ سہاوہ (وصال ۱۹۰۳ء)

حضرت سیّد سید علی شاہ صاحب چشتی سجّادہ نشین سہاوہ تحصیل باغ ریاست پُونچھ کو حضرت مولوی محمد فاضل صاحب چشتی سُلیمانی (گڑھی افغاناں) سے خلافت حاصل تھی۔ لیکن آپ حضرت قبلۂ عالم گولڑوی قدس سرّہٗ سے بھی عقیدت رکھتے تھے۔ متعدد بار مُلاقات ہُوئی اور خط و کتابت کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ اِن کے پوتے اور موجُودہ سجّادہ نشین سیّد نظیر حسین شاہ صاحب کی بیعت ہمارے حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کے ساتھ ہے۔ وُہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت قبلۂ عالمؒ کے خادمِ خاص محمد خان برادرِ مولوی غلام محمد خان نذر بردار نے اپنے گاؤں دھیر کوٹ تحصیل باغ میں بیمار ہو کر وفات پائی تو حضرتؒ نے میرے دادا صاحب کو خط لکھا کہ محمد خان کی لاش وہاں امانت ہے اُسے نکلوا کر گولڑہ بھجوا دیں۔ چنانچہ اس ارشاد کی تعمیل کی گئی اور یہ نامۂ مبارک ہمارے یہاں بطورِ تبرّک رکھا ہُوا ہے۔ حضرت سید علی شاہ صاحب نے بحالتِ سجدہ وصال فرمایا۔ اِن کے اِنتقال پر حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ نے جو تعزیّت نامہ اِن کے فرزندوں کو لکھا تھا اُس کی نقل ذیل میں درج کی جاتی ہے:-

سیادت و شرافت پناہ نیاز علی شاہ صاحب و مخدوم شاہ صاحب و فیروز شاہ صاحب سلامت باشند

وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ۔ امّا بعد از ملاحظہ خبرِ انتقال جناب شاہ صاحب مرحوم و مغفور ہر چند تشتت و قلق عارضِ حال گردیدہ امّا الحمد للہ و منّتہٗ کہ بحالتِ اقرب الاوضاع شربتِ وصل چشیدند۔ بر ایں چنیں وضعِ انتقال بحق نمُودن نعمتے است کہ اربابِ سعادتِ ازلیہ را مے بخشند۔ دردِ فراق و ہجرِ مقبولانِ حق مزید براں بحیثیّتِ ابوۃ و قومیّت حادثہ ایست جانکاہ و واقعہ ایست ہوش ربا امّا بجز استرجاع و اصطبار چارہ نہ۔

باید کہ اہداء ثواب ختمات و صدقات رُوحِ مُبارکِ اوشاں را مسرُور دارند و ایں کمینہ ترینِ عباد اللہ الصمد را دُعا گوئے و خیر خواہِ خاندان تصوّر فرمایند۔ جمیع برخُورداران را سلام و دُعا۔

الراقم الملتجی الی اللہ الصمد المدعو بہ مہر علی شاہ از گولڑہ۔ مورخہ ۲۷ شوال ۱۳۲۱ھ

۴۰۔ حضرت مولانا عبدُالباریؒ صاحب فرنگی محلی

جامعِ شریعت و طریقت حضرت مولانا محمد قیام الدّین عبدُالباری فرنگی محل لکھنؤ کی شخصیّت محتاجِ تعارف نہیں اپنے دَور کے علماء و مشائخ میں ایک اِمتیازی شان کے مالک تھے۔ مولانا محمد علی جوہر آپ کے ہی مُرید تھے۔ تحریکِ خلافت کے دَوران میں اِس کے بعض شرعی پہلوؤں پر ہمارے حضرتؒ کے ساتھ خط و کتابت فرمائی تھی جس کی تفصیل باب "مسندِ ارشاد" میں گذر چکی ہے۔

بابِ ہشتم

بعض مذاکرات و مناظرات

مناظرانہ کمال اور علمی فضیلت

جیسا کہ گذشتہ ابواب سے واضح ہو چکا ہے ایّامِ طالب علمی سے ہی حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کے مناظرانہ کمال اور علمی فضیلت کی شہرت مُلک کے طُول و عرض میں پھیل گئی تھی۔ چنانچہ برّصغیر کے ہر مکتبِ فکر کے اکابر علمائے کرام مثلاً مولینا فضل حق صاحب رام پُوری، اُستاذ العلماء مولینا لطف اللہ صاحب علی گڑھی اور اُن کے شاگرد رشید حضرت مولینا احمد حسن صاحب کانپُوری، مولینا شاہ وصی احمد صاحب محدّث پیلی بھیتی، شمس العلماء مولوی عبد اللہ صاحب ٹونکی، مولینا عبد الباری صاحب فرنگی محلی، مولینا محمد دیدار علی شاہ صاحب لاہوری، مولینا نظام الدین صاحب وزیر آبادی صاحب فتاویٰ سُلطان الفقہ، مولینا علی گوہر صاحب تونسوی، مولینا سید غلام حسین صاحب مظفر گڑھی، عُلمائے دیوبند میں سے مولوی اشرف علی صاحب تھانوی اور شیخ الحدیث علامہ انور شاہ صاحب کشمیری اور غیر مقلدین کے پیشوا مولوی عبد الجبار صاحب غزنوی اور مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری اور کئی دیگر عُلمائے عُظام نے، جو آپ کے ہم درس رہ چکے تھے یا اُس زمانہ میں ہند و پنجاب کے کسی اور بڑے درس میں زیرِ تعلیم رہے تھے آپ کی اِس شہرت کی اُس وقت تصدیق کی جب آپ مسندِ ارشاد پر بیٹھ کر مرجعِ خلائق ہوئے یا آپ کی تصانیفِ عالیہ کا شہرہ دُنیائے علم میں بلند ہوا یا پھر جب قادیانی مدعی نبوت سے مقابلہ ہوا۔

بحث کے دوران حضرتؒ کے سوالات کی بندش مُجیب کو متحیّر کر دیتی تھی۔ آپ کی طرف سے اعتراض کا جواب ہمیشہ فی البدیہہ اور جامع ہوا کرتا تھا۔ اکثر مُعترض کے سوال ہی کا کوئی پہلو گرفت میں لے کر اِس طرح لوٹا دیتے تھے کہ وُہ لاجواب ہو جاتا۔ عام مسائل میں سوالات اور استفتا کے جوابات اِس قدر بلیغ اور تسلّی بخش ہوتے کہ سائل اور حاضرینِ مجلس کے دلوں میں اُتر جاتے۔ مقابل پر اعتراض کی یہ تحیّر خیزی اور سائل پر جواب کی اثر پذیرائی گویا کلِّمُوا النَّاسَ عَلٰی قَدْرِ عُقُوْلِهِمْ[1] کی تفسیر کا حکم رکھتی تھی۔

جب گفتگو مناظرانہ رنگ اختیار کر لیتی تو تحقیقِ حق اور ابطالِ باطل کی گرمجوشی میں تسبیح ہاتھ سے رکھ دیتے اور آستین چڑھا لیتے۔ پھر کیا تھا، موج در موج دلائل کا ایک سمندر جاری ہو جاتا۔ بعض دفعہ ایسے موقعہ پر فرما دیتے "ہم نے بھی طالب علمی کی ہُوئی ہے" جس سے آپؒ کی فطری تواضع اور انکسار کا پہلو بھی ہاتھ سے جانے نہ پاتا۔

حضرتؒ کی عام گفتگو نرم اور دلپذیر ہوتی تھی۔ بلند اتنی کہ مجلس کے ہر گوشہ میں صاف سُنائی دے اور خوشگوار اتنی گویا چاندی کی گھنٹی بج رہی ہو۔ سُنّتِ پاک کی تعمیل میں اِس طرح ٹھہر ٹھہر کر بولتے تھے کہ ایک ایک لفظ الگ الگ کیا جا سکتا تھا دورانِ گفتگو کسی وقت قدرے مسکراہٹ اور کسی وقت آہِ سرد کا سوز و ساز، تقریر کی لذّت کو دوبالا کر دیتا تھا۔ دلالتِ کلام، استفہام استعجاب اور دیگر نکات کی ادائیگی میں کسی وقت دستِ مُبارک بڑے لطیف اور دلکش پیرائے میں خفیف سی حرکت میں آ جاتا اور یہ اشارات بے حد پیارے اور بھلے معلوم ہوتے۔ اِس چیز کو بالعموم حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کے کمالاتِ لدُنّیہ سے تعبیر کیا گیا ہے کہ آپؒ کی مجلس سے ہر سائل مطمئن اور ہر مناظر ساکت اور صامت ہو کر لوٹتا تھا۔

قبل اس کے کہ آپ کے مشہور مناظرات کی کیفیت تفصیلاً تحریر کی جائے بعض سوالات کے مختصر، دلنشین اور مُسکت جوابات جو ہمارے علم میں آئے ہیں یہاں درج کیے جاتے ہیں۔ ان مسائل کے متعلق آنجنابؒ کی مکمل تحقیقات آپ کی تصانیف

---

[1] یعنی لوگوں کی سمجھ کی سطح پر کلام کرو۔ (فیض)

اور فتاویٰ میں ملاحظہ کرنی چاہیئے۔ علاوہ ازیں مختلف مکاتب فکر کے اہل علم کے ساتھ بعض مسائل پر آپ کے مکالمات اور شیعہ غیر مقلدین اور قادیانی حضرات کے ساتھ تقریری و تحریری مناظرات کا ذکر سابقہ ابواب میں گذر چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا اور اُس کے حبیبؐ کا علم

ایک مکتبِ فکر کا یہ مقولہ آپ کی خدمت میں پیش ہوا کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے حبیبِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم برابر ہے۔ صرف ذاتی اور عطائی کا فرق ہے۔ آپ نے فرمایا ایسا کہنا بعید از صواب ہے۔ ارشادِ الٰہی وَلَا یُحِیطُونَ بِشَیْءٍ مِنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ اس کی نفی کر رہا ہے۔

تَصْدِیقُ الشَّیْ لِنَفْسِہٖ

ایک مولوی صاحب نے مناظرانہ رنگ میں سوال کیا کہ قرآن مجید فرماتا ہے میں کُتُبِ سابقہ کا مُصدِّق ہوں (مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ) مگر کُتُبِ سابقہ بھی کلامِ الٰہی ہیں اور قرآنِ کریم بھی۔ جس سے تَصْدِیقُ الشَّیْ لِنَفْسِہٖ کا اشکال لازم آتا ہے۔ حضرتؒ نے فرمایا قرآن مجید اور کتبِ سابقہ میں تو زمان و مکان اور لُغت اور محلِّ نزول کا اختلاف موجود ہے۔ آپ کے لیے موجبِ اشکال تو یہ چیز ہونی چاہیئے کہ قرآن شریف کی محافظتِ الٰہیہ کی مُثبت فقط ایک ہی آیت إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ (سورۃ الحجر۔ ۹) (ہم نے ہی قرآن نازل فرمایا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں) وارد ہوئی ہے جو اپنی محافظت کی دلیل بھی آپ ہے۔ پس فرمایئے آپ کے اعتراض کی روشنی میں اس محافظۃ الشی لنفسہٖ کے اشکال کا حل کیا ہوگا؟

دُعا بحق و بحُرمتِ اولیاء اللہ

ایک مرتبہ سوال ہوا کہ صُوفیائے کرام اپنے وظائف میں "الٰہی بحقِّ فلاں" اور "الٰہی بحُرمتِ فلاں" کے کلمات سے کیوں دُعا مانگتے ہیں جب کہ خُدائے تعالےٰ پر کسی کا کوئی حق نہیں ہے؟ فرمایا۔ بے شک اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ پر از خود کسی کا کچھ حق نہیں۔ لیکن اگر وہ تبارک و تعالیٰ خود از راہِ فضل وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ (مومنوں کی نُصرت ہم پر حق ہے) (سورہ رُوم، آیت ۴۷) ارشاد فرما کر کسی کو حق عطا کر دے تو کیا اعتراض باقی رہتا ہے؟ پھر فرمایا۔ اگرچہ مشیّتِ حق مخلوق کی آرزوؤں کی پیرو نہیں ہے لیکن مخلوق اپنے خالق کے حضور میں مُناجات اور دُعائے حاجات کے وقت ایسے الفاظ سے اپنے عجز و الحاح کا اظہار کرتی ہے اور اس میں کوئی اعتراض کی بات نہیں۔

نص میں سیّد کی تعظیم کا ثبوت

سوال کیا گیا کہ آیا سیّد کی تعظیم کے لیے نص میں کوئی ثبوت ہے؟ فرمایا۔ نسب کا شرف قرآن سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

قُلْ إِنْ كَانَ لِلرَّحْمَٰنِ وَلَدٌ فَأَنَا أَوَّلُ الْعَابِدِينَ (زخرف، آیت ۸۱) (یا رسول اللہ! عیسائیوں سے فرما دیجئے۔ اگر اللہ کا کوئی فرزند ہوتا تو سب سے پہلے میں اُس کی عبادت کرتا۔

حیاتُ النبیؐ پر سوال

ایک غیر مقلد نے اعتراض پیش کیا کہ پیغمبر صاحبؐ کو زندہ کیونکر مان لیا جائے جب قرآن فرما رہا ہے کہ اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّ اِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ (آپ پر بھی موت آنے والی ہے اور ان لوگوں پر بھی)۔ حضرتؒ نے اس شخص پر سوال کیا کہ "یہ قضیہ مُطلقہ عامہ ہے یا دائمہ مطلقہ"۔ مگر اُس سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ حضرتؒ کا مطلب یہ تھا کہ یہ جملہ مُطلقہ عامہ ہے جس کے صِدق کے لیے تین زمانوں میں کسی ایک زمانے کے اندر موت کا تحقق کافی ہے۔ دوامِ موت ضروری نہیں۔ کیونکہ مناطقہ کے نزدیک دائمہ مُطلقہ وُہ قضیہ ہے جس کا حکم دائمی ہو۔ اور مُطلقہ عامہ وُہ، جس کا ثبوتِ حکم کسی زمانہ میں ہو جائے یعنی موت کی شرط تھوڑے عرصہ کے لیے پُوری ہو جائے۔

جمعہ فی القریٰ پر سوال

ایک مولوی صاحب نے سوال کیا کہ گولڑہ شریف میں جمعہ کیوں پڑھا جاتا ہے۔ جب کہ جمعہ کی نماز اور خطبہ کے لیے مصر (یعنی بڑا شہر) شرط ہے؟ آپؒ نے فرمایا "مولینا! یہ شرط مُصحح لِدخُول الفاء ہے یا از قبیل لولاءُ لامتنع ہے؟ سائل اِس ایک ہی اِستفہامیہ فقرہ سے خاموش ہو گیا۔

مُصحح لدخول الفاء وُہ شرط ہوتی ہے جس کے وجُود پر مشرُوط کا تحقق ہو سکتا ہو لیکن اس کے عدم سے مشرُوط کا عدم ہونا ضرُوری نہ ہو۔ لولاہُ لامتنعٗ میں شرط مشروط کے لیے بمنزلہ عِلّت ہوگی کہ جب تک شرط نہ پائی جائے مشرُوط کا پایا جانا غیر ممکن ہوگا۔ اِس سوال کا مقصد معترض کا مبلغ علم معلوم کرنا تھا ورنہ گولڑہ شریف پر بعض اقوال کے مُطابق "شہر" کی تعریف صادق آتی ہے۔

"یا شیخ عبد القادر جیلانی رضؓ شیئاً للّٰہ" پر اعتراض کا جواب

ایک دفعہ اعتراض ہُوا کہ یا شیخ عبد القادر جیلانیؓ شیئاً للّٰہ کی بجائے اللہ تعالیٰ سے اِس طرح مانگنا چاہیئے کہ یا اللہ مجھے شیخ عبد القادر جیلانیؓ کا صدقہ کچھ عطا فرما۔ حضرتؒ نے فرمایا۔ حق تعالیٰ جلّ شانہٗ سُورۃ نسا میں فرماتے ہیں:-

وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِہٖ (ڈرو اس اللہ سے جس کا واسطہ دے کر لوگوں سے سوال کرتے ہو) حق تعالیٰ نے یہاں اپنے نام کے واسطہ سے سوال کرنے کو اپنے اِحسان کے طور پر بیان فرمایا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر سوال کرنا جائز نہ ہوتا تو اِس پر اپنا احسان نہ جتاتے بلکہ ایسا کرنے سے منع فرما دیتے۔ لہٰذا جملہ مذکورہ جس کا مفاد اللہ کے نام کے واسطہ سے سوال کرنا ہے درست ہوگا۔

اِنسانِ کامل کے مقامات کی وُسعت

ایک روز حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ مُلتان میں ایک کتاب کا درس دے رہے تھے۔ دورانِ درس یہ مسئلہ آیا کہ حضرت اِمام حُسینؑ فرماتے ہیں "اے فرزند! اِنسان جب اِنسانِ کامل کا رُتبہ حاصل کر لیتا ہے تو اُس پر سے بشری قیود اُٹھ جاتی ہیں"۔ حضرتؒ کے ایک مخلص مصاحب اور شاگرد خان بہادر مولوی شیر محمد صاحب سابق اسسٹنٹ پولیٹیکل ایجنٹ

گلگت درس میں حاضر تھے۔ آپؒ نے اُنہیں مخاطب کر کے فرمایا: مولوی خان بہادر صاحب! کیا وجہ ہے کہ آپ یہاں بیٹھے ہُوئے اُس سامنے والی کوٹھڑی میں موجود نہیں ہیں؟ آخر کوئی بشری قید ہی تو ہے جس نے آپ کو مجبور کر رکھا ہے کہ آپ ایک وقت میں ایک ہی جگہ موجود ہوں۔ جب آپ اِنسانِ کامل بن گئے اُور سیدنا امام حُسین رضی اللہ عنہ کے اِس قول کے مُطابق آپ پر سے یہ بشری قید اُٹھ گئی تو پھر آپ جیسے یہاں موجُود ہیں ویسے ہی بیک وقت اس کوٹھڑی میں بھی ہو سکتے ہیں اور اسی طرح اجمیر میں بھی اُور مدینہ شریف میں بھی۔ پھر یا رسُول اللہ اُور یا شیخ عبدالقادر جیلانی کہنے میں کیا حرج ہے؟

ایک آیت کی غلط تاویل کا جواب

سوال ہُوا کہ آیتِ ذیل سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء و رُسل بنی آدم میں قیامت تک آتے رہیں گے۔ حتےٰ کہ حضُور خاتم النبیین کے بعد بھی، کیونکہ یہاں بنی آدم کے الفاظ میں تمام نوعِ اِنسانی سے قیامت تک کے لیے خطاب ہے۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ (اعراف - ۳۵)

اے بنی آدم جب تمہارے پاس تم میں سے رسُول آئیں۔ میری آیات بیان کرتے ہوں۔ پس جو لوگ خُدا سے ڈرے اُن پر کوئی خوف نہیں نہ وُہ غمگین ہوں گے۔

حضرتؒ نے جواب میں فرمایا: یہاں دو عمُوم ہیں، ایک عمُوم افرادِ اِنسانی اُور دُوسرا ہر زمانہ میں انبیاء اُور رُسل کا اِیتان (تشریف لانا) اُور ظاہر ہے کہ پہلا عمُوم دُوسرے عمُوم کو مستلزم نہیں بلکہ امکانِ وقوعی کی بناء پر ممکن ہو گا کہ ایک رسُول قرونِ کثیرہ کے افرادِ اِنسانی کو کفایت کرے۔ مثلاً مشیئتِ الٰہی نے اُمتِ عیسویہ کے تمام افراد کے لیے ایک وقت میں ایک ہی رسُول کافی سمجھا۔ لہٰذا ممکن ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اِرشادِ باری "خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ" اُور انقطاعِ سلسلۂ نبوّت و رسالت کی رُو سے قیامت تک کے افرادِ انسانی کے لیے کافی قرار پائیں۔

قصیدۂ غوثیہ میں وَافْعَلْ مَاتَشَا کا جواز

ایک صاحب نے حضرتؒ سے دریافت کیا کہ "قصیدہ غوثیہ" کس کی تصنیف ہے؟ فرمایا حضرت سیدنا غوث الاعظم جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی۔ کہنے لگا۔ وُہ عالم تھے۔ اَیسا کلام اُن کی شان سے بعید ہے کیونکہ اِس میں آتا ہے۔ وَافْعَلْ مَاتَشَا فَالْاِسْمُ عَالٍ (اے مُرید جو چاہے سو کر۔ میرا نام بلند ہے)

حضرتؒ نے فرمایا آپ کے اس اعتراض میں دو چیزیں مُراد ہیں۔ ایک ثبُوتِ تصنیف اُور دُوسری وجہِ استبعاد۔ اَب ان دونوں کا جواب سُنیئے۔ پہلی چیز کی دلیل ہے تواتر۔ کیونکہ ہر زمانہ کے اندر جمِ غفیر اِس چیز کے قائل چلے آئے ہیں کہ یہ قصیدہ شریف حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی تصنیف ہے۔ اُور تواتر دلیلِ قطعی ہے۔ اَب رہی وجہِ استبعاد۔ سو آپ نے صحیح بخاری میں دیکھا ہو گا:

اِنَّ اللّٰهَ قَدِ اطَّلَعَ عَلٰٓى اَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ اعْمَلُوْا مَاشِئْتُمْ قَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ

اللہ تعالیٰ نے اہلِ بدر پر مطلع ہو کر فرمایا جو چاہو سو کرو ہم نے تمہیں بخش دیا۔

پس فقرہ اِعْمَلُوْا مَاشِئْتُمْ۔ آیت لَاتَقْرَبُوا الزِّنٰى (زنا کے قریب مت جاؤ) کے ساتھ کیونکر درست آسکتا ہے؟

یہاں وجہ استبعاد آپ بیان کر دیں وہاں میں بیان کر دوں گا۔ اس جواب پر وُہ صاحب ششدر رہ گئے۔

حضرتؒ نے پھر فرمایا "عُلمائے ظاہر اس حدیث کا مطلب نہ سمجھتے ہُوئے غایت مافی الباب یہی کہہ دیں گے کہ یہ ایک کلمہ ہے جو خوشنودی کے اظہار میں کہہ دیا جاتا ہے اور حقیقۃً مُراد نہیں ہوتا لیکن دراصل بات یہ نہیں بلکہ یہ ہے کہ جب اللہ سبحانہٗ تعالےٰ کسی پر نظرِ رحمت ڈالتے ہیں تو اُسے زُمرہ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطَانٌ (یعنی اے ابلیس میرے خاص بندوں پر تجھے کچھ دسترس حاصل نہیں۔ بنی اسرائیل ۶۵) میں داخل فرما کر خود اُس کے حافظ و ناصر بن جاتے ہیں کہ وُہ اوّل تو ارتکابِ معاصی پر قادر ہی نہیں ہو سکتا۔ اور اگر کسی حکمت کی بنا پر ارتکابِ گناہ ہو بھی جائے تو اُسے توبہ کی توفیق نصیب فرما دیتے ہیں۔ پس لاجرم جُملہ اِفْعَلْ مَاشِئْتَ میں تخصیص مُراد ہوگی نہ کہ تعمیم۔

حدیث مَنْ قَالَ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ پر ایک اعتراض

حضرت صاحبزادہ محمود صاحب تونسویؒ ایک روز حدیث شریف من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ (جس نے لا الٰہ الا اللہ کہا وُہ جنت میں داخل ہوا) بیان فرما رہے تھے۔ ایک مولوی صاحب نے اعتراض کیا کہ "خواہ وُہ شخص فرائض کا مُنکر ہی کیوں نہ ہو؟" حضرت قبلہ عالم قدس سرّہٗ اس مجلس میں موجود تھے مگر یہ مولوی صاحب آپ سے متعارف نہیں تھے۔ حضرتؒ نے صاحبزادہ صاحب سے اجازت لے کر جواب دیا کہ "یہاں مَنْ قَالَ سے لامحالہ یہ مُراد ہے کہ اُس شخص نے کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کو حق سمجھ کر پڑھا۔ چُونکہ یہ کلمہ حضور مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دُنیا میں لائے ہیں لہٰذا وُہ شخص اپنے اس قول سے حضورؐ کی صداقت اور رسُول برحق ہونے کا اقرار کر رہا ہے اور جس نے حضورؐ کی صداقت کا اقرار کیا وُہ حضورؐ کے لائے ہُوئے فرائض کا مُنکر کیسے ہو سکتا ہے؟ جو منکر ہوگا وُہ من قال لا الٰہ الا اللہ کی منشا اور مصداق میں داخل نہ ہوگا۔"

مولوی صاحب تھوڑی دیر تک خاموش رہ کر کہنے لگے۔ "اگر مجھے معلوم ہوتا کہ اس مجلس میں ایسا فاضل بھی موجود ہے تو یہ اعتراض کر کے شرمندہ نہ ہوتا۔"

قصُور میں حضرات نقشبندیہ سے وحدت وجُود و شہُود پر گفتگو

ایک دفعہ جب آپؒ قصُور میں تھے تو جماعت نقشبندیہ کا جمِ غفیر جو کسی عُرس کی تقریب پر جمع تھا آپ کے پاس آیا۔ ایک صاحب نے خود بخود وحدت الوجُود اور وحدت الشہُود پر تقریر شروع کر دی کہ وجُودیہ اور شہُودیہ کے درمیان نزاعِ لفظی ہے جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے بیان کیا ہے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ آپ کے اس کلام سے حضرت مجدد صاحبؒ کی کسرِ شان کا پہلو نکلتا ہے کیونکہ نزاعِ لفظی کا مطلب تو یہ ہوتا ہے کہ ایک ذُومعنی کلام میں دو فریق اختلاف کریں اور ہر ایک کی مُراد علیحدہ علیحدہ معنی ہوں اور دونوں ایک دُوسرے کی مُراد سے بے خبر ہوں اور یہ چیز قلتِ فہم پر دلالت کرتی ہے۔ اسی لیے کہتے ہیں کہ نزاعِ لفظی محققین کی شان سے بعید ہے۔

پھر اُس شخص نے وحدت الشہُود پر آیت کریمہ اِنَّ اللہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَہِیْدٌ[1] پیش کرتے ہُوئے بیان کیا کہ یہاں

---

[1] یقیناً اللہ تعالیٰ ہر شے پر شاہد ہے۔ (فیض)

"علیٰ" بمعنی "فی" ہے۔ لہٰذا معنی یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ ہر شے میں مشہود ہے۔ حضرتؒ نے فرمایا: "علیٰ" بمعنی "فی" بطور شاہد قرآن کریم سے پیش کیجیے۔ جس پر وہ لاجواب ہو گئے۔ اور جب حضرتؒ نے وحدت الوجود پر دلائل پیش کیے جن کا ذکر حضرتؒ کی تصانیف تحقیق الحق و ملفوظات شریف میں مفصّل موجود ہے تو انہیں اپنی غلطی تسلیم کرنے کے بغیر چارہ نہ رہا۔ آخر میں نہایت محظوظ اور شاکر ہو کر رخصت ہوئے۔ کچھ دوسرے لوگوں کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو وہ دوسرے روز آ کر اظہارِ افسوس کرنے لگے کہ ہم اس نعمت سے محروم رہے۔

بعد ازاں اِن حضرات نے حضرتؒ کے توسّط سے اپنے چند شکوک رفع کیے۔ ایک شبہ مثنوی شریف کے اس شعر کے مطلب کے متعلق تھا۔

ایں سخن کے باورِ مردم شود　　علمِ حق در علمِ صوفی گم شود

حضرتؒ نے فرمایا یہاں گم بمعنی فانی نہیں بلکہ مستور ہے یعنی صوفی کے علم میں علمِ حق مستور ہوتا ہے اور صوفی کی ذات سے ظہور پاتا ہے۔ کیونکہ صوفی کی ذات، ذاتِ حق کا مظہر اور اُس کے صفات، صفاتِ الٰہیہ کے مظہر ہوتے ہیں۔

دوسرا شبہ یہ پیش کیا کہ مقولہ ذیل: اَلْعِلْمُ حِجَابُ الْاَکْبَرُ کے معنی کیا ہیں؟ حضرتؒ نے فرمایا کہ علم بھی منجملہ حجاباتِ وصول سے ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ ذی حجاب ہمیشہ حجاب کے پیچھے ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اس حجابِ علمی کو اُٹھا تا کہ حق سبحانہٗ کا مشاہدہ کر سکے یہ مطلب نہیں کہ علم وصول الی اللہ سے مانع ہے۔ کیونکہ علم حاجب ہے مانع نہیں۔ اور ان دونوں میں بیّن فرق ہے۔

جنابہ سیدہؓ کے مطالبۂ فدک کی ایک حسین توجیہ

واقعۂ فدک میں جنابہ سیدہ علیہا السلام کے سوالِ میراث پر آپ یہ توجیہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ جنابہ سیدہؓ کے سوال سے اہلِ اسلام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت کا معاملہ واضح ہو گیا، کیونکہ اگر آپ یہ تحریک نہ فرماتیں تو صحابہ کرامؓ کے مجمعِ عام کے سامنے حضرت صدیقؓ یہ حدیث پیش نہ فرماتے، جس میں ہے کہ انبیا علیہم السلام مال و اسباب بطور وراثت نہیں چھوڑتے، اُن کی وراثت علم ہے۔ اور اس حدیث کی تصدیق تمام حاضرین صحابہ کرامؓ نے فرمائی۔ جن میں حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ بھی شامل تھے۔

خلفائے راشدینؓ کی خلافت کی ترتیب کا لطیف استخراج

حضرتؒ فرماتے تھے کہ آیت مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ الخ[1] میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خلفائے اربعہ علیہم الرضوان کی ترتیبِ خلافت کی طرف واضح اشارہ ہے۔ چنانچہ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ سے خلیفۂ اولؓ، اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ سے حضرت خلیفۂ ثانیؓ، رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ سے حضرت خلیفۂ ثالثؓ اور تَرٰھُمْ

---

[1] سورہ فتح آخری آیت: حضور محمد مصطفیٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور جو اُن کے اصحاب ہیں وہ کافروں پر شدید اور باہم رحیم ہیں۔ آپ انہیں راکع اور ساجد اور اللہ تعالیٰ کا فضل اور رضا کا طلب گار پائیں گے۔ (فیض)

الخاشعون) الی آخرہ سے حضرت خلیفہ رابع کے صفات مخصوصہ کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ سبقت اور صحبت میں حضرت صدیق اکبرؓ، کفار پر شدت میں حضرت عمر فاروقؓ، جود و کرم میں حضرت عثمان غنیؓ اور عبادت و اخلاص میں حضرت مولائے علیؓ خصوصی شان رکھتے تھے۔

خلفائے راشدین کی خلافت کا نصِ قرآنی سے ثبوت

ایک شیعہ عالم نے ایک مرتبہ اعتراض پیش کیا کہ خلافت کا حق صرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم ہی کو پہنچتا تھا۔ حضرت نے فرمایا۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔

وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ (سورۂ نور آیت ۵۵)

اللہ وعدہ فرماتا ہے کہ تم میں سے (اے اصحاب رسول) جو لوگ ایمان لائے ہیں اور انہوں نے اچھے عمل کیے ہیں انہیں زمین کے اندر خلافت عطا فرمائے گا۔

لہٰذا اس آیت کی رُو سے اللہ تعالیٰ نے ایک یا دو نہیں بلکہ دو سے زیادہ اصحاب رسول کو جو اس آیت کے نزول کے وقت مومنین صالحین کے زمرہ میں موجود تھے خلافت فی الارض کا مستحق قرار دیا ہے اور اُن سے اس خلافت کے عطیہ کا وعدہ فرمایا ہے۔ چنانچہ اسی کے مطابق واقعات عمل میں آئے۔ اگر شیعہ حضرات امام حسن علیہ السلام کی شش ماہہ خلافت کو بھی شمار کریں تو اُن کے مسلک کے مطابق خلافت فی الارض (جو قرآن مجید کے محاورہ میں حکومت کو شامل ہے) کا وعدہ الٰہی صرف دو اصحاب رسول تک محدود رہتا ہے یعنی حضرت علی اور حضرت حسن علیہما السلام۔ آیت میں لفظ جمع ھُم کے تقاضہ کو پورا کرنے کے لیے کم از کم ایک اور خلیفہ برحق کس شخص کو قرار دیں گے؟

اُس شخص نے کہا حضرت علیؓ کے فضائل کے باوجود اُن کو آخری خلیفہ کیوں رکھا گیا؟ فرمایا خاتم الخلفا ہونا بھی خود ایک فضیلت ہے جیسا کہ ہمارے حضورؐ خاتم الانبیاء تھے۔

علمائے اہل سُنّت کو ثنائے اہلبیتؓ کرام کی تلقین

ایک مرتبہ بعض عُلما نے عرض کیا کہ فلاں مقام پر شیعہ اور سُنّی باہم مناظرہ کرنے والے ہیں۔ شیعہ صاحبان لکھنؤ سے مجتہد بلوا رہے ہیں۔ اہل سُنّت کی طرف سے آپ تشریف لے چلیں۔ فرمایا۔ آپ لوگ منبر پر جا کر شاذ و نادر ہی اہلبیت کرام کی توصیف بیان کرتے ہیں جس سے عوام کے اندر خیال پیدا ہو گیا ہے کہ جو عالم اہل بیت کرام کی تعریف کرے وہ مائل بہ تشیع ہوتا ہے اگر میں جاؤں گا تو سب سے پہلے ان حضرات کی توصیف کا حق ادا کروں گا۔ جس پر شیعہ کو یہ کہنے کا موقعہ مل جائے گا کہ پیر صاحب شیعہ ہیں تقیہ کر کے سُنّی بنے ہوئے ہیں۔

امریکن پادری کے اس اعتراض کا جواب کہ قرآن مجید میں ہر شے کا ذکر نہیں ہے

ایک امریکن پادری گولڑہ شریف آیا اور مجلس میں داخل ہوتے ہی سوال پیش کیا کہ مسلمانوں کا دعویٰ ہے کہ قرآن شریف میں ہر چیز کا ذکر موجود ہے حالانکہ حضرت امام حسین و حسن کی زندگی میں قرآن چھ برس تک نازل ہوتا رہا اُن کا نام تک قرآن میں موجود

نہیں۔ حضرت امام حسینؑ نے اسلام کے لیے بڑی قربانی دی ہے۔ ایسے خادمِ اسلام کا ذکر تو قرآن میں ضرور ہونا چاہیے تھا۔"

حضرتؒ نے دریافت فرمایا کہ "پادری صاحب! کیا آپ نے قرآن پڑھا ہے؟" کہنے لگا میں نے قرآن پڑھا ہے۔ اور اس وقت بھی میری جیب میں موجود ہے۔ فرمائیے کہاں سے پڑھوں؟" آپؒ نے اپنے علماء کی طرف دیکھا اور مسکرا کر فرمایا "سبحان اللہ! پادری صاحب کو بھی قرآن دانی کا دعویٰ ہے۔ یہاں ع عمر گذری ہے اسی دشت کی سیاحی میں۔ مگر اس دعوے کی مجال نہیں۔" پھر پادری سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ "اچھا پادری صاحب! قرآن پڑھیے۔ کہیں سے پڑھ دیجیے۔" وہ مؤدب ہو کر بیٹھ گیا اور عربی لہجے میں ترتیل سے پڑھنے لگا۔ "اَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم۔ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم"

قبلۂ عالم قدس سرہٗ نے اشارے سے روک کر فرمایا کہ بس۔ اَعُوْذُ تو قرآن کا حصہ نہیں "بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم" ہے۔ اور بقاعدہ ابجد اس کے عدد ۷۸۶ ہیں۔ اب ذرا لکھیے :-

امام حسینؑ	=	عدد ہیں	۲۱۰	
سنِ پیدائش	=	"	۴	ہجری
سنِ شہادت	=	"	۶۱	ہجری
کرب و بلا	=	"	۴۶۱	
امام حسنؑ	=	"	۲۰۰	
سنِ شہادت	=	"	۵۰	
		میزان	۷۸۶	

حضرتؒ نے فرمایا۔ "پادری صاحب! قرآن مجید کی جو پہلی آیت آپ نے پڑھی۔ اس میں ہی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا نام، سنِ پیدائش، سنِ شہادت، مقامِ شہادت، اُن کے بھائی صاحب کا نام اور سنِ شہادت اور دونوں بھائیوں کے امام ہونے کا ثبوت موجود ہے۔ آگے چلیئے تو شاید ان کی زندگی کے کئی واقعات بھی مل جائیں۔"

اس پر اس امریکی پادری نے کہا۔ "عربوں کے علم ہندسہ اور جفر وغیرہ کا ذکر مستشرقینِ یورپ کی کتابوں میں میری نظر سے گذرا ہے۔ لیکن یہ معلوم نہ تھا کہ مسلمانوں نے ان علوم کے اندر اتنی گہری ریسرچ (تحقیق) کی ہوئی ہے۔"

حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ نے فرمایا۔ "جب مسلمان کہتا ہے کہ قرآن شریف کے اندر ہر چیز کا ذکر موجود ہے تو اس بات کا ایک ظاہری مفہوم یہ ہوتا ہے کہ ہر اس چیز کا ذکر موجود ہے جو مذہبِ حقہ اسلام کی ضروریات میں داخل ہے۔ لیکن یہ کہنا بھی غلط نہیں کہ ہر وہ چیز جس سے اسلام کا ذرا سا اور دور کا تعلق ہے قرآن مجید میں بیان فرمادی گئی ہے ایسی چیزوں کے لیے اس ایک جلد کتاب کے اندر اظہارِ معنی کے طریقے لامحالہ متعدد متصور ہوں گے۔ آپ کو اُستاد نے بتایا ہو گا کہ حروفِ مقطعات کے اندر معانی اور مطالب کا ایک جہان پوشیدہ ہے۔ اسی قسم کی کیفیت دیگر حروف والفاظِ قرآنی کی بھی ہے۔ اگرچہ ان معانی پر انسان اپنی کوشش اور تحقیق سے پوری طرح مطلع نہیں ہو سکتا۔ قرآن مجید کے باطنی رموز اور معانی پر اطلاع تحقیق اور تفتیش سے زیادہ خدائے تعالیٰ کے فضل اور انسان کے نیک عمل پر موقوف ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی جسے چاہتا ہے حسبِ حاجت ان اسرار پر مطلع فرما دیتا ہے۔"

سبحان اللہ! اسلام کے اسی درخشندہ ماہتاب اور اسی زندۂ جاوید شہید یعنی حضرت امام حسین علیہ السلام کے والدِ گرامی بابِ علم سیدنا مولائے علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا تھا کہ میں سورۂ فاتحہ کی تفسیر لکھنے بیٹھوں تو کئی ضخیم جلدوں میں ایک دفتر

تیّار ہو جائے ؎

اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر
معنیٔ ذبحٍ عظیم آمد پسر

حضرت بابوجی مدظلہ العالی ایک کتابی واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ سواری سے گر پڑے اور اُٹھ کر کچھ دیر اسے پکڑے ہُوئے آنکھیں بند کر کے کھڑے رہے۔ خادم نے پُوچھا۔ حضرت! چوٹ تو نہیں آئی؟ فرمایا۔ نہیں چوٹ نہیں آئی۔ میں غور کر رہا تھا کہ اِس وقت میرے سواری سے گرنے کا ذکر قرآن مجید میں کہاں آیا ہے۔ چنانچہ اب معلوم ہو گیا ہے کہ کہاں موجود تھا"۔

ایک ہندو سادھو سے مسئلۂ توحید پر گفتگو

حضرتؒ فرماتے تھے کہ ایک دفعہ یہاں گولڑہ میں ہندوؤں کا ایک بڑا سادھو وارد ہُوا۔ ہندوؤں نے اُس کی بہت تعظیم و تکریم کی۔ میں ایک دن باغیچہ میں طلباء کو سبق پڑھا رہا تھا کہ ناگاہ وُہ سادھو اپنے چند حواریوں کے ساتھ آیا اور شہتوت کے درخت کے نیچے بہت دیر تک کھڑا رہا۔ جب میں فارغ ہُوا تو میرے قریب آیا اور خود بخود توحید کے متعلق گفتگو شروع کر دی۔ طرفہ یہ کہ یہ لوگ اہلِ اسلام کو ان باتوں سے بے خبر جانتے ہیں۔ جب وُہ کلام سے فارغ ہُوا تو میں نے کہا۔ جو کچھ تم نے کہا ہے اہلِ اسلام بھی ایسا ہی کہتے ہیں۔ لیکن قابلِ توجہ سوال یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ بالاتفاق جہل اور لاعلمی سے مبرّا اور منزّہ ہے اور اُس کی مخلوق دو فرقہ ہے ایک سادھو اور دُوسرا گرہستی ہندوؤں کی اصطلاح میں صاحبِ تجرید کو سادھو اور صاحبِ تعلّقِ دُنیوی کو گرہستی کہتے ہیں پس کیا وجہ ہے کہ سادھو میں تو اُس سُبحانہٗ و تعالیٰ کا علم ہے کہ غیر نیست ہمہ اوست۔ اور غیر سادھو میں اُس کے ہمہ اوست ہونے کا علم نہیں ہے؟ چاہیئے تھا کہ ہر دو فرقہ کو اس امر کا شعُور اور وقوف ہوتا ورنہ جہل لازم آتا ہے"۔ سادھو دریائے حیرت میں غرق ہو کر لاجواب ہو گیا۔ بعدہٗ حضورؒ نے فرمایا کہ اصل بات یہ ہے کہ یہ لاعلمی تنزّل کی صفات سے ہے نہ کہ اطلاق سے۔ جیسا کہ باقی لوازمِ بشری۔ پس جیسے باقی لوازمِ بشریہ مثل اُکل و شرب وغیرہ سے مقیّد ہو کر اُس سُبحانہٗ تعالیٰ کی ردائے تقدّس آلودہ نہیں ہُوئی یہاں بھی ایسا ہی سمجھنا چاہیئے۔

ایک نجومی برہمن سے مکالمہ

ایک دن مجلس برخاست ہونے کے وقت ایک فال بین برہمن حاضر ہُوا۔ اور اہلِ نجوم کی باتیں شروع کر دیں۔ کہنے لگا حضور کا طالع اوجِ کمال پر ہے اور ستارہ تیسرے پایہ پر ہے وغیرہ وغیرہ۔ آپ نے پُوچھا۔ کیا آخر موت نہیں؟ اُس نے کہا کہ اس سے چارہ نہیں۔ فرمایا ہماری شریعت نے ایسے اُمور کو اسی وجہ سے فضُول کہا ہے کہ نہ حصُولِ خیر کسی کے ہاتھ میں ہے اور نہ دفعِ ضرر کسی کے اختیار میں۔ جو کچھ ہے خداوند تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ پس سعد اور نحس کے جاننے سے کیا فائدہ؟ جب آخر فنا ہے تو پھر شادی و غم برابر ہیں ؎

بر لبِ بحرِ فنا منتظریم اے ساقی
فرصتے داں کہ ز لب تا بدہاں ایں ہمہ نیست

(اے ساقی! ہم بحرِ فنا کے کنارے پر منتظر بیٹھے ہیں کہ کب پیمانۂ عمر لبریز ہوتا ہے۔ اس وقت کو فرصت شمار کر کہ یہ سب حقیر سلسلہ کوئی دم میں فنا ہُوا چاہتا ہے)

پھر برہمن نے کہا کہ شمال مغرب میں غوغا اور فساد نظر آتا ہے۔ آپؒ نے فرمایا کہ تمہاری یہ بات بھی قرائن کی تقریب سے درست ہے۔ کیونکہ اس طرف کے افغان لوگ ہمیشہ آمادہ فساد رہتے ہیں پوٹھوہاریوں میں ایسے کاموں کی طاقت نہیں۔
راقم الحروف کہتا ہے کہ یہ حضرتؒ کے کمالِ اتباعِ شریعت کی دلیل ہے ورنہ عام طور پر لوگ اِن چیزوں کو معیارِ کمال خیال کرتے ہیں۔

عِلم الحرُوف کے خواص

"ملفوظاتِ طیبہ" میں لکھا ہے کہ ایک روز حضرتؒ نے علمِ حرُوف کے خواص کا تھوڑا سا ذکر کر کے فرمایا کہ اگر ان کی کچھ تفصیل بیان کرُوں تو تم لوگ باقی علوم کو چھوڑ کر اسی طرف متوجہ ہو جاؤ گے۔ حاضرینِ مجلس میں سے مولوی فضل حق صاحب شاہ پوری نے عرض کیا کہ براہِ کرم کچھ تشریح فرما دی جائے۔ آپؒ نے فرمایا کہ یہ ایک عِلم عجیب ہے کہ جس کی تحصیل کے لیے مولوی غلام جیلانی صاحب پشاوری جیسے متبحر عالم نے عرب کا سفر اختیار کیا تھا۔ جب اُن کی نظر سے حضرت شیخ اکبر محی الدینؒ ابنِ عربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصانیف گذریں تو متاسّف ہو کر کہا کرتے تھے کہ علم تو در اصل یہی تھا۔ ہم نے علومِ رسمیہ کی تحصیل میں بیجا عُمر صرف کی۔ اُن کے ایک شاگرد مولوی عبد اللہ ہزاروی بحوالہ اپنے اُستاد صاحب کے ایک مخلص برأت علی کے جو سفرِ حجاز میں ساتھ گیا تھا، بیان کرتے تھے کہ ایک روز بیتُ اللہ شریف میں مولوی غلام جیلانی صاحب کو خبر ملی کہ ایک مغربی عالم مکّہ شریف میں آئے ہُوئے ہیں جو علمِ حرُوف میں کامل دستگاہ رکھتے ہیں اور مرجع خلائق بنے ہُوئے ہیں۔ چنانچہ مولوی صاحب ان کی خدمت میں حاضر ہو کر علمِ حرُوف کی تعلیم کے لیے مُستدعی ہُوئے۔ اُنھوں نے فرمایا کل اس کا جواب دُوں گا۔ مولوی صاحب نے وجہِ توقّف دریافت کی تو کہنے لگے یہ علم اہلبیتِ کرام کے خواص سے ہے۔ آج رات اِستخارہ کر کے اِجازت طلب کروں گا کہ آپ کو پڑھاؤں یا نہ پڑھاؤں۔ اگلے روز مولوی غلام جیلانی صاحب اُس بزرگ کی خدمت میں اس خوف سے نہ گئے کہ اگر اجازت نہ ملی ہو تو عمر بھر مایُوسی کا سامنا ہو گا۔ اب اُمید تو رہے گی کہ شاید کہیں سے حاصل ہو جائے۔ کیونکہ محبوب کی تمنّا میں مرنا مایُوسی سے بہر حال بہتر ہے۔
اللہ تعالیٰ نے ہمارے حضرتؒ کو علم الحرُوف سے حصّہ وافر عطا فرمایا تھا جس کا اظہار کبھی کبھی فرمایا کرتے تھے۔ اِس معاملہ میں آپؒ کی اپنی شان تو بہت ہی بلند تھی۔ آپ کے بعض متوسّلین، جن کو آنجناب نے اس علم کا کچھ حصّہ عطا فرمایا تھا۔ اُن کے حالات سُن کر بھی انسان حیران رہ جاتا ہے۔ خان صاحب غلام رسُول خان ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس مرکزی سی۔ آئی۔ ڈی دہلی، جو آپ کے نہایت مخلص عقیدت مند تھے، کا بیان ہے کہ جب میں پہلی دفعہ حاضر ہُوا تو عرض کیا کہ مجھے غیر ممالک کی سیر کرنے، واقعاتِ کونیہ کے قبل از وقوع معلوم کرنے اور نسخۂ کیمیا کے حاصل کرنے کا شوق ہے۔ آپ نے مجھے ایک ہفتہ قیام کرنے کے لیے ارشاد فرمایا اور اس دوران میں حرُوفِ مُقطعات کا ایک قاعدہ سمجھا دیا۔ جس کے ذریعے مجھے آئندہ پیش آنے والے کئی واقعات پہلے سے معلوم ہو جاتے تھے۔ انہی ایام میں مجھے سنٹرل انٹیلی جنس بیورو میں، جو ہندوستان میں حکومتِ برطانیہ کی سی۔ آئی۔ ڈی شمار ہوتی تھی، لے لیا گیا۔ اس کی وجہ سے ایشیا اور یورپ کے اکثر ممالک کی سیر کا موقعہ ملا۔ اور نسخۂ کیمیا بھی حاصل ہو گیا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ آپؒ کو اس کا عمل ناپسند تھا کیونکہ اس کی تکمیل میں اس قدر محنت اور اخراجات صرف ہوتے تھے کہ میں اسے استعمال میں نہ لا سکا۔ خان مذکور کا بیان تھا کہ میں نے ایک رسالہ لکھ کر ایک انگریز افسر کے حوالے کیا تھا۔ جس میں انگریزوں کے متعلق ہندوستان

میں آئندہ ہونے والے واقعات اور ان کی حکومت کے اختتام تک کا ذکر تھا۔ اور وہ سب واقعات بعد میں اسی طرح ظہور پذیر ہوئے جس طرح میں نے حروفِ مذکورہ کے قاعدہ سے استخراج کیے تھے۔ خان صاحب غلام رسول خان کے بعض واقعات کی تفصیل انشاء اللہ بابِ کرامات میں ہدیۂ ناظرین کی جائے گی۔

"اذا دخل السّین فی الشّین ظهر قبر محی الدّین"

حضرت بابُوجی فرماتے ہیں کہ حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ نے ایک روز علم الحروف کا ذکر فرماتے ہُوئے بیان فرمایا کہ اس علم میں حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی یکتائے روزگار گذرے ہیں۔ آپؒ نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت ابن عربیؒ کی قبر ان کی وفات کے کچھ عرصہ بعد معدوم ہو گئی تھی لیکن آپ اپنی قبر کے معدوم ہو کر پھر ظاہر ہونے کے متعلق خود ہی ارشاد فرما گئے تھے کہ اِذَا دَخَلَ السِّیْنُ فِی الشِّیْنِ ظَهَرَ قَبْرُ مُحْیُ الدِّیْنِ[1]۔ جب سُلطان سلیم شام میں داخل ہوا تو آپ نے اُسے خواب میں فرمایا کہ میری قبر فلاں جگہ پر ہے۔ چنانچہ سُلطان نے اس کو برآمد کر کے اُس پر قبہ بنوایا۔ اور اُس وقت آپ کے اس قول کے معنی واضح ہو گئے۔

سنہ ۱۹۶۲ء میں بندہ راقم الحروف نے ایک روز مولینا احمد رضا خان صاحب بریلویؒ کے ملفوظات حصہ اول میں اُن کا یہ ارشاد پڑھا کہ میں نے یہ دونوں واقعات یعنی سنہ ۱۸۴۰ ہجری کے قریب سلطنتِ اسلامیہ کا نہ رہنا اور سنہ ۱۹۰۰ھ میں حضرت امام مہدیؑ کا ظہور سیّد المکاشفین حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کلام سے اخذ کیے ہیں۔ راقم الحروف نے حضرت قبلہ بابُوجی کی خدمت میں اس امر کا تذکرہ کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ظہورِ امام مہدی علیہ السلام سے قبل کے زمانہ کا ذکر کرتے ہُوئے حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ بعض اوقات آیتِ کریمہ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ پڑھ کر تبسم فرمایا کرتے تھے۔

بعض طنزیہ اشعار کی تقلیب

راولپنڈی کے ایک پادری صاحب حضرتؒ سے مُلاقات کے لیے آئے اور واپس جا کر بائیبل کا ایک نسخہ تحفۃً آپؒ کی خدمت میں بھیج دیا۔ حضرتؒ نے شکریہ کے ساتھ یہ شعر لکھوا کر واپس فرما دیا ؎

ہمہ شہر پُر ز خُوباں منم و خیالِ ماہے — چہ کنم کہ چشمِ خوشخو نکند بکس نگاہے

(سارا شہر حسینوں سے بھرا پڑا ہے لیکن میں کسی چاند کے خیال میں مگن ہُوں۔ کیا کروں میری خُوش مزاج آنکھ کسی اور طرف دیکھنے کی روادار ہی نہیں ہے)

اصل شعر میں شاعر نے چشمِ بدخُو باندھا تھا مگر حضرتؒ نے خوشخو لکھ کر اسے نہایت ہی حسین کر دیا ہے۔

اپنی بعض مناظرانہ تصانیف میں مخالفین کے طنزیہ اشعار اور مطاعن کو نہایت خوبصورتی سے اُنہی پر منقلب فرما دیتے جس کا پُورا لطف اُن کے مطالعہ ہی سے مِل سکتا ہے۔ قادیانی مولوی محمد احسن امروہی صاحب نے اپنی کتاب "شمس بازغہ" میں یہ شعر چسپت کیا تھا ؎

چہ ہیبت ہا بدادند ایں جواں را — کہ ناید کس بمیدانِ محمدؐ

(اِس جوان کو کیسی ہیبت ملی ہے کہ کوئی میدانِ محمدؐ میں مقابلے پر نہیں آتا)

---

[1] ترجمہ: جب سین (یعنی سُلطان سلیم) شین (یعنی شام) میں داخل ہوگا تو محی الدین کی (یعنی ہماری) قبر ظاہر ہوگی۔ (فیض)

حضرتؒ "سیفِ چشتیائی" میں جواباً جلسہ لاہور کی طرف اشارہ کرتے ہُوئے فرماتے ہیں ؎

چہ ہیبت رُو نمُود ایں میرزا را | کہ نامد او بمیدانِ محمّد
بہ لاہور ار رسیدے حسبِ دعوت | چہا دیدے زِ غلمانِ محمّد

(اِس مرزا پر کیسی ہیبت سوار ہوئی کہ وُہ میدانِ محمدؐ میں مقابلہ پر نہ آیا۔ اگر حسبِ وعدہ لاہور میں آتا تو غلامانِ محمدؐ کے کمالات دیکھتا)

قادیانی مولوی صاحب حضراتِ چشتیہ کے سماع پر طعن کرتے ہُوئے لکھتے ہیں ؎

فدع صاحب المزمار والدف والغنا | وما اختارہٗ من طاعۃ اللہ مذھبا
ویعلم ما قد کان فیہ حیاتہٗ | اذا حصلت اعمالہٗ کلھا ھبا

ترجمہ۔ بانسری دف اَور راگ والے کی بات چھوڑ جس نے اِن چیزوں کو اَور دیگر طاعات کو مذہب بنا رکھا ہے اُسے زندگی بھر کے اعمال کا انجام اس وقت معلوم ہوگا جب کہ آخرت میں سب برباد ہو جائیں گے۔

حضرتؒ جواب میں فرماتے ہیں ؎

فدع صاحب التحریف والطمع والھوٰی | وما اختارہٗ من جمع الدراھم مذھبا
ویعلم ما قد کان فیہ حیاتہ | اذا صیرت اعمالہ کلھا ھبا

ترجمہ۔ اُس کی بات چھوڑ جس نے آیاتِ الٰہیہ کی تحریف، طمع و خواہشِ نفسانی اَور فراہمی زر کو اپنا مذہب پسند کر لیا ہے۔ اُسے اپنی زندگی کے کرتُوتوں کا اُس وقت عِلم ہوگا جب کہ میدانِ حشر میں اُس کے سب اعمال ھباءً منثوراً کر دیئے جائیں گے۔

پاک پتن شریف کے بہشتی دروازہ پر اعتراضات کے جواب

حضرتؒ تقریباً ہر سال پاک پتن شریف میں حضرت بابا فریدُالدّین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے عُرس پر حاضر ہوتے تھے قصُور اَور ریاست بہاول پُور کے غیر مقلد علماء متواتر کئی سال وہاں پہنچ کر آپ سے سوال کرتے رہے کہ کیا آپ عالم ہو کر اس بات کو درست مانتے ہیں کہ جو شخص بابا صاحبؒ کے روضہ کے "بہشتی دروازہ" سے گذر جائے وُہ جنّت کا سزاوار ہو جاتا ہے؟ حضرتؒ جواب میں ہر سال نیا استدلال پیش فرماتے۔

مولوی غلام قادر چکو کہ تحصیل منچن آباد نے یہی سوال کیا تو فرمایا "کیا یہ حدیث صحیح نہیں کہ مومن کی قبر روضۃٌ من ریاض الجنۃ ہوتی ہے؟" اُس نے کہا "صحیح ہے"۔ فرمایا "جب لفظ جنّت کا اطلاق مومن کی قبر پر صحیح ٹھہرا تو اُس کے دروازے کو بہشتی دروازہ کہنے پر کیا اعتراض ہے؟" مولوی صاحب نے کہا "اِس لفظ کا جواز تو درست ہوا مگر یہ فرمایئے کہ حضرت بابا صاحبؒ کے مقبرہ کے اسی ایک دروازے میں کیا خصُوصیّت ہے کہ اِسے "بہشتی دروازہ" کہا جائے؟

آپ نے فرمایا کہ حضرت سُلطان المشائخ نظام الدین اولیاء محبُوبِ الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ میں نے بچشمِ سر عالمِ ظاہر میں حضُور سرورِ کائنات صلّی اللہ علیہ وسلّم کو بجسمِ اطہر معہ چہار یارِ کبار ۶۔ محرّم کی درمیانی رات کو اِس دروازہ سے گذر کر مقبرہ کے اندر تشریف لے جاتے دیکھا ہے اَور حضُور کا یہ ارشاد سُنا ہے کہ مَنْ دَخَلَ ھٰذَا الْبَابَ فَقَدْ اٰمِنَ (جو اِس دروازے

میں داخل ہوا وہ امن میں آگیا اور مامون ہوا) مشائخ عظام کا بھی اس پر اتفاق رہا ہے"

اس کے بعد مولوی صاحب نے اعتراض کیا، کہ زائرین فرید۔ فرید کیوں پکارتے ہیں، اللہ۔ اللہ کیوں نہیں کہتے" حضرتؒ نے فرمایا کہ عرس کے موقعہ پر زائرین کا پورا نعرہ یہ ہوتا ہے:۔

اللہ۔ محمد۔ چار یار۔ حاجی۔ قطب۔ فرید

وہ لفظِ فرید کو مکرر سہ کرر کہہ دیتے ہیں اور اس چیز کے جواز میں قرآن مجید کی ایک آیت موجود ہے" مولوی صاحب نے چونک کر کہا: وہ کونسی آیت ہے؟" آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:۔

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ۔ (پارہ ۲۔ بقرہ۔ آیت ۱۵۲)

پس تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا اور میرا شکر ادا کرو اور کفر نہ کرو۔

اور فرمایا کہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا۔ حضرت شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے آخری دم تک اللہ کا ذکر کیا۔ اب اللہ اپنی مخلوق کی زبان سے اپنے پیارے بندے فرید کا ذکر کر رہا ہے۔ آج سات سو سال سے اَذْكُرْكُمْ کا وعدہ پورا ہو رہا ہے اور قیامت تک انشاء اللہ یونہی ہوتا ہے گا کہ ہر سال ہزاروں مخلوق یہاں جمع ہو کر فرید۔ فرید کے نعرے لگاتی رہے گی اللہ تعالیٰ جسم اور مکان سے پاک ہے اور یہ اس کے ذکر کرنے کی ایک صورت ہے"

قصور کے ایک مولوی صاحب سے بھی قبلۂ عالمؒ نے یہی فرمایا تھا کہ میں تو یہاں (یعنی پاک پتن شریف میں) فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ کا نقشہ دیکھنے آتا ہوں۔ ایک اور موقعہ پر آپؒ نے اُس حدیث پاک سے استدلال فرمایا جس میں ارشاد ہے کہ مجمع ذاکرین پر ملائکۂ رحمت کا نزول ہوتا ہے کہ جو شخص اپنی کسی دنیوی غرض کے لیے اس مجمع میں شامل ہو گیا ہو، اُسے بھی ثواب اور مغفرت میں داخل کر لیا جائے کیونکہ لَا يَشْقَىٰ جَلِيسُهُمْ (ان لوگوں کے پاس بیٹھنے والے شقی نہیں ہوتے) اس موضوع پر رسالہ مجالہ بردوسالہ" میں آپؒ کے نظریہ کو حضرت مولینا محمد غازی صاحب نے تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔

بیعتِ طریقت پر اعتراض کا جواب

اس کے بعد بیعت کی بحث چلی۔ مولوی غلام قادر نے کہا: میری بیعت حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے۔ یہی حال ہر مسلمان کا ہونا چاہیئے۔ بزرگوں کے ساتھ ظاہری بیعت کی کوئی ضرورت نہیں"

حضرتؒ نے فرمایا:" اس طرح تو ساری اُمت کی اصل بیعت اور متابعت حضرت سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ کی ذاتِ پاک سے درست ثابت ہوئی۔ لیکن یہ جو تیرہ سو سال سے اُمت کے لاکھوں کروڑوں اولیاء، علماء اور صالحین بیعت کرتے چلے آرہے ہیں۔ کیا وہ تمام غلطی پر تھے اور تم اکیلے حق پر ہو؟" اس مناظرہ کا یہ اثر ہوا کہ مولوی غلام قادر صاحب نے اُسی وقت اصرار کر کے حضرتؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت کر لی۔

حضرت شمس تبریزیؒ کے ایک شعر کا حل

ایک مرتبہ حضرتؒ سے شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کے اِس شعر کے معنی دریافت کیے گئے:۔

از ہفت مادر زادہ ام از نُہ پدر اُفتادہ ام
یک رنگ خواہم ہر دو را من عاشق دیرینہ ام

فرمایا۔ ہفت مادر سے اربعہ عناصر (آب و باد و خاک و نار) اور موالید ثلاثہ (جمادات۔ نباتات اور حیوانات) مُراد ہیں۔ اور نہ پدر سے نو آسمان کیونکہ تمام علوم علوی اور سفلی انسان کے وجود کے اندر موجود ہیں۔

خلافاً للزجاج کی ترکیب

حضرت شیخ الجامعہ بہاولپوری (مولانا غلام محمد سابق گھوٹوی) اپنی ایک قلمی یادداشت میں لکھتے ہیں:۔

"اللہ۔ اللہ۔ حضرتؒ کی ذہانت کا کیا کہنا۔ مشکل سے مشکل مسئلہ ہو یا اشکل سے اشکل اشکال پہلی توجہ میں حل ہو جاتا تھا۔ مطالعہ اور تفکر کے کیا معنی۔ محض توجہ کی دیر ہوتی تھی۔ بڑے بڑے فضلاء کو دیکھا کہ اُن سے جو مقام سخت مطالعہ اور محنت سے حل نہیں ہو سکتا تھا حضرتؒ نے ایک بار نظر ڈالتے ہی حل فرما دیا۔ حضرتؒ کی ذاتِ بابرکات کو اللہ تعالیٰ نے صاحبِ قوتِ قدسیہ بنایا تھا۔ مناظرہ میں اور اِسکاتِ خصم میں اس قدر کمال تھا کہ مناظرین کے سوال سے جواب نکالا کرتے تھے اور اُن کی اپنی کلام سے اُنہیں اِلزام دیا کرتے۔

ایک دفعہ اُستادی مولانا حافظ محمد جمال الدین گھوٹوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دریافت فرمایا کہ خلافاً للزجاج کی کیا ترکیب ہے۔ خلافاً للزجاج کی ترکیب جنوبی علاقہ والے عُلماء کے نزدیک یہ ہے کہ خلافاً مفعولِ مُطلق ہے فعل محذوف خَالَفَ کا اور خَالَفَ کا فاعل ضمیر مُستتر ہے جو ہذا القول کی طرف راجع ہے۔ اور للزجاج جار مجرور متعلق کائناً کے ہے جو صِفت ہے خلافاً کی۔

حضرتؒ نے یہ ترکیب بیان فرما کر اِس پر اِعتراض کیا۔ کہ ہذا القول جو جمہور کا مذہب ہے اُس کی طرف مخالفت کی صراحتہً نسبت کرنا دلالت کرتا ہے کہ اصل قولِ زجاج ہے اور جمہور کا قول اِس اصل کے خلاف ہے جیسا کہ بابِ مفاعلہ کا مقتضیٰ ہے حالانکہ اصل جمہور کا قول ہے جو مذہب اور معمول بہٖ ہے اور مخالفت زجاج نے کی ہے لہٰذا مرجُوح قول ہے اور اِس پر عمل نہیں ہے۔ مُناسب تو یہ تھا کہ مخالفت کی صراحتہً نسبت زجاج کی طرف ہوتی۔ حضرت اُستاد صاحب اِس اعتراض کا جواب نہ دے سکے۔

آپ نے فرمایا کہ خَالَفَ محذُوف کا فاعل زجاج اور لام جو زجاج پر داخل ہے وُہ تقویتہِ عمل کے لیے ہے۔ اِس واسطے کہ جو فعل محذُوف ہو یا مؤخر ہو تو معمول پر لام تقویتہِ عمل کے لیے لایا جاتا ہے۔ سب عُلمائے جنوبی پنجاب حیران رہ گئے کہ کیا اعلیٰ ترکیب فرمائی ہے۔

لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ میں کسب اور اکتساب کا فرق

"میں کافیہ پڑھتا تھا کہ پشاور کی طرف سے دو بڑے فاضل آئے اور اُنہوں نے عرض کیا کہ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ[1] (الآیہ) میں کسبت اور اکتسبت کا فرق کیوں فرمایا گیا ہے۔ دونوں جگہ یکساں کیوں نہیں فرمایا

حضرتؒ نے فرمایا کہ زیادہ مبنیٰ زیادہ معنیٰ پر دلالت کرتے ہیں۔ لام اِنتفاع کے لیے ہے اور علیٰ ضرر کے لیے

---

[1] ترجمہ۔ اُس کے فائدے کے لیے ہے جو اُس نے کسب کیا۔ اور اُس کے نقصان کے لیے ہے جو اُس نے کما لیا۔

ہے یعنی عبد جو نیک کام کرے چاہے عمداً کرے یا خطاءً یا نسیاناً بہرکیف نیک کام جس نہج سے بھی ہو وہ نافع ہے اور بد کام اُس وقت پر مُضر ہے جب عمداً کیا جائے۔ پس اکتساب میں تعمد کے معنی زاید ہیں اور کسب میں تعمد نہیں بلکہ تعمیم ہے۔

قصۂ خضر و موسیٰ میں الفاظِ آیت کی تشریح

ایک دفعہ ایک شخص نے عرض کیا کہ قصۂ خضر و موسیٰ علیہما السلام میں فَاَرَادَ رَبُّكَ اور اَرَدْنَا اور اَرَدْتُّ کے فرق کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا۔ جہاں خیرِ محض ہے وہاں نسبت جنابِ باری تعالیٰ کی طرف ہے جہاں شر ہے جیسے اَرَدْتُّ اَنْ اَعِیْبَهَا وہاں نسبت خضر علیہ السلام نے اپنی طرف فرمائی ہے۔ جہاں دونوں ہیں وہاں تکلم مع الغیر کا صیغہ ارشاد ہوا ہے تاکہ خیر کی نسبت اُدھر ہو جائے اور شر کی نسبت اپنی طرف تادّباً مع اللہ تعالیٰ ورعایۃً لجانبہٖ جلّ جلالہٗ۔

الغرض حضرتؒ اگرچہ آخر میں کتبِ درسیہ کی تدریس و تعلیم کا شغل نہیں رکھتے تھے مگر پھر بھی نہایت ادق سے ادق مقام یا مشکل سے مشکل عبارت کی وضاحت فوراً فرما دیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ بڑے بڑے معقولی اور ریاضی دان آپ کے سامنے طفلِ مکتب معلوم ہوتے تھے۔

حرمتِ ذبح فوق العقدہ کی تشریح

مولانا مُحب النبی صاحب فرماتے ہیں کہ ایک سال جب پاک پتن شریف سے واپسی پر لاہور میں ٹھہرنے کا اتفاق ہوا تو چند علمائے لاہور نے حاضر ہو کر حضرتؒ کی تصنیف "اعلاء کلمۃ اللہ" میں مسئلہ حرمتِ ذبح فوق العقدہ کے متعلق تشریح چاہی۔ آپؒ نے حوالہ جاتِ فقہ پیش کرنے کی بجائے لاہور کے ایک لائق حکیم کو بلوایا اور کہلا بھیجا کہ کتاب "تشریح الابدان" بھی لیتے آئیں۔ حکیم صاحب کتاب لے کر حاضر ہوئے تو آپؒ نے ایک ذبح شدہ بکرے کا سر منگوایا اور حکیم صاحب سے فرمایا کہ

---

[1] متعلقہ آیات یہ ہیں:- اَمَّا السَّفِیْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِیْنَ یَعْمَلُوْنَ فِی الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِیْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ یَّاْخُذُ كُلَّ سَفِیْنَةٍ غَصْبًا ۝ وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَیْنِ فَخَشِیْنَآ اَنْ یُّرْهِقَهُمَا طُغْیَانًا وَّكُفْرًا ۝ فَاَرَدْنَآ اَنْ یُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَیْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا ۝ وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَیْنِ یَتِیْمَیْنِ فِی الْمَدِیْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ یَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَیَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ ذٰلِكَ تَاْوِیْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَیْهِ صَبْرًا ۝ (کہف ۷۹ تا ۸۲)

ترجمہ۔ رہی کشتی سو مسکینوں کا مال تھا جو دریا میں محنت کرتے تھے پس میں نے ارادہ کیا کہ اس میں عیب ڈال دوں کیونکہ ان کے ورے ایک بادشاہ ہے جو تمام کشتیوں کو زبردستی پکڑ لیتا ہے۔ اور رہا لڑکا (جسے قتل کیا تھا) تو اُس کے والدین ایماندار تھے سو ہمیں اندیشہ ہوا کہ انہیں سرکشی اور کفر میں گرفتار نہ کر دے سو ہم نے ارادہ کیا کہ ان کا پروردگار اس سے بہتر (بیٹا) بدل دے پاکیزگی میں اور نزدیک تر مہربانی میں۔ اور رہی دیوار (جسے بلا اجرت تعمیر کر دیا تھا) تو شہر کے دو یتیم بچوں کی ملکیت ہے اور اس کے نیچے اُن کے لیے خزانہ دفن ہے اور ان کا والد نیک بخت تھا پس تیرے رب نے ارادہ فرمایا کہ وہ جوان ہو کر اس خزانے کو خود نکالیں اپنے پروردگار کی رحمت کے باعث اور میں نے اپنے حکم سے نہیں کیا یہ تھی حقیقت اُس چیز کی جس پر آپ صبر نہ کر سکے۔

"تشریح الابدان" سے بحث عروق پڑھیں۔ چنانچہ اُنہوں نے سر کی رگیں دکھا کر اور کتاب پڑھ کر واضح کیا کہ ودجین (دو شہ رگیں) دماغ تک پہنچتی ہیں اور دو دیگر رگیں (حلقوم اور مری) عقدہ کے نچلے حصہ سے متصل ہوتی ہیں۔ جب مشاہدہ کی بنا پر مری اور حلقوم کا انتہا معلوم ہو گیا کہ وہ عقدہ کے نیچے آکر ملتی ہیں تو آپؒ نے جماعتِ علماء سے فرمایا کہ اب فیصلہ آپ پر ہے کہ آیا فوق العقدہ ذبح کی صورت میں چاروں رگیں قطع ہو جاتی ہیں یا دو۔ اور علماء نے عرض کیا کہ اب ہم کو یقین ہو گیا ہے کہ جو آپؒ نے لکھا ہے صحیح لکھا ہے۔

کلیر شریف کا مناظرہ اور اس کے متعلق ایک مکتوب

ایک مرتبہ آپؒ حضرت مخدوم علاء الدین علی احمد صابر قدس سرہ العزیز کے عرس پر کلیر شریف میں حاضر ہوئے جس کے لیے دیوان صاحب کلیر شریف نے دعوت دے رکھی تھی۔ حضرتؒ کی تشریف آوری کی قبل از وقت اطلاع ملنے پر ہندوستان کے بہت سے علما اور اُمرا بھی خصوصیت سے آپؒ کی زیارت کے خیال سے کلیر شریف پہنچ گئے تھے۔ چنانچہ عوام و خواص کے ایک بڑے اجتماع میں انبیٹھہ کے ایک مشہور مناظر مولوی نذیر احمد صاحب اپنی ایک جماعت لے کر آ گئے جن میں اُن کے چند معتقد اُمرا بھی شامل تھے اور آتے ہی عرض کی کہ میں ایک اعتراض کا جواب چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کیا اعتراض ہے؟ اس پر مولوی صاحب نے فرمایا کہ حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ نے "فصوص الحکم" میں لکھا ہے کہ حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو خواب دیکھا تھا اُس میں مینڈھے ہی کی قربانی کا حکم تھا۔ اُنہیں خواب کی تعبیر میں غلطی ہوئی کہ اپنے صاحبزادے کی قربانی کا حکم سمجھا۔ پس جب نبی کو خواب کی تعبیر میں غلطی ہو سکتی ہے تو حضرت شیخ اکبرؒ کا یہ خواب کہ اُنہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کتاب "فصوص الحکم" عطا فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ اسے اولیائے اُمت تک پہنچاؤ اپنی تعبیر میں کیونکر لازمی طور پر صحیح تسلیم کیا جا سکتا ہے؟ پھر جس کتاب کی اصلیت ہی مشکوک ہو گئی ہو وہ صوفیا کے نزدیک کیوں کر حجت مانی جا سکتی ہے؟

مولوی صاحب نے تقریر کو خاصہ طول دیا اور اس کے احاطہ میں حضرت شیخ اکبرؒ کے کئی نظریات، بالخصوص وحدت الوجود پر معقولی اور منقولی اعتراض کیے۔ اس طوالت کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ جب وہ تقریر ختم کرتے تھے تو حضرتؒ فرما دیتے "کچھ اور؟" چنانچہ اس دوران میں آپ تسبیح پڑھتے رہے اور اُن کی تقریر بھی سنتے رہے۔ جب مناظر صاحب نے فرمایا کہ "بس"، تو حضرتؒ نے تسبیح مبارک ہاتھ سے رکھ دی اور آستین چڑھا کر پہلے سوال کیا "کیا آپ نے فصوص الحکم پڑھی ہے؟" کہا "نہیں"۔ حضرتؒ نے فرمایا "فصوص الحکم اس طرح شروع ہوتی ہے: الحمد للہ المنزل للکلم علیٰ قلوب الکلم۔ اس کا معنیٰ فرمائیے۔" اُنہوں نے الحمد للہ کے معنیٰ کیے: "سب تعریف اللہ کے لیے ہے۔" آپؒ نے پوچھا "سب کس لفظ کا معنیٰ ہے"۔ کہا "الف لام کا"۔ حضرتؒ نے فرمایا "تعریف تخصیص کے لیے ہوتی ہے اور لفظ سب تعمیم کے لیے ہے کہ بمعنی کل ہے تو جو لفظ تخصیص کے لیے موضوع ہو اُس پر تعمیم جو اُس کے مدلول کی نقیض ہے کس طرح دلالت کرے گی؟" جواب میں مولوی صاحب خاموش تھے۔

اس کے بعد حضرتؒ نے ان کے اعتراضات کے جواب میں مفصل تقریر فرمائی جس پر مولوی صاحب نے برسر مجلس اپنے عجز کا اعتراف کیا اور استدعا پیش کی کہ اپنی شاگردی میں قبول فرما کر حضرت شیخ اکبرؒ کے علوم سے بہرہ افروز فرمائیں۔ جب حضرتؒ عصر کے وقت جناب سجادہ نشین صاحب کلیر شریف کی ملاقات کے لیے گئے تو یہ مناظر وہاں موجود تھے۔ ایک معزز نووارد نے انہیں مولوی صاحب کہہ کر علیک سلیک کیا جس پر اُس باانصاف نے کہا "صاحب! آج کے بعد کوئی شخص مجھے مولوی

سکے:" اور حضرتؒ کی طرف اشارہ کر کے کہا "مولوی تو وہ بیٹھے ہیں، جن کے مقابلہ میں ہمیں مولویت کی ہوا بھی نہیں لگی"۔

حضرت شیخ الجامعہ صاحب نے اپنے مسودات میں لکھا ہے کہ میں ان دنوں رام پور اسٹیٹ میں مولینا فضل الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھتا تھا اور وہ ان مولوی نذیر احمد صاحب انبیٹھوی کے متعلق فرماتے تھے کہ یہ شخص ایسا مناظرہ کرتا تھا کہ مخاطب کو بات نہیں کرنے دیتا تھا اور دو منٹ میں مقابل کو چُپ کرا دیتا تھا۔

حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ نے اس کے اصل اعتراض کے بارہ میں مولوی محرم علی صاحب چشتی صدر انجمن نعمانیہ لاہور کو فارسی میں ایک خط تحریر فرمایا تھا جس کے متعلقہ حصّہ کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔

محبت نامہ مشتمل بر اظہار فرط اشتیاق اراکین انجمن نعمانیہ صانہ اللہ عن المحن والفتن دربارہ حصُولِ شرف جلسہ متبرکہ پہنچا۔ لیکن قطع نظر دیگر موانع کے جن میں سے ہر ایک کافی وزنی ہے جلسہ کی حاضری سے مندرجہ ذیل نصب العین زیادہ تر مانع ہوا ہے۔

غالباً ایسے اجتماعوں میں مختلف مسلک اور ذوق کے لوگ شریک ہوتے ہیں کہ جن کی موافقت اہل اللہ کی تصویب اور تعظیم پر بالخصوص قائلین وحدت الوجُود کے متعلق، ممتنعاتِ عادیہ سے ہے۔ اور مخالفانہ کلمات کے استماع پر بوجہ اُس دیوانگی ہائے عشق کے جو دُعا گو کو ان حضرات شاہبازان عالم قدس کی ذوات کے ساتھ ہے سکُوت مشکل ہو جاتا ہے اور جراٴتِ گفتگو بھی مُناسب نہیں ہوتی۔ کیونکہ اِس موضوع پر بحث عالم عقل کی سرحدات عبُور کر جاتی ہے۔

هرگز در بیش و کم نے باید زد   از حد بیرُوں قدم نے باید زد
عالم همه مرآتِ جمال ازلی ست   مے باید دید و دم نے باید زد[1]

چنانچہ چشم دید احباب ہے کہ اِس سال پیران کلیر شریف میں جب فضلائے عصر سے ایک صاحب نے حجۃ اللہ الی الخلق شیخ اکبرؒ کی ذات پر جناب مولانا فضل حق مرحوم کی تحویل اور تقلید میں اعتراض کیا۔ حتیٰ کہ رشتۂ سخن کو معاذ اللہ تکفیر پر پہنچا دیا تو فقیر کی یہی دیوانگی چمک اُٹھی۔

حاصل اعتراض یہ تھا کہ صاحب فصُوص نے چونکہ فص حقی میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے خواب کی تغلیط کی ہے اور اُسے قبیل وہم سے شمار کیا ہے تو پھر فصُوص خود کیونکر قابل اعتبار ہو سکتی ہے کہ وہ بھی حسب بیان شیخ عالم رؤیا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شیخ کو ملی ہے۔

ایسے حضرات کے کلام پر اس قسم کے شکوک اور اعتراضات کی وجہ جہالت اور بے خبری کے سوائے اور کچھ نہیں ہوتی۔ میں نے اس اعتراض کے جواب میں عرض کیا کہ اس فص میں شیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقصود خوابوں کی ترتیب اور تقسیم ہے یعنی بعض خواب تعبیر طلب ہوتے ہیں۔ مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب میں شیر نوش فرمانا اور پسماندہ شیر کا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا فرمانا۔ اس میں شیر کی تعبیر حضورؐ نے علم سے کی۔ اور بعض خواب تعبیر طلب نہیں ہوتے۔ بلکہ خواب میں جو کچھ نظر آتا ہے بعینہٖ وُہی چیز بیداری میں واقع ہوتی ہے۔ مثلاً کوئی دوشنبہ کی رات کو خواب میں دیکھے کہ فاضل گولڑہ میں آیا ہے اور اُس روز فاضل

---

[1] یعنی حدِ اعتدال سے قدم نہیں بڑھانا چاہیئے۔ عالم کائنات جمال الٰہی کا آئینہ ہے بس دیکھتے رہو اور دم نہ مارو۔

واقعی گولڑہ پہنچ جائے۔

سیّدنا ابراہیم علیٰ نبیّنا وعلیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے خواب میں دیکھا کہ اپنے فرزند حضرت اسمٰعیلؑ بقولِ جمہور (اور بقولِ شیخ حضرت اِسحٰقؑ) کو ذبح کر رہے ہیں۔ حالانکہ واقعہ میں حضرت اسمٰعیلؑ کو ذبح نہیں کیا گیا۔ بلکہ گوسفند کو ذبح کیا گیا۔ لہٰذا یہ خواب قسمِ اوّل میں سے ہے یعنی تعبیر طلب ہے کہ آپ نے خواب میں گوسفند کو فرزند کی صُورت میں دیکھا۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی غلطی اور وہم اِس جگہ یہی ہے کہ اُنہوں نے اِس خواب کو قسمِ ثانی یعنی عینی سے سمجھ لیا۔ لہٰذا فرزند کو ذبح کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ اور مفسّرین اور عُلمائے ظاہر کی بھی یہی رائے ہے بدلیل قولہٗ تعالیٰ وَفَدَیْنٰہُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ یعنی اُن کے فرزند کے عوض اور بدل میں ہم نے گوسفند ذبح کرایا۔ اور حضرت شیخ قدس سرّہٗ فرماتے ہیں کہ وفدینٰہ کا اطلاق اِس جگہ حضرت ابراہیمؑ کے فہم اور شان کی رعایت سے ہے۔ محرّر سطور عفی عنہ کہتا ہے کہ حضرت شیخؒ اِس قسم کی تفسیرات کی امثال میں اپنے کیف وشہُود کے تابع اور پیرو ہیں۔ اور اُنہی کے اظہار کے لیے مامُور و معذُور ہیں۔

اور اِس بے ہیچ کے ذہن میں حضرت شیخؒ کی تفسیر کی وجہ وجیہ یہ ہے کہ یہ چیز مسلّمات سے ہے کہ انبیاء کے خواب بھی وحی کی قسم سے ہوتے ہیں اور وحی کے اندر خطا اور وہم کا اِمکان اور مجال نہیں۔ البتّہ وحی کی تعبیر میں خطا کا ہونا شانِ نبوّت کے منافی نہیں۔ کیونکہ تعبیر، وحی کی قسم اور قبیل سے نہیں ہے بلکہ تعبیر کا منشاء اجتہاد ہے۔ وھو قد یخطی وقد یصیب۔ اِس میں خطا بھی ہوتی ہے اور صواب بھی۔ چنانچہ حدیث فذھب وھلی انھا الیمامہ (میرا گمان گیا کہ شاید ہجرت کا مقام یمامہ ہے) اور خواب میں مکّہ معظمہ کے دخُول سے اُسی سال داخل ہونے کی تعبیر لے کر مکّہ معظمہ کو روانگی وغیرہ امثال اس کی شاہد ہیں۔

ہاں خطا بربقا شانِ نبوّت کے منافی ہے پس حضرت شیخؒ کے کشف وشہُود کی بناء پر وحی میں خطا کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ اجتہاد میں غلطی کا سوال ہے کہ خواب کو تعبیری کی بجائے عینی خیال فرمایا اور مخالف کے زعم کے خلاف اِس چیز کے درست ہونے میں کچھ شُبہ نہیں۔ یہ ہے شیخِ اکبر قدّس سرّہ الاطہر کا مطلب۔

اَب میں اصل مطلب پر آتا ہُوں اور صاحبِ فصُوصؒ کے خواب میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے نسخۂ فصُوص عطا فرمانے پر اِعتراض کو رفع کرنے کی طرف متوجّہ ہوتا ہُوں۔ جیسا کہ فصُوص کے شرُوع میں ذکر کیا گیا ہے۔ یہ خواب عینی ہے۔ تعبیر طلب نہیں۔ کیونکہ خواب کے مُطابق اس کا خارج میں وقوع ہوا۔ اور وقوع کذائی دلیل ہے ہر شخص کے خواب کی صداقت پر۔ لیکن جو لوگ مُتّبعانِ وحی اور اربابِ تقویٰ ہیں اُنہیں حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے کی علامات بھی عطا فرمائی جاتی ہیں اور غلطی پر متنبّہ ہونے کی بھی۔ بدلیل قولہٗ تعالیٰ اِنْ تَتَّقُوا اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّکُمْ فُرْقَانًا (اگر اللہ سے ڈر کر تقویٰ اختیار کرو گے تو وُہ تمہیں حق و باطل میں فرق کرنے کی تمیز عطا فرمائے گا) اور اَدْعُوْا اِلَی اللّٰہِ عَلٰی بَصِیْرَۃٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ (دعوت دیتا ہُوں اللہ کی طرف بصیرت پر میں اور میرے تابعین) بصیرۃً اور فارقًا بین الحق والباطل۔ اور اِنہیں علامات دی جاتی ہیں جن کے ذریعے وُہ اپنے خوابوں اور رؤیا کے ربّانی، ملکُوتی یا نفسی اور شیطانی ہونے میں تمیز کر لیتے ہیں۔ اور اصلیّت کے اندر شُبہ نہیں رہتا۔ لیکن جو لوگ خود اِن منازلِ عالیہ پر نہیں پہنچتے

اور ان مُستفیدانِ قُدس کی اِن کیفیات سے اِنکار کرتے ہیں وُہ اپنے جہل سے مجبُور ہیں۔ البتہ ہر مدعی، صاحبِ ہوا و ہوس اِس چیز کا سزاوار نہیں کہ اِن صاحبانِ دَولت کی ہمسری میں لاف زنی کرے۔ اور خطائی التّعبیر کو اپنے غلط مکاشفات اور پیشین گوئیوں کے لیے سپر بنائے۔ کیونکہ تعبیر میں بھی بقا علی الخطا صاحبِ وحی اور اُس کے متّبعین سے بمراحل دُور اور بعید ہے۔ چنانچہ بعض متنبّیانِ زمانۂ حال حضور نبی کریم کے مکاشفۂ نزولِ مسیح ابنِ مریم کو خطائی التّعبیر کی قبیل سے گمان کرتے ہیں۔ اِس سے لازم آتا ہے کہ معصوم اپنی موت تک بھی خطا سے آگاہ نہ ہوا اور خطا پر قیام معصُومیت کے منافی ہے..... الغرض حضرت شیخؒ نے خواب ابراہیمیؑ کو غلط اور وہم نہیں فرمایا بلکہ تعبیری کی بجائے عینی سمجھ لینے میں اجتہاد کی ہنگامی غلطی کا ذکر کیا ہے۔ (جس غلطی پر وُہ آگاہ کر دیئے گئے اور جو غلطی برکات کا ایک جہان اپنے جلو میں لائی)......

داعی مہر علی شاہ از گولڑہ بقلم خود

مولوی حُسین علی صاحب (واں بھچراں) کے ساتھ مناظرہ

مولوی حُسین علی صاحب واں بھچراں کے مناظرہ کی کیفیت حضرت شیخ الجامعہ صاحب بہاولپوریؒ کی مندرجہ ذیل تحریر سے بہتر نہیں مِل سکتی۔ وُہ خود اِس موقعہ پر حاضر تھے۔ بلکہ اِس مناظرہ کے لیے ایک فریق شمار کیے گئے تھے، لکھتے ہیں :-

"میانوالی میں ایک موضع ہے واں بھچراں، وہاں ایک مولوی صاحب گذرے ہیں جن کا نام حُسین علی صاحب تھا۔ وُہ مولانا سُلطان احمد صاحب تھیم ڑوی کے شاگرد تھے۔ بعد میں مولوی احمد حسن صاحب کانپوری کے یہاں جاکر تحصیل تمام کی اور حدیث کا دَورہ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے یہاں کیا۔ اور پھر وطن واپس آکر درس و تدریس شروع کی۔ حضرت عُمدۃ الواصلین خلیفہ محمد عثمان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سجادہ نشین مُوسیٰ زئی شریف کے خلیفہ مجاز تھے۔ مگر اعتقادات غیر مقلّدانہ رکھتے تھے۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے علم اور ندا کے سخت منکر تھے اور اس کو کفر و شرک قرار دیتے تھے ایسے ہی "یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ" کی ندا کو کفر و شرک کہتے تھے۔ اور سِلسلۂ چشتیہ کے سخت مخالف تھے۔

ہمارے حضرتؒ کی عادت مُبارک تھی کہ سال میں دو دفعہ سفر کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ اپنے شیخ طریقت خواجہ شمس العارفین سیالوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے عُرس مُبارک کی حاضری کے لیے اور دُوسری دفعہ حضرت گنج شکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے عُرس شریف کے لیے ایک مرتبہ آپ پاک پتن شریف جانے کے لیے تیار تھے۔ کہ ملک مظفر خان فرزند ملک محمد امیر خان ساکن واں بھچراں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ اِس دفعہ واں بھچراں میں ہماری دعوت قبول فرمائی جائے۔ آپ نے بوجہ اِس کے کہ ملک محمد امیر حضرتؒ کا پیر بھائی تھا دعوت قبول فرمائی اور جب آپ پاک پتن شریف پہنچے تو مولوی حُسین علی صاحب نے حضرتؒ کی خدمت میں ایک رجسٹری لفافہ بھیجا کہ اگر آپ واں بھچراں میں ملک صاحب کی دعوت پر تشریف لائے تو آپ کو میرے ساتھ مناظرہ کرنا ہوگا۔ اور مناظرہ علمِ غیب کے مسئلہ میں ہوگا۔ اور ندائے یا رسُول اللہ، یا شیخ عبد القادر جیلانیؒ پر اور سماعِ موتیٰ پر ہوگا حضرتؒ نے وُہ خط محفوظ رکھنے کا حکم فرمایا۔

جب حضرتؒ مظفر گڑھ کے اسٹیشن پر تشریف لائے تو آپؒ نے مجھے فرمایا کہ "غلام محمدؐ، واں بھچراں میں کوئی مولوی صاحب ہیں۔ وُہ مجھ سے مناظرہ کرنا چاہتے ہیں۔ تم میرے ساتھ چلو۔ تم بھی مولوی ہو وُہ بھی مولوی ہیں۔ مناظرہ کرکے ہمیں بھی واقف کر دینا تاکہ ہم اُس پر عمل کریں۔" یہاں آپ نے ایسے لفظ انکسار کے فرمائے کہ جن کے لکھنے سے شرم آتی ہے۔

حضرتؒ وہاں سے شاہ عالم تشریف لے گئے۔ شاہ عالم کے قریب حضرتؒ کا ایک مخلص مولوی نور محمد ڈورا (بہرا) سکونت پذیر تھا۔ حضرتؒ کو اُس کے حال پر بہت توجّہ تھی۔ اُس کی خاطر شاہ عالم سٹیشن پر چوبیس گھنٹے قیام فرمایا کرتے تھے۔ شاہ عالم سے روانہ ہوکر آپؒ میانوالی کے بعض مخلصین کے عرض کرنے پر میانوالی تشریف لے گئے۔

مولوی حُسین علی صاحب یہیں آدھمکے اور یہیں مناظرہ کے طالب ہُوئے۔ حضرتؒ نے اِس کے حواریوں سے فرمایا کہ میں اپنے اشغال میں مصرُوف ہُوں اور واں بھچراں تک دو گھنٹے بچا سکوں گا۔ اگر آپ کو مناظرہ کرنا ہے تو حسبِ تحریر اور حسبِ وعدہ واں بھچّراں میں اس کا اِنتظار کریں اور یہاں میرے وقت کو ضائع نہ کریں۔

ایک بجے کے قریب گاڑی میانوالی سے واں بھچراں کو روانہ ہُوئی۔ حضرتؒ وہاں تشریف فرما ہُوئے۔ ملک مظفرّ خاں کے بنگلہ میں نزُولِ اجلال فرمایا۔ ابھی تھوڑی ہی دیر گذری تھی کہ مولوی حسین علی کے مُریدوں نے حضرتؒ کے رُفقائے سفر کے ڈیروں پر چکّر لگانا شرُوع کر دیا اور سماعِ موتیٰ کے اِنکار اور عذابِ قبر کے متعلق تقریریں شروع کر دیں۔ حضرتؒ کے رفقاء نے بھانپ لیا کہ مقصُود اِن کا فساد کرنا ہے۔ اُنہوں نے نہایت حوصلہ اور حِلم سے کام لیا تا آنکہ جب رات کے بارہ بجے کا وقت ہُوا تو معلُوم ہُوا کہ مولوی حُسین علی صاحب مُنادی کرا رہے ہیں کہ صُبح تمام قصبہ کے لوگ میرے مناظرہ میں شریک ہوں جو میں (حضرتؒ) پیر صاحب سے کرنے والا ہُوں۔ اور اپنے دُنیوی کاموں کو اگلے دِن پر چھوڑ رکھیں۔ حضرتؒ کا اِرادہ پہلے بذاتِ خود مناظرہ کرنے کا نہ تھا بلکہ آپؒ نے مجھے صراحتہً فرمایا تھا کہ مناظرہ تم کرنا مگر اب آپؒ کا اِرادہ بدل گیا اور فرمایا کہ بہت متکبّر ہے۔ اِس کا تکبّر دُور کرنا ضرُوری ہے۔

صبح ۹ بجے مولوی حُسین علی صاحب کے ایک مشہُور شاگرد[1] جو اَب تک زندہ ہیں میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ مجھے مولوی حُسین علی صاحب نے شرائطِ مناظرہ طے کرنے کے لیے بھیجا ہے۔ میں نے کہا بسم اللہ۔ اُس نے کہا کہ مناظر تمہاری طرف سے کون ہوگا؟ میں نے کہا کہ احقر غلام محمدؐ گھوٹوی۔ پہلے تو اُس نے اِنکار کیا اور کہا کہ مناظر (حضرتؒ) پیر صاحب ہوں گے لیکن تھوڑی سی گفتگو کے بعد وُہ مان گیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ اُس کا منشا شرُوع سے ہی یہی ہے۔ دُوسری شرط یہ تھی کہ مسئلہ علمِ غیب پر دلائل محض فقہ حنفی کی کتابیں ہوں گی قرآن شریف اور حدیث شریف کو دلیل کے طور پر پیش کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔ میں نے اِنکار کیا اور کہا کہ کیا قرآن شریف اور حدیث شریف اَب منسُوخ ہو گئے ہیں؟ نیز فقہائے حنفیہ، فقہ کی کتابوں میں قرآن شریف کی آیات اور حدیث شریف سے اِستناد کرتے ہیں تو فقہِ حنفی اور قرآن وحدیث کا اِنفکاک ہی مقصُود نہیں۔

---

[1] یعنی مولوی فضل کریم صاحب بندیالوی۔ (فیض)

ہم یہ باتیں کر رہے تھے اور تقریباً دس ساڑھے دس کا وقت تھا کہ حضرتؒ کی طرف سے پیغام آیا کہ مجھ سے کسی صاحب نے اگر کوئی مسئلہ پوچھنا ہو یا کوئی اور بات کرنی ہو تو ملک مظفر خان کے بنگلہ پر چلے آئیں۔ یہ سُن کر تمام مجمع بنگلہ کی طرف دوڑ پڑا۔ وہاں حضرتؒ ایک مصلّے پر تشریف فرما تھے۔ تمام حاضرین کے لیے قالینیں بچھی ہوئی تھیں۔ حضرتؒ کا رُوئے مبارک بنگلہ کے دروازہ کے محاذ جنوب کی طرف تھا۔ یہ احقر حضرتؒ کے متصل بائیں جانب بیٹھا تھا۔ مولوی حسین علی صاحب کا انتظار تھا مولوی صاحب کا آدمی آیا کہ بنگلہ ملک صاحبان کا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ اگر میں وہاں جاؤں تو میری ہتکِ عزت کی جائے گی۔ حضرتؒ نے ملک محمد امیر صاحب کو فرمایا کہ تم خود جاؤ اور میری ذاتی ضمانت پیش کرو کہ اگر آپ کا بال بھی بیکا ہُوا تو میں ذمہ دار ہوں گا۔

ملک محمد امیر خان بصد اعزاز مولوی صاحب کو لے آئے۔ مولوی صاحب اور مولوی فضل کریم صاحب حضرتؒ سے جنوب مغرب کے گوشہ میں آکر بیٹھ گئے۔ حضرتؒ نے مولوی صاحب کا اکرام فرمایا اور پھر مجھے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ تمہاری ان مولوی صاحب کے ساتھ کس بارہ میں نزاع ہے؟ میں نے عرض کیا کہ یہ مولوی صاحب سماعِ موتیٰ کے منکر ہیں اور میں قائل ہوں۔ مولوی حسین علی صاحب نے مجھے فرمایا کہ تم کو کیسے معلوم ہوا کہ میں سماعِ موتیٰ کا منکر ہوں؟ میں نے عرض کیا کہ آپ تین چار دن سے لکّی گئے ہوئے تھے، وہاں سے ایک رسالہ انکارِ سماعِ موتیٰ لکھ کر آپ نے فلاں طالب العلم کو دیا تاکہ مولوی فضل کریم صاحب کے پاس پہنچ جائے۔ وُہ طالبُ العلم کل رات مولوی اکبر علی صاحب کے یہاں مہمان تھا۔ میں نے اُس سے وُہ رسالہ لے کر نقل کر لیا ہے اور نقل میرے پاس موجود ہے۔ مولوی صاحب خاموش ہو گئے۔

حضرتؒ نے مجھے ارشاد فرمایا کہ تم مولوی حسین علی صاحب کے پاس بیٹھ جاؤ۔ میں حسب الارشاد اُن کے پاس جا بیٹھا۔ مولوی حسین علی صاحب کے دائیں جانب مولوی فضل کریم صاحب اور بائیں جانب میں تھا۔

حضرتؒ نے مولوی صاحب کی طرف مُنہ مبارک پھیر کر فرمایا۔ مولوی صاحب آیتِ مُبارکہ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ[1] پر آپ کا ایمان ہے؟ مولوی صاحب نے فرمایا جی ہاں! آپؒ نے فرمایا۔ ایمان نام ہے تصدیق بما جاء به النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ اور تصدیق کی چھ قسمیں ہیں۔ ان میں سے ایک مقبول ہے اور پانچ مردود۔ وُہ کیا کیا ہیں؟ اس کے بعد حضرتؒ نے اسی موضوع پر مختصر تقریر فرمائی۔

جواب دینے کی بجائے مولوی صاحب سر نیچا کیے خاموش بیٹھے رہے۔ تقریباً پانچ منٹ گذر گئے اس پر میں نے اور مولوی فضل کریم نے کہا کہ آپ خاموش ہیں اور میدانِ مناظرہ گرم ہے۔ کچھ مُنہ سے بولیے۔ چُپ کا وقت نہیں۔ مولوی صاحب نے سر اُٹھایا۔ حضرتؒ نے پھر تقریر شروع فرمائی۔ مولوی صاحب پھر مراقبہ میں چلے گئے۔ حضرتؒ نے تقریر ذرا بسط سے فرمائی مگر مولوی صاحب کو جیسے سانپ سُونگھ گیا ہو۔ آخر ہم دونوں نے پھر انہیں متوجہ کرنے کی کوشش کی تو مولوی صاحب نے حضرتؒ کی خدمت میں

---

[1] ترجمہ آیت (النمل: ۶۵) کہہ دیجیے نہیں جانتا کوئی آسمانوں اور زمین میں غیب کو مگر اللہ۔

عرض کیا کہ میں معمولی مُلّا ہُوں - موٹے موٹے مسائل جانتا ہُوں - ان باریکیوں کو میں نہیں جانتا؛ اور یہ کہتے ہُوئے اُٹھ کھڑے ہُوئے۔ مَیں نے اَور حافظ فضل کریم نے بٹھانا چاہا، مگر مولوی صاحب نہ رُکے اَور تیزی سے باہر نکل گئے۔[1]

حضرتؒ کے مُریدین میں سے ایک مشہور اَور محقق عالم مولینا غلام محمود صاحب (پپلاں ضلع میانوالی) نے مسائلِ علمِ غیب اَور ندائے یارسُولَ اللہ وغیرہ پر ایک رسالہ "نجم الرحمٰن" تحریر فرمایا تھا جس میں مولوی حسین علی صاحب کے مسلک کی نہایت مدلّل تردید کی تھی۔ اِس رسالہ کی ابتدا میں اُنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے متعلق تین مذاہب کا ذکر کیا ہے جن میں سے حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کا مسلک یہ بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح افضل الخلق ہیں اسی طرح اعلم الخلق بھی ہیں یعنی ساری مخلوقات سے زیادہ علم رکھنے والے ہیں۔ حضرتؒ علمِ غیب ذاتی ومحیط کی نفی کے ساتھ قائلینِ علمِ ماکان ومایکون کی تکفیر اَور تشنیع کے سخت خلاف تھے اَور مولوی حسین علی صاحب سے مناظرہ کا مقصد بھی اِسی تشدّد کی تردید تھی۔ چُونکہ اِس واقعہ کو مولوی صاحب کی پارٹی نے بعض رسائل اَور کتابوں میں توڑ موڑ کر بیان کیا ہے اِس لیے یہاں قدرے تفصیل کی ضرورت محسُوس کی گئی - ویسے بھی یہ واقعہ مشہورِ عام ہے اَور اب بھی بہت سے افراد ایسے موجود ہیں جنہوں نے بچشمِ خُود اِس کا مشاہدہ کیا۔ مسائلِ مذکورہ پر حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کا مسلک آئندہ ابواب میں تفصیلاً پیش کیا جائے گا۔

تاویلِ قرآن پر اعتراض کا جواب

وزیرآباد کے ایک غیر مقلد مولوی صاحب، نابینا تھے اَور علم کا بڑا دعوٰی رکھتے تھے زیارت مولینا نظام الدین صاحب راولپنڈی پر بغرضِ مُلاقات حضرتؒ کی مجلس میں حاضر ہُوئے اَور کہنے لگے "پیر صاحبؒ! میرے چند سوال ہیں مگر شرط یہ ہے کہ جواب

---

[1] حضرتؒ کی تقریر کا ماحصل یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علمِ ماکان ومایکون کے قائلین آپ کے نزدیک اگر مسلمان ہیں تو نزاع ہی نہیں اَور اگر کافر ہیں تو کفر ایمان کی ضد ہے اَور ایمان تصدیق ہے اَور تصدیق چھ قسم کی ہے جن میں سے ایمانِ شرعی میں فقط ایک قسم مقبول ہے اَور باقی مردود ہیں - اِن اقسام کی تفصیل بیان کرتے ہُوئے بتائیں کہ قائلینِ علمِ ماکان ومایکون میں کونسی قسم نہیں پائی جاتی۔ اَور آپ میں وُہ قسم موجود ہے جس کی بنا پر آپ اُنہیں کافر کہتے ہیں؟ حضرتؒ نے آیتِ مندرجہ بالا قُلْ لَّا يَعْلَمُ(الی آخرہٖ) اَور اس کے معارض آیات عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ وغیرہ بھی تلاوت فرمائیں۔

جامعہ غوثیہ کے سابق صدر مدرس مولینا محبُّ النّبی صاحب کا بیان ہے کہ تصدیق کے اقسامِ ستّہ بعد میں بعض متوسلین کی درخواست پر آپ نے حسبِ ذیل بیان فرمائے تھے جن کا ماخذ حضرت شیخ اکبرؒ کی تصنیفات "فتُوحاتِ مکیّہ" وغیرہ ہیں:-

(۱) تصدیق بذاتہٖ یعنی کسی صفت یا دلیل کے بغیر مان لینا (۲) تصدیق بنعتِ ذاتہٖ: مثلاً وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ میں نعتِ خلق کی وجہ سے تصدیق ہُوئی (۳) تصدیق بحالہٖ: مثلاً ایک تکلیف پیش آئی جو خُدا کے نام لینے سے ٹل گئی۔ یہ ایک حال پیدا ہوگیا جس میں دل خُود بخُود اپنے اِس حال کی وجہ سے تصدیق کرنے لگا۔ (۴) تصدیق بربّہٖ: عالم کی پرورش اَور ربُوبیّتِ عامّہ کو دیکھ کر تصدیق (۵) تصدیق بنعتِ ربّہٖ: اُس کی ربُوبیّتِ خاصہ کو دیکھ کر تصدیق، ذاتی احسان کا خیال یا احسان کے زیرِ تجربہ آنے پر تصدیق (۶) تصدیق بامرِ ربّہٖ: اللہ کے حُکم کی وجہ سے تصدیق۔ یہی تصدیق مقبُول ہے۔ پہلی پانچوں جبری ہیں فقط چھٹی اختیاری ہے اَور ایمان اختیاری ہی مقبُول ہے۔ (فیض)

دیتے وقت قرآن کے معانی میں تاویل سے کام نہ لیں۔ کیونکہ میں سُنتا ہوں کہ آپؒ آیات کی تاویل کر دیا کرتے ہیں۔"

حضرتؒ نے فرمایا۔" مجھے منظور ہے بشرطیکہ آپ بھی اپنی اس شرط پر قائم رہیں۔" اور فرمایا۔" پہلے ذرا اِس آیت کے معنی بیان کر دیں:۔

مَنْ کَانَ فِیْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰی فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰی وَاَضَلُّ سَبِیْلًا ۝ (بنی اسرائیل ۷۲)

(ترجمہ) جو اِس دُنیا میں اندھا ہے وُہ آخرت میں بھی اندھا ہو گا اور سخت گمراہ۔

حافظ صاحب چُپ چاپ اُٹھ گئے اور اُس روز سے اِس نواح میں اُن کا نام ہی حافظ اعمیٰ پڑ گیا۔

بابِ نہم

اِرشادات (ملفُوظات و مکتُوبات)

ملفوظاتِ مہریہ و مہرِ چشتیہ

حضرتؒ کے ملفوظات اور مکتوبات عرصہ ہوا دو الگ کتابوں کی صورت میں طبع ہو چکے ہیں۔ کتاب "ملفوظاتِ طیبات" پہلے فارسی میں شائع ہوئی تھی جس میں مولانا گل فقیر احمد صاحب پشاوری اور مولانا عبدالحق صاحب بسبالوی کے جمع کردہ ملفوظات درج تھے۔ اب یہ کتاب اُردو زبان میں ترجمہ ہو کر "ملفوظاتِ مہریہ" کے نام سے شائع کی گئی ہے۔ اسی طرح "مکتوبات شریف" بھی بہت سے جدید اضافوں کے ساتھ "مہرِ چشتیہ" کے نام سے شائع ہوئی ہے۔

سیرت کے اس اہم باب کی تکمیل کے لیے اِن دونوں کتابوں سے چیدہ چیدہ اقتباسات تین فصلوں میں پیش کیے جاتے ہیں۔ فصل اوّل "مکتوباتِ عالیہ"۔ فصل دوم "ملفوظاتِ طیبات" اور فصل سوم "کلامِ منظوم" پر مشتمل ہے۔ اِن کتابوں میں جو مضامین زیرِ بحث آئے ہیں وہ چونکہ علمی اور مذہبی نوعیت کے ہیں اس لیے عربی اور فارسی زبانوں کا زیادہ استعمال ہوا ہے۔ کوشش کی گئی ہے کہ حاشیہ میں ترجمہ اور مطلب درج کر کے مضامین کو عام فہم اور سہل بنایا جا سکے۔ تاہم نفسِ مضمون کو مدِّنظر رکھتے ہوئے اصل متن بھی شائع کر دیا گیا ہے تاکہ علما۔ اور فارسی و عربی دان حضرات نہ صرف محظوظ ہو سکیں۔ بلکہ حضرتؒ کے تبحرِ علمی کا بھی قدرے اندازہ لگا سکیں۔

پہلی فصل

مکتوباتِ عالیہ

ایک مخلص کی بیماری پر دُعا نامہ

عزیزی غلام دستگیر حفظک اللہ وشفاک

بعد سلام و دُعا آنکہ۔ حاملہ دُعا نامہ سے مُضطربانہ حالتِ آں عزیز سُن کر اضطراب ہوا۔ یَا غِیَاثَنَا عِنْدَ کُلِّ کُرْبَۃٍ یَا مَعَاذَنَا عِنْدَ کُلِّ شِدَّۃٍ یَا مُجِیْبَنَا عِنْدَ کُلِّ دَعْوَۃٍ۔ یَا مُوْنِسَنَا عِنْدَ کُلِّ وَحْشَۃٍ۔ وَیَا رَجَائَنَا حِیْنَ تَنْقَطِعُ حِیْلَتُنَا۔ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ دَائِمًا عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ نِ الْمُصْطَفٰی وَاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا[1]۔ سب کو ما واجب۔

العبد الملتجی والمشتکی الی اللہ المدعو امہر علی شاہ بقلم خود از گولڑہ

ایک طالبِ وظائف کو تلقین

مہربانِ من جناب فخر الدین سلامت باشند، وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ

مہربانِ من! سُورۃ اخلاص نہ صرف دفعِ ہم وغم کے لیے ہے بلکہ جو کچھ آپ نے لکھا ہے سب کی دوا ہے، دفعِ ہم وغم، مغفرتِ گناہاں، رضائے الٰہی، عشقِ الٰہی، اخلاص، توکل وغیرہ وغیرہ، جن کو مفصل لکھنا محال ہے۔ یہ وُہ نعمتِ عظمٰی ہے جس سے اعراض کر کے کشف واستخارہ کی طرف متوجہ ہونا، عاشق کے لیے موت کا سامنا ہے۔

ع معذور دارمت کہ تو اور اندیدۂ

ستر دفعہ استغفار کی بھی اجازت ہے سُورۃ اخلاص اگر ہزار دفعہ نوافل رات میں ہو تو اپنی قسمت ورنہ سو ہی سہی۔ اس کا نتیجہ وُہ مقام ہے جس کے پہنچنے کے لیے "قُلْ بَلْ مِلَّۃَ اِبْرَاھِیْمَ حَنِیْفًا"[2] فرمایا گیا ہے۔ اس کا ثمرہ وُہ سیری وغنا ہے جس سے "مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی"[3] پتہ دے رہا ہے۔ کہاں وُہ استخارہ واستکشاف اور کہاں یہ دولتِ شہود۔

---

[1] اے ہر سختی میں ہمارے فریادرس، اور ہر شدت میں ہماری جائے پناہ اور ہر پکار پر دعا قبول فرمانے والے اور ہر وحشت میں ہمارے مُونس اور جب سب تدابیر ختم ہو جائیں تو ہماری آخری اُمید، تو محمد مصطفٰے اور آپ کے آل و اولاد اور اصحاب پر درود و سلام نازل فرما۔ اللہ کے لیے ہی حمد ہے اوّل اور آخر۔

[2] فرما دیجیے میں ملّتِ ابراہیمؑ کا متبع ہُوں جو بسُوئے حق متوجہ تھے۔

[3] نہ تو آنکھ ٹیڑھی ہُوئی اور نہ تجاوز کیا یعنی ذات کی محبت اور مشاہدہ میں صفات وافعال اور آثار وظلال مطمحِ نظر نہ رہے۔

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیثِ خواب گویم چُوں غلامِ آفتابم ہمہ زآفتاب گویم

حق، حق، حق، کجا رفتم وچہ مے نویسم۔ برادر خیر الکلام مَاقَلَّ وَ دَلَّ۔ مطلب خود را ازیں چند سطور دریاب ور نہ تو معذوری کہ مہجوری و مارا است گوئیم کہ بردیدۂ خود پوئیم، از خود نہ گوئیم کہ ہمہ اوئیم۔ من بعد معذور دارند کہ بدیں ماموُرم۔ والسّلام

الراقم نیاز مند اہل اللہ المدعو بمہر شاہ عفی عنہ

طریقہ وقُوفِ زمانی وعددی

ایک صاحب نے دریافت کیا کہ

۱۔ وظیفہ وقُوفِ زمانی اور وقُوفِ عددی کس طرح کیا جاتا ہے اور اُس میں کون سا اسم پڑھا جاتا ہے؟

۲۔ عورت اپنے گھر میں نفی اثبات کا جہر کر سکتی ہے یا نہیں؟

۳۔ بعد انتقال رہنما کے دُوسرے پیر طریقت سے بعیت کی جا سکتی ہے یا نہیں؟

حضرتؒ جواب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

حفظکم اللہ تعالیٰ

بعد سلام آنکہ

۱۔ قلبِ مجازی (مضغہ صنوبری) پر توجہ رکھ کر اللہ اللہ کہا کریں اور زبان کو بند رکھیں۔

۲۔ عورات ذکرِ جہر کر سکتی ہیں۔

۳۔ بعد انتقال شیخ طریقت دُوسرے شیخ سے بعیت کرنی جائز لکھتے ہیں۔ فقط

دُعا گو دُعا جو مہر علی شاہ بقلم خود

ایک عارفانہ رُباعی کی تشریح اور تفسیر

ریاست بہاول پور کے کمشنر مال اور مُلک کے مشہور ادیب علامہ عبد المالک صاحب نے مندرجہ ذیل رُباعی کی تشریح دریافت کی۔

خود را بہ نظارہ نگارم صف زد یک خال سیاہ برآں رُخِ مُطوّف زد

رضواں زتعجب کفِ خود بر کف زد ابدال زبیم۔ چنگ در مصحف زد

حضرتؒ جواب میں فرماتے ہیں:۔

مخلصی فی اللہ معظمی للہ جناب مولوی عبد المالک صاحب دام عنایتکم وحفظکم اللہ تعالیٰ

وعلیکم السّلام ورحمۃُ اللہ۔ عنایت نامہ کاشفِ مافیہا ہو کر باعث برتعمیل ارشاد یعنی تحریر معنی و مُراد ہر دو شعر مندرجہ کے ہُوا۔ میری ناقابلی کے علاوہ عدم رسائی بھی بمذاقِ شاعر کہ "عارف تھا یا غیر عارف" مانع از جرأت بر تحریر مُراد تھی۔ مگر تعمیل بھی واجب جان کر عارض ہُوں۔

ہر دو شعر مندرجہ عنایت نامہ مستفسرہ۔ قَالَ ؎

خود را بہ نظارہ نگارم صف زد

اَقُوْلُ[1] یعنی برائے نظارۂ دیدنِ خود نگار و محبوب من آمادہ و جلوہ گر شد۔ گو سبحانہٗ و تعالیٰ قبل ایجادِ موجودات حسن و کمالِ ذاتی خود را در خود مے دید در بطونِ کُنْتُ کَنْزًا مَخْفِیًا۔ لاکن بمقتضائے حسن و جمالِ عینی کما یدل علیہ (فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ) خواست کہ جمال و کمالِ خود را در مرایا و آئینہ ہائے کثرت و حجابِ مظاہر تماشا کند۔ فَاِنَّ رُؤْیَۃَ الشَّیْءِ نَفْسَہٗ فِیْ نَفْسِہٖ لَیْسَتْ کَرُؤْیَۃِ الشَّیْءِ نَفْسَہٗ فِی الْمِرْاٰۃِ

قَالَ شَاعِرٌ ؎

یک خالِ سیاہ بر آں رُخِ مطوّف زد

اَقُوْلُ[2]۔ رُخِ مطوّف ترکیب توصیفی مطوّف صیغہ اسم مفعول از بابِ تفعیل یعنی ایں چنیں چہرہ کہ گردانیدہ شدہ است ہمہ عالم طائف و طواف کنندہ بہ گردِ اُو۔ خالِ سیاہ را دو لحاظ است در بادی نظر داغ و عیب گفتنش بے جا نہ باشد و در نظرِ ثانی موجبِ زینت و ظہورِ جمال و کمال فہمیدہ شود۔ خالِ سیاہ ایں جا کنایہ است از داغِ کثرت بر چہرۂ وحدت۔ و داغ و عیب شمردنِ عروضِ کثرت بر وحدت بہ نسبتِ محجوب است نہ بہ لحاظِ عارف۔ چہ عارفِ کامل محمدی المشرب را دو شہود مے باشد۔ یکے شہودِ وحدت در کثرت، دوئم شہودِ کثرت در وحدت۔ وَکُلٌّ مِّنَ الشُّہُوْدَیْنِ لَا یُنَافِی الْاٰخَرَ بخلاف محجوب کہ از ہر دو شہود محروم است و مجذوب کہ بہ سببِ استہلاک در شہودِ اول ناقص ماندہ۔

قَالَ ؎ رضواں ز تعجب کفِ خود بر کف زد

اَقُوْلُ[3]۔ رضوان یعنی محافظ و ناظرِ باغِ کثرت کہ عبارت است از عارفِ کامل محمدی المشرب از تماشائے حسن و

---

[1] ترجمۂ کلام فارسی و عربی) ——— یعنی میرا نگار اور محبوب اپنے جمالِ ذاتی کا نظارہ کرنے کے لیے آمادہ اور جلوہ گر ہوا اگرچہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ موجودات کے پیدا کرنے سے پہلے بھی اپنے ذاتی حسن اور کمال کو اپنے اندر کُنْتُ کَنْزًا مَخْفِیًا کے بطن میں دیکھ رہا تھا لیکن بہ دلیل فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ حسن و جمالِ عینی نے تقاضا کیا کہ کثرت اور حجاب اور مظاہر کے آئینوں میں اپنے جمال اور کمال کا تماشا اور نظارہ کرے (حدیثِ قدسی کُنْتُ کَنْزًا مَخْفِیًا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ۔ میں ایک گنج پنہاں تھا پس میں نے پسند کیا کہ پہچانا جاؤں) کہ کسی کا اپنے تئیں دیکھنا اور چیز ہے اور اپنے آپ کو آئینے میں دیکھنا اور۔

[2] رُخِ مطوّف بلحاظ ترکیبِ توصیفی اسمِ مفعول بابِ تفعیل سے ہے یعنی ایسا چہرہ کہ تمام عالم کو اُس کا طواف کرنے والا بنایا گیا ہے خالِ سیاہ میں دو امر ہیں بادی النظر میں خالِ سیاہ کو داغ کہنا بے جا نہ ہوگا اور خالِ سیاہ ایک لحاظ سے زیب و زینت اور اظہارِ جمال و کمال کا باعث بھی سمجھا جاتا ہے۔ یہاں خالِ سیاہ کنایہ ہے چہرۂ وحدت پر داغِ کثرت سے اور عروضِ کثرت کو وحدت پر عیب اور داغ سمجھنا عارف کی نسبت سے نہیں بلکہ محجوب کی نسبت سے ہے کیونکہ عارفِ کامل محمدی المشرب کو دو شہود حاصل ہوتے ہیں شہودِ وحدت در کثرت اور شہودِ کثرت در وحدت اور یہ دونوں ایک دوسرے کے منافی نہیں بخلاف محجوب کے جو ہر دو شہود سے محروم ہے یا مجذوب کے جو شہودِ اول میں استغراق کے باعث ناقص رہ گیا ہے۔

[3] باغِ کثرت کا محافظ و ناظر رضوان یعنی عارفِ کامل محمدی المشرب حق تعالیٰ کے حسن و جمالِ لم یزلی کے تماشا سے حظِ وافر اور نصیب کامل حاصل کر کے محوِ حیرت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں الٰہی اپنی ذات کے عرفان اور مشاہدہ میں میری حیرت کو زیادہ کر۔ اور حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ادراک کا کمال اس کا عاجز رہ جانا ہے۔ ایک عارف نے کہا ہے عشق بازی فقط گریہ و زاری کا نام نہیں بلکہ حسنِ معشوق کو عیاں دیکھنا

جمالِ لم یزلی حظِّ وافر و نصیب کامل برداشت کہ حیرت مے باشد۔ قال علیہ السلام۔ رَبِّ زِدْنِیْ فِیْكَ تَحَیُّرًا۔
قال الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ كَمَالُ الْإِدْرَاكِ اَلْعِجْزُ عَنِ الْإِدْرَاكِ۔ عارفے گفتہ ؎

عشق بازی نہ ہمیں زاری و گریاں شدن است
حسنِ معشوق عیاں دیدن و حیراں شدن است

و وجہِ محافظ بودنِ عارفِ کامل در باغِ کثرت را از حدیث لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ اِلٰی اٰخِرِہٖ و از فصِ آدمی فصوص الحکم باید جُست۔

قال ؎ ابدال ز بیم چنگ در مصحف زد

اَقُوْلُ[1]۔ مراد از ابدال رہروانِ طریقت کہ از لغزشِ پائے دریں راہ بسلامت ماندہ اند۔ نہ بوجہ استغراق و استہلاک در مشاہدۂ وحدت مثلِ مجاذیب یا بوجہ نارسائی بمغزِ سخن و رازِ وحدتِ وجود، رشتۂ سخن را بہ سرحدِ الحاد و زندقہ رسانیدہ و مثلِ متصوفہ از نقص و لغزش محفوظ بباعثِ چنگ زدن بہ مصحف و اتباعِ شرعی شدہ اند۔ نہ مشاہدۂ تجلّی تنزیہی (لیس کمثلہ شیٔ) در حقِ اوشاں مانع از شہودِ تجلّی تشبیہی (ھو الظاھر) گشتہ و نہ بالعکس۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ الخ۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔

والحمد للہ اوّلاً و اٰخرًا و الصّلوٰۃ والسّلامُ علیٰ رسولہٖ سیّدنا محمّد و علیٰ اٰلہٖ و صحبہٖ ظاھرًا و باطنًا۔

ایں است اجمال آنچہ مامور شدم باظہارِ آں۔ والعلم عند اللہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)
اور حیران رہ جاتا ہے۔ اور باغِ کثرت میں عارفِ کامل کے محافظ ہونے کا ثبوت حدیثِ پاک لا تقوم الساعۃ الآخرہ اور کتاب "فصوص الحکم" کی فصِ آدمی میں ملاحظہ کرنا چاہیئے۔

[1] ابدال سے مُراد وُہ رہروانِ طریقت ہیں جو اس راہ میں لغزشِ پا سے محفوظ رہ گئے ہیں۔ نہ تو مجاذیب کی طرح مشاہدۂ وحدت میں غرق ہو گئے ہیں اور نہ اُن لوگوں کی مثل ہیں جو مغزِ سخن اور وحدتِ وجُود کے راز کو نہ پہنچ کر رشتۂ سخن کو الحاد کی سرحد پر پہنچا دیتے ہیں۔ بلکہ صُوفیائے کرام کی طرح نقص اور لغزش سے اس لیے محفُوظ رہے ہیں کہ مصحفِ قرآنِ کریم اور اتباعِ شرعِ شریف کو اپنے ہاتھوں میں مضبُوط تھام لیا ہے۔ ان کے حق میں نہ تجلّیِ تنزیہی کا مشاہدہ (جو لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ کا مصداق ہے) تجلّیِ تشبیہی کے مشاہدہ کا مانع ہے اور نہ مشاہدۂ تجلّیِ تشبیہی (جو ھو الظاھر کا مصداق ہے) تجلّیِ تنزیہی کے شہود سے روکتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ کا نتیجہ ہے اور یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عنایت فرمائے۔

نوٹ۔ تنزیہہ سے لیس کمثلہ شیٔ یعنی اللہ تعالیٰ کی مثل کوئی چیز نہیں اور تشبیہ سے ھو الظاھر یعنی اللہ تعالیٰ ظاہر ہے (بذریعہ مظاہرِ صفات) مُراد لیتے ہیں۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ الخ۔ یا رسُولَ اللہ فرما دیجئے اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔ (آیت)

تحریکِ خلافت اور بیعتِ امامت کے متعلق مولانا عبدُالباری صاحب فرنگی محلی کا خط اور

اُس کا جواب

حضرتؒ کا تعلق دارُالعلوم فرنگی محل سے اپنے زمانۂ طالب علمی سے تھا اور مولانا عبدُالباری صاحب فرنگی محلی سے آپ کے دیرینہ مراسم تھے۔ مولاناؒ جمعیت العلمائے ہند سے بھی منسلک تھے جو مسلمانانِ ہند کی ایک سیاسی جماعت تھی۔ اُن دنوں تحریکِ خلافت کا بڑا چرچا تھا۔ مولاناؒ نے حضرتؒ کی خدمت میں اسی تحریک کے سلسلہ میں ایک خط تحریر کیا تھا جس میں اُس وقت کے حالات کے تحت بیعتِ امامت کے شرعی جواز یا عدم جواز کے متعلق استفسار تھا۔ مولانا کا خط من وعن درج کیا جاتا ہے تاکہ حضرتؒ کا جواب سمجھنے میں آسانی ہو۔ اس خط کے مضمون سے پتہ چلتا ہے کہ مولاناؒ کے اپنے خیال میں ایسی بیعت خلافِ سُنّت تھی۔ مگر اُن کی جماعت کے لوگوں کی رائے مختلف تھی۔

دفتر جمعیتُ العلماء، وکٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ

مورخہ ۲۶۔ شوال ۱۳۳۹ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ حامداً و مصلیاً و مسلماً

مکرمی دام مجدہا۔ السلام علیکم۔ چند امور استرشاداً[1] التماس کیے جاتے ہیں۔ اُمید ہے کہ ان کے جواب سے سرفراز کیا جائے گا۔ مقصد صرف اصلاح ہے، نہ فساد، نہ کسی منصب کی طلب، نہ کسی شخصیت سے عناد ہے۔ اس واسطے جواب صاف اطمینان بخش ہونا چاہیئے۔

میں اس جگہ اُن خطرات و شبہات کا بھی ذکر نہیں کرتا ہوں جو حالتِ مجبوری کے پیش آنے والے ہیں۔ نہ اُن افعال کی حقیقت کھولنا چاہتا ہوں جو بعض اکابر سے اس قسم کے سرزد ہوئے نہ اُن تجربیات کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جو اس تحریک میں غدر کے وقت حاصل ہوئے اور جن پر نظر کر کے یہ تحریک دبی رہی اور علماء نے اس کے اجراء پر جرأت نہ کی میں صرف تین سوال کرتا ہوں جو اپنے نزدیک فیصلہ کُن سمجھتا ہوں۔

سوالِ اوّل: مسلمانانِ ہند میں جس قدر مذہبی سیاسی انتشار ہے اُس کے رفع کرنے کے لیے کیا جمعیت علمائے ہند کافی نہیں ہے اور اُس کی اصلاح پر اور استحکام سے کیا یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا ہے؟ یہ ظاہر ہے کہ عقائد و عبادات میں کسی مرکز کا قائم ہو جانا غیر متوقع ہے اور سیاستِ مذہبی میں بیعت کی کیا ضرورت ہے؟

سوالِ دوم: بیعتِ امامت جب بھی کسی غیر مقلد[2] نے کی ہے۔ اگر کامیاب ہوئے تو فتنہ برپا ہوا۔ اگر ناکامیاب ہوئے تو ایک جدید فرقہ مسلمانوں میں پیدا ہوا جس کے نمونہ ہندوستان میں بھی ہیں۔ اس لحاظ سے بلاضرورت اقدام اس بیعت پر کیا بے موقع نہیں ہے؟

سوالِ سوم: مجھے جہاں تک علم ہے استیلائے[3] کفار کی صورت میں اس قسم کی بیعت خلافِ سُنّت ہے بلکہ

---

[1] ہدایت کے لیے [2] وہ شخص جو شرعی طریقوں کے بغیر ہی مدعیٔ امامت ہو [3] غلبہ

دارالحرب میں بھی ایسی بیعت لینا اہلِ دار سے ثابت نہیں ہے۔ اگر جناب کو ثبوت مِلا ہو تو اِس سے ضرور ایما فرمائیے۔ میں بیعتِ ہجرت اور جہاد کے ثبوت پر بھی اِکتفا کرلوں گا۔ اِس واسطے کہ مقصد اِن بیُوع کا مُشترک ہے۔ اگر اِس قسم کی بیعت ثابت ہوگئی تو بلا توقّف میں قبول کرلوں گا۔ ورنہ خطرات اور شبہات کے ہوتے ہُوئے اور تجربیاتِ اکابر پر جو رائے مبنی ہے اُس کے خلاف کرنا میرے نزدیک دانشمندی نہیں ہے۔ باوجود اِس کے جمہور کی اِتباع سے گریز کرنے کا قصد نہیں ہے۔ فقط

فقیر محمد قیام الدین عبد الباری، فرنگی محل، لکھنؤ

حضرتؒ نے جو جواب تحریر فرمایا وہ مولانا عبد الباری صاحب کی علمی اِستعداد کو مدِّ نظر رکھتے ہُوئے لکھا۔ اُس کا مختصراً مطلب یہ تھا کہ چُونکہ ہندوستان میں اُس وقت انگریز کی حکومت تھی اِس لیے خلافت یا اِمامتِ اِسلامیہ کا وہاں تصور نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اندریں حالات بیعتِ اِمامت یا بیعتِ خلافت بھی غیر متصوّر تھی۔ اور اگر مولانا اپنی جماعت کے اصرار پر ایسا کر بھی لیں گے تو ثبوتِ شرعی نہ ہونے کی وجہ سے اُن کا اِقدام غیر شرعی اور غیر دانشمندانہ ہوگا۔

حضرتؒ کا جواب مندرجہ ذیل ہے:۔

الجواب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

الحمد للہ وحدہٗ والصلوٰۃ والسلام علی من لا نبی بعدہٗ

امابعد۔ جناب کے سوالاتِ ثلاثہ مُرسلہ بذریعہ ڈاک موصُول ہُوئے۔ تعمیلاً للارشاد ماحضر پیشِ خدمت ہے۔ ورنہ بوجہ بضاعتِ علمیہ وکم فُرصتی میں اِس قابل نہیں کہ جوابات کے لیے مجھے مخاطب بنایا جائے۔ جناب نے فرمایا ہے کہ میں تین سوال کرتا ہُوں جو اپنے نزدیک فیصلہ کُن سمجھتا ہُوں۔

(یہاں مولانا صاحب کے تین سوالات درج کیے گئے ہیں)

الجواب وھو الموفق للصواب

میں جناب کے سوالاتِ ثلاثہ کا صرف ایک ہی جواب فیصلہ کُن سمجھتا ہُوں۔ وہو ہٰذا:۔

اِمامت یا خلافت چونکہ عبارت ہے ریاست وتسلّط عام سے تصدّی[1] میں اقامتِ دین کے لیے جس کے تحت میں کئی انواع مندرج ہیں۔ مثلاً احیاءِ علومِ دینیہ واقامتِ ارکانِ اسلام وقیام بالجہاد وماتیعلق بہ۔ چنانچہ ترتیب جیوش[2] وفرض للمقاتلہ۔ یعنی فیٔ[3] میں سے اِن کو دینا اور قیام بالقضا اور اقامتِ حدُود ورفعِ مظالم وامر بالمعروف ونہی عن المنکر نیابۃً عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ تو صورتِ اِستیلاء کفّار یا دارِ حرب جب اِمامت ہی متصوّر نہیں تو بیعتِ اِمامت کے کیا معنی اور طریقِ چہارگانہ اِمامت کا کیا ذکر ریاستِ عامہ کے مفہوم میں تعلیمِ علماء مُسلمین جو علوُمِ دینیہ کی اشاعت فرماتے رہے اور قضاءِ قضاۃِ امصار[4] وتعمیلاتِ امراءِ جیوش بعہد خلافت واِمامت داخل نہ تھیں تو آج کل بحالتِ اِستیلاء کفّار جمعیتِ علماء کی کارروائی یا نام کی مدافعت کے لیے تسلّط اور ریاست کے مفہوم میں داخل ہونے کا کیا اِستحقاق ہے۔ خلاصہ یہ کہ موجودہ زمانہ میں عُلماء کی

---

[1] متعرّض ہونا [2] لشکر [3] وُہ مال جو حکومتِ اسلامیہ کو بلا مقابلہ کُفّار سے حاصل ہو [4] شہر

کاروائی نہ خلافت ہے نہ اِمامت تاکہ منجملہ طرق اربعہ انعقاد بیعت کو بھی فی الجملہ ضروری سمجھا جائے اور نہ کوئی شخص در صورتِ استیلاء بیعت لینے کا مستحق ہے۔ اور نہ اس کے لیے جائز۔ کیونکہ در صورتِ عدم مکافات بہ تصریح فقہاء کرام امام کے لیے قتل و مقاتلہ مباح نہیں۔ مذہبی سیاسی انتشار کی مدافعت میں جمعیت العلماء کی غیر مبصرانہ و کورانہ تحریکات نے بغیر اس کے کہ محرک و متحرک الی الکابل کو مضحکہ و محلِ تمسخر کفار بنایا ہو۔ کیا فائدہ بخشا۔

معروض ہذا میں تدبر فرمانے کے بعد جناب خود ہی اپنے ارشاد مندرجہ سوال سوم (میں بیعتِ ہجرت و جہاد کے ثبوت پر اکتفا کروں گا) شرطیہ صادقہ بصدق الربط الایجابی ٹھہرائیں گے نہ یہ کہ اِس کو بصدق الطرفین او احدہما صادق مابین تجربیاتِ اکابر بقول حافظ علیہ الرحمۃ ؎ بشنو کہ پند پیراں ہیچت زیاں ندارد

مبنی علیہ للآراء ہونے کے مستحق ہیں اور یہی دانشمندی ہے۔ ھذا ما عندی والعلم عند اللہ ولہ الحمد اولاً و آخراً والصلوٰۃ والسلام منہ باطناً علیہ ظاہراً و آلہ وصحبہ طراً۔

العبد الملتجی والمشتکی الی اللہ المدعو مہر علی شاہ عفی عنہ ربہ بقلم خود از گولڑہ

حضرتؒ کا مکتوب شریف بجواب حضرت سجادہ نشین صاحبؒ سیالوی

حضرت خواجہ ضیاء الدین صاحبؒ سیالوی نے بھی اسی موضوع پر ایک خط حضرتؒ کی خدمت میں روانہ کیا تھا جس کا جواب مندرجہ ذیل ہے:۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مکرمی و معظمی سجادہ نشین صاحب دامت عنایاتکم

تسلیمات۔ تعمیلاً للارشاد بجواب سوالات ثلاثہ گذارش ہے۔

سوالِ اوّل ۔ جناب کے خیال میں شریعتِ اسلامی کی رُو سے مسلمانانِ ہند کو کیا کرنا چاہیے۔ اگر حمایتِ اسلام ان پر فرض ہے تو بے دست و پا مسلمان جو مادی قوت نہیں رکھتے، بے دست و پا حمایت کا کیا طریقہ اختیار کریں؟

جوابِ اوّل ۔ بلحاظِ مصائب دائرہ نہ صرف مسلمانانِ ہند بلکہ کل اہلِ اسلام کو حاکم سے محکوم تک منشاءِ مصائب کا ازالہ کرنا چاہیے۔ یعنی تہ دل سے بخضوع و خشوع رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا[1] الآیہ بجناب باری عز اسمہ عرض کریں اور اپنے نامشروعہ افعال سے تائب ہوں۔ قال اللہ تعالیٰ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ[2] الآیہ از ماست کہ بر ماست ظَھَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا کَسَبَتْ اَیْدِی النَّاسِ[3] تاکہ یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ جَاھِدِ الْکُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْھِمْ[4] کی تعمیل میں حسب وعدہ صادقہ کَانَ حَقًّا عَلَیْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ[5] کی کامیابی

۱۔ حضرات آدمؑ و حواؑ اور توابین کی دعائے مقبول قرآنیہ "اے رب ہمارے ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا (وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَکُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ) اور اگر تُو نے ہمیں معاف نہ کیا اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ہم برباد ہو جائیں گے۔

۲۔ خُدا نے آج تک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی ۔ نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

۳۔ بنی آدم کے ہاتھوں وُہ افعال سرزد ہوئے کہ بحر و بر میں فساد برپا ہو گیا ۴۔ اے نبیؐ، کفار اور منافقین سے جہاد کیجیے اور اُن پر پُوری شدت کیجیے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ہم پر حق ہے کہ مومنین کی نصرت فرمائیں۔

ہو۔ آیہ استخلاف[1] میں قید وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ واجب اللحاظ ومدارِ حکم لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ ہے اور ظاہر ہے کہ ارشادِ جہاد کریمہ سیف کا تعلق سلاطینِ اسلام واصحابِ جمعیت سے ہے۔ خدا کرے کہ سلطنت مظلومہ اسلامیہ[2] ظالموں کے پنجہ سے (خذلهم الله تعالیٰ) نجات پا کر بعد حصولِ جمعیت واستطاعت جس کی مدار قلت وکثرت نہیں بلکہ تقویٰ اور قوتِ ایمانیہ ہے تعمیل کریمہ مذکورہ بالا کا اعزاز حاصل کرے۔ بغیر اس کے امام کو بھی قتال مباح نہیں مسلمانانِ ہند کی ہستی تو ہیچ ہے۔ مصرحہ ومسلمہ فقہاء کرام ہے هذا اذا غلب ظنه انه یکافیهم والا فلا یباح قتالهم[3]

سوالِ دوم۔ حکومتِ برطانیہ کے ساتھ نصرت وحمایت کے تعلقات رکھنا جن پر حکومت کو قوت وشوکت حاصل ہے حرام ہیں یا نہیں؟

جوابِ دوم۔ ایسے تعلقات جن میں اعانتِ کفر ومعصیت ہو مسلم سے بھی حرام ہیں فضلاً عن الکافر۔ بغیر ان کے دنیوی معاملات جس میں اسلام پر ضرر نہ ہو۔ بغیر مرتد کے کسی کافر سے مطلقاً بہ تصریح فقہا حرام نہیں۔ البتہ بلحاظِ مظالم دائرہ موجودہ زمانہ کے اگر سلسلہ تجارت کی کلی بندش ہو سکے تو کسی قدر انتقامی مد میں شمار کی جا سکتی ہے وَمَا ھٰذَا عَلَی اللّٰہِ بِعَسِیْرٍ[4]۔ مگر اصلی طریق ازالہ منکراتِ دائرہ کا وہی ہے جو آیہ کریمہ بالا میں ہے۔

سوالِ سوم۔ دُنیوی لحاظ سے جو معمولی ہستیاں تھیں لیکن ان کے دل دردِ اسلامی سے معمور تھے اُنہوں نے حکومت کے خلاف صدائے احتجاج بلند کر دی ہے عوام کو مطلع کرنے کے لیے۔ تحریر سے تقریر سے وہ فریضہ تبلیغ انجام دینے میں سرگرم نظر آتی ہیں لیکن جو ہستیاں اسلام کے علم بردار اور مخلوق کی نظر میں باوقار اور مؤثر تھیں وہ ساکت ہیں کہ گویا اُن میں حس ہی نہیں۔

جوابِ سوم۔ جناب خیال فرما سکتے ہیں کہ جب معمولی ہستیوں کا یہ حال ہے تو علم بردار ہستیاں ازالہ مظالم واردہ میں ساکت وبے حس کیسے ہو سکتی ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ بوجہ اختلافِ آراء دربارہ مدلولاتِ آیاتِ بینات ومشروعیت ونامشروعیت خصوصیات وکیفیات جلسات درصورتِ شمولیت بوجہ تفرقہ اصلی مدعا فوت ہو جاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حسب طرز مشائخ کرام حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی وحضرت خواجہ اللہ بخش وسیدنا حضرت خواجہ محمد شمس الدین سیالوی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم بفضلہ تعالیٰ وتوفیقہ تبلیغ میں دریغ نہیں دُعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہدایت وتوفیق استقامت بر صراطِ مستقیم عنایت فرماوے زیادہ زیادہ۔

نیاز مند از گولڑہ

---

[1] سورہ نور آیت ۵۵ یعنی اللہ نے تم میں سے ان لوگوں سے جو ایمان لائے (وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ) اور اچھے کام کیے، وعدہ کیا ہے کہ (لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ) البتہ اُن کو زمین میں خلیفہ کرے گا جیسا کہ اُن لوگوں کو خلیفہ کیا تھا جو اُن سے پہلے تھے اور البتہ اُن کے واسطے اُن کا دین، جو اُن کے لیے پسندیدہ کر دیا ہے، ثابت کر دے گا اور اُن کے ڈر کو امن میں بدل دے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ شریک نہیں لائیں گے اور جو اس کے بعد کفر کریں وہ لوگ فاسق ہیں۔

[2] یعنی سلطنتِ عثمانیہ ترکیہ جس کے ساتھ انگریز برسرِ جنگ تھے [3] یہ اُس وقت مباح ہے جب امام کو خیال ہو کہ وہ جہاد کے لیے کفار کے مقابلہ میں کافی مضبوط ہے ورنہ قتال مباح نہیں۔ [4] یہ بات اللہ تعالیٰ کے لیے کچھ مشکل نہیں ہے

جامی علیہ الرحمۃ کی ایک رُباعی کی تفسیر

حضرت جامی علیہ الرحمہ کی مندرجہ ذیل رُباعی کو مضمونِ "وحدت الوجُود" کا خُلاصہ فرمایا کرتے تھے ۔

نہ بشر خوانمت اَے دوست نہ حُور و نہ پری — ایں ہمہ بر تو حجاب اند تو چیزے دِگری

ہیچ صُورت نتواند کہ کُند بند تُرا — در صُور ظاھری اما نہ اسیرِ صُوری

یعنی یہ سب تعینات و اشکال گویا لباس کی طرح ہیں تیری حقیقت اِن میں بند نہیں جیسے اِنسان کسی مخصوص لباس میں بند نہیں ہوتا اگرچہ ہزاروں لباس پہن لے۔ ایسے ہی ان سب تعیناتِ جلوہ گری کے باوجُود حق تعالیٰ ان سب سے ورئی ہے۔

اللہ تعالیٰ جلّ شانہٗ کی حقیقت اُس کے حسبِ اِرشاد لیس کمثلہ شیئ بے مثل بے مثال ہے اَور کوئی شے اُسے اِحاطہ نہیں کرسکتی بلکہ اُس کے حسبِ اِرشاد اَلَآ اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیْئٍ مُّحِیْط۔ وُہی ہر شے کو اِحاطہ کیے ہُوتے ہے۔ اگرچہ یہ اِحاطہ بھی ہمارے عِلم و اِدراک سے بلند ہے اَور اُس کی کُنہ ہمیں معلوم نہیں جیساکہ حضرت مولانا رُوم کے شعر ذیل میں ہے ؎

در تصوّر ذاتِ حق را گنج کو — تا در آید در تصوّر ذاتِ او

تصوّر میں ذاتِ حق کی گنجائش کہاں کہ اس کی مثل تصوّر میں آ سکے۔

حضرت مولانا جامی کی مذکورہ بالا رُباعی سے یہی واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اِسمِ ظاہر کی بناء پر اس سب جلوہ گری کے باوجُود اپنے اِسمِ باطن کے اِعتبار سے ہر چیز سے ورئی اَور ہر فہم و وہم سے بلند ہے تاکہ تشبیہ اَور تنزیہ دونوں پر ایمان مکمّل ہو اَور یہی صُوفیائے کاملین کا مسلک ہے۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم پر لفظِ بشر کے اطلاق اَور آپؐ کے حاضر و ناظر ہونے کے متعلق اِستفسار کا جواب

مُلتان سے دربارِ پیرانِ پیرؓ کے مشہور بزرگ اَور سجّادہ نشین حضرت مخدُوم صدرُالدّین شاہ صاحب گیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضُور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ پاک پر لفظِ بشر کے اطلاق اَور آپؐ کے حاضر و ناظر ہونے کے متعلق بعض عُلمائے وقت کے باہم اِختلاف پر حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کا مسلک دریافت کیا تو جواب میں مندرجہ ذیل مکتُوب اِرسال فرمایا:۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حامدًا و مصلیًا۔ از نیاز مند اہل اللہ المدعو بمہر علی شاہ اِلیٰ سیّد المکرم جناب مخدُوم صدرُالدّین شاہ صاحب مُلتانی حفظہ اللہ تعالیٰ دامت عنایتہٗ

وعلیکم السّلام و رحمۃ اللہ۔ امّا بعد عنایت نامہ مشتمل بر تنازع عُلمائے کرام در بارہ جوازِ اطلاقِ بشر بر آنحضرت علیہ الصّلوٰۃ و عدمِ آں و حاضر ناظر بُودن حضرت سیّدُ البشرؐ و اِنتفائے آں مُلاحظہ سے گزرا۔

مَیں اس قابل نہیں ہُوں کہ اہلِ علم و فضل کے مابین محاکمہ و مداخلت کرُوں بگر امتثالاً لامر السامی ما حضر عرض کرنے پر مجبُور ہُوں۔

مخدُوما! اس میں شک نہیں کہ اہلِ ایمان کے لیے ذکرِ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم بطریقِ تکریم و تعظیم واجب اَور ضرُوری ہے۔ اَب دیکھنا یہ ہے کہ لفظِ بشر کے معنی میں بحسبِ لُغتِ عربیہ عظمت و کمال پایا جاتا ہے یا حقارت۔ میری ناقص رائے

میں لفظ بشر مفہوماً و مصداقاً متضمن بکمال ہے۔ مگر چونکہ اس کمال تک ہر کس و ناکس سوائے اہلِ تحقیق و عرفان کے رسائی نہیں رکھتا لہٰذا اطلاق لفظِ بشر میں خواص بلکہ اخص الخواص کا حکم عوام سے علیحدہ ہے۔ خواص کے لیے جائز اور عوام کے لیے بغیر زیادت لفظ دال بر تعظیم ناجائز۔ (توضیح) آدم علیٰ نبینا وعلیہ السلام کو بشر کس واسطے کہا گیا؟ وجہ اُس کی یہ ہے کہ آدم علیٰ نبینا وعلیہ السلام کو شرفِ مباشرت بالیدین عطا فرمایا گیا ہے (وَمَا مَنَعَكَ اَنْ لَّا تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ)[1] چونکہ ملائکہ اس کمالِ آدم سے بے خبر تھے۔ ایسا ہی ابلیس بھی فقالوا ما قالوا۔ فرق اتنا ہے کہ ملائکہ جتلانے کے بعد سمجھ گئے اور معترف بالقصور ہوئے۔ فَقَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا[2] اور ابلیس کو علاوہ قصورِ جہل کے غرور بھی تھا۔ لہٰذا اَبٰی وَ اسْتَكْبَرَ[3] الخ هكذا قال الشيخ الاكبر قدس سره الاطهر بماله وما عليه فی جواب سوال حکيم الترمذی۔

۲۔ بشر ہی کو کمالِ استجلا کے لیے مظہر بنایا گیا ہے اور ملائکہ بوجہ نقص مظہریت اس کمال سے محروم ٹھہرے اور مظاہر و مرایا کمالاتِ استجلائیہ سے از گروہ انبیا علیہم السلام سیدنا ابو القاسم آنحضرت صلعم اصالۃً و از جماعت اولیائے کرام وارثِ مصرع وَاَنِیْ عَلٰی قَدَمِ النَّبِیِّ بَدْرِ الْکَمَالِ[4] سیدنا عبد القادر و امثالہٗ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وراثۃً مظہرِ اکمل و اتم لاسمہ الاعظم ٹھہرے۔ بشری کے لیے تنزلِ اخیر ہونے کے باعث اس قدر اہتمام ہوا کہ ہیئتِ اجتماعیہ و ترکیباتِ اسمائیہ و اتصالات و اوضاع انی خمرت طینۃ آدم سے لے کر تا ظہورِ جسدِ عنصری صلی اللہ علیہ وسلم و اتباعہٖ من الکمل کو متوجہ کیا گیا ہے اور خدام بنائے گئے تا کہ مَنْ رَاٰنِیْ فَقَدْ رَاَی الْحَقَّ[5] کا آئینہ وچہرہ علیٰ وجہِ الکمال اور پورا حق نما ہو۔ قصہ مختصر بشر ہی ہے کہ جس کو ؎

خواہی کہ خدا بینی در چہرۂ من بنگر
من آئینہ اویم او نیست جدا از من

ہونے اور کہنے کا استحقاق حاصل ہے۔ اس تقریر سے ثابت ہوا کہ عارف کا بشر کہنا از قبیل ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بالاسماء المعظمہ ہوا۔ بخلاف غیر عارف کے کہ اس کے لیے بغیر انضمام کلماتِ تعظیم صرف لفظ بشر ذکر کرنا جائز نہیں ہے۔ چنانچہ آیت کریمہ میں بشر کے بعد یُوْحٰٓی اِلَیَّ[6] اور تشہد میں عبدہٗ کے بعد رسولہٗ۔ اور کلامِ اہلِ عرفان میں ہے فَمَبْلَغُ الْعِلْمِ فِيْهِ اَنَّهٗ بَشَرٌ وَّاَنَّهٗ خَيْرُ خَلْقِ اللهِ كُلِّهِمِ[7]۔

میرے خیال میں فریقین از علمائے کرام متنازعین اہل سنت والجماعت سے ہیں اور ذکرِ آنحضرت صلعم کو بالاسماء المعظمہ واجب اور ضروری اعتقاد کرتے ہیں۔ لہٰذا ان سے ہرگز ہرگز متصور نہیں کہ معاذ اللہ فرقہ ضالہ نجدیہ وہابیہ کی طرح صرف لفظ بشر کا اطلاق جائز کہیں۔ البتہ ان کا خیال ہے کہ بقصد تحقیر لفظِ بشر کا استعمال ناجائز اور بغیر اس کے جائز۔ مگر میری رائے

---

[1] آیت۔ فرمانِ الٰہی ابلیس کو: اور کس چیز نے تجھے اس (آدمؑ) کو سجدہ کرنے سے منع کیا جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے۔

[2] فرشتوں نے کہا تو پاک ہے ہمیں تو صرف اُتنا علم ہے جتنا تو نے دے رکھا ہے۔

[3] شیطان نے انکار کیا اور تکبر اختیار کیا

[4] اور میں نبی بدر الکمال کے قدم شریف پر ہوں (قصیدہ غوثیہ)

[5] جس نے میرا دیدار کیا اُس نے خدائے تعالیٰ کا دیدار کیا۔ (الحدیث)

[6] میری طرف وحی کی جاتی ہے (قرآن)

[7] بے شک حضور بشر ہیں اور بے شک اللہ کی تمام مخلوق سے بہتر ہیں۔

وہی ہے جو اُوپر بیان کر چکا ہوں کہ صرف لفظ بشر کا اطلاق بغیر انضمام کلماتِ تعظیم نہ چاہیئے کہ بوجہ شیوعِ عُرف وقصدِ فرقہ ضالہ صرف بشر کہنے میں ایہام امر ناجائز کا ہے۔

۳۔ رہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا بجسدہٖ العنصری ہر مکان و ہر زمان میں حاضر ناظر ہونا۔ تو یہ امر مختلف فیہ ہے۔ فَقَائِلٌ وَّ مُنْکِرٌ وَلِکُلٍّ وِّجْھَۃٌ۔ میرے خیال میں ظہور و سریانِ حقیقتِ احمدیہ ہر عالم و ہر مرتبہ اور ہر ذرہ ذرہ میں عند المحققین من الصوفیہ ثابت ہے۔ اِس کو حقیقت الحقائق کہتے اور لکھتے ہیں۔ فَھُوَ نُوْرُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَوَّلًا۔ جو بصورتِ معنویہ قلبِ تقی نقی اور جسدِ شریفِ عنصری کے ظاہر ہوا۔ ظہورِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم بصورتِ مثالیہ شریفہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ہر مکان و ہر زمان میں احادیثِ صحیحہ میں ثابت ہے جس کا اقرار واقعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا اقرار اور اِس کا انکار آپ کا انکار مانا گیا ہے۔ کما فی حدیث البخاری فی کتاب الایمان۔ اہلِ تجربہ کو ظہور کذائی مثالی کا گرا تا مرا تا اتفاق ہوتا رہتا ہے۔ البتہ ظہور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا بجسدہ العنصری العینی کا پتہ بعض اہلِ مشاہدہ سے ملتا ہے اور بلحاظِ واقعہ معراج شریف وخصائص و لوازمِ مختصّہ جسد شریف علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسّلام سے مستبعد[1] بھی نہیں۔ ھٰذا ما عندی والعلم عند اللہ۔

آخری معروض۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے دربارہ حضرت سیّدنا حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا تھا کہ اِبْنِیْ ھٰذَا سَیِّدٌ لَعَلَّ اللّٰہَ یُصْلِحُ بِہٖ بَیْنَ الْفِئَتَیْنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ[2]۔ آپ بھی چونکہ سیّد حسنی ہیں فریقین کو تحریر ہذا سنا کر آپس میں ملا دیں۔ اور ہدایت کریں کہ ایک دُوسرے کو بُرا نہ کہیں اور ایسا ہی عوام کو بھی۔

ع اِیں کار از تو آید و مرداں چُنیں کنند

الملتجی والمشتکی الی اللہ المدعو امہر علی شاہ از گولڑہ بقلم خود

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم پر مساجد کی افضلیت کے غلط اعتقاد کی تردید

ایک صاحب نے دریافت کیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم پر مساجد کی افضلیت کا اعتقاد صحیح ہے یا غلط حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ جواب میں فرماتے ہیں۔

مخلصی فی اللہ مولوی فضل احمد صاحب

بعد سلام و دُعا آنکہ۔ بوجہ علالتِ طبع بجواب مکتوب توقف ہوا۔ مگر ما مسئلہ افضلیت میں حق بجانب آپ ہیں جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر مساجد کی افضلیت کا معتقد ہے وُہ سراسر لسانِ شریعت اور لسانِ حقیقت سے بے بہرہ ہے۔ فقہا اور محدثین و سائر علمائِ اسلام کا معتقد بہ ومجمع علیہ یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم افضل المخلوقات ہیں حتیٰ کہ مساجد و سائر امکنہ متبرکہ و عرش و کرسی سب سے۔ اور بحسب لسانِ حقیقت اعیان واسماء سب ظہورات ہیں حقیقتِ محمّدیہ کے بنا بریں افضلیت اِس کی سائر صفات پر ٹھہری صفت عین ہو یا غیر اس کا۔ لہٰذا واعظ صاحب کو بوجہ عدم رسائی مبنی علیہ دُوسرے جملہ افضلیت علی القرآن میں بھی جاہل کہنا نامناسب نہیں۔ ھٰذا ما عندی والعلم عند اللہ والحمد للہ

---

[1] بعید

[2] یہ میرا بیٹا سردار ہے۔ اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صُلح پیدا فرمائے گا۔

اوّلاً و اٰخراً والصّلوٰۃ والسّلام منہ باطنًا علیہ وظاھرًا واٰلہٖ وصحبہٖ۔

دُعاگو، از گولڑہ (۲۲۔ اکتوبر ۱۹۲۴ء)

سجدہ تعظیمی کی ممانعت

۱۹۲۴ء میں "نظام المشائخ" اور "خطیب" دہلی کے ایڈیٹر مُلّا واحدی صاحب نے لکھا تھا کہ یہاں دو مشائخ کے باہم سجدہ تعظیمی کے متعلق بحث چل رہی ہے۔ ایک کا خیال ہے کہ سجدہ لِلمرشد جائز ہے اور اس کی تمام اشاعت کرنی چاہیے اور دُوسرا اس کو ناجائز کہتا ہے اور روکنا چاہتا ہے۔ دونوں نیک نیت ہیں۔ جس کی غلطی ثابت ہو جاوے گی وُہ ھرگز ہرگز ہٹ دھرمی نہیں کرے گا۔ آنجناب اگر توجّہ فرماویں تو قصّہ بآسانی طے پا سکتا ہے۔" چنانچہ حضرتؒ کے مندرجہ ذیل جواب کو واحدی صاحب نے کئی اخبارات میں شائع کروا دیا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مُخلصی فی اللہ ایڈیٹر "خطیب" صاحب حفظک اللہ تعالیٰ

بعد سلام و دُعا آنکہ شریعتِ محمدیّہ علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام میں سجدہ کو عبادت مختصّہ بالخالق عزّ اسمہٗ ٹھہرایا گیا ہے اور اسی پر ہے تعامل صحابہ و تابعین و تبع تابعین ومن بعدھم الیٰ یومنا ھٰذا علیھم الرضوان۔

یہ اور بات ہے کہ کسی مقبول سے جس وقت اُس کی چشمِ شہود میں غیر اللہ نہ ہو سجدہ مخلوق کی طرف وقوع میں آئے۔ غایت مافی الباب از رُوئے نظر بجانبِ مستی و غلبہ کہ وُہ مقبولِ خُدا ہیں عند اربابِ تحقیق ماخوذ و مجرم نہ ٹھہرایا جاوے گا۔

ھٰذا ما عندی واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

الملتجی والمشتکی الی اللہ الصمد عبدہٗ مہر علی شاہ عفی عنہ ربہٗ بقلم خود از گولڑہ

ایک آئیتِ کریمہ کے متعلق تفسیر تبصیرُ الرّحمٰن کی تشریح

حضرتؒ کے ایک مخلص مولوی غلام محمد صاحب نے ایک آیت کی تفسیر دریافت کرتے ہُوئے لکھا:۔

سیّدی وسندی ومولائی دام ظلکم

بعد سلام مسنُون معرُوض خدمت سراپا برکت اینکہ پارہ چہارم سُورہ النّسا تحت آیتِ کریمہ وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیۡ تَسَآءَلُوۡنَ بِہٖ وَالۡاَرۡحَامَ ؕ علی المھائمی رحمہ اللہ تعالیٰ در تفسیر تبصیر الرحمٰن مے فرمایند۔ ھٰذا علیٰ قرأۃ الجر بحذف المعطوف من الاصل والمعطوف علیہ من الفرع۔ فما مطلب عبارۃ الشیخ المرحوم وتفسیرہ المذکور عندکم موجود۔ فقط والسلام علیکم

غلام محمد عفی عنہ از پشاور

جواب میں حضرتؒ فرماتے ہیں:۔

۱؎ اُس خُدا سے ڈرو جس کے نام سے سوال کرتے ہو اور قطع رحمی سے اِجتناب کرو۔

قولهٗ۔ بحذف المعطوف من الاصل اي واتقوا الله والارحام والمعطوف عليه من الفرع اي بالله تقديرا لكلام۔ واتقوا الله الذی تساءلون به والارحام۔ یہ جُملہ اصل ہے
والتی تساءلون بالله والارحام۔ یہ جُملہ فرع ہے۔
پہلے جُملہ میں معطوف علیہ یعنی اللہ مذکور اَور معطوف یعنی والارحام معدرر۔ دُوسرے جُملہ میں معطوف علیہ یعنی باللہ مقدّر اَور معطوف یعنی (والارحام) بالجر مذکور۔

داعی و مستدعی مہر علی شاہ بقلم خود والسّلام

موت کے بعد رُوح کی منزل اَور حالات اَور ایصالِ ثواب بہ موتٰے

الطاف حسین صاحب اَور راجہ شیر محمد خان بھیروی نے موت کے بعد رُوح کی منزل اَور حالات اَور ایصالِ ثواب بہ موتٰے کے متعلق سوالات کیے تھے۔ حضرتؒ نے حسب ذیل جوابات تحریر فرمائے:۔

سوال الطاف حسین صاحب۔ مُردہ کی رُوح وفات کے بعد کہاں جاتی ہے۔ آیا جواب دہی میں ماخوذ ہو جاتی ہے یا دُنیا میں اپنے جسمِ عنصری کے اُوپر پرواز کرتی رہتی ہے جیسا کہ بعض اہلِ ہنود کا خیال ہے۔

جواب۔ مومنین کی رُوح افلاکِ سبع سے اُوپر علیین میں اَور کفار کی اسفل السافلین میں قیام پذیر ہوتی ہے۔ صرف جوابدہی کے لیے بدنِ عنصری کے ساتھ تعلق دیا جاتا ہے جس کا اثر دگر گونہ حیات ہے، نہ حیاتِ دُنیوی جو منشا تغذی اَور چلنے پھرنے کا ہے۔ جواب دینے کے بعد یہ تعلق بھی نہیں رہتا۔

نوٹ:۔ دُنیا میں رُوحِ حقیقی کو جو قُلِ الرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ سے مُراد ہے رُوحِ ہوائی کے ساتھ راکب اَور مرکب کا تعلق ہے۔ بعد الموت رُوحِ ہوائی بعنوانِ دیگر بُخارِ لطیف معہ جسمِ عنصری کے فنا ہو جاتے ہیں اَور رُوحِ حقیقی کو بجائے رُوحِ ہوائی کے ایک اَور رُوحِ برزخی سواری کے لیے ملتا ہے جو عالمِ مثال میں سے ہے۔ دُنیا میں بھی اَور بعد الممات عالمِ مثال میں بھی، یہ مرکب جسے نسمہ سے تعبیر کرتے ہیں روزن ہے قبولِ فیضان کے لیے رُوحِ حقیقی سے جو عالمِ قدس میں ہے۔ تفصیل اِس اجمال کی اِن اَوراق میں بیان کرنا مُمکن نہیں۔

سوال ۱۔ راجہ شیر محمد خان:۔ والدین یا مولُود فوت ہو جائیں تو کیا فریقِ پسماندہ اُنہیں تحفہ تحائف یا کلام اللہ یا اشیائے خُورد و نوش یا پارچات وغیرہ پہنچا سکتا ہے؟

جواب۔ مُحتاج کو طعام و پوشاک دینے کا ثواب اَور کلام اللہ پڑھنے والے کو کلام اللہ دینے کا ثواب میّت کو پہنچ سکتا ہے۔ ایسا ہی دُرود وغیرہ و کلامِ الٰہی اَور فعلِ خیرات کا ثواب پہنچ سکتا ہے۔

سوال ۲۔ نقد روپیہ یا زیور یا کوئی خاص پارچہ جو اُس اہلِ عدم نے حیات میں طلب کیا ہو اَور میسّر نہ ہُوا ہو اَب وُہ نقد دیا جاوے تو کس طرح سے؟ اگر پارچہ ہے تو اُس کی قیمت دی جائے گی یا خود کسی کو دیا جائے یا کس طریقہ سے جو اُس کو پہنچے؟

جواب۔ وُہ اشیاء جن کو متوفّی نے بعینہٖ طلب کیا ہو۔ گو ان کی قیمت کا دینا محتاج کو متوفّی کے لیے مُفید اَور جائز ہے مگر

اِن اشیائے مطلوبہ بعینہٖ کا دینا مناسب تر ہے۔

سوال ۳۔ اگر پسماندہ کا خیال ہو کہ قبر پر جا کر اس کو بخشے تو کس طرف بیٹھے گا اور کس کلام مُبارک کا ختم شریف کرکے اس کی اَرواح کو ایصالِ ثواب کرے گا۔ کس تعداد تک، آیا اس کے واسطے کوئی خاص مقدار ہے یا جس دن چاہے؟

جواب۔ میّت کے مُنہ اور سینہ کے مقابل پشت بہ قبلہ ہو کر الحمد شریف مع الٓمّٓ۔ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَارَیْبَ فِیْہِ۔ مُفْلِحُوْنَ تک ایک مرتبہ اور قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ اخیر تک گیارہ مرتبہ پڑھے اور ثواب میّت کو بخشے یا جو کچھ کلام اللہ یا کلمہ شریف یا درُود شریف پڑھا ہو سب کا ثواب بخش دے۔

سوال ۴۔ اگر پس ماندہ چاہیں کہ اُس دوست گم شُدہ کا دیدار کریں یا کہ وُہ مجھے دیکھے تو کس کلام شریف کے ذریعہ سے؟ ظاہری دیکھنا تو غیر ممکن ہے مگر خواب میں دیکھا جاوے تو وُہ کلام کون سی ہو گی؟ اور کس تعداد تک پڑھی جاوے گی اور کس وقت پر؟

جواب۔ رات کو سُورۂ والشمس، واللیل، والضحیٰ، الم نشرح، ہر ایک سُورہ سات سات مرتبہ پڑھ کر اِن کا ثواب میّت کو بخشے اور پھر کسی سے کلام نہ کرے، سو جائے۔

سوال ۵۔ اَرواح کا آنا اپنے گھروں میں ہو سکتا ہے تو کس عرصہ تک، ہر روز یا کسی خاص دِن، اگر خاص دِن ہے تو کون سا ہے؟

جواب۔ اَرواح کا تعلق کسی قدر بدن سے چالیس روز تک ایسا ہی ہر شبِ جمعہ و روزِ جمعہ ہمیشہ کے لیے ہوتا ہے۔ اس تعلق خاص کو آنا سمجھیے نہ یہ کہ عالمِ اَرواح سے نکل کر جسم کی طرف انتقالِ مکانی کرتے ہیں۔ البتہ اُن کا دوا ایامِ مذکورہ خاص تعلق ایسا ہی اثر رکھتا ہے جیسا کہ وُہ خود آ گئے ہیں یعنی بحیثیت مشیّتِ ایزدی باخبر ہوتے ہیں۔ عبداللہ بن عباسؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بروزِ عید و عاشورہ، ماہِ رجب کا پہلا جمعہ اور ماہِ شعبان کی پندرھویں رات اور شبِ قدر اور ہر جُمعہ کی رات میں اَرواح قبروں سے نکل کر اپنے گھروں کے دروازوں پر کھڑے ہو کر اپنے پسماندگان سے سوال کرتے ہیں کہ اِس مُبارک رات میں ہمارے ساتھ کسی صدقہ یا طعام سے اِمداد کرو کہ ہم محتاج ہیں (کتاب درر السحان للسیوطیؒ و کتاب دقائق الاخبار امام عبدالرحیم صنہ) اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ اَرواحِ موتےٰ ایامِ مذکورہ میں اپنے گھروں کے دروازہ پر آتے ہیں۔

سوال ۶۔ اگر پس ماندہ مہجُور شدہ چاہے کہ مجھے صبر حاصل ہو تو کس کلام شریف کے ذریعہ کس وقت اور کس تعداد سے وِرد کرے۔ اگر از حد بے ہمّت ہو تو کس قدر پڑھے گا۔

جواب۔ اِسم یَاحَیُّ یَاقَیُّوْمُ ایک ہزار مرتبہ بوقتِ اذانِ فجر پڑھے۔ اگر اس قدر نہ ہو سکے تو تین سو مرتبہ پڑھے۔ بعد ازاں دِل پر دم کرے۔

سوال ۷۔ دوست مہجُور شدہ کا مطلب ہو کہ دوست گم شُدہ کا خانۂ سکُونتی کہ جس میں وُہ مدفون ہے وُہ منوّر ہو اور اعلےٰ قسم کی رحمتیں خُداوندِ کریم جلّ شانہٗ سے اُس پر نازل ہوں تو کس کلام شریف کا کس قدر اور کس وقت اور کس دن میں اس کا ذکر کرے؟

جواب۔ اُس جگہ کلام اللہ شریف پڑھے اور پڑھوائے، ایسا ہی درُود شریف جس قدر ہو سکے۔

سوال ۸۔ اگر دوست گم شدہ عہدِ حیاتِ خود میں کسی چیز خورد و نوش کی زیادہ خواہش رکھتا تھا۔ اب اُس کو دوست مہجُور شدہ

کس طرح سے پہنچاوے۔ ہر دن یا کسی خاص دن میں اور اس کی تجویز کیا ہوگی؟

جواب۔ ہر دن یا شب جمعہ یا جس دن اور جس وقت چاہے پہنچا سکتا ہے۔ البتہ ہر شب جمعہ وایام عید و عاشورہ وغیرہ ضرور طعام یا کلام یا کسی خیرات، کپڑا وغیرہ کا ثواب پہنچانا ضروری ہے۔

سوال ۹۔ کلمہ شریف یا کہ درود شریف کا ثواب بخشنا کسی کے واسطے جائز ہے یا نہیں؟ سنا گیا ہے ناجائز ہے اس کے واسطے کیا حکم ہے؟

جواب۔ جائز ہے۔

سوال ۱۰۔ اگر دوست گم شدہ کسی قسم مویشی کی خواہش رکھتا ہوا ز قسم عام مویشی یا کہ از قسم پرندگان۔ اب ان کا پہنچانا کس طرح سے ہوگا۔ آیا وہ چیز زندہ دی جائے یا اس کی قیمت اگر زندہ دینے کی خواہش ہو تو کس کو دی جائے اور کس طریق سے دی جائے؟

جواب۔ زندہ دینا محتاج کو بہ نسبت قیمت کے زیادہ مناسب ہے۔

سوال ۱۱۔ مُلّا جو قبر پر بٹھائے جاتے ہیں وہ کس عرصہ تک پڑھتے رہیں؟ قرآن شریف ہی پڑھتے رہیں یا کوئی اور کلام؟

جواب۔ چالیس دن تک قرآن شریف پڑھایا جاوے مگر بلا شرطِ اُجرت۔ کیونکہ قرآن شریف کی اُجرت لینی دینی حرام ہے۔ ہاں اگر پڑھنے والے کو لالچ نہ ہو اور دینے والا اُجرت سمجھ کر نہ دے تو جائز ہے مگر یہ مشکل ہے۔ لہٰذا اچھا ہے کہ دوست یا خویش و اقارب جو بلا اُجرت پڑھنے والے ہوں پڑھیں۔

احترامِ سادات کے متعلق حضرتؒ کی ایک قلمی تحریر

سید مزمل حسین شاہ صاحب (کوٹ فتح خان ضلع کیمبل پور) قلندرانہ روش رکھتے تھے۔ اُن کے پاس اُن کے عقیدت مند ملنگ بھی رہتے تھے۔ کسی نے سردار محمد علی خان صاحب گھیبہ رئیس کوٹ فتح خان سے شکایت کر دی کہ شاہ صاحب کے پاس جو ملنگ رہتے ہیں وہ بھنگ پیتے ہیں۔ جس پر سردار صاحب نے ناراض ہو کر حکم دیا کہ وہ تکیہ جہاں یہ ملنگ رہتے تھے اُکھاڑ دیا جائے چنانچہ اُسے گرا دیا گیا اور درویش وغیرہ شاہ صاحب کے ساتھ واپس شاہ صاحب کے گھر آ گئے۔ شاہ صاحب تو خاموش رہے مگر اُن کی برادری والوں نے کہا کہ یہ ہماری توہین کی گئی ہے لہٰذا آپ سردار صاحب کی اس حرکت کی شکایت اُن کے پیر حضرت قبلہ عالم گولڑہ شریف کی خدمت میں پیش کریں۔ چنانچہ سید مزمل حسین شاہ صاحب نے ایک دستی لفافہ اپنے ایک ملنگ کے ذریعے حضرتؒ کی خدمت میں ارسال کیا جس پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے یہ قلمی تحریر سردار صاحب کو بھجوائی اور آپ کے حکم کی تعمیل میں سردار محمد علی خان صاحب نے شاہ صاحب سے اپنی غلطی کی معذرت کی، گرایا ہوا مکان از سرِ نو تعمیر کروا دیا اور جو سالانہ نذرانہ اُنہیں دیا کرتے تھے وہ بھی دوبارہ جاری کر دیا۔

حضرتؒ کی یہ تحریرِ مبارک سید مزمل حسین شاہ کے فرزند سید حسین شاہ صاحب نے ۶۔ نومبر ۱۹۶۷ء کو حضرت بابوجی صاحب مدظلہ العالی کی خدمت میں پیش کی جس کی نقل بجنسہٖ درج کی جاتی ہے۔ اس کا کچھ آخری حصہ کاغذ کے بوسیدہ ہونے کی وجہ سے نہیں پڑھا جا سکا۔ تاہم قبلہ بابوجی مدظلہ العالی نے تصدیق فرمائی ہے کہ تحریر حضرتؒ ہی کی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط حامداً و مصلیاً

مرجع العلماء والصلحاء وملاذ الغرباء والفقراء سردار صاحب سلمہ ربہ

از درویش دل ریش محب الفقراء مہر علی شاہ گولڑوی۔ السلام علیکم مطالعہ نمایند۔ اما بعد۔

قادرِ مطلق و حکیم برحق جلّ و علا شانہٗ نے خلق کو زوج زوج یعنی جفت جفت پیدا کر کے خود کو فردیت اور یکتائی میں وحدہٗ لاشریک کہا۔ پھر بعض کو بعض پر فضیلت دے کر سب کو فقرا اور اپنے کو غنی ٹھہرایا۔ کواکب سے آفتاب اور ایام سے یوم جمعہ علیٰ ہٰذا القیاس حتّٰی کہ انبیاء سے باعثِ ایجادِ عالم صاحب تاج لولاک احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلّم کو ممتاز فرمایا۔ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ کا ارشاد پہنچا کر آدمُ ومَن دُونَہٗ تحت لوائی یوم القیامۃ سُنوایا۔ پھر بواسطہ جمیلہ اُس حبیبِ ازلی اور شاہدِ لم یزلی کے اپنے کلام پاک کو نازل فرما کر عہدِ دیرینہ یوم میثاق بجواب اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ جس کو ہم بباعثِ تمادی قرونِ کثیرہ کے بھول گئے تھے یاد دلایا اور اطاعتِ اوامر و اجتنابِ نواہی کو دلیلِ استقامت اور پختگی عہدِ مذکور کی ٹھہرایا۔

منجملہ اُن اوامر شریفہ کے امر قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى یعنی کمال دوستی اور خلوص محبت اہلبیت پاک کے ساتھ رکھو جن کے حق میں اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ؁ فرمایا۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ؁

اِس مقام میں جو کچھ مفسرین نے لکھا ہے وُہ تو کسی کو بالاصالۃ اور کسی کو بالتبعیۃ معلوم ہے۔ اِس واسطے اُس کا لکھنا ضروری نہیں سمجھا جاتا۔ البتہ کچھ کلام شیخ اکبر قدس سرہ الاطہر کی جو پیشوائے اہلِ کشف و شہود ہیں فتوحاتِ مکیہ باب اُنتیس ۲۹ میں سے نقل کی جاتی ہے:۔

قال قدّس سرہٗ فدخل الشرفاء اولاد فاطمۃ کلّھم رضی اللہ تعالیٰ عنہم ومَن ھُو مِن اھل البیت مثل سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ الیٰ یوم القیامۃ فی حکم ھٰذہ الاٰیۃ من الغفران فھم المطھرون اختصاصًا من اللہ وعنایتہ بھم لشرف محمّد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وعنایتِ اللہِ بہٖ ولا یظھر حکم ھٰذا الشرف لاھل البیت الّا فی الدّار الاٰخرۃ فانّھم یحشرون مغفورًا لھم وامّا فی الدّنیا فمن اتیٰ منھم حدًّا اقیم علیہ کالتائب اذا بلغ الحاکم امرہٗ وقد زنیٰ اَو سرق اوشرب اقیم علیہ الحدّ مع تحقق المغفرۃ کماعز وامثالہ ولایجوز ذمہ وینبغی لکلّ مسلمٍ یومن باللہ وبما انزلہ ان یصدق اللہ تعالیٰ فی قولہ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ؁ ویعتقد فی جمیع مایصدر من اھل البیت ان اللہ تعالیٰ قد عفا عنھم فیہ فلاینبغی لمسلمٍ ان یلحق المذمۃ بھم ولاما یشناء اعراض من قد شھد اللہ تعالیٰ بتطھیرہٖ وذھاب الرّجس عنہ لابعمل عملوہ ولابخیر قدموہ بل بسابق عنایتہٖ من اللہ تعالیٰ بھم ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ؁

ترجمہ کا خلاصہ یہ ہے۔ اولاد فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو قیامت تک ہونے والی ہے آیت تطہیر میں داخل ہے یعنی پاک اور مغفور ہے۔ گو بظاہر اُن سے گناہ بھی صادر ہو، تاہم بعد اجرائے حدودِ شرعیہ مغفور ہیں۔ اُن کی توہین اور

مذمت کسی اہل اسلام کو جائز نہیں۔ اس گروہ پاک کے پاک ہونے کی مدار کسی عمل پر نہیں بلکہ یہ محض فضل خدا کا ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔ پھر اس کے بعد فرماتے ہیں:-

فلیعلمو الذام لهم ان ذالك راجع الیه ولو ظلموه فذالك الظلم هو فی زعمه ظلم لا فی نفس الامر وان حکم علیه ظاهر الشرع باداته بل حکم ظلمهم ایانا فی نفس الامر یشبه جری المقادیر علینا و علی من جرت علیه فی ماله ونفسه بغرق او بحرق او غیر ذالك۔

خلاصۃ الترجمہ۔ اس گروہ پاک کی مذمت کرنے والا خود محل مذمت ہوتا ہے اگرچہ اُن سے گناہ بھی صادر ہو۔ جو شخص اللہ اور رسول کے ساتھ ایمان رکھتا ہو اُس کو چاہیئے کہ اس پاک فرقہ کے ظلموں کو بھی بمنزلہ جریان قضا قدر سمجھے یعنی ظلم کو بھی اُن کی طرف منسوب نہ کرے بلکہ راضی ہو کر مسلم رکھے۔ اگر اس قدر ایمان قوی نہ رکھتا ہو تو ہر مصیبت میں، جو اُس کو اپنے مال یا جان یا عزت میں اہل بیت سے پہنچے، صبر کرے۔ ہاں احکام شرعیہ بے شک اُن پر جاری کیے جائیں گے مگر اہل اسلام کو اُن کی مذمت نہ کرنی چاہیئے اور اپنے حقوق کو ترک کرنا اُن کی تعظیم کے واسطے اَولیٰ ہے۔ اور کیوں کر ایسا نہ ہو جب کہ حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کل اہل اسلام سے اپنی اہل قرابت کے واسطے دوستی رکھنے کا سوال فرما رہے ہیں بموجب اس آیت کریمہ کے قُلْ لَّا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى۔ پھر اُن کے ساتھ بُغض رکھنے کے بعد کل حشر کے دن اُن کے سامنے کس طرح مُنہ دکھلائیں گے اور شفاعت کی اُمید رکھیں گے۔

پھر شیخ اکبرؒ آگے چل کر فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے اگر تُو حاکم ہے تو صاحب حق سے طلب عفو کی کر کہ اہل بیت سے اپنے حق کا مطالبہ نہ کرے۔ اگر کسی طرح نہ ہو سکے تو پھر حکم شرعی کو امضا کر دے۔ پھر فرماتے ہیں کہ اس فرقہ پاک کا قدر اور مرتبہ جو عند اللہ ہے اگر تجھ کو معلوم ہو تو اُن کے غلاموں کی غلامی کو غنیمت سمجھے۔ خوفِ طوالت کے واسطے حضرت شیخؒ کی کل عبارت بالاستیعاب تحریر نہیں کی جا رہی جس صاحب کو تحقیق منظور ہو اُسے باب اُنتیسویں[۲۹] فتوحات مکیہ میں ملاحظہ کرے۔

سوال۔ جو کچھ حضرت شیخؒ نے فرمایا ہے چونکہ تحت ذیل آیت تطہیر ہے اس کا مصداق بجز قطعی صحیح النسب کے نہ ہوگا تو پھر کیا حکم ہے سادات ابنائے زمان کے لیے؟

جواب قطعی صحیح النسب تو داخل شرفِ تطہیر ہے اور جو متسید ہے یعنی جن کے آبا و اجداد کسی اور قوم سے ہوں اور وُہ دعویٰ سیادت کا افترا کرے اور اُس کا یہ افترا معلوم بھی ہو جائے تو وُہ داخل شرفِ مذکور نہیں بلکہ رحمتِ خاصہ سے دُور ہونے کا مستحق ہے۔ دُعا گو از گولڑہ

ایمانِ ثابتہ اِصطلاحِ صُوفیا میں ولی کی تعریف اور اسلام میں صُوفیا کی حیثیت پر سوالات کے جواب

محکوان شریف ضلع نواب گنج بارہ بنکی سے ایک صاحب سیّد علی نے بذریعہ خط یہ تین سوالات تحریر کیے:-

---

لے جاری کرنا

۱۔ اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنۡ یَّقُوۡلَ لَهٗ كُنۡ فَیَكُوۡنُ میں لهٗ کی ضمیر کا مرجع کون ہے؟ اگر شَیْئًا مانا جائے تو اُس کو خدائے تعالیٰ نے پیدا ہی نہیں کیا قبل از تخلیق وُہ مرجع نہیں ہو سکتی۔ ابھی تو اس کے پیدا کرنے کا ارادہ کیا ہے۔

۲۔ ولی اللہ کے معنی اِصطلاحِ صُوفیا میں کیا ہیں؟ یا یُوں کہیئے کہ طریقۂ سلُوک میں کونسا مرتبہ ہے جسے طے کرنے کے بعد سالک ولی اللہ کہلانے کا مستحق ہو سکتا ہے؟

۳۔ فرقۂ صُوفیا کی اِسلام میں کیا ضرورت ہے؟ کیونکہ احکامِ شرعیہ اور ارکانِ اسلام کی تبلیغ تو بذریعہ قرآن شریف پیغمبرِ خدا نے فرما دی ہے اور اس کی اشاعت عُلمائے اسلام بذریعہ درس و تدریس و تحریر و تقریر کر رہے ہیں جو نجات کے واسطے کافی ہیں صُوفی اِن احکامِ شرعیہ کے سوائے کیا بتا سکتے ہیں اور نجات کے سوا اور کیا ہے جو اُن کی تعلیم کے سِلسلہ میں مِل سکتا ہے؟

حضرتؒ نے جواب میں تحریر فرمایا۔

۱۔ مکرّما۔ اشیارِ موجُودہ کے لیے قبل از تخلیق علمِ باری عزّ اسمہٗ میں ثبُوت ہے۔ اس مرتبہ میں اعیانِ ثابتہ کہلاتے ہیں ارجاعِ ضمیر یا یُوں کہیئے خطابِ کُن کے لیے ثبُوتِ علمی کافی ہے۔

۲۔ سالک سائر الی اللہ بعد مشاہدہ وتجلّیات (ھو الظّاھر) اور نیز تجلّیات (ھو الباطن) اوّلاً بحسبِ خصُوصیات و تمیزات اپنے کے اور ثانیاً با فنا ر بعض تمیزات ان کے مرتبۂ جمع میں اور بالکلیہ فنا کے مرتبہ جمع الجمع میں ولی کہلانے کا مستحق ہوتا ہے۔

۳۔ اور ظاہر ہے کہ تجلّیاتِ افعالیہ اور صفاتیہ اور ذاتیہ کا مشاہدہ بحسبِ مراتب بعضہا فوق بعض درس اور تدریس علمِ ظاہری سے نہیں ہوتا۔ والسّلام

دُعا جُو و دُعا گو مہر علی شاہ بقلم خود

آیتِ تطہیر کے مِصداق کون ہیں؟

حضرت مخدُوم صدرُالدین شاہ صاحب گیلانی سجادہ نشین دربار حضرت مُوسیٰ پاک شہید صاحب مُلتانی (رحمۃ اللہ علیہما) نے دریافت فرمایا تھا کہ آیتِ تطہیر کے مِصداق کون ہیں؟ جواب میں یہ خط تحریر فرمایا:۔

معظمی مکرّمی جناب مخدُوم صاحب حفظکم اللہ تعالیٰ

وعلیکم السّلام و رحمۃ اللہ تعالیٰ۔ جواباً معرُوض ہے کہ آیتِ تطہیر میں لفظ اہلبیت اُمّہات المومنین علیھن الرّضوان و آلِ عبا علیھم السّلام دونوں کو شامل ہے۔ سیاقِ آیت واحادیثِ کثیرہ اسی پر دال ہیں۔ والسّلام

العبد

الملتجی والمشتکی الی اللہ المدعو بمہر علی شاہ بقلم خود از گولڑہ

لعنِ یزید پر آپؒ کا مسلک

لعنِ یزید کے جواز پر حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کا مسلک آپ کے مندرجہ ذیل خط سے واضح ہوتا ہے:۔

۷۸۶

حامداً و مصلیاً و مبسملاً

بعد سلام آنکہ آیۃ (اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ) اور نیز آیت (فَھَلْ عَسَیْتُمْ اِنْ تَوَلَّیْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَکُمْ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فَاَصَمَّھُمْ وَاَعْمٰٓی اَبْصَارَھُمْ) اور نیز متفق علیہ حدیث (فَاطِمَۃُ بَضْعَۃٌ مِّنِّیْ) میرا ٹکڑہ (یُؤْذِیْنِیْ مَآ اٰذَاھَا) اور نیز حدیث (مَنْ اَحَبَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَیْنَ فَقَدْ اَحَبَّنِیْ وَمَنْ اَبْغَضَھُمَا فَقَدْ اَبْغَضَنِیْ) اور نیز حدیث (حُسَیْنٌ مِّنِّیْ وَاَنَا مِنْ حُسَیْنٍ اَحَبَّ اللّٰہُ مَنْ اَحَبَّ حُسَیْنًا) اور نیز حدیث (اِنَّ ابْنِیْ ھٰذَا یعنی الْحُسَیْنَ یُقْتَلُ بِاَرْضٍ مِّنْ اَرْضِ الْعِرَاقِ یُقَالُ لَھَا کَرْبَلَا فَمَنْ شَھِدَ ذٰلِکَ مِنْکُمْ فَلْیَنْصُرْہُ) سب آیات واحادیثِ صحیحہ یزید شقی اور اُس کے تابعان کے مستحق لعنت ہونے پر شاہد ہیں۔ کوئی اہلِ ایمان اِس گروہِ اشقیاء کی غیر ملعونیت کا قائل نہیں۔ جن لوگوں نے لعن یزید سے منع کیا ہے۔ یزید کو اچھا سمجھ کر نہیں کیا۔ بلکہ اِس خیال سے کہ بجائے اِس کے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلِیٍّ وَّحَسَنٍ وَّحُسَیْنٍ وَّفَاطِمَۃَ پڑھنا بہتر ہے۔ شیطان کو اگر کوئی رات دِن لعن کرے بجائے اِس کے تلاوت، ذِکر اور درُود پڑھنا مفید ہے۔

آیۃِ استخلاف (وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا الی آخرہا) کا آخری جملہ (وَمَنْ کَفَرَ بَعْدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ) اور نیز یزید شقی کا بعد شہادت سید الشہداء علیہ السلام کے کمال خوشی میں آکر یہ کہنا کہ آج ہم نے آلِ محمد سے روزِ بدر کا اِنتقام اور بدلہ لے لیا۔ کما قال ؎

ولست من جندب اِن لم تنتقم من بنی احمد ما کان قد فعل

یزید کے کفر پر دال ہے کما صرح بہ القاضی ثناء اللہ پانی پتی۔ الغرض یزید کے مستحق لعن ہونے میں بہ تصریح ثقات کوئی شک نہیں اگرچہ بے سُود امر ہے۔ مگر اہلِ ایمان بمقتضائے (الحُبّ فی اللہ والبغض فی اللہ من الایمان) اِن گروہِ اشقیاء پر لعنت بھیجنے کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ بفضلہ ہم بوجہ اعتقاد حقیت خلافتِ خلفائے اربعہ علیہم الرّضوان و محبّت اہل بیت علیہم السّلام روافض یا خوارج سے علیحدہ ہیں۔ والحمد للہ اوّلاً و آخراً والصّلوٰۃ والسّلام منہ باطناً علیہ و ظاھراً و آلہ و صحبہ۔

---

۱ جو لوگ اللہ اور اُس کے رسُول کو ایذا پہنچاتے ہیں خدا نے اُنہیں دُنیا اور آخرت میں لعنت کی ہے ۲ پس کیا تم قریب ہو کہ اگر اعراض کرو تو زمین میں فساد کرو اور قطع رحمی کرو۔ یہی لوگ ہیں جن پر خدا نے لعنت کی اور اُنہیں بہرا کر دیا اور آنکھیں اندھی کر دیں۔

۳ فاطمہ میرا ٹکڑا ہے۔ جو چیز اُسے تکلیف دیتی ہے مجھے بھی تکلیف دیتی ہے۔

۴ جس نے حسن رض اور حُسین رض سے محبّت کی اُس نے میرے ساتھ محبّت کی۔ جس نے اُن سے دُشمنی کی اُس نے میرے ساتھ دُشمنی کی۔

۵ حُسین رض مجھ سے ہیں اور میں حُسین رض سے ہُوں۔ جو حُسین رض کو دوست رکھے خدا اُسے دوست رکھے۔

۶ میرا بیٹا حُسین رض زمین عراق یعنی کربلا میں شہید کیا جائے گا۔ جو شخص اُس موقعہ کو پائے اُس کی مدد کرے۔

۷ جس نے اس کے بعد ناشکری کی وُہ لوگ فاسق ہیں۔

دُوسری فصل

ملفُوظاتِ طیّبات

تقریرِ جلسہ انجمن نُعمانیہ لاہور

ذیل میں حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کی اُس مشہور تقریر کا خلاصہ دیا جاتا ہے جو آپؒ نے ۱۹۔ محرّم ۱۳۳۱ھ مُطابق (دسمبر ۱۹۱۲ء) کو انجمن نعمانیہ لاہور کے پچیسویں سالانہ جلسہ میں مشاہیر عُلماء و فضلاء اور مُسلمانوں کے ایک بڑے اجتماع کے سامنے فرمائی تھی اور جسے منتظمین جلسہ نے "کلام الملوک مُلوک الکلام" کے عنوان سے طبع کروا کر مُلک میں نشر کیا تھا اس موقعہ پر اہلسنّت کے مشہور عالم و محدّث مولانا وصی احمد صاحب سُورتی نے فرمایا تھا کہ سُبحان اللہ حضرتؒ نے ابتدا میں ایسی بلند پروازی فرمائی کہ اربابِ علم کو بھی محوِ حیرت کر دیا اور آخر میں اِس قدر عام فہم مسائلِ فقہ پر گفتگو فرمائی کہ عوام کو بھی مضمون ذہن نشین کروا دیا۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ سبحان من ھو الاول والآخر والظاھر والباطن وھو بکل شئٍ علیم۔ والصلوٰۃ والسلام علیٰ من انزل فیہ عزیزٌ علیہ ما عنتم حریصٌ علیکم بالمؤمنین رؤفٌ رّحیم وعلیٰ اھل بیتہٖ وعترتہ المطھرین بتطھیرہٖ واصحابہ واحبابہ الذین معہ اشدّاء علی الکفّار رحماء بینھم الفازۃ منہ بفضلٍ جسیم وعلم عمیم۔ فاوّلیتہ فی اٰخریّتہ واٰخریّتہ فی اوّلیتہ کما ان ظھورہ فی بطونہ وبطونہ فی ظھورہ۔ بشیئتنا الثبوتیۃ فی قولہ اذا اراد شیئًا ان یقول لہٗ کُنْ وموجودیتہ بقولہ فیکون۔ ذواتنا مع کمامن استعدادتھا فی الحضرۃ العلمیۃ خزائنہ وفیضہ الاقدس کما ان وجوداتنا مع لواحقنا فی عرصۃ العین المکتسی کساءً وما ننزلہٗ اِلّا بقدرٍ معلوم۔ فیضہ المقدس منا علینا لا منہ کما ان منہ لا منا مالنا واوّل ظھوراتہ حین الرّحمٰنُ علی العرش استویٰ ثانی شیوناتہ المبشر بما ارسلناك اِلّا رحمۃ للعالمین کما ان اٰخر رحماتہ اذاما یشفع عندہ الّا باذنہ اول اذناتہ۔ فھو صلی اللہ علیہ وسلم اوّل ما خلق اللہ نورہ کما ان اٰخر بخاتم النبیین ظھورہ ومن ھنا امتنع مثلہ ونظیرہ۔ فانّ الاوّل لیس بثانٍ وکما ان الثانی لیس باوّل۔ فامتناع شریك الباری عزّ اسمہٗ من ذاتہ کما ان عدم امکان نظیرہ صلی اللہ علیہ وسلم من حیث بعض صفاتہ۔ فظاھر ان المقدورات غیر محیطۃ بالمعلومات فاتضح الامر باوضح الدلالات بغیر مدخل مسئالۃ امکان الکذب وامتناعہ اللّٰھم

ارنا حقیقۃ الاشیا کما ھی [۱]

حمد بے حد اُس ربّ کریم و رحمان و رحیم کے لیے کہ جس نے بعد الوجود ہم کو اشرفِ مطالب اور افضل مراغب یعنی علم کی وہبیّت و اظہارِ فضیلت سے بقولہ تعالیٰ (قل ھل [۲] یستوی الذین یعلمون والذین لایعلمون) وقولہ تعالیٰ (وما یعقلہا الا العالمون [۳]) وقولہ تعالیٰ (انما یخشی [۴] اللہ من عبادہ العلماء) وقولہ تعالیٰ فی جوابہ لابراہیم علیہ السّلام (حدیثِ قدسی) (انّی علیم [۵] احبّ کلّ علیم) ممتاز فرمایا۔ اور درود بے حد اُس رؤفٌ و رحیمٌ پر کہ جس نے اپنی مجسّمہ رحمت اور مکمّلہ عنایت وشفقت سے بقولہ علیہ السّلام (فضل العالِم [۶] علی العابد کفضلی علی ادناکم رجلاً) علما کی فضیلت ظاہر فرمائی۔

اِس میں شک نہیں کہ شرفِ صفت بحسب شرفِ موصوف ہُوا کرتا ہے اور علم مقابل جہل چونکہ صفاتِ الٰہیہ واجبیہ سے ہے لہٰذا فضیلتِ علمی پر کوئی بُرہان قائم کرنے کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔ حُسن و قبح اشیاء شرعی ہو یا عقلی بہر کیف بیان مذکور بنا بر مسلکِ ہر دو فریق اہلِ نقل و عقل علمی فضیلت کے لیے کافی ثبوت ہے۔

---

[۱] پاک اور بلند ہے وُہ ذات کہ اوّل ہے اور آخر ہے اور ظاہر ہے اور باطن ہے اور اُسے ہر چیز کا علم ہے۔ اور درود اور سلام اُس ہستی پر جس کی شان میں نازل ہوا "عَزِیزٌ عَلَیۡہِ مَا عَنِتُّمۡ" الخ گراں ہے اُس پر وُہ جو تمہارے لیے نقصان کا باعث ہو اور وُہ نہایت خواہشمند ہے تمہاری بھلائی کا۔ رؤف و رحیم ہے مومنوں کے حق میں) اور حضورؐ کی اہل بیت اور عترت پر جو حضورؐ کی تطہیر سے مطہر ہیں۔ اور آپؐ کے اصحاب اور احباب پر جو آپؐ کی معیّت سے مشرف ہیں سخت ہیں کفّار پر اور مہربان ہیں باہم حضورؐ کے استفادہ سے اور حضورؐ کے فضل جسیم اور علم عمیم کی بدولت حضورؐ کی اوّلیت آپؐ کی آخریّت میں اور آخریّت اوّلیت میں مندرج ہے۔ جس طرح آپؐ کا ظہور بطون میں اور بطون ظہور میں مندمج ہے۔ ہماری ہستی کا ثبوت حق تعالیٰ جلّ شانہٗ کے قول "کُن" سے اور وجود ارشاد "فیکون" سے ثابت ہے۔ ہماری ہستیاں اللہ تعالیٰ کے علمِ قدیم میں اپنی مخفی استعدادوں کے ساتھ اُس کے غیبی خزائن اور فیضِ اقدس میں حاضر ہیں۔ اور ہمارے خارجی وجود اپنے لوازمات کے ساتھ عالمِ دُنیا کے میدان میں اندازہ الٰہی کے مطابق وجود کا لباس پہن کر اُسی کے فیضِ مقدس سے قائم ہیں پس اُس کے فیضِ مقدس کا منشا ہماری استعدادیں ہیں جو ہم پر ظہور پذیر ہوتی ہیں نہ کہ اُس کی ذات پر۔ اُس کا اوّلین ظہور استویٰ علی العرش ہے اور اُس کی شانِ ثانی وُہ ہے جس کی بشارت اُس کے ارشاد "وَمَا اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَۃً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ" (ہم نے نہیں بھیجا آپؐ کو مگر عالم کے لیے رحمت) میں موجود ہے۔ اور اُس کی آخری رحمت کا ظہور اُس وقت ہوگا جب کہ اُس کی اجازت کے بغیر اُس کے حضور میں کوئی سفارش نہیں کرے گا۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی نوری مخلوق میں سب سے اوّل ہیں اُسی طرح اذنِ شفاعت میں بھی سب سے اوّل ہوں گے۔ باعتبار ظہورِ خارجی آپؐ خاتم النّبیین ہیں اور اسی وجہ سے آپؐ کی مثل اور نظیر ناممکن ہے کیونکہ جس طرح اوّل ثانی نہیں ہو سکتا۔ ثانی بھی اوّل نہیں ہو سکتا۔ پس جس طرح اللہ تعالیٰ کا شریک ہونا من حیث الذات ممکن نہیں اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا ثانی ہونا من حیث الصفات ناممکن ہے۔ یہ امر واضح ہے کہ ہر معلوم الٰہی تحتِ قدرت نہیں جیسے کہ خود ذات وصفاتِ واجب الوجود پس نتیجہ یہ نکلا کہ مسئلہ امکان و امتناع کذب کی مداخلت کے بغیر حضورؐ کی نظیر کا امتناع واضح دلائل سے ثابت ہوا۔ الٰہی ہمیں حقائق اشیاء کما حقہٗ دکھلا دے۔

[۲] فرما دیجیے کیا برابر ہو سکتے ہیں علم والے اور وُہ جو علم نہیں رکھتے [۳] ان کو علم والوں کے بغیر کوئی نہیں جانتا [۴] بے شک خُدا سے علم والے ڈرتے ہیں [۵] میں علم والا ہوں اور ہر صاحب علم کو دوست رکھتا ہوں [۶] عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے میری تم میں سے سب سے ادنیٰ پر۔

بجمیع علوم کا احاطہ خارج از قدرتِ عباد و ناممکن ہے۔ لہٰذا اہم العلوم اور مہتم بالشان علم یعنی علمِ دین کی طرف توجہ اولاً ضروریات میں سے سمجھی جاتی ہے۔ کیونکہ اس اشرف الانواع، مہجور الوطن حضرتِ انسان کا اپنے اصل تک رسائی کا یہی ذریعہ ہو سکتا ہے نہ علومِ عقلیہ محضہ۔ مثلاً مبداء فیاض حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے اِس غریب مسافر سب سے پس ماندہ و مہجور تر کو وطنِ اصلی میں پہنچنے کے لیے ہدایت فرمائی کہ خبردار کہاں تو اور کہاں ہم۔ کجا ہستی اور کجا نیستی۔ نابود کو کیا مجال ہے کہ بالذات خود کچھ دکھا سکے یا حقِ مولیٰ ادا کر سکے۔ وہ خود ناچیز ہے بغیر امداد و توفیق ہماری کے کیا کر سکتا ہے؟ اگر کچھ توفیقِ خداداد کے بعد تم سے ہو سکے تو صرف اپنی کارروائی کو اکیلا ہر ایک شخص عابد حضرتِ سلطان یعنی ہماری جناب میں مت پیش کرنا۔ کیونکہ ناقص اور ردی متاع بالذات خود درعلیحدگی اس قابل نہیں ہوتا کہ حضرتِ سلطان میں پیش کیا جاوے۔ البتہ عیب پوشی کا ہم ہی تجھے ایک آسان راستہ بتاتے ہیں۔ اِس معیوب اور ردی رخت اپنی کو عمدہ اور جید متاعوں کے ضمن میں ہمارے پیش کرو۔ یعنی اپنی ردی اور ناقصہ عبادت اور بندگی کو انبیاء، اولیاء اور ملائکہ کی عبادت میں شامل کر کے بصیغۂ جمع ایاک نعبد وایاک نستعین (ہم سب تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور ہم سب تجھی سے مدد مانگتے ہیں) عرض کرو۔

ہماری شریعت منزلہ کا مسئلہ ہے کہ جب اجناسِ مختلفہ کو ایک عقد میں بیع کیا جائے اور پھر بعض اشیاء کا عیب ظاہر ہو تو اُس صورت میں مشتری یا ساری چیزوں کو واپس کرے یا سب کو رکھ لے نہ یہ کہ ردی کو واپس کرے اور اچھی کو رکھ لے جب بندے کے حق میں ہماری شریعت صرف ردی اور معیوب کے واپس کرنے کا فیصلہ نہیں دیتی تو سلطان الکل اور مولی الکل کی شانِ خداوندی سے زیبا نہیں کہ ردی عبادت کو واپس کیا جائے بلکہ یہی زیبا ہوگا کہ سب کو منظور کیا جائے۔

حضراتِ سامعین! یہ ایک تمثیل بطور مشتے نمونہ از خروارے و یکے از ہزار صرف اِس غرض کے لیے پیشِ خدمت کر دی گئی ہے کہ یہ ثابت ہو جاوے کہ بغیر علمِ دین و تعلیمِ شارع ایسے راستے کا معلوم کر لینا کہ جس سے اپنے خالق کی رضا حاصل کی جائے یا وطنِ اصلی تک پہنچا جائے ناممکن ہے۔ بغیر علم کے انسان گویا مردہ ہوتا ہے ولنعم ما قیل[1]

وفی الجھل قبل الموت موت لاھلہٖ	فاجسامھم قبل القبور قبورٗ
وان امرءٌ لم یحیی بالعلم میت	ولیس لہٗ حتی النشور نشورٗ

دینی علم کی طلب ہر مسلمان پر فرض ہے۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ طلب[2] العلم فریضۃ علیٰ کل مسلمٍ۔ قال اللہ تعالیٰ فلولا[3] نفر من کل فرقۃٍ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین ولینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم لعلھم یحذرون۔

عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں دو مجلس مجلسِ اہلِ ذکر و مجلسِ تعلیم و تعلّم کے ملاحظہ فرمانے پر ہر دو مجلس کے اہل پر خوشنودی ظاہر فرمائی اور سلسلۂ تعلیم والے گروہ کو ذاکرین پر ترجیح دی اور فرمایا کہ اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا میں بہ حیثیت و منصب معلّمی مبعوث ہوا ہوں اور گروہ اہلِ علم کو شرفِ شمولیت بخشا اور اُن کے پاس

---

[1] جہل میں موت سے پہلے موت ہے اور جہلا کے اجسام قبروں سے قبل قبریں ہیں۔ اگر کوئی انسان علم سے زندہ نہ ہو تو وہ مردہ ہے اور قیامت کے اُٹھنے تک اُس کے لیے کوئی زندگی نہیں۔ [2] ہر مسلمان پر طلبِ علم فرض ہے۔ [3] اِن مسلمانوں کے ہر فرقہ سے ایک گروہ کیوں جہاد پر نہیں نکلا تاکہ (باقی ماندہ) دین حاصل کرتے اور اپنی قوم کو واپس آنے پر ڈراتے تاکہ وہ احتیاط کریں۔

جلوس فرمایا۔

یونسؒ ابن میسرہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ الخیر عادۃ والشر لجاجۃ ومن یرد بہ خیرًا یفقھہ فی الدین۔ وایضًا خیار امتی علماءھا وخیار علماءھا فقھاءھا۔ بہترین اُمت علماء ہیں اور علماء سے برگزیدہ اہلِ الفقاہت وفہم ہیں۔ آیت مذکورہ وحدیث ہذا سے ثابت ہوا کہ اہلِ قرآن واہلِ حدیث میں سے برگزیدہ گروہ اہلِ فقاہت و فقہائے کرام کا ہے یعنی جن کو قرآن وحدیث میں سمجھ اور فقاہت ہو۔ بخلاف خیال اہلِ زمانہ موجودہ کے کہ فقہاء کو مقابل اہلِ قرآن وحدیث ٹھہراتے ہیں۔

بروایت حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ التفقہ فی الدین حق علی کل مسلم الا تعلموا وعلموا وتفقھوا ولا تموتوا جھالًا۔

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ ما عند اللہ بشیءٍ افضل من فقہٍ فی الدین۔ فقیہٌ واحدٌ اشدُّ علی الشیطان من الف عابدٍ۔ ولکل شیءٍ عمادٌ وعماد الدین الفقہ۔ وایضًا العلماء ورثۃ الانبیاء۔ وایضًا للانبیاء علی العلماء فضل درجتین وللعلماء علی الشھداء فضل درجۃ۔

سیدنا علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔ العلم خیر من المال۔ العلم یحرسک وانت تحرس المال العلم حاکم علیک والمال محکوم علیہ۔ مات خزائن المال وبقی خزائن العلم۔ اعیانھم مفقودۃ واشخاصھم فی القلوب موجودۃ۔

طالبِ علمِ دینی کا شان۔ قولہ علیہ السلام ان الملئکۃ لتضع اجنحتھا لطالب العلم رضی بما طلب۔

طلباء کو فنِ کتابت سے کافی حصہ حاصل کرنا ضروری ہے۔ قولہ علیہ السلام: قیدوا العلم بالکتاب وایضًا استعمل یدک۔ کاتب کو اشکال حروف کی درستی اور ضبط بالنقط محلِ اشتباہ میں ضروری ہے۔ بروایتِ مختلف ثابت ہے کہ عربی زبان میں پہلے کاتب آدم علیہ السلام اور بعد طوفان اسمٰعیل علیہ السلام تھے۔

عروہ ابن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ پہلے کاتب متقدمین میں سے وہ لوگ تھے جن کے اسماء حسب ذیل ہیں:-

ابجد۔ ہوز۔ حطی۔ کلمن۔ سعفص۔ قرشت۔ یہ لوگ مدین کے بادشاہ تھے۔

اشکالِ حروف کو معمولی نظر سے نہ دیکھنا چاہیے۔ یہی اشکال الفاظ پر اور الفاظ معانی پر اور معانی امرِ مجمل بسیط باطن پر دال ہے۔

۱؎ خیر عادت ہے اور شر لجاجت اور جو شر کو خیر سے بدل ڈالے اُسے فقاہت فی الدین حاصل ہوتی ہے۔ میری اُمت کے خیار علماء ہیں اور علماء کے خیار فقہاء ہیں۔ ۲؎ فقاہت فی الدین ہر مسلمان پر واجب ہے۔ خبردار علم پڑھو اور پڑھاؤ اور فقہ حاصل کرو اور جاہل ہو کر مت مرو۔

۳؎ اللہ تعالیٰ کے نزدیک فقاہت فی الدین سے افضل کوئی چیز نہیں۔ ایک فقیہ، شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ سخت ہے۔ ہر چیز کا ایک ستون ہے اور دین کا ستون فقہ ہے۔ علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ انبیاء کے لیے علماء پر دو درجے ہیں اور علماء کے لیے شہداء پر ایک درجہ۔

۴؎ علم مال سے بہتر ہے کہ علم تیری حفاظت کرتا ہے اور تو مال کی۔ علم تجھ پر حاکم ہے اور مال محکوم۔ مال کے خزانے مٹ گئے اور علم کے خزانے باقی رہ گئے۔

۵؎ اہلِ علم کے اجسام مفقود ہیں لیکن اُن کے ذوات دلوں میں موجود ہیں۔ ۶؎ ملائکہ طالبِ علم کی راہ میں پَر بچھاتے ہیں۔ ۷؎ علم کو کتابت میں مقید کرو اپنے ہاتھ سے لکھو۔

اور وُہی امرِ بسیط باطنی معانی بعدازاں الفاظ بعدازاں شکل ونقوش سے ظاہر ہو رہا ہے۔ گویا عالمِ نقوش والفاظ ومعانی متکثرہ میں اسی کا ظہور ہے جس کی جلوہ گاہ باقی عوالم ہیں بنظرِ اعتبار وتدبّرجس عالم کو دیکھا جائے ھوالاوّل۔ ھوالاٰخر۔ ھوالظّاھر۔ ھوالباطن کا درس ہو رہا ہے۔ عارفے فرمُود ؎

نخستیں بادہ کاندر جام کردند   مزاجش عکس آں گلفام کردند

اِس پر از جانب فقیر ؎

بہ مِہرِ آنکہ غیرش نیست موجُود   زخُود آغاز وہم انجام کردند

حضرات طلبا! آپ صاحبان ہیں سے کسی صاحب کو اگر جذبۂ ازلی نے یہاں تک رسائی نصیب فرمائی تو پھر طبعاً خود بخود ہی نیازمند کے پہلے سوال منجملہ سوالات مندرجہ رسالہ فتوحاتِ صمدیہ متعلق لمیۃ ترتیب حروفِ تہجی الف۔ ب۔ ت الخ کا جواب منکشف ہو جائے گا۔ جُملہ اہلِ اسلام پر بدلیل قولہٗ تعالیٰ للفقراء الذین احصروافی سبیل اللہ طلباء علمِ دینی بمایتعلق بہٖ کی خدمت حسبِ توفیق واجب ہے۔

آخری معرُوض بحضرتِ طلبا: آپ صاحبان نے حدیث شریف انما الاعمال بالنیات کو بخوبی سمجھا ہوا ہے اس کی تعمیل نہایت ضروری سمجھیں۔ مبادا کہ خدانخواستہ فسادِ نیّت (جدل مراء منہی فی الاحادیث کی وجہ سے اس عروۂ وثقیٰ دربوۂ عَلیہ سے گر جاویں۔ والسّلام

حضرتؒ کی اِس تقریر کا نمایاں اثر یہ ہوا کہ مدرسہ کی امداد کے لیے سابقہ معمول سے بہت زیادہ چندہ جمع ہونے کے علاوہ جدید تعلیم یافتہ لوگ جو نمازمیں بدیں خیال سُستی کرتے تھے کہ جب ہم کامل نماز نہیں پڑھ سکتے تو ناقص نماز پڑھنے سے کیا فائدہ، باقاعدہ نماز کے پابند ہو گئے۔ عُلماء سے لے کر عوام تک سب آپؒ کی تقریر سے محظُوظ و متاثّر ہُوئے۔

شیخ اکبر کی تعلیمات پر ایک اعتراض کا جواب

حضرتؒ کے "ملفوظاتِ طیّبات" میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ "فصوص الحکم" مصنّفہ حضرت شیخ محی الدّین ابن العربیؒ کے سبق کے دَوران کتاب کے الفاظ (اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَوْجَدَ الْاَشْیَاءَ وَھُوَ عَیْنُھَا (سب تعریف سزاوار ہے اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے ایجاد فرمایا اشیاء کو اور وُہ عین ہے اِن کا) کی تشریح کرتے ہُوئے بیان فرمایا کہ لوگوں کو حضرت شیخؒ کی اِس عبارت سے وہم ہوا ہے کہ اس سے خالق ومخلوق کا اِتحاد لازم آتا ہے۔ مگر حاشا وکلاّ۔ شیخؒ کی مُراد ہرگز یہ نہیں۔ کیونکہ لفظ عین کے دو معانی ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ کہا جائے کہ فلاں چیز اپنا عین ہے مثلاً الانسانُ انسان اور دُوسرے یہ کہ کسی چیز کا قیام اَور تحقّق کسی اَور چیز سے ہو کہ اگر وُہ نہ ہوتی تو اس کا کوئی وجود نہ ہوتا اور یہاں شیخؒ نے یہی معنیٰ لیے ہیں کہ اگر واجب الوجود کا تعلق مخلوقات سے قطع تصوّر کیا جائے تو مخلوق کا فی نفسہٖ کوئی وجُود نہ ہوگا۔ اور فرمایا کہ میں نے کسی کتاب میں دیکھا ہے کہ ایک مجدّدی حضرت بیان کرتے ہیں کہ میں ایک روز حضرت سُلطان المشائخ نظام الدین اولیاء محبُوبِ الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف پر مراقب ہو کر بیٹھا تھا۔ میں نے دیکھا کہ عالمِ مثال میں حضرت محبُوبِ الٰہیؒ "فصوص الحکم" کا درس دے رہے ہیں۔ میں نے سوال کیا کہ اوجدَ الاشیاءَ وھو عینُھا کی عبارت سے بظاہر خالق ومخلوق کا اتحاد مفہوم ہوتا ہے۔ حضرتؒ موصوف نے ایک لمحہ تامّل فرمایا کہ ناگہاں حضرت شیخ اکبرؒ کی رُوح پُرفتوح تشریف لائی اَور حضرت محبُوبِ الٰہی صاحبؒ سے فرمایا کہ

آپ کیوں یہ جواب نہیں دیتے کہ میں نے وَھُوَ عَیْنُھَا کہا ہے نہ کہ وَھِیَ عَیْنُہٗ یعنی یہ نہیں کہا کہ اشیاء اللہ تعالیٰ کا عین ہیں، بلکہ یہ کہ اللہ تعالیٰ اشیا کا عین ہے۔

توحیدِ وجودی کے متعلق اخص الخواص کے عقیدہ کا بیان

حضرتؒ فرماتے ہیں کہ ظاہر بین حضرات جنہیں قدرت نے نورِ باطن سے نہیں نوازا، اپنی کم فہمی کی وجہ سے شیخ اکبرؒ کے مسئلہ توحیدِ وجودی کو عقیدۂ حلول سے منسوب کرتے ہیں حالانکہ حضرت شیخؒ نے اپنی تحریروں میں صریحاً اس عقیدہ کا انکار اور ردّ فرمایا ہے۔ فتوحاتِ مکیہ میں شیخؒ فرماتے ہیں کہ ظاہر بین گروہ کا عقیدہ، جو دلائل ظاہرہ پر مبنی ہے، یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی نسبت اپنی مخلوق کے ساتھ ایسے ہے جیسے صانع کی مصنوع کے ساتھ۔ وینبغی لکل مسلم ان یعتقدہ (اور ہر مسلمان کو یہ عقیدہ رکھنا واجب ہے) مگر خاص الخاص لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ اشیاء کا مُظہر اُن کا عین ہے یعنی اشیاء، اسماء کے ظل کے مثل ہیں۔ اور ظل کی کوئی حقیقت نہیں ماسوائے اس نمودِ بے بُود کے۔ اس معدوم کائنات کی روشنی دراصل آفتابِ ذاتِ واحد کے فیوضات کا عکس ہے پس غیرِ حق کہاں سے ہوا اور کیا ہے؟ کان اللّٰہ ولو یکن معہ شیٔ والآن کما کان (مخلوقات کی خلق سے پہلے اللہ ہی تھا اور اُس کے ساتھ کوئی شے نہ تھی۔ اب خلق کے بعد بھی ویسا ہی ہے جیسا پہلے تھا) اور حضرت شیخؒ سب مسلمانوں کو اس عقیدہ پر مجبور و مکلف نہیں فرماتے بلکہ اُن کے خیال کے مطابق یہ عقیدہ نفوس قدسیہ کے مشاہدات اور تجلیاتِ خاص سے ہے جو اُن برگزیدہ ہستیوں کو بحکم ذوق عرفان حاصل ہوتا ہے۔ شیخؒ فرماتے ہیں کہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ عالم من حیث المجموع ذات مع الصفات کا خلاصہ ہے۔ اور شیخؒ یہاں اصح الروایتین کو، اور بارگاہِ نبوی میں جبرئیل علیہ السلام کے بشکلِ دحیہ کلبی حاضر ہونے کے واقعات کو شاہد لاتے ہیں وہاں قوم کو تو وُہ دحیہ کلبی نظر آرہے تھے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ یہ جبرئیلؑ ہیں۔ حالانکہ نہ تو وہاں جبرئیلؑ دحیہ کلبی میں حلول کیے ہوئے تھے اور نہ یہ بات تھی کہ جبرئیلؑ بھی موجود تھے اور دحیہ کلبی بھی۔ دراصل جبرئیل علیہ السلام اپنی حقیقتِ ملکیہ پر باقی رہتے ہوئے عالمِ شہادت میں بصورتِ دحیہ کلبی متمثل ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رؤیت مبارک میں وُہ اپنی حقیقتِ ملکیہ ہی میں نظر آرہے تھے مگر قوم کی رؤیت کی رسائی اُن کی صورتِ متمثلہ ہی تک تھی اور چونکہ صحیح ترین رؤیت، رؤیتِ محمدیؐ ہے اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہی صحیح تھا کہ ذاک جبریل (یہ جبرئیلؑ ہیں)

پھر اس مقام پر حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ نے فرمایا کہ مجھے ابتداءِ حال میں اپنا وجدان اس مسئلہ توحید میں آیۂ کریمہ فتمثل لھا بشرًا سویًا" کی طرف راہ دکھاتا تھا (جس میں فرشتہ آکر حضرت مریم علیہا السلام کو لڑکے کی بشارت دیتا ہے) حضرت مریمؑ کی رؤیت میں وُہ بشر تھا مگر وُہ خود کہتا ہے "انما انا رسول ربک" (یعنی میں فرشتہ ہوں) مطلب یہ ہوا کہ حقیقتِ ملکی بشکلِ انسان متمثل ہو کر ظاہر ہوئی۔ جب حقیقتِ ملکی کا یہ حال ہے کہ اُسے اپنے آپ کو ادراک کرانے کے لیے متمثل ہونا پڑتا ہے تو کمالِ تجلیاتِ حق کو محدود علومِ انسانی کیسے احاطہ کر سکتے ہیں۔ ایسا کرنے کے لیے تو خود حق سبحانہٗ تعالیٰ کا اپنا علم جو اتم اور اکمل العلوم ہے وُہی انسان کی راہ نمائی کرتا ہے۔ اور اس علم الٰہی کے ورُود کا مقام انسان کی زبان نہیں کہ قیل وقال سے درست ہو سکے بلکہ وُہ جوہرِ نُورانی ہے جس سے کمالِ انسانی محقق ہے۔ پس جب یہ ثابت ہو گیا کہ دیکھنے والا اپنی بینش کی استعداد اور اندازہ کے مطابق ادراک کرتا ہے اور عقائد کے مدارج میں تفاوت بوجہ تفاوت ادراک کے ہے تو پھر وُہ اعتراض کہاں رہ جاتا ہے جو بعض لوگ کرتے ہیں کہ نعوذ باللہ

حضرتِ شیخؒ کے اِس عقیدہ کے مطابق خدا حجر ہے یا شجر ہے یا پہاڑ یا آسمان۔ دراصل شیخؒ کے اِس عقیدۂ عینیّت کی مدار اُن نفوسِ قدسیہ کی صحیح ترین رؤیت اور مشاہدہ ہے جنہیں قدرت کی طرف سے یہ شرف اختصاص کیا گیا ہے۔ نہ کہ عوام ظاہربین کی رؤیت جو اِس نعمت سے محروم ہیں۔ پھر حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ نے فرمایا کہ "کان الشیخؓ آیۃ من آیات اللہ" (حضرت شیخ رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھے)

راقم الحروف کہتا ہے کہ حضرت قدس سرّہٗ کا یہ ملفوظ توحیدِ وجودی کے بیش بہا اسرار و رموز کے بیان میں ہے لیکن اِس سے وُہی شخص صحیح مستفید ہوگا جسے ارواحِ طیّبہ کی توجہ سے اِس مسئلہ کے ساتھ مناسبت ہو ورنہ شیخ ابنِ تیمیہ جیسے جیّد علماءِ ظاہر اِس معاملہ میں ٹھوکر کھا گئے اور توحیدِ وجودی کو حلول سمجھ کر حضرت شیخِ اکبرؒ اور دیگر اکابر مشائخِ وجودیہ کے خلاف اپنی تصانیف میں سخت نامناسب کلمات تحریر کیے۔

اِیں جا نہ حلول است نہ انکارِ شریعت
گو ئید زِمن مُدّعیِ علم و ہُنر را
تا رندِ سبُو کش نہ شود شیخ چہ داند
اِیں بے خُودی و ذوقِ دلِ اہلِ نظر را — فیض

رؤیتِ الٰہی کے بارے میں حضرتِ شیخِ اکبرؒ کے مسلک کی تشریح

حضرتؒ فرماتے ہیں کہ بعض مشاہیر سے منقول ہے کہ حضرت شیخ اکبرؒ اِس دُنیا میں رؤیتِ الٰہی کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ "ما رای اللہ اِلاّ اللہ (خدا کو خدا کے سوا کسی نے نہیں دیکھا)۔ اور اگر رؤیت نہیں ہوسکتی تو پھر درویشوں اور عشّاق کی کوششیں اور سوز و طلب و تعب کس واسطے ہے۔ یہ حضرات بھی شاید شیخؒ کے اصل مقصد کو نہیں پہنچے۔ شیخؒ رؤیت کے منکر نہیں بلکہ فتوحاتِ مکّیہ میں فرمایا ہے ؎

اذا ما تجلی الحبیب بای عین اراہ — بعینہ اری لا بعینی اراہٗ

یعنی محبوبِ حقیقی جب تجلّی کرے تو اُسے کس آنکھ سے دیکھوں۔ اُس کو اُسی کی آنکھ سے دیکھوں گا نہ اپنی آنکھ سے۔ خواص اِس مقام میں شاہد و مشہود کو آلائشِ غیریّت سے پاک اور بجز حق کے نہیں جانتے۔ وُہی ذاکر وُہی مذکور، وُہی شاہد وُہی مشہود۔ "لیس فی الدّار غیرہٗ"۔ (اُس کے سوا گھر میں کوئی نہیں) حدیثِ قدسی نے اِس معنی کو یُوں بیان فرمایا ہے "بی یسمع و بی یبصر" (مجھ سے دیکھتا اور مجھ سے سُنتا ہے) اِس مشاہدہ میں شاہد کا سب تن بمنزلہٗ چشم ہو جاتا ہے اور یہ ہمہ تن جمالِ حق کو دیکھتے ہیں۔ ع

ہمہ دیدہ گشتہ چوں نرگس تنش
(اُس کا سارا تن نرگس کی طرح آنکھ بن جاتا ہے)

اور یہ مقام حضرت شیخؒ کے مستفیضین شیخ ابن الفارض وغیرہ کو بھی حاصل ہے اور حضرت جامی علیہ الرحمۃ نے اپنے اِس شعر میں بھی اِسی چیز کو بیان کیا ہے ؎

بسے منزل آمد زِمن تا بتو — نشاید ترا یافت اِلّا بتو

یعنی تیرے اور میرے درمیان بہت منازل ہیں اور تجھے تیرے بغیر پانا ممکن نہیں۔

؎ تجھے دیکھنا بھی جاناں ہے تری نظر سے ورنہ　　کہاں تیرا حسنِ مطلق کہاں میری کم نگاہی

ایک شبہ کا ازالہ

اور یہ جو شیخ سے منقول ہے کہ خاتم الانبیاء مقام ولایت میں خاتم الاولیاء سے اخذ کرتے ہیں۔ بظاہر یہ کلام منکرین پر گراں گزرتا ہے لیکن اہل معنی پر از رُوئے معنی گراں نہیں کیونکہ خاتم الانبیاء اور خاتم الاولیاء میں اس طرح کا سلسلۂ اتصال و اتحاد پیدا ہوجاتا ہے کہ نبی کے لیے ولی بمنزلۂ اعضاء و آلات ہوجاتا ہے مثل ہاتھ، پاؤں، کان آنکھ وغیرہ کے۔ انسان کو اگر کوئی چیز پکڑنی ہو تو ہاتھ استعمال کرتا ہے، چلنا ہو تو پاؤں سے مدد لیتا ہے۔ دیکھنے کے لیے آنکھ سے فائدہ اٹھاتا ہے اور سننے کے لیے کان سے مگر ان باتوں سے اعضاء کو انسان کے نفسِ ناطقہ پر فوقیت حاصل نہیں ہوجاتی۔ ایسا ہی جبرئیل علیہ السلام کو باوجود واسطہ بننے علومِ وحی کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر فضیلت نہیں۔ پس خاتم الاولیاء کو خاتم الانبیاء پر کس طرح فضیلت ہوسکتی ہے۔

حضرتِ شیخ الشیوخ سہروردیؒ اور شیخِ اکبرؒ

حضرتؒ فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردیؒ اور حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی ہم عصر تھے ایک روز بازار میں آمنے سامنے گذرتے ہوئے نظریں دوچار ہوئیں۔ حضرت شیخ الشیوخؒ سے ان کے متعلق سوال ہوا تو فرمایا رَجُلٌ مَّلِیٌ حِکْمَۃً وَّ اَسْرَارًا (یہ شخص اللہ تعالیٰ کی حکمتوں اور اسرار کا خزانہ ہے) حضرت شیخ اکبرؒ نے حضرت شیخ الشیوخؒ کے بارہ میں فرمایا۔ رَجُلٌ مَّلِیٌ اِتِّبَاعًا وَّ سُنَّۃً (یہ شخص اتباع اور سنّتِ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے مملو ہے)

پھر فرمایا حضرت شیخ الشیوخؒ اپنے مریدوں کو شیخ اکبرؒ کے پاس جانے سے منع فرماتے تھے۔ جب شیخؒ کا وصال ہوا تو شیخ الشیوخؒ نے سخت رنج اور افسوس کا اظہار فرمایا۔ لوگوں نے پوچھا کہ شیخ ابن عربیؒ کی زندگی میں تو آپ ہمیں ان کی صحبت سے منع فرماتے تھے اب اس غم و الم کی کیا وجہ ہے۔" فرمایا کہ شیخؒ کا کلام نہایت بلند اور عمیق ہوتا تھا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ تم لوگ اپنے قصورِ فہم کے باعث معترض ہوکر بے ادبی میں مبتلا ہوجاؤ گے۔

حضرت شیخِ اکبرؒ ایک مخالف کے جنازے پر

ایک مرتبہ بیان فرمایا کہ حضرت شیخ اکبرؒ اپنے ایک مخالف کے جنازے پر تشریف لے گئے۔ یہ شخص آپ پر روزانہ لعنت کیا کرتا تھا۔ اُسے مبتلائے عذاب دیکھ کر توقف فرمایا۔ اور اس کی قبر پر ستر ہزار بار نفی اثبات کا ذکر کرکے اس کے لیے استغفار کیا۔

حضرت شیخِ اکبرؒ کا کشف

ایک اور موقع پر فرمایا کہ حضرت شیخ اکبرؒ کے کشف کی یہ کیفیت تھی کہ کسی شخص پر تین مرتبہ نظر فرما کر روزِ میثاق سے حشر تک اس کے احوال پر مفصل طور پر مطلع ہوجاتے تھے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ حضرت غوث الاعظم جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کی معنوی اولاد تھے۔ اِن کے والد کی عرضداشت پر حضور غوث پاکؓ نے فرمایا تھا کہ تمہاری تقدیر میں اولاد نہیں مگر میری صُلب میں ایک فرزند موجود ہے۔ میری پشت سے اپنی پُشت ملاؤ۔ چنانچہ پُشت مِلانے پر یہ فرزند اُنہیں منتقل کر دیا۔

حضرت شیخ اکبرؒ کا ایک مُرید کو تجلّیِ دائمی ابدی کا عطیّہ

حضرتؒ کا اِرشاد ہے کہ صُوفی دو قسم پر مشتمل ہوتے ہیں ایک متخلّق باخلاق اللہ اور دُوسرے متحقّق باخلاق اللہ۔ حضرت شیخ اکبرؒ قسمِ ثانی سے تھے کہ اِحیاء اور اِماتت اور تبدّلِ اشکال وغیرہ پر قادر تھے۔ حضرت شیخؒ کے ایک مستفیض شاگرد شیخ صدرُ الدّین قونویؒ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں نے حضرت شیخؒ کی خدمت میں بعض معارف و حقائق بیان کیے جس پر آپ محظُوظ و مسرُور ہُوئے۔ میں نے عرض کیا کہ یہ سب آنجناب کے ہی تصدّق اور افاضہ کی بدولت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضُور کو تحقّق بالاسماءٗ کا رُتبۂ عالیہ عطا فرما رکھا ہے۔ میں چاہتا ہُوں کہ مجھ پر تجلّی دائمی ابدی وارد فرمائی جائے جس سے ایک ساعت بھی محجُوب نہ ہوں۔ حضرت شیخؒ نے فرمایا تمہیں معلوم ہے کہ مجھ سے بارہا وصفِ اِحیاء و اِماتت کا ظہُور ہوا ہے اور خلقِ خُدا کو گوناگوں قسم کے فوائد پہنچتے رہے ہیں لیکن یہ نعمتِ عظمیٰ آج تک مجھ سے کسی کو نہیں ملی۔ اب تمہیں عطا کرتا ہُوں۔ چُنانچہ اُسی وقت تجلّی دائمی ابدی میرے حال پر وارد ہوگئی۔

فصُوص الحکم کا ایک سبق

"فصُوص الحکم" کے سبق کے دوران ایک روز "فصِ آدم" (فص حکمة الٰهیه فی کلمة آدمیة فاوّل ما القاهٗ المالك) کی تشریح میں حقیقتِ عالم پر اِس طرح تقریر فرمائی کہ فص لُغت میں نگین کو کہتے ہیں اور یہاں خُلاصہ اور لُبِّ لباب کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ لفظ حکمت سے مُراد ہے حقائقِ اشیاء کا علم واقعی جس میں تغیّر و تبدّل کو راہ نہیں مثلاً حقیقتِ اِنسان حیوانِ ناطق ہے۔ پس زمانۂ ماضی۔ حال اور اِستقبال میں اس کے لیے یہی حقیقت قائم رہتی ہے۔ لفظ الٰهیة۔ اللہ کی طرف منسوب ہے جو ذات کے مراتبِ ثلاثہ میں مرتبۂ ثانیہ کا نام ہے۔

پہلا مرتبہ ہے ذاتِ بحت جسے ہُویّتِ صرفہ بھی کہتے ہیں۔

دُوسرا مرتبہ ہے ذات بحیثیّت اسماء و صفات اجمالاً جسے احدیت الجمع بھی کہتے ہیں۔

تیسرا مرتبہ ہے ذات بحیثیّت اسماء و صفات تفصیلاً جسے واحدیت سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔

اعیانِ ثابتہ

فی کلمةٍ۔ کلمات اِس قوم کی اِصطلاح میں موجُودات کے معنی میں آتا ہے۔ اور چُونکہ کلمات مرکّب ہوتے ہیں حرُوف اور مبادی سے لہٰذا یہ حضرات اعیانِ ثابتہ اور حرُوفِ علیہ کو حرُوفِ اصلیہ کہتے ہیں۔ ارادۂ الٰہی بمنزلۂ "قلم" ہے جس سے اوّلاً موجُودات کی صُورتیں بشکلِ حرُوفِ اصلیہ (یعنی اعیانِ ثابتہ) صادر ہُوئیں۔ پھر وُہی حرُوفِ اصلیہ خلعتِ وجُودِ خارجی سے تعلّق اور ترکیب پاکر کلمات بنے۔

فیضِ اقدس

اعیانِ ثابتہ فیضِ اقدس کے اثر کا نتیجہ ہیں جو صفاتِ جبریہ سے ہے اور عبارت ہے تجلّی ذاتی سے جو اشیائے کے وجود اور استعداد کے لیے ظاہر ہوئی۔ فیضِ اقدس غیر مجعول ہے ماہیات اور ان کی استعداد کی طرح، کیونکہ ذات اور ذاتیات کے مابین جعل کو دخل نہیں۔

اعیانِ ثابتہ عبارت ہیں اُن خصوصی علومِ الٰہیہ سے جو کائنات کے ہر ذرّہ کے متعلق علمِ ازل میں متمکن ہیں۔

فیضِ مقدّس

فیضِ اقدس کے علاوہ ایک فیض ہے فیضِ مقدّس جو صفاتِ اختیاریہ سے ہے اور عبارت ہے تجلّی اسمائی سے جو خارج میں مقتضائے استعداد کے ظہور کا موجب ہے اور مجعول ہے اور یہ استعداد حاصل نہیں ہو سکتی مگر قبولِ رُوحِ الٰہی سے اور یہی چیز ہے فیضِ مقدّس۔ اصطلاحِ صوفیہ میں خارج سے مُراد ہے وجودِ ذات من حیث الظہور فی التعینات پس خَلَقَکُمْ کے معنی ہوں گے تعیّن بتعیّناتکم۔

آدم کے وجود میں علومِ الٰہیہ کا ظہور

آدمیّت آدم کی طرف منسوب ہے اور اس میں کُل کی اضافت جُز کی طرف ہے اور عام کی خاص کی طرف کہ وجودِ آدمؑ جُز ہے کُل موجودات کا اور خاص ہے باقی مخلوقات کی نسبت۔ حاصل کلام پہلی چیز جو مالک یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ پر اُس کتابِ مثالی سے القا فرمائی وہ ہے خلاصہ علومِ الٰہیہ جو آدم کے وجود میں ثابت ہیں۔ اور آدم علیہ السّلام کے وجود میں ان علوم کی ودیعت کی وجہ تخصیص یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو حسبِ استعداد و قابلیّت چند علوم ودیعت فرمائے اور چونکہ آدم کی استعداد ان علومِ الٰہیہ کے قابل تھی بوجہ مظہرِ اتم اور جمیع اسماء وصفات کا آئینہ اور خلیفۃ اللہ ہونے کے، اس لیے ان جمیع علوم کی ودیعت اُن کے وجود میں فرمائی گئی۔

انسانی وجود میں عالمِ علوی وسفلی کے حقائق ونظائر

۱۔ عالمِ علوی اور سفلی کے جُملہ حقائق اور نظائر آدمؑ کے وجود میں موجود ہیں۔ عالمِ اعلیٰ جس میں ہرگز تغیر و تبدل نہیں ہوتا مثلاً قلم کہ حکماء اُسے عقلِ اوّل سے تعبیر کرتے ہیں۔ وہ حضرت شیخ اکبرؒ کی اصطلاح میں عبارت ہے حقیقتِ محمّدیہ سے۔ اُس کی نظیر انسان کے وجود میں رُوحِ قُدس ہے۔ عرشِ عظیم کی نظیر جسمِ انسان، کرسی کی نظیر نفسِ انسان بیت المعمور کی نظیر قلبِ انسان۔ یہ تینوں اگرچہ متحد بالذّات ہیں مگر مغائر بالاعتبار۔ ملائکہ، جنہیں حکماء عقولِ عشرہ سے تعبیر کرتے ہیں اُن کی نظیر جسمِ انسان میں قوائے انسانیہ ہیں۔ اسی طرح زُحل اور اُس کا فلک اُس کی نظیر ہے نفس میں قوّتِ علمیہ۔ مُشتری اور اُس کا فلک جس کی نظیر ہے قوّتِ ذاکرہ (فی موخرۃ الدماغ)، مرّیخ اور اُس کا فلک۔ قوّتِ عاقلہ جو دماغ کے حُجرہ یافوخ میں متمکن ہے۔ اس موقعہ پر حضرتؒ نے فرمایا کہ بعض حضرات کو جب معراجِ رُوحی ہوتا ہے تو یہی قوّتِ

عاقلہ اپنے مقام سے خارج ہوتی ہے اور اُس کے لیے بُراقِ مثالی لایا جاتا ہے اور وُہ اُس پر سوار ہو کر عالمِ ملکُوت کی سَیر کرتا ہے۔ میں نے ایسے اشخاص کو دیکھا ہے کہ یہ خیال اُن کے اندر وارد تھا مگر بوجہ بے علمی اِس کی حقیقت سے بے خبر تھے۔

شمس اور اُس کا فلک اُس کی نظیر قوّتِ مفکرہ وسط دماغ کے اندر۔ زُہرہ اور اُس کا فلک۔ قوّتِ وہمیہ رُوحِ حیوانی میں۔ عطارد اور اُس کا فلک اس کی نظیر قوّتِ خیالیہ مقدم الدّماغ میں قمر اور اُس کا فلک، جس کی نظیر ہے انسانی جوارح میں قوّتِ حِسیہ۔

۲۔ اَب عالمِ اعلیٰ کے بعد عالمِ اِستحالہ کو لیجیے جس میں تغیّر و تبدّل کو راہ ہے۔ کرۂ نار جس کی رُوح ہے حرارت و یبُوست وجُودِ انسانی میں اس کی نظیر صفرا ہے جس کی رُوح قوّتِ ہاضمہ ہے۔ کرۂ ہوا جس کی رُوح ہے حرارت و رطُوبت۔ اِس کی نظیر ہے دم جس کی رُوح قوّتِ جاذبہ ہے۔ کرۂ ما، جس کی رُوح ہے برُودت و رطُوبت۔ اس کی نظیر ہے بلغم اور رُوح قوّتِ دافعہ۔ کرۂ خاک جس کی رُوح ہے برُودت و یبُوست۔ اِس کی نظیر سَودا اور رُوح قوّتِ ماسکہ۔

۳۔ عالمِ تعمیر (رُوحانی) اِس کی نظیر قوائے اِنسانیہ (حیوانی) اِس کی نظیر احساساتِ اِنسانیہ۔ (نباتاتی) اُس کی نظیر وجُودِ انسانی میں نمو۔ (جماد) انسانی وجُود کے وُہ حصے جن میں حِس کو دخل نہیں۔ سبع طبقات الارض (طبقاتِ زمین) سَودا[۱]۔ عنبرا[۲]۔ حمرا[۳]۔ صَفرا[۴]۔ بیضا[۵]۔ زرقا[۶]۔ خضرا[۷]۔ اِنسان میں اِن کے نظائر ہیں۔ جلد[۱]۔ شحم[۲]۔ لحم[۳]۔ عرُوق[۴]۔ عصب[۵]۔ عضلات[۶]۔ عظام[۷]۔

۴۔ عالمِ نسب۔ یہ عبارت ہے مقولاتِ تسعہ (۹) سے۔ عرض[۱] اُس کی نظیر اسود و ابیض (کالا گورا)۔ کیف[۲] اُس کی نظیر احوالِ صحت و سُقم ہے۔ کم[۳]۔ مثلاً پنڈلی بازُو سے لمبی اور موٹی ہے۔ این[۴]۔ مثلاً گردن سر کو اُٹھائے ہُوئے ہے اور پنڈلی ران کو۔ زماں[۵]۔ مثلاً حرکتِ راس بوقتِ تحریکِ دست۔ اضافتہ[۶] اس کی نظیر ہے کہ فلاں میرا باپ ہے اور میں اُس کا بیٹا ہُوں۔ وضع[۷] بالائے زید تحتِ اُو یعنی جسم کا کُچھ حصہ بالائی ہے کچھ زیریں۔ فعل[۸] مثلاً کھانا۔ انفعال[۹] مثلاً کھا کر سیر ہو جانا۔[۱]

عجائب نُسخۂ ذاتِ اِلٰہی | عیاں در وے ہمہ اسرارِ شاہی
جہاں انسان و انساں شُد جہانے | ازیں پاکیزہ تر نبود بیانے

سبق کے بعد فرمایا کہ حضرت سُلطان العارفین بایزید بُسطامی رحمۃ اللہ علیہ ایک کُوچہ میں گُذر رہے تھے۔ ناگہاں ایک کُتا سامنے سے آتا ہُوا دِکھائی دیا۔ آپؒ اُس کے لیے راستہ چھوڑ کر نہایت اَدب سے ایک طرف ہٹ کر کھڑے ہو گئے۔ بعض خواص نے جو ہمراہ جا رہے تھے متعجب ہو کر عرض کیا کہ حضرت! اِنسان کے سر پر وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ کا تاجِ کرامت رکھا گیا ہے پس ایک کُتّے کی اس قدر تعظیم و تکریم کا باعث کیا تھا؟ فرمایا۔ یہ کُتا زبانِ حال سے کہہ رہا تھا کہ اے بایزیدؒ۔ تم نے روزِ میثاق اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیا نیکی کی تھی کہ تمہیں اِس لباس اور تعیّن میں پیدا فرمایا اور میں نے کیا بدی کی تھی کہ اِس تقیّد اور شکل میں مخلُوق ہُوا؟ گویا کُتا زبانِ حال سے کہہ گیا تھا۔

عندلیب یک گُلستانیم از ما رُخ متاب
گرچہ الطافش تُرا گُل کرد ما را خار ساخت

پھر فرمایا جب حضرت بایزید بُسطامیؒ مقامِ وصل میں سرفراز ہُوئے تو حکم ہُوا کہ اَب مخلُوق کی ہدایت اور اِرشاد کی طرف متوجّہ ہوں

۱؎ عند الشیخؒ

آپ کو اِس سخن سے بُوئے فراق آئی اور توجہ الی الخلق کو توجہ الی الحق کے منافی تصور کر کے ایک نعرہ مارا اور بے ہوش ہوگئے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم فرمایا کہ رُدُّوْا اِلَیَّ عَبْدِیْ فَاِنَّہٗ لَا یُطِیْقُ عَلٰی فِرَاقِیْ (میرے بندے کو میری طرف واپس لوٹاؤ کہ وُہ میرے فراق کی طاقت نہیں رکھتا)

فصُوص الحکم کا ایک اَور سبق

ایک روز "فصُوص الحکم" کے سبق میں مراتبِ وحدت و احدیت اَور حضراتِ اسما کے فرق اَور امتیازات کے ذکر میں فرمایا کہ عالم تمام اسمائے الٰہی کی تجلّی کا ظہُور ہے۔ ہر عینِ ثابت کے لیے ایک اِسم ہے جو اُس عینِ ثابت کا رب ہے۔ پس وُہ رب اِس عینِ ثابت کو بحکم مَا مِنْ دَآبَّۃٍ اِلَّا ھُوَ اٰخِذٌ بِنَاصِیَتِھَا اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (کوئی چلنے پھرنے والی مخلوق نہیں مگر رب تعالیٰ پکڑنے والا ہے اُس کو اُس کی پیشانی سے بے شک میرا پروردگار سیدھی راہ پر ہے یعنی جو سیدھی راہ چلے اُس سے مِلے) اپنی گرفت میں لے کر اپنے راستہ پر چلا رہا ہے۔ اَور اِس سے پہلے کہ واقعاتِ کونیہ خارج میں ظاہر ہوں کبھی حضراتِ اسما میں باہمی تنازع واقع ہوتا ہے اَور جو اِسم غالب آئے خارج میں اُسی کا ظہُور ہوتا ہے۔

ایک صاحبِ کشف فقیر جو بوجہ لغزشِ علمی گمراہ ہوگیا

یہاں گولڑہ میں ایک سفید ریش شخص ایک درخت کے نیچے بیٹھا رہتا تھا وُہ ایسے مقام پر تھا کہ حضرتِ اسما کا مشاہدہ کر کے واقعاتِ کونیہ سے مطلع ہوجاتا تھا مگر بوجہ لغزش دائرۂ اسلام سے خارج ہوگیا تھا اَور کہتا تھا جو کچھ ہے یہی عالم ہے۔ نہ اِس سے پہلے کچھ تھا نہ پیچھے کچھ ہوگا۔ میں اُس سے کہتا تھا کہ خُدا تجھے ہدایت دے اَور اِس مقام سے خارج کرے تیری نظر اِرادۂ الٰہی اَور فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ پر نہیں۔ وُہ ایک روز میرے پاس آکر کہنے لگا "ہُن ویکھ کے ہونداا ے" (یعنی اَب دیکھ کیا ہوتا ہے) تھوڑی دیر نہ گذری تھی کہ قومِ کلال کے درمیان سخت لڑائی اَور جنگ وجدل واقع ہوئی۔ چُونکہ حضرتِ اسما کے درمیان تنازع مشاہدہ کیا تھا اِس لیے قبل از وقت آگاہ ہو کر اِطلاع دی۔ مَیں نے کہا تمہیں اِس سے کیا فائدہ ہوا۔ تم اَور وُہ شخص جو اِس چیز پر قبل از وقوع مطلع نہیں ہوا برابر ہو۔

عبادت سے ملائکہ کی تولید

ایک روز میں باہر سے آرہا تھا مجھے راستہ میں جاتا ہوا مِلا۔ جب قریب آیا تو آہستہ سے کہنے لگا "اَج تھوڑے نظر آندے ہن" (یعنی آج تھوڑے نظر آرہے ہیں) یہ ملائکہ کی طرف اِشارہ تھا۔ مَیں نے اُس روز اسمائے جلالیہ کا وِرد کیا تھا جن سے ملائکہ کا تولّد اجمالی ہوتا ہے لہٰذا اُسے پہلے کی نسبت تھوڑے نظر آرہے تھے اَور وُہ کہہ رہا تھا کہ آج تمہاری عبادت سے ملائکہ کم پیدا ہُوئے ہیں۔

ترکِ اشغال بمعنی عدمِ تخت نشینی

پھر فرمایا یہاں ایک اَور مجذوب رہتا تھا جو افیون پانی میں گھول کر پیا کرتا تھا اَور درجہ میں متذکرہ بالا سفید ریش سے اُونچا

تھا۔ وُہ ایک روز میرے پاس آیا اور کہنے لگا آج تخت توں لہہ کے تلے بیٹھے ہو۔ یعنی آج تخت سے اُتر کر نیچے بیٹھے ہو۔ اُس روز میں اپنے اشغال ترک کر کے بعض آدمیوں سے باتیں کرنے میں مصروف ہو گیا تھا۔ پھر فرمایا کہ ایک اور درویش یہاں رہتا تھا اور لنگر کے برتن صاف کیا کرتا تھا۔ وُہ اِن دونوں کی نسبت بلند پرواز تھا۔ ایسے لوگوں کی طرف کسی شخص کی توجہ نہیں ہوتی اور حقیقت میں وُہ بڑے رُوحانی مرتبوں کے مالک ہوتے ہیں ؎

خاکساران جہاں را بحقارت منگر
تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

مولویت کے لیے چار کتابوں کا مطالعہ ضروری ہے

پھر اپنے ایک درویش کو مُخاطب کر کے فرمایا کہ علم حقیقت میں اِسے کہتے ہیں نہ وُہ جو تم پڑھتے ہو۔ اور یہ علم حاصل نہیں ہوتا جب تک چار کتابیں نہ پڑھی جائیں۔ پہلی کتاب ہے خود حضرتِ اِنسان۔ دوئم عالم یعنی تمام عالم کو اپنے وجُود میں مشاہدہ کرنا سوئم حضرتِ اسما یعنی ہر اسم کا اِرتباط اعیانِ ثابتہ کے ساتھ اور چہارم ذاتِ بحت۔ اگر یہ چار کتابیں پڑھ لے تو اِنسان مولوی کہلانے کا مستحق ہوتا ہے ورنہ نہیں ؎

مولوی گشتی و آگاہ نیستی — خُود کُجا و از کُجا و کیستی
اے عالمِ دانا کہ بدیں علم غرُوری — نزدیکِ بمطلوب نئی بلکہ تو دُوری
تا خانۂ دِل را نہ کنی مخزنِ توحید — حق را نہ شناسی تو بدیں کنز و قدُوری

ایک مجذوب جو اپنے تئیں تلاش کرتا تھا اور نہیں پاتا تھا

ایک روز فرمایا کہ خوشاب میں ایک فقیر شادا نامی دیکھا گیا۔ جس پر ایسی حالت تھی کہ از خُود رفتہ ہو چکا تھا۔ اپنے آپ کو تلاش کرتا تھا مگر نہیں پاتا تھا۔ چنانچہ اپنے تئیں آواز دے کر پُکارتا تھا کہ "او شادا۔ او شادیا" پھر کچھ دیر بعد خود ہی جواب دیتا تھا کہ "شادا نہیں۔ شادا نہیں"

سخن در فضیلت اہلبیتِ کرامؓ

ایک روز اہلبیتؓ کرام کی شان میں سخن جاری ہُوا تو فرمایا حضرت شیخ عطار رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث کی روایت کی ہے کہ مَنْ اٰمَنَ بِمُحَمَّدٍ وَلَمْ یُؤْمِنْ بِاٰلِہٖ فَلَیْسَ بِمُؤْمِنٍ (جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا مگر آپ کی آل کو نہ مانا وُہ مومن نہیں) اور شیخ عطار وُہ بزرگ ہیں جن کی شان میں مولانائے رُوم کا اِرشاد ہے کہ ؎

ہفت شہرِ عشق را عطار گشت — ما ہنوز اندر خمِ یک کوچہ ایم

حسنینؓ کے ابنائے رسُول اللہؐ ہونے کا قرآنی ثبوت

فرمایا بنی اُمیہ میں سے کسی نے ایک روز تعریضاً حضرت امام حسن علیہ السّلام سے سوال کیا کہ آپ کو ابنِ رسُول اللہ کیوں

کہتے ہیں ابنِ علیؓ کیوں نہیں کہتے؟ آپ نے جواب دیا کہ ہمارا یہ لقب قرآن سے ثابت ہے۔ تمہیں چونکہ قرآن کی سمجھ نہیں اس لیے یہ اعتراض لائے ہو۔ آیتِ مباہلہ قُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَكُمْ (کہیے آؤ ہم اپنے بیٹوں کو لاتے ہیں تم اپنے بیٹوں کو لاؤ) میں اَبْنَآءَنَا (ہمارے بیٹے) کون تھے؟ کیا اُس وقت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹوں کی سلک میں میرے اور میرے بھائی حسینؓ کے سوا کسی اور کو میدانِ مباہلہ میں لے گئے تھے؟

دُنیا مومن کا قیدخانہ اور کافر کی جنت ہے

فرمایا ایک روز حضرت امام حسن علیہ السلام گھوڑے پر سوار جا رہے تھے ایک مبتلائے غربت یہودی نے سوال کیا کہ آپ کے عظیم المرتبت نانا نے فرمایا تھا اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّۃُ الْکَافِرِ (دُنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے اور کافر کے لیے جنت) لیکن اس دُنیا میں آپ مومن کہلا کر شاندار لباس میں ملبوس اور قیمتی گھوڑے پر سوار ہیں اور میں آپ کے نزدیک کافر ہو کر ذلت اور مسکنت میں مبتلا ہوں۔ پس یہ دُنیا مومن کے لیے دوزخ اور کافر کے لیے جنت کیوں کر ہوئی؟ حضرت امام نے فرمایا کہ میرے جدِ پاک کا ارشاد عین حق ہے لیکن تجھے کفر اور جہالت محیط ہے اور فہم اور علم نصیب نہیں۔ اب اس ارشاد کا بیان میری زبان سے سُن۔ تو جس فنا پذیر آسودگی میں مجھے دیکھ رہا ہے یہ اُن نعماتِ الٰہیہ کے مقابلہ میں جو آخرت میں میرے لیے تیار کی گئی ہیں یعنی انواعِ منازل مقامِ کریم جنات الفردوس اور دیدارِ پروردگار کی لذت، گویا زندان کا حکم رکھتی ہے اور تیرے لیے جو درکاتِ آخرت میں تیار ہیں یعنی عذابِ شدید اور مارِ صدید اور غضبِ خدا اور حرمانِ مدید۔ اُن کے مقابلے میں تیری یہ موجودہ زندگی بھی جنت کا حکم رکھتی ہے۔

ایک روز فرمایا کہ جب خارجی حدیث شریف اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا (میں علم کا شہر ہوں اور علیؓ اُس کا دروازہ ہے) کی صحتِ نقلی سے انکار نہیں کر پاتے تو کہہ دیتے ہیں کہ یہاں عَلِیٌّ کے معنی ہیں بلند یعنی علم کے شہر کا دروازہ بہت بلند ہے۔

حضرت مولا علیؓ کا انبیائے کرام سے تعلق

ایک روز تمثیل کے پیرایہ میں فرمایا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اقلیم نبوت کے شہنشاہ ہیں، اور دیگر انبیاء علیہم السلام نبوتِ تامّہ میں حضور کی طرف سے ذمہ دار اور جواب دہ ہیں۔ اور اُن کی مثال بادشاہوں کی ہے۔ حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہٗ کا تعلق حضور نبی کریمؐ کے ساتھ گویا وزیر دربار اور میر منشی کا ہے۔ اور اگرچہ بادشاہ مرتبہ میں وزیر اور میر منشی سے فوقیت رکھتے ہیں لیکن چونکہ شہنشاہ کے ساتھ اُن کے رابطہ میں وزیر دربار کا واسطہ رہتا ہے لہٰذا بادشاہوں کو بھی اُس کی ذات کے ساتھ خاص رابطہ اور تعلق رکھنا پڑتا ہے۔ اور اُن کے دلوں میں اس کے لیے ایک امتیازی وقعت اور توقیر پیدا ہو جاتی ہے۔

اعلیٰ جو علیؓ کی امامت کا ہے مقام — کیا جانیں گے لے ذوق بجز خواص۔ عوام
پُوچھے کوئی اُن سے کہ وہ کیسا تھا امام — جو لوگ صفِ اوّل میثاق میں تھے

ابدال اور نقباء کی منازل اور کیفیات کا بیان

ایک روز فتوحاتِ مکیہ کے سبق میں ابدال کے متعلق فرمایا کہ ہر زمانہ میں سات ابدال موجود رہتے ہیں جو اقالیم سبعہ کے قطب

ہوتے ہیں۔ صاحبِ اقلیمِ اوّل برقدمِ خلیل علیہ السّلام۔ دوم برقدمِ کلیم علیہ السّلام۔ سوم برقدمِ ہارُون علیہ السّلام۔ چہارم برقدمِ ادریس علیہ السّلام۔ پنجم برقدمِ یُوسف علیہ السّلام۔ ششم برقدمِ عیسٰی علیہ السّلام اَور ہفتم برقدمِ آدم علیہ السّلام۔ اَور شیخ اکبرؒ فرماتے ہیں کہ کبھی نقباء کو ابدال بنایا جاتا ہے اَور وُہ تعداد میں بارہ ہیں نہ کم ہوتے ہیں نہ زیادہ اَور اُن کی خاصیت بروجِ افلاک میں کواکب کے خواص اَور اسرار اَور تاثیرات کے مُطابق ہوتی ہے۔ وُہ اِنسانی افکار اَور احوال کو متاثّر کرتے ہیں۔ شیطان اُن کے سامنے مکشوف ہوتا ہے اَور وُہ اُس کے حالات سے اِس قدر باخبر ہوتے ہیں کہ شیطان کو خود اپنے نفس میں اُس کی خبر نہیں ہوتی۔ وُہ سعید اَور شقی کے نقشِ قدم کو شناخت کرتے ہیں اَور کبھی رجبیون ابدال کہلاتے ہیں اَور اِن کی تعداد چالیس ہے۔ اَور یہ سارا سال سفر میں رہتے ہیں مگر رجب کے مہینے میں قیام اِختیار کرتے ہیں۔ جب رجب آتا ہے تو ان پر ثقلِ عظیم وارد ہوتا ہے جس میں پہلے روز وُہ ایک اُنگلی تک نہیں ہِلا سکتے۔ دُوسرے روز ثِقل کم ہونے لگتا ہے اَور تیسرے روز بالکل ختم ہو جاتا ہے۔ اِس ماہ میں اِن پر خاص کشف وارد ہوتا ہے جو بعض اَوقات سال بھر باقی رہتا ہے۔

حضرت شیخ اکبرؒ فرماتے ہیں کہ میں ان میں سے ایک صاحب سے ملاقی ہوا، جن کا کشف سال بھر باقی رہا تھا۔

دیوانِ حافظؒ کے دو اشعار کی تشریح

حضرتؒ نے دیوانِ خواجہ حافظؒ کے دو اشعار کی تشریح سبق کے دوران ایک مرتبہ اس طرح فرمائی:-

۱۔ شبِ تاریک و بیمِ موج و گردابے چُنیں حائل
کُجا دانند حالِ ما سُبک سارانِ ساحل ہا

یعنی ہمارا حال مشاہدۂ تجلّیاتِ لُطف و قہر و درد اَور حالاتِ رجا و خوف میں اُس شخص کی طرح ہے جو ایک تاریک رات کے اندر بحرِ مُحیط کے گردابِ بلا میں گِر پڑا ہو۔ پس اُس کی حالت کا اندازہ وُہ لوگ نہیں کر سکتے جو ساحل پر کھڑے ہوں۔ اِسی طرح سُبکسارانِ ساحل یعنی مجذُوبانِ محض اَور زاہدانِ غیر مجذُوب ہمارے حال سے آگاہ نہیں ہو سکتے۔ اَور اِس سخن کی تفصیل یہ ہے کہ

درویشوں کی چار قسمیں (مجذُوبِ محض، زاہدِ خشک، مجذُوب سالک اَور سالک مجذُوب)

درویش چار قسموں کے ہوتے ہیں۔ اوّل مجذُوبانِ محض جو جاذبۂ غیب کی کشش سے مغلوبِ حال ہو کر اوامر و نواہی سے بے خبر ہو گئے۔ جیسے کوئی شخص بادشاہ پر عاشق ہو کر اُس کے جمال کی دید میں مستغرق ہو جائے اَور بارگاہِ سُلطانی کے آداب کی بجا آوری کا کچھ خیال اُس کے دل میں باقی نہ رہے۔ یہ منزل مسلکِ انبیائے کرام کے عدمِ توارث کے باعث ناقص ہے۔ دوئم۔ زاہدِ خشک بلا جذب و اثرِ عشق جو محض زُہد اَور عبادت میں مصرُوف رہے اُس شخص کی مانند ہے جو صرف آدابِ شاہانہ کی پاسداری میں مشغُول ہے اَور جس نے وسیلے کو مقصُود سمجھ رکھا ہے اَور جو بادشاہ کے جمالِ جہاں آرا سے بے حظ اَور بے بہرہ رہتا ہے۔ قسمِ سوم مجذُوب سالک جس کا جذب سلوک پر مقدّم ہو اَور قسمِ چہارم سالک مجذُوب جس کا سلوک جذب پر مقدّم ہوتا ہے۔ یہ دونوں اقسام انبیائے کرام کے وارث ہیں اَور یہ درجات مشائخِ عظام کو نصیب ہوتے ہیں۔ اَور اِن دونوں طریقوں کا حصُول

قطع نظر دیگر اسباب کے سلاسل فقر پہ منحصر ہوتا ہے۔ خاندانِ نقشبندیہ میں جذب سلوک پر مقدم ہوتا ہے۔ انہیں اوّل قلبِ مُرشد کی توجہ سے جذب حاصل ہوتا ہے اور اُسی کی کشش سے منازلِ سلوک طے کرتے ہیں لیکن اس جذب کو زوال کا خطرہ لاحق رہتا ہے کیونکہ اس کا حصُول قلبِ مُرشد کی توجہ پر منحصر ہے۔ جس وقت یہ توجہ علیحدہ ہوجائے معنی مفقود ہوجاتا ہے۔ خاندانِ چشتیہ اور قادریہ میں جذب آخر میں آتا ہے اور اُسے اپنی مشقت اور کسب سے حاصل کرنا پڑتا ہے۔ پس یہ جذب بطور ملکہ مزاج میں راسخ ہوکر خطرۂ زوال سے محفوظ ہوجاتا ہے۔

۲۔ حضُوری گر ہمے خواہی ازو غائب مشو حافظ

متٰی ما تلق من تھویٰ دعِ الدّنیا واھملھا

اے حافظ اگر حضُوری دوام چاہتا ہے تو خود اُس سے غائب نہ ہو اور کسب اور مشقت سے دل کو دوست کے ذکر میں مشغُول رکھ۔ اور دُنیا کو چھوڑ دے۔

انواعِ ذکر (دل[۱] غافل اور زبان شاغل غفلت[۲] اور شغل مُساوی غفلت[۳] کم اور شغل زیادہ)

ذکر اور یاد چند نوع پر مشتمل ہے:۔

اوّل دل غافل اور زبان شاغل۔ یہ ذکرِ لسان ہے اور اہلِ دل کے نزدیک اس کی کچھ قدر نہیں۔ کیونکہ زبان محض آلۂ تعبیر ہے اور مدارِ کارِ معانی کے وُرود پر منحصر ہے اور وُہ ہے قلب۔

دوئم کہ غفلت اور شغل مُساوی ہوں یعنی کسی وقت دل ذاکر ہو کسی وقت نہ ہو۔ اسے ذکرِ قلبی کہتے ہیں اور قلب کو اسی وجہ سے قلب کہتے ہیں کہ ایک حال پر نہیں رہتا بلکہ مقلوبیّت اور تبدیلِ احوال میں ہوا کے اندر درخت کے پتّے کی طرح ہے۔

یہاں قلب سے مراد دلِ معنوی ہے جو حقیقتِ جامعہ اور نفسِ ناطقہ کا حکم رکھتا ہے نہ کہ دلِ صنوبری جو ایک مضغۂ گوشت ہے اور حضورِ دلِ معنوی کے بغیر ہیچ ہے اور اس پر اکتفا اور انحصار فضول۔

سوئم یہ کہ غفلت کی نسبت دل کا ذکر اور توجہ زیادہ ہو اس کو ذکرِ رُوح کہتے ہیں اور یہی ذکر بتدریج ذکرِ سِرّ و خفی اور ذکرِ اخفیٰ تک پہنچتا ہے۔

اس شعر کے مصرعۂ اوّل میں بظاہر خلل ہے جس کا ذکر شارحین نے بھی نہیں کیا۔ حضُوری اور ازو غائب نہ بُودن۔ ایک ہی چیز ہیں یعنی اگر تو حضُوری کا خواہش مند ہے تو حضوری کر۔ یہاں شرط اور جزا کے معنی میں جو تغائر ضروری ہے وُہ نہیں رہتا۔ اِس خلل کا دفع ان معنی میں ہوسکتا ہے کہ حضُوری سے مُراد ہے حضُورِ دوام کا ملکہ۔ اور ملکہ اُس قوّتِ راسخہ کو کہتے ہیں جو کسب اور مشقّت کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ جیسے ایک طالبِ علم نحو کے مسائلِ جزیئہ کو نوکِ زبان یاد کرتا ہے اور انہیں وِرد بنالیتا ہے اور رفتہ رفتہ اِس شغل میں اُسے ملکہ پیدا ہوجاتا ہے جو زائل نہیں ہوتا اور ہر وقت اِن قواعد کا اجرا کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح جو حضور ریاضات سے پیدا ہوتا ہے دوامی ہوتا ہے۔

صحابہؓ کرام کا حضورِ دوام

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حصُولِ صحبتِ نبوّت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے نُورِ قلب کے عکس سے مُنوّر

ہونے کے باعث حضورِ دوام کی نعمت حاصل تھی۔ اُس زمانِ سعادت اِقتران کے ختم ہونے پر اِس معنیٰ کے حصُول کے لیے حیلے اور طریقے اِستخراج کیے گئے۔ اور ولی اگرچہ وارثِ نبیؐ ہے اور اُسی شمع سے نُور حاصل کرتا ہے مگر یہاں ظلّیت کا تنزّل حائل ہے اور ظاہر ہے کہ عین اور ظل میں بڑا تفاوت ہے۔

مصرعۂ ثانی میں مَتیٰ مَاتَلْقَ سے مُراد ہے مَتیٰ تُرِیْدُ لِقَائَہٗ (جب تُو ارادہ کرتا ہے اُس کی لقا کے لیے) گویا ترکِ دُنیا بمنزلۂ شرط ہے لقائے محبُوب کے لیے، اور ایسا کرنا لقا سے قبل اِتنا ہی ضرُوری ہے جیسا نماز کے لیے وضُو۔

تصوّرِ شیخ اور رابطہ فی الصّلوٰۃ

تصوّرِ شیخ اور رابطہ فی الصّلوٰۃ کے متعلّق ایک قلمی اِستفسار کا جواب دیتے ہُوئے فرماتے ہیں:-

مکرّمی حفظک اللہ۔ دُعا و سلام

اِس قصّہ کا طے ہونا بحوالاتِ کُتب نامُمکن ہے۔ لسانِ شرع حسب ظاہر تصریح تصوّر سے ساکت ہے اور عند التّحقیق اِس پر کوئی قباحتِ شرعیہ لازم نہیں خصُوصاً تصوّرِ برقعیہ پر یعنی بعد خلع تعیّن خود صُورتِ شیخ کو بُرقعہ کی طرح اپنے پر لے لینا کہ اِس صُورت میں متعیّن و مقصُود بہ تعیّن صُورتِ شیخ عابد ہوگا نہ معبُود۔ چنانچہ تقابل میں بھی حسب کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ معیّت اور مصاحبت ہی ہے نہ معبُودیّت۔ زیادہ دُعا و استدعا۔

مسائلِ معجزات و کرامات

مسائلِ معجزات و کرامات کی بحث میں فرماتے ہیں کہ اِن مسائل کو عقلِ فلسفی کے حوالے نہیں کرنا چاہیئے۔

اِس جہان میں احکامِ الٰہی دو وجہ پر جاری ہوتے ہیں۔ ایک موافقِ عادت جو کثرت سے ہوتے ہیں اور دُوسرے خلافِ عادت جو کم ہوتے ہیں۔ اہل اللہ کے تصرّفات کی حقیقت کو سمجھنا ہر کسی کا کام نہیں۔ اگر کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو اِنکار کے درپے نہیں ہونا چاہیئے۔ اسمائے حُسنیٰ یعنی ننانوے اسمائے الٰہی سالک کی صِفت بن جاتے ہیں پس وُہ بطورِ ظلّیت صفات رزّاقیت، رحمانیت اور قہّاریت وغیرہ پر متصرّف ہوتا ہے۔ اِن حضرات پر عالمِ اسباب کے اسباب کا بدل دینا کچھ مشکل نہیں ہوتا پس سالک پر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اُس کی نظر سمُومِ دوزخ کو حرام کر دینے کا باعث ہو جاتی ہے اِس کی مؤیّد وُہ حدیثِ قدسی ہے جس میں اِرشادِ باری ہوتا ہے کہ میرا بندہ مجھ سے اِتنا قُرب حاصل کر لیتا ہے کہ میں اُس کی سمع اور بصر ہوتا ہُوں۔ بلکہ میں اُس کا داہنا ہاتھ بن جاتا ہُوں اور وُہ میرے ذریعے گرفت کرتا ہے۔

باہمی اخلاص اور آشنا پرستی

فرمایا باہم اخلاص اور محبّت و اُلفت کا ہونا اہلِ اِسلام کی اعلیٰ صفات میں سے ہے۔ بلکہ دوستی اور شفقت کے سِلسلہ کا قیام سب سے پہلے اِسلام میں پیدا ہوا ہے۔ ہمارے نبی حضُور سیّد الکونین محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم میں آشنا پرستی کا وصف دیگر انبیاء علیہم السّلام سے بڑھا ہوا ہے۔ چنانچہ اپنی اُمّت کے افراد کے لیے دُنیا میں کثرتِ استغفار اور آخرت میں اُن کی شفاعت حضُورؐ کی اسی کمالِ شفقت و عنایت کی وجہ سے ہیں۔ جب پُلصراط پر انبیاء علیہم السّلام "ربّ سلّم ربّ سلّم"

کہیں گے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم "اصحابی" و "اُمّتی" فرمائیں گے۔ افسوس کہ اِس زمانہ میں بوجہ غُربتِ اِسلام یہ صِفت مُسلمانوں میں مفقود ہوگئی ہے۔

جلالِ کعبۃُ اللہ

فرمایا۔ سُبحان اللہ۔ کعبۃ اللہ کی کیا عظیم شان ہے کہ وہاں پہنچ کر خواص اولیاء اللہ بھی ایک عام انسان کی طرح نظر آتے ہیں۔ جس وقت اَولیاء اللہ مکّہ معظمہ کی حدُود میں داخل ہوتے ہیں تو کعبہ شریف کے جلال اور انوار کے اِستیلا کے باعث اُن کے انوار اِس طرح مدھم پڑجاتے ہیں کہ ولی اور غیر ولی کی شناخت مشکل ہوجاتی ہے۔ وہاں ہزارہا اولیاء اللہ کی قبوُر ہیں مگر کوئی نہیں جانتا کہ کون ہے۔ اِلّا ماشاء اللہ۔ اور یہ چیز بباعثِ کمالِ اِستیلائے اجلالِ کعبہ ہے۔

پیرانِ کلیر پر جلال کی کیفیّت

پیرانِ کلیر شریف کے عُرس سے واپسی پر فرمایا کہ حضرت خواجہ علاء الحق والدّین صابر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف پر جلال کی وُہ کیفیّت ہے کہ عقل اور حواس تحیّر میں آجاتے ہیں۔ ایسا جلال اور کہیں نظر نہیں آیا بجُز مدینہ شریف کے مگر وہاں جلال اور جمال دونوں وارد ہوتے ہیں اور یہاں جلال غالب ہے۔ کِسی شخص کے ہوش بجا نہیں رہتے۔ ہر شخص گریہ وزاری اور آہ ونالہ میں مُبتلا نظر آتا ہے۔ بلکہ عوام پر بھی سوز وگداز کی کیفیّت طاری ہوجاتی ہے اور یہ سب حضرت خواجہؒ کے جذبۂ عِشق کا اثر ہے۔

ایک درویش کی سرکارِ بغدادؓ کے اِرشاد پر بیعت

غالباً ۱۹۰۳-۰۴ء کا واقعہ ہے ایک سفید رِیش بزرگ آئے اور بیعت کے لِیے عرض کیا۔ اُس وقت آپ عصر کی نماز کے بعد حسبِ معمُول سواری کے لِیے باہر تشریف لے آئے تھے اور گھوڑا تیار تھا۔ فرمایا "آپ بزرگ آدمی ہیں کسی باخدا ہستی سے یہ تعلّق پیدا کیجیے میں تو ایک چابک سوار آدمی ہوُں۔" اُنھوں نے کہا "میں سیدھا بغداد شریف سے آرہا ہوُں اور سرکارِ بغدادؓ کے حُکم کی تعمیل میں حاضر ہوا ہوُں۔ مجھے یہ جگہ دِکھائی گئی آپ کا نام بتایا گیا۔ آپ کی صُورت دِکھائی گئی۔ اب اگر جناب کی مرضی نہیں تو واپس جاکر عرض کر دیتا ہوُں۔" حضرتؒ نے یہ سُن کر بیعت فرمایا اور وظائف بتائے اور فرمایا "خُدا جانے میرے ساتھ بیعت کرنے سے آپ کو فائدہ ہوگا یا نہیں مگر مجھے آپ سے فائدہ حاصل ہوگیا ہے۔ الحمد للہ سرکارِ بغدادؓ میں یہاں کی یاد تو ہے۔"

آپؒ سے ایک کِسان مُرید کی گفتگو

شاہ پُور کا ایک کِسان مُرید حاضر ہوا۔ آپؒ نے دریافت فرمایا "کہاں سے آئے ہو؟" عرض کیا "پچھلے سال آپؒ کا مُرید ہوگیا تھا اگر آپ یہاں نہیں پہچانیں گے تو اگلے جہان میں کیسے پہچانیں گے؟" مُسکرا کر اُسی کی زبان میں فرمایا "جے تُوں مینوں پچھان لیاتاں میں وی تینوں پچھان لیساں" (یعنی اگر تم نے مجھے پہچان لیا تو میں بھی تمہیں پہچان لُوں گا) پھر اہلِ مجلس کی طرف دیکھ کر آیت

فَاذْكُرُوْنِیْ اَذْكُرْكُمْ اور حدیث اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ تلاوت فرمائی (ترجمہ آیت۔ تم مجھے یاد کرو تو میں بھی تمہیں یاد کروں گا) (ترجمہ حدیث۔ انسان اُس کے ساتھ ہوگا جس سے وُہ محبّت کرتا ہے)

سُورۂ یٰسین کے وظیفہ کی ترکیب

پشاور میں ایک نابینا حافظ صاحب نے حاضر ہو کر تسخیر کے لیے کوئی عمل طلب کیا۔ فرمایا کہ تسخیر تو پہلے ہی ہو چکی ہے اور یہ آیت تلاوت فرمائی "هُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ (اللہ تعالیٰ وُہ ذات ہے جس نے تمہارے لیے مسخر فرما دیا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے) پھر فرمایا کیا "بوستان" پڑھی ہے؟ اور یہ شعر پڑھا۔

تو ہم گردن از حکم داور مپیچ
کہ گردن نہ پیچد ز حکمِ تو ہیچ

(تو خدا کے احکام سے گردن نہ موڑ تاکہ تیرے حکم سے کوئی چیز گردن نہ موڑے)

پھر فرمایا اگر اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے کوئی وظیفہ مانگتے ہو تو نمازِ فجر کے بعد سُورۂ یٰسین شریف پڑھا کرو۔ اس طرح کہ کلمہ یٰسین پانچ مرتبہ پڑھنا۔ سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ سولہ مرتبہ اور آخری آیت فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ (الیٰ آخرہٖ) تین مرتبہ پڑھا کرنا۔

ایک پیرزادہ کو نصیحت

پیرانِ عظّام کے خاندان میں سے ایک بزرگ زادہ کو بعیت اور تلقینِ وظائف سے مشرّف فرما کر اس طرح ہدایت فرمائی جب تک اپنے سر سے بزرگی کی بُو نہیں نکالو گے بارگاہِ بزرگِ حقیقی میں کبھی باریابی حاصل نہیں کر سکو گے۔ انسان کے شرف کا اعتبار حسب میں ہے نہ محض نسب میں۔ درویش کبھی اپنی ذات میں نظر نہیں کرتے بلکہ ہر کہ و مہ کو اپنے سے بہتر سمجھتے ہیں حدُودِ شرعیہ کی پاسداری کو نگاہ رکھنا۔ نمازِ پنجگانہ اور وظائف قضا نہ کرنا۔ بہتیرے لوگ محض اس لیے خالی اور خشک رہ جاتے ہیں کہ ہر وقت اپنی خودی اور فخر پر نظر رکھتے ہیں۔"

در شاہراہِ جاہ و بزرگی خطر بسے است
آں بہ کزیں گریوہ سُبک سار بگذری

سُورۂ یٰسین و مُزّمّل اور چہل کاف کے وظائف کی ترتیب

ایک طالب کو حسبِ ذیل ترتیب سے سُورۂ یٰسین شریف اور چہل کاف کے وِرد کی اجازت عطا فرمائی تھی:-
سُورۂ یٰسین شریف سات بار یومیہ مُبِینِ اوّل سات بار۔ سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ سولہ بار۔ آیت۔ اَوَلَمْ یَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ سے آخر سُورہ تک تین بار۔
چہل کاف۔ گیارہ بار قبل از وتر۔ اور اگر برائے چلّہ ہو تو چالیس روز یومیہ اکتالیس بار پڑھا جائے اس کے بعد روزانہ گیارہ بار وِرد رکھے۔ ایامِ چلّہ میں روزہ رکھے۔ اور گوشت وغیرہ ثقیل غذا سے پرہیز رکھے۔

اور سورہ شریف مزمل کی اجازت ایک درویش کو اس ترتیب سے عطا فرمائی کہ بعد از نماز فجر تین بار پڑھے آیت رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا۔ کا تین بار تکرار کرے اور بعد ازختم چھیاسٹھ مرتبہ یَا وَکِیْلُ پڑھے۔

فرمایا۔ قصیدہ بُردہ شریف کا یہ شعر جناب نبوت میں بہت مقبول ہے۔ جو شخص بعد نماز فجر اسے سات بار صدق دل سے پڑھا کرے گا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُس کی ضرور شفاعت فرمائیں گے:۔

هُوَ الْحَبِيْبُ الَّذِيْ تُرْجٰى شَفَاعَتُهٗ ۔۔۔ لِكُلِّ هَوْلٍ مِّنَ الْاَهْوَالِ مُقْتَحِمِ

ترجمہ وُہی اللہ کے ایسے حبیب ہیں کہ جو آنے والے خوف ہیں اُن میں سے ہر خوف کے وقت اُن کی شفاعت کی اُمید ہے۔

اَوراد اور دم برائے شفائے بخار مزمنہ، وجع مفاصل کرم دماغ وغیرہ

فرمایا امراض مزمنہ بخار وغیرہ کے دفعیہ کے لیے نماز صبح کی سُنّت اور فرض کے درمیان سُورہ فاتحہ معہ بسم اللہ کا پڑھنا نہایت مجرب ہے وجع مفاصل اور کرم دماغ کی امراض کے لیے فرمایا کہ ہر نماز کے بعد سات بار سورۂ فاتحہ شریف پڑھ کر دائیں ہاتھ پر دم کر کے مقام مرض پر ہاتھ پھیرنا چاہیئے۔

ایک شخص نے عرض کیا کہ میرے سینے میں سوزش رہتی ہے۔ فرمایا ہر نماز کے بعد تین مرتبہ سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کیا کرو۔ چُنانچہ یہ شخص چند ہی روز میں اچھا ہو گیا۔

ایک دائمی اور مایُوس بیمار حاضر ہوا۔ فرمایا کہ مقام مرض پر انگشتِ شہادت رکھ کر یہ کلام پڑھ کر دم کیا کرو اِنشاء اللہ شفا پاؤ گے۔ اَعُوْذُ بِعِزَّةِ اللّٰهِ وَقُدْرَتِهٖ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ وَاُحَاذِرُ۔

تعویذ برائے جُملہ حاجات

ضلع کوہاٹ کے گروہ عُلماء وصُوفیاء میں سے ایک صاحب نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ ایک ایسے تعویذ کی اجازت دیجئے جو جُملہ امراض اور حاجات کے لیے مُفید ہو فرمایا یہ نقش مثلث از اِسمِ ذات ہر حاجت کے لیے مُفید ہے۔ اس کی اجازت ہے۔

یا اللہ	یا اللہ	یا اللہ
یا اللہ	یا اللہ	یا اللہ
یا اللہ	یا اللہ	یا اللہ

وظیفہ برائے فراغتِ معاش

ایک شخص نے فراغتِ معاش کے لیے وظیفہ پُوچھا۔ فرمایا۔ نمازِ عشاء کی دو رکعت سُنّت اور وتروں کے درمیان ایک ہزار بار "یَا وَهَّابُ" پڑھا کرو۔

دُرود مستغاث شریف کا وِرد

دُرود مستغاث شریف کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ اس کلام میں عجیب اثر ہے اور بہت مُفید ہے اور اس کے

روزانہ وِرد کے لیے تاکید فرماتے تھے۔

وظیفہ برائے حفظ وامان

ایک طالب کو مندرجہ ذیل کلمات کی تلقین فرمائی تھی جو صبح وشام ایک یا چند مرتبہ پڑھ لینے سے حفظ وامان کے لیے مجرّب ثابت ہُوئے ہیں۔ ایک کتاب میں ان کی یہ تاثیر بیان کی گئی ہے کہ چوری اور ہر قسم کے نقصانِ مال اور حادثات سے حفاظت رہتی ہے۔

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ ۔ بِسمِ اللّٰہِ مَاشَآءَ اللّٰہُ لَایَسُوقُ الخَیرَ اِلَّا اللّٰہُ ۔ بِسمِ اللّٰہِ مَاشَآءَ اللّٰہُ مَایَصرِفُ السُّوٓءَ اِلَّا اللّٰہُ ۔ بِسمِ اللّٰہِ مَاشَآءَ اللّٰہُ وَمَابِکُم مِّن نِّعمَۃٍ فَمِنَ اللّٰہِ ۔ بِسمِ اللّٰہِ مَاشَآءَ اللّٰہُ لَا حَولَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ العَلِیِّ العَظِیمِ ۔

وِردِ خاص

ایک روز ایّامِ سفر میں ایک خاص تاثیر کے وقت از خُود حاضرین کو اس کلام کے وِرد کی عام اجازت فرمائی اور فرمایا کہ حاضرین اسے غائبین تک پہنچا دیں۔ سُبحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمدِہٖ اَستَغفِرُ اللّٰہَ ۔ اَستَغفِرُ اللّٰہَ رَبِّی مِن کُلِّ ذَنبٍ وَّاَتُوبُ اِلَیہِ ۔

محبّتِ الٰہی کے لیے وظیفہ

ایک مُبتدی کاروباری آدمی کو محبّتِ الٰہی کے حصُول کے لیے تلقین فرمائی کہ سُورۃ فاتحہ، آیت الکرسی اور سُورۃ اخلاص سات سات مرتبہ، اوّل آخر ایک ایک بار درُود شریف، نمازِ فجر کی دو سُنّت سے پہلے اور نمازِ عصر کے بعد پڑھا کرو۔ اور کاروباری مصروفیتوں میں چلتے پھرتے ہُوئے پڑھ لو تو مضائقہ نہیں۔

کلام اللہ کے وظائف حصُولِ ثواب اور رضائے حق کی نیّت سے پڑھنے چاہئیں

فرمایا بعض لوگ سُورۃ یُوسف شریف کو دُنیوی ثروت وجاہ کے حصُول کے لیے وظیفہ بنا لیتے ہیں لیکن فسادِ نیّت کی وجہ سے فائدہ کم ہوتا ہے۔ قرآن مجید کی سُورتوں اور آیات کا اقتصار محض دُنیوی حاجت براری نہیں۔ انہیں حصُولِ ثواب اور رضائے حق کی نیّت سے پڑھنا چاہیئے۔ پھر دُنیوی حاجات کے حصُول میں بھی ضمناً خاطر خواہ فائدہ ظاہر ہوتا ہے۔

مرگی کی مرض کے لیے دم

ایک شخص کو مرگی کے لیے یہ علاج بتایا کہ سات بار سُورۃ فاتحہ پڑھ کر نمک پر دم کریں اور اسے اس طریقہ سے بیمار استعمال کرے کہ ہر روز طعام سے پہلے اور بعد اور سونے سے پہلے اور جاگنے کے بعد گویا روزانہ چھ بار چکھ لیا کرے۔ اگر مرض میں افاقہ نظر آئے یا بالکل جاتی رہے تو بھی نمک کا استعمال تین ماہ جاری رکھا جائے۔ فرمایا۔ اگر مریض اس عمل پر مداومت رکھے تو انشاء اللہ

اس مرض سے خلاصی پا جائے گا۔

مجموعۂ وظائف و اوراد

حضرت قبلہؒ کے سلاسل شریف قادریہ وچشتیہ کا مجموعہ وظائف ایک عرصہ سے طبع ہو چکا ہے اور آستانہ عالیہ کے کتب خانہ سے معمولی ہدیہ پر مل سکتا ہے۔ اس مجموعہ میں یہ وظائف اور اوراد شامل ہیں :-

اسماء اللہ الحسنیٰ۔ لمعۃ التوحید (الشیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی وغیرہ مشائخ العراق رحمہم اللہ تعالیٰ) دعائے کبیر۔ ہفت روزہ اسبوع شریف سیدنا امام زین العابدینؓ وسیدنا غوث الاعظمؓ۔ درود مستغاث شریف (الشیخ احمد رفاعیؓ) سلسلہ مشائخ چشتیہ نظامیہ۔ قادریہ امامیہ۔ قادریہ جدیدیہ (عربی و اردو منظوم) مسبعات عشر۔ اسماء السبع (من اوراد سیدنا غوث الاعظمؓ) درود شریف کبریت احمر (قادریہ) درود اکسیر اعظم (قادریہ) قصیدہ غوثیہ۔ حزب البحر۔ چہل کاف۔ قصیدہ مضریہ۔ مناجات (فارسی رباعیات درمیان اعتصام سیفی) ادعیہ نماز اشراق۔ استعاذہ۔ استخارہ۔ شکر النہار حق والدین۔ نادِ علیؓ۔ ترتیب ادائے وظائف ونوافل تہجد۔ اشراق۔ سنن عصر۔ اوابین۔ صلوٰۃ العاشقین و ذکر جہر۔ دلائل الخیرات۔

حضرت قبلہ عالمؒ کے سلاسلِ فقر

حضرت قبلہ عالمؒ کا سلسلہ شریف چشتیہ نظامیہ

۱۔ حضور سرور کائنات سید المرسلین خاتم النبیین ابو القاسم محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (وصال ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ)

۲۔ حضرت مولائے کائنات شاہِ ولایت امیر المومنین ابو الحسن علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم (وصال ۲۱ رمضان ۴۰ھ)

۳۔ حضرت خواجہ ابی النصر حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۴ محرم ۱۱۱ھ)

۴۔ حضرت خواجہ ابی الفضل عبد الواحد بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۲۷ صفر ۱۷۰ھ)

۵۔ حضرت خواجہ ابی الفیض فضیل ابن عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۳ ربیع الاول ۱۸۷ھ) مزار جنت المعلیٰ مکہ مکرمہ)

۶۔ حضرت خواجہ سلطان ابراہیم ادھم بلخی فاروقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۲۶ جمادی الاول ۱۸۰ھ مزار بلادِ روم)

۷۔ حضرت خواجہ سدید الدین حذیفہ مرعشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۲۴ شوال ۲۵۲ھ)

۸۔ حضرت خواجہ امین الدین ابی ہبیرہ بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۷ شوال ۲۷۹ھ)

۹۔ حضرت خواجہ ممشاد علو دینوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۴ محرم ۲۹۹ھ)

۱۰۔ سر سلسلہ چشتیہ حضرت خواجہ ابی اسحاق شامی چشتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (مزار شریف عکہ ملک شام، وصال ۳۴۳ھ)

۱۱۔ حضرت خواجہ سید ابی احمد ابدال ابن سلطان فرسنافہ چشتی سید حسنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ولادت ۲۶۰ھ وفات غرۃ جمادی الثانی ۳۵۵ھ مزار قصبہ چشت)

۱۲۔ حضرت خواجہ سید ابی محمد ابن خواجہ ابی احمد ابدال حسنی چشتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ربیع الثانی ۴۱۱ھ مزار چشت)

۱۳۔ حضرت خواجہ سید ناصر الدین ابی یوسف نقوی چشتی خواہر زادہ حضرت ابی محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال

۴۵۹ھ مزار چشت)

۱۴۔ حضرت خواجہ سید قطب الدین مودود ابن حضرت ابی یوسف نقوی چشتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال غرّہ رجب ۵۲۷ھ مزار چشت)

۱۵۔ حضرت خواجہ مخدوم حاجی شریف زندانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۱۰۔ رجب ۶۱۲ھ بعمر ۱۲۰ سال)

۱۶۔ حضرت خواجہ عثمان ہارونی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۵ شوال ۶۱۷ھ مزار مکہ مکرمہ)

۱۷۔ حضرت خواجہ بزرگ سید معین الدین حسن سنجری اجمیری رضوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۶۔ رجب ۶۳۲ھ اجمیر شریف)

۱۸۔ حضرت خواجہ سید قطب الدین بختیار اوشی کاکی تقوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۱۴۔ ربیع الاوّل ۶۳۳ھ مہرولی شریف۔ دہلی)

۱۹۔ حضرت خواجہ فرید الدین مسعود گنج شکر اجودھنی فاروقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۵۶۴ھ تا ۶۵۹ھ ۵ محرم پاک پتن شریف)

۲۰۔ حضرت خواجہ سلطان المشائخ سید نظام الدین محمد بدایونی بخاری رضوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۶۳۴ھ تا ۷۲۵ھ ۱۷۔ ربیع الثانی مزار مضافات دہلی)

۲۱۔ حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ اودھی دہلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۶۷۷ھ تا ۷۵۷ھ ۱۳ رمضان مزار دہلی)

۲۲۔ حضرت خواجہ کمال الدین علامہ دہلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۷۵۶ھ مزار شریف دہلی)

۲۳۔ حضرت خواجہ سراج الدین بن خواجہ کمال الدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۸۱۷ھ مزار پیران پٹن برکات پورہ گجرات)

۲۴۔ حضرت خواجہ علم الدین بن خواجہ سراج الدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۸۹۵ھ مزار پیران پٹن گجرات)

۲۵۔ حضرت خواجہ محمود راجن بن خواجہ علم الدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۹۰۰ھ مزار پیران پٹن گجرات)

۲۶۔ حضرت خواجہ جمال الدین جمن بن خواجہ محمود راجن رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۹۰۸ھ مزار احمد آباد گجرات)

۲۷۔ حضرت خواجہ جمال الدین حسن محمد نوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۹۸۲ھ مزار احمد آباد گجرات)

۲۸۔ حضرت خواجہ قطب شمس الدین محمد بن خواجہ حسن محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۱۰۴۱ھ مزار احمد آباد گجرات)

۲۹۔ حضرت خواجہ یحییٰ مدنی نبیرہ خواجہ محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۱۱۲۲ھ بعمر ۱۱۲ سال مزار جنت البقیع مدینہ منورہ)

۳۰۔ حضرت خواجہ کلیم اللہ جہان آبادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۲۴ ربیع الاوّل ۱۱۴۲ھ مزار دہلی)

۳۱۔ حضرت خواجہ نظام الدین اورنگ آبادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۱۱۴۲ھ مزار اورنگ آباد دکن)

۳۲۔ حضرت خواجہ فخر الدین بن خواجہ نظام الدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۱۱۲۲ھ تا ۱۱۹۹ھ ۱۷۔ جمادی الثانی۔ مزار مہرولی شریف مضافات دہلی)

۳۳۔ حضرت خواجہ نور محمد قبلہ عالم مہاروی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۱۱۴۳ھ تا ۱۲۰۵ھ ۳ ذی الحجہ مزار چشتیاں شریف بہاولپور)

۳۴۔ حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۱۱۸۳ھ تا ۱۲۶۷ھ ۷ صفر۔ مزار تونسہ شریف ضلع ڈیرہ غازیخان)

۳۵۔ حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۱۳۰۰ھ ۲۴۔ صفر۔ مزار سیال شریف ضلع سرگودھا)

۳۶۔ حضرت خواجہ سید پیر مہر علی شاہ قبلۂ عالمؒ۔ گولڑہ شریف حسنی گیلانی (۱۲۷۵ھ تا ۱۳۵۶ھ ۲۹ صفر گولڑہ شریف ضلع راولپنڈی)

سلسلہ شریف قادریہ امامیہ

۱۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم

۲۔ حضرت مولائے مشکل کشا کرم اللہ تعالیٰ وجہہٗ

۳۔ حضرت سیدنا امام حسن مجتبیٰ علیہ وعلیٰ ابیہ و اُمّہٖ وجدّہ الصلوٰۃ والسلام (ولادت ۱۵۔ رمضان ۳ھ وصال صفر ۵۰ھ۔ مزار شریف جنّتُ البقیع مدینہ منورہ)

۴۔ حضرت سیّدنا امام حسین شہیدِ کربلا علیہ السلام (ولادت شعبان ۴ھ۔ شہادت ۱۰۔ محرم ۶۱ھ کربلائے معلّٰی)

۵۔ حضرت سیّدنا امام زین العابدین علیہ وعلیٰ آبائہ السلام (ولادت ۱۵۔ جمادی الأخریٰ ۳۸ھ وصال ۱۸۔ محرم ۷۵ھ، جنّتُ البقیع مدینہ منورہ)

۶۔ حضرت سیدنا امام باقر علیہ السلام (ولادت جمعہ ۳ صفر ۵۷ھ وصال ۱۱۴ھ جنّتُ البقیع)

۷۔ حضرت سیّدنا امام جعفر صادق علیہ السلام (ولادت ۷، ربیع الاوّل ۸۳ھ وصال دوشنبہ ۱۵۔ رجب ۱۴۸ھ جنّتُ البقیع)

۸۔ حضرت سیّدنا امام موسیٰ کاظم علیہ السلام (ولادت یکشنبہ ۷، صفر ۱۲۸ھ، شہادت ۲۵ رجب ۱۸۳ھ کاظمین شریف عراق

۹۔ حضرت سیّدنا امام علی موسیٰ رضا علیہ السلام (ولادت جمعہ ۱۱۔ ذی الحجہ ۱۴۸ھ بقولے ۱۵۳ھ۔ وصال صفر ۲۰۳ھ مشہد۔ ایران)

۱۰۔ حضرت خواجہ معروف کرخی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۲ یا ۲۰ محرم ۲۰۰ھ مزار۔ بغداد کہنہ

۱۱۔ حضرت خواجہ سری سقطی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۳۔ رمضان ۲۵۰ھ گورستان شونیزیہ۔ بغداد

۱۲۔ حضرت خواجہ سیّد الطائفہ ابوالقاسم جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۲۷ رجب ۲۹۷ھ یا ۳۰۲ھ بغداد)

۱۳۔ حضرت خواجہ ابوبکر شبلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ولادت ۲۵۵ھ وصال ۳۴۲ھ بغداد)

۱۴۔ حضرت خواجہ عبدالواحد بن عبدالعزیز تمیمی یمنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۲۶۔ جمادی الثانی ۴۲۵ھ) بقولے اپنے والد کے مرید تھے اور وہ حضرت شبلیؒ کے مرید تھے۔

۱۵۔ حضرت خواجہ ابی الفرح علاء الدین طرطوسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۲ شعبان ۴۴۷ھ طرطوس۔ شام)

۱۶۔ حضرت خواجہ ابی الحسن علی بن محمود القرشی الہنکاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ولادت ۴۰۹ھ وصال ۴۸۶ھ تیونس)

۱۷۔ حضرت خواجہ ابی سعید بن علی المبارک المخزومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۷، شعبان ۵۱۳ھ مزار مدرسہ غوثیہ اعظمیہ بغداد شریف)

۱۸۔ حضور غوث الثقلین محبوب سبحانی سیّدنا ابی محمد محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ولادت یکم رمضان ۴۷۱ھ بمقام گیلان وصال شب شنبہ ۱۱ ربیع الثانی ۵۶۲ھ مدرسہ باب الازج بغداد شریف المعروف باب الشیخ)

۱۹۔ حضرت خواجہ ضیاء الدین ابی النجیب عبدالقاہر سہروردی صدیقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۱۷ جمادی الثانی ۵۶۳ھ بغداد)

۲۰۔ حضرت خواجہ عمادُالدّین بن یاسر اُندلسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۱۶ ربیع الاوّل ۵۸۲ھ)

۲۱۔ حضرت خواجہ ابوالجنّاب نجم الدّین احمد الکبریٰ بن عُمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (شہادت بمقابلہ تاتاریاں بمقام خوارزم ۶۱۸ھ)

۲۲۔ حضرت خواجہ ابُوسعید مجد الدین شرف بن المویّد بن ابی الفتح بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (شہادت بعندیہ خوارزم شاہ بدریائے خوارزم ۶۰۶ھ یا ۶۱۶ھ)

۲۳۔ حضرت خواجہ رضی الدّین علی بن سعید لالاغزنوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۳ ربیعُ الاوّل ۶۴۲ھ)

۲۴۔ حضرت خواجہ نُور الدّین عبد الرحمٰن اسفرانی کسرتی المعرُوف بہ کُبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۱۴ جمادی الاوّل ۷۰۰ھ بغداد)

۲۵۔ حضرت خواجہ رُکن الدّین احمد بن محمد علاؤالدولہ سمنانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ولادت ۶۵۹ھ وصال ۷۳۶ھ سمنان ترکستان)

۲۶۔ حضرت خواجہ شرف الدّین محمُود بن عبد اللہ المزدقانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۲۱۔ رجب ۷۳۶ھ مزار حظیرہ عمادُالدّین عبدالوہاب)

۲۷۔ حضرت خواجہ امیر سیّد علی بن شہاب بن محمد الہمدانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۷۸۶ھ مزار ختلان سرحد بدخشان)

۲۸۔ حضرت خواجہ سیّد اسحاق ختلانی الحسینی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۱۵ ذی الحجہ ۷۸۸ھ ختلان)

۲۹۔ حضرت خواجہ سیّد محمُود نُوربخش اسیری بن یحیٰی بن علی گیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۱۳۔ رجب ۸۵۷ھ پشاور)

۳۰۔ حضرت خواجہ سیّد محمد غوث نُوربخش رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۱۵۔ شوال ۸۹۸ھ کرت پُور گجرات)

اِن کے خلیفہ حضرت خواجہ قطب شمسُ الدّین محمّد بن خواجہ حسن محمد گجراتی پر اس سلسلہ شریف کا سلسلہ چشتیہ نظامیہ سے اتّصال ہو جاتا ہے جس کی تفصیل اُور آئندہ مشائخ کرام کے اسمائے گرامی کا اندراج سلسلہ چشتیہ نظامیہ میں گزُر چُکا ہے۔ یہ سلسلہ شریف اُنتالیسویں کڑی پر حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کی ذاتِ گرامی پر مُنسلک ہوتا ہے۔

اِن کے علاوہ سلسلۂ عالیہ قادریہ جدّیہ، سلسلۂ چشتیہ صابریہ اُور سلسلۂ رفاعیہ میں بھی آپ مجاز تھے۔ اِن سلاسل کی تفصیل بوجہ طوالت یہاں نہیں دی جاتی۔

تیسری فصل

کلامِ منظوم

حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ پنجابی اور فارسی زبان کے ایک نغز گو سخنور تھے۔ آپؒ کا کلام جو نعت مناجات اور تصوف پر مشتمل ہے اپنی سلاست اور انوکھے انداز کی وجہ سے غلبۂ حال کا مرقع معلوم ہوتا ہے۔ کئی طویل نظمیں فی البدیہہ لکھتے یا لکھا دیتے تھے۔ وارداتِ غیبی کی تاثیر سے ایک مرتبہ قافیہ و ردیف سے بے نیاز ہو کر بھی کلام ارشاد فرمایا ہے۔ چنانچہ حضرت قبلہ بابوجی کی طرف ایک مکتوب میں اس قسم کا ایک شعر درج کر کے فرماتے ہیں "لسان الوقت کو قافیہ و ردیف سے غرض نہیں، لہٰذا مجنونانہ مضامین پر عقلا کو مواخذہ کا استحقاق نہیں" حضرتؒ کی بعض پنجابی نظمیں قبولِ عام حاصل کر چکی ہیں۔ اور بے پناہ تاثیر کی حامل ہیں بالخصوص وہ نعت جس کا مطلع ہے "اج سک متراں دی ودھیری ہے کیوں دلڑی اُداس گھنیری ہے" اور دو اور نعتیں ع "اجے بھی اوہ پیاں دسدیاں سانوں ماہی والیاں ٹاہلیاں"۔ اور ع "دل لگڑا بے پرواہاں نال" اِس مُلک میں قوالی کی جان سمجھی جاتی ہیں اور اکثر تقاریب میں اور ریڈیو پر پڑھی جاتی ہیں۔

کبھی کسی اُستاد کا کلام پسند فرماتے تو طبعِ عالی پرواز کر کے اپنے بلند مقام سے جواب کہہ جاتی چنانچہ حضرت سیّد بُلّھے شاہ صاحبؒ نے فرمایا تھا:-

کُن فیکون جداں آکھیا آہا تاں اساں وی کولے آہے	جب اللہ نے کُن فیکون کے الفاظ کہے تھے اُس وقت ہم بھی پاس ہی تھے
ہکے لامکان مکان اساڈا ہکے بُت وِچ آن پھنسیا سے	کبھی لامکان ہمارا ٹھکانہ تھا مگر اب اس پُتلے میں مقیّد ہیں۔
ہکے تُک اسانوں سجدے کردے ہکے خاک وِچ آن رُلیا سے	کبھی ہم فرشتوں کے مسجُود تھے مگر اب خاک میں مِلے ہیں۔
بُلّھے شاہ نفس پلیت نے پلیت کیتا کوئی مُڈھ دے پلیت تاں ناہسے	بُلّھے شاہ اِس نفس کے ہاتھوں ہم رُسوا ہوئے ورنہ ازل سے تو ہم ایسے نہ تھے۔

اس زمین میں ہمارے حضرتؒ کا ارشاد ہے:-

کُن فیکون تاں کل دی گل ہے اساں اگے پریت لگائی	کُن فیکون تو کل کی بات ہے ہم نے اُس سے بہت پہلے پریت لگائی تھی
تُوں میں حرف نشان نہ آہا جدوں دِتّی میم گواہی	"میم" نے اُس وقت گواہی دی جب تیرا میرا نشان بھی نہ تھا۔
اَجے دی سانوُں اوہ پئے دِسدے بیلے بُوٹے کاہی	اُس وقت کے آثار ہمیں اب بھی نظر آ رہے ہیں۔
مہر علی شاہ رَل تاہیوں بیٹھے جداں سِک دوہاں نوُں آہی	اَے مہر علی شاہ دونوں کو ایک دُوسرے کی طلب تھی اِس لیے مِل بیٹھے ہیں

(اس رُباعی میں حضرتؒ نے اَوّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ کے مطالب کی طرف اِشارہ فرمایا ہے جو حضرت امام احمد بن حجرؒ نے مُسند عبدالرزاقؒ سے بروایت حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل کی ہے کہ کہا حضرت جابرؓ نے۔ یا رسُول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلّم) اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کس چیز کو پیدا فرمایا تھا؟ فرمایا۔ سب سے پہلے۔ اَے جابرؓ۔ اللہ تعالیٰ نے تیرے نبیؐ کے نُور کو اپنے نُور سے پیدا کیا۔ اور یہ نُور بقدرت و مشیّتِ

خُداوندی پھر تا رہا جہاں اُس نے چاہا۔ اُس وقت کوئی شے نہ تھی۔ نہ لوح نہ قلم۔ نہ بہشت نہ دوزخ نہ فرشتے۔ نہ آسمان نہ زمین۔ نہ سُورج نہ چاند۔ نہ جن نہ آدمی۔ پھر جب مخلوق پیدا کرنے کا ارادہ ہُوا۔ تو اللہ نے اُس نُور کو چار اجزا پر تقسیم فرمایا۔ پہلے جُزو سے قلم۔ دُوسرے سے لوح اور تیسرے سے عرش کو پیدا کیا۔ اور چوتھے جزو کو پھر چار حِصّوں میں تقسیم کیا گیا۔ پہلے سے آسمان۔ دُوسرے سے زمین۔ تیسرے سے بہشت اور دوزخ پیدا کیے۔ پھر چوتھے حِصّے کو چار حصّوں میں تقسیم کیا گیا۔ پہلے سے مومنین کی آنکھوں کا نُور۔ دُوسرے سے اُن کے دلوں کا نُور۔ تیسرے سے نُورِ توحید لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کو پیدا کیا۔ حضرت سیّد محمد حنفادیؒ حاشیہ پر تحریر فرماتے ہیں کہ چوتھے حصّے سے اَرواحِ انبیاء پیدا کیے گئے اور بابقی کو پُشتِ آدم میں رکھا گیا)

اِسی طرح حضرت عراقیؒ کے اشعار سے بھی متاثّر ہو کر حضرتؒ نے جواباً چند اشعار کہے۔ حضرت عراقی فرما گئے ہیں:۔

نخستیں بادہ کاندر جام کردند | مزاجش عکسِ آں گُل فام کردند
چُوں خود کردند رازِ خویشتن فاش | عراقی را چرا بدنام کردند

اِس پر حضرتؒ نے جواباً شاہ ولی اللہ صاحب کے کلام کے ساتھ کچھ اشعار فرمائے:۔

مئے توحید از خم خانۂ غیب | بمستانِ الست اِنعام کردند
چُوں غلطیدم زمستی ہا بہر سُو | حریفاں مستی از من وام کردند
ہویدا شُد در امکاں صُورتِ حق | بہ آں صُورت جہاں را رام کردند
بہرِ آں کہ غیرش نیست موجود | بخود آغاز و ہم انجام کردند

خواجۂ حافظ شیرازیؒ کی ایک غزل کا شعر ہے:۔

سینہ مالا مال درد است اَے دریغا مرہمے
دِل زتنہائی بجاں آمد خُدا را ہمدمے

حضرتؒ نے اِسی رنگ میں اِس طرح فرمایا ہے:۔

سینہ مالا مال درد است و بجوید ہمدمے | درد بر دردے دِگر زخمے بجائے مرہمے
قرعۂ فالش بنامِ آدمِ خاکی زدند | گل بودنے دِل کہ بادردے بجوید مرہمے
دِل کُند زخمے رفو گر مہرباں دارد طلب | نوکِ مژگاں راصبا بارِ دگر گوم ہمے

حضرتؒ کی یہ غزل ایک سال پاک پتن شریف کے عُرس میں ایّامِ محرّم کے اندر پڑھی جا رہی تھی۔ حضرتؒ خود رونق افروز محفل تھے۔ ہندوستان کے ایک بزرگ سجّادہ نشین پہلے ہی شعر پر وجد میں آ کر رقص کرنے لگے۔ آدابِ چشتیہ کے ماتحت ساری محفل اُٹھ کھڑی ہُوئی۔ روتے جاتے تھے اور لذّتِ فریاد میں اِن اشعار کی اِس طرح تشریح کر رہے تھے: "سُبحان اللہ پیر صاحبؒ نے کیا خُوب مرثیہ کہہ ڈالا ہے۔ سُنو سُنو۔ حضرت امام حُسینؑ تہِ خنجر کیا فرما رہے ہیں:۔

"اَے میرے دِل و جان اور میری رُوح کے محبُوب! اَے میرے ایمان!!! اِس خنجر کی روانی کو تا قیامِ قیامت دراز کر دے کہ تیری محبّت میں ذبح کیا جاؤں اور زندہ ہو جاؤں اور پھر ذبح کیا جاؤں"۔

اِس کلامِ کیف کے بقیہ اشعار یہ ہیں :-

بستہ شد اندر ازل خاطر بداں شورِ جہاں کز نسیم تاب زُلفش نُوریاں پیچیدہ ہے

اکحل العینین اَملحُ وَاَزَجُّ الحاجبین سُرمہ گیں چشمے ، کماں ابرو ، ملیحے ، ارحمے

رُوئے تاباں والضّحیٰ واللیل مُویش داسجیٰ وز فحتانش لوئے ۔ یسین از متبسمے

دوش در گوشم رسیدہ از سگانِ کوئے دوست

مہر مارا کے سزد ہر خود پرستے بے غمے

سنہ ۱۹۱۲ء میں ملک سُلطان محمود خان ٹوانہ نے قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کی خدمت میں اپنی کسی پریشانی کے متعلق عریضہ ارسال کیا اور عنوان پر یہ شعر لکھا :-

گر چارہ مرے زخمِ جگر کا نہیں کرتے

اچھا ہی کہہ دو کہ ہم اچھا نہیں کرتے

حضرتؒ نے بواپسی اپنے قلمِ مُبارک سے یہ منظوم جواب ارسال فرمایا :-

اُس چشمِ سیاہ مد بھری پُر سحر و فتن سے سُلطاں بھی اگر اُلجھیں تو اچھا نہیں کرتے

بے ساختہ تھا زخمِ جگر نوکِ مژہ سے پھر شکوہ ہی کیا ہے کہ وُہ اچھا نہیں کرتے

کہہ دیوے بھلا کیسے کوئی میرِ عرب سے "اچھا ہی کہہ دو کہ ہم اچھا نہیں کرتے"

ہے مہرؔ و فاطمہ زادا آلِ عبا کی

ہرگز نہ کہیں گے کہ ہم اچھا نہیں کرتے

مولوی محرّم علی چشتی کے لڑکے مولوی قائم علی جب گولڑہ شریف کے درسِ دینیات میں داخل ہُوئے تو نہایت غبی طالبِ علم شمار کیے جاتے تھے ۔ اِس سے پہلے مدرسہ نعمانیہ لاہور کے اساتذہ اِن پر بہت محنت ضائع کر چکے تھے اور انہوں نے چشتی صاحب پر جو انجمن نعمانیہ کے صدر تھے اِس صاحبزادہ کی تعلیم کے متعلق اپنی قطعی مایوسی کا اظہار کر دیا تھا لیکن چشتی صاحب بھی بیٹے کو انگریزی سکولوں میں داخل کرنے کے مشوروں کو ٹھکرا کر اُسے عالمِ دین بنانے کے ارادے پر مُصر تھے حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ نے قائم علی صاحب کے ذہنِ نارسا کی شکایات سُن کر اپنے پاس بُلوایا اور "فاضل لاہوری" کا خطاب بخشا چنانچہ وُہ اِسمِ بامسمّٰی ہو گئے اور عمر بھر اِسی خطاب سے مشہور رہے ۔ ایک روز یہ "فاضل لاہوری" فارسی میں نظم کہہ کر لے آئے اور حضرتؒ نے اُنہیں یہ نعت فی البدیہہ لکھوا دی :-

آشفتۂ مہرُوئے پُر ناز و ستم گارم من کُشتۂ ابرُوئے آں دلبرِ عیّارم

بر یادِ سیہ چشمے ہمہ روز سیاہم شُد وز ناوکِ مژگانش صد خار بہ دل دارم

---

[۱] یہ ملک سُلطان محمود بھی بچپن میں ہی اِس چشمِ سیہ مد بھری پُر سحر و فتن اور اِس نوکِ مژہ کا شکار ہو گئے تھے ۔ اِس زمانہ میں انٹرنس تک تعلیم تھی ۔ بزرگ اچھے سرکاری عہدوں پر تھے مگر گھر بار اور جائیداد اور نمبرداری چھوڑ کر پہلے کئی سال دیوانہ وار چکر کاٹتے رہے ۔ پھر سنہ ۱۹۲۵ء میں ہو کر بیٹھے تو سنہ ۱۹۵۶ء میں مر کر اُٹھے اور خانقاہ شریف کے قبرستان میں دفن ہُوئے ۔

از زُلفِ پریشانش شُد خانہ بدوشِ من — در مصحفِ رُوئے او آیاتِ خدا دارم
عشق آمد و شد ساری چوں بُو بگلاب اندر — او در من و من در وے سرّیست زاسرارم
بیروں نہ زدم قدمے وِیں طرفہ تماشا بیں — پُر آبلہ شد پایم عُمریست کہ سیّارم
قَدْ کَانَ وَمَا مَعَہٗ مَا کَانَ مِنَ الْاَکْوَان — اَلْاٰنَ کَمَا کَانَ مشہودِ دلِ زارم

تا یافتہ ام خبرے از بابِ عُلومِ دِل
دِلدادہ بمہرِ آں شہ حیدرؓ کرّارم

اِسی زمین میں کچھ عرصہ بعد حضرتؒ نے ایک اَور نظم مختلف حالات کے اندر قلم برداشتہ تحریر فرمائی تھی موضع مومن تحصیل ہری پُور کے ایک معمّر اَور ذی علم سیّد حسین شاہ صاحب نے ایک کتاب تصنیف کی تھی۔ جس کی کسی عبارت پر نواحی علاقے کے ایک مفتی نے فتویٰ دیا تھا کہ یہ شخص اہلسنّت سے خارج ہے اَور اِس کے ساتھ تعلّق رکھنا حرام ہے۔ حضرت ایک مرتبہ اُس علاقہ میں تشریف لے گئے تو مصنّف نے حاضر ہو کر اُس عبارت کے مشکوک پہلوؤں کی وضاحت کر دی اَور آپ نے فتویٰ کو خطا سے تعبیر کر کے انہیں ترکِ موالات کی مُصیبت سے نجات دِلوائی۔ کچھ عرصہ بعد اُن کا عریضہ آیا کہ مفتی صاحب کا تشدّد اَور بڑھ گیا ہے اَور اُنھوں نے حضرتؒ کو بھی اپنے فتویٰ کی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ چُنانچہ جواباً یہ اشعار تحریر فرمائے اَور لکھ بھیجا کہ اپنے بزرگانِ اہلبیت کی سُنّت میں صبر سے کام لیں:-

گو نامہ سیاہ کردم از بسکہ گنہ گارم — امّا نظرے بستہ بر رحمتِ غفّارم
احباب بہ تکفیرم گر قلم و زباں راندند — حاشا کہ بحقِّ شاں جُز عفو روا دارم
در کُوئے خدا بیناں زاں روز کہ شُد گذرم — از مذہبِ خود بینی بیزارم و بیزارم
رم کردہ زغیرِ اُو دارم دلکے شیدا — بے ہوشم و با ہوشم، بے کارم و باکارم
تا ساقیٔ مستانم مے ریختہ در کامم — عُریان و خراباتم، رقصانم و سرشارم
اَلْمُلْکُ لِمَنْ غَلَبَ نا نیست زمن باقی — از قربِ مع اللّٰہی بر تر شُدہ زاں کارم

از سِلسلۂ فقرم اَے دوست چہ مے پُرسی
دِلدادہ بمہرِ آں شہِ حیدرؓ کرّارم

اپنے فرزند ارجمند حضرت السیّد غلام محی الدّین بابُوجی رحمۃ اللہ علیہ کو بعض مکتوبات میں حضرت قدس سرّہٗ نے عارفانہ اشعار بھی لکھے جو برائے افادہ درج ذیل ہیں:-

اَے غلامِ غوثِ اعظمؓ فکر کُن — فکر کُن در خلقتت پس شُکر کُن
جمع گشتہ در تو عالمِ خلق و امر — جسمِ تو خلق است و رُوحت ہست امر
ہست در تو جُملہ از عالمِ کبیر — زیں جہت شُد نامِ تو عالمِ صغیر
جدِّ تو کُل شُد ملائک جُزءِ اُو — زیں سبب آمد خطابِ اُسجُدُوا

---

۱ مکتُوباتِ مہریہ ص ۳۵

دیگر

چونکہ در عالم سخن گوئے یکے است — پارسی وہندی وعربی یکے است
کیست دیار اندریں دارالوجود — لَیْسَ اِلَّا مَنْ ھُوَالْحَکَمُ الْوَدُوْد
وَجْھُہٗ فِیْ کُلِّ شَیْئٍ یَّجْتَلِیْ — عِلْمُہٗ فِیْ کُلِّ شَیْئٍ یَّحْتَوِیْ
مے وزد بادے چو از اِلَّا اَنَا — کُلُّ شَیْئٍ یَّنْعَدِمْ مَعْ مِہرِشاہ

فارسی میں حضرتؒ کی ایک اور مشہور نعت یہ ہے:۔

صبا ز طرۂ شبرنگِ مہوشِ طٰہٰ ز — کشود نافۂ مشکیں بروئے اہلِ نیاز
کیم گدائے درِ مفلسی وکوتاہ دست — کجا ایں غالیہ عطری وقصہ ہائے دراز
توئی کہ ذرہ صفت را بآسماں بردی — چگونہ شکرِ تو گوید کمینہ بندہ نواز
غرض ادائے نیاز است ورنہ حاجت نیست — کمالِ حشمتِ محمود را بعجزِ ایاز
رہینِ ساقیِ چشم کہ جرعہ بچشاند — زجامِ چہرۂ ترکانِ مہوشانِ حجاز
بہ بزمِ بادہ فروشاں بہ نیم جو نہ خرند — متاعِ زاہدِ طمّاع حج وصوم ونماز
مرا ز پیرِ مغاں رازہائے سربستہ است — فغاں ز واعظِ خودبیں کجا است محرمِ راز؟

اگرچہ حسنِ تو از مہرِ غیر مستغنی است
من آں نیم کہ ز ایمانِ خویش آیم باز

ایک مرتبہ حضرتؒ موضع قاضی غالب ضلع لائل پور جارہے تھے جہاں پنجاب کے مشہور صوفی شاعر حضرت علی حیدرؒ کا مزار کنارِ راوی واقع ہے۔ وہاں دریائے راوی پر فی البدیہہ چند اشعار ارشاد فرمائے:۔

راوی از ہجراں شکایت می کند — از وصالش ھم روایت می کند
گشتہ ام مہجور تر از اصلِ خویش — تیز تر پویم برائے وصلِ خویش
آمدم از بحر و مے پویم بہ او — روزگارِ وصل مے جویم بہ او
راوی و مروی و مروی عنہ ہم — گشت چوں ہجران و وصل انجاہم
دہم ظلِ علم او ظلِ وجود
داند او کو، راست داچشمِ شہود

ایک دفعہ حضرت خواجہ نظام الدین صاحب تونسوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرتؒ کے صاحبزادہ جناب بابوجی صاحب مدظلہٗ کو خط میں یہ اشعار لکھ بھیجے:۔

اے وعدہ فراموش کروں کیوں نہ شکایت — تو نے تو یہ وعدہ کیا تھا دمِ رخصت
بھولوں گا کبھی تجھ کو نہ میں تا بہ قیامت — گر یاد تمہیں ہم تھے تو کیوں ازرہِ الفت
خطّے نہ نوشتی و مرا یاد نہ کردی
گاہے بہ زبانِ قلم شاد نہ کردی

جناب بابُوجی صاحب نے یہ خط قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے جواب کے لیے یہ اشعار لکھوا دیئے :-

ہُوں وعدہ کا پکّا نہ کرو میری شکایت | میں نے تو یہ وعدہ کیا تھا دمِ رُخصت
بھُولوں گا کبھی تم کو نہ میں تا بہ قیامت | ہے یاد مجھے آپ کی ہر لحظہ بہ اُلفت

ہے یاد صفتِ دِل کی نہ کاغذ نہ قلم کی
جب یاد ہو دِل میں نہیں حاجت ہے رقم کی

قاضی سربلند خان پشاوری سے خُوش طبعی فرمایا کرتے تھے۔ اُنھوں نے لکھا کہ آپ کو ہمارا کچھ خیال نہیں۔ مدّت ہُوئی یاد نہیں فرمایا۔ جواب میں صرف ایک شعر تحریر فرمایا :-

خاکساروں سے خاکساری ہے | سربلندوں سے اِنکسار نہیں

قاضی صاحب نے جواب دِیا :-

حلقہ بگوشوں میں سربلند ہے آج | حضرتِ مہرشاہ کو خیال نہیں

اِس کے جواب میں فرماتے ہیں :-

شاعری میں بھی سربلندی ہے | قافیہ بھی یہاں بکار نہیں
مہر اَور پھر بے مہر کیا معنی ؟ | جمع اضداد ناگوار نہیں ؟

ایک اَور نظم جو "مثنوی کوڑا" کے نام سے مشہُور ہوگئی ہے ایک سفر کے دَوران ایک یک چشم کوچوان کے رویّہ سے متاثّر ہو کر موزُوں فرمائی تھی۔ جس کا گھوڑا بھی اپنے مالک کی طرح ایک آنکھ سے محرُوم تھا۔ اَور دونوں کی رفاقت کا نتیجہ یہ تھا کہ تانگہ ایک ہی سمت کو غلط چل رہا تھا۔ آپ فی البدیہہ یہ اشعار موزُوں فرماتے گئے اَور مفتی غلام مُرتضٰے صاحب صدر انجمن نُعمانیہ لاہور اَور ملک سُلطان محمُود ٹوانہ جو ساتھ سوار تھے قلمبند کرتے گئے۔ یہ اشعار بے عمل مولویوں، بے عمل صُوفیوں اَور متعصّب وہابیوں اَور نیچریوں پر ایک لطیف طنز کا حکم رکھتے ہیں۔

واحد العین است یک سُو بنگرد | از ہمہ رفقا علیحدہ مے رود
ربّنا اِنّا ظلمنا۔ الاماں | اِن نسینا توز دستش وارہاں
یا ملاذ الکل یا کھف الوریٰ | اوست اعور نجّنا یا ربّنا
گو ئمش ہر چند لیکن نشنود | ہر کسے بر خلقتِ خود مے تند
خِلقتش یک چشمی است و احولی | ربّ فا سُلکہٗ صراطاً مُستوی

اِس دَوران میں مفتی غلام مُرتضٰی صاحب اَپنے گاؤں کے چوراہے پر رُخصت کے طلب گار ہُوئے۔ فرمایا :-

مُخلصی فی اللہ، غُلامِ مرتضٰی | از شرارتِ کور باطن قد نجیٰ
آرے آناں کہ غلامِ حیدرؓ اند | از دِل وجاں شاں رہینِ صفدر اند
گوئے سبقت مے برند از ہر کسے | دارند از مولا علیؓ نصُرت بسے
کیست مَولائے علیؓ مَولائے کُل | ھٰکذا قد قالہٗ خیر الرسلؐ
از نفوسِ ماست اولیٰ تر نبیؐ | پس علیؓ را ایں چنیں داں یا اخی

گشت اوّل از ہمہ نورِ نبیؐ　　بود اقرب تر بہ او نورِ علیؓ

یہاں خیال آیا کہ میں نے (اُس ہندو) کوجوان کو کور باطن کا سخت لفظ کہہ دیا ہے فرماتے ہیں:۔

کور باطن گفتمت اے بُوڑیا　　بالمقابل مے دہم حالا دُعا

حق تعالیٰ نورِ ایمانت دہاد　　جان و جسمت دائماً در فرح باد

پھر مفتی غلام مُرتضیٰ صاحب کی جُدائی کا خیال عود کر آتا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

جامعِ علم و حیا۔ آں باوفا　　مخلصی فی اللہ غلام مُرتضیٰ

صانہ الرحمٰن من نار السقر　　وقتِ ما خوش کرد اندر ایں سفر

دِل نمے خواہد شود از ما جُدا　　یا علیؓ امسک غلامک عندنا

جذبۂ عشقست ساری در جہاں　　اصلِ کُل جذبات فَاَحْبَبْتُ بداں

(کُنْتُ کَنْزًا مَخْفِیًا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ کے اِرشادِ باری کی طرف اِشارہ ہے)

ہست بے صُورت جنابِ قدسِ حُب　　قد تجلّیٰ فی غیابات الحُجُب

داں جنودِ مجندہ ارواح را　　ما ائتلف ثمہ کشد اشباح را

ایک مرتبہ پاکپتن شریف سے واپسی پر جب حضرت علی حیدرؒ صاحب کے وطن میں اقامت فرما تھے تو قبلہ بابُوجی کے تقاضا پر ایک نظم فی البدیہہ قلم بند کرائی۔ جس کے ہر شعر کے پہلے حرف کو لے کر دیوان سید محمد صاحب کا نام نکل آتا ہے جو اُس وقت پاک پتن شریف کے سجّادہ نشین تھے۔ پُوری نظم مُلاحظہ ہو:۔

دِلا کس کی لگن میں پھرتا ہے وحشی تو بن بن میں　　پٹن میں منٹگمری میں علی حیدر کے موطن میں

یہاں لاکر کیا قائل فسُونِ سحر کا اپنے　　کمندِ زُلف میں تیرِ مژہ میں چشمِ پُرفن میں

وہاں سوئے پڑے تھے خوش عدم کی نیند میں بیخود　　جگا کر جلوہ دِکھلایا ہمیں مظہر دیوانن میں

ارے ساقی ترے ممنُون ہیں سب رندِ مستانے　　پلا دے جام بھر کر جس سے سب غم جائیں آنن میں

نگارے والضحیٰ رُوئے و واللیل سجے مُوئے　　ابھی گذرے ہیں اِس راہ سے بھری خوشبو مشامن میں

سُنا کر میٹھی باتوں کو دکھا حسنیٰ صفاتوں کو　　دِلوں کے قافلے لُوٹے ہیں خود بیٹھے مکانن میں

یہ کیسا ہے گداز و سوز کیسی ہے یہ بے خوابی　　جگر میں آنکھ میں دِل میں سراپا جسم تن من میں

دلِ حیراں کی تسکیں کو خیال اُن کا غنیمت ہے　　مجھے ڈر ہے نہ جائے اُن کی طرح لامکانن میں

مدینے میں بُلا بھیجو قریبِ وادیٔ حمرا　　تڑپ کر ڈال لُوں میں ہاتھ پھر سیمیں ساقن میں

(سفرِ حج میں وادیٔ حمرا کے اندر ظاہری زیارت کی طرف اشارہ ہے)

حریفِ ساغرِ مے ہُوں غریقِ بحرِ عصیاں ہُوں　　سہارا ہے فتِ رضیٰ کا مجھے محشر مکانن میں

مجھے کیا غم ہے محشر کا مرا حامی ہے جب وُہ شاہ　　کہا لولاک وطٰہٰ و مزمّل جس کی شانن میں

دلا مت رو غلام ہو کر تو محی الدین جیلی کا

مُریدی لاتخف بس ہے سہارا ہر دو کونن میں

جب ۱۳۱۸ھ ہجری مُطابق ۱۹۰۰ء میں حضرتؒ لاہور میں قادیانی معرکہ سے مظفر و منصور ہوکر واپس آئے تو جناب حضرت ثانی صاحب سیالویؒ کا مبارک نامہ پہنچا۔ اُس کے جواب میں یہ لکھ کر کہ یہ مُبارکیں عالم گیر خِطّۂ خاک پاک سیال شریف کو شایاں ہیں۔

از رہگذرے خاک سرِ کُوئے شما بُود ہر نافہ کہ در دستِ نسیمِ سحر افتاد

اپنے شیخ کریم حضرت خواجہ شمسُ الدّین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کی شان اور فیضان میں بے ساختہ یہ بیس اشعار وحدتِ وجُود کے رنگ میں قلم بند فرمائے ہیں اور اُن میں ظاہر کیا ہے کہ مجھ سے جو کچھ ہو سکا ہے وُہ اسی شمسِ نُورانی کے نُورِ مُطلق کی بدولت ہوا ہے جو میرے اندر کارفرما تھا۔ حضرتؒ نے "سیفِ چشتیائی" میں بھی ایک جگہ تحریر فرمایا ہے کہ اس وقت میں محسُوس کر رہا ہُوں کہ گویا میرے شیخ میرے پاس موجُود ہیں اور اپنی توجہ سے مدعی قادیان کے جواب میں یہ دلائل میرے قلب میں القا فرما رہے ہیں۔ اِس خط کے آخر میں فرمایا ہے۔ "یہ چند اشعار مذکورۃ الصدر جو لسان الوقت نے بغیر امدادِ عرُوض و قوافی ہدیۂ درِ دولت کیے ہیں۔ اُمید ہے کہ بہ لحاظِ جنُون و بے ساختہ پن محلِ اعتراض بلغانہ ہوں گے۔"

شمسِ نُورانی کہ نُورِ مُطلق است در ہمہ آفاق نورش مطبق است
گشت خُورشیدے نہاں در ذرّہ شیرِ نر در پوستینِ برّہ
از پئے رُوپوش عامہ درمیاں مہرشاہ شُد مشتہر بر ہر لسان
چُونکہ نُور افشاند بر لاہوریاں ظلّ مخرُوطی خفت فی القادیاں
شب ز روز و روز از شب شُد عیاں فمحوْنا آیتَ اللّیلِ بیاں
ویں عجب کاں شمس از نُورِ قدم ناتواں را بُود خود صاحبِ علَم
انت تھدی انت تضلل من تشا انت تعز انت تذلل ہر کرا
طُرفۃ العینی نہ از ما جُدا بس عجب از درد ہجراں نالہ ہا
چشمِ عاشق بہرِ جُست و جُوئے جاں شُد بخاکِ کُوئے تو غوطہ زناں
گر نہ دادے نامِ پاکت دست را کس نہ دیدے در جہاں ایں مست را
از مسمّیٰ اسم چُوں راند نفس عالمے را گوش بر بانگِ جرس
نام دادی از کرم دیوانہ را نسخۂ فیہ الشّفا مستانہ را
نامِ پاکت ساختہ وِردِ زباں مہرِ تو را در دِلش کردہ نہاں
خاصہ مستانے کہ مست اندر الست مُونسِ جانہائے شاں بُد سوز تُفت
آں مُقیمانِ سرِ کُوئے کسے واں اسیرانِ خمِ مُوئے کسے
راکعیں بر یادِ ابرُوئے کسے ساجدیں سرشارِ مہ رُوئے کسے
ہر دو عالم در ہوائش باختہ پائے از دیدہ براہش ساختہ
سیّما آں سروِ بُستانِ خُدا شاہبازِ قدس آں شمسُ العلےٰ
طلعتِ رُو از تجلّی فی الخیال مدرکہ با ناطقہ گردند لال
بس کُن اَے دِل قصّۂ بے انفصام اَلسّلام اَے بدرِ شمسم والسّلام

ایک عاشق اپنے خط میں حضرتؒ کی آنکھ کو نرگس بیمار اور زُلف کو زنجیر کی تار سے تشبیہ دیتا ہے۔ جواب میں لکھتے ہیں :-

حیران ہُوئے پریشان ہُوں اس نرگس بیمار نُوں ویکھ کے جی
بن پیتے شراب خراب پھرن اِس مست سرشار نُوں ویکھ کے جی
بن قید زنجیر اِہن پھنس گئے اِس زُلف دی تار نُوں ویکھ کے جی
شالا نرگس مست نوُں مہر پوے کرے مہر بیمار نوں ویکھ کے جی

قصیدۂ فارضیہ کے بعض اشعار کا ترجمہ پُرسوز پنجابی میں فرمایا جو اِس شعر سے شروع ہوتا ہے :-

سار باناں مہرباناں راہیا   شالا جیویں خیر تھیوی راہیا

یہ ساری نظم "معاصرین کرام" کے باب میں دی جاچکی ہے۔

ایک اور جگہ حضرت جامیؒ کی یُوسف زلیخا کی طرز میں فرماتے ہیں :-

نسیما قاصدانہ ویس لائیں   لوجہ اللہ ماہی دے دیس جائیں
ادب سیتی دیویں بوسہ زمین نوں   تے آکھیں اس طرح اُس نازنین نوں
مدت ہوئی نہ مِلیا یار پیارا   کدیں منزل کرے سوہنا اُتارا
بہانواں کول۔ آکھاں بول وے ڈھول   ترے بولن اُتوں عالم کراں گھول
کے ہوسی چا نوازیں گولڑی نوُں   زیادہ نہ کریں گل تھولڑی نوُں
وچھوڑا ناں کسے دے پیش آوے   کسے دا یار ناں پردیس جاوے
کدیں پردیسیاں نوُں یاد کرناں   غریب الوطن دا دِل شاد کرناں
کوئی ہووے سیو کشتی مہاناں   اساں سر پر سجن دے دیس جاناں
ہوواں میں سگ مدینے دی گلی دا   ایہو رُتبہ ہے ہر کامل ولی دا
دلا سمجھا توُں اکھیاں رُوندیاں نوُں   جگر دا خوُن بھر بھر کھوندیاں نوُں

رہی سمجھاتے آون باز ناہیں
رووِن دھووِن تے دَسّن راز ناہیں

ہندی خیال جو اکثر قوال بطرزِ بھوپالی گاتے ہیں۔

جب سے لاگے تورے سنگ نین پیا
نیند گئی آرام نہیں ساری سا ری رین پیا

دُکھ آئے سُکھ بھاگ گئے   سب عیش مٹا سارا چین پیا
تن من دھن سب تجھ پر واروں   وار دیوں کونین پیا

جیا تڑپت ہے درسن دیجو صدقہ حسنؓ حسینؓ پیا

وَصَلِّ عَلیٰ کیا شان ہے لَامِثْلَكَ فِی الدَّارَیْن پیا
مہرِ علیؓ ہے حُبِّ نبیؐ اور حُبِّ نبیؐ ہے مہرِ علیؓ لحمک لحمی جسمک جسمی فرق نہیں مابین پیا

جب سے لاگے تورے سنگ نین پیا
نیند گئی آرام نہیں ساری ساری رین پیا

مُناجات، جو بطرزِ اساوری گائی جاتی ہے

اجے بھی اوہ پیّاں دِسدیاں سانوں ماہی والیاں ٹاہلیاں نال خوشیاں دے رَل مِل جتھے راتاں کالیاں جالیاں
اُرے بھیں اوہ ہے اُریرے ہے پریرے پرے بھیں بے شک آپے آپ ہے اساں سبھے جھوکاں بھالیاں
رات وِچ دینہوں ویکھ سجھے کُلُّ شَیْءٍ ھَالِكٌ کُجھ نہ وِچ سب کُجھ ہے ڈِھٹّا ایہہ بیرنگی چالیاں
جے آکھاں توُں دِسدا ناہیں تیرے بن پھر کون ہے؟ رُوپ کس دا ہیں دساں دویں جو توُں ہی دکھالیاں
ہے جو تنزیہہ عین تشبیہ جمع حق مشہود ہے کرم کیتا غوثِ اعظمؓ اپنے سردیاں والیاں
پا کے گل دل پیچیاں زُلفاں دے میں روندی وتاں ساوی پیلی ہو رہیاں گیاں سُرخیاں تے لالیاں
رہندیاں پل پل سِکاں دم دم اُڈیکاں تیریاں کنڈ ولا کے ٹُرگیوں سجناں پریتاں نہ پالیاں
جھات پا کے دل گیوں ساری رین گذری روندیاں نین برسن زار رِم جھم جیویں بدلیاں کالیاں
فِی الْمَنَامِ[1] قَدْ تَفَضَّلْتَ عَلیٰ مُنْیَتِیْ اَرِنِیْ فَضْلاً جَمَالَكَ فَارْحَمْنِیْ فِی الْعَیَانْ
دِل دا وہڑا خانہ اکھیاں دا دوہاں نوں اِنتظار قدم پاویں، جیوندیاں جیوندیاں تد ہوون خوش حالیاں
ویکھ لو رَج رَج کے اکھیو کجھ وساہ نہیں دم دا پھر بھی پیّاں ویکھن کوئی خوش نصیباں والیاں

مہر ہے ساری علیؓ دی شک نہ رہیا اِک ذرہ
تاہیں اوہ پیاں دِسدیاں سانوں ماہی والیاں ٹاہلیاں

نعت

دِل لگڑا بے پرواہاں نال جتھے دم مارن دی نہیں مجال صلّی علیہٖ ذوالجلال
روندیاں نیناں نوں سمجھا رہی لِکھیا پڑھیا سب بُھلا رہی

---

[1] خواب میں تو میری مُراد مجھے عطا فرمائی بیداری میں بھی اپنا جمال دکھا کر راحت بخش۔

ہک نام سجن دا گا رہی — رگ رگ تے لُوں لُوں ساہاں نال
دِل لگڑا بے پرواہاں نال......

جس دی سِک مینوں اوہ تاں آیا نہیں — ہک جھٹ گھڑی سُکھ پایا نہیں
پل پل گھڑی دِسے سو سو سال — صَلّی علیہ ذُوالجلال
دِل لگڑا بے پرواہاں نال......

سوہنا میں توں کیوں چت چا گیا — لگیاں پریتاں بُھلا گیا
قِسمت سڑی دا واہ پیا — تتی ریت عرب دیاں راہاں نال
دِل لگڑا بے پرواہاں نال.....

جیندی جیند تلی تے دھر رہی — گل پلڑا منتاں کر رہی
لکھ واری توبہ پڑھ رہی — رُٹھڑا مناون دا خیال
دِل لگڑا بے پرواہاں نال.....

کراں یاد میں سوہنی جہات نوں — اُس سفر عرب والی رات نوں
اُس حمراوادی دی گھات نوں — یَا لَیْتَنِیْ یَوْمُ الْوِصَال
دِل لگڑا بے پرواہاں نال.....

سارا دِن گزاراں بھوندیاں — گھت پلڑا مکھ تے روندیاں
ہنجواں نال مُکھڑا دھوندیاں — ساری رین سُولاں تے آہاں نال
دِل لگڑا بے پرواہاں نال.....

کیتی بھج کے وانگ کباب ہوئے — پیتے باجھ شراب خراب ہوئے
سرشار لتے بے تاب ہوئے — اُنہاں خُونیاں مست نگاہاں نال
دِل لگڑا بے پرواہاں نال.....

کیتی وِچ غماں غلطان ہوئے — اندر یاد سجن مستان ہوئے
حیران بھوں پریشان ہوئے — اُنہاں پیچاں زُلف سیاہاں نال
دِل لگڑا بے پرواہاں نال.....

آدمؑ تھیں تا عیسےٰؑ مسیح — نفسی بُلیسن سب نبیؑ
اُتھے بولسی ہک اُمتی — احمد نبی صاحب کمال
دِل لگڑا بے پرواہاں نال.....

ربی الٰھی صمدی — صلّ وسلّم علی النّبی
فاطمۃ الزّھرا و علیؓ — حسنینؓ جگ دی پناہاں نال
دِل لگڑا بے پرواہاں نال.....

مہر علی توں کون بچارا — نپٹ لاشے تے اوگن ہارا
سر تے چا کے عیباں دا بھارا — لاویں پریت توں شاہاں نال
دِل لگڑا بے پرواہاں نال.....

لا کے پریتاں کدیں نہ نسیئے — بھیت دلاں دا مول نہ دسیئے
اندر روئیے تے باہر ہسیئے — ملیے سداں پے چاہاں نال
دِل لگڑا بے پرواہاں نال.....

مہر علی کیوں پھریں اُداسی — اَج کل سوہناں آ گل لاسی
ہوسن خوشیاں تے غم جاسی — ملساں ملیاں کر کر باہاں نال
دِل لگڑا بے پرواہاں نال — جتھے دم مارن دی نہیں مجال — صلے علیہ ذوالجلال

حضرتؒ کی مشہور نعت جو اکثر بھیم پلاسی یا اساوری میں گائی جاتی ہے

اَج سِک متراں دی ودھیری اے — کیوں دلڑی اُداس گھنیری اے؟
لُوں لُوں وِچ شوق چنگیری اے — اَج نیناں لائیاں کیوں جھڑیاں
اَلطَّیفُ سَریٰ مِنْ طَلْعَتِہٖ — وَالشَّذْوُ بَدیٰ مِنْ وَفْرَتِہٖ
فَسَکَرْتُ ھُنَا مِنْ نَظْرَتِہٖ — نیناں دیاں فوجاں سر چڑھیاں
مُکھ چند بدر شعشانی اے — متھے چمکے لاٹ نورانی اے
کالی زُلف تے اکھ مستانی اے — مخمور اکھیں ہِن مد بھریاں
دو ابرُو قوس مثال دِسّن — جیں توں نوکِ مژہ دے تیر چھٹن
لباں سُرخ آکھاں کہ لعلِ یمن — چٹے دند موتی دیاں ہِن لڑیاں
اِس صُورت نُوں میں جان آکھاں — جانان کہ جانِ جہان آکھاں
سچ آکھاں تے رب دی شان آکھاں — جس شان توں شاناں سب بنیاں
ایہہ صُورت ہے بے صُورت تھیں — بے صُورت ظاہر صُورت تھیں
بے رنگ دِسے اِس مُورت تھیں — وِچ وحدت پھُٹیاں جد گھڑیاں
دَسے صُورت راہ بے صُورت دا — توبہ راہ کی عین حقیقت دا
پر کم نہیں بے سُوجھت دا — کوئی وِرلیاں موتی لے تریاں
ایہا صُورت شالا پیشِ نظر — رہے وقتِ نزع تے روزِ حشر
وِچ قبر تے پُل تھیں جد ہوسی گذر — سب کھوٹیاں تھیسن تد کھریاں

لے خواب میں اُس کی شکل نظر آئی اور زُلفوں سے خوشبو مہکی جس کے مشاہدہ سے میں مدہوش ہوگیا۔

يُعْطِيْكَ رَبُّكَ داس تُساں — فَتَرْضٰی تھیں پوری آس اساں
لج پال کریسی پاس اساں — وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ صحیح پڑھیاں
لاہو مکھ توں مخطط بُردِ یمن — من بھانوری جھلک دکھاؤ سجن
اوہا مٹھیاں گالیں الاؤ مٹھن — جو حمرا وادی سن کریاں
حجرے توں مسجد آؤ ڈھولن — نوری جھات دے کارن سارے سکن
دو جگ اکھیاں راہ دا فرش کرن — سب انس و ملک حوراں پریاں
انہاں سکدیاں تے کرلاندیاں تے — لکھ واری صدقے جاندیاں تے
انہاں بردیاں مفت وکاندیاں تے — شالا آون وت بھی اوہ گھڑیاں
سُبْحَانَ اللّٰهِ مَا اَجْمَلَكَ — مَا اَحْسَنَكَ مَا اَكْمَلَكَ
کتھے مہر علی کتھے تیری ثنا — گستاخ اکھیں کتھے جا اڑیاں

مرثیہ

قبلۂ عالم قدس سرہٗ کے کلام میں غمِ حسینؓ پر یہ ایک مرثیہ "پنجابی مہندی" کی صنف میں یادگار ہے:۔

لایا مہندی خون اجل دی اے
ایہہ مہندی روز ازل دی اے

ایہہ مہندی فاطمہؓ سَین دی اے — خون پاک شہید حسینؓ دی اے
ایہہ ہوراں نال نہ رلدی اے — لایا مہندی خون اجل دی اے
نبیؐ ۔ علیؓ دا دُرِ یگانہ — فاطمہؓ مائی دا مال خزانہ
نانا پاکؐ دا پہن کے بانا — طرف مقتل دے تھیا روانہ
جنبش ہوئی زمین اسماناں — نالے عرش عظیم پئی ہلدی اے

لایا مہندی خون اجل دی اے

آکھے نبیؐ ۔ علیؓ تے فاطمہ زہراؓ — فرزند حسینؓ تو ویہلا آ
سانوں سک تیری پل پل دی اے — لایا مہندی خون اجل دی اے
شاہ تیری مہندی دا پتر سادا — کوفیاں رل مل کیتا دھاوا
اینویں لکھی ہوئی روز ازل دی اے — لایا مہندی خون اجل دی اے
شاہ تینڈی مہندی دا پتر پیلا — سونپیوی رب نوں خویش قبیلہ
تینوں پئی مصیبت کربل دی اے — لایا مہندی خون اجل دی اے
شاہ تینڈی مہندی دا رنگ ڈلارا — روندا تینوں عالم سارا
ساری خلقت تلیاں مل دی اے — لایا مہندی خون اجل دی اے

شاہ تینڈی مہندی دا رنگ ہے سُوہا ۔ اُمّت نوں ہے تیرا اُوہا
ساری اُمّت جلدی بلدی اے ۔ لایا مہندی خُون اجل دی اے
ایہہ مہندی سوہنے باگ دی اے ۔ دَیُطہّر کُو دوالی لاگ دی اے
تاہیں ہوراں نال نہ رلدی اے ۔ لایا مہندی خُون اجل دی اے
اُدھر پاک معصوم پیاسے ترسن ۔ جنہاں تے مینہ تیراں دے برسن
اِدھر تیغ حُسینؓ تے چلدی اے ۔ لایا مہندی خُون اجل دی اے
رب نوں آہا ایہو بھانڑاں ۔ رتبہ شہیدی تینوں دِوانڑاں
نہیں تاں تھوڑ اُتھے کیہڑی گل دی اے ۔ لایا مہندی خُون اجل دی اے
سُبحان اللہ تیرے رنگ الٰہی ۔ اوہ سوہنی صُورت فاطمہؓ جائی
اَج خاک وِچ پئی رلدی اے ۔ لایا مہندی خُون اجل دی اے
مہر علی شاہ ایہہ جھوک فنا دی ۔ دائم قائم ذات خدا دی
تیری وسدی بھی پل جھل دی اے ۔ لایا مہندی خُون اجل دی اے

حضرت مولائے کائنات علی کرم اللہ وجہہٗ کی شان میں یہ ہندی کبت بھی حضرتؒ کے کلام میں مِلتا ہے جو ایک ہندوستانی بھاٹ کے حاضر ہونے پر آپؒ نے اپنے قوال سائیں بخت جمال کو فی البدیہہ لکھوا دیا تھا۔

کب کر سکے مدح تمام ۔ امام ہمام ہنام ۔ بھلا جگ سارا
جس فاتح خیبر ۔ ماہ منوّر ۔ شاہِ غضنفر دِیں کو سنوارا
وُہ نبیؐ کے وصی ۔ اللہ کے ولی دوجگ میں بلی بر خفی و جلی
وُہ جب کہ پڑیں للکار مریں کفار ہوویں ناچار ۔ ٹوٹے ہنکار سبھی کا
حیدرؓ کے زور پہاڑ گریں کُفّار مریں درِ خیبر کو اُکھاڑا

"کلامِ منظوم" کا باب اُس طویل مثنوی پر ختم کیا جاتا ہے جو حضرتؒ نے ۱۳۲۶ ہجری مطابق ۱۹۰۸ء میں مولوی محرم علی چشتی مرحوم کے مقالہ "گومگو"[1] سے متاثر ہو کر نظم فرمائی تھی اور جواب مثنوی گومگو کے نام سے مشہور ہو گئی ہے۔ اس مثنوی میں آپ نے فنا و بقا کی حقیقت اور وحدت الوجود کا مسلک بیان فرمایا ہے۔ اِس میں بعض اشعار بوجہ مُناسبت مثنوی مولانا رومؒ سے بھی مندرج ہیں۔ اِن اشعار کو "_____" میں درج کیا گیا ہے۔ اِس کے علاوہ بعض متفرق اشعار بھی مِلتے ہیں جن میں سے کچھ "مکتُوباتِ طیبات" "ملفوظاتِ طیبہ" اور "گنجِ عرفان" میں درج ہیں۔ ایک شعر جو قبلۂ عالمؒ نے اپنی ذات کے متعلق بطور تحدیثِ نعمت ایک موقعہ پر کہا تھا اور جس کے آپؒ فی الواقعہ صحیح مصداق تھے یہ ہے:۔

از لطفِ خلّاقِ زماں داریم ممتاز از جہاں
وضعِ دِگر طرزے دِگر ۔ ذوقے دِگر شوقے دِگر

---

[1] چشتی صاحب نے اِسلامی تعلیم و تہذیب کی اہمیت پر یہ مقالہ ایک مجلس مذاکرہ میں پیش کیا تھا جو نہایت مقبول ہُوا۔

مثنوی المعروف گومگو

مرحبا اے بلبلِ بستانِ چشت
باز گو از گومگو آں سرنوشت

ہردم از اسلام و اہلش ایں صداست
ایں بیانِ نیکِ چشتی را سزاست

فیضیاب از بارگاہِ احمدی
جرعۂ بر دھریہ ہم فلسفی

کے مقابل با تو تاندھری
مستمد از شیخ عبدالقادریؒ

نورِ چشمِ مصطفےؐ و مرتضےؓ
سیدِ حسنی حسینی مرتقا

نورِ دیدہ تاجدارِ اِنّما
مژدۂ از لا تخف دادہ بما

آں سگے کو شُد مقیمِ کوئے او
شیر نارد تاب دیدن سوئے او

حبِّ دل داری بخواجہ خواجگاںؒ[۱]
مات فی حبّ الالٰہ او راست شاں

پنجتنؒ[۲] را بندہ ای از جان و دل
دہریہ ہم فلسفی پیشت خجل

جرعۂ از فیض مستانِؒ[۳] الست
ریز بر دوں ہمتاں سکانِ پست

قُلْ لَهُمْ قَوْلًا بَلِيغًا لَيِّنًا
وَلَهُمْ بَيِّنْ بَيَانًا هَيِّنًا

پس میفشاں نور بر ظلمانیاں
از غشاوۂ جہلِ ایشاں را رہاں

کارِ شیراں ہمت و سرگرمی است
کارِ دوناں حیلہ و بے شرمی است

جودِ حق کردہ ترا مختص بہ دیں
ذَالِكَ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ الْعٰلَمِيْن

جادلهم بالنصح والحسن المقال
وارحهم عن عقیلات الضلال

زاں شدی موسوم با محرم علیؓ[۴]
محرمی زاں عالمِ ستر و خفی

چوں محرم با علیؓ ہم خواندہ اند
از برایت حالِ نیکو راندہ اند

یعنی ہتکِ عزتت کردہ حرام
آں علیؓ غالب ذوالاحترام

از حریمِ جمع در بیدائے فرق
ماندہ ای مہجور در ظلمائے فرق

زاں حدیثِ راہِ پُر خوں مے کنی
قصہ ہائے عشقِ مجنوں مے کنی

روحِ مستاں شاہؒ است نائی و نیت
مے دہی بیروں دمیدہ نائیت

گفتۂ تو گفتۂ آں روحت است
گو بظاہر انتسابش سویت است

بالبِ دمسازِ خود پیوستہ ای
از تکلف ہائے کلّی رستہ ای

بلبلِ بستانِ چشتی خوش بگو
ہاں و ہاں بر گو مگو اصلاً بگو

---

[۱] حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ [۲] پنجتنِ چشتیہ (۱) حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری معین الدین (۲) حضرات قطب الدین (۳) فرید الدین (۴) نظام الدین (۵) نصیر الدین رحمہم اللہ تعالیٰ [۳] اشارہ بحضرت خواجہ مستان شاہ کابلیؒ پیر و مرشد چشتی صاحب۔ [۴] علی یعنی حق جلّ و علا

"جود[1] محتاج است خواہد طالبے   ہم چناں کہ توبہ خواہد تائبے"

"جود مے جوید گدایان و ضعاف   ہم چوں خوباں کائینہ جویند صاف"

"رُوئے خُوباں ز آئینہ زیبا شود   رُوئے احساں از گدا پیدا شود"

"پس ازیں فرمُود حق در والضُّحٰے   بانگ کم زن۔ اے محمّد بر گدا"

چُوں گدا آئینۂ جُود است ہاں   دم بود بر رُوئے آئینہ زیاں

فلسفی در "ماہی"[2] عمرش تیر شُد   وانکہ جُز ماہی است ز آبش سیر شُد

دہریہ در عیشِ فانی کو روکر   ماندہ در علمِ کیانی خیرہ سر

مُرغ کابِ شور باشد مسکنش!   اُو چہ داند جائے آبِ روشنش

اَے کہ اندر چشمۂ شور است جات   تُو چہ دانی شطِّ جیحون و فرات

اَے تو نارستہ ازیں فانی رباط   تُو چہ دانی صحو و سُکر و انبساط

ور بدانی نقلت از اَبّ و جَدّ است   پیشِ تو ایں نامہا چُوں ابجد است

ابجد و ہوّز چہ فاش است و پدید   بر ہمہ طفلان و معنی بس بعید

تُو چہ دانی سِرِّ ایں را اَے عمی   چُوں ندانی کل شی فی کل شی

ساعتے واکُن عقالِ بعیر[3] را   بشنو از نے نالۂ شبگیر را

تا بہ او یعقل بہ او یبطش شوی   ہم بدو یسمع۔ بدو یبصر شوی

لوحِ محفوظت شود مشہودِ عین   از چہ محفوظ است محفوظی ز شین

غیر از معقولہا۔ معقولہا   بینی اندر دِل علُومِ انبیاء

علمِ تو علمش و علمش علمِ تو   حلمِ تو حلمش و حلمش حلمِ تو

تو نہ ماندی چُونکہ بس گو کیست ایں   فی مرایا العدم قد ظہر المتین

ایں زماں جاں دامنم بر تافت است   بُوئے پیراہانِ یُوسف[4] یافت است

"من چہ گویم یک رگم ہُشیار نیست   شرحِ آں یارے کہ آں را یار نیست

از ہمہ اوہام و تصویرات دُور   نور نورًا نور نورًا نور نور"

ایں سخن لاریب حق است اَے اخی   وجھہٗ فی کل شیءٍ یجتلی

خاصہ در انساں کہ نوعِ آخر است   کونِ او جُملہ جہاں را حاضر است

زیں جہت عالم صغیرش گشتہ نام   فالعوالم اربعہ بنگر تمام

ایں سخن را نیست پایاں اَے پسر   باز گو از گو مگو نعم الخبر

---

[1] کلامِ مولانائے رُومؒ   [2] ماہی بمعنی یہ کیا ہے یعنی عالمِ خلق کی جُستجو میں عُمر گزار دی۔

[3] یعنی ایں عقل کہ ماخوذ است از عقال بعیر (ریسمانے کہ بہ آں زانُوئے اُشتر بہ بندند)

کیست نے کو مے سراید دمبدم   من نیم واللہ یارا من نیم

ایں فغان و نالہ ہائے زارِ اُو   مے رود تا صحنِ عرشِ یارِ اُو

ہمچو نے گشتہ تہی از خویشتن   زار و گریان است از حُبِّ وطن

اوست فانی از خود و فانی بحق   مَنْ رَاٰهُ قَدْ رَاٰی رَبَّ الْفَلَقْ[1]

بیندش چشمے کہ دید از غیر دوخت   مطمحش لاغیر الاّ روئے دوست

"دیدنِ چشمِ محمدؐ از شقی   کے بود چوں دید بوبکرؓ و علیؓ

گفت لیلیٰ را خلیفہ کاں توئی   کز تو مجنوں شد پریشان و غوی

از دگر خوباں تو افزوں نیستی   گفت خامش چوں تو مجنوں نیستی

دیدۂ مجنوں اگر بودے ترا   ہر دو عالم بے خطر بودے ترا"

چیست دانی چہرۂ زیبائے دوست   دیدِ حق را آئینہ گویم نہ اوست

بالبِ دمسازِ خود جُفت است اُو   زاں چوں نے بس گفتنی گفت است اُو

سِرِّ اُو نائی است اُو جز نے نیست   شورہائے و ہوئے اُو بے وے نیست

گفتۂ نے گفتۂ نائی بود   گو ظہورش از دہانِ نے شود

نے کہ ہنگامِ حکایت بر دہد   از جُدائی ہا شکایت مے کند

کز مقامِ وحدتم رانیدہ اند   زاں ز شورم مرد و زن نالیدہ اند

کردہ ام جبروتِ اسما را عبور   عالمِ ملکوت را کردم مرور

گشتہ ناسوت آخر ایں منزل مرا   زیں جُدائی ہا شدہ خوں دِل مرا

چوں نہ گریم در فراقش سربسر   نیست در عالم ز من مہجور تر

در حریمِ وصلِ بادشاہِ وجود   خفتہ بودم ہجر را راہے نہ بود

گشتہ ام محروم از قربِ ہمیں   در حضیض آوردہ موجِ پنجمیں!

"سینہ خواہم شرحہ شرحہ از فراق   تا بگویم شرحِ دردِ اشتیاق"

"ہر کسے کو دور ماند از اصلِ خویش   باز جوید روزگارِ وصلِ خویش"

آں دہم بیروں کہ اُو در من دمید   آرمیدہ ام بحق از خود رمید

ہاں مگو او چونکہ باحق واصل است   جملہ مطلوبات او را حاصل است

سوال — پس ز ہجرانش شکایت بہرِ چیست؟   وز جُدائی ہا شکایت بہرِ چیست؟

جواب — زانکہ وصلِ مطلق است اینجا محال   تا بود پیوندِ جسم و جاں بحال

راست فرمودست مولانا بیاں   در دمِ آخر چوں رفت او زیں جہاں

---

[1] یعنی من حیث الآثار والصفات عارفے فرمودہ است :- خواہی کہ خدا بینی در چہرۂ من بنگر   من آئینۂ اویم اُو نیست جدا از من

"من شدم عریاں زِ تن اُو از خیال
مے خرامم در نہایات الوصال

تا بود اینجا تشبکِ جسم و جاں
کے رُخِ جاناں عیاں دیدن تواں

اُوز جان و جاں ز او مستُور نیست
لیک کس را دیدِ شاں دستور نیست"

مظہرِ ذاتست رُوحِ بے نِشاں
ہمچناں کا سماش را باقی جہاں

"بحثِ جاں اندر مقامِ دیگر است
بادۂ جاں را قوامے دیگر است"

جُملہ اسما را تو مرآت آمدی
زاں خلیفہ و مظہرِ ذات آمدی

آمدی از دُور لیک اَے خوش لقا
گوئے بُردی از ملک یا مرحبا

عَلَّمَ الْاَسْمَا طرازِ جانِ تُست
اُسْجُدُوْا لِاٰدَم ہم اندر شانِ تُست

از کمالت گر ملک آگاہ بُدے
کے اَتَجْعَلُ گفتہ خود رُسوا شُدے

ناید ایں اندر لباسِ صَوت و حرف
غوطہ باید خورد در دریائے ژرف

چشم بند و گوش بند اَے بے نوا
صحنِ دل را نیک روب از ماسویٰ

کُن سفر در خود بہ رجعت قہقری
تا زِ رمزِ رُوح و جانت پے بری

پائے کوباں تا بہ بامِ او رسی
از خودی خود بیرُوں آئی و رہی

از وطن بینی و از اہلِ وطن
جانِ خُود بیں گر برُوں آئی زِ تن

فہم کُن اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن
اِبتدا و اِنتہایت شُد ہموں

"اِسم خواندی رَو مسمّٰی را بجو.
مہ بہ بالا داں نہ اندر آب جو"

"اُذکرو اللّٰہ کارِ ہر اوباش نیست
اِرجِعی بر پائے ہر قلّاش نیست"

اُذکرونی راست اُذکرُ در قفا
ذِکرِ تاں را ذِکرِ او نِعم الجزا

با ملائک حق بگوید در سما
دوست دارم آں کثیر الذِکر را

دوست داریدش کہ او محبُوبِ ماست
وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ رازِ ماست

دادہ اِسمش شرحِ صدر و رفعِ ذِکر
ذِکرِ او ہر جا کہ از ما ہست ذِکر

مانہ بے او، او نہ بے ما بالیقیں
گفتۂ اُو گفتۂ ما شُد ازیں

مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ زیں بود
لیک نے ہر کس سزائے ایں بود

ذٰلِكَ فَضْلُ مِنْہُ۔ اَللّٰہ یَصْطَفِیْ
مَنْ یَّشَاءُ مِنْ عِبَادِہٖ یا اَخی

خاصہ پاکانے کہ از خود رستہ اند
دیدہ از غیرت بروئش بستہ اند

کردہ باجَاؤُكَ نوط اجابتش
از وَ لَوْ خواں تا رحیماً آیتش[1]

"آں دُعائے شیخ نے چُوں ہر دُعاست
فانی است و دستِ او دستِ خداست"

---

[1] اشارہ بہ آیت ولو انہم اذ ظلموا انفسہم جاؤک الخ

از دہن ہائے خلائق شد عیاں / معنیٔ اُذْکُرْکُم ہاں اَے مہرباں
ظرفِ اُذْکُرْ اِذْ نَسِیْتَ کے[1] بود / منسی و مذکور ہر گاہ وَے بود
"ذکر کن ذکرے کہ غیر از دل رود / غیر منسی ذاتِ حق در دل بود
ذکر یادِ دل بود نے از سخن / کو بود صوت و ہوائے از دہن"
چونکہ رُوحت غرقِ یادِ حق بود / جامۂ ہستی بکُلّی شق بود
ذاکر و مذکور و ذکرت یک شود / اندریں دم غیرِ حق بیشک بود
غیرِ تو ہستی، بروں شو از حرم / خود حجابِ اکبری۔ قُم لاجرم
آں وحید الدہر عارف بایزیدؒ / با ملائک گفت از شوقِ مزید
ہیچ تاں یابید از شاہم نشاں / عرش جائے اوست خواندم در قرآں
جملہ گفتندش کہ بر ما کُن عطا / گو خبر از آں شہِ ارض و سما
ماشنیدیم آں کہ قلبِ مومن است / تخت گاہست[2] و زہجراں ایمن است
یا محیط الکُل خلاق الوریٰ / ظاہری و باطنی در دو سرا
عالمے را در تحیر کردہ ای / با ظہورِ کاملت در پردہ ای
یا محیط الکُل وھّاب النعم / علمِ تو ہست از علومِ ما اتم
تو محیطی کے محاطِ ما شوی / عِلْمُنَا کَیْفَ عَلَیْكَ یَحْتَوِیْ
برتری از فہم و قال و قیلِ ما / خاک بر عقل و بر تمثیلِ ما
کے تنند بر شعلہ تارِ مُو کسے / کے زکُنہت قول راند عاقلے
مالکُ الملکی و اَللّٰہُ اَحَدْ / لَمْ یَلِدْ۔ لَمْ یُوْلَدْ اَللّٰہُ الصَّمَدْ
لَمْ یَکُنْ اَحَدٌ لَّکَ کُفُوًا وَلَمْ / لَیْسَ شَیْئًا مِّثْلُکَ یَا ذَا الْکَرَمْ
تو چناں نستی کہ خود کردی بیاں / در صحائف سابقہ ہم در قرآں
آنچہ با ما در بطونِ اُمّہات / کردہ ای موسم نہ کردہ با نبات
گر نہ سبقت کردے رحمت بر جلال / جملہ عالم ماندے در تیہِ زوال
زیں سبب رحمٰن باللّٰہ قرین / آمدہ در بسملہ از بہترین
عالمے را از عدم کردی بدر / آفریدی جملہ را از خیر و شر
لیس فی الفیضین[3] یا رب العلا / یرجع الشین الیك لا و لا

---

[1] واذکر ربك اذا نسیت الایة [2] یعنی تجلّی رحمانی۔ ازیں جا خواہی فہمید کہ الرحمٰن علی العرش استوی فرمود نہ اینکہ اللّٰہ علی العرش استوی از برائے ہمیں معنی کہ غیرتِ جلالِ ذات ماسوی را اجازتِ شرکت فی الوجود نے بخشد بخلافِ رحمتِ عامہ
[3] یعنی فیض اقدس و مقدس

لوجعل الشر شراً باطل	اذ تخلله هنالك عاطل
لوجعل الشر موجوداً بداں	خیر ذاتی ہست و شر عارض بداں
علم تابع است مر معلوم را	کیف زید یتقی زاں شد خطا
گر نہ لطفت یاورِ مظلم بُدے	کے جوابِ الست را مُلہم شدے
خلقتِ ما کردی از ماءِ مہین	احسن التقویم کردی ذوالیقیں
پس عطا کردی بما عقل و حواس	تاکہ از اعمالِ ما بینی سپاس
از پئے لُطف و ہدایت و از سُبل	نیست ما را جز اطاعت با رُسُل
ہم ز فضل و رحمِ خود یا ذوالعلا	کردہ ای ارسالِ رُسل و انبیاءً
تاکہ ختم الانبیاءؐ جدّ الحسنؑ	آخر آمد بُود فخرِ انجمن
خواند بر ما روشن و معجز کتاب	داد ما را شرع با فصلِ خطاب
علمِ وحی آمد دلیلت سربسر	عقلِ جُزوی ہست اینجا خیرہ سر
عبدۃ البطن اند ابنائے زمان	کہ فضیلت مے دہند ایں را بر آں
کور و کرّ انند بس غافل زیار	روز و شب در حظِّ نفسانی دوار
معدہ را بگذار سُوئے دِل خرام	تاکہ بے پردہ ز حق آید سلام
تا الست از وَے شنوئی ایں زماں	ہم بلیٰ آری مجیباً بر زباں
وحدتت باشد بہ کثرت جلوہ گر	پس خرامی در وصالش سربسر
تا بدانی سرِّ اطوارِ وجُود	کیست دیّار اندریں دارِ وجُود
كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ مشہودِ عین	باشدت آں دم رہی از غین و شین
راکعاً سرشار از رُوئے کسے	ساجداً از دیدِ ابرُوئے کسے
بینی او را اندریں آئینہ ہا	ثَمَّ وَجْهُ اللهِ بفہمی بے خطا
بینی عالم را ظہورِ حق گہے	گاہے حق ظاہر و باطن عالمے
لا یصح عندك فی ذالشہود	شمت الاعیان رائحۃ الوجود
گاہ بینی عین ثابت را عدم	ینصبغ بصفات او اندر قدم
گاہ وجُودِ خاص دانی مر ورا	پس انا الحق در سرائی بر ملا
"در تصوّر ذاتِ اُو را گنج کُو	تا در آید در تصوّر مثلِ اُو
آفتاب آمد دلیلِ آفتاب	گر دلیلت باید از وے رُو متاب"
جذب و شوقِ بُلبلِ بُستانِ چشت	باز نالاں گشت بر گلہائے کِشت
سُنّۃ اللہ چُونکہ جاری شُد بریں	در بہاراں سبزہ روید از زمیں
"مدّتے ایں مثنوی تاخیر شُد	مُہلتے بایست تا خُوں شیر شُد"

ہاں نہ گوئی معجزاتِ انبیا ‌ — شُد خلافِ نصِ شرعی ایں کجا
سُنّتش را نیست تبدیلی نہ ضد ‌ — شاہدش برخواں ز قرآں لن تجد
پس خلافِ نیچر و قانونِ اُو ‌ — در شتا صیفی چساں آید بتو
زانکہ ایں ہم بر وفاقِ عادت است ‌ — معجزہ ہم در طباقِ سُنّت است
عادی و غیرش وفاقِ سُنّتش ‌ — وافر و کم بر وفاقِ عادتش
کثرتِ اُو قلتِ ایں از قدم ‌ — در محاطِ سُنّت و جف القلم
نیچری چوں اندریں جانکاہ شُد ‌ — لاجرم زیں نکتہ کم آگاہ شُد
صدقِ طالب جودِ آں ربِّ صمد ‌ — پیش از فصلِ بہاراں بر دہد
لیک مختصٌ بذالک من یشا ‌ — از عبادش انبیاً و اولیاء
"آں دعائے شیخ نے چوں ہر دعاست ‌ — فانی است و دستِ او دستِ خداست"
از دہن ہائے خلائق شُد عیاں ‌ — معنی اذکرکم ہاں اے مہرباں
شیئاًللہ شاہِ جیلاںؒ اعطنی ‌ — یا معینُ الدین چشتیؒ آتنی
ہر زباں مے خواند از عشقِ مزید ‌ — یا فریدؒ و یا فریدؒ و یا فریدؒ
رحم فرما اے سلیمانؒ زماں ‌ — المددے اے تو نشانِ بے نشاں
المدد یا شمسِ دیںؒ غوثِ جہاں ‌ — فضل کُن یا فضلِ دیںؒ کہف الاماں
چوں حدیثِ روئے شمس الدینؒ رسید ‌ — شمسِ چارم آسماں سر در کشید
نورِ روحانی دہد شمسِ سیالؒ ‌ — کوست حقانی و باقی بے زوال
از افول آمد منزہ شمسِ دیںؒ ‌ — غیرش آفل لا اُحبُّ الآفلین
شرحِ احسانات و فیضِ مستمر ‌ — ایں زماں بگذار تا وقتِ دگر
اولیاء صیقل گرانِ رُوم داں ‌ — نے چوں نقاشانِ چیں لعبت گراں
دل ز غیرِ دوست چوں صافی کنند ‌ — ہر دو با خود آئینہ بازی کنند
عکسِ مہ روئے فتد آنگہ درو ‌ — کہ مصفّٰی باشد و ہم رُوبرُو
پاک کن مرآتِ خود از غیرِ حق ‌ — کے تری فیہ وجوہا وجہِ حق
رنگِ غیریت ز مرآتت بکن ‌ — منعکس فیہا علومِ ذوالمنن
تا بیابی علمِ خود از علمِ اُو ‌ — ذات و اوصافش ہمہ ظاہر ز تو
نے نجوم است و نہ رمل است و نہ خواب ‌ — وحیِ حق واللہ اعلم بالصواب
از پئے رُو پوشِ عامہ در بیاں ‌ — وحیِ دل گویند او را صوفیاں
تلغرافِ غیبی آمد از اساس ‌ — گشت چشتی پاسِ حق را صد سپاس
آنکہ ہتکِ عزتش کردہ حرام ‌ — محترم کردش بہ نزدِ خاص و عام

آں عشلی۔ غیور و منّان وصمد — راجیِ خود را کجُا رُسوا کُند
یا الٰہی۔ فیض از وہبانیہ — زِدْ وَ بَارِکْ انجمن نعُمانیہ
انجمن نعُمانیہ شُد دارِ ایں — تاجدارِ خدمتش آں تاجِ دیں
واں سلیمُ الطّبع والدّیں خُوش صفات — آں سلیمُ اللہ مُفتی نیک ذات
حق سلامت داردش از رنج و تاب — دین و دُنیا باشدش خیر المآب

هم چراغِ دینِ احمدؐ خادمش
الاماں یا رب زِ بادِ صرصرش

بابِ دھم ۱۰

تصانیف

پہلی فصل

تصانیف

"تحقیق الحق فی کلمۃ الحق" ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۸۹۷ء

حضرت قبلۂ عالم کی پہلی مہتم بالشان تصنیف "تحقیق الحق فی کلمۃ الحق" ۱۸۹۷ء میں فارسی زبان میں لکھی گئی اور اپنے لطیف مسائل، دقیق مباحث اور عظیم علمی کردار کے باعث تمام اسلامی دنیا میں مشہور ہوئی۔ ۱۹۶۲ء میں فارسی متن کے ساتھ اردو ترجمہ بھی شائع کر دیا گیا ہے۔ مضمون کتاب کو بیان کرنے سے پہلے مختصراً مسئلۂ وحدت الوجود اور کلمۂ توحید لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا بیان کرنا ضروری ہے۔ اس سے نفس مضمون کو سمجھنے میں آسانی ہوگی۔

توحید وجودی صوفیائے اسلام میں سے اکثر مشاہیر کرام کا مسلکِ روحانی رہا ہے۔ اس کا مجملاً مطلب یہ ہے کہ حقیقتاً وجودِ عینی صرف ذاتِ واجب باری تعالیٰ کا ہے اور اس کائنات کے تعینات اور تنزلات ظلّ ہیں اسمائے الٰہیہ کے، یعنی اس کائنات کا اپنا کوئی وجود نہیں بلکہ صرف ظلّی ہے اور یہ اصول جمیع کائنات پر بغیر کسی استثنا کے حاوی ہے۔

کچھ اور بزرگانِ عظام توحیدِ شہودی کے قائل ہیں، ان کے نزدیک حقیقتِ عالم ایک نمودِ محض ہے۔ بے بود اور بے وجود یہ صنعتِ کاملہ خداوندی سے مخلوق ہے لیکن ذاتِ الٰہیہ اس سے وراء الوراء ہے اور وہ اس کا عین نہیں۔

مگر یہ ایک تسلیم شدہ امر ہے کہ چونکہ ان دونو نظریات کا تعلق آثار باطنہ سے ہے اس لیے عوام الناس انہیں تسلیم کرنے اور ان پر اعتقاد رکھنے کے مکلف نہیں اُن کے لیے صرف توحیدِ شرعی پر، جو کلمۂ توحید میں بیان کی گئی ہے، ایمان رکھنا کافی ہے توحیدِ شرعی کا مطلب جو شارعین بیان کرتے چلے آئے ہیں وہ یہ ہے کہ "ایمان لاؤ اللہ کی وحدانیت کے ساتھ صفتِ الوہیت اور استحقاقِ عبادت میں، اور کسی کو اللہ کے ساتھ عبادت میں شریک نہ کرو۔"

لکھنؤ میں ایک بزرگ گزرے ہیں جن کا نام گرامی مولانا عبدالرحمٰنؒ تھا۔ وہ نہ صرف علومِ ظاہر کے جیّد عالم تھے بلکہ تصوف میں بھی دسترس رکھتے تھے اور توحیدِ وجودی پر ایمان رکھنے والے صاحب حال مرد تھے۔ اپنے سفرِ ارتقائے روحانی کے دوران انہوں نے غایت وثوق اور انہماکِ توحیدِ وجودی کی بنا پر اپنی تصنیف "کلمۃ الحق" میں اصنام (معبودانِ باطلہ) کو عین اللہ قرار دے دیا اور کلمۂ طیبہ کے معانی اپنے زعم کے مطابق اور خلافِ قانونِ ادبِ عربی کرتے ہوئے تحریر کیا کہ کلمۂ توحید میں اِلٰہ سے مراد اصنام ہیں اور خبر محذوف غیر ہے لہٰذا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے معنی ہیں لَا شَیْءَ مِنَ الْاَصْنَامِ غَیْرُ اللّٰہِ اِلَّا اللّٰہُ (نہیں کوئی شے اصنام میں سے غیر اللہ مگر اللہ یعنی ہر صنم عین اللہ ہے) پھر اس پر ہی اکتفا نہ کی بلکہ اس بات پر بھی مصر ہوئے کہ تمام امت پر لازم ہے کہ وہ اُن کے بیان کردہ مطلب کو صحیح سمجھے اور تمام علماء سلف جنہوں نے ایسا نہیں کیا اور وہ جو آئندہ ایسا نہیں کریں گے سب گمراہ ہوں گے۔

تاریخ عالم بتاتی ہے کہ کائنات کے ظہور میں آنے کے بعد طبع انسانی اپنی کم فہمی اور محدود نظری کے باعث عبادت اصنام (معبودانِ باطلہ) کی مرتکب ہوئی اور اس کی اصلاح کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء بھیج کر شرائع اور احکام نازل فرمائے تاکہ انسان فرقِ مراتب کر سکے۔ مولانا عبدالرحمٰنؒ صاحب کے اصنام کو عین اللہ قرار دینے کا نتیجہ عوام الناس کو پھر اسی گمراہی میں ڈالنا تھا جس کا راستہ حکمتِ الٰہی نے بند کیا تھا۔ بدیں وجہ بعض علمائے ظاہر نے ان کی اس غلط فہمی کو کفرِ صریح پر محمول کیا نتیجۃً یہ خطرہ پیدا ہو گیا کہ یہ مسئلہ تمام اُمت کے لیے فتنہ نہ بن جائے۔

اس موقع پر حضرت قدس سرہٗ نے اپنا قلم مبارک اٹھایا اور یہ کتاب "تحقیق الحق فی کلمۃ الحق" تحریر فرمائی جس میں مولانا عبدالرحمٰن صاحبؒ کے مسلک کی نہایت قوی اور مفصل براہین اور دلائل کے ساتھ تردید فرمائی اور یہ ثابت فرمایا کہ کلمۂ توحید کا وہ معنیٰ جس پر زمانۂ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے تمام اہلِ اسلام متفق چلے آئے ہیں، ایمانِ شرعی کے حاصل کرنے اور کفر و شرک سے نجات پانے کے لیے کافی ہے۔ مگر دیگر علمائے ظاہر کی طرح حضرتؒ نے مولاناؒ کو مستوجب تکفیر و تعزیر نہیں ٹھہرایا بلکہ بوجہ ان کے غلبۂ حال کے انہیں معذور سمجھا۔

موضوعِ کتاب چونکہ نہایت نازک ہونے کے علاوہ دقیق بھی تھا اور مولانا عبدالرحمٰن صاحبؒ نے اپنے مسلک کی تائید نہایت عالمانہ رنگ میں کی تھی لہٰذا اس کی تردید کے لیے بھی لازماً عالمانہ براہین ہی سامنے لانے ضروری تھے اس لیے حضرتؒ کی اس تصنیف سے صحیح طور پر وہی صاحبِ علم حضرات مستفید اور محظوظ ہو سکتے ہیں جنہیں عربی زبان اور لغت پر عبور ہونے کے ساتھ ساتھ روحانی ذوق بھی ہو اور جو نفسِ مضمون کو سمجھتے ہوں۔ اربابِ تحقیق کے لیے حضرتؒ کا یہ شاہکار ایک نادر تحفہ ہے۔

مفتی محمد حسن مرحوم بیان کرتے تھے کہ ان کے شیخ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے حضرتؒ کی اس کتاب کے بارے میں فرمایا تھا کہ اگر پیر صاحبؒ یہ کتاب تصنیف نہ فرماتے تو اہلِ ظاہر کے لیے کلمۂ توحید پر اپنا ایمان ثابت کرنا مشکل ہو گیا تھا کیونکہ مصنف "کلمۃ الحق" نے کتاب و سُنت اور لغت و بلاغت کے قوی دلائل سے یہ ثابت کر دیا تھا کہ کلمۂ طیبہ کا مفہوم توحیدِ وجودی ہی میں مضمر ہے اور وہ بھی وہ مفہوم جو خود انہوں نے بیان کیا تھا اور یہ کہ اس کے بغیر ایمانِ شرعی ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور واقعی بات ہے کہ اگر حضرت قبلۂ عالمؒ جیسے محقق عارف اس موضوع پر قلم نہ اٹھاتے تو علمائے ظاہر میں سے شاید ہی کسی کو کتابِ مذکور کا جواب لکھنے کی جرأت ہوتی۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ اس اصل اصول کلمۂ طیبہ میں اہلِ اسلام کے دو بڑے گروہوں میں تصادم ہو جاتا۔

کتاب کی ترتیب اس طرح پر کی گئی ہے کہ اوّلاً بیان لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ میں یہ ثابت کیا ہے کہ اِلٰہ سے معنی کلّی مستحق للعبادۃ مراد ہے نہ کہ اصنام (معبودانِ باطلہ) اور خبر غیر محذوف نہیں بلکہ موجود محذوف ہے پس لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے معنی ہوں گے "نہیں کوئی مستحقِ عبادت موجود مگر اللہ"۔ ثانیاً بیانِ توحیدِ حقۂ عرفائے کرام یعنی توحیدِ وجودی کی تشریح اور اس کے حصول کا طریقہ۔ بعدہٗ بیان سیرتِ طیبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں کلمۃ الحق کی دوسری جزء مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کی مختصر شرح ہے اور آخر میں تبرکاً احادیثِ مخصوصہ کشفیہ کا بیان ہے۔

اب اہلِ علم و تحقیق کے لیے کتاب میں سے چیدہ چیدہ اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں سب سے پہلے حضرتؒ کا اپنا بیان در وجہ تالیف دیا جاتا ہے۔

حضرتؒ کا اپنا بیان در وجہ تالیف

"اگرچہ میں اس قابل نہیں ہوں کہ اصحابِ ذوق و وجدان سے حاصل کردہ اسرارِ توحید کے اظہار میں جرأت کرسکوں لیکن دیکھتا ہوں کہ موجودہ زمانہ میں مدعیانِ فقاہت و تصوف میں سے ہر ایک دوسرے فریق کو کافر اور مشرک قرار دینے کے درپے ہے۔ اور اس کے علاوہ بعض لوگ اصحابِ ذوق و وجدان کے کلماتِ نعتیہ کو جو نفحاتِ ربانیہ کی نسیم جانفزا کے چلنے سے باغاتِ معارف میں ظہور پذیر ہوتے ہیں اصل مرادِ کلام پر رسائی نہ پاسکنے کی وجہ سے دوسروں کو مستوجب تکفیر ٹھہرانے اور اپنی خود ساختہ توجیہات کو ثابت کرنے کے لیے سند بنا رہے ہیں (چنانچہ مجھے بھی بعض اعزہ و احباب کی رفاقت میں ایک تقریب کے موقعہ پر قصبہ شاہ پور میں اس قسم کی ایک مجلس میں شمولیت کا اتفاق ہوا جہاں ایسی باتیں سننے میں آئیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب سے درگزر فرمائے) ۔ نیز بعض اہلِ علم مدعیانِ تصوف دوسرے فریق یعنی علمائے ظاہر اور ان کے ہم مسلک مسلمانوں کی تکفیر کے بارے میں حضرت مولانا شاہ عبدالرحمٰن لکھنوی قدس سرہٗ کی کتاب "کلمۃ الحق" کو بطورِ دلیل پیش کرتے ہیں۔

اگرچہ کتاب مذکور کے مضامین کی تحقیق اور براہین کی تدقیق مؤلف علیہ الرحمۃ کے کمالِ علم و فقر پر شہادت دے رہی ہے لیکن توحیدِ وجودی میں ان کا طرزِ اثبات بوجہ ان کے اس مسئلہ میں کمالِ استغراق کے ایک دوسرے رنگ میں ہے جو سلف اور خلف کے مسلک کے خلاف ہے کیونکہ حضراتِ وجودیہ نے عموماً توحیدِ وجودی کو کلمۂ طیبہ عند الشارع سے مراد نہیں لیا اور نہ شرعاً ہر شخص خاص و عام کو اس کے ساتھ مکلف جانا اور نہ ان کا یہ مسلک ہے کہ امتِ محمدیہ اور امم سابقہ اسی مفہوم کو سمجھنے اور اس پر ایمان رکھنے کے بغیر شرک و کفر سے نہیں نکل سکتے۔ بلکہ انہوں نے توحید فی العبادت (یعنی کوئی نہیں ہے معبود سوائے اللہ کے) کو ہی کلمۂ طیبہ کا مدلول اور مدارِ نجات قرار دیا جو اسلام میں داخل ہونے کے لیے سب سے پہلا سبق ہے اور توحید فی المحبت کو (یعنی کوئی نہیں ہے محبوب سوائے اللہ کے) کو مدارِ اخلاص قرار دیا جیسا کہ اس فرمانِ الٰہی سے ظاہر ہوتا ہے :-

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (التوبۃ - ۲۴)	کہہ دیجئے اگر تمہارے ابنا اور اخوان اور ازواج اور اقربا اور تمہارے اموال جنہیں تم بڑھاتے ہو اور تجارت جس کی کساد بازاری سے ڈرتے ہو تمہیں اللہ اور اس کے رسول سے زیادہ عزیز ہیں تو .....

اور توحید فی الوجود (یعنی کوئی نہیں ہے وجود یعنی سوائے اللہ کے) کو مدارِ کمالِ عرفان سمجھا جو کہ آیت كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ (ہر شے اللہ کے سوا ہلاک ہونے والی ہے) اور اس کے مشابہ دیگر آیات سے ثابت ہوتی ہے کیونکہ لفظ ھالک لغتِ عربیہ میں اسم فاعل کا صیغہ ہے جو کہ حقیقتہً کسی موصوف پر اس وقت بولا جاتا ہے جب کہ صفت بالفعل اس کے ساتھ قائم ہو نہ یہ کہ صفت کا قیام اس کے ساتھ بعد میں جاکر ہو۔ پس جب ہر شے بالفعل ہالک اور فانی ہوئی تو ثابت ہوا کہ وجودِ حقیقی فقط اسی ایک ذات باری تعالیٰ کا ہے اور تمام عالمِ امکان اسی وجودِ حقیقی کا ظل اور پر تو ہے اور توحید کے یہ دو مراتب (یعنی توحیدِ فی المحبت اور توحیدِ وجودی) اسلام میں داخل ہونے کے بعد علی الترتیب عنایتِ ازلی سے حاصل ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ توحید فی العبادت کی متعلقہ آیات زیادہ تر مکی سورتوں میں وارد ہوئی ہیں (جب دعوتِ اسلام کی ابتدا تھی

اور توحید فی المحبت کی متعلقہ آیات و احادیث عموماً مدینہ منورہ میں وارد ہوئیں۔ اور توحید فی الوجود کے لیے اشارات پر اکتفا کی گئی بخلاف ہر دو پہلی قسموں کے جن کے لیے باقاعدہ صراحۃً صیغۂ خطاب سے مخاطبین کو مکلف بنایا گیا۔

اسی وجہ سے محرر سطور نے اظہارِ حق کے لیے اور علمائے ربانی اور صوفیائے کاملین مثلاً شیخ اکبرؒ اور مولانا عارف جامیؒ وغیرہ سے علمائے ظاہر کے اعتراضات کو رفع کرنے کی خاطر حسب استعداد کچھ بیان کر دیا ہے اور مؤلف کلمۃ الحق کے استدلالات اور تکفیر کو اُن کے غلبۂ حال اور استغراق فی التوحید الوجودی پر محمول کر کے معذور سمجھا کیونکہ وُہ واقعی کاملین کی جماعت سے تھے اور قال اور حال میں ہر لحاظ سے سچے تھے۔" (خلاصہ مقدمہ تحقیق الحق)

مؤلفِ کلمۃ الحق کی توجیہات

جناب مؤلفِ کلمۃ الحق" کی توجیہات حضرت قدس سرہٗ کے الفاظِ مبارکہ میں مختصراً اس طرح سے ہیں:-

"توحید وجودی" کے اعتقاد میں مولانا قدس سرہٗ دوسرے علمائے سلف سے دو امور میں منفرد ہیں۔ (اول) کہ عند الشارع کلمۂ توحید سے مراد توحید وجودی ہے (نہ توحید فی العبادت) اور (دوم) کہ تمام اُمم کے لیے اسی اعتقاد پر ایمان رکھنا ضروری ہے اس باب میں مولانا نے جو بیان فرمایا اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ لفظ "الٰہ" مشترک لفظی ہے اللہ تعالیٰ اور اصنام کے درمیان اشتراک کی دلیل یہ ہے کہ یہ لفظ دونوں معانی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور ہر معنی کی تعیین کے لیے قرائن کی ضرورت پڑتی ہے۔ اور کلمۂ طیبہ میں اِلّا بمعنی غیر ہے اور موجود خبر محذوف نہیں۔ بہ ثبوت قول حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام "لَا اِلٰہَ غَیْرُکَ" اور اس نحو کے نظائر "لَا فَتٰی اِلَّا عَلِیّ لَا سَیْفَ اِلَّا ذُوالْفِقَارِ" اور "وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ" اور "لَا خَیْرَ اِلَّا خَیْرُکَ وَلَا طَیْرَ اِلَّا طَیْرُکَ"۔ علاوہ بریں اُس وقت کے مخاطبین مشرکین عرب تھے جن کا گمان غیریتِ اصنام پر تھا نہ کہ اُلوہیتِ اصنام پر اور اُن کا زعم اس مسلک کی دلیل ہے۔ ایک اور دلیل تقریب کا اقتضا ہے کیونکہ بغیر تقدیرِ غیر کے تقریب تام نہیں ہو سکتی۔ پس کلمۂ طیبہ میں الٰہ سے مراد اصنام ہیں بدلیل استغراق کے جو کہ قرینہ ہے امکان کا۔ لہٰذا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے معنی ہوئے لَا شَیْءَ مِنَ الْاَصْنَامِ غَیْرُ اللّٰہِ (نہیں کوئی شے اصنام میں سے غیر اللہ) اور احتمالاتِ ثلاثہ یعنی نکرہ الٰہ سے ارادہ معبودِ مطلق یا مستحق زعمی یا موجود کی تقدیر (جیسا کہ مشہور ہے کلمۂ طیبہ حقّہ میں) وقوعِ کذب کا مستلزم ہے۔ اور اِسْتِثْنَاءُ الشَّیْءِ عَنْ نَفْسِہٖ (یعنی کسی شے کو خود اُس سے استثنا کرنا) لازم آتا ہے، پس ان مقدماتِ مسطورہ بالا سے اللہ تعالیٰ اور اصنام کے مابین عینیت عبارتِ نص سے ثابت ہو گئی اور مابین اللہ تعالیٰ اور غیر اصنام یعنی دیگر ممکنات کے دلالتِ نص سے ثبوت مل گیا کیونکہ واجب کی طرف ممکنات کی نسبت میں یہی دو قول ہیں تیسرا قول ثابت نہیں۔

لفظ الٰہ پر دقیق علمی بحث

حضرتؒ نے مولانا کی اُوپر بیان کردہ توجیہات کی تردید جس طرح بیان فرمائی اُس کے بعض حصّے مختصراً درج ذیل ہیں:-

"کلمۃ الحق" کے مصنف نے کلمۂ طیبہ میں لفظ "الٰہ" کو مشترک لفظی کہا ہے۔ مشترک لفظی وُہ ہوتا ہے جو متعدد معانی کے لیے وضع کیا جاتا ہے جیسے لفظِ "عین" کے معنی آنکھ، چشمہ، سونا، جاسوس وغیرہ ہیں۔ لہٰذا مصنفِ کلمۃ الحق" کے نزدیک لفظِ "الٰہ" خدا تعالیٰ معبودِ حقیقی پر بھی بولا جاتا ہے اور اصنام وغیرہ معبودانِ باطلہ پر بھی۔ حضرت قبلۂ عالمؒ فرماتے ہیں کہ

لفظِ "الٰہ" کا بلحاظِ لغت تو ہر اُس چیز پر اطلاق کیا جاتا ہے جس کی پرستش کی جائے۔ واجب ہو خواہ ممکن لیکن تخصیصِ عقلی اور شرعی کے لحاظ سے صرف معبودِ مستحق کے لیے خاص ہے۔ کیونکہ عقلِ سلیم ایسی چیز کی پرستش سے اِنکار کرتی ہے جو کہ صفاتِ کاملہ سے موصوف نہ ہو جیسے خالق، مجیب المضطر اور نافع وضار اور لفظِ الٰہ کا استعمال اللہ سبحانہٗ تعالےٰ اور اصنام دونوں کے لیے قرآن و حدیث میں کہیں بھی واقع نہیں ہوا بلکہ اِس کا اِستعمال اِسی مفہومِ مخصص کلّی میں ثابت ہے۔ اِس کے بعد آپ نے اِس مفہوم کی توثیق میں متعدد براہین و دلائل بیان فرمائے ہیں اور ثابت فرمایا ہے کہ اشتراکِ لفظی پر یہ اِستدلال پکڑنا کہ وُہ اپنے دونوں معنوں میں سے ہر ایک میں اِستعمال کے لیے قرینہ کا محتاج ہے یا اِستعمال میں قرینہ کی طرف احتیاج اشتراکِ لفظی کی دلیل ہے درُست نہیں۔

آگے چل کر حضرتؒ فرماتے ہیں "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" کلام قصری ہے از قبیل قصرِ صفت بر موصوف تاکہ دوام کے لئے مفید ہو ایک تو طبیعتِ وصف یعنی اُلوہیّت اور اِستحقاقِ عبادت کی نفی اصنام مثل لات وعزّےٰ وغیرہ سے اور دُوسرا اللہ سبحانہٗ و تعالےٰ کے لیے وصفِ مذکور کا تحقق۔ اور یہ قصر حقیقی ہے۔ لہٰذا "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" کے معنی یہ ہُوئے کہ کوئی مستحقِ عبادت بجز اللہ سبحانہٗ وتعالےٰ کے موجود نہیں پس تحقیقاً معلوم ہوا کہ بغیر تقدیرِ موجود مُراد حاصل نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ یہاں بادی النظر میں دو قضیے بنتے ہیں ایک سالبہ کلیہ محصُورہ "لاشی من الہ بموجود"۔ دُوسرا موجبہ شخصیہ "اللہ موجودٌ"۔ اور بنظرِ دقیق دو طبعیہ ظاہر ہوتے ہیں ایک سالبہ ایک مُوجبہ۔ اِس کے بعد آپ نے اِس ترکیب پر وارد شدہ اشکالات "اِسْتِثْنَاءُ الشَّیْءِ عَنْ نَفْسِہٖ" وغیرہ کا ابطال فرماتے ہُوئے جمہور اہلِ اسلام کی تائید میں عقلی وعلمی دلائل کا ایک کثیر ذخیرہ پیش فرمایا ہے جس کا اندازہ نفسِ کتاب دیکھنے سے ہی ہو سکتا ہے۔

مولانا کی دُوسری دلیل "مُشرکینِ عرب مخاطبین کا زُعم غیریّتِ اصنام" کے متعلق حضرتؒ فرماتے ہیں کہ مخاطب مشرکینِ عرب کا مزعُوم غیر اللہ یعنی اصنام کی معبُودیت تھا۔ غیریّتِ اصنام اُن کا مزعوم نہ تھا۔ اُن کے مزعُوم کا مآل یہ تھا کہ لات الٰہ ہے (یعنی معبُود ہے) عزّےٰ الٰہ ہے۔ ہبل الٰہ ہے وغیرہ پس شارع سے اِس مزعُوم کی تردید صحیح یہ ہے کہ اصنام معبُود نہیں۔ چُنانچہ یہ معنی سُورہ فاتحہ سے النّاس تک مخاصمۂ مُشرکین اور ردِّ شرک میں بخُوبی واضح ہیں۔ مثلاً :-

لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (انبیاء - ۲۲) اور	اگر آسمان وزمین میں اللہ کے سوا اور معبود ہوتے تو وُہ دونوں فاسد ہو جاتے۔
وَمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (مومنون - ۹۱) اور	اللہ کے ساتھ کوئی دیگر الٰہ نہیں ورنہ ہر الٰہ اپنی مخلُوق کو لے کر چل کھڑا ہوتا اور ایک دُوسرے پر بڑائی کرتا۔
لَوْ كَانَ مَعَهٗٓ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِى الْعَرْشِ سَبِيْلًا (بنی اسرائیل - ۴۲) اور	اگر خُدا کے ساتھ اُن کے قول کے مُطابق دیگر معبُود ہوتے تو اس وقت ضرور عرش والے کی طرف راہ تلاش کرتے۔
وَلَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا (انبیا - ۹۹)	اگر یہ اصنام الٰہ ہوتے تو جہنّم میں وارد نہ ہوتے۔

علاوہ ازیں مُشرکینِ عرب اور مُشرکینِ اُممِ سابقہ کا زُعم مندرجہ ذیل آیات سے عیاں ہے :-

اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا (ص - ۵)	کیا رسُول نے سب معبُودوں کو ایک ہی معبُود بنا لیا۔

اور

اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ۔ (الصّٰفّٰت - ۳۵-۳۶) اور

بے شک وُہ لوگ ایسے تھے کہ جب اُن کو کہا جاتا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو وُہ تکبر کرتے اور کہتے کیا ہم مجنوں شاعر کے کہنے پر اپنے الٰہ چھوڑ دیں؟

يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ۔ (هُود - ۵۳) اور

اے ہُود تُو ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں لایا اور نہ تیرے کہنے پر ہم اپنے الٰہ چھوڑتے ہیں۔

يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا۔ (هود - ۶۲)

اے صالح پہلے تو ہم میں تُو اچھا خاصہ آدمی تھا۔ کیا ہمیں اپنے باپ دادا کے خداؤں کی عبادت سے منع کرتا ہے۔

اور قوم نوحؑ کا جواب

لَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا۔ (نوح - ۲۳)

نہ وَد کو چھوڑو نہ سُواع کو۔

پھر قولہ تعالیٰ

وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا (کھف - ۱۱۰)

اپنے رب کی عبادت میں کسی ایک کو شریک نہ کر

یہ سب صریحاً حق سُبحانہٗ تعالیٰ کی عبادت کے اَمر اور عبادتِ اصنام سے نہی پر دلالت کرتے ہیں۔ اور اِن سے صاف ظاہر ہے کہ مزعُومِ مخاطب ہمیشہ سے شرک فِی العبادۃ ہی رہا ہے نہ کہ غیریّت۔ اور کُل مذاہب اسی تحقیق پر ثابت قدم رہے ہیں کہ کلمۂ طیّبہ سے زعمِ شرک فی العبادۃ کا رَدّ کیا گیا ہے نہ عینیّت کا تاکہ کُل اہلِ اسلام کے دِلوں میں تمکّن اور قرار ظاہر ہو نہ صرف حضراتِ صُوفیہ وجُودیہ کے دلوں میں۔

حضرتؒ فرماتے ہیں کہ مُشرکین کا یہ اعتقاد نہیں تھا کہ اصنام عین اللہ ہیں۔ قرآنِ حکیم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر اُن سے پُوچھو کہ زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا کون ہے تو وُہ ضرور یہی کہیں گے کہ اللہ ہی خالق ہے، باوجُود اِس کے وُہ عبادت اصنام کی کرتے تھے اور اسلام کا مقصد اُن کو اِسی چیز سے روکنا تھا۔ اَب اگر مولینا کی بات مان لی جائے کہ اصنام عین اللہ ہیں تو مشرکین کہہ سکتے ہیں کہ اَے ہمارے رب تُو نے ہی ہمیں تلقین کی کہ اصنام عین اللہ ہیں پھر ہمیں عبادتِ اصنام سے کیوں روکتا ہے۔ کیونکہ اِس صُورت میں ہم نے کسی غیر کی عبادت تو نہیں کی۔ پھر اگر حق سُبحانہٗ اُنہیں تنبیہ کرے کہ تُم نے (در کلامِ صُوفیا) اطلاق اَور تنزل میں فرق نہیں کیا تو مُشرکین یہ عُذر پیش کر سکتے ہیں کہ اَے ہمارے رب جہاں ہم رہتے ہیں وہاں علمِ منطق اَور فلسفہ نہیں پڑھایا جاتا۔ ہم کس طرح اطلاق و تنزّل میں فرق کرتے۔ غرضیکہ دعوتِ اسلام کا تمام مطلب ہی فوت ہو جاتا ہے۔

مولینا عبدالرحمٰنؒ نے اپنے مسلک کا بیان کرنے کے بعد اختتاماً فرمایا تھا کہ "کمال حسرت ہے اِس امر پر کہ اکابر عُلماءِ شرق و غرب، سلف و خلف اَور مُفسّرین، مُحدّثین، مُجتہدین، مُقلّدین اَور فقہا نے کلمہ طیّبہ کا صحیح معنی نہ سمجھا اور اُسے اپنے موقعہ و محل سے تبدیل کر کے اُس کا مضمون ہی بدل ڈالا اور اِس طرح (نعوذ باللہ) مُشرک بالقلب ہو گئے"۔ پھر دُوسری جگہ کہا کہ "جمہور عُلما نے محکم میں تاویل کی حالانکہ ایسا کرنے والا کافر ہے۔ اور منکور (اللہ) میں تاویل اَور محذُوف میں تحریف کی اَور غیر شعوری طور پر کلمہ باطلہ فی الاشراک لَآ اِلٰهَ اِلَّا غَيْرُ اللّٰهِ کو دِل سے قبول کر لیا۔ پس خُود گمراہ ہُوئے اَور متبعین کو بھی گمراہ کیا"۔

حضرت قبلہ عالم قدس سرّہٗ فرماتے ہیں کہ مولانا کا فقرہ "محکم سے متشابہ کی طرف تاویل کی" خود مولینا پر وارد ہوتا ہے نہ جماعت

عُلمائے محققین پر بسبب اِس کے کہ ایک تو مولینا نے کلمۂ توحید میں کہا کہ یہ از قبیلِ قصر الموصوف علی الصفتہ ہے حُکمِ ثانی میں تاویل کے ساتھ یعنی صنم موصُوف ہے اللہ ہونے سے۔ دُوسرے مولینا نے سُورۃ اخلاص اور آیہ لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ اور ان کے نظائر میں تاویل کی باوجُودیکہ وُہ محکمات سے ہیں"۔ اِس کے باوجُود حضرتؒ نے مولینا کو کافر نہیں کہا۔ بلکہ فرمایا کہ مولینا کی یہ تقریر عملاً اُس مفہوم کی طرف جذبۂ دعوت پر محمُول ہے جو مولانا کے نزدیک بوجہ انہماک اور غلبۂ حال کے حق ہے۔

مولانا عبدالرحمٰن کے مسلک کی تردید کے دوران حضرتؒ نے کلمۂ توحید کی وجُوہِ بلاغت کے متعلق بھی بیان فرمایا ہے جو اہلِ علم کے لیے باعثِ دلچسپی ہوگا۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کی وجُوہِ بلاغت

۱۔ اِلٰہ کی تخصیص بذکر کی گئی اور "لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللہُ" اور "لَا مَوْجُوْدَ غَیْرُ اللہِ" نہیں کہا گیا بوجہ عدم بلاغت ان کلمات کے۔

۲۔ "لَا اِلٰہَ" میں تناسب وصلِ خفیف کا خفیف سے یعنی لَا کا اِلٰہ سے اور اِلَّا اللہُ میں وصلِ ثقیل (یعنی اِلَّا مشدّد) کا ثقیل (اللہ مشدّد) سے ہے جس کا لُطفِ فصاحت واضح ہے۔

۳۔ خفیف سے ثقیل کی طرف انتقال تلفظ میں زیادہ آسان اور لطیف ہے اس لئے دونوں لفظ جو خفیف ہیں یعنی لَا اور اِلٰہ اوّل ذکر کیے گئے ہیں۔ اور جو ثقیل ہیں یعنی اِلَّا اور اللہ ثانیاً مذکور ہوتے۔

۴۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کے سارے حرُوف غیر منقوط ہیں اور تعدد اور تغائر موہُومہ سے بری ہیں۔

۵۔ کلمۂ طیّبہ کے حرُوف متقارب فی المخرج ہیں۔ لام اور الف ساکن وسط سے اور ہمزہ و ہا حلق سے نیز مُطابق حرُوف کے (یعنی الف، لام، ہا و ہمزہ) الفاظ بھی تعداد میں چار ہیں (لا ۔ الٰہ ۔ الّا ۔ اللہ)

۶۔ کلمۂ طیّبہ کے الفاظ صُورتاً متقارب ہیں جیسا کہ اِس کے حرُوف مخرج میں متقارب ہیں۔ اور تقارب صُوری صنائع محسنہ سے شمار ہوتا ہے۔

۷۔ کلمۂ طیّبہ کے کلمات معنی میں بھی متقارب ہیں۔ کیونکہ کلمۂ لَا نفی کے لیے موضُوع ہے اور ایسا ہی کلمۂ اِلَّا جب ایجاب میں واقع ہو تو نفی کا معنی دیتا ہے اور مذکور (اللہ) کے اطلاق سے بھی وُہی ذات مُراد لی جاتی ہے جو کلمۂ "اللہ" سے مُراد ہے۔ تقاربِ معنوی محسّناتِ بلاغت سے ہے۔

عالمِ برزخ کا بیان

توحیدِ وجُودی کے مختلف پہلوؤں کی تشریحِ عارفانہ کے دوران عالمِ برزخ کے متعلق حضرتؒ اِس طرح فرماتے ہیں:-

"دُنیا سے منتقل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے موت کو بواسطۂ عزرائیل علیہ السلام موکل فرمایا۔ اِس نقل و حرکت میں جسمِ عنصری مادی سے جسمِ مثالی برزخی میں تبدیلی واقع ہوتی ہے بحکم "بَلیٰ قَادِرِیْنَ عَلیٰ اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَکُمْ وَ نُنْشِئَکُمْ فِیْمَا لَا تَعْلَمُوْنَ" (ہاں ہم اس بات پر قادر ہیں کہ تمہارے عنصری اجسام کو برزخی مثالی ابدان میں تبدیل کر کے تمہیں ایسے ابدان میں پھر اُٹھائیں جن کا تمہیں علم نہیں ہے)، برزخ بھی دو قسم کا ہے۔ ایک یہ کہ سب ارواح، خلقتِ ازلیہ کے بعد اجسام میں آنے سے پہلے اُس میں موجُود ہیں جو کہ عالمِ قدس سے تعبیر ہے۔ اور پیدائش اور تکمیلِ جسم کے بعد برزخ سے منتقل ہو کر دُنیوی زندگی کی میعاد مقررہ

تک جسمِ عنصری سے متعلق رہتے ہیں۔ دُوسری قسم وُہ ہے کہ اَرواح دارِ دُنیا سے اِنتقال کے بعد اُس عالمِ برزخیہ میں یومِ محشر تک جمع رہتے ہیں اَور وہاں سے عالمِ آخرت میں نقل کریں گے اَور اِس برزخِ ثانی میں بھی جنّت و دوزخ ہیں علاوہ اُس جنّت اَور نار کے جو عالمِ آخرت میں دائمی قرارگاہ ہوں گے۔ جنّت و دوزخِ برزخیہ کی اِنتہا زمین و آسمان کی بقا تک ہے بحکم "فَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ وَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ" (پس وُہ لوگ جو سعید ہُوئے ہیں وُہ جنّت میں ہوں گے جس میں وُہ داخل ہوں گے جب تک آسمان اَور زمین باقی ہیں مگر جو چاہے تیرا پروردگار۔ اَور وُہ لوگ جو شقی ہُوئے ہیں وُہ آگ میں ہوں گے۔ اُن کے لیے وہاں چیخ و پکار اَور فریاد ہے۔ اَور داخل ہوں گے اُس میں جب تک آسمان اَور زمین باقی ہیں، مگر جو چاہے تیرا پروردگار) اِس جنّت و دوزخ برزخیہ سے جنّت و دوزخِ اُخرویہ مُراد نہیں۔ عُلمائے ظاہر چُونکہ اِس معنی سے بے خبر ہیں اِس لیے قرآن مجید میں جہاں بھی جنّت و نار کا ذکر آیا ہے اُنہوں نے اُسے جنّت و نارِ اُخرویہ پر محمول کیا ہے۔

سجدۂ تعظیمی کی مُمانعت

مسئلہ وحدت وجُود کی بحث میں حضرتؒ نے دلائل قویہ سے سجدۂ تعظیمی کو ناجائز ثابت فرمایا ہے۔ اَور اگرچہ اولیاء اللہ اَور مومنین کی قبُور کی زیارت کو جائز اَور مُستحسن قرار دیا ہے مگر عُلماء اَور مشائخ کو اکابر دین کے مزارات کا بوسہ لینے سے منع فرمایا ہے۔ تاکہ عوام جو بوسہ اَور سجدہ میں فرق نہیں کر سکتے سجدۂ تعظیمی کے لیے اُن کے فعل کو حُجّت نہ بنا لیں۔

الغرض حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی اِس نادر تصنیف نے اُمّتِ اِسلامیہ کی ایک بہت بڑی ضرورت کو پُورا فرمایا اَور بتایا کہ اللہ تعالےٰ نے افرادِ انسانی کو مختلف اِستعدادات عطا فرمائی ہیں۔ بعض محض عقل و فکر کے مُدرکات کے سوائے قوّتِ قُدسیہ اَور وِجدان کے معلُومات سمجھنے سے قاصر ہیں اَور بعض کی شان یہ ہے کہ جہاں پر علُومِ عقلیہ کی اِنتہا ہوتی ہے وہاں سے اُن کے علُومِ قدسیہ کی ابتدا ہوتی ہے اَور اُن کے بحرِ معرفت کی کوئی اِنتہا نہیں ہوتی۔ بعض دیگر طبائع متوسّط ہوتی ہیں جن کے قلُوب کچھ تو عقل و فکر کے پابند ہوتے ہیں اَور کچھ عشق و محبت کی وِجدانی کیفیات سے متاثر۔ اِس لیے اُس حکیمِ مُطلق نے ہر فریق کی اِستعداد کے مُطابق اُسے مُکلّف بنایا ہے۔ عوام اربابِ عقل کے لیے فقط اسی پر اکتفا فرمائی کہ غیرِ خُدا سے معبُودیت کی نفی کر کے فقط ایک ہی ذات کو پرستش کے قابل سمجھتے ہُوئے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کو بمعنی لَا مَعْبُوْدَ اِلَّا اللّٰهُ وردِ جان بنائیں۔ اَور چُونکہ اکثریّت اِسی قسم کے افراد کی ہے لہٰذا اِسی نظریہ پر مدارِ نجات رکھی۔ اَور خواص جن کی فطرت میں کمالِ سعادت اَور نعمتِ وصل و مشاہدہ کی قابلیت رکھی گئی تھی اُنہیں اِس مفہُوم سے بالاتر لَا مَحْبُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ اَور پھر لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللّٰهُ کی حقیقتوں پر رسائی عطا فرما کر توحید کے اِنتہائی منازل فَنَا فِي اللّٰهِ اَور بَقَا بِاللّٰهِ کے مراتب پر سرفراز فرمایا۔ اَور چُونکہ یہ مفہُوم نہایت دقیق اَور عقل و فکر کی دسترس سے بالا تھا اِس لیے قرآن و حدیث میں اِس کی طرف صِرف اِشارات پر اکتفا فرمائی۔ قرآن مجید کا جس طرح ایک ظاہری مفہُوم ہے جو بطریقِ توارث صحابہ کرامؓ سے ہم تک پہنچا ہے اسی طرح ایک باطنی مفہُوم بھی ہے جو خواص مقبُولانِ خُدا کا حصّہ

ہے۔ اور حضرتؒ کا سب سے بڑا احسان یہ تھا کہ آپؒ نے اسی بات پر زور دیا کہ کسی فریق کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اس مسئلہ میں اختلاف کی وجہ سے دُوسرے فریق کی تکفیر اور تفسیق کرے۔ حضرتؒ نے اس طرح عُلمائے ظاہر اور باطن کے درمیان ایک ایسا اشتراک قائم فرمایا ہے جس کے بعد اس اختلاف کی نوعیّت صرف فروعی اور اجتہادی رہ جاتی ہے جس کی بنا پر کسی فرقہ کو دُوسرے کے خلاف کچھ کہنا شرعاً درست نہیں۔

دُوسری فصل

شمسُ الہدایۃ فی اثباتِ حیاتِ المسیح

(سنہ ۱۳۱۷ھ مطابق سنہ ۱۹۰۰ء)

وجہِ تالیف

"تحقیقُ الحق" کی تصنیف کے تقریباً دو سال بعد حضرتؒ نے قادیانی تحریک کی تردید میں کتاب "شمسُ الہدایت" تالیف فرمائی۔ اِس سے قبل باب "مسندِ ارشاد" میں تفصیلاً بیان کیا جاچکا ہے کہ حضرتؒ نے اِس تحریک کے اِبطال میں معرکۃ الآرا کردار ادا فرمایا۔ وہاں یہ بھی بتایا جاچکا ہے کہ اِس تحریک کے بانی اپنی اوائلِ عُمر میں وُہی اعتقادات رکھتے تھے جو عامۃ المسلمین کے تھے اور اپنے دعوائے نبوّت تک پہنچنے کے لیے اُنہوں نے کئی مدارج طے کیے۔ اپنے ابتدائی دَور میں اُنہوں نے آریہ سماجیوں اور نصاریٰ کے خلاف دینِ اسلام کی حمایت میں کئی مناظرے بھی کیے جس سے اُس وقت کے اہلِ علم کافی متاثر ہُوئے سب سے پہلا قدم جو اُنہوں نے اپنے دعوائے نبوّت کے اِرتقاء کی طرف اُٹھایا وُہ اپنے آپ کو مجدّد ظاہر کرنے کا تھا۔ اِس پر عامۃُ المسلمین کا ایک طبقہ مشوّش تو ہُوا مگر اِس خیال سے خاموش رہا کہ یہ شخص اہلِ ہنود و نصاریٰ کے مقابلہ میں کھڑا ہُوا ہے۔ اگر بوجہ تفاخر اپنے آپ کو القابات سے مرصّع کرنا چاہتا ہے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ ان کا دُوسرا قدم اپنے آپ کو مسیح موعُود کہلانے کا تھا۔ یہ قدم اُٹھانے سے پہلے اُنہوں نے اِس عقیدۂ اجماعیہ اہلِ اسلام کی نفی کی کہ حضرت عیسٰے علیہ السّلام سُولی پر نہیں چڑھائے گئے بلکہ اللہ تعالٰے نے اُن کو بجسدِ عنصری اُوپر اُٹھا لیا جہاں وُہ اُس وقت تک رہیں گے جب وُہ قیامت سے پہلے دوبارہ اِس زمین پر اُتارے جائیں گے۔ اور کہا کہ اگرچہ حضرت عیسٰی علیہ السّلام کو یہُود نے صلیب پر چڑھایا مگر اُن کی موت واقع نہ ہوئی بلکہ اُن کے حواریوں نے اُنہیں وہاں سے اُتار کر چُھپا دیا اور وُہ اپنی عُمرِ طبعی گزار کر ۸۷ سال بعد سری نگر میں فوت ہُوئے۔ اور جس مسیح کے قیامت سے پہلے آنے کا ذِکر قُرآن کریم میں ہے وُہ مثیلِ مسیح ہوگا اور دعوےٰ کیا کہ وُہ مثیل وُہ خود ہیں۔ اپنے اِس دعوےٰ کی تصدیق میں اُنہوں نے آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی پیش کیں۔ اِس موقعہ پر دیگر عُلمائے اِسلام نے محسُوس کیا کہ اَب خاموش رہنے کا وقت نہیں کیونکہ خدشہ تھا کہ مغربی تعلیم یافتہ لوگ بوجہ اپنی کم علمی دربارۂ امُوراتِ مذہبیہ مرزا صاحب کی توجیہات کا رد نہیں کرسکیں گے۔ اِس پر حضرتؒ نے اپنی یہ کتاب "شمسُ الہدایۃ فی اثباتِ حیاتِ المسیح" تالیف فرمائی۔ کتاب کی ابتدا میں حضرتؒ نے جو وجہِ تالیف بیان فرمائی وُہ مختصراً اِس طرح سے ہے۔

"حضراتِ ناظرین پر پوشیدہ نہیں کہ آج کل فطرتِ انسانی تعصّب کی ہواؤں اور جہالت کے بُخارات سے متاثر ہورہی ہے۔ اور ایسا ہونا ہی تھا کیونکہ ہدایت اور استقامت کا سُورج ڈوبنے کے قریب آگیا۔ اور استوا کا زمانہ حکایت بن کر رہ گیا۔ اِس وقت بسببِ فقدانِ تقویٰ نہ تو اشراقِ نُوری ہے اور نہ انشراحِ صدری۔ جس کی وجہ سے حق و باطل کے درمیان تمیز دُشوار ہے۔ لیاقتِ علمی

بھی مفقود ہے جس کی وجہ سے احکامِ شریعہ پر عمل نہ سہی کم از کم اعتقاد تو درست رہ سکتا ہے۔ دُنیا میں ظاہر پرستی، سخن سازی، ہوس بازی اور فتنہ پردازی کا دور دورہ ہے اور سادگی اور راستی جو شعائرِ اسلام میں سے ہیں وُہ مفقود ہوتے جا رہے ہیں۔ اس کے باوجود ابنائے زمانہ اپنے آپ کو بزعمِ خود مُنفرد اور یکتائے روزگار سمجھتے ہیں اُن کے نزدیک مکاشفاتِ انبیا علیہم السّلام میں تو غلطی فی الکشف یا فی التعبیر ہونا ممکن ہے مگر اُن کے اپنے معانیات میں تاویل تک بھی ناممکن ہے۔ ایسا ہی عُلمائے سلف کے اجتہادات اُن کے نزدیک خیالاتِ فرسودہ ہیں اور کوئی وجہ اُن کی صحت کے لیے نہیں سوائے اس صُورت کے کہ وُہ ان حضرات کی رائے اور استنباط پر منطبق ہو جائیں۔

میری توجہ اُن "حقائق و معارف" کی طرف دِلائی گئی تھی جو تالیفات مثل "ازالہ اوہام" "دافع الوساوس" اور "ایام صلح" میں مندرج ہیں۔ مگر میں عُلمائے کرام کو اُن کی لعن طعن سے بدیں وجہ روکتا رہا کہ خلافِ شعائرِ اسلام ہے لیکن اب نوبت یہاں تک آپہنچی ہے کہ ہر محفل میں اظہارِ حقیت عقیدۂ مرزائیہ اور تکذیب و تجہیل بلکہ تکفیر عُلمارِ کرام کی جن کا اعتقاد مُطابق سلف کے تھا ہونے لگی ہے جس کے سُننے کی برداشت مجھ میں نہیں۔ اور عقیدۂ حقہ کا یوماً فیوماً اضمحلال بھی گوارا نہیں۔ لہٰذا یہ چند مضامین حسبِ رائے ناقص لکھے گئے تاکہ آیاتِ قرآنی اور احادیث کے صحیح معنی ابنائے زمان پر واضح ہو جائیں اور وُہ عقیدۂ اجماعیہ اہل اسلام سے بوجہ کم علمی کے انحراف نہ کریں۔"

اِس کے بعد حضرتؒ نے بانیٔ مرزائیت کے اُن دلائل کا ذکر فرمایا جو وُہ حضرت عیسےٰ علیہ السّلام کے وفات پا جانے کے حق میں بیان کرتے تھے۔

"آج کل کے تعلیم یافتہ افراد اور اُن زُعمی مولویوں اور فاضلوں سے اگر پُوچھا جائے کہ بتاؤ میاں، آیت یٰعِیْسٰٓی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ اور ایسے ہی فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ جس قرآن کے ساتھ تمہارا ایمان ہے اُس میں موجود ہے یا نہیں؟ اور لفظ تَوَفِّیْ تیئس جگہ قرآنِ کریم میں معنی موت ہی میں مستعمل ہے اور افقہ النّاس عبداللہ ابن عباسؓ نے بھی یہی معنی لیا (بُخاری اور عباسی تفسیر ابن کثیر وغیرہ وغیرہ) تو حسبِ قولہ تعالیٰ یٰعِیْسٰٓی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ کے وعدۂ وفات اور بمقتضائے فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ الخ عیسےٰ بن مریم کی موت اور اُس کے بعد اُن کا رفع رُوحانی ہو چکا اور آیت قِیْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ اور ایسے ہی فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ اور ایسے ہی احادیثِ صحیحہ سب شہادت دے رہی ہیں کہ ارواحِ مقربین بعد الوفات جنت میں داخل ہو جاتے ہیں اور بعد دخول جنت کے پھر نکلنا اُس سے بحکمِ آیت وَمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِیْنَ کے ناممکن ہے۔ ایک فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کیا بلکہ آیت قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اور اِنَّكَ مَیِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّیِّتُوْنَ اور اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَآءٍ بتمامہا اور وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ اور وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِی الْخَلْقِ اور اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ اور فِیْهَا تَحْیَوْنَ وَفِیْهَا تَمُوْتُوْنَ اور وَلَكُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِیْنٍ اور كَانَا یَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ اور وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّا اور قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا اور هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّاْتِیَهُمُ اللّٰهُ فِیْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِیَ الْاَمْرُ اور هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِیَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ یَاْتِیَ

---

[1] یہ تالیفات فرقہ مرزائیہ ہیں۔

رَبُّكَ اَوْ يَاْتِىَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ يَوْمَ يَاْتِىْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِىْۤ اِيْمَانِهَا خَيْرًا - اور وَقَالُوْا لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِىَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ اور وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ اور حدیثِ صحیح کما قال العبد الصالح اور حدیثِ صحیح لَا یَاْتِیْ مِائَةُ سَنَةٍ عَلَى الْاَرْضِ نَفْسٌ مَّنْفُوْسَةٌ اَلْيَوْمَ - یہ سب آیات اور احادیثِ صحیحہ باآوازِ بلند موتِ ابنِ مریم علیٰ نبیّنا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی خبر دے رہی ہیں - علاوہ اس کے عقلِ انسانی اور قصّۂ عودِ ایلیا بھی جو انجیل میں مذکور ہے صعود اور نزولِ مسیح سے بعینہٖ بجسدہ العنصری مُنکر ہیں - احادیث نزولِ ابنِ مریم اور خروجِ دجّال وغیرہ منجملہ مکاشفاتِ نبویّہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے ہیں - اور کشفِ اجمالی مثل دیکھنے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے عورت پراگندہ بالوں والی کو کہ گرداگرد مدینہ طیّبہ کے گھوم رہی تھی وغیرہ وغیرہ تعبیر طلب ہوتا ہے - بحالتِ خواب دیکھنے میں کچھ اور آتا ہے اور ظہور میں کچھ اور ہوتا ہے - جیسا کہ خواب میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اُس عورت کو دیکھا اور تعبیر اُس کی وبائے مدینہ طیّبہ سے (زادہا اللہ شرفاً) فرمائی - معہذا تعبیر میں خطا بھی ممکن ہے - جیسا کہ خواب میں آپ نے یہی سمجھا کہ اِمسال مکّہ معظّمہ کو (زادہا اللہ تکریماً) جانا ہوگا اور بعد مراجعت فرمانے کے حدیبیہ سے، معلوم ہوا کہ تعبیر میں تخصیصِ اِمسال کی غلطی ہوئی - الغرض آیات واحادیثِ متذکرہ بالا باعث شدید ہیں ماول ٹھہرانے پر احادیثِ نزولِ مسیح اور خروجِ دجّال وغیرہ کے یعنی کہ احادیثِ نزول سے مُراد ظہور اُس شخص کا ہے جو مماثل ہو ابنِ مریم کا جیسا کہ مُراد ایلیا کے دوبارہ آنے سے مثیلِ ایلیا یعنی ظہورِ یحییٰ کا بشہادت مسیح ابنِ مریم کے تھا - وُہ شخص مثیلِ ابنِ مریم کا کون ہے؟ میں ہُوں! (یعنی مرزا صاحب) کیونکہ الہام منجملہ براہینِ قاطعہ کے اور حُجج ساطعہ کے ہے (فتوحاتِ مکّیہ اور میزان عبدالوہاب شعرانی وغیرہ)

حضرتؒ فرماتے ہیں کہ "بعد استماع اِن دلائل کے آج کل کے تعلیم یافتہ حضرات طوعاً و کرہاً انہیں صحیح تسلیم کریں گے کیونکہ ان کی تائید کتاب اللہ، سُنّت، انجیل اور عقل سے ہو چکی ہے، نہ کریں تو کیسے؟ قرآن وحدیث سے کیسے مُنکر ہوں - لہٰذا یہ چند خزف ریزہ ہدیۂ ناظرین کرتا ہُوں تاکہ ایسی تقاریر کے دھوکے میں نہ آجائیں اور اُسی صحیح راستہ پر چلیں جو مُراد ہے اِس حدیث سے :

لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ مَا تَمَسَّكْتُمْ بِاَمْرَیْنِ كِتَابَ اللّٰهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّهٖ (موطا امام مالک) یعنی جب تک کتاب و سُنّت کو مضبوط رکھو گے میرے بعد ہرگز گُمراہ نہ ہو گے۔

آگے چل کر حضرتؒ نے بانیٔ مرزائیّت کی اُس تحدّی کا ذکر فرمایا ہے جو اُنہوں نے اپنی کتاب "ایام الصّلح" میں بزبانِ فارسی درج کی تھی اور جس کا ذکر پہلے بابِ مسندِ ارشاد میں آچکا ہے کہ "اِس وقت آسمان کے نیچے کوئی شخص میری برابری کی لاف نہیں مار سکتا۔ میں علانیہ کہہ رہا ہُوں اور ہرگز ایسا کہنے سے نہیں ڈرتا کہ مسلمانو تمہارے اندر بعض لوگ ہیں جو مُحدّثیت اور مُفسّریت کے بلند بانگ دعوے کرتے ہیں اور بعض نازشِ ادب سے زمین پر پاؤں نہیں رکھتے - ایک اور گروہ ہے جو خُدا شناسی کا دم مار کر اپنے تئیں چشتی اور قادری اور سُہروردی ونقشبندی اور کیا کیا (چہا وچہا) کہتے ہیں - ان سب کو میرے سامنے لاؤ"۔

حضرتؒ اس کے جواب میں فرماتے ہیں :-

"آپ نے بجا فرمایا - وُہ لوگ چُونکہ مُفسّر اور محدّث اور خدا شناس ہیں تو پھر لاف زنی اور گردن فرازی ان سے کیسے ظاہر ہو سکتی ہے - بلکہ وُہ لوگ تو چاہتے ہیں کہ آپ کو بھی اللہ تعالیٰ ایسی لافوں سے بچائے اور فَوْقَ كُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ اور بَلٰی عَبْدٌ نَّا خضرؑ کی طرف توجہ دلاتے ہے۔

خاکساران جہاں را بحقارت منگر تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

بخدائے لایزال وطم یزل اپنی چشم دید عرض کرتا ہوں کہ مشاہیر اور مستورین کو بھی گروہ اہل اللہ سے دیکھا کہ کمالات باطنیہ از قسم مکاشفات وغیرہ اُن کے نفوسِ مُطہرہ سے صبغۃ اللہ کی رنگت اور کُنْتُ سَمْعَہُ الَّذِیْ یَسْمَعُ وَبَصَرَہُ الَّذِیْ یُبْصِرُ (میں اُس کی سمع و بصر ہو جاتا ہوں۔ وُہ مجھ سے سُنتا اور دیکھتا ہے) کا تماشہ دکھلا رہے تھے مگر کیا ممکن کہ نظر بر قدم اور ہوش در دم سے گردن اُٹھا کر کسی طرح کا دعوے یا لاف زنی کریں۔ اس گستاخی کے بعد معروض خدمت ہے کہ طالب عرفان کو خصوصیت چہاد چہاسے کیا غرض احصُولِ مطلب چاہیئے جس سے ہو۔ آپ ہی معنی کلمۂ طیبہ کا جو اصل ایمان اور عرفان کا ہے[1] فقط ظاہری طور پر فرمادیں۔

رفع و نزول و حیاتِ مسیح پر دلائل

حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ نے اس کتاب میں دینِ مرزائیت کے بُنیادی مسئلہ وفاتِ مسیح کی تردید کرکے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے آسمان پر بجسدِ عنصری زندہ اُٹھائے جانے اور قیامت کے قریب زمین پر دوبارہ نزول فرماکر اسلام کی نصرت کا باعث بننے کو قرآن و حدیث سے نہایت زبردست دلائل سے ثابت فرمایا ہے اور اسے اُمّتِ اسلامیہ کے متفق علیہ عقائد سے قرار دیا ہے۔ نیز یہ بھی ثابت فرمایا ہے کہ اُن کی موت اور اُن کے مثیل کے دُنیا میں بطور مسیح موعود آنے کے قادیانی عقائد غلط اور باطل ہیں۔ کتاب سوالات اور جوابات کے رنگ میں ہے جس سے مسئلہ زیر بحث نہایت صاف اور واضح ہو جاتا ہے۔ چند ایک چیدہ ابحاث کا خلاصہ ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے۔

سوال ۔ اہل اسلام کا حضرت مسیح علیہ السلام کے آسمان پر اُٹھائے جانے کے بارے میں عقیدۂ اجماعیہ کیا ہے؟

جواب ۔ اکثر و بیشتر اہلِ اسلام حضرت مسیح ابن مریمؑ کے اس جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر اُٹھائے جانے کے قائل ہیں مگر بعض محققین کا خیال ہے کہ وُہ جسم برزخی تھا۔ لیکن اس پر سب کا اتفاق ہے کہ وُہی مسیح ابن مریمؑ دوبارہ آسمان سے نازل ہوں گے۔

---

[1] محاورہ قرآن کریم میں لفظ اِلٰہ کا درحالتِ اتصاف بالوحدۃ مثل اِلٰہٌ وَّاحِدٌ کے اور ایسا ہی وقت اضافت کے مُوحدین کی طرف مثل اِلٰہُکُمْ وَاِلٰہُ اٰبَآئِکُمْ مراد اُس سے معبُودِ حقیقی ہوتا ہے۔ اور وقت استغراق کے مثل وَمَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ، اور جمعیت کے وقت مثل وَلَوْ کَانَ ھٰٓؤُلَآءِ اٰلِھَۃً مَّا وَرَدُوْھَا اور ایسا ہی وقت اضافت کے مشرکین کی طرف، مراد اُس سے معبُوداتِ ممکنہ مثل اصنام وغیرہ کے ہوتے ہیں۔

بنا بریں علیہ لفظ اِلٰہ جو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ میں واقع ہے مراد اُس سے اِلٰہِ ممکنہ ہوں گے اور نیز تقریب بھی اسی صُورت میں تمام ہوتی ہے۔ کیونکہ براہین خمسہ میں مراد اِلٰہ سے اصنام ہی ہیں۔ مثلاً لَوْ کَانَ فِیْھِمَآ اٰلِھَۃٌ اِلَّا اللہُ لَفَسَدَتَا۔

بعد تعیین ارادہ اصنام کے اِلٰہ سے کلمۂ طیبہ میں، تقدیر امکان یا وجُود کی مُستلزم ہے وقُوعِ کذب کو والعیاذ باللہ، اصل اسلام میں جو کلمۂ طیبہ ہے کیونکہ اس وقت معنی یہ ہوگا کہ کوئی فردِ افرادِ معبُوداتِ ممکنہ سے یعنی اصنام و کواکب وغیرہ ممکن نہیں یا موجُود نہیں۔ اور استیلا صفاتی بعضھم علیٰ بعض جیسا کہ منافی لوجُوب بر تقدیر وحدۃ وجُوب نہیں ایسا ہی بر تقدیر تعدد بھی نہ ہوگا۔

بنا بریں علیہ اگر ارادہ استحقاق للعبادۃ کا حقیقی طور پر، جو مساوق لوجُوب ہے، عنوان موضوعی یا محمُولی سے بھی کیا جائے تو مُستلزم لَمَا کَانَتَا یا لَفَسَدَتَا کو نہیں ہو سکتا۔ اور ازلیت امکان چونکہ مُستلزم ہے امکان ازلیت کو مادۂ وجُوب میں، لہٰذا ممکنہ عامہ مُوجبہ جزئیہ، جو نقیض ہے ضروریہ سالبہ کلیہ کی، یعنی لَآ اِلٰہَ مَوْجُوْدٌ بِالضَّرُوْرَۃِ کی، والعیاذ باللہ، صادق ہوگا۔

الغرض تقدیر ممکن یا موجود یا مستحق زعمی کی مُستلزم ہے وقُوعِ کذب کو مُدعٰی میں۔ اور ارادہ استحقاق واقعی کا مقتضی ہے بُطلان براہین کو۔

اس تقریر سے ناظر کی بظاہر ہو گیا ہو گا کہ جواب تفتازانی اور شیخ اکبر وغیرہ علما کا دفع اشکال مذکور میں مفید نہیں۔ جواب اس کا حسب محاورۂ قرآنیہ چاہیئے اور یہ بھی معلوم ہو کہ فرق کرنا تصادق فیما بین الذوات اور تصادق فیما بین الصفات میں بعد اشتراک فی الوجُوب کے مفید نہ ہوگا جیسا کہ وجُوب بالذات اور بالغیر میں۔ کیونکہ یہ جائز ہے سلب صفات کو ذاتِ واجبیہ سے فی مرتبۃ من المراتب۔ ایسی گفتگو جس سے خُود نمائی کی بُو آئے شانِ عبُودیت کو ہرگز شایاں نہیں۔

سوال۔ یہ عقیدہ محض بے اصل اور اجماع کورانہ ہے جیساکہ مرزا صاحب نے "ازالۂ اوہام" میں لکھا ہے یا قرآن و حدیث سے بھی اس کی کوئی سند ہے؟

جواب۔ ارشادِ باری ہے "وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ (یعنی یہود نے حضرت مسیح ابن مریم کو یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی طرف اُٹھا لیا) یہ نص قطعی ہے جو دلالت کرتی ہے کہ آپ یہودیوں کے ہاتھوں مقتول نہیں ہوئے بلکہ جسم کے ساتھ زندہ آسمان پر اُٹھا لیے گئے۔

سوال "بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ" سے کیا رفع روحانی مراد نہیں ہے بشہادتِ محاورہ قرآن" يَا اَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً "جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ عند اللہ معزز و مکرم ہوئے۔

جواب آیتِ مذکورہ میں حسب محاورہ قرآنیہ اور اہلِ لسان "بَلْ" جس کا ترجمہ بلکہ ہوتا ہے ابطالِ ماقبل کے لیے ہے یعنی اللہ تعالیٰ زُعمِ یہود کو جو حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام کی مقتولیت اور مصلوبیت کے قائل تھے باطل فرماتا ہے اور ماقبل اور مابعد اضرابیہ ابطالیہ کے متضاد ہوتے ہیں یعنی دونوں متحقق نہیں ہوتے۔ بلکہ پہلے جملہ کا ابطال اور دوسرے کا اثبات کیا جاتا ہے۔ مثلاً وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ میں ولدیت کا ابطال اور عبودیت کا اثبات کیا گیا ہے اور اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ میں جنوں کا ابطال اور ایتان بالحق کا اثبات ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ زید کو میں نے نہیں مارا بلکہ اُس کو عزت دی۔ عمرو کو میں نے بھوکا نہیں چھوڑا بلکہ پیٹ بھر کے کھلایا۔ ان سب مثالوں میں لفظ بَلْ سے پہلی اور پچھلی کلام کے مضمون کا باہم تضاد واقع ہوتا ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ بل اضرابیہ کے ماقبل اور مابعد کے درمیان تضاد اور تنافی ضروری ہے۔ پس آیت مذکور میں بھی ضروری ہوا کہ مقتولیت اور مرفوعیت میں منافات ہو یعنی دشمنوں کے ہاتھوں مارے جانے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے اُس کی طرف اُٹھائے جانے کے درمیان تضاد ہو اور دونوں چیزیں جمع نہ ہو سکیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ قتل اور رفع روحانی کے درمیان کوئی منافات نہیں۔ دونوں یکجا پائے جا سکتے ہیں۔ مقربین میں جو قتل کیا جاتا ہے، عالمِ علوی کی طرف اُس کا رفع روحانی بھی ایک لازمی امر ہے۔ پس رفع سے مُراد رفع جسمانی لینا پڑے گا کیونکہ حضرت مسیحؑ کے قتل جسمی اور رفع جسمی میں ہی تضاد ہو سکتا ہے۔ اگر جسم آپ کا یہود کے ہاتھوں مقتول ہوا تو وُہی جسم عالم بالا کی طرف مرفوع نہ ہوا۔ اور اگر مسیح اسی جسمِ ظاہری کے ساتھ بحفظ و امان اُٹھائے گئے تو یہود کے ہاتھوں مقتول نہیں ہو سکتے۔ بہر حال یہ آیت نصِ صریح ہے کہ مسیح علیہ السلام اسی جسمِ ظاہری کے ساتھ اُٹھائے گئے۔ اور یہ سوال غلط ہے کہ خُدائے تعالیٰ کی طرف اُٹھائے جانے سے لازم آتا ہے کہ خُدائے تعالیٰ کے لیے بھی کوئی مکان ہو جہاں پر حضرت عیسیٰؑ کو اُٹھایا گیا ہو۔ کیونکہ اس قسم کی تمام آیات میں سلف نے عالمِ علوی اور سمٰوٰت کی طرف اُٹھایا جانا مُراد لیا ہے۔ چنانچہ آیت اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ وغیرہ دیگر آیات میں تمام مفسرین یہی معنیٰ لیتے چلے آرہے ہیں کہ اعمالِ صالح اور کلماتِ طیّب آسمان کی طرف اُٹھائے جاتے ہیں جو محلِ قبولِ خیرات ہے اور مقامِ علیین اور اعلی الدرجات۔

"اَلْقَوْلُ الْجَمِيْلُ تَصْدِيْقُ الْمُثَيْلِ" کا حوالہ دے کر فرماتے ہیں کہ مرزا صاحب اور اُن کے اتباع کا قول ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے رفع اور نزول کے متعلق قرآن اور حدیث میں لفظ سما نہیں آیا رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَى السَّمَآءِ اور يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ کہیں وارد نہیں۔ حضرتؒ نے اِن سے استفسار فرمایا ہے کہ بھلا صاحب! یہ تو فرمائیے کہ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ جس کا مدلول خُدا کی طرف مرفوع ہوتا ہے، رفع روحانی ہی سہی، کس طرح متحقق ہوگا؟ اور ایسا ہی ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ میں اپنے رب کی طرف نفس کے

رجوع کی کیا صورت ہوگی ؟ اور کلماتِ طیبہ اور عمل صالح کا خدائے پاک کی طرف مرفوع ہونا کیسے ہوگا ؟ اس کا جواب یہی ہوگا جیسا احادیث میں وارد ہے کہ خدا کی طرف مرفوع ہونا یا رجوع ہونا یا چڑھ جانا۔ اُس کی صورت یہ ہے کہ آسمان کو جو عبادِ مکرمین کا محل ہے قرارگاہ اُن کی بنایا جائے۔ نہ کہ بجائے آسمان کے زمین میں یا آسمان اور زمین دونوں سے باہر مقرر کیا جائے۔ ایسا ہی رفع جسمی کی صورت میں بھی الیہ کا ملاحظہ فرماکر سما کو مذکور سمجھیں۔ پس رَفَعَ اِلَی اللّٰہ اور رَفَعَ اِلَی السَّمَاءِ اور رُجُوْع اِلَی الرَّبِّ اور صُعُوْد عَلَی السَّمَا مُتَسَاوِق فی المعنیٰ ہیں۔ اور احادیث میں تو صراحۃً بھی لفظ سما آگیا ہے۔

فرماتے ہیں کہ ان اصحاب کے اصولِ موضوعہ میں سے تقابلِ قرآن اور حدیثِ صحیح بھی ہے کہ اس مغالطہ سے بڑے کام نکلتے ہیں۔ جب عوام کالانعام سے مخاطب ہوکر پوچھتے ہیں کہ بتاؤ میاں خداوند کریم کی کلام پاک مقدم ہے یا بندہ کی ؟ مخاطبین بیچارے حسبِ لیاقت خود بول اُٹھتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ کی کلام مقدم ہے۔ خدا خدا۔ بندہ بندہ۔ یہ کوئی نہیں کہتا۔ اجی حضرت آپ سوال تقدیم و تاخیر از راہِ عظمت و منزلت فرمارہے ہیں یا از قبیلِ تفصیل و بیان ؟ اگر من حیث العظمت ہے تو سب اہلِ اسلام کلامِ الٰہی کو زائد العظمت مانتے ہیں لہٰذا ممتاز کار کن کلامِ الٰہی ہو سکتی ہے نہ حدیث۔ اور اگر بجہتِ تفصیل و تشریح فرماتے ہیں تو حدیث شریف مقدم ہے کیونکہ پہلے مضمون تفصیلی حدیث شریف کا ہمارے اذہان میں آئے گا تب اجمال آیت کو ہم سمجھیں گے۔ ہاں صحت میں غور کرنا نہایت ضروری ہے۔ اُس رحمۃٌ للعالمین خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو بحکمِ مطلق لَاتُدْرِکُهُ الْاَبْصَارُ نے اس لیے اپنے اور ہمارے درمیان برزخ قرار دیا ہے کہ برزخ کے پرلی طرف کی بات برزخ ہی کے مبارک منہ سے مع تشریح سن لیں۔ جیسا کہ قولہ تعالیٰ

اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا۔

اپنے بندے پر کتاب نازل فرمائی اور اس میں کوئی کجی نہیں رکھی۔

اور

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ۭ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآىِٕنِيْنَ خَصِيْمًا۔

ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ کتاب نازل فرمائی تاکہ جو کچھ اللہ نے آپ کو دکھایا اس کے مطابق لوگوں میں حکم فرمائیں اور خیانت کرنے والوں کے طرفدار نہ بنیں۔

اور

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ۔

اور ہم نے آپ پر کتاب نہیں اُتاری مگر اس لیے کہ آپ صاف طور وہ چیز بیان کر دیں جس میں اُنہیں اختلاف ہے اور ہدایت و رحمت اُس قوم کے لیے ہے جو ایمان لاتے ہیں۔

اور

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ۔

اور ہم نے آپ پر ذکر نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے لیے وہ چیز بیان فرمادیں جو اُن کی طرف نازل کی گئی اور شاید کہ وہ فکر کرلیں۔

اور حدیث شریف

اَلَا اِنِّيْ اُوْتِيْتُ الْقُرْاٰنَ وَمِثْلَهٗ مَعَهٗ يَعْنِي السُّنَّةَ

خبردار میں قرآن اور اس کی مثل اس کے ساتھ دیا گیا ہوں (یعنی سنت)

اسی برزخ سے مخصوص ہے۔ ایسا ہی ذمہ داری

اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ

بے شک قرآن کا جمع کرنا، اس کا پڑھنا اور بیان کرنا ہمارے ذمہ ہے

اُسی کو شایان ہے۔ فَسُبْحَانَ مَنْ خَلَقَهٗ وَاَجْمَلَهٗ وَاَكْمَلَهٗ وَعَلَّمَهٗ وَاَدَّبَهٗ فَاَحْسَنَ تَادِيْبَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
اِس تقریر میں حضرتؒ نے منکرینِ حدیث کا مُنہ بھی بند کر دیا ہے۔ اِس کے بعد حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ نے حضرت مسیح ابن مریم (علیہما السّلام) کے بجسدِ عنصری رفع الی السّما اور نزول من السّما پر چالیس کے قریب احادیث اور آثارِ صحابہ کی تخریج فرمائی ہے جن میں اکثر کے اندر لفظ سما موجود ہے اور جو بائیس صفحاتِ کتاب پر پھیلی ہوئی ہیں جنہیں بخاری۔ مُسلم۔ مسند امام احمد۔ تفسیر ابن جریر۔ ابنِ کثیر۔ دُرِّ منثور اور کنز العمّال جیسی مُستند کتابوں میں ذکر کیا گیا اور جن کی روایت مندرجہ ذیل اٹھارہ صحابہ کبار وغیرہم نے فرمائی۔

حضرت عائشہ۔ حضرت عبد اللہ بن عباس۔ عبد اللہ بن مسعود۔ ابُو ہریرہ۔ انس بن مالک۔ عبد اللہ بن عمرو۔ عثمان بن ابی العاص۔ ابی امامہ۔ جابر۔ سمرہ بن جندب۔ عمرو بن عوف۔ حذیفہ بن اسید۔ حذیفہ بن یمان۔ عمران بن حصین۔ کیسان۔ ابی شریحہ۔ نواس ابن سمعان اور مجمع بن جاریہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

اِس کے علاوہ حضرتؒ نے مزید آٹھ وجُوہات سے مرزائیوں کے اِس دعویٰ کا ابطال کیا کہ رفع رُوحانی تھا جسمانی نہ تھا۔ اور بلاشک اِن وجُوہات کی تشریح کی جائے تو آٹھ جلدیں مرتب ہو سکتی ہیں۔ مرزا صاحب کی اِس تاویل کو کہ نزولِ مسیح سے میرا ظہور مُراد ہے جو مثیلِ مسیح ہُوں بدلائل اِس قدر مضحکہ خیز ثابت کیا ہے کہ قادیانیت کی تلبیس کا پردہ یکسر چاک ہو کر رہ گیا ہے۔ اور یہی حشر اِس زعمِ باطل کا ہُوا کہ دجّال ایک شخص معیّن نہیں بلکہ پادری دجّال ہے جنہیں میرے دلائل نے قتل کر دیا ہے۔ اور کہ (نعوذ باللہ) حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو دجّالِ شخصی کے معاملہ میں ابہام رہا ہے۔ حضرتؒ فرماتے ہیں کہ غلطی پر قیام نبی کی عصمت کے منافی ہے۔

آیت اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ میں توفّی کو موت کے معنی میں لینے کا ابطال صحابہ اور تابعین کی تفاسیر سے کماحقہٗ کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اگر توفّی سے موت کے معنی بھی لیے جائیں تو مرزا صاحب کا مقصد حاصل نہیں ہوتا کیونکہ یہاں متوفّی اِسم فاعل کا صیغہ ہے جو حال اور استقبال دونوں پر حاوی ہے جس سے یہی معنیٰ حاصل ہوگا کہ میں ہی آئندہ زمانہ میں کسی وقت تجھے وفات دُوں گا۔ یہ یہُود تجھے قتل کرنے پر قادر نہیں ہو سکتے۔ اور تمام اہلِ اسلام اِس چیز پر متفق ہیں کہ آپ قربِ قیامت میں آسمان سے نازل ہو کر وفات پائیں گے۔

مرزا صاحب نے قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ میں خلو کو موت کے معنی دے کر استدلال کیا تھا کہ حضرت عیسے علیہ السلام کی موت پر یہ آیت بھی دلالت کرتی ہے۔ حضرتؒ فرماتے ہیں اِس طرح آیت سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ کے معنی ہوں گے کہ معاذ اللہ سُنّتِ الٰہی مر چکی ہے اور اِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ کے ماتحت جب منافقین اپنے سرداروں کی طرف جاتے تھے تو مر جاتے تھے۔

اِن دلائل اور کئی دیگر ضمنی مباحث پر استدلال کا پُورا لُطف اِس کتاب کے دیکھنے ہی پر موقوف ہے جو اپنے نقشِ اوّل پر نصف صدی سے زیادہ عرصہ گذرنے پر بھی بار بار طبع ہو رہی ہے اور ہاتھوں ہاتھ تقسیم ہو جاتی ہے۔ اہلِ حدیث کے نامور پیشوا مولوی عبد الجبار صاحب غزنوی نے اُس زمانہ میں اِس کے مطالعہ کے بعد جو تعریفی خط بھیجا تھا اُس کی نقل باب ارشاد میں آ چکی ہے۔ دیگر علماء و مشائخ کے تحسینی اور توصیفی اور دُعائیہ خطوط کا حوالہ مکتوباتِ شریف میں درج ہے۔ اور مخالفین نے جو صلواتیں سُنائیں وُہ اُن کی تالیفات "اعجاز المسیح" "تحفہ گولڑویہ" اور "قصیدہ اعجازیہ" وغیرہ میں درج ہیں۔

تیسری فصل

سیفِ چشتیائی

(سنہ ۱۳۱۹ھ مطابق سنہ ۱۹۰۲ء)

وجہِ تالیف

جیساکہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے بانیٔ مرزائیت اپنے دعوائے نبوت تک بتدریج پہنچے تھے۔ پہلے اپنے مجدد ہونے کا اعلان کیا، پھر مسیح موعود ہونے کا اور آخری منزل اعلانِ نبوت کی تھی جو انہوں نے سنہ ۱۹۰۱ء میں طے کی۔ حضرتؒ نے اپنی تصنیف "شمس الہدایت" میں (جس کا بیان اوپر گزر چکا ہے) جہاں اُن کے دعوائے مسیح موعود ہونے کو نہایت حتمی طور پر قوی دلائل اور براہین کے ساتھ باطل قرار دیا تھا، وہاں اُن سے چند سوالات بھی کیے تھے اور ساتھ ہی کلمۂ طیبہ کے معانی بیان کرنے کی دعوت بھی دی تھی۔ قریباً دو سال کا عرصہ گزر جانے کے بعد مرزائیوں کی جانب سے مولوی محمد احسن صاحب نے "شمس الہدایت" کا جواب "شمس بازغہ" کے نام سے شائع کیا اور خود بانیٔ مرزائیت نے سورۂ فاتحہ کی تفسیر "اعجازِ مسیح" تالیف کی اور اُسے الہامی اعجاز قرار دیتے ہوئے دعوے کیا کہ اس کا جواب طاقت بشری کے لیے ناممکن ہے۔

اِن دو کتب کے لکھنے سے پہلے بانیٔ مرزائیت کی طرف سے حضرتؒ کو لاہور میں مناظرہ کا چیلنج دیا گیا جس میں اُن کی ہزیمت کی تفصیل بابِ ارشاد میں دی جاچکی ہے۔ ان دونوں کتابوں کے جواب میں حضرتؒ نے اپنی تیسری شہرۂ آفاق کتاب "سیفِ چشتیائی" تحریر فرمائی، جس کی وجہ تالیف بھی بہ تفصیل بابِ ارشاد میں دی جاچکی ہے۔ اس میں "اعجازِ مسیح" پر پورے ایک سو اعتراضات اور اشکال وارد فرماکر آپ نے یہ آشکارا فرمایا کہ مؤلف نے نہ صرف لغت اور صرف و نحو کی غلطیاں کی ہیں بلکہ سرقہ اور تحریف سے بھی گریز نہیں کیا۔ اِن اغلاط کی تفصیل بھی بیانِ ارشاد میں گزر چکی ہے۔ مرزائیوں کی دوسری کتاب "شمس بازغہ" میں مؤلف نے کلمۂ طیبہ کے معانی بیان کرنے کے علاوہ حضرتؒ کی تصنیف "شمس الہدایت" پر مختلف اعتراضات کیے تھے۔ کلمۂ طیبہ کے معانی بیان کرنے میں اُنہوں نے حضرتؒ کی کتاب "تحقیق الحق" سے استفادہ کرنے کی کوشش کی تھی مگر بوجہ اپنی کم فہمی کے اُس کا صحیح استعمال نہ کرسکے اور تمام مضمون بے ربط ہو کر رہ گیا۔ حضرتؒ نے نہ صرف اُن کی اس ناکام کوشش کو عیاں کردیا بلکہ انہیں کلمۂ طیبہ کا صحیح مطلب بھی "سیفِ چشتیائی" میں سمجھایا اور "شمس الہدایت" کے خلاف تمام اعتراضات کو قرآن و حدیث کی روشنی میں مفصل دلائل کے ساتھ رد فرمایا۔

اس کتاب کو علمائے عصر نے تحریراً اور تقریراً ایک علمی شاہکار قرار دیا اور مفسرین نے اپنی تفاسیر میں اور مصنفین نے اپنی تصانیف میں بطور حوالہ پیش کیا۔ شعراء نے اس کی شان میں قصیدے لکھے اور مثنویاں موزوں کیں جن کی تفصیل بابِ ارشاد میں بیان ہوچکی ہے۔ اس کتاب کی اشاعت کے بعد علماء کے حق میں مرزائیت کی تبلیغ قطعاً غیر مؤثر ہو کر رہ گئی۔ اور ہزاروں مذبذبین اہل اسلام عقیدۂ حقہ پر مضبوط ہوگئے۔ بلکہ کئی مرزائی اس کتاب کو پڑھ کر مرزائیت سے تائب ہوگئے۔ چنانچہ کتاب "صاعقۂ رحمانی بر نخل قادیانی" کے مصنف

مولوی حبیبُ اللہ صاحب امرتسری نے جو مکتوب حضرتؒ کی خدمت میں ارسال کیا اُس میں کہا کہ مرزائیوں کی کتاب عسلِ مصفّٰے" پڑھ کر میرے دِل میں قسم قسم کے شکوک پیدا ہو گئے تھے مگر الحمد للہ کہ جناب کی تصانیف "سیفِ چشتیائی" اور "شمسُ الہدایت" نے میرے مذبذب دل میں تسلی بخش امرت ٹپکایا اور نیز چند مرزائیوں نے اسے پڑھا۔ چنانچہ حکیم الٰہی بخش صاحب مرحوم مع اپنے لڑکے کے آخر مرزائیت سے توبہ کر گئے اور اسلام پر فوت ہُوئے۔"

اب چیدہ چیدہ اقتباسات یہاں بطور نمونہ اور برائے استفادہ ناظرین پیش کیے جاتے ہیں۔ یہ کتاب بھی بشکل سوال و جواب ہے اور مقابلتہً سلیس اور عام فہم اُردو میں لکھی گئی ہے۔

اقتباسات از "سیفِ چشتیائی"

بانیٔ مرزائیت نے اپنے ابتدائی دَور میں اپنی تصنیفات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے بعد کسی نئے نبی کے آنے کو وعدۂ الٰہی کے خلاف بتایا تھا۔ مگر جب خود دعوئے نبوّت کیا تو اِس طرح کا استدلال لانے لگے کہ "میں ظلّی طور پر محمدؐ ہُوں۔ پس اِس طور سے خاتم النّبیین کی مُہر نہیں ٹُوٹی۔ کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کی نبوّت اُن تک ہی محدُود رہی۔ یعنی جب میں بروزی طور پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم ہُوں اور بروزی رنگ میں تمام کمالاتِ محمّدی مع نبوّتِ محمّدیہ کے میرے آئینۂ ظلّیت میں منعکس ہیں تو پھر کون سا الگ انسان ہُوا جس نے علیحدہ طور پر نبوّت کا دعوئے کیا۔" مؤلّف "شمسِ بازغہ" نے بھی اِسی استدلال کا اعادہ کیا اور اپنی تصنیف کے خطبہ میں بھی "اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ لَا نَبِیَّ بَعْدَهٗ" تحریر کیا۔ اور کہا کہ یہاں نبی سے وُہ انبیاء مُراد ہیں جن کی نبوّت اصالتاً ہو۔ مرزا صاحب تو بہ سبب اتباعِ کامل ظلّی طور پر نبوّت اور رسالت کے مُدّعی ہیں نہ اصالتہً۔" حضرتؒ نے اِس کا ردّ فرماتے ہُوئے یہ ثابت فرمایا کہ بانیٔ مرزائیت نبوّتِ اصلیہ کے مُدّعی تھے نہ کہ نبوّتِ ظلّیہ کے۔ اور ظلّیت، برُوز اور فنافی الرّسُول کے الفاظ کو بظاہر سپر بنا رکھا تھا:-

جواب: اشتہار "ایک غلطی کا ازالہ" مجریہ ۵۔ نومبر ۱۹۰۱ء کے مندرجہ ذیل الفاظ دیکھیے:-

"چنانچہ وُہ مکالماتِ الٰہیہ جو براہینِ احمدیہ" میں شائع ہو چکی ہیں اُن میں سے ایک یہ وحی اللہ ہے:-

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ (وُہ خدا جس نے اپنا رسُول ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تاکہ سب ادیان پر اُسے غالب کر دے) اس میں صاف طور پر اِس عاجز کو رسُول کر کے پُکارا گیا ہے۔"

یہ آیت سُورۂ فتح کے رکُوع آخر میں موجُود ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی رسالت اور آپؐ کے دینِ پاک کے غالب کر دینے کا ذکر ہے۔ حضرتؒ فرماتے ہیں:-

"اوّل تو کوئی عاقل نہیں کہہ سکتا کہ اگر کسی شخص کو خواب یا بیداری میں یہ آیت سُنائی دے جیسا کہ اکثر حفاظ اور شاغلین کو کثرتِ استعمال وخیال کے سبب ایسا ہُوا کرتا ہے۔ یا فرض کیا بذریعہ الہام ہی سہی تو وُہ شخص بشہادت اِس آیت کے رسُول کہلانے کا مجاز ہو۔ یا ایسا ہی "اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ" کے سُننے سے کوئی دعوئے نہیں کر سکتا کہ میں نبی اور رسُول ہُوں اور نئی نماز اور نئی زکوٰۃ کا حکم مجھ پر نازل ہُوا ہے۔ لیکن بر تقدیرِ الہام بآیتِ مذکورہ (ھو الذی ارسل الخ) بفرضِ محال اگر رسُول کہلانے کا مستحق بنے تو اُسی معنی سے رسُول ہو گا جو

معنی اِس آیت میں مُراد ہیں یعنی اصلی رسُول، ورنہ دلیل دعوے پر منطبق نہ ہوگی۔ کیونکہ دعوے میں رسُول ظلّی اور دلیل یعنی "اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ" میں رسُول اصلی۔ اور نیز رسولہ" سے رسُول ظلّی مُراد لینے کی تقدیر میں کلامِ الٰہی میں تحریفِ معنوی لازم آئے گی۔ لہٰذا استدلال بآیتِ مسطورہ بلند آواز سے پُکار رہا ہے کہ دعوے اصلی نبی ہونے کا ہے"۔

اِسی اشتہار "ایک غلطی کا ازالہ" میں اپنے نبی ہونے کی ایک اور دلیل بانی مرزائیت نے ان الفاظ میں پیش کی تھی :۔

"وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ" میں ایک پیشین گوئی ہے جس کی ہمارے مخالفوں کو خبر نہیں اور وُہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اِس آیت میں فرماتا ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بعد پیشین گوئیوں کے دروازے قیامت تک بند کر دیئے گئے اور ممکن نہیں کہ اب کوئی ہندو یا یہُودی یا عیسائی یا کوئی رسمی مسلمان لفظِ نبی کو اپنی نسبت ثابت کر سکے۔ نبوّت کی تمام کھڑکیاں بند کی گئیں مگر ایک کھڑکی سیرتِ صدیقی کی کھُلی ہے یعنی فنافی الرّسُول کی۔ پس جو شخص اِس کھڑکی کی راہ سے خُدا کے پاس آتا ہے اُس پر ظلّی طور وُہی نبوّت کی چادر پہنائی جاتی ہے جو نبوّتِ محمّدی کی چادر ہے۔ اِس لیے اُس کا نبی ہونا غیرت کی جگہ نہیں"۔

اِس کے جواب میں حضرتؒ فرماتے ہیں: "اگر صرف فنافی الرّسُول کا مقام ہی رسُول اور نبی کہلانے کی اجازت دیتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ صدیقِ اکبرؓ جن کی شان میں "لوکنت متخذ اخلیلا لاتخذت ابابکر خلیلا"[1] فرمایا گیا اور ایسا ہی عُمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باوجود لقب محدثیت کے اور عُثمانؓ نے باوجود کمال اتباع صُوری اور معنوی کے اور علیؓ مرتضیٰ نے باوجود بشارت (انت منّی بمنزلۃ ھارونؑ من موسٰیؑ۔ تیرا مقام مجھ سے ایسے ہے جیسا ہارُونؑ کا مُوسٰیؑ سے) کے اور سیّدا شباب اہل الجنّۃ حسنینؓ نے جن کا مجموعہ بعینہٖ جمال باکمال آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا آئینہ تھا رسُول اور نبی کہلوانے پر جرأت نہ کی اور ہزارہا اہل اللہ جن کے فانی فی الرّسُول ہونے پر اُن کا سایہ کا گُم جانا بھی شہادت دیتا تھا کسی نے نبی اور رسُول نہیں کہلوایا قُطب الاقطاب سیّدنا الغوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکالماتِ الٰہیہ میں سے کسی مکالمہ میں باوجود شان "خضنا بحرا لویقف علی ساحلہ الانبیأ۔ ہم نے ایسے سمندر میں غوطہ لگایا جس کے کنارے پر انبیاء نہ ٹھہرے) کے یعنی فنینا فی النبی الامی الذی ھو کالبحر فی السخاء[2]۔ نبی اور رسُول کے لفظ سے نہ پُکارے گئے۔ یہ تو سب اسی قاعدہ مُسلّمہ میں محدود رہے کہ الولی لا یبلغ درجۃ النبی[3]۔ مگر یہ "حضرت" باوجود اپنے اوصاف کے مقامِ فنا سے نبوّت تک پہنچ گئے"۔

پھر آگے چل کر فرماتے ہیں: "مُسلمانو! بعد آں حضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے لقب نبی اور رسُول کا کسی مُسلمان کے لیے شرعی نظر سے جائز نہیں نہ اصلی نہ ظلّی۔ اگر ظلّی طور پر یہ لقب متّبع نبی کو عطا ہو سکتا اور فنافی الرّسُول کا مقام مجوّز اُس کا ہوتا تو سب سے زیادہ مُستحق مہاجرین اور انصار تھے رضوان اللہ علیھم اجمعین جن کا ذکر خیر کتاب وسُنّت میں موجود ہے اور جنہیں اللہ جلّ شانہٗ نے قرآن مجید کے سُورہ فتح میں ان الفاظ سے یاد فرمایا۔ "وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا"۔ (محمّد اللہ کے رسُول ہیں اور جو لوگ آپؐ کے ساتھ ہیں وُہ کُفّار پر سخت اور آپس میں رحیم ہیں۔ تو اُنہیں رُکوع کرنے والا اور سجدہ کرنے والا پائے گا، وُہ اللہ کا فضل اور رضا طلب کرتے ہیں)

---

[1] اگر خُدا کے سوا کسی اور کو خلیل بناتا تو ابُوبکرؓ کو بناتا۔ [2] ہم نے اُس نبی امّی میں فنا حاصل کی جو سخاوت میں بحر کی طرح ہیں۔ [3] ولی درجہ نبی کو نہیں پہنچ سکتا۔

معراجِ نبویؐ کے جسمی ہونے کا ثبوت

بانیٔ مرزائیت نے چونکہ اپنے آپ کو مسیح موعود ثابت کرنے کے لیے حضرتِ عیسٰی علیہ السّلام کے رفع جسمانی کی تردید کی تھی۔ اُسی طرزِ استدلال کا اِتباع کرتے ہُوئے اُنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج کو بھی معراجِ رُوحانی قرار دیا تھا۔ اِس کی تردید فرماتے ہُوئے حضرتؒ تحریر فرماتے ہیں "معراج جسمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحالتِ بیداری آیتِ ذیل سے ثابت ہے "سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی"۔ کیونکہ لفظ "سُبْحَانَ" کا اطلاق اُسی موقعہ پر ہوتا ہے جہاں کسی عظیمُ الشّان اور مستبعد اور محال عادی کا ذکر ہو۔ اور ظاہر ہے کہ نیند میں آسمانوں پر جانا یا اطرافُ السّمٰوٰت والارض میں سیر کرنا کوئی امرِ مستبعد اور مُمتاز طور پر نبی کا خاصہ نہیں۔ نیز "اَسْرٰی" کا استعمال نیند میں نہیں آتا۔ (قاضی عیاض) پس ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی اسراء مثل اور انبیاء کے کشفی اور رُوحی نہ تھی بلکہ جسمی اور بحالتِ بیداری ہُوئی"۔ اِس کے بعد حضرتؒ نے متعدد احادیث اور تفاسیر کے حوالہ سے ثابت فرمایا ہے کہ معراج جسمی کے مُنکرین غلطی پر ہیں۔

معراج جسمانی کے خلاف ایک اور دلیل جو بانیٔ مرزائیت کی طرف سے دی گئی یہ تھی کہ "نیا اور پُرانا فلسفہ بالاتفاق اِس بات کو محال ثابت کرتا ہے کہ کوئی انسان اپنے اِس خاکی جسم کے ساتھ کُرۂ زمہریر تک بھی پہنچ سکے۔ بس اُس جسم کا کُرۂ ماہتاب یا کُرۂ آفتاب تک پہنچنا کس قدر لغو خیال ہے"۔ افسوس کہ اُن کی ظلّی نبوّت کی حِس پیشگوئی نے اُنہیں اتنا بھی نہ بتلایا کہ بہت جلد انسان اپنے مادّی آلات کی امداد سے ہی اُن کے اِس قول اور دلیل کو لغو ثابت کر دے گا۔ تاہم حضرتؒ اِس کا جواب قرآن و سُنّت کی روشنی میں اس طرح فرماتے ہیں "آیت اور حدیث اور اجماع کے مقابلہ میں ایسے استدلالات سے کام لینا مسلمان کا کام نہیں۔ نیز استدلال مذکور موقوف ہے امورِ ذیل کے ثبوت پر۔ ودونہ خرط القتاد۔

۱۔ اتحادِ نوعی کُل طبقاتِ ہوائیہ کا۔

۲۔ لوازم طبقاتِ ہوائیہ کا از قبیلِ لوازم ماہیّت ہونا۔

۳۔ تبدّل فصول کا مؤثر نہ ہونا خصوص کیفیات کے تغیّر میں۔

۴۔ لزوم کا ضروری ہونا نہ عادی۔

اُمور مذکور سے اگر صرف امرِ چہارم ہی کا خیال کیا جائے تو بشہادت (یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ اے آگ ٹھنڈی اور سلامت ہو جا ابراہیم پر) کے حرارت و برُودت وغیرہ کا انفکاک اپنے ملزومات سے واقعی معلوم ہوتا ہے۔ کیا وُہ فاعلِ مختار اور حکیمِ مُطلق جس نے ابراہیم علیہ السّلام کے لیے آگ کو ٹھنڈا کر دیا اس پر قدرت نہیں رکھتا کہ زمہریری کرہ کی برُودت کو مثلاً معتدلہ حرارت سے بہ نسبت اپنے ایک مقبول بندے کے متبدل کر دے"۔

آگے چل کر اس اعتراض کے جواب میں کہ آیت مذکورہ بالا (قُلْنَا یٰنَارُ الخ) بھی عند الخصم ماوّل ہے۔ حضرتؒ فرماتے ہیں "مُشاہدہ اور تجربہ سے ثابت ہے کہ حرارت مفرطہ کا زوال آگ سے بالکل واقعی اور سچ ہے۔ اور اِس زمانہ میں بھی عوام سے خواص تک اس کو دیکھ چکے ہیں۔ لہٰذا آیت مذکورہ کو امتناع انفکاک الحرارت عن النار کی بناء پر ماوّل ٹھہرانا سراسر تعصّب ہے۔ الغرض جسم خاکی کے آسمان پر جانے کے محال ہونے کو کوئی دلیلِ شرعی یا عقلی ثابت نہیں کرتی۔ اور جنہوں نے اس پہلو کو اختیار کیا ہے اور صرف

عقلِ جزئی کو مشعلِ راہ بنا کر نصوص میں تاویل و ردّ و بدل کیا ہے اُنہیں اِس مسلک میں تین وجہ سے دھوکا ہوا:۔

۱. ایک تو عقلِ جزئی کے استقرارِ ناقص کا نام قانونِ قدرت رکھا اور ظاہر ہے کہ جزئیاتِ معدودہ کے احوال پر نظر ڈالنے سے قاعدہ کلیہ استنباط نہیں کیا جا سکتا۔

۲. مستبعداتِ عقلیہ کو محالاتِ عقلیہ سے شمار کیا اور

۳. آیات و احادیث کو اُن معانی پر محمول کیا جو بالکل برعکس ہیں اُن لوگوں کے جنہوں نے نورِ نبوت سے بالمشافہ معانی مُرادہ کا استفادہ کیا۔"

تعارضِ عقل و نقل کا مسئلہ

اسی مسئلہ کی بحث کے دوران حضرتؒ ایک اہم سوال یہ قائم فرماتے ہیں:۔

سوال۔ تعارضِ عقل و نقل کی صورت میں عقل ہی کو مقدم رکھنا ضروری ہے کیونکہ وہ اصل ہے نقل کے لیے اور جب تک دلائلِ عقلیہ کی رُو سے وجودِ صانع نہ مانا جائے تب تک تصدیق بالنقل و بما جاءت بہ الرسل علیہم السلام متصور نہیں ہو سکتی۔ تقدیمِ عقل کی وجہ سے ہی نصوصِ قطعیہ میں تخصیصِ عقلی کو ضروری سمجھا جاتا ہے کما فی اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ بنا براں ارادہ معراجِ رُوحی اور نزولِ بروزی بلکہ کُل معجزات و خوارق کا مآول ٹھہرانا ضروری سمجھا جاتا ہے۔" اس کا جواب حضرتؒ نے اس طرح ارشاد فرمایا ہے:۔

جواب۔ یہ امر قابلِ غور ہے کہ قضیہ ذیل (العقل اصل للنقل) میں "عقل" سے مُراد کیا ہے۔ بعد تدبّر معلوم کیا جا سکتا ہے کہ مُراد عقل سے جوہرِ مدرک یا قوتِ عاقلہ نہیں کیونکہ اس معنی کی رُو سے عقل اور نقل میں تعارض نہیں ہو سکتا اس لیے کہ جوہرِ مدرک یا قوتِ عاقلہ حیات کی طرح شرط ہے عقلیات اور سمعیات کے لیے اور ظاہر ہے کہ شرط کبھی معارض اور منافی نہیں ہوتی مشروط کے لیے پس معلوم ہوا کہ مُراد عقل سے وہ معرفت اور ادراک ہے جو عقل کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے۔ اور یہ امر ضروری نہیں کہ ہر علم و ادراکِ عقلی اصل اور دلیل ہو سمعی و نقلی کے لیے کیونکہ سمعیات اور نقلیات کی صحت کا توقف صرف اُنہی عقلیات پر ہے جن کی رُو سے تصدیق بصدق الرسول صلی اللہ علیہ وسلم حاصل ہو چنانچہ (الصانع موجود) وھو مصدق الرسل علیہم السلام بالآیات والمعجزات۔ اِس سے واضح ہوا کہ قضیہ مذکورہ (العقل اصل للنقل) کلیہ نہیں بلکہ اس میں حکم اُنہی بعض عقلیات پر ہے جو موجب تصدیق بصدقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ محلِ بحث کو یعنی (الرفع والنزول الجسمیان وامثالھما من المحالات۔ رفع اور نزولِ جسمانی اور ایسے دیگر محالات) جو منجملہ عقلیات ہیں کوئی علاقہ نہیں تصدیق بصدقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ اس طور پر کہ واسطہ فی الثبوت کی طرح تصدیق بصدق الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ثبوت نفس الامری اُن پر موقوف ہو اور نہ اس طریق پر کہ واسطہ فی الاثبات کی مثل ہمارے اذہان میں تصدیق مذکور کا حصول ان پر مترتب ہو۔ ثانیاً آنکہ محلِ بحث صادق ہی نہیں کیونکہ رفع و نزولِ جسمی صرف مستبعداتِ عقلیہ سے ہیں نہ محالات سے۔ چنانچہ آیت "سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ کُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا" سے پہلے ثابت کیا جا چکا ہے۔"

"تعارض کے مسئلہ میں احتمالاتِ ذیل متصور ہو سکتے ہیں:۔

۱۔ دلیلِ عقلی و نقلی دونوں قطعی ہوں۔

۲۔ یا دونوں ظنّی

۳۔ یا ایک قطعی اَور دُوسری ظنّی۔

تیسری صُورت میں قطعی کی تقدیم ظنّی پر اتفاقی ہے خواہ قطعیت عقلی کے لیے ہو یا نقلی کے اَور دُوسری صُورت میں بحسب اَدِلّہ (دلائل) ترجیح و تعادل (برابر ہونا) عمل کیا جائے گا۔ اَور پہلی صُورت صرف احتمال ہی ہے۔ فی الواقع تحقق اُس کا مُمکن نہیں کیونکہ دلیلِ قطعی اُسی دلیل کا نام ہے جس کے مدلول کا ثبوت واجب اَور ضروری ہو۔ پس اس صُورت کے واقعہ ہونے پر جمع بین النقیضین[1] لازم آئے گا۔ جہاں ایسی صُورت معلوم ہو وہاں پر فی الواقعہ بالضرور ایک غیر قطعی ہو گی۔ الغرض دلائل کی تقدیم میں قطعیت کو ملحوظ رکھا گیا ہے نہ خصُوص عقل کو جیسا کہ ہمارے مخاطبین نے سمجھ رکھا ہے۔"

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی پیشین گوئیاں

کتاب "ایام الصلح" میں مرزا صاحب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی پیشین گوئیوں کے بیان میں لکھا تھا کہ "پیشین گوئیوں میں قبل از وقوع مُلہم کی رائے بھی خلافِ نفسُ الامر مائل ہو جاتی ہے۔ مگر ایسا قبل از وقوع ہی ہوتا ہے نہ بعد از وقوع۔" اِس کا جواب دیتے ہُوئے حضرتؒ فرماتے ہیں۔" ازالۃ الخفاء میں شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے تصریح کی ہے کہ چُونکہ سلسلۂ تکوین میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بعد کوئی نبی مبعوث ہونا مقدّر نہ تھا لہٰذا حکمتِ الٰہیہ کا اقتضاء ہُوا کہ اُن واقعات کے احکام بھی آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی زبان مُبارک پر جاری ہوں جو قیامت تک ہونے والے ہیں اَور اُن کے متعلق حق تعالےٰ کی رضا یا عدم رضا بھی ظاہر ہو تا کہ نعمتِ الٰہی تمام ہو اَور حُجّت قائم۔ پس وُہ سب وقائع منکشف ہو گئے اَور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بعض کی نسبت تو اس طرح خبر دی گویا کہ بہ چشمِ ظاہر دیکھ رہے ہیں اَور بعض کی نسبت بہ تقریبات اطلاع دی تا کہ بعد آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اُمّتِ مرحُومہ تاریکی میں نہ رہے اِتنے میں کہتا ہُوں احادیثِ نزُول میں بھی بڑی بڑی تاکیدات اَور بیان نشانات سے اِس لیے ارشاد فرمایا گیا ہے تا کہ اُمّتِ مرحُومہ جھُوٹے مسیحوں سے بچے اَور کشفِ عینی والی پیشین گوئیوں کی یہی علامت ہے کہ اُن میں بڑی توضیح و تشریح و تاکید و بیانِ حلفی سے کام لیا جاتا ہے بخلاف کشفِ اجمالی کے کہ اُن میں بایں طرز بیان نہیں کیا جاتا۔ نزولِ مسیح وغیرہ اشراط الساعۃ[2] والی پیشین گوئیاں بوجہ ہونے اُن کے مناط احکام و رضا و عدم رضا و کفر و ایمان نہایت مہتم بالشان ہیں۔ اُن کو مقیس علیہا ٹھہرانا دُوسری اقسام کے لیے جہالت ہے۔

طعامِ اہلِ ارض و اہلِ سما

امروہی صاحب نے رفعِ مسیح کے بیان میں کہا تھا کہ آیۃ "وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَّا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ" اَور "كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ" سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی اِنسان کا، نبی ہو یا ولی، بغیر طعامِ خُوردنی گندم وغیرہ کے زندہ رہنا ممکن نہیں لہٰذا عیسےٰ علیہ السّلام بغیر طعام کے آسمانوں پر کیسے زندہ رہ سکتے ہیں۔ حضرتؒ اِس کے جواب میں فرماتے ہیں۔"ہم بھی

---

[1] دو ضدّوں میں جمع کرنا محال ہے جیسے زید کی موت اَور حیات۔

[2] اشراط جمع شرط ہے یعنی علاماتِ قیامت

مانتے ہیں کہ حسب آیۃ مذکورہ کسی اِنسان کا بغیر طعام زندہ رہنا نہیں ہو سکتا مگر اہل ارض کے لیے طعام گندم وغیرہ ہے اور اہل سما کے لیے تسبیح و تہلیل۔ جس مُلک میں کوئی جاتا ہے اُسی مُلک کی غذا سے مایۂ حیات حاصل کرتا ہے۔ زمینی آدمی جب تک زمین میں ہے اہل زمین کی غذا کھائے گا۔ جب اللہ تعالیٰ کو اُس کا آسمان پر لے جانا منظور ہے تو اُس کو ملائکہ کی طرح تسبیح و تہلیل سے زندہ رکھتا ہے۔ بلکہ محققین کے نزدیک تو اہلِ زمین ہی میں سے زمانۂ آئندہ میں ایسے لوگ ہوں گے جن کی غذا تسبیح و تہلیل ہوگی صحابہ رضوان اللہ علیہم نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے دریافت کیا تھا کہ جس دِن کھانے پینے کا سامان دجّال کے ہاتھ میں ہوگا اُس دن مومنین کا کیا حال ہوگا۔ آپؐ نے فرمایا تھا اُس دِن اہل آسمان کی طرح اُن کو تسبیح و تہلیل مایۂ حیات ہوگی"۔ پھر قرآن مجید سے اصحابِ کہف کا تین سو سال سے زیادہ عرصہ بغیر کھائے پیئے زندہ رہنا ثابت ہے۔ پڑھیئے آیت :-

"وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ؕ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ؕ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ؕ فَابْعَثُوْۤا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖۤ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَاۤ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا۔

(ترجمہ۔ اور اِس طرح ہم نے اُنہیں اُٹھایا تاکہ ایک دُوسرے سے پُوچھیں۔ اِن میں سے ایک کہنے والے نے کہا تم کِتنی مدت ٹھہرے۔ کہنے لگے ایک دِن یا کچھ دِن۔ کہا تمہارا رب بہتر جانتا ہے جس قدر ٹھہرے ہو تم اپنے سے ایک آدمی کو چاندی دے کر بھیجو وُہ دیکھے کہ لوگوں میں کون شخص پاکیزہ طعام والا ہے پھر تمہارے لیے رزق اسی سے لے آئے اور نرمی اختیار کرے اور تمہارے متعلق کسی کو نہ بتلائے)

غرض کتاب کیا ہے، علم و عرفان کا خزانہ ہے۔ اِس کا حجم ۴۰۰ صفحے ہے اور معارفانہ اور محققانہ دلائل و بُرہان کا ایک گنجینۂ گراں بہا ہے جس میں مذہب مرزائیت کے ہر دعوے اور اعتراض کا تفصیلاً ردّ موجود ہے۔

چوتھی فصل

اعلاءُ کلمۃ اللّٰہ فی بیان مَا اُھِلَّ بِہٖ لِغَیرِ اللّٰہِ

(۱۳۲۲ھ مطابق ۵-۱۹۰۴ء)

وجہِ تالیف

حضرتؒ نے وجہِ تالیف تصریحاً اس کتاب کے خطبہ میں بیان فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں کہ چونکہ بزرگانِ دین کے نام پر نذر مانے ہوئے جانور کی حلّت و حُرمت کے متعلق علما میں اختلاف ہے اور ہر دو فریقین کے وُہ متبعین جو سخن فہمی اور دیانت و تقویٰ سے پُوری طرح بہرہ ور نہیں ہیں افراط و تفریط کا راستہ اختیار کر رہے ہیں حتیٰ کہ بعض لوگ ایسے جانوروں کو جو بغرضِ ایصالِ ثواب اور فاتحہ بزرگانِ دین اُن کی طرف منسُوب کیے جاتے ہیں یا اُس طعام کو جو (اسی غرضِ ایصالِ ثواب سے) اُن کے نام سے تقسیم کیا جاتا ہے مُطلقاً حرام اور آیت مَا اُھِلَّ بِہٖ لِغَیرِ اللّٰہِ میں داخل گردانتے ہیں۔ اگرچہ بوقتِ ذبح اُن پر خدائے تعالیٰ ہی کا نام لیا جائے اور ذابح کا مقصد بجز ایصالِ ثواب اور کچھ بھی نہ ہو۔ اور بعض دیگر اصحاب اس قسم کی اشیاء کو مُطلقاً حلال کہتے ہیں گو ذابح کا مقصد غیر اللہ کا تقرب ہی کیوں نہ ہو۔ بنابریں یہ رسالہ تحریر کیا گیا کہ اہلِ اسلام افراط و تفریط کا راستہ ترک کر کے صراطِ مستقیم پر قائم رہیں۔ اور برادرانِ اہلِ انصاف وساوس و اوہام سے محفوظ رہ کر شرِ شیطان سے بچیں۔

حضرتؒ نے اس رسالہ کو ایک مقدمہ تین ابواب اور خاتمہ پر مشتمل فرمایا ہے۔ اصل کتاب فارسی میں لکھی گئی جس میں پختون اور افغان علماء و عوام کی رعایت بھی مدِنظر تھی۔ بعد میں حضرت بابُوجی صاحب مدظلہ العالی کے ایما پر متن کے ساتھ اُردو ترجمہ بھی شائع کر دیا گیا ہے تاکہ پاک و ہند کے عوام کے لیے بھی مُفید ہو۔ یہاں صرف مختصر طور پر مقاصدِ کتاب کا خُلاصہ درج کیا جاتا ہے بعض مقامات پر راقم مترجم کی طرف سے بغرضِ تشریح کچھ اضافہ درج کر دیا گیا ہے۔

تفسیر اور تاویل کی تحقیق

مقدمہ میں تفسیر اور تاویل کے متعلق تحقیق فرمائی ہے اور تفسیر بالرائے اور تاویل کے درمیان فرق بیان فرما کر واضح کیا ہے کہ جو تاویل سلف صالحین کی مُستند تفسیر کے خلاف یا قواعدِ عربیہ کے مُطابق نہ ہو وُہ تفسیر بالرائے میں داخل ہے جو حسبِ ارشادِ نبویؐ مذمُوم ہے۔ البتہ جو تاویل نصوصِ شرعیہ اور قواعدِ عربیہ کے ساتھ مُطابقت رکھتی ہو وُہ درست ہے۔ گو حضرات سلف صالحین، صحابہؓ، تابعین اور تبع تابعین سے صراحۃً منقُول نہ بھی ہو۔

اہلال کے معنیٰ

باب اوّل میں آیت وَمَا اُھِلَّ بِہٖ لِغَیرِ اللّٰہِ کا معنیٰ اور اُس کی تفسیر کے تمام متعلقہ اُمور سوالات و جوابات کی صُورت

میں بیان فرمائے ہیں۔ اور نقول مُعتبرہ سے ثابت فرمایا ہے کہ اہلال کا معنیٰ آیت شریفہ میں یہ ہرگز نہیں کہ کسی جانور کو کسی بزرگ کی طرف منسوب کر دیا جائے یا اُس کے نام پر مشہور کر دیا جائے تو وُہ حرام ہو جاتا ہے۔ اور اسی طرح جو لوگ مُطلقاً حلّت کے قائل ہیں اگرچہ ذابح کا مقصد تقرّب بغیر اللہ بھی ہو۔ اور جو آیت کے یہ معنیٰ کرتے ہیں کہ جو جانور غیر اللہ کے نام پر بھی ذبح کیا جائے وُہ بھی حلال ہے وُہ غلطی پر ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ اہلال بمعنیٰ ذبح اور لغیر اللہ بمعنیٰ باسم غیر اللہ لینا تحریفِ قرآن کے مُترادف ہے۔ آنجنابؒ کا یہ محاکمہ قابلِ دید ہے جسے پڑھ کر ہر دو فریق کے اربابِ انصاف داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

ذبح کے شرائط اور اقسام

بابِ دوم میں ذبح کے شرائط اور اُس کے اقسام بیان فرمائے ہیں اور مولانا عبد الحکیم مُلتانی اور مولانا شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ کے مابین مسئلہ مذکورہ کے متعلقہ اختلافات پر تبصرہ فرمایا ہے اور آخر میں تذئیل کے عنوان سے مسئلہ ذبح فوق العقدہ پر نہایت محققانہ بحث فرمائی ہے اور اُس کی حُرمت کو از رُوئے دلائل ثابت فرمایا ہے۔

بابِ سوم میں نذر کے معنیٰ اور اُس کے متعلقات کی تشریح فرما کر مسئلہ ندائے غائبانہ۔ توسّل اور استعانت از اولیاء اللہ اور سماعِ موتیٰ پر سیر حاصل بحث فرمائی ہے اور مُنکرینِ استمداد اور سماعِ موتیٰ وغیرہ کے دلائل کے نہایت اطمینان بخش جوابات دیئے ہیں۔ چُنانچہ بلا مُبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ اِن مسائلِ اختلافیہ پر اِس اعتدال اور انصاف سے آج تک کسی نے قلم نہیں اُٹھایا ہو گا۔ خصوصاً مسئلہ علمِ غیب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسے انداز میں بیان فرمایا ہے کہ فریقین کا اختلاف ہی ختم ہو جاتا ہے۔ اور اِس مُنصفانہ تحقیق کے بعد کسی قسم کے نزاع کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ قارئینِ کرام کے افادہ کے لیے چند ایک سوالات مع جوابات کا ترجمہ درج ذیل کیا جاتا ہے وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ ۔

استفتاء جواب طلب از عُلماء کوٹ نجیب اللہ خان علاقہ ہزارہ متعلق نذر و استمداد اَرواح اَولیاء

ما قولکم دام فضلکم صُوَرِ مسطُورہ میں کہ

۱۔ ایک شخص نذر معین کرے اِس طور پر کہ اگر میرا مریض اچھا ہو جائے یا مُسافر میرے گھر میں خیریت سے آجائے تو مَیں اللہ کے نام کا بکرا دُوں گا اور ثواب اُس کا ولی اللہ کو پہنچاؤں گا۔

۲۔ دُوسری صُورت:۔ اے ولی اللہ اگر میرا مریض اچھا ہو جائے تو مَیں تیرے نام کا بکرا دُوں گا۔

۳۔ تیسری صُورت:۔ اے ولی اگر میرا مریض تم نے اچھا کیا یا میرا مطلب تم نے پُورا کیا تو مَیں تمہارے نام کا بکرا دُوں گا۔ پھر بعد حصُولِ حاجت کے بکرا لے کر ولی اللہ کی قبر کے نزدیک ذبح کرے کہ میرا کام اِس ولی اللہ نے پُورا کیا ہے۔ یا اپنے گھر میں ذبح کرے۔

کیا اِن صُوَر میں وفائے نذر واجب ہے یا نہ؟ اور ذبیحہ حلال ہے یا حرام؟ اور حُرمت کی وجہ ارتداد ہے یا غیر؟ اور وجہ ارتداد کی ولی اللہ کو متصرّفِ حقیقی جاننا ہے یا وسیلہ کی صُورت میں بھی؟ اور بر وجہ اوّل اگر وُہ مُرتد نہ ذبح کرے کوئی اور کرے تو پھر بھی ذبیحہ حلال ہے یا نہ؟ بیّنوا توجروا۔

جواب

۱۔ پہلی صورت میں ایفائے نذر واجب ہے اور ذبیحہ حلال۔

۲۔ ایسا ہی دوسری صورت میں بھی اگر مقصود ذبح اور جان کشی للّٰہ ہے اور ایصال ثواب ولی کے لیے۔ اور اگر نفس ذبح ولی کے لیے ہے تو ذبیحہ حرام اور ایفا بالنذر واجب نہیں۔

۳۔ تیسری صورت میں اگر ولی کو وسیلہ سمجھ کر ایصال ثواب مقصود ہو تو جائز اور ایفا واجب ورنہ ذبیحہ حرام اور ایفا غیر واجب۔

نذر اولیاء اللّٰہ کے متعلق فتاویٰ عزیزی کا حوالہ

خاتم المحدثین شاہ عبدالعزیز دہلوی اپنے والد ماجد سے (رضی اللّٰہ عنہما) فتاویٰ عزیزی میں نقل فرماتے ہیں :-

(ترجمہ) ارواح سے مدد مانگنا اس اُمت میں بہت واقع ہوا ہے۔ اور وہ جو جہال اور عوام کرتے ہیں کہ ان ارواح پر ہر کام میں مستقل اعتقاد رکھتے ہیں بلاشبہ شرک جلی ہے اور نذر اولیاء اللّٰہ حاجات کے پورا ہونے کے لیے معمول ہے اور رسم ہے۔ اکثر فقہاء کو اس نذر کی حقیقت معلوم نہیں ہوئی۔ انہوں نے نذر اولیا کو نذر خدا پر قیاس کر کے ارتداد کا حکم لگا دیا کہ اگر نذر بالاستقلال اس ولی کے لیے ہے تو باطل ہے اور اگر خدا کے لیے ہے اور اس ولی کا ذکر محض مصرف کا بیان ہے تو صحیح ہے۔

لیکن اس نذر اولیاء اللّٰہ کی حقیقت یہ ہے کہ طعام اور مال کے خرچ کرنے کا ثواب کسی اہل اللّٰہ کی روح کو ہدیہ کرنا۔ اور یہ امر مسنون ہے اور صحیح احادیث سے ثابت ہے جیسا کہ اُم سعد وغیرہ کا حال صحیح احادیث میں وارد ہوا ہے اور ایسی نذر لازم ہو جاتی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ میں اس نذر کا ثواب فلاں ولی کی روح کو ہدیہ کرتا ہوں اور ولی کا ذکر اس عمل منذور کی تعیین کے لیے ہے نہ کہ مصرف کے لیے۔ اور مصرف اس نذر کا نذر کنندگان کے نزدیک اس ولی کے رشتہ دار اور خدام اور برادران طریقت اور ان جیسے لوگ ہیں۔ اور نذر کنندگان کا بلاشک یہی مقصد ہوتا ہے۔ اور اس کا حکم یہ ہے کہ یہ نذر صحیح ہے اور اس کی وفا واجب ہے۔ اس واسطے کہ یہ قربت شرع میں معتبر ہے۔

ہاں۔ اگر اُس ولی کو مستقلاً مشکلات کا حل کرنے والا اعتقاد رکھیں یا اس کو شفیع غالب سمجھیں تو یہ عقیدہ شرک اور فساد کی طرف لے جاتا ہے۔ مگر یہ عقیدہ اور چیز ہے اور نذر دوسری چیز۔"

اسی سے دوسری اور تیسری صورت کا حکم معلوم ہو گیا یعنی ایفائے نذر واجب اور ذبیحہ حلال کیونکہ (میں تیرے نام کا بکرا دوں گا) عمل منذور کے معین کرنے کے لیے ہے۔ پس نذر اللّٰہ کے لیے اور ثواب طعام روح ولی اللّٰہ کے لیے ہو گا۔ اور یہ قول بیان مصرف گوشت ذبیحہ کے لیے نہیں، تا کہ یہ ہبہ اور تملیک لغو اور بے جا سمجھ کر اسراف میں داخل ہونے کی وجہ سے حرام کہا جائے۔ بحر الرائق اور بعض دوسری معتبر کتابوں میں لکھا ہوا ہے (خلاصۃً) کہ اگر کوئی شخص کھانا وغیرہ کسی بزرگ کی قبر پر اس کے تقرب کی خاطر لائے تو یہ درست نہیں اور حرام ہے۔ لیکن اگر نیت یہ ہو کہ اس کھانے وغیرہ کو زندہ مسلمانوں کو دے گا اور طعام دینے کا ثواب صاحب قبر کی روح کو پہنچائے گا تو جائز ہے۔ اور غالباً ایسے امور کے منع کا سبب یہ ہے کہ

صاحب قبر کو ان چیزوں سے کوئی نفع نہیں پہنچتا اور بے جا اسراف ہے معہذا مُردہ کے لیے ہبہ اگر اُس کے تقرب کی غرض سے ہو تو وہ کفار کے فعل کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے جو بُتوں کے سامنے اُن کے تقرب کے لیے حلوا اور موہن بھوگ وغیرہ رکھتے ہیں حالانکہ اُنہیں معلوم ہے کہ بُت نہیں کھا سکتے۔ اور یہ تشبیہ حدیث شریف من تشبہ بقوم فھو منھم کی ذیل میں آتی ہے۔ جیسا کہ "فوائد بُرہانیہ" میں تفصیلاً مذکور ہے۔

رہا ناذر کا یہ قول "اگر مریض تم نے اچھا کیا"۔ سو اگر مقصود اُس کا اس نسبت سے شفیعانہ طور پر ہے تو مضائقہ نہیں نسبت وسائل کی طرف قرآنِ کریم سے ثابت ہے مثلاً لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا (تاکہ میں تجھے ایک فرزند زکی دُوں۔ قولِ حضرت جبرئیل علیہ السلام) ہاں اگر ہر دو فقرہ مذکورہ بالا میں یعنی "مَیں تیرے نام کا بکرا دُوں گا"۔ اور "اگر میرا مریض تم نے اچھا کیا"۔ استقلالی طور پر نسبت ہے یا شفیعِ غالب سمجھ کر تو بے شک ناذر مُرتد ہے اور ذبیحہ اُس کی ذبیحہ مُرتد کی ہے اور اگر ناذرِ مُرتد خود نہ ذبح کرے بلکہ دُوسرے مُسلمان سے خُدا کے نام پر ذبح واقع ہو تو ذبیحہ حلال ہے۔ عالمگیری میں ہے کہ مُسلمان کسی آتش پرست کی بکری آتش کدہ کے لیے یا کافر کی بکری اُس کے بُتوں کے لیے ذبح کرتا ہے تو اُس کا کھانا اس واسطے جائز ہے کہ اُس نے ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لیا ہے۔ ہاں مُسلمان کے لیے مکرُوہ ہے اور کراہیت کی بنا تشہیر اور انتساب بنام غیر نہیں بلکہ عدم تعمیل ارشادِ مالک کی وجہ سے ہوگی۔ فتاویٰ تاتارخانیہ اور جامع الفتاویٰ اور فوائد بُرہانی میں بھی ایسا ہی آیا ہے۔ اور جناب خاتم المحدثین فرماتے ہیں:-

"اور اسی طرح حلال نہیں جب ذبح کرے بکری کو کسی تھان یا قبر پر اور قصد اس صاحب قبر یا تھان والے کے تقرب اور عبادت کا ہو، اگرچہ اللہ تعالیٰ کا نام بھی ذبح کے وقت ذکر کرے تو بھی حلال نہ ہوگی اور مدار اس کا نیتِ عبادت اور تقرب ہے یا ذبح کے مشہور طریق کا بدل دینا۔" (ترجمہ)

خلاصہ آنکہ صُورِ مسطورہ فی السوال میں ایفائے نذر واجب اور ذبیحہ حلال بشرطیکہ اس ولی کو مُستقل اور شفیعِ غالب نہ مانا جائے اور ذبح اور جان کُشی اللہ جلّ شانہٗ کے لیے ہو نہ اُس ولی کے لیے۔ حکیمُ الامّت حضرت شاہ ولی اللہ اور حاجی الحرمین مفسر اصُولی۔ فقیہ مصنّف تفسیر احمدی اور مولانا بُرہان الدین وغیرہم محققین نے عوام کی مُراد کو صاف واضح کر دیا ہے۔

رہے قرائن کہ آیا ان کی رُو سے بھی عوام کی وُہی مُراد ثابت ہوتی ہے جو محققین نے اُوپر بیان کی ہے یا نہ۔ سو اس کو ناظرین اسی رسالہ سے مختلف موقعوں پر ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ عُلماء کرام پر واجب ہے کہ جُہّال کو مجلس وعظ میں ایسے الفاظ میں ہدایت فرمایا کریں کہ کسی قسم کا ابہام نہ ہو۔ نذر کے مختلف اقسام مع احکام بھی اس رسالہ میں تفصیلاً درج ہیں۔

نذر کردہ چیز کی تخصیص کا بیان

اس کے بعد حضرتؒ نے منذور کی تخصیص پر کتاب "اوراقِ محمدیہ" میں مندرج استفتائے مولوی رفیع الدین۔ وصیت نامہ مولانا عبداللہ گجراتی ہمعصر شیخ عبدالحقؒ سے اس مسئلہ کو ثابت فرمایا ہے۔ جو لکھتے ہیں کہ فاتحہ دلوانا اور طعام کھلوانا بلاشبہ امرِ مستحسن ہے اور مستحب تخصیص اُس شخص کا فعل ہے جو طعام اور اُس کے کھانے والوں کا مخصص ہے اور اُس کے اختیار میں ہے۔ پس یہ تخصیص امرِ مستحب کے ممنوع ہونے کا باعث نہیں ہو سکتی اور یہ تخصیصات رسم و رواج اور عادات کی اقسام ہیں۔ ابتدا ان کی کسی خاص مصلحت اور معنیٔ منشاء کی وجہ سے ہُوئی اور رفتہ رفتہ شائع اور رائج ہو گئیں۔ صحیح طریق سے مروی ہے کہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم ایک جانور ذبح فرماتے تھے اور بالتخصیص حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مخلصین میں اُس کا گوشت تقسیم فرمایا کرتے تھے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ بزرگانِ طریقت کی نیاز دِلوانے میں جو طعام پکایا جاتا ہے۔ اُس کی وضع اور ترکیب میں جو قیوُد اور تخصیصات ملحوظ رکھی جاتی ہیں اور فاتحہ دِلوانے کے ساتھ جو خاص خاص سُور اور آیات پڑھی جاتی ہیں یہ تخصیص اور تعیین نیک رسُوم اور عاداتِ حسنہ کی قبیل سے ہیں۔ اِس واسطے کہ یہ تخصیصات اور تعیّنات اُن مشائخ عظام اور اولیائے کرام کے معمُول ہیں اور وُہ اِن پر عمل کرتے رہے ہیں اور اِن پر پابندی فرماتے اور حکم کرتے رہے ہیں کہ جن کا ظاہری اور باطنی کمال تمام اہلِ اسلام کے نزدیک متفق علیہ ہے۔

چند سوالات دربارہ استعانت وامدادِ اَرواحِ کاملین

اِس اِستفتا میں چُونکہ صاحبِ قبر کو خطاب کیا گیا ہے اور اُس سے مدد طلب کی گئی ہے لہٰذا اگر استمداد کے مسئلہ اور اُس کے مالہٗ وماعلیہ کو کسی قدر ذکر کیا جائے تو ناظرین کے لیے باعثِ آسانی ہوگا۔

سوال۔ چُونکہ حق سُبحانہٗ وتعالیٰ خالق ہیں اور ہر ایک آواز کو سُنتے ہیں، ہر ایک چیز کو دیکھتے ہیں اور اس سُننے اور دیکھنے اور پیدا کرنے میں حق تعالیٰ کو کسی کے توسّل کی کوئی اِحتیاج اور ضرورت نہیں پس بزرگوں سے مدد مانگنا اور اعانت طلب کرنا، چاہے وُہ بزرگ نبی ہوں یا ولی یا فرشتہ یا جن بے معنی بات ہے اور مشکلات اور حاجات میں بزرگوں کو اُن کے نام سے پُکارنا، جیسے اَے میرے پیر میری مدد کر، یا شیخ میری اعانت کر، سراسر بے معنی چیز ہے۔ بلکہ نصوص قطعیہ سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ صریح شرک ہے اور قبیح ظُلم ہے۔ آیات:۔

۱۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کی تعلیم کے لیے فرماتے ہیں:۔

اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ۔ یہاں عبادت اور اِستعانت کو اپنی ذات میں حصر فرمادیا ہے۔

۲۔ وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ۙ وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ یَدْعُوْهُ كَادُوْا یَكُوْنُوْنَ عَلَیْهِ لِبَدًا ؕ قُلْ اِنَّمَاۤ اَدْعُوْا رَبِّیْ وَلَاۤ اُشْرِكُ بِهٖۤ اَحَدًا ؕ

(ترجمہ) اور یہ کہ مسجدیں اللہ کے واسطے ہیں، پس اللہ کے ساتھ کِسی کو مت پُکارو۔ اور یہ کہ جس وقت کھڑا ہوا بندہ خدا کا اُس کی عبادت کے لیے تو یہ کافر لوگ اُس پر بھیڑ لگانے کو ہوجاتے ہیں۔ کہہ دیجیے کہ مَیں تو صرف اپنے پروردگار کی عبادت کرتا ہُوں اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔

۳۔ اِنْ یَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ یَّدْعُوْنَ اِلَّا شَیْطٰنًا مَّرِیْدًا ۙ

(ترجمہ۔ وُہ اللہ کے سوا نہیں پُکارتے مگر مؤنثات (لات ومنات) کو۔ وُہ لوگ درحقیقت شیطانِ مردود کو پُکارتے ہیں۔

۴۔ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا یَسْتَجِیْبُ لَهٗۤ اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآىِٕهِمْ غٰفِلُوْنَ ۝

(ترجمہ۔ اور اس شخص سے زیادہ کون گمراہ ہوگا جو اللہ کے سوائے کسی اور کو پُکارتا ہے جو روزِ قیامت تک اُس کی پُکار کا جواب نہیں دے سکتا اور جو اِن کی پُکار سے محض بے خبر ہیں)

۵۔ وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُكَ وَلَا یَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝

(ترجمہ۔ اور اللہ کے سوائے کسی اور کو نہ پُکارو جو تجھے نہ نفع پہنچا سکتا ہے نہ نُقصان۔ اگر تُو نے ایسا کیا تو ظالموں میں سے ہو جائے گا۔)

احادیث شریف :-

۱۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ ابنِ مسعودؓ سے روایت ہے قَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَیُّ ذَنْبٍ اَکْبَرُ عِنْدَ اللّٰہِ قَالَ اَنْ تَدْعُوَ لِلّٰہِ نِدًّا وَّھُوَ خَلَقَکَ (بخاری ومسلم) ایک شخص نے پُوچھا یارسُول اللہ سب سے بڑا گناہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک کیا ہے؟ فرمایا یہ کہ تُو اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی شریک پُکارے۔ اور حالانکہ اُس نے تجھے پیدا کیا ہے۔

۲۔ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک اعرابی آیا اور کہنے لگا جانیں سختی میں پڑ گئی ہیں عیال مُصیبت میں مُبتلا ہیں اور جانور ہلاک ہو رہے ہیں۔ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ سے بارش کی دُعا مانگیئے۔ ہم اللہ کو آپ پر شفیع لاتے ہیں اور آپ کو اللہ پر شفیع لاتے ہیں۔ پس حضُور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سُبحان اللہ سُبحان اللہ اور بڑی دیر تک تسبیح پڑھتے رہے یہاں تک کہ اپنے صحابہؓ کے چہروں کی طرف دیکھا پھر فرمایا۔ افسوس تجھ پر کیونکہ اللہ تعالیٰ کو کسی پر شفیع نہیں بنایا جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ کی شان اعظم ہے اس بات سے تجھ پر افسوس۔ کیا تُو دیکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کون ہے؟ اُس کا عرش اُس کے آسمانوں کے اُوپر ہے۔

یہ الفاظ "تجھ پر افسوس اللہ کو کسی پر شفیع نہیں بنایا جاسکتا" اِن سے "یاشیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للّٰہ" کی بھی حُرمت ثابت ہوتی ہے۔

۳۔ ابنِ عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک روز میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھا۔ پس فرمایا اے لڑکے تُو اللہ تعالےٰ کے حقُوق کی حفاظت کرتا رہ وُہ تیری حفاظت فرمائے گا۔ تو اُسے پہنچ وُہ تجھے پہنچے گا۔ اور جب کسی چیز کا سوال کر تو اللہ ہی سے سوال کر۔ اور جب مدد مانگ تو اللہ ہی سے مدد مانگ (مشکوٰۃ بابِ توکل۔ ترمذی)

اِن سوالات کے جوابات

آیات (۱) اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کا معنیٰ اور مدلُول صرف یہ ہے کہ مدد طلب کرنا اس طرح کہ مُستعان منہ کو خالقِ عون و مدد یقین کیا جائے جو صرف جناب باری تعالیٰ شانہٗ کی ذات میں منحصر ہے خواہ اُمُورِ دینی میں ہو خواہ اُمورِ دُنیوی میں۔ اور اگر استعانت کے یہ معنی نہ لیے جائیں بلکہ استعانت بمعنی اِس امر کے کہ مُستعان منہ کو مظہرِ عون جانے اور یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ جلّ شانہٗ کے کارخانۂ حکمت واسباب میں یہی امر جاری ہے کہ ہر چیز کے اسباب بنائے ہیں اور ہمیں ان اسباب کے استعمال کا حُکم دیا ہے (مثلاً پانی پیاس بُجھانے کے لیے، روٹی بھُوک کے دفع کرنے کے لیے۔ آگ روٹی پکانے کے لیے، زمین کھیتی باڑی کے لیے، اَدویہ کو دفعِ امراض کا سبب بنایا ہے۔ طبیب اور ڈاکٹر کی طرف رجُوع کا صریح ارشاد ہے) پس کارخانۂ اسباب وحکمت پر نظر کرنا اسی کا متقاضی ہے۔ لہٰذا یہ طلبِ مدد مخلوق سے ممنُوع نہیں اور نہ یہ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کے معنی اور مدلُول کے مخالف ہے۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی یعنی نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دُوسرے کی مدد کیا کرو۔ پس یہ کہنا کہ مطلق مدد کا طلب کرنا جناب باری تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے اور اسی میں منحصر ہے۔ صحیح نہیں۔

خاتم المحدّثین مولانا شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں اِیَّاکَ کا نَسْتَعِیْنُ پر مقدم کرنا حصر کا فائدہ بخشتا ہے یعنی آپ کے غیر سے ہم مدد نہیں مانگتے اور یہ استعانت یا خاص عبادت میں ہے یا جمیع اُمُورِ دُنیا و دین میں۔ اگر خاص ہے

تو راز اس میں یہ ہے کہ اگرچہ عبادت انسان کا اپنا کسب اور اپنا اختیاری فعل ہے مگر بندہ کے تمام افعال اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں پس عبادت میں استعانت ثابت ہوگئی اور اگر عام ہے تو اختصاص کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص دوسرے کی امداد اور اعانت کرتا ہے اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اس کے دل میں اس دوسرے کی امداد کرنے کے دواعی ڈالے جاتے ہیں اور یہ اسباب اعانت کسی کے دل میں ڈالنا فعل باری تعالیٰ ہے پس گویا بندہ کہتا ہے کہ آپ کا کوئی غیر میری مدد نہیں کر سکتا۔ اور اس سے اعانت کا امکان بھی نہیں۔ لیکن اگر آپ اس کے دل میں میری امداد و اعانت کا داعیہ ڈالیں اور اس کی امداد فرمائیں کہ وہ میری اعانت کے اسباب جمع کرے تب یہ ممکن ہے پس میں ان تمام وسائل سے قطع نظر کرتا ہوں اور آپ کی اعانت پر ہی نظر رکھتا ہوں[۱]۔

۲۔ آیتِ دوم میں لَا تَدْعُوْا اور یَدْعُوْا اور اُدْعُوْ سے مراد پکارنے اور بلانے اور ندا کرنے کے معانی میں نہیں[۲]

---

[۱] حضرتؒ کا یہ ارشاد بالکل قطعی اور یقینی ہے۔ اس واسطے کہ قرآن شریف میں دونوں قسم کی آیات وارد ہیں۔ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ۔ تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَ التَّقْوٰی۔ وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوۃِ۔ حضرت ذوالقرنین رضی اللہ عنہ کا ارشاد اَعِیْنُوْنِیْ (الآیہ) حضرت یوسف علیٰ نبینا و علیہ السلام کا ارشاد وَاذْکُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّکَ۔

آیت اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ خاص تجھ سے مدد چاہتے ہیں میں حصر ہے اور تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی یعنی نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے سے تعاون کرو میں تعاون کا حکم ہے۔ ایسے ہی صبر و صلوٰۃ سے استعانت اور حضرت ذوالقرنین کے مدد طلب کرنے سے غیر اللہ سے مدد لینے کا جواز معلوم ہوتا ہے گو مجازی سہی۔

[۲] آج کل بعض تشدد پسند حضرات ان آیات میں لفظ دعا کے لفظی معنی "پکارنا" لے کر تحریف کرتے ہیں حالانکہ ان آیات میں لغوی معنی مراد نہیں جیسے قرآن مجید میں لفظ صلوٰۃ عموماً بمعنی لغوی نہیں ہے۔ یہاں بھی دعا بمعنی شرعی اور اصطلاحی مراد ہے۔ یعنی کسی ذات کو نافع و ضار مستقل یا شفیع غالب و قاضی الحاجات علی الاطلاق سمجھ کر اس کی طرف متوجہ ہونا اور استعانت طلب کرنا جو بلا شبہ عبادت ہے۔ اگر دعا بمعنی لغوی ہر جگہ مراد ہو تو پھر جس وقت مشرکین بغیر پکارنے کے فقط دل سے غیر اللہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں وہ ان آیات کے دائرہ سے نکل جائیں گے جو ہرگز مقصود نہیں۔ لہٰذا واضح ہو گیا کہ آیت "وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ" کے معنی یہ ہیں کہ اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہے جو غیر اللہ سے دعا کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ غیر اللہ سے اس اصطلاحی معنی میں دعا کرنا شرک فی العبادت ہے جس سے اہلِ سنت کا دامن پاک ہے کیونکہ وہ اہل اللہ سے دعا نہیں کرتے بلکہ دعا اللہ سے ہی کرتے ہیں اور اہل اللہ کو وسیلہ لاتے ہیں یا ان سے سوال اور عرض کرتے ہیں کہ ہمارے لیے اللہ سے دعا کریں جو بلا شبہ جائز ہے البتہ جہاں دعا بمعنی لغوی ممکن ہو وہاں لغوی معنی ہی مراد ہو گا جیسے حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق قرآن میں ہے۔ "رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ" الخ (اے میرے رب میں نے اپنی قوم کو پکارا اور بلایا)۔

غائبانہ کسی مقبول ہستی سے توسل کرنے کا محتاط طریقہ بھی یہی ہے کہ دعا اللہ تعالیٰ سے کی جائے اور اہل اللہ کے ساتھ محبت و تعلق کو وسیلہ بنایا جائے جو ایک عمدہ اور نیک عمل ہے اور سلف میں مروج ہے لیکن اگر کسی نے اس عقیدہ سے غائبانہ ندا کی کہ اللہ تعالیٰ اپنے ان مقبولین کو میری طرف متوجہ فرما دے تو اس کے شرعاً حرام ہونے پر کوئی نص نہیں جیسا کہ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے بھی "نشر الطیب" میں حدیث عثمان بن حنیف میں جملہ "یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ اَتَوَسَّلُ بِکَ اِلٰی رَبِّیْ" کی توجیہ میں خود تصریح کر دی ہے اور حدیث "اَعِیْنُوْنِیْ یَا عِبَادَ اللّٰہِ" مندرجہ حصن حصین اس پر شاہد ہے۔ (مؤلف عفی عنہ)

بلکہ عبادت مُراد ہے۔ بیضاوی۔ مدارک۔ معالم وغیرہ تمام تفاسیر میں بالاتفاق یہی معنی مذکور ہیں۔ پس عبادتِ غیر اللہ حرام اور شرک ہوئی نہ کہ آواز کرنا اور پکارنا۔

۳۔ تیسری آیت میں بھی یَدْعُوْنَ سے مُراد دعوت بطریق عبادت ہے اور اناث سے مُراد اصنام ہیں۔

۴۔ اور چوتھی آیت میں بھی یَدْعُوْ کے معنی یَعْبُدُ کے ہیں اور مَنْ لَّا یَسْتَجِیْبُ لَہٗ سے مُراد بُت ہیں۔ مدارک وغیرہ تفاسیر سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

۵۔ آیت پنجم میں بھی لَاتَدْعُ سے مُراد لَاتَعْبُدْ ہے معالم وغیرہ تفاسیر میں یہی ہے۔ علامہ سیوطی اتقان میں فرماتے ہیں لفظ دُعا کے کئی معانی ہیں ان میں سے ایک معنی عبادت کے بھی ہیں جیسے اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں وَلَاتَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَالَایَنْفَعُكَ۔

احادیث

۱۔ اَنْ تَدْعُوْا لِلّٰہِ نِدًّا سے مُراد ہے اَنْ تَجْعَلَ لَہٗ نِدًّا یہ کہ تو اُس کے لیے کسی کو شریک بنائے۔ حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی اس حدیث کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ بنائے تو پروردگار کا کوئی شریک اور مساوی حالانکہ تو جانتا ہے کہ اُس نے تجھے پیدا کیا ہے۔ مُلّا علی قاری نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے اَنْ تَدْعُوْا اَیْ تَجْعَلَ لِلّٰہِ۔ قسطلانی نے لَایَدْعُوْنَ کی شرح میں لکھا ہے اَیْ لَایَعْبُدُوْنَ۔

۲۔ اس حدیث میں نَسْتَشْفِعُ بِاللّٰہِ عَلَیْكَ کے معنی یہ ہیں کہ ہم خود ذاتِ جلّ جلالہٗ کو آپ کی خدمت میں سفارشی لاتے ہیں اور یہ جملہ باین معنی مذکور مستلزم ہے اس امر کو کہ جناب باری تعالیٰ جو یہاں شفیع بنائے گئے ہیں جناب رسالتمآب سے جو مشفوع بنائے گئے ہیں کم مرتبہ ہیں۔ حالانکہ یہ صریح کفر ہے۔ قرینہ اس پر یہ ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فَشَانُ اللّٰہِ اَعْظَمُ مِنْ ذَالِكَ فرمایا ہے اور جناب باری تعالیٰ کی عظمت کی وہ تفسیر فرمائی ہے جس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب سے بلند مرتبہ ہیں۔ اور ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو اس امر کا قائل نہ ہو۔ اور نہ ہی یہ معنی یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ کے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کو حضرت شیخ کی جناب میں شفیع بنا رہے ہیں اور حضرت شیخ کو مشفوع۔ اور اللہ تعالیٰ عزوجل کے نام مبارک کی حرمت سے کوئی چیز کسی سے مانگنے کی ممانعت نہیں بلکہ یہ چیز قرآن اور حدیث کی رُو سے ثابت ہے۔ وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِہٖ وَالْاَرْحَامَ (ڈرو اس اللہ تعالیٰ سے جس کے نام کا واسطہ دے کر تم لوگوں سے سوال کرتے ہو) تفسیر کبیر۔ عن ابن عباس قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنِ اسْتَعَاذَ بِاللّٰہِ فَاَعِیْذُوْہُ وَمَنْ سَاَلَ بِاللّٰہِ فَاَعْطُوْہُ۔ رواہ نسائی وغیرہ (جو اللہ تعالیٰ کے نام کے واسطہ سے پناہ مانگے اُسے پناہ دو اور جو اُس کے واسطہ سے سوال کرے اُسے عطا کرو) اس مضمون پر احادیث کثیرہ موجود ہیں مگر بخیال طوالت نقل نہیں کی جاتیں۔

۳۔ تیسری حدیث کا جواب یہ ہے کہ اس میں شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقصود بیان توکل ہے جو بہت بلند مقام ہے اور خواص کے لیے مخصوص ہے پس خواص کے لیے اسباب کی طرف توجہ اور انہماک موجب تنزل ہے۔ چنانچہ وارد ہوا ہے کہ حسنات الابرار سیئات المقربین اور اس سے یہ مقصود نہیں کہ بنی نوع سے مدد مانگنا اور انبیاء و اولیاء کی ارواح طیبہ سے استمداد اور اسباب کے ساتھ توسل مطلقاً ممنوع اور حرام ہو۔ نہایہ میں ہے۔ ھٰذَا مِنْ

صِفَاتِ الْاَوْلِیَآءِ الْمُعْرِضِیْنَ عَنْ اَسْبَابِ الدُّنْیَا وَعَوَائِقِهَا الَّذِیْنَ لَایَلْتَفِتُوْنَ اِلٰی شَیْءٍ مِّنْ عَلَائِقِهَا وَتِلْکَ دَرَجَةُ الْخَوَاصِ لَایَبْلُغُهَا غَیْرُهُمْ وَاَمَّا الْعَوَامُ فَرُخِّصَ لَهُمْ فِی التَّدَاوِیْ وَالْمُعَالَجَاتِ (یہ اَولیاء اللہ کی صفات ہیں جو اسبابِ دُنیا سے اعراض کرتے ہیں اور دُنیوی علائق کی طرف التفات نہیں کرتے۔ یہ خواص کا درجہ ہے دُوسروں کا وہاں گذر نہیں۔ عوام کے لیے دوا و معالجہ اور اسباب و ذرائع اختیار کرنے کی اجازت ہے)

حضور سرورِ کائنات ؐ کے بعض خاص اِرشادات حسبُ المراتب ہوتے تھے

بہرحال آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم بعض اِرشادات مخاطب کی اِستعداد اور حیثیت کے مُطابق فرمایا کرتے تھے اور وُہ عام نہیں ہوتے تھے۔ دیکھئے جب صدّیق اکبر ؓ نے اپنا تمام مال خیرات کر دیا تو آپ ؐ نے انکار نہیں فرمایا۔ اِس واسطے کہ ان کے یقین اور صبر اور توکّل پر نظر تھی اور جب دُوسرے ایک صحابی نے سب مال خیرات کیا تو آپ ؐ نے منع فرما دیا۔ اِسی طرح جب یُوسف صدّیق علیٰ نبیّنا و علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے غیر اللہ سے یہ کہہ کر مدد مانگی کہ اُذْکُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّکَ (اپنے بادشاہ سے میری سفارش کرنا) تو چُونکہ یہ مقامِ نبوّت کے مُناسب نہ تھا حضُور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ میرے بھائی یُوسف پر رحم فرمائے۔ اگر اُذْکُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّکَ نہ کہتے تو سات سال جیل خانہ میں نہ رہتے حالانکہ یہ چیز شرعاً ممنوع نہ تھی کہ ایک بے گناہ مظلوم جیل خانہ میں پڑا ہو اور بادشاہ کے پاس اپنی حالت بیان کروائے۔

حضرت سُلطانُ الزّاہدین گنج شکر ؒ کے سہارے اور توکّل کا ایک واقعہ

نقل ہے کہ حضرت سُلطان الزّاہدین فریدُالدّین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ جب ایک مرض سے تندرُست ہُوئے تو بوجہ ضعف چند قدم عصا پر تکیہ کر کے چلے اور پھر فوراً عصا کو پھینک دیا اور چہرہ مُبارک سے ناخوشی کے آثار نمودار ہُوئے بعد میں مُناسب موقع پر ایک شخص نے سبب دریافت کیا تو فرمایا۔ جب میں چند قدم اس عصا پر سہارا لے کر چلا تو ہاتف سے آواز آئی کہ اے فرید اب تک تو ہم ہی تیرا تکیہ اور سہارا تھے اب خلافِ عادت ہمارے غیر پر تکیہ کیا۔ اس وجہ سے مَیں نے عصا کو پھینک دیا تھا۔

ہر شخص کی مبداءِ فیاض سے ایک خاص خصُوصیّت

(تنبیہ) جاننا چاہیئے کہ ہر انسان بلکہ ہر مخلُوق کو مبداءِ فیاض سے ایک خصُوصیّت اور خاص شان ملی ہے جو دُوسری مخلُوق کی شان سے الگ اور ممتاز ہے اور وُہ شان مبنیٰ اور منشا ہے ترتّبِ احکامِ ممتازہ اور ظہورِ آثارِ مختصّہ کا۔ اور لازم نہیں کہ بنی نوع پر فضیلتِ مُطلقہ کا سبب بنے پس حضرت گنج شکر رضی اللہ عنہ کے اس قصّہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت مُوسیٰ اور دیگر انبیاء علیہم السّلام پر اُن کی فضیلت ثابت ہو جائے۔ عَلَیْکُمْ بِالسَّوَادِ الْاَعْظَمِ (تمہارے لیے سوادِ اعظم اُمّتِ اِسلامیہ کے ساتھ تمسّک لازم ہے) اور حدیثِ دیگر لَنْ تَجْتَمِعَ اُمَّتِیْ عَلَی الضَّلَالَةِ (میری اُمّت گمراہی پر جمع نہیں ہوگی) اور مقولہ ابنِ مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ مَارَاٰہُ الْمُسْلِمُوْنَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ (جس چیز کو مُسلمان اچھا جانیں وُہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اچھی ہے) کو نظر کے سامنے رکھنا چاہیئے تاکہ اپنی قصُور فہمی سے آیات اور احادیث کے

درمیان تعارض اور تناقض نظر نہ آئے اور یہ حدیث صادق نہ آجائے۔ اِذَا سَمِعْتَ الرَّجُلَ یَقُوْلُ هَلَكَ النَّاسُ فَهُوَ اَهْلَكُهُمْ (جب تجھے کوئی شخص یہ کہتا ہوا سُنائی دے کہ لوگ ہلاک ہو گئے تو وُہ اُن میں سب سے زیادہ ہلاکت میں پڑنے والا ہے) اِس حدیث کی شرح میں حکیمُ الاُمّت مولانا شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں کہ میرے نزدیک اِس حدیث کا ایک دُوسرا معنیٰ ہے اور وُہ یہ ہے کہ وُہ شخص جمہُور مُسلمین اور اکثر حاملینِ علم کی مخالفت کرے اور ان کے قول کے خلاف ایک قول گھڑ لے اور پھر اِن لوگوں پر طعن اور اِنکار کرے۔

اَب اللہ تعالیٰ کے قولِ مُبارک اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ کو ہی دیکھیے۔ اگر اِس کے متعلق یہ زعم اور خیال ہو کہ یہ مُطلق اِستعانت پر حصر ہے تو مناقض ہو جائے گا آیۂ شریف تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى کے اِس واسطے کہ اِس آیت میں حکم دیا جارہا ہے کہ نیکی اور تقویٰ پر ایک دُوسرے کی اِعانت کیا کرو۔ اِسی طرح اللہ تعالیٰ کے ارشاد اَلَیْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ کا جب یہ معنیٰ خیال میں رکھا جاوے کہ اللہ تعالیٰ کے سوائے کسی دُوسرے کی ہرگز ہرگز حاجت نہیں اور کسی کام میں بھی کسی دُوسرے کی ضرُورت نہیں تو یہ آیت شریف مناقض ہو جائے گی۔ آیت وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا۔ کی، جہاں فرمایا جارہا ہے کہ اگر گنہ گار آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اللہ تعالیٰ سے مُعافی مانگیں اور آپؐ بھی اُن کے حق میں اِستغفار کریں تو وُہ لوگ اللہ تعالیٰ کو توّاب اور رحیم پائیں گے۔

چُونکہ اِنَّ الْقُرْاٰنَ یُفَسِّرُ بَعْضُهٗ بَعْضًا (قرآن مجید کی بعض آیات دُوسری بعض آیات کی تفسیر کر دیتی ہیں) وارد ہُوا ہے اور یہ ساری قرآن مجید ہی کی آیات ہیں لہذا تمام آیات کی رعایت اور ہر ایک کے اپنے موقعہ اور مرتبہ کی نگہداشت ملحُوظ رہنی چاہیے۔ اَب آپ پر واضح ہو گیا ہو گا کہ جنابِ الٰہی کا اپنے بندوں کے لیے کافی ہونا اور سمیع و بصیر ہونا اِس چیز کے منافی نہیں کہ محبُوبانِ حق میں سے کسی محبُوب کی طرف اِلتجا لے جائی جائے یا اُن سے اپنی حاجات میں توسّل اختیار کیا جائے۔ اِس واسطے کہ اللہ جلّ شانہٗ نے باوجُود اپنے کافی ہونے اور سمیع و بصیر بلا واسطہ ہونے کے گنہگاروں کی مغفرت کو بارگاہِ نبوی علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام میں حاضر ہو کر حضُورؐ سے مغفرت طلبی پر موقُوف اور وابستہ فرمایا۔

"بدرگاہش بیا و ہرچہ مے خواہی تمنّا کُن"

ربیعہ بن کعبؓ سے مروی ہے کہ میں رات کو حضُور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے ساتھ رہا کرتا تھا۔ ایک رات میں حضُورؐ کے لیے وضُو کا پانی اور دیگر ضرُوریات لایا تو حضُورؐ نے فرمایا جو چاہے مجھ سے مانگ لے۔ مَیں نے سوال کیا کہ بہشت میں آپؐ کی رفاقت مانگتا ہُوں۔ حضُورؐ نے فرمایا اِس کے سوائے کچھ مانگ۔ مَیں نے عرض کیا صرف یہی چیز مانگتا ہُوں۔ فرمایا پھر کثرتِ سجُود سے میری اعانت کر (مُسلم) اِس حدیث میں کلمہ سَلْ (سوال کر) اور اَوْ غَیْرَ ذَالِكَ (اِس کے سوا کوئی اور سوال کر) کو ملاحظہ کرنا چاہیے۔ اِس لیے کہ "سَلْ" کا مفعُول اور اَوْ غَیْرَ ذَالِكَ کا مفعُول ذکر نہیں فرمایا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسئول اور مطلُوب میں کمال وُسعت اور اطلاق ہے۔ حضرت شیخ عبد الحقؒ نے اِس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ "سَلْ" کو مُطلق فرمایا ہے۔ اور مسئُول کو معیّن نہیں فرمایا اور مطلُوب کو خاص نہیں فرمایا۔ جس سے معلُوم ہوتا ہے کہ سب کام آپ کے دستِ ہمّت و کرامت سے وابستہ ہیں کہ جو کچھ چاہیں اور جس کو چاہیں باذنِ پروردگار تقدّس و تعالیٰ عطا فرمائیں۔

۵ فَاِنَّ مِنْ جُوْدِكَ الدُّنْيَا وَضَرَّتَهَا وَمِنْ عُلُوْمِكَ عِلْمَ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ

اگر خیریتِ دُنیا و عُقبیٰ آرزو داری
بدرگاہش بیا و ہرچہ مے خواہی تمنا کُن

(دُنیا و آخرت آپؐ کے جُود و سخا کے اجزاء ہیں۔ اور لوح و قلم کا علم آپؐ کے علوم کا ایک حصہ ہیں۔
اگر دُنیا و عقبیٰ کی خیریت کی آرزو ہے تو حضورؐ کی درگاہ میں حاضر ہو اور جو چاہتا ہے مانگ لے۔)

اِسی موضوع پر مُلّا علی قاری لکھتے ہیں "سَل" کا معنیٰ ہے مجھ سے اپنی حاجت طلب کر لے۔ اور ابنِ حجرؒ اس کا مطلب فرماتے ہیں تُو نے جو میری خدمت کی ہے مَیں اِس کے مقابلہ میں تیری حاجت کو بطور تحفہ کے پُورا کرُوں گا۔ اِس واسطے کہ اربابِ کرم کا یہی طریقہ ہے۔ اور آپؐ سے زیادہ کوئی کریم نہیں۔ آپؐ کے امرِ سوال کو مُطلق چھوڑ دینے سے سمجھا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خزائن میں تصرف کا حق آپؐ کو عطا فرمایا ہے۔ اور جو چیز کسی کو عطا فرمانا چاہیں اُس کا آپؐ کو اختیار دے رکھا ہے۔

ابنِ سبعؒ نے خصائص میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنّت کی زمین آپؐ کو بطور جاگیر عطا فرما دی ہے جسے چاہیں جتنی عطا فرما دیں۔ (احقاق الحق)

عقیدۂ شفاعت

سوال مُشرکین بھی اپنے بُتوں کو زمین و آسمان کا خالق نہیں جانتے تھے بلکہ وُہ بُتوں کو اپنا شفیع اور وسیلہ بناتے تھے۔ جیسا کہ اِس آیت شریف سے سمجھا جاتا ہے۔ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ[1] خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ۔ پس مومنین جو انبیاء اور اولیاء کی شفاعت اور توسّل کا عقیدہ رکھتے ہیں اور مُشرکین جو اصنام (بُت) کی شفاعت اور توسّل کا عقیدہ رکھتے ہیں ان کے درمیان کوئی فرق نہ رہا۔ اِس واسطے کہ انبیاء و اولیاء اور اصنام سب ماسوی اللہ ہیں۔ اگر کوئی فرق ہے تو بیان کرو۔

جواب۔ فرق واضح ہے مُشرکین اپنے اصنام (بُتوں) کو معبود اور مستحق عبادت جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اِن کی طرف سے بطور حکایت فرمایا ہے مَا نَعْبُدُهُمْ[2] اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى۔ اِسی واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور ان کا رد کیا ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مشرکین کہتے تھے کہ جس طرح بادشاہ اپنے خادموں کو خاص خدمت کے بدلے میں کوئی مُلک یا شہر دے دیتے ہیں اور اس مُلک یا شہر کی تدبیر اُسی کے حوالے کر دیتے ہیں۔ اور وُہ خادم اس مُلک یا شہر کا مستقل بادشاہ اور متصرف ہوتا ہے اور اُس مُلک یا شہر کے لوگ اُس کو بادشاہ جانتے ہیں۔ اِسی طرح یہ اصنام ہیں حکیم الامت شاہ ولی اللہؒ "حجۃ اللہ البالغہ" میں فرماتے ہیں کہ مشرکین بڑے بڑے کاموں کی تدبیر کے بارہ میں مومنین کے مُوافق ہیں کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اور کسی دُوسرے کا کچھ اختیار نہیں۔ مگر باقی امُور میں اور چھوٹے چھوٹے کاموں میں مومنین کے موافق نہیں ہیں۔ وُہ (مُشرکین) کہتے ہیں کہ ہم سے پہلے صالحین گزرے ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی

---

[1] اگر آپ ان سے پُوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو ضرور جواب دیں گے اللہ نے۔
[2] ہم اُن کی عبادت نہیں کرتے مگر اس لیے تاکہ وُہ ہمیں خُدا کے قریب کر دیں۔

عبادت کی اور اُس کا قُرب حاصل کیا پس اللہ تعالیٰ نے اُنہیں الوہیت دی اور وُہ تمام مخلوق کے لیے مُستحق عبادت ٹھہرے۔ جیسے کوئی شہنشاہ کہ اُس کا غلام اُس کی خدمت کرتا ہے اور اچھی خدمت کرتا ہے پس بادشاہ اُسے بادشاہی کی خلعت عطا کرتا ہے اور اُس کی طرف کسی شہر کی تدبیر سونپ دیتا ہے پس اُس شہر کے باشندے اُس کے احکام کو سُن کر اطاعت کرتے ہیں اور وُہ اس اطاعت کا مستحق ہوتا ہے۔ نیز مُشرکین کا مذہب تھا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اسی صُورت میں مقبُول ہوتی ہے جب کہ اُس کی عبادت کے ساتھ ان صالحین کی عبادت بھی مِل جائے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کی عبادت تنہا ہو تو مقبُول نہیں ہوتی بلکہ حق تعالیٰ نہایت عُلو اور بلندی میں ہے پس اللہ تعالیٰ کی عبادت اُس کے تقرب کے لیے بالکل مُفید نہیں بلکہ ان صالحین کی عبادت ضرُوری ہے اور یہ صالحین اب بھی سُنتے ہیں اور دیکھتے ہیں اور اپنی عبادت کرنے والوں کی شفاعت کرتے ہیں اور ان کے کاموں کی تدبیر کرتے ہیں اور ان کی نصرت کرتے ہیں۔ پھر ان صالحین کے ناموں سے پتھروں کو کھڑا کر دیا اور صالحین کی طرف توجہ کرتے وقت ان پتھروں کو قبلہ بنایا۔ اِس کے بعد ان کی اولاد ہُوئی جنہوں نے ان بُتوں اور ان صالحین کے درمیان جن کے نام پر یہ بُت بنائے گئے تھے کوئی فرق نہ کیا اور اُنہیں بُتوں کو بعینہٖ معبُود یقین کر لیا۔ اِسی واسطے اللہ تعالیٰ نے ان مشرکین پر مختلف طور پر رد فرمایا۔ کبھی فرمایا کہ حُکم اور مُلک خاص اللہ تعالےٰ کے لیے ہے اِس میں اس کا کوئی شریک نہیں اور کبھی فرمایا کہ یہ بُت بے دست و پا ہیں نہ ان کے پاؤں ہیں کہ چل سکیں، نہ ہاتھ ہیں کہ پکڑ سکیں، نہ آنکھیں ہیں کہ دیکھ سکیں، نہ کان ہیں کہ سُن سکیں"۔

انبیاء کرام اور اولیاء عظام صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین کو منصب شفاعت باذنِ الٰہی ثابت ہے۔ اور اصنام کو ہرگز ہرگز یہ بات حاصل نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا بِاِذْنِہٖ (کون ہے جو اس کی اجازت اور حکم کے سوا شفاعت کرے) قال علیہ الصلوٰۃ والسلام أُعْطِیْتُ الشَّفَاعَۃَ (حضور فرماتے ہیں (صلے اللہ علیہ وسلم) مجھے شفاعت کا مرتبہ اللہ تعالےٰ نے عطا فرمایا ہے) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ قال رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یَشْفَعُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ ثَلَاثَۃٌ اَلْاَنْبِیَاءُ ثُمَّ الْعُلَمَاءُ ثُمَّ الشُّھَدَآءُ (رواہ ابن ماجہ) حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے قیامت کے دِن تین قسم کے اشخاص شفاعت کریں گے پہلے انبیا پھر عُلما پھر شہدا۔

سماعِ موتیٰ

سوال - مُردوں کا کچھ نہ سُننا قرآن مجید سے ثابت ہے: اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ۔ تُو مُردوں کو نہیں سُنا سکتا اور نہ اُن لوگوں کو جو قبروں میں ہیں۔

اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہی مذہب ہے اور اسی آیت سے اُنہوں نے استدلال کیا ہے۔ اور حدیث: مَآ اَنْتُمْ بِاَسْمَعَ کی تاویل کی ہے جیسا کہ بُخاری شریف میں ہے۔ پس مُردوں سے مدد مانگنا بے فائدہ ہے۔

جواب - آیت مذکورہ میں جس سماعت کی نفی کی گئی ہے اُسی کو اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا (آپ نہیں سُناتے مگر ان لوگوں کو جو ہماری آیات پر ایمان رکھتے ہیں) میں ثابت کیا گیا ہے۔ اور اثبات بطریق حصر کیا گیا ہے۔

(مترجم - یعنی قرآن شریف میں یہ آیات اِس طرح مذکور ہیں: اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی اور وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ اور اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا۔ ان آیات پر جب غور کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اسماع کی نفی کی گئی ہے، مَوْتٰی اور مَنْ فِی الْقُبُوْرِ سے اور اثبات کیا گیا ہے بلکہ حصر کیا گیا ہے مَنْ

یُّؤۡمِنُ بِاٰیٰتِنَا ہیں، تو معلوم ہوا کہ جو اسماع منفی ہے وُہی مثبت ہے اگرچہ اسماع کے متعلقین ہر دو جگہ مختلف ہیں مگر اسماع ایک ہی ہے)

ظاہر ہے کہ جس اسماع کا اثبات مومنین کے لیے کیا گیا ہے وُہ اسماعِ اجابت ہے نہ مُطلق۔

(مترجم۔ کفار سے نفی بھی اسماعِ اجابت کی ہوگی۔ پس اگر مَوۡتٰی سے اور مَنۡ فِی الۡقُبُوۡرِ سے ان کے حقیقی معنی لیے جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ جو مُردے حالتِ کفر میں مر گئے ہیں وُہ اب آپ کے کلام کو سُن کر اجابت نہیں کر سکتے کیونکہ وُہ دارِ تکلیف سے نکل چکے ہیں۔ ان کا کفر اب زائل نہیں ہو سکتا یعنی ان کو اب کوئی نفع نہیں ہو سکتا۔ پس اس لحاظ سے مَنۡ یُّؤۡمِنُ سے مومن مُردے بھی مُراد لیے جائیں گے یعنی ان کو آپ کا کلام سُننے سے نفع ہوتا ہے۔ اور اگر مَوۡتٰی اور مَنۡ فِی الۡقُبُوۡرِ سے موتیٰ قلب ہیں یعنی زندہ کافر جو اصرارِ کفر پر کرتے ہیں تو معنی یہ ہوں گے کہ کُفّار مُصر ہیں آپ کا کلام سُن کر اجابت نہیں کریں گے اور اسلام نہ لائیں گے۔ ہاں مومن جو ایمان لانا چاہتے ہیں اور ایمان میں پختگی چاہتے ہیں وُہ آپ کا کلام سُن کر ضرور قبول کریں گے۔ اور اگر مُراد مُطلق اسماع ہو تو اُس کی نفی غیر ممکن ہے۔ اس واسطے کہ اگر کفار مصرین نے آپ کا کلام مُبارک مُطلق سُنا ہی نہیں تو کُفر کیسا؟ کُفر کہتے ہیں انکار کو۔ جب کوئی کلام ایک شخص سُنتا ہی نہیں تو وُہ اس کا انکار کیسے کریگا؟ اِس تفصیل سے معلوم ہوا کہ دُوسری صُورت میں آیت شریف ما نحن فیہ خارج ہو گئی اور پہلی صُورت میں بھی سماعِ نافع کی نفی ہوئی نہ مُطلق سماع کی۔)

قبُور پر دُعائے مغفرت

اِس سوال کے جواب میں کہ قبُور پر دُعائے مغفرتِ اہلِ قبُور کے لیے جانا مسنون ہے نہ کہ اِستمداد کی غرض سے، فرماتے ہیں کہ ہاں مسنون یہی ہے جیسا کہ سوال کیا گیا۔ لیکن اِس سے اَرواحِ کاملین کی جناب میں اِستعانت کا عدمِ جواز قائم نہ ہُوا۔ آیت: وَتَعَاوَنُوۡا عَلَی الۡبِرِّ وَالتَّقۡوٰی (نیکی اور تقویٰ کے اُمُور میں اِعانت کرو) کی رُو سے احیا اور اموات دونوں سے اِستعانت کی اجازت ہے۔ چُنانچہ احیاء سے اِستعانت تو ظاہر اور واضح ہے لیکن اَموات سے اِستعانت کے مُعاملہ میں یہ چیز قابلِ غور ہے کہ اَرواح زِندہ ہیں۔ موت اور زوالِ حیات اُن کے ابدان پر واقع ہوتی ہے۔ ہاں اَرواح پر موت کا اثر فقط اِسی قدر ہے کہ وُہ ابدان سے جُدا ہو جاتی ہیں اور یہ چیز اُن کے خُداداد قویٰ اور تصرفات کی زیادتی کا باعث ہوتی ہے۔ اِس مقصد کی تائید میں حضرت شاہ ولی اللہ محدّث کی کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" اور حضرت شیخ اکبرؒ کی "فتوحات" کے حوالہ جات قلمبند فرما کر آخر میں لکھتے ہیں:-

"حاصلِ کلام یہ کہ خُود ساختہ اصنام اور تماثیل اور اَرواحِ کاملین کے درمیان فرقِ بیّن اور امتیازِ غالب ہے۔ لہٰذا اصنام کے بارہ میں نازل شدہ آیات کو انبیائے عظام اور اولیائے کرام کی ذواتِ مبارکہ پر چسپاں کرنا، جیسا کہ "تقویۃ الایمان" میں ہے، تحریفِ قبیح اور تخریبِ شنیع کا حُکم رکھتا ہے۔"

کتاب کے آخر میں ذبح فوق العقدہ اور لزُومِ کُفر اور التزامِ کُفر کے درمیان فرق پر محققانہ تبصرہ ہے اور اربابِ تحقیق کے لیے قابلِ دید ہے۔

پانچویں فصل

الفتوحات الصمدیہ

سنہ ۱۳۲۵ھ مطابق سنہ ۸-۱۹۰۷ء

وجہِ تالیف

حضرتؒ کی یہ تصنیف غیر مقلّدین کے اُن دس سوالات کے جوابات سے متعلق ہے جو اُنہوں نے مدرسہ دار العلوم نعمانیہ لاہور کے ایک طالب علم قائم علی چشتی کے ساتھ تحریری بحث کے دوران کیے تھے۔ اس کا ذکر بابِ ارشاد میں بھی آچکا ہے۔ اگرچہ اُن کا رُوئے سخن اُس طالب علم کی طرف تھا مگر چونکہ اُن کا خیال تھا کہ اس بحث کے درپردہ اُس طالب علم کے راہنما حضرتؒ تھے اس لیے اپنی تحریر میں اُنہوں نے حضرتؒ کو بھی مخاطب بنایا۔ اُن کے سوالات کے جوابات مدرسہ نعمانیہ کے اساتذہ تیار کرنے کا ارادہ رکھتے تھے مگر حضرتؒ کے ایک نیاز مند نے ایک عریضہ کے ذریعے استدعا کی کہ چُونکہ مخالفین نے آپؒ کا نام نامی بھی اس بحث میں شامل کیا ہے اس لیے بہت مناسب ہوگا کہ جواب آپؒ ہی تحریر فرمائیں۔ جس وقت یہ خط حضرتؒ کی خدمت میں پہنچا آپؒ پشاور تشریف لے جارہے تھے۔ دورانِ سفر ہی آپؒ نے ان سوالات کے جواب بغیر کسی کتاب سے اِستفادہ کیے لکھوا دیئے۔ یہ سوالات مختصراً نیچے تحریر کیے جائیں گے۔ ان کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ مخالفین نے اُن کی تیاری میں بڑی محنت اور کاوش سے کام لیا تھا نہایت ادق ہونے کے علاوہ یہ نہ صرف اُن موضوعات سے متعلق تھے جو آج سے صدیوں قبل مسلمانوں کے مختلف مکاتیبِ فکر معتزلہ، اشاعرہ، ماتریدیہ، جہمیہ وغیرہ کے درمیان متنازعہ فیہ رہ چکے تھے مثلاً الٰہیات، کلام باری تعالےٰ وغیرہ بلکہ ایسے موضوعات بھی شامل کیے گئے تھے جیسے علمِ ہیئت، فلسفہ اقلیدس اور بعض مشہور الغاز۔ یُوں معلوم ہوتا ہے کہ مخالفین حضرتؒ کی وسعتِ علمی کا امتحان کرنا چاہتے تھے۔ اُن کے خیال میں یہ ممکن نہ تھا کہ ایک ہی شخص اتنے مختلف النوع مضامین میں اتنی مہارت رکھتا ہو کہ ان سب سوالات کا جواب دے سکے۔ مگر جیسا کہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے حضرتؒ کو قدرت نے علمِ لدُنّی سے نوازا تھا چنانچہ آپؒ نے تمام سوالات کے نہایت مفصّل جوابات دیئے۔ مخالفین نے اپنے سوالات کے ساتھ یہ بھی کہا تھا کہ ان کا جواب دینے والوں کو ہم پر بھی سوال کرنے کا حق ہوگا۔ اس لیے جوابات لکھوانے کے ساتھ ہی حضرتؒ نے اپنی طرف سے ۱۲ سوالات اُنہی اور دیگر مضامین کے متعلق مخالفین پر کیے جن کا جواب آج اتنی مدت گزر جانے پر بھی اُن سے نہیں بن آیا۔

غیر مقلّدین کے سوالات

مخالفین کے سوالات مختصراً یہ تھے:-

۱۔ علمِ لغت:- صاحبِ قاموس" شیخ مجد الدین فیروز آبادی کے اشکالات جو اُنہوں نے ابُو نصر اسمٰعیل بن حماد جوہری صاحب

صحاح پرواردکیے، اُن کی تشریح مانگی گئی۔

۲۔ علم التصریف والادب:۔ عولیصہ ابن الکمال کے اقوال متعلقہ "اعلال لاتخشون" پر اشکال اور اُس کا جواب مانگا گیا۔

۳۔ علم الحروف والھیئۃ:۔ علامہ رشید الدین الفارقی کی منظوم لغز (پہیلی) درج کرکے اُس کا حل دریافت کیا۔

۴۔ علم فقہ:۔ صاحبِ "وقایہ" کی عبارت مندرجہ کتاب البیوع پر علامہ فناری کے اشکال کا حل طلب کیا۔

۵۔ علم الکلام:۔ کلامِ الٰہی کے بارے میں سوالات جن کی تفصیل نیچے علیحدہ دی جائے گی۔

۶۔ علم فلسفہ:۔ دریافت کیا کہ "تسلسل" اور "دور" کے کتنے اقسام ہیں۔ کون سا ممتنع، کون سا جائز اور کون سا مختلف فیہ۔

۷۔ علم تفسیر:۔ "تاویل" کے معنی اور "تاویل صحیح جائز" اور "تاویل فاسد غیر صحیح" کے مابین فرق دریافت کیا ہے۔

۸۔ علم فلسفہ:۔ امکان وحدوثِ ذاتی ومکانی کی حد اور تعریف اور اس تقسیم کا موجد کون تھا؟ نیز تقسیم صحیح ہے یا باطل؟

۹۔ علم اقلیدس:۔ نظام جو "طفرہ" کا قائل ہے اُس کے متعلق سوال اور جواباً جیومیٹری کی شکل بنا کر توضیح مانگی ہے۔

۱۰۔ علم منطق:۔ اصطلاح "کلّی ذاتی" اور "کلّی عرضی" کے درمیان فرق دریافت کیا ہے نیز یہ کہ باوجود متساوی الاقدام ہونے کے بحسب اللزوم ایک ذاتی اور دوسری عرضی کیوں قرار دی گئی۔

حضرتؒ نے جوابات کے شروع میں ذاتِ حق کی تنزیہہ وتقدیس کے متعلق ایک خطبہ عربی زبان میں تحریر فرمایا۔ اس کے بعد فرمایا کہ وہ ذات پاک مخلوق کے فہم ووہم وادراک سے بالاتر ہے اور معرفتِ الٰہی میں حضرات صوفیائے کرام کا مسلک ہی اکمل ہے کیونکہ وہ حضرات جو کچھ کہتے ہیں اُس کی اساس محض عقل اور علومِ ظاہرہ پر نہیں بلکہ کشفِ صحیح اور علوم لدنّیہ پر ہوتی ہے۔ اور وہ حسب ارشادِ نبویؐ "خدا کے ساتھ دیکھتے، سنتے، بولتے اور پکڑتے ہیں"۔ بخلاف اُن لوگوں کے جو ساری عمر علومِ ظاہر میں ہی محدود رہے اور کشف وعیان کے میدانِ وسیع میں قدم نہ رکھا۔ اگر یہ حضرات بھی انبیاء علیہم السلام اور اُن کے وارثینِ کامل اولیائے کرام کے ساتھ حسنِ ظن رکھتے تو یقیناً اُن کی ارواحِ طیبہ کی توجہ اور برکت سے اُنہیں بھی اُن کے حسب استعداد علومِ لدنّیہ سے بہرہ وری ہوتی۔ اولیائے کرام کے مکشوفات اور مسئلہ توحیدِ وجودی پر شیخ ابنِ تیمیہؒ اور اُن کے متبعین کے اعتراضات پر حضرتؒ نے سخت افسوس ظاہر فرمایا کیونکہ اُنہوں نے ان دقیق مسائل کو محض اس لیے اپنے اعتراضات کا ہدف بنایا کہ وہ اُن کے ادراک وفہم سے بالاتر تھے۔ حالانکہ جب تک کوئی چیز نص شرعی کے خلاف نہ ہو، ایسا کرنا صحیح نہیں ہے جیسا کہ تمام ایسے علومِ غیبیہ کے متعلق ہمیں حکم ہے کہ اُن پر ایمان لائیں اور حقیقت خدا کی طرف تفویض کریں۔

غیر مقلدین کا سوالِ پنجم

سوال نمبر پانچ بہت طویل تھا اور اُس کی کئی شقیں تھیں اس لیے حضرتؒ نے سب سے پہلے اسی کا جواب لکھوایا۔

سوال کی اجمالاً تفصیل یوں ہے:۔

"کلامِ الٰہی قدرت اور مشیت کے نیچے داخل ہے یا نہیں؟ اور خدائے عزّوجل کی ذات کے ساتھ قائم ہے یا قائم نہیں بلکہ خارج ومنفصل ہے؟ اگر کلامِ نفسی ہے تو حروف واصوات کس کے ساتھ قائم ہوئے اور اولاً کس سے ظاہر وصادر ہوئے؟ یہ مخلوق ہیں یا غیر مخلوق؟ قدیم ہیں یا حادث؟ اور حکایت ہیں یا عبارت؟ حادث ومخلوق کے درمیان نسبِ اربعہ میں سے کون سی نسبت ہے؟ اگر قدیم ہیں تو کس طرح؟ تسلسلِ آثار آپ کے نزدیک ماضی ومستقبل دونوں میں جائز وممکن ہے یا

دنوں میں ممتنع و محال ہے؟ حجتِ امتناع کیا ہے؟ تمام افعالِ باری تعالیٰ کیا لازمی طور متساوی الاقدام ہیں؟ ..... آخر میں کہا ہے کہ اپنا مذہب و مشرب کلام باری تعالیٰ کے بارہ میں بیان کر کے اُس پر بُرہان قائم کریں اور جو اعتراض اُس پر وارد ہوتا ہے اُس کا جواب دیں۔"

سوال پنجم کے جواب کا خلاصہ

جیسا کہ ظاہر ہے اِس طویل سوال کا جواب بھی ویسا ہی طویل ہوگا اور اُس کا پورے طور پر نقل کرنا یہاں ممکن نہیں حضرتؒ نے اپنے جواب میں اِس موضوع پر مختلف مکاتیبِ خیال کا مسلک تفصیلاً بیان فرمایا ہے اور اُن کے مابین وجہِ اختلاف اور اعتراضات و اشکال کو بڑی وضاحت سے سامنے رکھا ہے جس سے صرف اہلِ علم حضرات ہی کتاب سے مطالعہ کر کے محظوظ ہو سکتے ہیں اپنے مشرب کے متعلق جو بیان فرمایا وُہ مختصراً یوں ہے :۔

"میں چونکہ اہلِ حق صوفیائے کرام خصوصاً سیدی وسندی و شیخی و شیخ الکل فی زمانہ حضرت خواجہ محمد شمس الدین صاحبؒ چشتی نظامی فخری سُلیمانی (سیالوی) قدست اسرارہم کا اور حضرت جدّی و شیخی فی القادریہ پیر فضل الدینؒ صاحب الحسنی الگیلانی کا دامن گرفتہ ہوں میرا مذہب آپ اہلِ حق کے کلماتِ ذیل سے معلوم کر سکتے ہیں :۔

۱۔ حضرت شیخ علی خواصؒ فرماتے ہیں :۔

ایاك ان تؤول اخبار الصفات فان فی ذالك دسیسة من الشیطان لیفوت المؤمن الایمان بعین ما انزل الله۔ قال تعالیٰ "اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ" وهٰذا المؤول ما اٰمن حقیقة الا بما اوله بعقله ففاته الایمان بعین ما انزل الله تعالیٰ فلیتأمل۔ انتهٰی۔	خبردار، آیات و اخبارِ صفات (الٰہیہ) میں تاویل نہ کرنا کیونکہ اِس میں شیطان کا خفیہ فریب ہے۔ تاکہ عین ما انزل اللہ کے ساتھ مومن کا ایمان فوت ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ "رسُول اور ایمان لانے والے ایمان لائے اُس کے ساتھ جو رسُول کی طرف اُس کے رب سے نازل کیا گیا" لہٰذا تاویل کرنے والا حقیقت میں اپنی عقلی تاویل پر ایمان رکھتا ہے نہ بعینہٖ اُس چیز پر جو خُدا نے نازل فرمائی۔

۲۔ اُستاد ابُو اسحاق اسفرائینیؒ فرماتے ہیں۔ "توحید کے بارہ میں متکلمین کا سب ذخیرہ اہلِ حق نے صرف دو کلمات میں جمع کر دیا ہے۔ الاولی اعتقادان کلما تصور فی الاوهام فالله بخلافه (پہلا یہ اعتقاد کہ جو کچھ اوہام و تصورات میں آئے اللہ تعالیٰ اُس کے خلاف ہے) الثانیه اعتقاد ان ذاته تعالیٰ لیست مشبهة بذات ولا معطلة عن الصفات وقد اکد ذالك تعالیٰ بقوله "وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ" (دوسرا یہ اعتقاد کہ خُدا کی ذات کسی ذات سے مشابہ نہیں اور نہ صفات سے معرا ہے۔ ارشادِ الٰہی "وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ" اس کی تاکید کر رہا ہے۔ یعنی کوئی چیز اُس کے برابر نہیں (کفوءٌ)

۳۔ اِس کے بعد حضرت شیخ اکبرؒ کے چند اقوال ازراہِ بُرہان بیان فرمائے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے :۔

قال الشیخ الاکبر رضی الله تعالیٰ عنه مدار صحة العقائد علی حصول الجزم بها حتی ان من اخذ ایمانه تقلیدا جزما للشارع کان اعصم د	صحتِ عقائد کا مدار حصولِ جزم (یقین) پر ہے۔ لہٰذا جس شخص نے شارع علیہ السلام سے تقلیدی طور پر ایمان حاصل کر کے یقین کر لیا وُہ اس سے زیادہ مضبوط ہے جو

اوثق ممن یاخذ ایمانه عن الادلة وذالك لما یتطرق الیها اذا کان حاذقًا فطنًا من الحیرة والدخیل فی ادلته وایراد الشبه علیها فلا یثبت له قدم ولا ساق یعتمد علیها فیخاف علیه الھلاك۔

دلائل سے ایمان حاصل کرتا ہے کیونکہ اُس کے دلائل میں شکوک و شبہات راہ پکڑ سکتے ہیں جن کی وجہ سے اُس کے رسُوخ و استحکام کے زوال اور ہلاکت کا خطرہ لگا رہتا ہے۔

اِن اقوال کے آخر میں حضرتؒ فرماتے ہیں:۔

"پس ہمارے لیے لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ (الشوریٰ: ۱۱) وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ (الاخلاص: ۴) وَکَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰی تَکْلِیْمًا (النساء: ۱۶۴) وامثال ذالک کلامِ الٰہی سے بس ہیں جس سے یقیناً معلوم ہو سکتا ہے کہ القرآن کلامُ الٰہی اور مقالاتِ صحابہ کرام کے بموجب القرآن کلامُ الٰہی غیر مخلوق۔"

غیر مقلّدین پر حضرتؒ کے بارہ سوالات

مخالفین سے جو سوالات حضرتؒ نے اِستفسار فرمائے وُہ مختصراً یُوں تھے:۔

۱۔ علم الحرُوف:۔ سیّدنا محمد بن علی کا قول متعلقہ حرُوفِ تہجّی بیان فرما کر اُس کا مطلب نیز حرُوفِ تہجّی کی ترتیب کذائی کی وجہ دریافت فرمائی ہے۔

۲۔ علمِ ہیئت:۔ عویصہ ابن الکمال کا قول بیان فرما کر اُس کی توجیہہ دریافت فرمائی ہے۔

۳۔ علمِ ریاضی: صاحب بی بی مدین رضی اللہ عنہما کی لغز (پہیلی) کا مطلب دریافت فرمایا ہے۔ مخالفین کی لغز کے برعکس یہ نہایت ہی مختصر لغز ہے اور مندرج ذیل ہے:۔

"ما الاسم الذی مرکب عن عشرین وثلثین بینھما حسا ومعنی وقد یترکب حسالا معنی من ثمانیة وثمانین ومأتین وستة عددا فاذا جمعتھما علی وجه مخصوص من غیر اسقاط الستة کان اسما مرکبا وان اسقطت الستة کان اسما غیر مُرکب۔

۴۔ علم فقہ:۔ یہ سوال بھی نہایت مختصر مگر جامع الفاظ میں یُوں ہے:۔

"فقہاء کرام رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہم کی عبارتِ ذیل (بلوغ ظل کل شیٔ مثلیه سوی فیئ الزوال) میں استثناء کا ماخذ اور لمیت بیان فرماویں۔

۵۔ علمُ الکلام:۔ کلامِ الٰہی اور حرُوف واصوات کے متعلق اشعری، ابن کلاب، ہشام بن الحکم، ابن سینا وغیرہ کے اقوال بیان فرما کر اُن میں سے کسی ایک قول کی صحت وحقیقت کو محققانہ طور پر ثابت کرنے کو کہا ہے۔ نیز یہ استفسار فرمایا ہے کہ "آپ صفاتِ باری تعالیٰ عزّاسمہٗ کو عینِ ذات مانتے ہیں یا لاعین اور بر تقدیر ثانی مسئلہ کی کسی مختلف شقوں میں سے کسی ایک شق کو لے کر مُطلق صفت کا ثبوت مدلّل طور پر دیں۔"

۶۔ علمِ اقلیدس:۔ یہ بھی مختصر سوال ہے اور ناظرین کی دلچسپی کے لیے مکمل درج کیا جاتا ہے۔ "اقلیدس میں کون سی شکل ہے جس سے توحید ثابت ہوتی ہے اور وُہ کون سی جس سے قائل بالتثلیث بزعمِ خُود متمسک ہوتا ہے۔ اور پھر اقلیدس ہی کی رُو سے اُس کی تردید بھی کی جا سکتی ہے۔ اور نیز آپ تین دائرے بنائیں جن کے نصف قطر تین دیئے

ہوئے خطوں کے برابر ہوں اور اُن تین سے ایک اندر کی طرف اور دو باہر کی طرف مس کریں۔ بتایئے کہ نصف قطر میں کیا نسبت ہونی چاہیئے کہ حل ممکن ہو۔

۷۔ علمِ فلسفہ:۔ اشاعرہ کی دلیل حدوثِ عالم پر بیان فرما کر اُسے غیر صحیح قرار دیا ہے اور استفسار فرمایا ہے کہ اگر صحیح ہے تو کس طرح؟

۸۔ علم الحدیث:۔ حدیثِ بخاری پر ایک اشکال۔ یہ سوال بھی ناظرین کی دلچسپی کے لیے مکمل درج کیا جاتا ہے۔
"بخاری کی حدیث (تحول فی الصور) بظاہر لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ کے منافی معلوم ہوتی ہے۔ فان المتصور بصورة مثل لہ اذا کان فی صورة اخریٰ معہ صحت الحمل بینہ وبین المتحول۔ اِن میں تطبیق چاہیئے۔ بتائیں کہ اس حدیث میں اہل انکار کتنے ہیں اور کیوں؟ کیا قبل از تجلی ہٰذا دُنیا میں بھی اُن کو کسی صورت میں مشاہدہ ہوا تھا یا نہ؟ اگر ہوا ہے تو کونسی صورت میں۔ اگر نہیں تو پھر انکار اور تسلیم کے کیا معنے۔ آیت اور حدیث سے ثبوت چاہیئے اور نیز حدیثِ معراج میں بالخصوص موسےٰ علیہ السلام ہی کو نمازکے بارہ میں فہمائش کی کیا وجہ تھی؟ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مالکِ علومِ اولین و آخرین تھے۔ نیز ہر ایک نبی کی فلکِ مخصوص سے وجہِ خصوصیت کیا ہے؟"

۹۔ علم الکلام:۔ قرآن کریم میں خضر علیہ السلام کا کلام "فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِیْبَھَا" اور "فَاَرَدْنَا اَنْ یُّبْدِلَھُمَا رَبُّھُمَا" میں افراد اور جمعیتِ ضمیر کی وجہِ تخصیص دریافت فرمائی ہے۔

۱۰۔ علم التفسیر:۔ آیت "وَکُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰہُ فِیْٓ اِمَامٍ مُّبِیْنٍ" میں حضرت شیخ اکبرؒ کی تفسیر کی شرح اور اُس کے متعلقہ امور دریافت فرمائے ہیں۔

۱۱۔ علم الافلاک:۔ چند آیاتِ قرآنیہ جن کا تعلق اجرامِ فلکیہ سے ہے اُن کی تشریح اور منازلِ قمر کے اٹھائیس ۲۸ ہونے کی وجہِ تخصیص دریافت فرمائی ہے۔

۱۲۔ علم ریاضی:۔ علم الافلاک و ریاضی کے متعلق چند متناقضہ عبارات کی تطبیق دریافت فرمائی ہے۔

حضرتؒ کی یہ کتاب علومِ اسلامیہ کے چند نہایت مشکل امور سے تعلق رکھتی ہے۔ جس سے حضرتؒ کے تبحرِ علمی کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔ اس کا صحیح لطف صرف اہلِ علم حضرات ہی اٹھا سکتے ہیں۔

چھٹی فصل

تصفیہ مابین سُنّی و شیعہ

یہ حضرتؒ کی آخری تصنیف ہے جو آپؒ کچھ عرصہ خان بہادر مولوی شیر محمد صاحب کو لکھواتے رہے مگر یہ سلسلہ بوجہ اوّلاً آپؒ کی علالت کے اور بعدہٗ حالتِ استغراق کے منقطع ہوگیا۔ بیماری کے دَوران ایک مرتبہ اس کی اشاعت کے متعلق آپؒ سے اجازت طلب کی گئی مگر فرمایا "فی الحال رہنے دو"۔ یہ مسودہ جو ۹۲ فل سکیپ صفحات پر مشتمل ہے اب چھپ چکا ہے۔ اور کتب خانہ دربارِ عالیہ میں موجود ہے۔ انشاء اللہ بہت جلد اسے طبع کرواکر ناظرین کی خدمت میں پیش کیا جائے گا۔ اور اُمیدِ واثق ہے کہ شیعہ سُنّی مباحث کے اہم موضوع پر داعیٔ اعتدال و انصاف ثابت ہوگا جس سے سلیم الطبع حضرات پر راہِ صداقت و حقیقت واضح ہوجائے گی۔

تقریبِ تالیف

اِس تصنیفِ لطیف کی وجہ تالیف حضرتؒ نے بعد توصیف و درود مختصراً یوں بیان فرمائی ہے :-

"تخالفِ مذہبی مابین سُنّی و شیعہ کوئی نیا اختلاف نہیں جسے رفع کرنے کے لیے طالبانِ حق موجودہ زمانہ کے عُلماء سے اِلتجا کریں۔ اِس سے قبل سلف صالحین علیہم الرّضوان حسبِ تدبیرِ الٰہیہ وقتاً فوقتاً اہلِ بیتِ کرام سے محبّت رکھنے کے وجوب اور خلافتِ خلفائے اربعہ کی حقانیّت کے اہم موضوع پر نہایت شائستہ انداز میں اظہارِ خیال فرماتے چلے آئے ہیں۔ البتّہ حال ہی میں اس تخالف میں ایک نئے رُجحان کا اضافہ ہوا ہے اور یہ سمجھا جانے لگا ہے کہ اہلِ سُنّت والجماعت ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اِنسان اہلِ بیتِ کرام کے خلاف بُغض اور بنی اُمیّہ کے ساتھ محبّت رکھے۔ حالانکہ اہلِ سُنّت کبھی بھی اس شقاوت میں ملوّث نہیں ہُوئے۔ اور اُن کے عقائد میں رسُولِ پاکؐ کے خاندان سے دوستی و مودّت مدارِ ایمان اور فرض مانی گئی ہے۔ اِس نئے رُجحان کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ہمارے عُلمائے کرام نے بمقابلۂ اہلِ تشیّع اپنے مواعظ و نصائح کی مجالس میں صرف دفعِ ملاعن و مطاعن کی طرف ہی رُخ کیا۔ اور اہلِ بیت علیہم السّلام کے فضائل و مناقب بیان کرنے کی طرف کم توجّہ فرمائی۔ لہٰذا مخلصی مُفتی غلام مُرتضٰے ساکن میانی اور سیّد صدیق شاہ صاحب اور عزیزی پیر غلام عبّاس صاحب حسنی مکھڈی حفظہم اللہ تعالےٰ نے شدید تقاضا کیا کہ اِس نہایت ضروری امر کی طرف توجّہ کی جائے۔ لہٰذا ارشاد کی تعمیل میں اور فرصت اور لیاقت نہ ہونے کے باوجود یہ چند اوراق جو سلف صالحین علیہم الرّضوان کی کُتبِ تاباں سے ماخوذات اور ذاتی عندیات پر مشتمل ہیں اس غرض سے لکھے جاتے ہیں کہ حضرات ناظرین محظوظ ہوکر اِس سیاہ جریدۂ عالم کو دُعائے خیر سے یاد فرماکر ممنون فرمائیں۔ اللہ تعالےٰ اُس وقت کی عزّت و جلالت کے صدقے جب اُس نے اِستوا علی العرش فرماکر دُنیا اور دُنیا والوں پر اپنی رحمت کا اجرا بصُورت آں رحمۃ للعالمین فرمایا۔ اُمّتِ محمّدیہ کے ساتھ ستّاری و غفّاری سے معاملہ فرماتے ہُوئے ہم سب کی بخشش فرمائے۔"

جن اُمورات پر اِرشادات عالیہ قلمبند ہُوئے ہیں، وُہ حسب ذیل ہیں :-

(۱) اِثباتِ خلافتِ راشدہ بہ آیتِ استخلاف و دیگر آیاتِ قرآنی (۲) مسئلہ قرطاس (۳) حدیث خم غدیر (۴) باغ فدک (۵) آیت مباہلہ (۶) آیتِ تطہیر (۷) آیت مودّت (۸) حدیث ثقلین (۹) فضائل سیّدنا علیؓ اور بحث حدیث "اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ" اور اُس کے متعلق ابنِ تیمیہ اور ابنِ جوزی کے اِعتراضات کے جوابات۔

اِن فیوضاتِ عالیہ کا مختصر اخلاصہ ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے :-

اثباتِ خلافتِ راشدہ بہ آیاتِ قرآنیہ

خلافتِ راشدہ کی حیثیت کذائی کی حقیت اور اُس کے منجانب اللہ ہونے کا ثبوت حضرتؒ نے آیتِ اِستخلاف سے دیا ہے۔ اور اُس کی تائید میں چوبیس دیگر آیاتِ قرآنی اور متعدد احادیث و مسلّمہ واقعات مندرجہ کتبِ سیر کو پیش فرمایا ہے۔ اور منکرینِ خلافت کے اِعتراضات اور دلائل کو سوال وجواب کی صُورت میں قائم فرما کر پُورے ستّر صفحات پر ایسی مدلّل بحث فرمائی ہے کہ فکرِ سلیم کے لیے اِس عُنوان پر کوئی شبہ باقی نہیں رہ جاتا۔ آیتِ اِستخلاف کے بعد حضرتؒ نے وُہ آیات بیان فرمائی ہیں جن میں حضرات خُلفائے اربعہ کی فضیلت بیان ہے جس سے اُن کا اِستحقاق برائے منصب خلافت ثابت ہوتا ہے۔ حضرتؒ کی بحث کا خُلاصہ یہاں بیان کیا جاتا ہے۔

آیتِ اِستخلاف :-

"وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـــًٔا ۭ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○ (نُور : ۵۵)

اللہ تعالےٰ نے وعدہ دیا ہے تم میں سے اُن لوگوں کو جو باایمان اور عمل صالح کے مرتکب ہیں کہ البتہ وُہ اُن کو زمین پر خلیفہ کرے گا جس طرح اُس نے اُن سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا اور البتہ اُن کے لیے اُن کا دین جو اُنہیں پسندیدہ ہے محکم کرے گا۔ اور البتہ اُن کے حق میں خوف کو امن سے بدل ڈالے گا۔ وُہ میری ہی عبادت کریں گے اور کسی کو میرا شریک نہ مانیں گے۔ اور جو کوئی اس کے بعد ناشکری کرے گا پس وُہ لوگ فاسق ہیں۔

حضرتؒ فرماتے ہیں کہ اِستخلاف یعنی خلیفہ بنانے کو حق تعالےٰ نے اپنی طرف منسُوب کیا ہے۔ اِستخلاف کے معنی ولی امر اور خلیفہ بنانے کے ہیں۔ جیسا کہ ایک دُوسری آیت میں آیا ہے "یَا دَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَۃً فِی الْاَرْضِ" (اے داوٗد ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا) آیتِ اِستخلاف کے مخاطب اور حقدار وُہی لوگ ہیں جو نزُولِ آیت کے وقت باایمان اور صالح تھے یعنی مہاجرین الاوّلین۔ پھر اس آیت کے متعلق حضرت شاہ ولی اللہؒ کے ایک قول کا حوالہ دے کر فرماتے ہیں کہ اِس آیت کی تفسیر یا بیان یہ حدیث ہے۔ "اَلْخِلَافَۃُ مِنْ بَعْدِیْ ثَلَاثُوْنَ سَنَۃً ثُمَّ تَصِیْرُ مُلْکًا عَضُوْضًا" یعنی خلافتِ راشدہ میرے بعد تیس سال رہے گی اور بعد ازاں ہو جائے گی مُلوکیت دانتوں سے کاٹنے والی۔ "عربی زبان میں خلافت جانشینی کو کہتے ہیں یعنی ایک شخص دُوسرے کی جگہ بیٹھے اور اُس کا نائب ہو کر کام کرے

شرع میں خلیفہ وُہ حاکم ہے جو بہ نیابتِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، دینِ محمدیہ کو قائم رکھے۔ پس جو شخص کہ حاکم نہ ہو اور حکم اُس کا عام نافذ نہ ہو وُہ خلیفہ نہ ہو گا۔ ایسا ہی وُہ مسلمان حاکم جو مالیہ وغیرہ وصول کرے مگر دین کی اقامت مثل جہاد و اقامتِ حدُود و فیصلہ جاتِ شرعیہ نہ کرے وُہ بھی خلیفہ کہلانے کا مستحق نہیں۔ یہ معنی خلافتِ مطلقہ کا ہے اور خلافتِ خاصہ راشدہ میں علاوہ حکمرانی و اقامتِ دینِ محمدی کے مہاجرینِ اوّلین سے ہونا اور سوابقِ اسلامیہ سے متصف ہونا بھی شرط ہے۔ چنانچہ خلفائے اربعہ بایں معنی خلافتِ راشدہ سے متصف تھے اور مثل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قول و فعل میں واجب الاطاعت تھے۔ اور وعدۂ الٰہیہ مندرجہ آیت کا تحقق بھی چاروں خلفائے کرام کی خلافت پر ہے نہ صرف کسی ایک شخص کی خلافت پر، کیونکہ اس آیت میں جتنے ضمائر موعُودلہم کے لیے ہیں وُہ سب بصیغۂ جمع ہیں۔ نیز جن امُور کا تحقق اِس آیت میں کیا گیا ہے یعنی اِستخلاف، اقامتِ دین، تبدیلِ خوف بالامن اور عباداتِ خالصہ، یہ بھی چاروں خلفائے کرام کے وقت میں موجُود تھے نہ صرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت میں، اور وعدۂ الٰہیہ کا تحقق بمراعاۃ اوصاف موعُودلہم ضروری اور واجب ہے جو خلافت خلفاء اربعہ علیہم الرضوان کے وقت میں ہوا اور روزِ روشن کی طرح ہوا اور کسی کو گنجائشِ انکار نہیں۔"

اِس سوال کے جواب میں کہ اگر خلافتِ راشدہ کے لیے کوئی نصِ قرآنی موجُود تھی تو گروہِ انصار اور سیّدنا علی علیہم الرّضوان نے بیعت ابوبکرؓ سے انکار کیوں کیا تھا اور اپنے لیے مدعیِ خلافت کیسے ہُوئے؟ فرماتے ہیں کہ "ایک نص کیا بلکہ بکثرت نصُوصِ قرآنیہ واحادیثِ نبویؐ نہ صرف خلافتِ شیخینؓ بلکہ خلافتِ اربعہ علیہم الرّضوان پر شاہد ہیں۔ مگر چُونکہ نصُوصِ قرآنیہ میں شخصی طور پر کسی کے نام کی تخصیص نہیں تھی صرف کلی طور پر اوصافِ جمیلہ کا ذکر تھا، لہٰذا بوجہ نامعلومی شخصیت، وفات شریفِ نبویؐ کے موقعہ پر باہمی تخالف پیدا ہوا لیکن رفتہ رفتہ روزِ روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ اِن نصُوص اور اوصاف مندرجہ فیہا سے مُراد اور اُن کا مصداق خلفائے اربعہ ہی ہیں۔

حضرتؒ فرماتے ہیں کہ نصُوص کی مُراد اور مصداق پر سب سے پہلے نظر بھی خود حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی پہنچی۔ "نہج البلاغۃ" میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگِ عراق میں بنفسِ نفیس شریک ہونے کے لیے مشورہ لیا تو سیّدنا علیؓ نے فرمایا "جہاد فی سبیل اللہ کی جیت یا ہار لشکرِ اسلام کے تھوڑا یا بہت ہونے پر موقوف نہیں، دینِ اسلام خدائی دین ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے سب ادیان پر غالب فرمایا ہے اور لشکرِ اسلام خُدائی لشکر ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مہیا فرمایا اور اُس کی امداد فرمائی۔ اور جس حد تک اُسے پہنچنا اور ظاہر ہونا تھا وُہ پہنچا اور ظاہر ہُوا اور ہم (مہاجرین الاوّلین) منجانب اللہ وعدۂ نصرت دیئے گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کو پُورا کرنے والا اور اپنے لشکر کو امداد دینے والا ہے۔ والیٔ امر (خلیفہ) بمنزلۂ رشتۂ جواہر ہوتا ہے۔ اِن (جواہر) کو باہم جمع رکھنے والا اور مِلانے والا ہوتا ہے۔ اگر رشتہ ٹُوٹ جائے تو جواہر جُدا جُدا ہو جاتے ہیں اور نظام جاتا رہتا ہے اور پھر کبھی اپنے اطراف کے ساتھ جمع نہیں ہوتا۔ آج کے دِن عرب اگرچہ قلیل ہیں مگر بوجہ اسلام کثیر ہیں۔ اور اتفاق کی وجہ سے عزیز اور غالب ہیں۔ پس اَے عمرؓ تو چکّی کے قُطب کی طرح اپنے مرکز پر قائم رہ اور یہیں بیٹھ کر چکّی کو پھرا اور اعداء کو جنگ کی آگ سے جلا دے۔"

آخر میں بطور خُلاصہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بوجہ کشفِ نبوّت، وعدۂ استخلاف میں ایسا اطمینان تھا کہ مرضِ وفات کے آخری ایّام میں خیال شریف میں آیا کہ اس امر کے متعلق کچھ لکھ دیا جائے اور فرمایا کہ میرے پاس کاغذ لاؤ کہ میں لکھ دُوں تا کہ میرے بعد گمراہ نہ ہو جاؤ۔ مگر پھر وعدۂ الٰہی کے بھروسہ اور اطمینان پر تحریر کو ضرُوری نہ سمجھا اس لیے کہ "لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ" اور

"لَیُمَکِّنَنَّھُمْ" اور "لَیُبَدِّلَنَّھُمْ" اور نیز "لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ" کا فرمانے والا اصدق الصادقین ہے ضرور ہی ان وعدوں کو جن کے ہاتھ پر پورا کرنا ہے پورا کرے گا۔ بیعتِ صدیقی پر حضرت شیرِ خدا کی شکر رنجی صرف اتنی بات پر تھی کہ اہل بیت رسول اللہ اس طرح نظرانداز کیوں کیے گئے کہ بروقتِ تنازعہ فیمابین مہاجرین و انصار و اقامتِ حجت بریک فریق اُن کا ذکر تک نہ ہوا۔ حالانکہ جس حجت اور دلیل سے مہاجرین کو بہ نسبت انصار اِس امر کا اہل و مستحق سمجھا گیا (الائمۃ من القریش) وہی حجت اُن کے لیے بھی تھی۔ کیونکہ ہاشمی کو بہ نسبت قریشی کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ زیادہ قرابت اور ارتباط ہے۔ مگر یہ تھوڑی سی کدورت بھی صدیق اکبرؓ کے بیانِ معذرت سے جاتی رہی۔ یہ لوگ علیہم الرضوان آیت شریف "یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا" کے مصداق تھے۔ اُن کے پاک سینوں میں کدورت کا مقام کیسے ہو سکتا تھا۔ اُس روز بوجہ فراقِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ صدیقی ادراک اور نہ مرتضوی فہم موعود لہم کی شخصیت تک پہنچا ہوا تھا ورنہ اتنا تنازعہ بھی نہ ہوتا۔ رفتہ رفتہ روزِ روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ خلافتِ اربعہ منصوصی ہے اور یہی خوش قسمت لوگ اِس نعمتِ عظمیٰ اور اقامتِ دینِ پسندیدہ کے لیے منتخب کیے گئے ہیں۔ آیۃ استخلاف میں "اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ" کا خطاب علمِ الٰہی میں انہی حضراتِ اربعہ کی طرف تھا۔ ایفائے وعدہ کے لیے اِن حضرات کی فضیلت کمال کے علاوہ اُن کی عمروں کی ترتیب بھی موجب ترتیبِ خلافت ٹھہری۔ کیونکہ اگر حضرت علیؓ بلافصل خلیفہ ہوتے تو باقی تینوں حضرات خلافت سے محروم رہتے۔ اسی طرح اگر بلافصل حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوتے تو جناب ابوبکرؓ و عمرؓ محروم ہو جاتے علیٰ ھٰذا القیاس۔ مہاجرین و انصار کا تقاضا خلافت کے لیے اہلِ دُنیا کی طرح بوجہ نفسانیت نہیں تھا بلکہ صرف اِس وجہ سے تھا کہ ہر ایک فریق اقامتِ دین اور خدمتِ اسلام سے مشرف ہونے کا شرف حاصل کرے۔ یہ لوگ اُس مقدس ذات کے جانشین تھے جس کی صحبت کا اثر بقائے عمر تک باقی رہنا چاہیے۔

اب چند وہ آیات اور اُن کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے جس میں خلفائے راشدہ اور دیگر اصحابہ کرام علیہم الرضوان کی فضیلت درج ہے۔ حضرتؒ فرماتے ہیں کہ ایسے لوگ جن کی تعریف اللہ تعالےٰ نے یوں فرمائی کیسے نعوذ باللہ منافق یا مرتد ہو سکتے ہیں جیساکہ مخالفین کا دعوےٰ ہے۔

۱۔ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُھٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْھُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ وَاَعَدَّ لَھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتَھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ۔ (توبہ : ۱۰۰)

مہاجرین اور انصار میں سے سب سے پہلے سبقت کرنے والے اور وہ لوگ جنہوں نے نیکی میں اُن کی پیروی کی۔ خدا تعالےٰ اُن سے راضی ہوا اور وہ خدا تعالےٰ سے راضی ہوئے اور اُن کے لیے ایسے باغ تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور وہ ہمیشہ اُن میں رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

حضرتؒ فرماتے ہیں کہ اِس بشارت کے اوّلین مصداق خلفائے اربعہ علیہم السلام ہیں۔

۲۔ لَا یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِکَ اَعْظَمُ دَرَجَۃً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ؕ وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی۔ (حدید : ۱۰)

تم میں سے اُن لوگوں کی کوئی برابری نہیں کر سکتا جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے راہِ خدا میں مال خرچ کیے اور جنگ کی یہ لوگ درجہ میں بلند تر ہیں اُن لوگوں سے جنہوں نے (فتح مکہ) کے بعد مال خرچ کیے اور کفار سے لڑے۔ اور سب کے لیے وعدہ بہشت کا اللہ تعالےٰ نے دیا ہے۔

۳ - مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا ؗ سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ ۛۖۚ وَ مَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ ۛ۫ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِهٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِیْمًا ۝ (فتح: ۲۹)

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ اُس کے ساتھ ہیں وُہ کافروں پر سخت زور آور ہیں اور آپس میں محبّت کرنے والے ہیں۔ تو اُن کو دیکھتا ہے رکوع اور سجود کرتے ہُوئے، وُہ خدا کا فضل اور اُس کی رضا چاہتے ہیں اُن کے چہروں پر سجدوں کے نشان موجُود ہیں۔ تورات اور انجیل میں اُن کی داستان ایسے ہے جیسے کھیتی (پہلے) اپنے سبز گھاس کو نکالے، پھر اُسے قوی کرے، پس وُہ موٹی ہو جائے اور اپنی جڑوں پر کھڑی ہو جائے۔ (اُسے دیکھ کر) کھیتی والے خوش ہوتے ہیں اور کفار غصّہ سے بل کھاتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کو جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے بخشش اور ثواب بزرگ کا وعدہ دیا ہے۔

حضرتؒ فرماتے ہیں کہ اِن آیات میں بیان کردہ اوصافِ جمیلہ سب کی سب خُلفائے اربعہ پر صادق آتی ہیں بلکہ اُن کی مثالیں پہلے آئی ہُوئی آسمانی کتابوں میں بھی ہیں۔

۴ - اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝ یُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَ رِضْوَانٍ وَّ جَنّٰتٍ لَّهُمْ فِیْهَا نَعِیْمٌ مُّقِیْمٌ ۝ (توبہ: ۲۰-۲۱)

جو لوگ ایمان لائے اور خدا تعالےٰ کے راستے میں ہجرت کی اور اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کیا وُہ اللہ کے نزدیک بہت بڑا درجہ رکھتے ہیں اور وُہی لوگ مُراد کو پہنچنے والے ہیں۔ خُدا اُن کو اپنی رحمت اور خوشنودی کی بشارت سُناتا ہے اور بہشتوں کی جن میں وُہ ابدی عیش حاصل کریں گے۔

یہاں حضرتؒ فرماتے ہیں کہ کیا کوئی خُلفاءِ اربعہ علیہم السّلام کی مالی اور جانی خدمات سے اِنکار کر سکتا ہے؟

۵ - لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ عَلَیْهِمْ وَ اَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا ۙ وَّ مَغَانِمَ كَثِیْرَةً یَّاْخُذُوْنَهَا ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِیْزًا حَكِیْمًا ۝ (فتح: ۱۸-۱۹)

البتّہ بالتحقیق اللہ تعالےٰ اُن مومنین سے راضی ہو چکا جب کہ وُہ درخت کے نیچے تجھ سے بیعت کر رہے تھے۔ پس خُدائے تعالےٰ نے اُن کے دِلوں کا حال جان لیا اور اُن پر رحمت اُتاری اور اُن کو فتح قریب عطا فرمائی اور بہت سا مالِ غنیمت جو وُہ حاصل کریں گے اور خدا غالب حکمت والا ہے۔

اِس آیت میں اللہ تعالےٰ نے بیعتُ الرّضوان والوں کو جن میں شیخین رضؓ و سیّدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہما شامل تھے، اپنی خوشنودی کی سند عطا فرمائی۔

۶ - وَ لَقَدْ كَتَبْنَا فِی الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ ۝ (الحج: ۱۰۵)

اور یقیناً ہم نے تورات کے بعد زبُور میں لکھ دیا ہے کہ زمین موعُود کے وارث میرے پاک بندے ہوں گے۔

یہ پیشین گوئی بہ شہادت توراۃ و زبور فاروقِ اعظمؓ کے حق میں ہے جن کے ہاتھ سے ارضِ مقدسہ (شام) فتح ہوئی۔ آپ بحسب اس آیت کے عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْن سے ٹھہرے۔

۷۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗۤ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ٘ یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآىٕمٍؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ۝ (مائدہ ۵: ۵۴)

اے مسلمانو جو کوئی تم سے اپنے دین سے پھر گیا تو جلدی خدائے تعالےٰ ایسی قوم لائے گا جن کو وُہ دوست رکھے گا اور وُہ اُسے دوست رکھیں گے۔ یہ قوم مسلمانوں پر مہربان کافروں پر سخت گیری کرنے والی ہے۔ خُدائے تعالےٰ کی راہ میں لڑتے ہیں اور کسی کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے۔ یہ خدا کی عنایت ہے جسے چاہے دے اور اللہ تعالیٰ وسیع علم والا ہے۔

یہ پیشین گوئی حضرت ابُوبکر صدیقؓ کی خلافت میں پُوری ہُوئی جنھوں نے باوجُود مخالفت کے مُرتدین اُمّت سے جہاد کیا۔

اِن آیات کے علاوہ جو آیات حضرتؒ نے خلفائے راشدین کی فضیلت کے متعلّق نشان فرمائی ہیں وُہ یہ ہیں:-

انفال ۳۴، ۶۲ تا ۶۴ و ۷۴۔ نحل ۴۱۔ توبہ ۳۳، ۶۱، ۸۸ و ۸۹، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۷۔ حج ۴۰-۴۱-۷۸- فتح ۱۶- آلِ عِمران ۱۰۴، ۱۲۱، ۱۲۳، ۱۲۴- حشر ۲۔

بعض مطاعن اور اُن کا جواب ——— مسئلہ قرطاس

اَب مختصراً مخالفین کے بعض مطاعن اور اُن کے جواب جو حضرتؒ نے بیان فرمائے ہدیۂ ناظرین کیے جاتے ہیں:-

مسئلۂ قرطاس:- حدیثِ قرطاس کا ذکر صحیح بُخاری میں دو جگہ آیا ہے۔ حضرتؒ نے دونوں روایات کو قلم بند فرمایا ہے پہلی حدیث صحیح بُخاری کتابُ الطب میں ہے اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے اور دُوسری باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم و وفاتہ میں حضرت سعید بن جبیرؓ سے ہے۔ اِن روایات کا لُبِّ لباب یہ ہے کہ جب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا وقت قریب آیا اور دولت خانہ شریف میں لوگ جمع تھے جن میں عُمر بن الخطابؓ بھی تھے تو حضُور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سامان کتابت میرے پاس لاؤ میں تمہارے لیے ایسی تحریر لکھ دُوں جس کے بعد تم گمراہ نہ ہوگے۔ حاضرین میں اس پر اختلاف ہوگیا۔ بعض جن میں عُمر بن الخطابؓ بھی تھے، کہتے تھے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درد غالب ہے آپؐ کو تکلیف نہ دو اور ہمارے پاس کتاب ہے اور کتابُ اللہ ہمارے لیے کافی ہے۔ اور دُوسرے کہتے تھے کہ آپؐ کے ارشاد کی تعمیل کی جائے۔ آپؐ کی زبانِ مُبارک سے کبھی پریشان کلام نہیں نکلا دوبارہ دریافت کرلو۔ جب شور و اختلاف زیادہ ہوا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس سے اُٹھ جاؤ اور مجھے میرے حال (مشاہدۂ حق) پر چھوڑ دو۔

حضرتؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عُمرؓ کو محلِ طعن بنانے والوں نے دو غلطیاں کی ہیں۔ ایک تو اُن کے کلام کا مطلب اپنے ہر لیے رنگ میں ادا کیا ہے جو کوئی مُنافق بھی اُس وقت کے مُنافقین میں سے نہیں کہہ سکتا تھا۔ دُوسرا "اَهَجَرَ اِسْتَفْهِمُوْهُ" (یعنی کیا حضُورؐ پریشان کلام کرسکتے ہیں، دوبارہ دریافت کرلو) کا جُملہ بھی مخالفین نے حضرت عُمرؓ کی طرف منسُوب کیا ہے جو خلافِ واقعہ ہے۔ بالفرض اسے صحیح مان لیا جائے تو بھی کوئی اِلزام عائد نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ جُملہ استفہامِ انکاری ہے اور درصُورتِ ہذیان و بے ہوشی یہ جُملہ (دریافت کرلو) کوئی معنی نہیں رکھتا بلکہ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ آپؐ کی حالت ہذیان کی نہیں۔ کیونکہ یہ شانِ نبوت سے بعید

ہے۔ دوبارہ دریافت کرلو۔

پھر فرماتے ہیں: "یہ تو ظاہر ہے کہ جس بات کو آپؐ لکھنا چاہتے تھے اگر اُس پر اُمّت کی اصلی یا دائمی ہدایت کا دارومدار ہوتا تو آپؐ ہرگز ہرگز اُسے ترک نہ فرماتے۔ یہ آپؐ کی شانِ ہادی، مبلغ، بشیر، نذیر، حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ وغیرہ اَوصافِ منصوصہ کے سراسر خلاف ہے کہ آپؐ ایک ایسے امر کو پُورے تین دن جُمعہ، شنبہ، یک شنبہ معہ بقیّہ روزِ پنج شنبہ کی مُہلت میں ترک فرمادیں۔ پھر خطاب اُور ارشادِ نبویؐ سب حاضرین کے لیے تھا جن میں سیّدنا علیؓ اُور سیّدنا عباسؓ بھی تھے نہ صرف حضرت عُمرؓ کے لیے ہی خطاب تھا۔ اگر مطعون ٹھہریں گے تو سب نہ صرف اکیلے حضرت عُمرؓ۔ بلکہ سب سے زیادہ سیّدنا علیؓ پر مطاعن اُور نتائج فاسدہ کا اثر پڑتا ہے کیونکہ دولت خانۂ نبویؐ پر حضرت علیؓ ہی کتابتِ وحی کا کام کرتے تھے۔ وُہ خطاباتِ اسد اللہ الغالب، خیبر شکن اور لَا فَتٰی اِلَّا عَلِیْ وغیرہ سے ملقب تھے۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ کسی سے ڈر کر یا کسی کے رُعب میں آکر ارشادِ نبویؐ سے گریز کیا ہو۔ اگر بفرضِ محال ایسا تھا بھی، پھر بھی کامل تین دن میں حضرت عُمرؓ سے علیحدگی کے وقت اُنہیں تعمیل کا موقعہ مل سکتا تھا۔ حاضرین میں سے کسی کا بھی تعمیل نہ کرنا صاف بتلا رہا ہے کہ کتابت زیرِ بحث ضروری نہ تھی ورنہ حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو بالاتفاق معصوم ہیں کسی کے روکنے سے کب رُک سکتے تھے۔"

حدیثِ خُمِ غدیر

حضرتؒ نے حدیثِ خُمِ غدیر کی تفصیل بیان فرما کر لکھا ہے کہ اُس کی تقریب یہ ہُوئی تھی کہ بریدہ اسلمی نے یمن میں حضرت علیؓ کے کسی عمل پر اعتراض کیا تھا اُور حضورؐ سے اس کی شکایت کی تھی جس پر حضورؐ نے "مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ اَللّٰھُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاہُ وَعَادِ مَنْ عَادَاہُ" کا ارشاد فرما کر حضرت علیؓ کی محبت واجب فرمادی۔ حضرتؒ فرماتے ہیں کہ "بریدہ اسلمی کے بیان اُور واقعات و مبشرات و نصوصِ قرآنیہ مُبَیَّنَۃٌ فِیْ مَوَاضِعِھَا سے واضح ہوجاتا ہے کہ خُمِ غدیر والی حدیث کو خلافتِ بلافصل سیّدنا علیؓ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ورنہ بہ ایّامِ مرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہ ارشادِ مکرّر اُور اصرارِ مؤکد حضرت صدیق اکبرؓ کو تین روز کی نمازوں کے لیے امام نہ بناتے۔ اِس پر حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے فرمایا تھا (قَدَّمَکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ فَمَنْ ذَا الَّذِیْ یُؤَخِّرُکَ) تمہیں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش امام فرمایا ہے پھر کون ہے جو تمہیں پیچھے کرے۔

قضیّۂ باغ فدک

اِس مضمُون پر سوال وجواب کی صُورت میں حضرتؒ نے ۱۸ صفحات قلم بند فرمائے ہیں۔ اِس موضُوع پر حضرتؒ کا مسلک باب سوم میں "اہلِ تشیّع کے ساتھ ایک مناظرہ" کے زیرِ عنوان دیا جاچکا ہے۔ تمام اعتراضات کا تفصیلی جواب دینے کے بعد حضرتؒ فرماتے ہیں کہ فدک کے علاوہ اُور جائدادیں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرّف میں تھیں مثلاً بنو نضیر کے سات باغات، القریٰ کی وادی، وطیخ اُور سلالم خیبر کے دو قلعے اُور خیبر کا پانچواں حصّہ، مگر حیرت ہے کہ فدک میں باصرار ہبہ یا وصیّت کا ذکر تیرہ سو سال سے جاری ہے مگر بقیّہ جائدادیں محلِ بحث ہی نہیں۔ نہ اُن کا دعوےٰ جناب خاتونِ جنتؓ نے کیا نہ شیرِ خُداؓ نے اُنہیں یاد دلایا اُور نہ ہی اپنے عہدِ خلافت میں اُنہیں حضرت رسُولِ خُدا صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث یا ہبہ یا وصیّت قرار دیا۔

پھر فرماتے ہیں کہ سیّدۃ النساء کی نسبت ہبہ یا وصیّت کا دعوےٰ بھی محض اُن پر افترا اور بہتان ہے۔ اگر مطالبہ بطورِ ارث تھا تو ہبہ نہیں ہو سکتا اور نہ بالعکس۔ ایسا ہی دعوائے میراث اور دعوائے وصیّت میں تناقض ہے۔

آیتِ مباہلہ کی تشریح اور تفسیر

حضرتؒ فرماتے ہیں:۔ ۱۰ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کے نصاریٰ کو تحریری دعوتِ اسلام دی اُن کے چودہ منتخب آدمی بہ قیادت عبدالمسیح عُرف عاقب مدینہ پاک پہنچے۔ اور بڑے مکلّف اور ریشمی لباس پہن کر مسجد نبوی میں حاضر ہو کر سلام عرض کیا۔ مگر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے توجہ نہ فرمائی۔ یہ کیفیت دیکھ کر وُہ لوگ اپنے قبلہ کی طرف مُنہ کر کے نماز پڑھنے لگے اُس سے فارغ ہو کر دوبارہ حضُور میں آئے مگر پھر بھی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اُن کی طرف متوجہ نہ ہُوئے۔ وُہ لوگ مسجد سے باہر چلے گئے۔ اور حضرات عثمان بن عفانؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور علی کرم اللہ وجہہ سے مشورہ کیا کہ کیا کیا جائے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میرے خیال میں آپ لوگوں کی متکبرانہ اور جاہ وجلال والی روش سے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طبیعت مُبارک مکدّر ہو گئی ہے اگر آپ سادہ کپڑے پہن کر جائیں تو اُمید ہے ضرور توجہ فرمائیں گے۔ چُنانچہ ایسا ہی ہُوا۔ جب یہ لوگ سادہ کپڑے پہن کر حاضر ہُوئے، تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اُن کے سلام کا جواب دیا اور فرمایا۔ قسم ہے خُدا کی جس نے مجھے سچا رسُول بنا کر بھیجا ہے کہ کل جس وقت یہ لوگ آئے تھے اِن کے دِل غرُور سے بھرے ہُوئے تھے۔ اس کے بعد گفتگو شرُوع ہُوئی۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اُنہیں دعوتِ اسلام فرمائی مگر اُنہوں نے معذرت کی اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سوال کیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا باپ کون تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِنتظارِ وحی کیا۔ جس پر یہ آیت نازل ہُوئی:۔

اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَہٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ ۝ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ فَلَا تَکُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِیْنَ ۝ فَمَنْ حَآجَّکَ فِیْہِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَکَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَکُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَکُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَکُمْ ثُمَّ نَبْتَہِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰہِ عَلَی الْکٰذِبِیْنَ ۝

(آلِ عمران: ۵۹ تا ۶۱)

آیت کا مطلب:۔ "اللہ تعالےٰ کے نزدیک عیسےٰؑ کا حال مثل آدمؑ کے ہے۔ اللہ تعالےٰ نے اُسے مٹی سے بنایا اور کہا "ہو" اور وُہ ہو گیا۔ حق تمہارے ربّ کی طرف سے ہے پس شک کرنے والوں سے مت ہو۔ اگر کوئی اِس علم اور دانست کے بعد تُم سے اِس بات پر جھگڑے تو اُس کو کہہ دو کہ فریقین مع اپنے بیٹوں اور عورتوں کے مِل کر جھُوٹوں پر عجز وانکسار سے لعنت کریں (یعنی مُباہلہ کریں)"

یہ کلامِ الٰہی سُن کر بھی وُہ لوگ اپنے عقیدہ سے نہ پھرے۔ اِس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اب بھی نہیں مانتے ہو تو آؤ ہم مباہلہ کر لیں اور مشورہ کے لیے اُنہیں وقت دیا۔ اپنی فرودگاہ میں پہنچ کر اُن کے قائد نے کہا کہ مجھے یقین ہے کہ آپ سب لوگ دِل میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو نبی برحق مانتے ہیں۔ اور اُن کا بیان دربارۂ مسیح علیہ السلام بھی مدلّل اور معقُول ہے، لہٰذا مباہلہ کرنا میرے نزدیک ٹھیک نہ ہو گا۔ کیونکہ سچے نبی سے مباہلہ کرنے والی قوم یقیناً ہلاک ہو جاتی ہے بہتر ہے صُلح کر لیں۔

سب نے یہ رائے پسند کی اور دُوسرے روز جب حضُورِ نبویؐ میں آئے تو دیکھتے کیا ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جناب حُسین علیہ السلام کو گود میں اُٹھائے اور حسن علیہ السلام کا ہاتھ پکڑے ہُوئے ہیں۔ جناب سیّدۃ النساءؑ آپ کے پیچھے اور سیّدنا

علیؓ اُن کے پیچھے تشریف لا رہے ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُن سے فرماتے ہیں کہ اگر نصاریٰ مباہلہ کو آگئے تو مَیں دُعا مانگوں گا اور تم سب مِل کر "آمین" کہنا۔ جب نصاریٰ نے یہ نقشہ دیکھا تو کانپ گئے اور عاقب نے اُن سے کہا کہ اے گروہِ نصاریٰ اِس میں کوئی شک نہیں کہ اگر یہ پانچ مُنہ خدائے تعالےٰ سے کسی پہاڑ کو اپنی جگہ سے اُکھاڑنے کا سوال کریں گے تو اللہ تعالےٰ ضرور اُسے پُورا کرے گا۔ پس مباہلہ مت کرو ورنہ ہلاک ہوجاؤ گے۔" حسبِ رائے نصاریٰ نے عرض کیا کہ ہم مباہلہ نہیں کرتے۔ اور اِس بات پر صُلح کرتے ہیں کہ آپ ہمارا تعرّض نہ فرمائیں اور ہم دو ہزار حلّہ (پوشاک) سالانہ حضور میں بطورِ جزیہ پہنچایا کریں گے۔ آخر الامر اسی پر صُلح ٹھہری۔

حضرتؒ فرماتے ہیں کہ اِس واقعہ سے ظاہر ہے کہ آلِ عبا یعنی علی و حسن و حسین و سیدۃ النّساء علیھمُ السّلام کا ایک جُداگانہ قُرب بحضورِ نبویؐ تھا۔ پنجتن پاک کا یہ کیفیّتِ مذکورہ جلوہ گر ہونا بے نظیر اور عجیب نظارہ ہوگا اور دیکھنے والے محوِ حیرت ہوں گے۔

الٰہی بحُرمتِ آں وقتیکہ پنجتن پاک علیھمُ الصّلوٰۃ والسّلام برائے مباہلہ تشریف فرما شدند ایں سیاہ جریدہ تردامنے رامع اقارب و دوستاں وسائر برادرانِ اسلام واخوانِ طریقت وہمگی اُمّتِ مرحُومہ بہ بخشا کہ بغیر از فضل وکرمِ تو در دست نداریم۔ خَلَقْتَنَا مَجَّانًا وَرَزَقْتَنَا مَجَّانًا فَاغْفِرْلَنَا مَجَّانًا فَاِنَّكَ قَدِيْمُ الْاِحْسَانِ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ وَلَطِيْفٌ قَبْلَ كُلِّ لَطِيْفٍ وَلَطِيْفٌ بَعْدَ كُلِّ لَطِيْفٍ، فَالْطُفْ بِنَا كَمَا لَطُفْتَ فِيْ ظُلُمَاتِ الْاَحْشَاءِ يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ بِحُرْمَتِ حَبِيْبِكَ رَحْمَةِ الْعٰلَمِيْنَ وَصَلِّ وَسَلِّمْ وَاَدِمْ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ ہ

حضرتؒ فرماتے ہیں کہ آیتِ مباہلہ میں کلمہ اَبْنَاءَنَا میں حسنین پاکؑ کو فرزندانِ رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کہلانے کا شرف ثابت ہے اور اس کی تائیدِ مزید میں حضرت اسامہ بن زیدؓ کی روایت کا ذِکر فرمایا ہے جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حسنینِ پاکؑ کے متعلق ارشاد فرمایا "هٰذَانِ اِبْنَایَ وَابْنَا بِنْتِیْ"۔ یہ دونوں میرے بیٹے ہیں اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں۔

کلمہ "نِسَاءَنَا" کے متعلق فرماتے ہیں کہ اگرچہ بصیغہ جمع ارشاد ہوا ہے مگر طرزِ عمل نبویؐ سے واضح ہوگیا کہ مُراد سیدۃ النّساءؑ جگر پارۂ رسُولؐ ہیں۔

کلمہ "اَنْفُسَنَا" اور اس کی تائید میں حضرتؒ نے متعدد احادیث سے کمالِ اتحاد اور قرابت مابین نفسِ نبویؐ اور نفسِ مُرتضویؓ ثابت فرمائی ہے۔ اور حضرت شیخ اکبرؒ کا یہ کشفی بیان مندرجہ "فتوحاتِ مکیّہ" بیان فرمایا کہ "حقیقتِ کُلّیہ بعد ورُودِ تجلّیِ نُوری سے سب سے پہلے قبُولِ فیض وانعکاس حقیقتِ محمّدیہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔ اور پھر اُس حقیقت سے سب سے قریب تر حقیقتِ امامِ اولیا حضرت علیؓ کی تھی۔ پھر حضرتؒ نے حدیثِ غدیر کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا ہے (جس کا ذکر اُوپر بھی آچکا ہے) کہ جس طرح مومن کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی جان ومال سے زیادہ عزیز رکھنا ضروری ہے اُسی طرح حضرت علیؓ کو بھی محبوب جاننا لازمی ہے۔ یہاں حضرتؒ نے وِلا اور عداوت کے مفہوم پر بحث کرتے ہوئے ثابت فرمایا ہے کہ اِس حدیث شریف میں "مولا" کے معنی محبوب کے ہیں۔ اس کی مختصراً تفصیل آگے بیان کی جائے گی۔

آیتِ تطہیر

اِس موضُوع پر حضرتؒ کا مسلک بابِ اوّل میں بیان ہوچکا ہے۔ یہاں پر حضرتؒ نے اسے متعدد دُوسری آیات اور احادیث سے تفصیلاً ثابت فرمایا ہے۔

آیتِ مودّت

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی ۔ کہہ دیجیے میں تُم سے اِس امر پر کوئی اجر نہیں مانگتا لیکن دوستی اہلِ قرابت کی۔

حضرتؒ نے مدلّل طور پر بیان فرمایا ہے کہ اِس آیۂ کریمہ کا مصداق آلِ عبا علیہ السّلام ہیں۔ اِس سوال کے جواب میں کہ یہ آیت مکّی ہے جب حسنین علیہ السّلام کی وِلادت بھی نہیں ہوئی تھی۔ حضرتؒ فرماتے ہیں "یہ ضروری امر نہیں کہ بوقتِ نزول آیت محکوم علیہ کے کُل افراد موجود ہوں اور نہ یہ کہ اُس وقت کے موجودہ افراد میں ہی وُہ حکم محصور ہو۔" اپنے اِس نظریہ کے ثبوت میں حضرتؒ نے کئی مثالیں آیاتِ قرآنی کی بیان فرمائی ہیں اور نتیجہ اخذ فرمایا ہے کہ آیت کا نزول اگرچہ مکّہ میں ہی ہوا ہو مگر چُونکہ قُربیٰ اور قرابت باآنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا معنی آلِ عبا علیہ السّلام ہیں۔ اِس لیے اُن حضرات علیہم السّلام کا مُراد ہونا اِس آیت میں بطریقِ اولیٰ ہوگا۔"

حدیثِ ثقلین

یہ حدیث مُبارک اِس طرح ہے:۔ "اِنِّیْ تَارِكٌ فِیْكُمُ الثَّقَلَیْنِ مَا اِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ كِتَابَ اللّٰهِ وَعِتْرَتِیْ۔" (میں تمہارے پاس دو ایسی عظیم چیزیں چھوڑ رہا ہُوں کہ اگر اُن کو پکڑے رکھو گے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے ایک کتاب اللہ اور دُوسرا میری عترت) حضرتؒ فرماتے ہیں کہ طاعنین کا یہ دعوےٰ کہ اہلِ سُنّت نے کبھی اِس حدیثِ مبارکہ پر عملدرآمد نہیں کیا صحیح نہیں ہے بلکہ مُعاملہ اِس کے برعکس ہے کیونکہ اہلِ سُنّت نے تو اُسی قرآن کو جو اُن کے پاس ہے اور غیر محرّف اور کامل کلام الٰہی ہے شرقاً غرباً دستور العمل بنایا ہوا ہے جس کے حق میں سیّدنا علی کرّم اللہ وجہہ نے بھی فرمایا ہے وَاعْلَمُوْآ اَنَّهٗ لَیْسَ عَلٰی اَحَدٍ بَعْدَ الْقُرْاٰنِ حُجَّةٌ (جان لو کہ قرآن کے بعد کسی پر کوئی حجّت نہیں) اور تاریخ شاہد ہے کہ ثقلِ اکبر (قرآنِ کریم) پر تمام مدّتِ خلافتِ راشدہ میں باتفاقِ رائے سیّدنا علیؓ عمل ہوتا رہا جس سے ثقلِ اصغر یعنی تمسّک بالعترت کی بھی تعمیل ہوتی رہی۔ برخلاف اِس کے طاعنین کا عقیدہ ہے کہ ثقلِ اکبر یعنی قرآنِ کریم کو حضرت امیر علیہ السّلام نے غائب کر دیا تھا اور تیسری صدی ہجری سے امام غائب علیہ السّلام کے پاس غارِ سُرّمن رّائے میں بتایا جاتا ہے پس ان حضرات کو تو آج تک تمسّک بالقرآن نصیب نہ ہُوا۔ رہا تمسّک ثقلِ اصغر تو قرآنِ کریم کے فقدان اور گم ہو جانے کی صُورت میں موہُوبی فہم کے لیے بھی موردِ تحقّق اور وقوع نہ رہا۔ لہٰذا اِن حضرات کا دعوائے تمسّک بالثقلین سراسر غلط اور بے معنی ہے۔

حدیث اَنَا مَدِیْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُهَا

ترمذی کی حدیث شریف "اَنَا مَدِیْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُهَا" (میں علم کا شہر ہُوں اور علیؓ اُس کا دروازہ ہیں) پر شیخ ابنِ تیمیہ نے "مِنہاج السُّنّة" میں اعتراض کیا ہے کہ ابنِ جوزی نے اِس حدیث کو موضوع لکھا ہے اور واقعات کی رُو سے بھی نفسِ مضمون صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ علمِ نبوّت کا صرف ایک دروازہ حضرت علیؓ ہوں جن سے صرف کُوفیوں نے قلیل مُدّت کے لیے علم حاصل کیا اور باقی بلادِ اسلامیہ میں علم اَوروں سے پہنچا۔

حضرتؒ فرماتے ہیں یہاں علم سے مُراد علمِ خاص یعنی علمِ اسرار مُراد ہے۔ اس حدیث پاک کی تصحیح اور ابنِ تیمیہ کی تردید میں آپ کے دلائل اڑتیس صفحات پر قلم بند ہُوئے ہیں۔ فرماتے ہیں خلفائے ثلاثہؓ اور کبار صحابہؓ کا رجُوع اور مدار ہمیشہ حضرت علیؓ کے فتاویٰ پر تھا۔ چُنانچہ خلیفہ ثانیؓ کے اقوال "لولا علیٌ لھلک عُمر" (اگر علیؓ نہ ہوتے تو عُمر ہلاکت میں پڑتا) اور "لا القیت لمعضلۃٍ لیس لھا ابوالحسن" (خُدا مجھے اُس مشکل سے دوچار نہ کرے جس کے حل کے لیے ابُوالحسن موجُود نہ ہوں) اور "لایُفتِیَنَّ احدٌ فی المسجد وعلی حاضرٌ" (مسجد میں علیؓ موجُود ہوں تو کوئی اور شخص فتوےٰ نہ دے) اس امر پر شاہد ہیں۔

حضرات سلمان و ابُوذر و مقداد و عمار و عبداللہ بن مسعُود و عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہم) سب حضرت علیؓ کے شاگرد ہیں اور شیخ ابنِ تیمیہ خود بحوالہ "اتقان" لعلامہ سیُوطی لکھتے ہیں کہ علمِ تفسیر میں اہلِ مکّہ اعلم النّاس ہیں کیونکہ وُہ عبداللہ بن عبّاس کے اصحاب ہیں۔ مُلک شام میں علم بقول "تذکرۃ الحفاظ" (علامہ ذہبی) ابُودرداء سے شائع ہوا جو عبداللہ بن مسعُود کے شاگرد ہیں۔ ابُودرداء کا قول ہے کہ عالم تین ہیں۔ ایک شام میں یعنی مَیں خُود۔ دُوسرا کُوفے میں یعنی عبداللہ بن مسعُودؓ اور تیسرا مدینہ میں یعنی حضرت علیؓ۔ شامی عند الحاجت کُوفی سے پُوچھتا ہے اور کُوفی مدنی سے اور مدنی (یعنی حضرت علیؓ) کسی سے نہیں پُوچھتا۔

پھر حضرات ائمہ اہلِ بیت حسنین و سجاد و باقر و جعفر و کاظم (علیہم السّلام) کے ذریعے حضرت علیؓ کے علوم نے دُنیا کا کوئی گوشہ نہیں جسے سرفراز نہ فرمایا ہو۔ اگر صرف حضرات امام ابُوحنیفہؒ اور امام مالکؒ بن انس مدنی کے حلقۂ تدریس کو شمار میں لایا جائے تو اہلِ سُنّت کے کسی مُجتہد، محدّث، مفسّر اور مبلّغ کا نام نہیں ہوگا جو اس صف میں شامل نہ ہو اور یہ دونوں حضرات حضرت امام جعفر صادقؓ کے شاگرد تھے۔ حضرت امام ابُوحنیفہؒ کا دُوسرا سلسلہ حضرت حمادؒ کے ذریعے حضرت عبداللہ بن مسعُود تک پہنچتا ہے جو براہِ راست حضرت علیؓ کے تلمیذ تھے۔ اہلِ سُنّت کے علاوہ امامیہ، اشاعرہ، ماتریدیہ اور معتزلہ سے کون ہے جو علومِ علیؓ سے مُستفید ہونے کا مدّعی نہ ہو۔

اِس حدیث پاک کی صحت پر بہت سے حوالہ جات کا شمار فرماتے ہُوئے حضرتؒ لکھتے ہیں کہ اِس حدیث کی صحت یحییٰ بن معینؒ نے کی ہے جنہیں شیخ ابنِ تیمیہ نے اپنی اسی کتاب "منہاج السنۃ" میں اعاظمِ محققین اصحاب رجال اور روایات کی جرح و تعدیل میں ازرُوئے صداقت و دیانت وامانت ومہارت اعظم النّاس میں شمار کیا ہے۔

شیخ ابنِ تیمیہ نے شہرِ علم کے اکیلے دروازے پر خبرِ واحد کی غیر یقینی حیثیت کا جو اعتراض کیا ہے اور کہا ہے کہ باتفاق مُسلمین یہ ضرُوری اور واجب سمجھا گیا ہے کہ ایک ہی شخص کا تبلیغِ علم میں ذریعہ ہونا صحیح نہیں اور چاہیئے کہ یہ دروازہ مسدُود اور بند رہے اس کے جواب میں حضرتؒ نے خبرِ واحد کے معتبر ہونے کی متعدد مثالیں بیان فرمائی ہیں اور کہا ہے کہ "ابنِ تیمیہ کی یہی دلیل معاذاللہ انکارِ نبوت پر بھی قائم ہوسکتی ہے۔ اور کہا جاسکتا ہے کہ خُداوند عالم کے علم کو ہر زمانہ میں صرف ایک شخص اس طریق پر نہیں پہنچاسکتا کہ لوگوں کو علمِ یقینی حاصل ہو۔ لہٰذا ہر زمانہ میں انبیاء کا متعدد ہونا ضرُوری ہے۔ ورنہ چاہیئے کہ دینِ الٰہی مسدُود اور بند رہے۔ لہٰذا معاذاللہ اکیلے نبی کی نبوّت باطل ہے۔"

لفظِ مولیٰ کی تشریح

کیست مولائے علیؓ مولائے کُل ۔۔۔ ھکذا قد قالہٗ خیر الرُّسلؐ

یہ شعر حدیث مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ اَللّٰھُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاہُ وَعَادِ مَنْ عَادَاہُ (جس کا میں مولیٰ ہُوں، علیؓ

بھی اُس کا مولیٰ ہے۔ الٰہی جو اس سے محبت رکھے تو بھی اُس سے محبت رکھ اور جو اس سے عداوت رکھے تو بھی اُس سے عداوت رکھ) کا ترجمہ ہے۔ اِس حدیث کی تشریح میں ایک بار حضرتؒ نے فرمایا تھا کہ اس کا آخری جُملہ لفظ مولیٰ کے معنی پر دلالت کرتا ہے۔ لفظ مَوْلیٰ مشترک ہے اور کئی معنی رکھتا ہے۔ مشترک کے مختلف معانی کے تعیّن کے لیے قرینہ کا لحاظ ضروری ہے۔ اِس لیے اَللّٰھُمَّ وَالِ مَنْ وَّالَاہُ وَعَادِ مَنْ عَادَاہُ کے قرینہ سے اندازہ ہوتا ہے۔ مولیٰ کے معنی خلافِ معادی (عدو) کے ہیں یعنی محبوب پس معلوم ہوا کہ مولائے علیؓ محبوبِ کُل ہیں جیسا کہ مُسلم کی حدیث میں ہے لَا یُحِبُّہٗ اِلَّا مُؤْمِنٌ وَّلَا یُبْغِضُہٗ اِلَّا مُنَافِقٌ (حضرت علیؓ سے محبت نہیں رکھے گا مگر مومن اور بُغض نہیں رکھے گا مگر مُنافق) لیکن ہمارے برادرانِ طریقت مولیٰ کے معنی وہ لیتے ہیں جو پنجابی زبان میں مفہوم ہیں یعنی سردار۔ گویا حضرت علیؓ تمام اصحابؓ و خُلفاءؓ کے سردار ہیں۔ یہ معنی محض خُوش فہمی پر مبنی ہیں۔ اِس میں شک نہیں کہ حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کو حضرت علیؓ کے ساتھ بے حد محبت تھی جو محویّت اور درجۂ انہماک تک پہنچی ہُوئی تھی۔ مگر آپ کا کمال یہ تھا کہ غلبۂ عشق و محبت کے باوجود شرع شریف کے لحاظ و اتباعِ کامل کو ہاتھ سے کبھی جانے نہیں دیا۔

بر کفے جامِ شریعت بر کفے سندانِ عشق ہر ہوسنا کے نداند جام و سنداں باختن

ایک ضروری تنبیہ

کتاب کے آخر میں حضرتؒ تنبیہِ ضروری کے عنوان سے فرماتے ہیں۔ "اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ غَیْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَھْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا کَثِیْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ (اے اہلِ کتاب اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو اور اُن لوگوں کی خواہشات کی تابعداری نہ کرو جو پہلے گمراہ ہُوئے اور بہتوں کو گمراہ کیا اور سیدھے راستے سے بھٹک گئے) اللہ تعالےٰ کو اعتدال اور میانہ روی ہر کام میں پسند ہے اور یہی ہے صراطِ مستقیم جس کی درخواست کے لیے ہم مامُور ہیں۔ اور غلو اور تجاوز چاہے دین میں ہی ہو، مُوجبِ ضلالت اور غضبِ الٰہی ہے۔ بسا امور ایسے ہیں کہ فی ذاتہٖ صحیح بلکہ کمالِ ایمان کہلانے کے مُستحق ہوتے ہیں لیکن ایک بدطینت اور فاسد الرّائے انسان انہی امُورِ صحیحہ سے بوجہ غلو اور حسد بڑھ جانے کے نتائج فاسدہ اخذ کر لیتا ہے۔ حضرت شیخ اکبرؒ ایسے نتائج کو شیاطینِ معنویہ کے ساتھ تعبیر فرماتے ہیں مثلاً حُبِّ اہلِ بیت بشہادتِ قرآن و حدیث اور قرار دادِ اہل اللہ مُوجبِ کمالِ ایمان سمجھا گیا ہے۔ مگر اس صحیح میں غلو کرنے والے دو فرقے ہُوئے۔ ایک فریق نے تو بُغض اور سبِّ صحابۂ کرام کا راستہ لے لیا اس وجہ سے کہ بخیال اُن کے اُنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اُن کے اہلِ بیت کا منصب اور حق غصب کر لیا۔ دُوسرا فریق معاذ اللہ خدا اور رسولؐ اور جبریلؑ تک کے خلاف گستاخ ہُوئے بدیں خیال کہ رُتبۂ اہلِ بیت اور تقدّم علی الصحابہ پر نصِّ صحیح کیوں وارد نہیں ہُوئی۔ یہ سب نتائج فاسدہ اُسی صحیح امر (حُبِّ اہلِ بیت) میں غلو کے ہیں۔ ایسا ہی حُبِّ عباد اللہ الصالحین اللہ تعالےٰ کے قُرب حاصل کرنے کا ایک اعلیٰ ذریعہ ہے۔ لیکن اگر اُس میں بھی تجاوز کیا جائے جیسے اُن صُلحاء کو معبُود بنا لیا جائے یا اُن کو متصرفِ مستقل سمجھا جاوے یا شریک فی التصرف اس طرح سے کہ اللہ تعالےٰ بغیر اُن کی شرکت کے انتظامِ عالم نہیں کر سکتا تو یہی حُبّ موجبِ شرک ہو جائے گی اور وُہی مُحبّ مُشرک ناقابلِ مغفرت ہو جائے گا۔ لہٰذا انسان کو کبھی اعتدال کا صحیح راستہ نہیں چھوڑنا چاہیئے۔ حُبِّ اہلِ بیت و حُبِّ عباد اللہ الصالحین صاحبِ اعتدال کے لیے نہایت مُفید اور مُوجبِ کمال ہیں۔ مگر ان میں افراط و تفریط اور غلو کرنے والے گمرہی اور ضلالت کا راستہ اختیار کر لیتے ہیں۔

ساتویں فصل

فتاویٰ مہریہ

حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ نے بوجہ اپنی مصروفیات جو ارشاد و تلقینِ سلوک اور تدریس کتبِ تصوّف وغیرہ پر مشتمل تھیں، فتویٰ نویسی کا کام آستانہ عالیہ پر مقیم متبحر علمائے کرام کے سپرد کیا ہوا تھا جو خود بعد تکمیل ملاحظہ فرما لیا کرتے تھے۔ مگر بعض زیادہ قابلِ تحقیق یا ہنگامی فتاویٰ خود بھی اپنے قلم مبارک سے تحریر فرماتے تھے جن کو راقم الحروف نے ایک مجموعہ کی شکل میں ۱۳۸۲ھ (۱۹۶۰ء) میں شائع کرا دیا ہے۔ ذیل میں صرف چار فتاوے ہدیۂ ناظرین کیے جاتے ہیں، جو طلاق ثلاثہ، گاؤں میں نمازِ جمعہ کے درست ہونے یا نہ ہونے، بنی ہاشم پر حرمتِ صدقاتِ فرضیہ اور درود و مستغاث پر غیر مقلدین کے اعتراض کے جواب سے متعلق ہیں۔ ان سے حضرتؒ کی فتویٰ نویسی میں مہارتِ تامہ کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔ پہلے فتویٰ کا مختصر مطلب اردو میں بھی دیا گیا ہے۔

طلاقِ ثلاثہ کے متعلق حضرتؒ کا ایک فتوےٰ

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ طلاقِ ثلثہ کا وقوع بکلمہ واحدہ یا بکلماتِ مختلفہ احادیثِ صحیحہ و آثارِ صحابہؓ و اجماعِ صحابہؓ واقعہ سے ثابت ہے یا نہیں؟ بیّنوا و توجروا۔

الجواب ھو الصواب

طلاقِ ثلاثہ خواہ بلفظ واحد ہو یا بالفاظِ متعدد ہو۔ دونوں صورتوں میں واقع ہو جاتی ہے۔ غایۃ مافی الباب سُنّت کا خلاف لازم آتا ہے۔ یہ نہیں ہے کہ طلاق کا وقوع نہیں ہوتا ہے۔ چنانچہ احادیثِ صحیحہ و آثارِ صحابہؓ اس بارہ میں بکثرت موجود ہیں بطورِ اختصار بقدرِ ضرورت اس مقام میں نقل کیے جاتے ہیں۔ روی الدارقطنی فی سننہ من حدیث معلی بن منصور عن عبد اللّٰہ بن عمر انہ طلق امرأۃ تطلیقۃ و ھی حائض ثم اراد ان یُتبعھا تطلیقتین اخریین عند القرئین فبلغ ذالک رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقال یا ابن عمر ما ھکذا امرک اللّٰہ قد اخطأت السنۃ والسنۃ ان یستقبل الطھر فیطلق لکل قرءٍ فامرنی فراجعتھا فقال اذا ھی طھرت فطلق عن ذالک او امسک فقلت یا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ارأیت لو طلقتھا ثلثا ان کان یحل لی ان اراجعھا فقال لا کانت تبین منک فکانت معصیتہ وفی موطا مالک بلغہ ان رجلا قال لابن عباس انی طلقت لامرأتی مائۃ تطلیقۃ فما ذا تدری فقال ابن عباس طلقت منک ثلثا وسبع وتسعون اتخذت

بها ایات الله هزوًا واسند عبد الرزاق عن علقمة قال جاء رجل الی ابن مسعود فقال انی طلقت امراتی تسعا وتسعین فقال له ابن مسعود ثلث تبنجها وسائرهن عدوان ۔

وفی سنن ابن داؤد وموطا مالك عن محمد بن ایاس عن البکیر قال طلق رجل امراته ثلثا قبل ان ید خل بها ثوبدالہٗ ان ینکحها فجاء یستفتی فذ هبت ۔ معه فسأل ابن عباس واباهریرة عن ذالك فقالا لانرى ان تنكحها حتى تنكح زوجا غیرك قال فانما طلاقی ایاها واحدة فقال ابن عباس انك ارسلت بین یدیك ماكان لك من فضل وروی وکیع عن الاعمش عن جیبب بن ثابت قال جاء رجل الی علی بن طالب فقال انی طلقت امراتی الفاً قال بانت منك بثلث واقسم سائرهن بین نسائك ۔ واسند عبد الرزاق عن عبادة بن الصامت ان اباه طلق امراة له الف تطیقة فانطلق عبادة فسأل رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم بانت بثلث فی معصیة الله وبقی تسع مائة وسبع وسبعون عدوان وظلم ان شاء عذبه وان شاء غفرله ۔ وفی الطحاوی حدثنا یونس قال اخبرنا سفیان عن الزهری عن ابی سلمة عن ابی هریرة وابن عباس انهما قالا فی الرجل یطلق البکر ثلثا لا تحل له حتیٰ تنکح زوجا غیرہٗ

اور امام ہمام ابی جعفر طحاوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شرح معانی الآثار میں اجماع صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بایں الفاظ نقل فرمایا ہے ۔ وفی حدیث ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما مالو اكتفينا به كانت حجة قاطعة وذالك انه قال فلما كان زمان عمر رضی الله عنه قال ایها الناس قد كانت لكم فی الطلاق اناة وانه من تعجل اناة الله فی الطلاق الزمناه ایاه وفی الحدیث الثانی فخاطب عمر رضی الله تعالیٰ عنه بذالك الناس جمیعا وفیهم اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم ورضی عنهم الذین قد علموا ماتقدم من ذالك فی زمن رسول الله صلی الله علیه وسلم فلم ینکره علیه منکر ولم یدفعه دافع فكان ذالك كبیر الحجة فی نسخ ماتقدم من ذالك لانه لما كان فعل اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم اجماعاً فعلیا یجب به الحجة كان كذالك ایضاً اجماعهم علی القول اجماعا یجب به الحجة وكما كان اجماعهم علی النقل بریئا من الوهم والزلل كان كذالك اجماعهم علی الرای بریئا من الوهم والزلل ۔

احادیث وآثارِ منقولہ بالا سے ثابت ہوا کہ تین طلاق کا وقوع خواہ بلفظِ واحد ہو یا بالفاظِ متعددہ اجماعی امر ہے ۔ کیونکہ نقل اجماعی میں نقل عن العوام کو اعتبار نہیں بلکہ نقل عن المجتہدین کو اور اصحاب کرام میں سے اہل فقاہت واجتہاد خلفاء اربعہ و عبادلہ وزید بن ثابت ومعاذ بن جبل وانس وابی ہریرہ وغیرہم ہیں رضی اللہ عنہم ۔ جن سے حکم بوقوع الثلث درصورت لفظ واحد و متعدد منقول ہے ۔ باقی عوام کا رجوع عند الواقعہ انہی فقہاء کی طرف ہوتا ہے اور انہی سے دریافت کرنے پر تعمیل کرتے ہیں اجماعی ہونے کی وجہ سے محقق ابن ہمام تصریح فرماتے ہیں کہ اگر حاکم نے درصورتِ ثلث بلفظِ واحد ایک طلاق کا حکم دیا تو بوجہ مخالفت اجماع نافذ نہ ہوگا ۔ رہا جواب طلب یہ امر کہ عمر رضی اللہ عنہ کا حکم بوقوع الثلث اور سب اصحاب کا سکوت وعدم انکار باوجود علم ان سب کے کہ انها كانت واحدة فی زمن رسول الله صلی الله علیه وسلم وابی بکر کیسے متصور ہو سکتا ہے لان النسخ لا یتصور بعد وفاة النبی صلی الله علیه وسلم وانقطاع الوحی ۔ جواب انعقاد مبین وارادہ معنی بنا بر عرف ہوا کرتا ہے ۔ قول الرجل انت طالق انت طالق انت طالق یعنی اگر قصد اس کے ہر ایک جملہ سے ایقاع ہے تو تین طلاق

واقع ہوں گی اور اگر قصداس کے جملہ ثانیہ وثالثہ سے صرف تاکید ہے ایک طلاق واقع ہوگی۔ اور پہلے زمانہ میں بھی قائل کو ارادہ معنی اوّل میں سچا مانا جاتا تھا۔ جب عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے وقت میں قرائن سے ارادہ معنی ثانی کو محقق سمجھا یعنی موجودہ زمانہ کے لوگوں کا عرف معنی کو ثابت کر رہا ہے تو حکم بوقوع الثلث فرمایا۔ پس قول الرجل انت طالق ثلثاً چونکہ اختصار ہے انت طالق انت طالق انت طالق کا لہٰذا اس میں پہلے زمانہ کے لوگ ارادہ معنی اوّل میں سچے مانے جاتے تھے یہی وجہ ہے ماروی عن ابن عباس کان علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وسنتین من خلافۃ عمر طلاق الثلث واحدۃ فقال عمر بن الخطاب ان الناس استعجلوا فی امر کانت لھم اناۃ فلو استعجلوا امضیناہ علیھم۔ لہٰذا ابن عباس رضی اللہ عنہ باوجود قول بروایت ہذہ کے قائل بالثلث بلفظِ واحد کو فرماتے ہیں۔ لا ادری تنکحھا حتّٰی تنکح زوجا غیرک کما نقل قبیل ھذا۔ الحاصل درصورتِ ارادہ ایقاع الثلث ہر زمانہ میں تین طلاق واقع ہوئیں۔ مگر پہلے زمانہ میں قائل ثلثاً کو ارادہ معنی اوّل میں سچا مانا جاتا تھا۔ بخلاف پچھلے زمانہ کے کہ نظر بہ تغیر عرف ولحاظ قرائن معنی ثانی متعین ہوگیا۔ فتح القدیر اور بغوی اور ازالۃ الخفا مقصدِ دوم ملاحظہ ہو۔

آج کل کے اہلِ ظواہر درصورت انت طالق ثلثاً ایک طلاق کے واقع ہونے کا حکم دیتے ہیں۔ کیا اُن کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم وصدیقِ اکبرؓ کی معاذ اللہ شرع اور ٹھہری اور عمرؓ وغیرہ اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کی اور۔ ہرگز ایسا نہیں۔ وُہی ایک شریعت اور صراطِ مستقیم ہے۔ الا تغیر عرف کی رُو سے احکام متغیر ہو سکتے ہیں۔ بایں معنے کہ اگر ایک حکمِ شرعی کا مناط و مُوجب بدلا تو دوسرا الحکم شرعی وہاں پر عائد ہوگا۔ نہ یہ کہ خلاف ما قال اللہ وقال الرسول اور شرع جدید نازل ہو جائے گی۔ ہذا ما اتیسر لی الآن بعد ملاحظۃ فتح القدیر۔ والعلم عند اللہ ولہ الحمد اولاً وآخراً والصلوٰۃ والسلام علی من ارسل الی الناس کافۃ و آلہ و عترتہ وصحبہ۔

العبد الملتجی الی اللہ المدعو بمہر علی شاہ عفی عنہ ربہ

اُردو میں فتوے کا مختصر مطلب

"واضح ہو کہ بعض اہلِ ظواہر علماء کا خیال ہے کہ اگر بیک وقت تین طلاقیں دی جائیں تو ایک شمار ہوگی۔ اِس سلسلہ میں اُن کی سب سے بڑی دلیل یہ روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم اور حضرتِ ابُوبکرؓ کے زمانہ میں طلاق ایک تھی اور حضرت عُمرؓ کے زمانہ میں تین قرار دی گئیں۔ حضرتؒ نے امام ابی جعفر طحاوی اور امام ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہما کی تحقیقات کے پیشِ نظر اِس دلیل کا یہ جواب دیا کہ حضرت ابنِ عبّاسؓ نے فرمایا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے دَورِ خلافت میں صحابہ کرامؓ کو جمع کیا اور فرمایا کہ اس وقت تک ہم ایسے شخص کو سچا مانتے ہیں جو بیان کرتا کہ میں نے باوجود متعدّد بار طلاق کہنے کے ایک کا ارادہ کیا تھا۔ لیکن اَب لوگ طلاق کے معاملہ میں جلدی کرتے ہیں، اور بجائے تدریجاً طلاق دینے کے بیک وقت تین طلاق کی نیت کر لیتے ہیں۔ لہٰذا تغیر عرف کی بنا پر آئندہ تین طلاق کو تین ہی شمار کیا جائے گا۔ اِس پر حضرتؒ نے سات روایات سے اِستدلال فرمایا ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم اور خلفائے راشدین علیہم الرضوان کے زمانہ میں جو شخص ایک سے زائد طلاق دیتا اور اُس کا مقصُود بھی متعدّد طلاقیں دینا ہوتا تو متعدّد طلاقیں ہی شمار کی جاتی تھیں یہ ہرگز نہیں کہ متعدّد کی نیت ہونے کے باوجود بھی ایک طلاق شمار ہوتی تھی۔ حضرت عُمرؓ نے جدت فرمائی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ میں لوگ اکثر ایک ہی طلاق دیا کرتے تھے

گو اُس کا تلفظ بار بار بھی کرتے مگر اَب لوگ نیّت ہی متعدّد کی کرتے ہیں لہٰذا متعدّد شمار ہوں گی۔ بنا بریں جو لوگ باوجود تین طلاق دینے کے ہر صُورت میں ایک ہی طلاق کا فتویٰ دیتے ہیں اُن کا فیصلہ صحابہ کرامؓ کے اجماع اور روایاتِ مذکورہ کے مخالف ہونے کی وجہ سے نافذ نہ ہوگا۔

فتوےٰ متعلقہ نمازِ جمعہ

استفتاء

۷۸۶

کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین و مُفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ گاؤں میں جمعہ درست ہے یا نہیں؟ بیّنوا و توجروا۔

الجواب هو الصواب

گاؤں میں جمعہ درست نہیں ہے اِس واسطے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ و خلفاء عظامؓ و صحابہ کرامؓ کے وقت میں شہر و فناء شہر و قصبات کے سوا جمعہ قائم نہیں ہوا ہے۔ فلهذا استدل ابو حنیفہؒ بما رواه عبد الرزاق عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال لا[1] جمعة ولا تشريق الا فی مصر جامع وكذا رواه ابن شيبة من طريق حجاج الخ وروی ایضاً بسند صحيح حدثنا جرير عن منصور الخ اور جو لوگ قیامِ جمعہ بجواثی سے گاؤں میں جمعہ درست ہونے کی سند لاتے ہیں وُہ صحیح نہیں۔ اِس واسطے کہ پہلے یہی امر قابلِ تسلیم نہیں کہ جواثی قریہ ہے۔ کیونکہ محققین نے مدینہ یعنے شہر بیان کیا ہے۔ اور بشرطِ تسلیم اس کا ثبوت کہاں سے ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو قیام بجواثی کی خبر ہوئی اور آپ نے اِس کو قائم رکھا۔ اِس لیے کہ حدیث اِس سے ساکت ہے و نیز باوجود تعمیم آیۃ کریمہ "فاسعوا الی ذکر اللہ" حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا بعض اماکن میں قیامِ جمعہ کا اختصاص فرمانا مرفوعیتِ حدیث کی دلیل ہے۔ کیونکہ خلافِ قیاس قول صحابی کا وقوع ممکن نہیں مگر بوقتِ سماعِ حدیثِ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلّم۔ علاوہ ازیں یہ آیۃ کریمہ اپنے عموم پر تو بالاتفاق باقی نہیں ہے اِس واسطے کہ کوئی شخص اقامتِ جمعہ فی البراری والصحرا کا قائل نہیں ہے پس جب آیۃ کریمہ اپنے اطلاق پر باقی نہ رہی تو ضرور خصوصیّتِ مکان اقامتِ جمعہ کے لیے ضروری ہُوئی۔ وہو المراد۔

حررہ

العبد الملتجی الی اللہ المدعو بمہر علی شاہ عفی عنہ اللہ

بنی ہاشم پر حُرمتِ صدقاتِ فرضیہ کے متعلق حضرتؒ کا ایک تحریری فتوےٰ

حضرت قبلۂ عالمؒ کے اِس فتوےٰ کی اصل تحریر سیّد حُسین شاہ صاحب سکنہ کوٹ فتح خان ضلع کیمبل پور سے دستیاب ہُوئی۔ فتوےٰ فارسی اور عربی میں تحریر ہے۔ اُس کا مختصراً مطلب بزبانِ اردو یہاں دیا جاتا ہے:۔

---

[1] حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جمعہ تکبیرات تشریق مصر جامع کے بغیر نہیں۔

حضرتؒ نے بحوالہ تفسیر رُوح البیان زیرِ آیت "وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰہِ خُمُسَہٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ" (انفال - ۴۱) معانی الآثار امام طحاویؒ سے نقل فرمایا کہ حضرت امام ابی حنیفہؒ کے نزدیک بنی ہاشم کے لیے ہر قسم کے صدقات فرضیہ ہوں یا نافلہ جائز ہیں۔ اُن کی حُرمت بنی ہاشم کے لیے فقط زمانۂ نبی علیہ السلام میں تھی کیونکہ اُس وقت اُنہیں مالِ خُمس سے حِصّہ ملتا تھا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے وصال کے بعد یہ حِصّہ اُن کے لیے ساقط ہو گیا تو صدقات اُن کے لیے حلال ہو گئے۔ امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ ہم جواز پر فتویٰ دیتے ہیں۔ رہا یہ سوال کہ ہو سکتا ہے حضرت امام ابُوحنیفہؒ کو اُن احادیث کا علم نہ ہُوا ہو جن سے صدقاتِ فرضیہ کی حُرمت بنی ہاشم کے لیے ثابت ہے۔ تو اُس کا جواب حضرت قبلۂ عالمؒ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ یہ بات خلافِ واقعہ ہے کیونکہ امام ابُوحنیفہؒ اُن احادیث کو جانتے ہُوئے یہ فرماتے ہیں کہ یہ حُرمت اُور منع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ کے ساتھ مختص تھی۔ لہٰذا ایک محقق مجتہد کے اجتہاد سے یہ ثابت ہُوا کہ احادیثِ نہی اپنی جگہ درست ہیں۔ لیکن چُونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے نہی اُور حُرمت کی عِلّت خُمس کا حِصّہ ملنا قرار دیا۔ لہٰذا جب یہ حِصّہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی وفات کے بعد ختم ہُوا نہی اُور حُرمت بھی ختم ہو گئی۔ نیز ایک الزامی جواب کی طرف بھی اشارہ فرما دیا کہ جب عجمی لوگوں کے انساب فقہائے کرام کے نزدیک ضائع ہو چکے ہیں یعنی اُن کا اعتبار نہیں رہا تو محض شک سے حُرمت کیسے ہوگی۔

درُود مُستغاث پر غیر مقلدین کے اعتراض کا جواب

سیدی وسندی دامت برکاتکم العالیہ

تسلیم و نیاز۔ مَیں نے سُنا ہے کہ حضُور اِس بات کے قائل ہیں کہ حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلّم ہر آن میں اپنی اُمّت کا حال بلا واسطہ ملائکہ دیکھ رہے ہیں۔ اُور قائل کا مقولہ بلا واسطہ خُود سُنتے ہیں غیر مقلدین کہتے ہیں کہ یہ عقیدہ حدیث مشکوٰۃ المصابیح منؔ صلی علی عند قبری سمعتہ ومن صلی غائبًا اُبلغتہٗ رواہ احمد کے خلاف ہے نیز وُہ درُود مُستغاث شریف پڑھنے پر بھی اعتراض کرتے ہیں کہ یہ بھی حدیث مذکور کے خلاف ہے کیونکہ اس میں صیغۂ خطاب موجُود ہے۔ اُمید ہے حضُور از راہ کرم اِس اشکال کو حل فرما کر مطلع فرمائیں گے۔

آپ کا نیاز مند محمّد شفیق از علاقہ بڈھ رانجھہ ضلع شاہ پُور

الجواب

مخلصی فی اللہ مولوی محمّد شفیق صاحب حفظک اللہ تعالیٰ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ اِس مسئلہ کے متعلق میری نسبت جو کچھ آپ نے سُنا ہے۔ وُہ راوی نے حسبِ فہم خُود بیان کیا ہے بیں اپنی رائے کے اظہار کو مخاطب کے خواص اہلِ مشاہدہ و تجربہ سے اُور صاحبِ ارتباط بہ عالم برزخ ہونے پر موقوف سمجھتا ہُوں بغیر اِس کے تحریر فضول ہے بجواب غیر مقلدین اِتناہی کافی سمجھتا ہُوں کہ درُود مستغاث پڑھنے کے وقت یہ تصور کیا جاتا ہے کہ ملائکہ موکلہ بابلاغ درُود شریف حیثما یُقرءُ بصیغۂ خطاب حضُور پہنچا دیں گے پس حدیث مذکور میں جملہ (اُبلغتہٗ) کے مُطابق ٹھہرا۔ درُود مُستغاث کا جواز عقیدۂ خواص کے ساتھ وابستہ نہیں۔ اس بارے میں مزید تفصیل میری کتاب اعلاء کلمۃ اللہ" کے آخر میں مُلاحظہ کریں۔ بوجہ اژدحام خلق بتقریب عُرس شریف زیادہ فرصت نہیں۔ والسلام

دُعاگو:۔ مہر علی شاہ از گولڑا

---

[1] جو شخص مجھ پر میری قبر کے نزدیک درُود پڑھتا ہے مَیں خُود سُنتا ہُوں اُور جو غائبانہ پڑھے اُس کا درُود پہنچایا جاتا ہے۔

بابِ یازدھم ۱۱

کرامات

کرامت کی تعریف

قبل اس کے کہ حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کی کرامات بیان کی جائیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کرامت کے متعلق چند ضروری امور کی وضاحت کر دی جائے۔ اہلِ سنّت کے علمِ عقائد و کلام کی مشہور کتاب "شرح عقائد" میں کرامت کی تعریف اور اُس کے ثبوت میں بہت کچھ تحریر ہے۔ اِس موضوع پر محققین علمائے کرام نے مستقل کتابیں بھی لکھی ہیں۔ علامہ شہاب الدین احمد بن احمد نے اپنے رسالہ "اثباتِ کراماتِ اولیاء" میں کرامت کی تعریف یُوں بیان فرمائی ہے:-

"کرامات" جمع ہے "کرامت" کی، اور وُہ ایسے خرقِ عادت امر کا نام ہے جو نہ نبوّت سے تعلق رکھے اور نہ قبل از زمانۂ نبوت ہو اور وُہ ایسے شخص سے ظاہر ہو جس کا ظاہر صلاح پر مبنی ہو، وُہ کسی نبی کا متبع ہو اور اُس کی شریعت کا پابند ہو۔ اُس کا اعتقاد صحیح ہو اور اُس کے اعمال صالح ہوں۔

"مجالس الابرار" میں کرامت کے ضمن میں اس طرح تحریر ہے:-

"سچی کرامت وُہ ہے جو اولیاء اللہ سے ظاہر ہوتی ہے۔ کیونکہ کرامت کی غایت یہ ہے کہ انسان استقامت اور اُس کے کمال کو حاصل کرے۔ جو کرامت انسان کو اللہ تعالےٰ کی محبت اور رضا کے حصول اور تقوےٰ و استقامت کی توفیق دے اُس سے بڑھ کر کوئی کرامت نہیں"۔

کرامتِ حسّیہ

محققین کرام کی تحریروں کے مطابق کرامت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک کرامتِ حسّیہ۔ عناصرِ اربعہ اور عالمِ حسّی میں تصرّف و خلافِ عادت امور کا اظہار کرامتِ حسّیہ ہیں جو اولیائے کرام کے حالات میں بکثرت مذکور ہیں۔ قرآن و حدیث میں اِس قسم کے واقعات کا غیرِ نبی سے بطور کرامت صادر ہونا ثابت ہے۔ البتہ بعض اوقات اِس قسم کے خارقِ عادت امور کسی غیرِ نبی اور غیرِ ولی سے بھی بوجہ ریاضت یا علومِ لطیفہ یا سائنسی ایجادات صادر ہو کر عوام کے لیے مُوجبِ اشتباہ ہو سکتے ہیں۔

کرامتِ معنویہ

دُوسری قسم کرامتِ معنویہ کی ہے۔ کسی انسان کی جادۂ شریعت پر استقامت، اللہ اور اُس کے پیارے حبیب صلّی اللہ علیہ وسلّم کی محبّت، علوم اور معارفِ حقّہ پر عبُور، اخلاقِ فاضلہ کا حصُول، اُس کی علوِ حسب اور شرفِ نسب، تبلیغِ حق اور اصلاحِ خلق میں اُس کا کوشاں رہنا یہ کراماتِ معنویہ ہیں۔

شریعت کا غیر متزلزل ضابطہ

مجنون یا حقیقی مجذوب انسان جو عالمِ استغراق میں رہتے ہیں۔ وُہ بوجہ حواسِ ظاہرہ اور شعُور و عقلِ ظاہری میں کسی حد تک فتور آ جانے کے احکامِ ظاہرہ کے مکلّف نہیں رہتے۔ مگر اُن کی تعداد بہت قلیل ہے۔ اُنہیں چھوڑ کر باقی تمام افرادِ انسانی

کے لیے شریعت کا ایک غیر متزلزل ضابطہ ہے۔ لہذا بسلامتی ہوش وحواس اگر کوئی شخص خلافِ شرع اُمور کا مرتکب ہونے کے باوجود مدعیِ ولایت ہے تو وُہ جھوٹا ہے، اگرچہ اس سے حسّی طور پر بعض خوارق اور خلافِ عادت اُمور ظاہر بھی ہوں۔ اربابِ حقیقت کا مسلّمہ قاعدہ ہے: کلّ حقیقۃٍ ردّتہ الشّریعۃ فھی زندقۃ (جس حقیقت کو شریعت ردّ کر دے وُہ بے دینی ہے)

بہر حال کراماتِ معنویہ میں محبّت اور عشقِ الٰہی سب سے بڑی کرامت ہے جس کے حصُول کا مدار حسبِ ارشادِ الٰہی: قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ (کہہ دیجئے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری متابعت کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا) اتباعِ محمدیؐ پر ہے۔ اور اسی ارشادِ ربّانی میں اُس کی جزا یہ بیان کی گئی ہے کہ انسان محبُوبِ خدا ہو جاتا ہے۔ اور بمقتضائے مَنْ لَہُ الْمَوْلٰی فَلَہُ الْکُلُّ پھر سب کائنات اُس کی ہو جاتی ہے ؎

کی محمّد سے وفا تُو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں (اقبالؔ)

قضا و قدر کا نادر شاہکار مردِ حق

بحمدہٖ تعالیٰ جو شخص حضرت قبلہ عالم قدس سرّہٗ کے پاکیزہ حالات اور سیرت کے مختلف پہلوؤں پر غور کرے گا، اُسے اس میں ذرا بھی شُبہ نہیں رہے گا کہ آپ کو کراماتِ معنویہ سے اللہ تعالیٰ نے ایک حظِّ وافر عطا فرمایا تھا اور آپ محبُوبیّت کے ایک بلند مقام پر فائز تھے۔ حُسنِ معنوی اور اخلاقِ فاضلہ کی نعمتِ عظمیٰ کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جمالِ ظاہری کی نعمت سے بھی بدرجۂ اتم نوازا تھا۔ اور حُسنِ معنوی اور جمالِ ظاہری ہر دو قسم کے کمالات کی جامع ایسی ہستیاں دُنیا میں بہت ہی کم ظہور پذیر ہُوا کرتی ہیں۔ ولنعم ماقیل ؎

روزہا باید کہ تا یک مُشتِ پشم از پُشتِ میش!
زاہدے را خرقہ گردد یا حمارے را رسن

ماہ ہا باید کہ تا یک پنبہ دانہ ز آب و خاک
شاہدے را حُلّہ گردد یا شہیدے را کفن

سالہا باید کہ تا یک سنگ اصلی ز آفتاب
لعل گردد در بدخشاں یا عقیق اندر یمن

عُمرہا باید کہ تا یک کودکے از رُوئے طبع
عالمے گردد نکو یا شاعرِ شیریں سخن

دَورہا باید کہ تا یک مردِ حق پیدا شود
بایزیدؒ اندر خراساں یا اویسؒ اندر قرن

دیکھئے! ان کیف آور اور حقائق افروز اشعار میں حکیم سنائیؒ نے مردِ حق کی تخلیق کو کس طرح قضا و قدر کا نادر شاہکار قرار دیا ہے۔ وُہ فرما رہے ہیں کہ مُٹھی بھر اُون کو کسی درویش کا خرقہ یا کسی جانور کی رسّی بننے میں کئی روز درکار ہوتے ہیں رُوئی کا گالا آب و خاک کی نشو و نما سے نکل کر مہینوں میں کسی شاہدِ دلنواز کی عبا یا کسی شہیدِ ناز کا کفن بنتا ہے۔ ایک سنگِ جوہر دار کو سالہا سال کا عرصہ چاہیئے کہ خورشید کی ضیا پاشی اُسے لعلِ بدخشاں یا عقیقِ یمن میں تبدیل کر دے۔ اور ایک طفلِ روشن طبع ایک عُمر بسر کرنے کے بعد کہیں اچھا عالمِ دین یا شیریں سخن شاعر بنتا ہے۔ لیکن زمانہ پر گردش کے کئی دَور گزر جاتے ہیں تب کہیں ایک ایسا مردِ حق پیدا ہوتا ہے جیسے خُراسان میں بایزیدؒ یا قرن میں اُویسؒ۔

ہمارے حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ قدرتِ پروردگار کی اسی قبیل کی ایک نادر تخلیق تھے۔ سرزمین پوٹھوہار اور شمالی پنجاب میں میدانِ علم وعرفان کے کئی شاہسوار منظرِ شہود پر آئے اور خود حضرتؒ کا خاندان فلک نشان بھی ایسے تابدار ستاروں سے کبھی خالی نہیں رہا مگر جس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرتؒ کی ذات کو آسمانِ ارشاد پر مہرِ منیر بنا کر آفاقی اور عالم گیر انوار وآثار سے روشن فرمایا اور ایک جہان کی رہنمائی کا باعث بنایا، اُس کی مثال اس دور میں نہیں ملتی۔

جمالِ ظاہری کی کرامتِ اوّلین

باطنی حُسن کے پرتو سے اس بطلِ جلیل کا ظاہری جمال بھی فطرت اللہ کے اعجاز اور حجۃ اللہ علی الخلق کا عُنوان بن کے رہ گیا تھا جو آپ کی اوّلین زندہ اور واضح کرامت تھی۔ دیکھنے والے پہلی نظر میں گرویدہ ہو کر دست بوسی اور دامن بوسی کے لیے ہجوم کر کے بڑھتے اور ایسا معلوم ہوتا جیسے اُن کے دلوں میں نُور وسُرور کا خزانہ بھر گیا ہے۔ گویا سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا[۱] کی تسخیر اور فَاذْكُرُونِيْٓ اَذْكُرْكُمْ[۲] کی تفسیر ہو رہی ہے۔

اِس تسخیر اور تنویر کی دامن کش اور دل رُبا گرفت سے حاضرین کا کوئی طبقہ نہ بچا تھا۔ ارادت مند اور نووارد، عوام اور خواص بھی اس کا شکار تھے۔ بلکہ غیر مسلم بھی اثر لیے بغیر نہیں رہتے تھے۔ ایک بار مدراسی ہندوؤں کا ایک وفد اپنے طور طریقہ پر ہاتھ جوڑ کر پرنام اور سلام کر کے مجلس سے باہر آیا تو اُن کا سربراہ یہ کہتے ہُوئے سُنا گیا کہ "واہ! کیا پرتاب ہے"۔

اِس کرامت پر جان کی قسم کھانے والے

اِس کرامتِ جمیل پر جان کی قسم کھانے اور بازی لگانے والے بہت تھے۔ اِن کا ایک پُورا قافلہ اِس دربار میں آباد ہو گیا تھا بعض بچپن میں شکار ہُوئے اور یہیں مزار پائے۔ کئی گھر بار چھوڑ اور نسبتیں توڑ کر عُمر بھر مجرد رہے اور کچھ ابھی تک اُن کی یاد کو دِل میں بسائے جی رہے ہیں۔ ابھی حال میں حضرتؒ کے عُرس پر جب حاجی محبوب علی قوال نے آپ ہی کا یہ مصرعہ اُٹھایا ع

کالی زُلف تے اکھ مستانی اے

تو روضۂ پاک کی پائینتی میں آپ کا ہم عصر ایک معمر شخص تڑپنے لگا ؎

اَمِنْ تَذَكُّرِ جِيْرَانٍ بِذِيْ سَلَمٖ
مَزَجْتَ دَمْعًا جَرٰى مِنْ مُّقْلَةٍ بِدَمٖ (قصیدہ بُردہ)

؎ اَج دِن یاد پیا اوہ جانی جہڑے وچھڑے ذی سَلَم دے
اکھیاں تھیں کیوں جاری ہوئے خُونیں آنسو غم دے (مہر احمد نواز خان ؒ چھ بھولاں)

جناب سیّد امیر الدین صاحب قدوائی لاہور کے ایک مقتدر وکیل اور وسیع النظر پروفیسر ہیں۔ تقسیم مُلک پر یُو۔ پی سے ہجرت کر کے پاکستان آ گئے تھے۔ داتا دربار کے حاضر باش اور سیّد ہونے کے باوجُود پیروں فقیروں کے معاملہ میں کچھ آزاد خیال واقع ہُوئے ہیں۔ مجلس میں ہمارے حضرتؒ کا ذکر آ گیا تو اچانک ایک جھُرجھری لی اور کہنے لگے "سُبحان اللہ کیا پیارا نام پایا ہے۔ مہر۔۔۔۔ علی۔۔۔۔ شاہ۔ دِل مٹھاس سے بھر گیا۔ اولیائے قریب میں یہی نام ہے جو مجھ پر وجدانی کیفیت طاری کر

۱؎ ترجمہ: اللہ رحمٰن واقعی ان (اپنے پاکباز بندوں) کے لیے محبت اور مودت کے جذبات (لوگوں کے دلوں میں) پیدا کر دیں گے۔ ۲؎ تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔

دیتا ہے۔ ہیں نے صرف نام ہی سُنا ہے جن لوگوں نے زمانہ پایا ہوگا معلوم نہیں تابِ جمال کا حوصلہ کہاں سے لائے ہوں گے۔"

حضرت مولینا محمد غازی صاحبؒ حرمِ کعبہ شریف میں بحث کرنے آئے تھے، صُورت دیکھتے ہی دل ہار بیٹھے اَور گریہ طاری ہوگیا۔ پھر مستقل طور پر ساتھ منسلک ہوگئے۔

حضرت فقیر محمد امیر صاحبؒ (کوٹ اٹل) وحدت الوجود کی منزلوں میں برسوں سے سرگردان اَور خانہ بدوش تھے۔ حاضر ہُوئے تو پہلی نگاہ میں منزلِ مقصود کو پہنچ گئے۔

جناب مولینا غلام محمد صاحب شیخ الجامعہ سے حضرتؒ کے کمالات پر سوال ہوا تو فرمایا۔" واللہ! میں تو اُس زُلفِ گرہ گیر کا اسیر تھا۔ میری نظر تو عُمر بھر اُس جمالِ دِلآرا سے اُٹھ کر کسی اَور کمال کی طرف جا ہی نہیں سکی۔"

یہ حضرات منازلِ وجُود و تنزیہہ کے سائرین میں شمار ہوتے ہیں۔ مگر ان کو تشبیہہ و تنزیہہ کی ساری کیفیتیں اسی جمالِ شبیہہ و تعین میں ہم عنان و ہم نفس نظر آئیں کہ ؎

خُدا چہ صُورتِ ابرُوئے دِلرُبائے توبست
گشادِ کارِ من اندر کرشمہ ہائے توبست

ان کرشمہ ہائے دلرُبا و کارکُشا کے متعلق تحدیثِ نعمت کے طور پر حضرتؒ خُود فرماتے ہیں ؎

از لُطفِ خلّاقِ زماں، داریم ممتاز از جہاں
وضعے دِگر، طرزے دِگر، ذوقے دِگر، شوقے دِگر

حضرتؒ ایک بار آئینہ دیکھ رہے تھے۔ ملک سُلطان محمُود صاحب کمرہ میں چلے گئے۔ تو مُسکرا کر فرمایا "میں اُس صُورت کو دیکھ رہا تھا جس کے صانع نے اپنی حُسنِ صنعت پر چار چیزوں: التّیْن والزّیتُون وطُورِ سینین وھٰذا البلد الامین کی قسم کھائی ہے۔"

اصل میں یہ جمالیاتِ صُوَر اُس جلوۂ حقیقت کا پرتو ہیں جسے لباسِ بشریّت میں مستُور کر دیا گیا ہے اَور جسے تابِ نظّارہ کی وُسعتیں اپنے اپنے ظرف کے مُطابق زیادہ سے زیادہ بے حجاب دیکھ پاتی ہیں۔ پہلے ذکر ہوچکا ہے کہ حضرت بابوجی مدظلہ العالی پر اس شعر کے معنی اَور مفہوم اُس رات کھُلے تھے جب حضرتؒ کا تابُوت شریف باہر نکالا گیا تھا اور اِس کے ایک شگاف نے دعوتِ نظّارہ دی تھی تو وُہ کیفیت سامنے آئی کہ بجلی میں وُہ چمک تھی، نہ سُورج میں وُہ نُور ؎

بخدا کہ رشکم آید بدو چشمِ روشنِ خود
کہ نظر دریغ باشد بہ چنیں لطیف رُوئے

یہاں سے اُس جلوۂ حسن کی کچھ خبر ملتی ہے جس کے نظّارہ نے حضرت سُلطان العارفین بایزید رحمۃ اللہ علیہ کو اِس قدر محو کر رکھا تھا کہ کسی اَور طرف دیکھنے کو فُرصتِ یک نظر بھی نہ تھی۔ آپ کے شیخ حضرت سیّد جعفر بن امام کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک بار طاقچہ سے کتاب مانگی تو جواباً دریافت کیا "کون سا طاقچہ؟" اس پر جب شیخ نے فرمایا ؎

درحُجرہ زِ سالہا مکینی
ایں طاق برسرِ چرا نہ بینی؟

تو عرض کیا ؎

زاں دم کہ بخدمت حضُورم
از کثرتِ جلوہ غرقِ نُورم

من فرصتِ یک نظر نیابم   کز حُسنِ شُما نظر بتابم
ہر لحظہ نگاہِ من بسُویت   چشمِ من و آفتابِ رُویت
از غیرِ وجُودِ تو خبر نیست   جز تابِ رُخت بکس نظر نیست
مجبُور ز جذبِ حُسنِ یارم
دارم نظرہ و نظرہ نہ دارم

علُومِ لدُنّیہ کی کرامتِ عظیمہ

حضرتؒ کی دُوسری عظیمُ الشّان کرامت آپ کے علمِ بیکراں کی وُہ خُداداد دولت تھی جو ہمہ وقت جلو میں دست بستہ حاضر رہتی کہ جس طرح چاہتے تصرّف میں لے آتے۔ جس کے دُرہائے آبدار تصنیفات اور ملفُوظات میں بکثرت بکھرے نظر آتے ہیں۔ حضرت حاجی رحمت اللہ صاحب کیرانوی مہاجر مکّیؒ مفتیٔ عرب وعجم نے جن کے حضُور میں عیسائی دُنیا کے مشہُور مناظر فنڈر کو آگرہ میں لاجواب ہوکر تحریری شکست نامہ پیش کرنا پڑا تھا حضُور کے اِس خزینہ کو علمِ لدُنّی قرار دیا۔ پشاور کے قاضی قُدرت اللہ (اور افغانوں کے قاضی قُدرو) صاحب کو جو ہر سال مُلوکِ افغان وخُراسان کو وعظ کہنے جاتے تھے مناظرہ سماع کے بعد اس علم کے سامنے دستِ بیعت دراز کرنا پڑا۔ اور ہندوستان کے نامور مناظر مولینا نذیر احمد صاحب انبیٹھوی کو کلیر شریف میں اس علم کے حصُول کے لیے زانوئے تلمّذ تہ کرنے کی استدعا کرنا پڑی۔

شرفِ نسب کی سرمدی کرامت

جمالِ صُورت اور فضلِ علم کے علاوہ عنایتِ ازلی نے حضرتؒ کو شرفِ نسب کی سرمدی کرامت سے سرفراز فرمایا تھا۔ آپ والدِ ماجد کی طرف سے حسنی جیلانی اور والدہ ماجدہ کے ننھیال کی جانب سے حُسینی بُخاری سیّد ہیں۔ جن پر اللہ کے فضل کی یہ انتہا ہے کہ تہجّد کے دو نوافل پڑھ کر ہی سو رہیں تو شب بھر اُمّت کا درُود وصلوٰۃ اِن کے فرداتِ حساب میں درج ہوتا رہتا ہے۔ لیکن عالمِ اسلام کا یہ ہمہ وقت سلام اِن حضرات کو بسترِ راحت پر چین ہی کب لینے دیتا ہے؟ عنایتِ ازلی اور جذبہ جُود وسخا کی وراثت ان کے ذوق وشوق اور مُناجات کو ہر دم نئی تازگی اور وُسعت عطا کرتی ہے اور استطاعتِ خدمتِ دین اور انتفاعِ اُمّتِ مومنین کے لیے اُن کی تربیت فرماتی ہے۔ مولانا غلام محمد شیخ الجامعہ بہاولپور نے لکھا ہے کہ حضرتؒ نے تیس برس عشاء کے وضُو سے فجر کی نماز ادا فرمائی۔ عشاء کی نماز پڑھ کر مراقبہ فرماتے تو ذکرِ خفی میں عضوِ بدن تو کُجا، سرِ مُو کو بھی حرکت نہ ہوتی تھی۔

صِلۂ اُمّت کی بشارت

حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضُور مجدّد الف ثانی قدس سرّہ العزیز کے متعلق خیال ظاہر فرمایا ہے کہ آپ نے وحدت الشّہُود اور وحدت الوجُود میں یہ فرما کر اتّصال پیدا کیا ہے کہ حق تو شاہراہِ شہُود ہے مگر وحدت الوجُود والوں کو غلبۂ حال میں اپنا مسلک حق نظر آتا ہے جس میں وُہ معذُور ہوتے ہیں۔ اور اِس طرح حضرت مجدّد علیہ الرحمۃ پر حدیثِ صِلہ کی پیش گوئی صادق آتی ہے لیکن اگر اِس حدیثِ پاک میں صِلہ سے مُراد واقعی اِن دو مسالک کے درمیان اتّصال پیدا کرنا ہے تو حضرت

مجددؒ کے فرمان سے ہمارے حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کا یہ ارشاد لفظِ صلہ کے مفہوم سے زیادہ قرین معلوم ہوتا ہے کہ "وحدت الشہود" نفسِ ایمان ہے اور وحدت الوجود کمالِ ایمان۔ حضرتؒ نے اپنی کتاب "تحقیق الحق" میں بدلائلِ بلیغہ اس امر کو ثابت فرمایا ہے۔

قادیانیت کا مقابلہ

قادیانیت جیسی جسور تحریکیں اور اس قبیل کے مدعیانِ نبوت روز روز پیدا نہیں ہوتے اور نہ ہی ایسی تحریکوں کو ترقی کے لیے ایک غیر اسلامی حکومت کی مربیانہ یا کم از کم روادارانہ فضا اور عصرِ جدید کے وسیع ذرائع نشر و اشاعت اور رابطۂ عوام و تنظیم کے ایسے آسان اور ملک گیر وسائل اس سے قبل کبھی میسر آئے تھے جو اس تحریک کو نصیب ہوئے۔ اس کے باوجود اگر برطانوی ہند میں جو دنیا بھر میں قادیانیت کے لیے نشو و نما کا واحد سازگار میدان تھا کسی مردم شماری میں اس کے پیرووں کی تعداد نصف لاکھ یعنی یہاں کے مسلمانوں کی تعداد کے اعشاریہ پانچ فی ہزار تک بھی نہیں پہنچ سکی تو یہ امر ہمارے حضرتؒ کی فتحِ عظیم کا واضح ثبوت ہے جن کو اگست ۱۹۰۰ء کے معرکۂ لاہور میں تمام اسلامی فرقوں کے زعماء نے قادیانی محاذ پر اپنا پیشوا تسلیم کیا تھا۔

یہ صحیح ہے کہ اس فتنہ کی ابتدا سے آج تک بہت سے فضلائے عصر نے اس محاذ پر دادِ جہاد دی ہے۔ لیکن اتنا بڑا معرکہ اور میدان اور خود بانیِ تحریک کی زندگی میں اُس کے خلاف سوادِ اعظم کی طرف سے ایسا متفقہ قائدانہ اور نمائندہ مقام کسی اور صاحب کو حاصل نہیں ہوا۔ اور نہ ہی ہماری نظر سے کسی اور بزرگ کا ایسا دعویٰ گذرا ہے جیسا کہ حضرتؒ نے اپنی تصانیف اور ملفوظات میں بیان فرمایا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار سے آپ کو اس کارِ دین پر مامور فرمایا گیا تھا۔ پس آپ کی یہ کرامتِ عظیمہ اسی نسبت سے ہی بے نظیر اور لاجواب متصور ہوگی۔

گاندھی ازم کا سدِ باب

قادیانیت کے بعد گاندھی ازم کے غیر اسلامی طوفان کے سدِ باب کے لیے حضرتؒ کا اقدام مسلمانانِ برصغیر کے حق میں کچھ کم مفید ثابت نہیں ہوا۔ تحریکِ خلافت کے بعض پُرجوش رہنماؤں نے کفّارِ کانگریس کی درپردہ سازش کا شکار ہو کر شمال مغربی ہند کے موجودہ پاکستانی ممالک سے ہجرت کے ذریعے مسلمانوں کے انخلاء کی ابتدا کر دی تھی۔ اخبارات اور مسلمان کانگریسی لیڈروں کی تقاریر نے ملک میں ہیجان برپا کر دیا تھا۔ سندھ، پنجاب اور سرحد سے ہزاروں مسلمان اپنی اموال و املاک بیچ کر افغانستان کو سدھار چلے تھے۔ کانگریس نواز جمعیۃ العلماء ہند کے فتاوے کے پیشِ نظر مسلمانوں کو اپنے وطن میں رہنا گناہِ عظیم نظر آنے لگا تھا اگر حضرتؒ اس ہجرت کو غیر شرعی اور مُضر قرار نہ دیتے تو مہاجرین کی تعداد لاکھوں تک پہنچ جاتی۔ اخباروں، سیاسی لیڈروں اور خلافتی علماء نے آپ کے اس موقف کی شدید مخالفت کی حتیٰ کہ بعض کم سواد مُریدوں کا اعتقاد بھی متزلزل ہونے لگا۔ ایک نے منٹگمری سے اخبارات کو بیان دیا کہ تحریکِ خلافت پر حضرتؒ کے مخالفانہ مسلک کی وجہ سے اُس نے ابو الکلام سے بیعت کر لی ہے۔ ایک اور نے ہزارہ سے لکھا کہ ہم تو دین کے لیے ہجرت کر رہے ہیں آپ کو وطن نصیب رہے۔ مگر مخالفت کے اس طوفان میں حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کوہِ وقار کی طرح اپنے موقف پر قائم رہے اور پوری عزیمت اور استقامت کے ساتھ تحریکِ ہجرت اور ہندو مُسلم ہم قومیت کے کانگریسی خلافتی نظریے کی تردید فرماتے رہے۔ آپ کو یقین تھا کہ انشاءاللہ یہ تحریکیں

ناکام رہیں گی۔ چنانچہ جمیعۃ العلماء اور خلافت اور مسلم پریس اور پلیٹ فارم کے تمام سرکردہ اراکین بالآخر ایک ایک کر کے حضرتؒ کے مسلک پر واپس آگئے۔

اِستقرارِ پاکستان میں حضرتؒ کے اِفادات اور برکات کا حصّہ

بلاشبہ ہمارے حضرتؒ کے اِس غیر متزلزل مؤقف کا اعتراف کہ ہندو اور مسلمان دو الگ قومیں ہیں اور ان کا آپس میں تعاون ممکن نہیں، پاکستان کو وجود میں لانے کا باعث ہوا۔ اور کچھ تعجب نہیں کہ ملّت کے احساسِ عمومی کی یہ رہنمائی آپ کے ہی خداداد رُوحانی تصرّف کا ثمرہ ہو، اور یہ خداداد استقرارِ سلطنتِ اسلامیہ اسی قطبِ دوراں کی کرامتِ استقامت اور اسی غوثِ زماں کے انفاسِ قدسیہ کی برکات کا انعام ہو۔

پاکستان کے لیے دُعا

مولوی ظفر علی خان صاحب حضرتؒ کے ساتھ اپنی تاریخی ملاقات میں جب خلافت اور ہجرت کی بحث میں کامیاب ہوئے تو ذہن رسا نے انہیں ایک کام کی بات سجھائی۔ عرض کیا "میں تو اِس دربار میں ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے سلطنت مانگنے آیا ہوں"۔ فرمایا "میں دُعا کرتا ہوں، آپ بھی میرے ساتھ دُعا میں شریک ہوں"۔ اور خاص توجہ سے دُعا فرمائی۔ اِس ملاقات کی تفصیل باب پنجم میں آچکی ہے۔

پاکستان کی پیش گوئی

میاں محمد سعید صاحب قریشی افسر جیل خانجات بیان کرتے ہیں کہ عالمِ استغراق کے دوران ایک روز حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ نے جناب میاں محبوب عالم صاحب اور میرے رُوبرو فرمایا تھا کہ عنقریب اِس مُلک میں سب مسلمان ہوں گے اور مشرق کی طرف ہاتھ اُٹھا کر فرمایا کہ اُس طرف کے مسلمانوں کو مصیبت پیش آئے گی۔ چنانچہ ۱۹۴۷ء میں تقسیم ہندوستان پر ایسا ہی وقوع میں آیا۔

۱۹۶۵ء کی جنگِ ہندوستان کے متعلّق خواب میں قبل از وقت فتحِ پاکستان کی بشارت

سید طاہر حسین صاحب عبداللہ پوری (ضلع شیخوپورہ) جو حضرت میاں شیر محمد صاحبؒ شرقپوری کے مرید اور خاندانِ نقشبندیہ کے ایک مقبول درویش ہونے کے علاوہ حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کی ذات سے غائبانہ ارادت رکھتے ہیں، ماہ ربیع الثانی ۱۳۸۵ھ (اگست ۱۹۶۵ء) میں عرس شریف حضرت غوث الاعظمؓ کے موقعہ پر گولڑہ شریف حاضر ہوئے۔ اور خواب میں حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کی زیارت سے مشرف ہونے کا واقعہ بدیں تفصیل بیان کیا کہ "میں دیکھتا ہوں حضرت قبلۂ عالم گولڑوی قدس سرہٗ ایک بلند مقام پر تشریف فرما ہیں اور وعظ فرما رہے ہیں۔ آپ کے برابر اسٹیج پر پانچ اور حضرات کرسیوں پر رونق افروز ہیں۔ سامنے میدان میں بے شمار مسلمان حاضر ہیں اور وعظ سُن رہے ہیں، میں بھی ان میں شامل ہوں۔ حضرتؒ آیت سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا الخ کی تفسیر بیان کر کے خاتمۂ سخن پر فرماتے ہیں کہ انشاء اللہ العزیز اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ پاکستان کو فتح عطا فرمائے گا۔ اُس وقت ایک شخص

پاس سے مجھے اُن پانچ کرسی نشین حضرات کی نشان دہی کرکے بتاتا ہے کہ وُہ صدر نشین حضور غوث الاعظمؒ ہیں۔ اور اُن کے ارد گرد حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری، خواجہ قطبُ الدّین بختیار کاکی، خواجہ فرید الدّین مسعود گنج شکر اور خواجہ نظام الدین اولیاء محبوبِ الٰہی رحمہم اللہ علیہم تشریف فرما ہیں۔

اِس خواب کے چند روز بعد یکم ستمبر کو افواجِ پاکستان کے ساتھ کشمیر کے محاذ پر ہندوستانیوں کی جنگ چھڑ گئی۔ اور ۶ ستمبر کو بھارت نے پاکستان پر بھرپور حملہ کر دیا۔ ہر محاذ پر اللہ تعالیٰ نے پاکستانی افواج کو حیرت انگیز فتوحات عطا فرمائیں۔ حالانکہ تعداد اور اسلحہ کے لحاظ سے ہندوستانیوں کو کم از کم پانچ گنا اکثریت حاصل تھی۔ غیر ملکی مبصرین کی نظر میں بھی ہندوستان کو دس گُنا زیادہ جانی، مالی اور مُلکی نقصان اُٹھانا پڑا۔

حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم زمانہ کے ولی سے خدمت لے کر اُمّت کی کارسازی فرماتے ہیں

حضرت شیخ اکبرؒ کا فرمان ہے کہ حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم زمانہ کے ولی سے خدمت لے کر اُمّت کی کارسازی فرماتے ہیں۔ چنانچہ تشکیلِ پاکستان کی تاریخ میں اس رؤف کی رحیمانہ کارسازی کے نشانات قدم قدم پر ملتے ہیں۔ چودھری رحمت علی صاحب کے دماغ میں اِس مملکتِ خُداداد کے نام کا تعین، علامہ اقبالؒ کے دِل میں سترہ برس پہلے اِس کے مقام کا تصور، قائدِ اعظم محمد علی جناح کا سیاسی انقلاب، اقلیتی صُوبوں کے مُسلمانوں کا سرفروشانہ ایثار، نواب صاحب بھوپال کے سامنے گاندھی جی کی ایک جذباتی لمحے میں تقسیمِ ہند کے لیے تحریری رضامندی اور پھر پشیمانی، بلینک چیک کی پیش کش پر سکھوں کی شمولیتِ پاکستان پر آمادگی اور پھر انکار اور اِس میں پاکستان کی سالمیت کا تحفظ اور اسی طرح کے کئی دیگر خطرناک مراحل اور مسائل کی عقدہ کشائی اور رہنمائی، ان تمام اُمور اور اسباب کی تہ میں وُہی کریمانہ شفقت اور حفاظت ہی تو کارفرما تھی اور گویا متعلّقہ صاحبِ خدمت سے کام لے رہی تھی۔

مہرِ عالم کے جلوؤں کا عکس

اللہ تعالیٰ کے فضل اور حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی عنایت سے حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ اِس برصغیر میں ولایتِ کبریٰ کے جس عالی مقام پر متمکن تھے اُس کی باطنی ہمّت اور وُسعت کے لیے ایسی ہی مہمات اور عظیم اُمور کی عملی تکمیل شایانِ شان تھی۔ کچھ بعید نہیں کہ علامہ اقبال پر جب یہ شعر وارد ہو رہا تھا تو رُوح تحت الشّعور میں اسی مہرِ عالم کے جلوؤں کا عکس لے رہی ہو ؎

ذرہ ام مہرِ منیر آنِ من است صد سحر اندر گریبانِ من است

اب پاکستان کے دار الخلافہ کا منتقل ہو کر اسلام آباد کے نام سے حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کے براہِ راست مقامِ ولایت کے سایہ میں آباد ہو جانا اِنشاءاللہ مزید برکات کا پیش خیمہ ثابت ہو گا۔ اللہ تعالیٰ اپنا فضل اور اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا سایۂ عاطفت اِس مملکت اور اس کے اہالیان اور اربابِ حکومت پر دائم وقائم رکھے اور اِسے صحیح معنوں میں اِسلامی سلطنت بنا دے۔ آمین اہلِ پاکستان کو اِس نعمت کا شکر ادا کرتے ہُوئے اسلام کی سربلندی کے لیے کمربستہ ہو جانا چاہیے ورنہ ناشکری کا انجام بُرا ہوتا ہے۔

اِس ولایتِ کبریٰ کی وُسعت

حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کی ولایتِ کبریٰ کی وُسعت اور ہمہ گیری پر یہ چند مصدّقہ واقعات ملاحظہ ہوں جن میں سے بعض

کا اعادہ یہاں قندِ مکرر ثابت ہوگا۔ اور واضح ہوگا کہ کس طرح اس کا خداداد دستِ تصرف بمبئی اور کابل اور رُوس اور ہانگ کانگ، عرب و عجم اور بحر و بر میں یکساں کارفرما نظر آتا ہے۔

حضرت سیّد لعل شاہ صاحب کے مکاشفات

باب چہارم "زمانہ جذب و سیاحت" میں پہلے درج ہو چکا ہے کہ حضرت سیّد لعل شاہ صاحب (دندہ شاہ بلاول) نے بھی اُسی سال حج کیا تھا جس سال حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ نے ادا فرمایا تھا۔ ان سید صاحب سے جناب مولانا محمد غازی صاحب اور حضرت سیّد چانن شاہ صاحب (جابہ) نے روایت بیان کی ہے کہ میں نے یہ معلوم کرنے کے لیے کہ اِس سال رئیس الحجاج ہونے کا شرف کس ولی اللہ کو نصیب ہوا ہے۔ حرمِ کعبہ میں مراقبہ کیا تو دیکھا کہ بیت اللہ شریف جناب پیر صاحبؒ گولڑہ شریف کی طرف متوجہ ہے۔ اسی طرح میدانِ عرفات میں نگاہ کی تو آپ ہی لوگوں کے حج بارگاہِ ربّ العزت میں پیش کر رہے تھے۔ چنانچہ میں سمجھ گیا کہ اس سال آپ ہی اِس منصب عالی پر فائز ہوئے ہیں۔

حضرت سیّد عبّاس علی شاہ صاحبؒ بُخاری (سانده خُورد) کا خواب

حضرت پیر سید عباس علی شاہ صاحب بُخاریؒ جن کا روضۂ مُبارک سانده خُورد (مضافاتِ لاہور) میں زیارت گاہ عوام و خواص ہے ایک بڑے شیخ طریقت اور مقبول بزرگ تھے۔ اوائل عُمر میں ہی تلاشِ حق میں اپنے وطن بُخارا سے نکل پڑے تھے۔ مدتوں گمنام رہ کر جنوبی ہند کے شہروں میں مجاہدہ اور ریاضت میں عُمر بسر فرمائی۔ آنجناب نے ۱۴۔ مارچ ۱۹۴۴ء کو لاہور میں ہمارے حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کے عالم گیر تصرفات کا یہ خود آزمُودہ واقعہ ملک محمد خدا بخش ٹوانہ سے بیان فرمایا کہ بمبئی میں برسات کی ایک سخت سرد رات میرے گھر کے دروازے پر دستک ہُوئی، دیکھا تو ایک شکستہ حال مجذُوب پانی میں تر بتر کھڑا کانپ رہا تھا۔ کہنے لگا چائے پلاؤ۔ کوئی دو بجے کا وقت تھا۔ اِسٹوو پر چائے بنا کر پیش کی جو وُہ پی کر چلا گیا۔ جیسے ہی پھر میری آنکھ لگی ایک بزرگ نے خواب میں فرمایا "آپ نے تکلیف اُٹھا کر میرے فقیر کو چائے پلائی ہے جس کا شکریہ ادا کرتا ہُوں۔" میں جاگ کر پھر سویا تو پھر وُہی خواب دیکھا کہ وُہ بزرگ فرما رہے ہیں "میرے فقیر کو چائے پلائی ہے شکریہ۔" میری آنکھ پھر کھل گئی اور ان بزرگ کی صُورت دماغ پر نقش ہو گئی پھر سویا تو سہ بارہ وُہی خواب آیا۔ میں بیدار ہو کر اپنے شغل میں مصرُوف ہوا مگر دل اُن کی زیارت کے لیے بے قرار تھا۔ حالت وُہ تھی جسے پہلی نظر میں عشق کہتے ہیں۔ اُس مجذوب فقیر کی تلاش کی مگر وُہ نہ ملا۔ چند روز صبر کیا، پھر تلاش میں نکل کھڑا ہُوا۔ دکن، بنگال، بہار، یو پی، اجمیر اور آخر میں پنجاب، جہاں بھی کسی بزرگ کا نام سُن پایا وہیں پہنچا مگر گوہر مقصود ہاتھ نہ آیا۔ گو تصور میں ہر وقت وُہ جمال صُورت موجُود تھا۔ بالآخر مایُوس ہو کر لاہور سے واپس جا رہا تھا اور بمبئی کا ٹکٹ بنوا لیا تھا کہ اتفاقاً پلیٹ فارم پر ایک صاحب سے ملاقات ہو گئی۔ میرا حال سُن کر پُوچھا "گولڑے گئے ہو؟" میں نے گولڑہ کا نام بھی نہیں سُنا تھا۔ کہنے لگے "راولپنڈی سے اگلا اسٹیشن ہے۔" چنانچہ بمبئی کا ٹکٹ واپس کر کے گولڑہ کا ٹکٹ بنوایا۔ صبح وہاں پہنچا تو ابھی آپ مسجد میں مصرُوفِ وظائف تھے۔ میں نے صحن میں قدم رکھا ہی تھا کہ مسجد کے اندر سے آواز آئی "مولانا صاحب! آجایئے۔" آگے چلا تو پھر آواز آئی "شاہ صاحب! تشریف لایئے۔" اور جب حاضر ہُوا تو اُٹھ کر معانقہ فرمایا اور کہا "سیّد صاحب! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ تعالیٰ۔" وُہی مقصُودِ نظر صُورت سامنے تھی اور مَیں تعجب کر رہا تھا کہ میرے بُخارا چھوڑنے کے بعد کسی فردِ بشر کو معلوم نہ تھا کہ میں سیّد ہُوں۔ آج پہلی مرتبہ

مجھے سید کہہ کر پکارا جارہا ہے۔ حضرت سید عباس علی شاہ صاحب نے کچھ روز قیام فرمایا اور اپنا گوہرِ مقصود حاصل کرنے کے بعد واپس چلے گئے۔

انقلابِ افغانستان میں شہرِ کابل کی نگہداشت

حافظ غلام صمدانی صاحب مرحوم جو حاجی سیٹھ کریم بخش صاحب (پشاور) کے ماموں زاد بھائی تھے اور خواب میں حضرت خواجہ غریب نواز اجمیریؒ کے اشارہ پر حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کے مُرید ہُوئے تھے بیان کرتے تھے کہ والد صاحب نے جنوبی افغانستان میں حکومت سے جنگل کی لکڑی کا ٹھیکہ لیا تو میں نے حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر دُعا چاہی۔ آپ نے فرمایا۔ کیا ابھی وہاں امن ہے؟ کچھ عرصہ بعد پھر حاضر ہُوا تو آپ نے وُہی سوال دُہرایا۔ اُس وقت تک بظاہر افغانستان میں امن وامان تھا۔ لیکن چند ہی دنوں بعد بچہ سقہ نے حملہ کیا اور امیر امان اللہ خان فرار ہو گیا۔ جس کے متعلق والد صاحب کا خط لے کر حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہُوا تو فرمایا اللہ پاک تمہارے عزیزوں کو جو کابل میں ہیں محفوظ رکھے اور شہر لُوٹ مار سے بچا رہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہُوا۔ ۱۹۳۱ء میں مَیں کابل میں ایک روز دوستوں کے ساتھ ایک مشہور مجذوب کی زیارت کو گیا۔ مجذوب کسی کو نزدیک نہیں آنے دیتا تھا۔ سنگ باری کرتا تھا۔ مجھے کچھ نہ کہا بلکہ فرمایا۔ "بخیر آمدید جوڑ ہستید بر امانِ خُدا"۔ کابلی طعنہ زنی کرنے لگے کہ ہمیں تو پتھر مارتا ہے اور پشاوری کے ساتھ یہ سلوک! کہنے لگا "بچہ خر! ایں کس دست بدستِ کسے دادہ است کہ یک وقت شہر شمارا نگاہ کرد۔ ورنہ بچو رمے شدید و زن ہائے شمارا سقوی مے بُردند"۔ یعنی اِس شخص نے اُس شخص کے ہاتھ میں ہاتھ دیا ہُوا ہے جس نے ایک وقت تمہارے شہر کابل کی نگاہداشت فرمائی۔ ورنہ تُم لوگ تباہ و برباد ہو جاتے اور تمہاری عورتوں کو بچہ سقہ کے لشکری اُٹھا لے جاتے۔

مُلا صاحب ہڈہ کی غزا میں نظر آنا

حاجی محمد دین صحاف (پشاور) روایت کرتے ہیں کہ ایک روز حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ دیوان خانہ میں تشریف رکھتے تھے۔ ایک افغانی آیا اور پشتو میں باتیں کرنے لگا۔ آپؒ نے فرمایا۔ اِس سے پُوچھو کیا چاہتا ہے۔ اُس نے اپنا ایک چشم دید ماجرا بیان کیا۔ میں نے اس کی پشتو کا ترجمہ آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ یہ کہتا ہے کہ انگریزوں کے ساتھ مُلا صاحب ہڈہ کی غزا میں آپ کو میں نے مُشکی گھوڑی پر سوار دیکھا ہے۔ آگے آگے آپ تھے آپ کے پیچھے مُلا صاحب تھے اور اُن کے پیچھے غازی تھے۔ حضرت صاحبؒ نے فرمایا مُنشی صاحب یہ دیوانہ (اُلّو) ہے۔ اِس کو چُپ کراؤ۔ مگر وُہ خدا کی قسم کھا کر کہتا تھا کہ میں نے آپ کو وہاں دیکھا ہے اور یہاں بھی آپ موجود ہیں۔

حلِّ مشکلات کے لیے مدینہ منورہ سے ایک تار

حضرت سیدنا احمد عطاس مدنی دام فیضہٗ نے جن کے بعض مبارک حالات کسی پچھلے باب میں درج ہو چکے ہیں۔ ایک مرتبہ مدینہ شریف سے حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کے نام پر ارجنٹ ٹیلیگرام بھجوائی تھی۔ حالانکہ اس سے بہت پہلے حضرتؒ کا وصال ہو چکا تھا۔ جب حضرت بابوجی مدظلہ العالی سے مُلاقات ہُوئی تو بیان فرمایا کہ ایک سخت مہم درپیش تھی جو تار کی روانگی کے بعد بفضلِہٖ تعالیٰ حل ہو گئی۔ اور فرمایا کہ عرصہ ہُوا ایک عرب سلطنت کا وزیر بادشاہ کے عتاب میں آ گیا تھا جس نے حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے نام پاک پر مدینہ شریف تار بھجوایا تھا اور اپنے درجہ پر بحال ہو گیا تھا۔ ہمیں وہی مثال یاد تھی جس پر حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کے نام نامی پر تار بھجوانے کا خیال پیدا ہوا۔

ایران میں اُونگھتے مُرید کو اشارہ کر کے لاری کے حادثہ سے بچا لیا

حاجی محمد ایوب صاحب سیٹھی (پشاور) رات کے وقت ایران میں سفر کر رہے تھے۔ نیند کے غلبہ میں اُونگھ رہے تھے۔ خواب میں دیکھا کہ حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ فرما رہے ہیں "لاری کو روکو آگے گڑھا ہے۔" اُنھوں نے فوراً لاری کو رُکوایا اور اُتر کر دیکھا تو صرف چند گز کے فاصلہ پر سامنے ایک بہت بڑا گڑھا موجود تھا۔

مُرید کو اشارہ کر کے ڈُوبنے والے جہاز سے بندرگاہ پر اُتروا لیا

حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کا دامن حفاظت آشناؤں اور مُریدوں پر آسمان کی طرح ہر زمین اور ہر مقام پر سایہ فگن رہتا ہے۔ خان صاحب غلام رسُول خاں ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ مرکزی خُفیہ پولیس برطانوی ہند کو بحری جہاز کے سفر میں خواب میں فرمایا کہ اگلے کولنگ سٹیشن پر جہاز سے اُتر جانا۔

چُنانچہ جب جہاز اگلی بندرگاہ پر پہنچ کر کوئلہ لینے لگا تو یہ اپنا سامان لے کر اُتر گئے۔ جہاز کی روانگی کے دو گھنٹے بعد ایس او ایس (SOS) موصُول ہوئی کہ جہاز ڈُوب رہا ہے۔

خواب میں اشارہ فرما کر قتل ہونے سے بچا لیا

اِس سے کچھ عرصہ پہلے یہ خان صاحب سیالکوٹ میں کچھ سکھ ڈاکوؤں کو بطور مشتبہ بٹھا کر تفتیش کر رہے تھے۔ ایک رات خواب میں دیکھا کہ حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ فرماتے ہیں "اپنی حفاظت کرو یہ سکھ تمہیں قتل کرنا چاہتے ہیں۔" یہ اُٹھ کر صحن مکان میں ایک گھنے درخت پر چڑھ گئے۔ تھوڑی دیر بعد وُہ لوگ برچھیوں اور کلہاڑیوں سے مسلّح ہو کر ان کے بستر پر آئے اور اسے خالی پا کر کمروں اور غسل خانوں میں تلاش کرتے رہے۔ اور پھر مایُوس ہو کر چلے گئے۔

خواب میں اشارہ کر کے چوری برآمد کروا دی

اِنہی خان صاحب نے ایک مرتبہ رُوس میں خواب میں دیکھا کہ حضرتؒ فرما رہے ہیں "ہانگ کانگ میں تمہارے مکان پر چوری ہو گئی ہے۔" اُسی روز سفارت خانہ کی معرفت وائرلیس پر دریافت کرنے سے اس کی تصدیق ہوئی اور چوری بھی مل گئی۔ محکمہ سفارت کے افسر دونوں جگہ حیرت کا اظہار کرتے تھے۔

سفر سے روک کر ریل کے حادثہ سے بچا لیا

حضرتؒ کے چھوٹے بھائی جناب پیر ولایت شاہ صاحبؒ ایک شادی میں شامل ہونے کے لیے بذریعہ ریل گاڑی سفر پر تیار تھے حضرتؒ نے بُلوا کر فرمایا کہ اس گاڑی سے نہ جانا۔ انہوں نے عرض کیا کہ نکاح اور شادی کی تقریب ہے اور یہ آخری گاڑی ہے۔ اگر میں نہ

پہنچا تو اُن لوگوں کو سخت مایُوسی ہوگی۔ مگر آپ نے تاکیداً منع فرمادیا اور یہ رُک گئے۔ وُہ گاڑی لالہ مُوسیٰ کے قریب ایک اور گاڑی سے ٹکرا گئی جس سے بہت جانی نقصان ہُوا

ایسے واقعات میں تصرّف تو دراصل اُسی کارسازِ حقیقی کا ہی ہوتا ہے مگر بوجہ اس کائنات کے عالمِ اسباب ہونے کے، اس کا ظہور وُہ اپنے مقبولوں کے ذریعہ کرتا ہے۔

اجابتِ دُعا اور متوسّلین کی دستگیری

حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کی اجابتِ دُعا اور مہمات میں احباب کی دستگیری کے واقعات ضرب المثل ہیں اور وصال کے بعد بھی بدستور ظہور پذیر ہو رہے ہیں جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے حضرت دیوان سید محمد صاحبؒ پاک پتن شریف کی سجادہ نشینی اور حضرت صاحبزادہ محمُود صاحب تونسویؒ کے اِستقرارِ حق کے مقدّمات پریوی کونسل تک جاکر آپ کی دُعا سے اِن کے حق میں فیصلہ ہُوئے۔ گولڑہ سردار محمد عظیم خان کی جائیداد کا مقدّمہ چیف کورٹ تک گیا۔ اِس گاؤں کے ایک فقیر صاحب نے پیغام بھجوایا کہ آپ عظیم خان کے حق میں دُعا نہ کریں، کچھ فائدہ نہیں ہوگا میں نے لوحِ محفُوظ میں دیکھ لیا ہے کہ یہ جائداد میرے مریدوں سے باہر نہیں جاسکتی۔ حضرتؒ نے جواباً فرمایا۔ فقیر صاحب کو میر اسلام دینا اور کہنا کہ مجھے لوحِ محفوظ تو نظر نہیں آتی مگر میں اُس وقت تک اپنے اللہ کا دامن نہیں چھوڑوں گا جب تک یہ ساری جائداد عظیم خان کو نہیں مِل جاتی۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے آخر میں چیف کورٹ سے یہ ساری جائداد عظیم خان کو مِل گئی۔

امیرِ افغانستان، نواب صاحب بہاولپور اور والئِ ریاست انب دربند کی گدی نشینی میں حضرت کی توجہ اور اعانت کے واقعات بھی پہلے بیان ہو چکے ہیں۔ بیر ابادیہ کے محمد حسین کو عین پھانسی کے تختے پر موت سے رہائی کا حُکم مِلا تھا۔ اس کی والدہ نے صرف ایک روز پہلے آکر فریاد کی تھی جب کہ رحم کی اپیل مسترد ہو چکی تھی۔ اس واقعہ کے متعلق اپنے ایک مکتُوب گرامی میں استمدادِ اولیاء اللہ کے ضمن میں خود تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے اِس نازک وقت میں حضور سرکار بغداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے استغاثہ کیا تھا۔

اِبتلا کے دُور ہونے کی بشارت

ملک شیر محمد صاحب ٹوانہ ولد ملک بخش خان صاحب ایک مقدمہ میں چھ ۶ سال قید ہو گئے تھے۔ اور تمام اپیلیں مُسترد ہو گئی تھیں۔ حضرتؒ نے فقیر عبداللہ صاحب کو ملک صاحب کے خاندان کی تسلی کے لیے روانہ فرما کر بعد میں ایک نوازش نامہ بھی تحریر فرمایا جو مکتوبات طیّبات میں شائع ہو چکا ہے کہ انہیں کہہ دو انشاء اللہ تھوڑے دنوں کے اندر یہ مُصیبت ابتلا دُور ہو جائے گی۔

اچانک ملکہ وکٹوریہ کا انتقال ہو گیا اور اُن کے بیٹے کی تخت نشینی کی خوشی میں عام قواعد کے خلاف ملک صاحب کو رہائی مِل گئی اور کچھ عرصہ بعد پہلے سے بھی بڑی ملازمت پر چلے گئے۔

نابینا کو بصارت مِل گئی

ایک روز حضرتؒ عشا کے بعد سواری سے اُتر کر مہمان خانہ کے صحن میں داخل ہُوئے۔ وہاں ایک آنکھوں سے معذور

مریض موجود تھا۔ آپ نے فرمایا "میں کل پاک پتن شریف کے سفر پر جا رہا ہوں۔ تم اب واپس وطن کو چلے جاؤ۔ میں دُعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ رحم فرمائے گا۔" اُس شخص نے جونہی آپ کی آواز پہچانی اُٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔ "آپ عبدالقادر ہیں خدا کے لیے مجھے بینائی عطا فرماؤ۔" فرمایا۔ "ایسا مت کہو۔ کارساز اور بینائی عطا فرمانے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ ہاں جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو اپنے خاص بندوں کا دل اُس طرف متوجہ کر دیتا ہے۔" یہ فرما کر آپ چلے گئے۔ اگلے روز جب یہ شخص واپس ہوا تو ریلوے اسٹیشن کے راستہ میں اس کی بینائی درست ہو گئی۔ بیٹے سے کہنے لگا میری لاٹھی چھوڑ دو۔ مجھے راستہ دکھائی دینے لگا ہے۔ میاں حیدر بخش صاحب چشتی کا بیان ہے کہ یہ واقعہ میرے سامنے ہوا تھا اور میں نے خود اس شخص کو ریلوے اسٹیشن تک خود بخود چلتے ہوئے دیکھا۔

ایک دیرینہ اپاہج کی فوری شفایابی

مضافاتِ خوشاب کے ایک شاہ صاحب دونوں پاؤں سے اپاہج و مفلوج ہو کر گولڑہ شریف آئے اور کچھ عرصہ حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ سے دُعا اور دم کراتے رہے۔ وُہ مسجد کے سامنے پڑے رہتے تھے اور آپ نماز کو جاتے ہوئے اکثر دم فرما دیا کرتے مگر کوئی افاقہ نہ ہوا۔ آپ نے اُنہیں فرمایا کہ ابھی وقت نہیں آیا تم فی الحال گھر چلے جاؤ۔ وُہ تعمیلِ ارشاد میں چلے گئے۔ بہت عرصہ بعد سیال شریف کے سفر میں خوشاب کے ریلوے اسٹیشن پر آپؒ نے انہیں گھٹنوں کے بل رینگتے ہوئے دیکھ کر پہچانا اور فرمایا۔ "آؤ شاہ صاحب وقت آ گیا ہے میں دُعا کرتا ہوں۔" جب ہاتھ اُٹھا کر دُعا فرمائی تو شاہ صاحب اُسی وقت سب لوگوں کے سامنے اُٹھ کھڑے ہوئے اور آپ کے جلو میں اپنے پاؤں سے چل کر شہر گئے۔ آپ نے اپنے ایک ملفوظ میں قبولیتِ دُعا کے اوقات اور سالک کی توجہ کا ذکر فرمایا ہے۔

ایسا ہی ایک اپاہج گھوڑہ (مضافاتِ ملتان) میں بھی پیش ہوا تھا۔ حضرتؒ نے خادم سے فرمایا کہ تہجد کی نماز کے بعد مجھے یاد دلانا تاکہ اس کے حق میں دُعا کی جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اُسے بھی صحت دی۔

دُعائے مغفرت کا اثر

موضع جھگیاں تھانہ خوشاب کا مستری فضل الٰہی جو آج کل دربار کی آٹا مشین پر کام کرتا ہے اُس کے ماں باپ بچپن میں ہی وفات پا گئے تھے۔ چچا کے مظالم سے تنگ آ کر گولڑہ شریف چلا آیا اور یہاں لنگر میں کام کرنے لگا۔ چچا نے اس کے ساتھ اپنی لڑکی کی نسبت توڑ کر ایک اور شخص سے کر دی۔ مگر کچھ عرصہ بعد اُسے بھی جواب دے دیا۔ اُس شخص نے ازراہِ انتقام لڑکی پر قاتلانہ حملہ کیا اور باپ نے لڑکی کے بیانِ نزع میں اس حملہ کا اِلزام فضل الٰہی پر لگوایا تاکہ وُہ پھانسی پا جائے اور یہ مرحوم بھائی کی جائداد پر بے کھٹکے قابض ہو جائے۔

حملہ سے کچھ دیر بعد لڑکی مر گئی اور اُسی روز دوپہر کے وقت گولڑہ شریف میں فضل الٰہی کو خواب میں نظر آئی اور کہنے لگی "مجھے میرا فلاں منگیتر قتل کر گیا ہے۔ اور میں نے باپ کے کہنے پر اس قتل کا اِلزام تم پر لگایا ہے جس کی وجہ سے میں عذاب میں گرفتار ہوں تم مجھے معاف کر دو۔" فضل الٰہی نے بیدار ہو کر اُسی وقت حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کی خدمت میں اپنا یہ خواب بیان کیا اور اُس لڑکی کے لیے دُعائے مغفرت کروائی۔ مرحومہ نے دوبارہ اُسی رات خواب میں آ کر فضل الٰہی سے کہا کہ "تمہارے پیر صاحب نے جس وقت دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے تھے اللہ تعالےٰ نے اُسی وقت مجھ سے عذاب اُٹھا لیا تھا۔"

اگلے روز خوشاب کی پولیس فضل الٰہی کی گرفتاری کے لیے گولڑہ شریف پہنچ گئی۔ مگر سب اِنسپکٹر پولیس نے فضل الٰہی کی متواتر یہاں موجودگی اور اِس خواب کے واقعہ کے متعلق شہادت قلمبند کرکے اسے گرفتار نہ کیا اور واپس جاکر قاتل کو گرفتار کر کے چالان کر دیا۔

دردِ دندان کا عجیب دم

جناب سیّد امام شاہ صاحب (مہر آباد تحصیل لودھراں) جو ایک جیّد عالِم باعمل اور حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کے خصوصی متوسّلین سے ہیں فرماتے ہیں کہ ایک بار مجھے دردِ دندان کی سخت تکلیف ہُوئی۔ علاج سے مایُوس ہو کر گولڑہ شریف چلا آیا اور حضرتؒ کی خدمت میں پیش ہُوا۔ آپ نے دم فرمایا مگر افاقہ نہ ہُوا۔ دوبارہ شدّتِ درد کی حالت میں حاضر ہُوا اور درد بھرے لہجے میں کہا "حضُور ڈاڑھی پیڑ اے"۔ یعنی سخت درد ہے۔ حضُورؒ نے مشفقانہ نظر فرما کر زبانِ مُبارک سے یہی مذکورہ جُملہ "ڈاڑھی پیڑ اے" تین بار فرما کر دم کیا۔ مجھے اُسی وقت آرام آگیا۔ میں نے اِس عجیب دم کی اجازت لے لی۔ اور اب یہ جُملہ میرے معمُولات سے ہے کہ جس کو یہ شکایت ہو دم کرتے ہی درد رفع ہوجاتا ہے۔

ایک اِرادت مند کی تین گذارشات

میاں مُشتاق احمد صاحب گورمانی سابق گورنر مغربی پاکستان کے عمِّ بزرگوار اور میاں محبُوب علی صاحب گورمانی کے والد میاں شیخ احمد صاحب جو پنجاب کے مشہُور اُمرا میں شمار ہوتے تھے بعیت کے لیے حاضر ہُوئے تو گذارش کی کہ "حضرت میری تین آرزوئیں ہیں (ایک) میں بلوچ ہُوں، میرا اعتقاد پُختہ ہوجائے۔ (دُوسری) نرینہ اولاد نہیں، خُدا تعالیٰ فرزند عطا فرمائے اور (تیسری) میری موت آپ سے پہلے ہو کہ آپ کی وفات کا صدمہ نہ دیکھوں"۔

حضرتؒ نے فرمایا "کیا بلوچ ہو کر بھی تمہارا اعتقاد پُختہ نہیں؟" میاں صاحب کہتے تھے کہ یہ ارشاد آپ نے کچھ اِس انداز میں فرمایا کہ اُسی وقت میرے دِل میں جو خطرات اور وساوس تھے رفع ہوگئے اور عقیدت کا دریا موجزن ہوگیا اور ساتھ ہی دِل کو تسلّی ہوگئی کہ دُوسری دونوں گذارشات بھی آپ کی توجہ سے پُوری ہوں گی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے نرینہ اولاد بھی عطا فرمائی اور میاں صاحب کا اِنتقال بھی حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ سے بہت پہلے ہُوا۔

نواب عبداللہ خان رئیس خان گڑھ

مصوّرِ فطرت جناب خواجہ حسن نظامی صاحب اپنے اخبار "مُنادی" میں ایک سفرنامہ کے ضمن میں لِکھتے ہیں کہ جب میں نواب عبداللہ خان رئیس خان گڑھ (ضلع مظفر گڑھ) کی دعوت پر اُن کے یہاں پہنچا تو وہاں اقامت کے دوران مَیں نے مشاہدہ کیا کہ رات گئے تک مصرُوفیات کے باوجُود نواب صاحب موصُوف سے نمازِ تہجّد قضا نہ ہوئی۔ خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے دِل میں کہا کہ یہ حضرت قبلہ پیر صاحب گولڑوی قدس سرّہٗ کی بیّن کرامت ہے کہ اِس قسم کے مشاغلِ دُنیاوی میں مصرُوف آدمی پابندی صلواتِ خمسہ کے ساتھ تہجّد تک بھی قضا نہیں کرتا۔ یہ نواب صاحب حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کے مخلص مُرید تھے۔ انہوں نے بیعت کے وقت عرض کیا تھا کہ دُعا فرمائیے میری دُنیا میرے دین پر غالب نہ آئے۔

راقم الحروف کے والد کی دستگیری

راقم الحروف کے والد جناب حافظ غلام محمد صاحب مرحوم فرماتے تھے کہ ایک بار میں علاقہ ڈیرہ اسمٰعیل خان سے واپس گھر آ رہا تھا اور دیہاتی طریقہ کے مطابق دریائے سندھ کو مشک پر عبور کر رہا تھا کہ سامنے ایک بہت بڑا سانپ نظر آیا۔ دوسری جانب رخ کیا تو ایک بڑا نہنگ آبی نمودار ہو کر حملہ آور ہوا۔ اس اثنا میں حضرت قبلۂ عالم قدس سرۂ کا تصور آنکھوں میں پھر گیا۔ اچانک دیکھا کہ مجھے کسی نے اُٹھا کر دریا کے کنارے پر کھڑا کر دیا ہے۔

نرینہ اولاد کے زندہ رہنے کی دعا

والد مرحوم مجھے فرماتے تھے کہ ابتدا میں تیرے دو تین بھائی پیدا ہوتے ہی فوت ہو گئے تھے میں نے حضرت قبلۂ عالم قدس سرۂ سے دُعا کے لیے عرض کیا۔ عام طور پر آپؒ اس سلسلہ میں اجوائن دم فرمایا کرتے تھے لیکن اُس وقت صرف دُعا فرمائی جس کے کچھ عرصہ بعد تیری ولادت ہوئی اور خود راقم الحروف کے بھی ابتدا میں نرینہ اولاد نہ تھی۔ والد مرحوم ایک بار گیارھویں شریف کی مجلس میں گولڑہ شریف حاضر ہوئے واپس گھر جا کر فرمایا کہ حضرت قبلۂ عالم قدس سرۂ کی بارگاہ میں خدا سے فیض احمد کے لیے لڑکا مانگ آیا ہوں۔ والد صاحب تو اُسی سال شوال ۱۳۶۷ھ میں فوت ہو گئے مگر دُعا سے پورے ایک سال بعد دوسری گیارھویں شریف کے ایام میں راقم الحروف کا عزیز مشتاق الحسنین پیدا ہوا۔ فالحمد للہ۔

ایک ارادت مند کی نرینہ اولاد کی پیشگوئی

ملک غلام فرید صاحب ٹوانہ سینیئر سپرنٹنڈنٹ پولیس لاہور کے والد ملک محمد خان صاحب مرحوم ۱۹۰۵ء میں ساہی وال (منٹگمری) میں ڈپٹی انسپکٹر پولیس تھے۔ حضرت قبلۂ عالم قدس سرۂ پاک پتن شریف جاتے ہوئے اِن کے یہاں فروکش ہوئے۔ اِن کی نرینہ اولاد زندہ نہیں رہتی تھی۔ اور چند ہفتے پہلے ایک نومولود فرزند فوت ہو گیا تھا۔ مستورات کی گذارش پر دُعا فرمائی۔ اور ملک غلام فرید صاحب کی والدہ کو مخاطب کر کے فرمایا۔ "انشاء اللہ اس کے بعد جب تم میرے سامنے آؤ گی تو تمہاری گود میں ایک عمر دراز بیٹا ہو گا۔" چنانچہ ویسا ہی ہوا۔ ملک محمد خان صاحب کی اپنی بیعت حضرت خواجہ اللہ بخش صاحبؒ تونسوی کے ساتھ تھی۔ اِن کے فرزند حضرتؒ کے مُرید ہیں۔

ایک بے اولاد ارادت مند کے فرزند کا پیشگی نام بھی رکھوا دیا

ڈاکٹر سید غلام غوث صاحب بھروی (شہیداں والی مضافات منڈی بہاؤالدین) بیان کرتے ہیں کہ میرے والدین بے اولاد ہونے کی وجہ سے غمگین رہتے تھے۔ حضرتؒ کے پُرانے مُرید تھے۔ ایک بار حاضر ہوئے تو ریلوے اسٹیشن سے دربار تک دونوں میں بحث چلتی رہی کہ اولاد کے لیے کون عرض کرے۔ دونوں شرما رہے تھے جب حاضر ہوئے تو حضور قبلۂ عالم قدس سرۂ نے مسکرا کر از خود دریافت فرمایا کہ "تم دونوں آپس میں کس بات پر جھگڑ رہے تھے؟" اور پھر فرمایا۔ "انشاء اللہ تعالیٰ تمہیں اللہ تعالیٰ فرزند عطا فرمائے گا، غلام غوث نام رکھنا۔" میری پیدائش سے کچھ عرصہ پہلے والد صاحب نے حضور قبلۂ عالم قدس سرۂ کو اور اپنے والد کو جو حضرت پیر

فضل الدین صاحبؒ کے مُرید تھے، خواب میں دیکھا اور ایک بچّہ اُن سے لیا جس کا ایک کان قدرے ٹیڑھا تھا اور اُس کے پیٹ پر خارِ مغیلاں کی طرح ایک مسّہ تھا۔ صُبح اُٹھ کر والد صاحب نے اِس خواب کا اعلان کر دیا جب میں پیدا ہُوا تو لوگ آ کر یہ دونوں نشانات میرے جسم پر دیکھتے اور حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کی کرامت کا چرچا کرتے تھے۔ یہ دونوں نشان اَب بھی موجود ہیں۔

ایک سادہ دِل پٹھان کے اخلاص کی برومندی

ایک پٹھان اور اُس کی بیوی آپ کی بیماری کے ایّام میں حاضر ہُوئے۔ اور دروازہ کی دہلیز میں بیٹھ گئے۔ کچھ دیر بعد بیوی نے خاوند سے کہا "پیر سے کہہ ناں دُعا کرے خُدا ہم کو اولاد دے"۔ پٹھان نے جھڑک کر کہا "چُپ رہ! دیکھتی نہیں پیر کتنی تکلیف میں ہے اور تُو کہتی ہے اولاد کے لیے کہہ"۔ اُس وقت کمرہ میں مولوی محبوب عالم صاحب اور سائیں بخت جمال صاحب قوّال موجود تھے۔ حضُورؒ نے اپنی نحیف آواز میں فرمایا "محبوب! اِس سنگی (رفیق) کو اندر بُلا لو میری اِس لمبی بیماری میں ہر شخص اپنے لیے ہی دُعا کرواتا رہا ہے۔ آج میری تکلیف کا صرف اِس شخص کو رنج پہنچا ہے"۔ پھر اجوائن دم کر کے دی اور دُعا فرمائی۔ اگلے برس یہ میاں بیوی اپنے نوزائیدہ فرزند کو لے کر حاضر ہُوئے تو سائیں بخت جمال کہتے ہیں کہ اُس وقت بھی اِتفاق سے میں اور جناب مولوی محبوب عالم صاحب ہی حضرتؒ کے کمرہ میں حاضر تھے۔

ملک پیندا خان کی بے تکلّفی

بے اولادوں کے حق میں حضرتؒ کی اِس اجوائن کے اکسیر ہونے کی اِس قدر شہرت تھی کہ ایک مرتبہ آپ قیلولہ فرما رہے تھے اور ملک پیندا خان صاحب زمیندار حسن ابدال پاس فرش پر لیٹے ہُوئے تھے۔ کمرہ کے باہر بچّوں نے شور مچا رکھا تھا جنہیں ملک صاحب بار بار جا کر منع کرتے تھے۔ ایک بار حضرتؒ نے بے چین ہو کر فرمایا کہ "ملک! یہ کیسا شور ہے؟" تو پیندا خان نے جنہیں بچپن کی دوستی اور انتہائی اخلاص نے بے تکلّف بنا رکھا تھا کہا "جوان ایہہ تینڈی جوائن پئی چیکدی اے"۔ یعنی یہ آپ کی اجوائن نے شور مچا رکھا ہے۔

ایک مُخلص کی ترقّیِ درجات کے لیے خاص تصرّف

چودھری اورنگ زیب خان صاحب پنشنر ڈپٹی کمشنر (چکوال) نائب تحصیلداری کی حالت میں حاضر ہُوئے یارگلا کی پہاڑیوں سے کالی گھٹا آ رہی تھی اور لنگر کا بھوسہ باہر پڑا تھا چودھری صاحب نے مُنہ پر صافہ لپیٹ کر خُدّامِ دربار کے ساتھ بھوسہ کی گٹھڑیاں اُٹھا اُٹھا کر کوٹھڑی میں ڈالنا شروع کیں اور بارش سے پہلے انہیں محفُوظ کر لیا۔ حضرت بابوجی مدظلّہ العالی نے اِس واقعہ کا ذکر حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کی خدمت میں کچھ اِس انداز سے فرمایا کہ حضُورؒ کے دستِ مُبارک دُعا کے لیے اُٹھ گئے۔ چند روز بعد صُوبائی گورنمنٹ نے حکم جاری کیا کہ جو نائب تحصیلدار گریجویٹ ہیں اُن کے نام براہِ راست اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنری کے لیے بھیج دیئے جائیں۔ چودھری صاحب اِس اسکیم میں براہِ راست ای۔ اے۔ سی لے لیے گئے۔ اور پھر اگلے ہی سال یہ حکم منسُوخ ہو گیا۔ گویا یہ تصرّف محض انہیں کے لیے بروئے کار آیا تھا۔[۱]

---

[۱] چودھری صاحب نے دورانِ ملازمت جس فرض شناسی اور دیانت سے کام کیا وُہ ضرب المثل ہے۔ ان کا بیان ہے کہ اِس دیانت وصداقت کی وجہ سے کئی بار سخت آزمائشوں سے گُذرنا پڑا مگر ہر مُشکل میں حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ نے خواب یا بیداری میں میری حوصلہ افزائی فرما کر حق پر ثابت قدم رہنے میں مدد فرمائی۔ (فیض)

ایک نیاز مند کو ترقیِ درجات کی بشارت

ملک محمد خدا بخش ٹوانہ کو جو اُن دنوں سب اِنسپکٹر پولیس تھے ایک روز فرمایا: "قریب آؤ! اب تم کیا ہو؟" عرض کیا: "سب اِنسپکٹر پولیس ہوں۔" فرمایا: "وُہ کیا ہوتا ہے؟ تھانیدار؟" اور مُسکرا کر فرمایا: "اِس سے اُوپر کیا ہوتا ہے؟" عرض کیا: "اِنسپکٹر۔" "اِس سے اُوپر کیا ہوتا ہے؟" اور پھر مُسکرائے۔ عرض کیا: "ڈپٹی سُپرنٹنڈنٹ۔" فرمایا: "اُس سے اُوپر؟" عرض کیا: "سُپرنٹنڈنٹ پولیس۔" مجلس سے باہر آ کر ملک صاحب نے اعلان کر دیا کہ آج مجھے اپنے پیر صاحب کے دربار سے یہ سارے درجات عطا کر دیئے گئے ہیں چُنانچہ سُپرنٹنڈنٹ پولیس ہو کر ریٹائر ہُوئے۔

حلِّ مُشکلات اور دفعِ بلیّات

یہی نیاز مند (یعنی ملک صاحب) ۱۹۳۴ء میں تھانہ گوجر خان میں افسر انچارج تھے۔ بستی ہیلیاں کی ایک ڈھوک پر سپاہیوں کی حراست سے ایک مُلزم فرار ہو گیا۔ چُونکہ یہ خُود بھی اُس رات اُسی بستی میں مقیم تھے لہٰذا قواعدِ پولیس کی رُو سے مُلزم کی عدم گرفتاری کی صُورت میں انہیں فوراً معطل ہو جانا چاہیئے تھا۔ وُہ کہتے ہیں کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں گڑگڑا کر دُعا مانگی اور حضرت رح کے دو خورد سال پوتوں کا واسطہ دیا۔

دُعا کے خاتمہ پر یُوں محسُوس ہوا گویا براہِ راست حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار سے دل میں تسلّی اور طمانیت ڈال دی گئی ہے۔ اور میری اپنی زبان پر بے ساختہ یہ الفاظ جاری کر دیئے گئے کہ "اِنشاء اللہ پکڑا جائے گا۔" اِتنے میں مفرور ملزم اِس علاقہ کی ناواقفیت کی وجہ سے کئی میلوں کا چکر کاٹ کر خود بخود وہیں واپس آ گیا اور گرفتار کر لیا گیا۔

ایک مسموم مُرید کو خواب میں فرمایا کہ فوراً گولڑے چلے آؤ

لالہ عبدالکریم صاحب سوداگر (پشاور) کو زہر دیا گیا۔ خواب میں فرمایا فوراً گولڑے چلے آؤ۔ وُہ اُسی وقت اُٹھ کر ریل گاڑی سے گولڑہ روانہ ہو پڑے۔ حضرت رح نے دو خادم سواری دے کر اسٹیشن پر روانہ فرمائے جو انہیں اُتار کر لے آئے۔ دم کیا اور دُعا فرمائی اور فرمایا: "جس نوکر نے زہر دیا ہے اُس کی تجہیز و تکفین تمہارے ہاتھوں سے ہوگی۔" چنانچہ لالہ صاحب نے اُسے ملازمت سے علیحدہ نہ کیا اور بہت عرصہ بعد جب وُہ مرا تو اُس کی اچھی طرح تجہیز و تکفین کی۔

ریل گاڑی کے سامنے سے اُٹھا کر بچا لیا

جامع مسجد راولپنڈی کے مشہور خطیب اور سیاسی اور مذہبی لیڈر مولٰینا مولا بخش صاحب قصوری بیان کرتے تھے کہ ہندوستان سے فارغ التحصیل ہو کر جب میں گھر آیا تو اپنے شہر کے رئیس نوابزادہ فتح باز خان صاحب قصوری کے ہمراہ گولڑہ شریف حاضر ہو کر بیعت کی۔ واپسی پر ریلوے اسٹیشن گولڑہ سے باہر مسجد میں ظُہر کی نماز کے لیے وضو کر کے نوابزادہ صاحب کے لیے افتابہ بھر کر لے جا رہا تھا۔ سامنے ایک تھرو گذرنے والی مال گاڑی آ رہی تھی میں اُسے دُور سمجھ کر لائن پار کرنے لگا تو سگنل کی تاروں سے اُلجھ کر عین لائن کے درمیان گر پڑا۔ انجن اس قدر قریب آ گیا تھا کہ میرا اُٹھ کر بچ نکلنا ناممکن تھا۔ پلیٹ فارم پر ہمراہیوں اور دیگر

مُسافروں کی ہائے ہائے کی آوازیں گونج اُٹھیں۔ اچانک ایک ہاتھ میری گردن کے پیچھے اور ایک ٹانگوں کے نیچے پڑا اور کسی نے مجھے اُٹھا کر لائن سے باہر پھینک دیا اور ایک آواز آئی جو بالکل حضرتؒ کی طرح تھی کہ "ہا۔ ایسی غلطی"۔ چنانچہ ہم لوگ سفر ملتوی کر کے واپس گئے اور قدمبوس ہُوئے۔

صاحبزادی صاحبہ کے کنوئیں میں گرنے کا واقعہ

ایک دفعہ حضرتؒ کی چھوٹی صاحبزادی صاحبہ حرم سرائے کے اندر والے کنوئیں میں گر پڑیں۔ کنواں کافی گہرا تھا۔ اور اس میں پانی بھی قدِ آدم سے بہت زیادہ تھا۔ بی بیاں، مہمان عورتیں اور خادمائیں الٰہی خیر الٰہی خیر کا غُل مچاتی ہوئی کنارے پر جمع ہو گئیں۔ بابُوجی صاحب گھر پر نہیں تھے۔ حضرتؒ کے بھانجے سیّد حسن پیر شاہ صاحب کو پیغام بھجوایا گیا۔ کسی کو اُمید نہ تھی کہ صاحبزادی اتنی بلندی سے گہرے پانی میں گر کر زندہ بھی رہ جائیں گی۔ اتنے میں کسی بی بی کی نظر مکان کی طرف گئی تو دیکھا کہ صاحبزادی پانی میں شرابور بھاگ کر جا رہی ہیں۔ بعد میں اُنہوں نے بتایا کہ حضرتؒ صاحب نے ہاتھ سے پکڑ کر تھام لیا تھا اور نکال کر باہر کھڑا کر دیا۔ اُس وقت ڈیوڑھی پر فقیر عبداللہ صاحب پہنچ گئے اور کہا کہ حضرتؒ نے خیریت دریافت فرمائی ہے۔

آپؒ اُس روز نمازِ عصر کے بعد حسبِ معمُول سواری کے لیے کمرہ سے باہر تشریف لائے تھے مگر سوار ہونے کی بجائے واپس مسجد میں چلے گئے۔ اور فقیر عبداللہ صاحب سے فرمایا کہ "پار جاؤ اور خیریت پُوچھ آؤ"۔ (دربار اور حرم سرا کے درمیان ایک پہاڑی ندی پڑتی ہے اِس لیے 'پار' فرمایا) اِس دربار کے متعلق ایسے کئی محیّر العقول واقعات کا بچّہ بچّہ گواہ ہے۔ لیکن اِن کی تاریخ مرتّب کرنے اور محفُوظ رکھنے کا یہاں دستُور نہیں بلکہ اِسے پسند ہی نہیں کیا جاتا۔

شفاعت کے مسئلہ کا حل

ضِلع مظفر گڑھ کے خان بہادر غلام رسُول خان صاحب سُپرنٹنڈنٹ پولیس حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کے مخلص مُرید تھے وہ اُن دِنوں (غالباً ۲۷-۱۹۲۶ء میں) ضِلع جھنگ میں تعینات تھے، اُن ایّام میں حضرتؒ کی سیال شریف سے واپسی پر سرگودھا حاضر ہُوئے اور جھنگ تشریف لے جانے کی درخواست کی۔ آپؒ نے بعض مصرُوفیات کی وجہ سے اِنکار فرمایا اور جب اُن کے بار بار اِصرار پر بھی راضی نہ ہُوئے تو خان بہادر صاحب نے جوش میں آ کر اپنی بولی میں کہا۔ "اوہ مَردا! مَیں ویکھساں تُوں کنویں نہ جاسیں مَیں تیری گڈی اگے سر رکھ کے مر جاساں"۔ سچّے اور مخلص لوگوں کا کلام تہِ دل سے نِکلتا ہے۔ چنانچہ آپ نے جھنگ جانے کا اِرادہ فرما لیا۔ گاڑی میں اتفاقاً آپ ایک مسئلہ تصوّف کی تشریح فرما رہے تھے اور سرگودھا کے کئی مخلصین ملک عُمر حیات خان صاحب ٹوانہ وغیرہ آپؒ کے ڈبّے میں بیٹھے تھے۔ گاڑی چل پڑی اور کسی کو اُترنے کا خیال نہ رہا۔ اور یہ تمام لوگ بغیر ٹکٹ آپؒ کی تقریر سُنتے ہُوئے ساتھ ہی چلے گئے۔ تقریر جاری رہی اور گاڑی چلتی رہی۔ حتیٰ کہ جھنگ کا اسٹیشن آ گیا۔ اُس وقت یہ حضرات سخت پریشان ہُوئے۔ کیونکہ اِس منصب کے لوگوں کے لیے بلا ٹکٹ پکڑے جانے کی ندامت قابلِ برداشت نہ تھی۔ اِتنے میں پلیٹ فارم پر لوگوں کا اژدحام دیکھ کر اسٹیشن ماسٹر نے بلند آواز میں کہہ دیا کہ "گیٹ کھول دو، جس کے پاس ٹکٹ ہے وُہ دے جائے۔ مزید کسی سے پڑتال نہ کی جائے"۔ یہ سُن کر اسٹیشن سے باہر لوگوں کا منتظر ہجوم بھی اندر داخل ہو گیا اور اِس ہجُوم کے اندر اِن بلا ٹکٹ معتبرین کی پردہ پوشی ہو گئی۔ اسٹیشن سے باہر نِکلنے پر ملک سر عُمر حیات صاحب کے مصاحب میاں مردان علی صاحب قریشی ایڈووکیٹ نے بلند آواز میں کہا۔ "لوگو! آج شفاعت کا

مسئلہ حل ہوگیا۔ دیکھو ہم لوگ سرگودھا سے حضرتؒ کی تقریر سُننے میں ایسے محو ہُوئے کہ بلا ٹکٹ جھنگ پہنچ گئے۔ اور یہاں سخت پریشان تھے مگر اللہ تعالیٰ نے حضرت کی طفیل ہمیں شرمندگی سے بچالیا۔"

مُخلصین کو حضرت غوث پاکؓ کی زیارت کروادی

یہی خان بہادر غلام رسُول خان ایک بار گولڑہ شریف حاضر ہُوئے۔ اور عرض کیا کہ میں بغداد شریف جانے کا ارادہ رکھتا ہُوں۔ آپ نے فرمایا "بغداد والوں کی مہربانی ہو تو یہاں بھی زیارت ہو سکتی ہے۔" خان صاحب یہ سُن کر رو پڑے۔ اور اُسی وقت عیاناً حضور سرکار غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت سے مشرف ہُوئے۔

اِسی قسم کا ایک واقعہ حضرت شیخ الجامعہ بھی بیان فرماتے تھے کہ "ایک بار میں گولڑہ شریف حاضر ہوا حضرتؒ مسجد میں تنہا تشریف رکھتے تھے۔ اشراق کا وقت تھا۔ میں نے قدمبوس ہو کر عرض کیا کہ حضور! میں گیارھویں شریف دیا کرتا تھا کچھ عرصہ سے توفیق نہیں ہوتی۔" آپ نے یہ سُن کر فرمایا کہ "خیر ہوگی۔" اتنے میں ایک آہٹ ہُوئی۔ اور ایک نُورانی صُورت بزرگ وہاں تشریف فرما نظر آئے۔ مجھ پر ایک بے حِسّی سی طاری ہوگئی۔ تھوڑی دیر یہ عالم رہا اور پھر وُہ بزرگ آنکھوں سے غائب ہوگئے۔ یہ حضرتؒ کی کرم گُستری تھی جس کی بدولت حضُور غوث الاعظمؓ کی زیارت نصیب ہوگئی اور آئندہ گیارھویں شریف بھی جاری ہوگئی۔"

لالہ عبدالکریم سیٹھی صاحب کو آپؒ کی خدمت میں جنّات نظر آئے

حضرتؒ بعض اوقات شام کے بعد باہر تشریف لے جاتے اور کچھ دیر شغل اور ذکر میں مصروف رہتے۔ لنگر کا ایک خادم بھی وضو کے لیے پانی کا آفتابہ لے کر ساتھ رہتا۔ ایک دفعہ پشاور کے لالہ عبدالکریم سیٹھی صاحب بہ اصرار خادم سے کوزہ لے کر ساتھ ہو لیے۔ حضرتؒ نے سیٹھ صاحب کو ایک جگہ بٹھا دیا اور خود کچھ فاصلے پر حسبِ معمول اپنے شغل میں مصروف ہوگئے۔ کچھ دیر بعد سیٹھ صاحب کیا دیکھتے ہیں کہ حضرتؒ کے اِردگرد ایک عجیب الخلقت مخلوقات کا اژدحام ہے۔ یہ حواس باختہ ہو کر آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر لیٹ گئے۔ جب حضرتؒ نے ان کی یہ کیفیت دیکھی تو حاضرین کو جو کہ جنّات تھے رُخصت فرما دیا اور پھر سیٹھ صاحب کو بُلایا۔ مگر ڈر کے مارے اِن کی زبان بند ہوگئی تھی۔ حضرتؒ نے ہنس کر فرمایا کہ "لالہ! اب تو وُہ چلے گئے ہیں۔ اَب تو آنکھیں کھولو۔" تب وُہ اُٹھے اور پھر کبھی ساتھ جانے کی جرأت نہ کی۔

کڑوا کنواں میٹھا ہوگیا

جناب سیّد صدیق شاہ صاحب (مانگووال تحصیل خوشاب) نے حضرتؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ گاؤں میں بہت سا روپیہ خرچ کر کے کنواں کھدوایا گیا ہے جس کا پانی سخت کڑوا نکلا ہے۔ پانی کی بڑی تکلیف ہے۔ بہت دُور ایک پہاڑی چشمہ سے پانی لاتے ہیں۔ حضرتؒ نے کچھ پانی دم کر کے دیا جس کے ڈالنے سے کنواں میٹھا ہوگیا اور آج تک اِستعمال ہو رہا ہے۔

خود لنگر کے کنوئیں میں پانی ختم ہوگیا تھا۔ کھدائی پر پتھر ہی پتھر نکلتے تھے۔ جب مستری نے مایُوسی کا اظہار کیا تو دُعا فرمائی۔ اگلی صبح مزید کھدائی کے بغیر پانی بھر آیا اور آج تک خشک نہیں ہوا۔

ایک مُرید کو اٹھارہ بیس سال پہلے زمین ملنے کی بشارت

میاں محمد سعید صاحب قریشی دارو غہ جیل (تحصیل خوشاب) حاضر ہوئے۔ حضرتؒ کے عالمِ اِستغراق کا زمانہ تھا زائرین کچھ دیر خاموش بیٹھ کر اُٹھ جاتے تھے۔ حضورؒ نے اچانک مولوی محبوب عالم صاحب سے پُوچھا کہ تمہارے پاس کون بیٹھا ہے۔ تعارف کرانے پر فرمایا میں دیکھتا ہوں کہ اِسے کچھ زمین ملی ہے جس سے پانی نکل رہا ہے۔ قریشی صاحب کہتے ہیں میں نے خیال کیا کہ میری تھل کی چند کنال زمین سے پانی نکلنے کا کیا سوال ہے۔ اِس پر حضرتؒ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ میں سچ کہتا ہُوں تمہیں بہت سی زمین ملی ہے جس کے اندر سے پانی اُوپر کو نکل رہا ہے۔ اِس فرمان کے اٹھارہ بیس سال بعد پاکستان میں ریٹائر ہونے پر مجھے ضلع منٹگمری (ساہیوال) میں ٹیوب ویل سکیم میں سات مربعوں کے قریب اراضی حاصل ہُوئی جو اَب میری ملکیت ہے اور اس کے اندر سے واقعی پانی نکل رہا ہے۔

ایک زبان بند لڑکے کی فوری گویائی

پشاور میں حضرت کے سامنے ایک چودہ سالہ لڑکا پیش ہوا جس کے والد نے عرض کیا کہ آج چھ مہینے ہُوئے یہ ایک وادی میں بکریاں چرانے گیا تھا۔ واپس آیا تو زبان بند تھی، آج تک بات نہیں کر سکا۔ حضرتؒ نے لڑکے سے فرمایا "لڑکے کیا تمہارا باپ ٹھیک کہہ رہا ہے؟" اُس نے فوراً جواب دیا کہ "جی ہاں، میرا باپ ٹھیک کہہ رہا ہے۔" فرمایا "اب بات کیا کرنا۔" اِس کے بعد اُس کی حالت درُست ہو گئی۔

تالیفِ قلوب کا وظیفہ

جناب پیر ولایت شاہ صاحب نوشہروی نے اپنے قصبہ (نوشہرہ تحصیل خوشاب) کے حاجی محمد اولیا زرگر کو شاہ پُور کے مقام پر پیش کر کے عرض کیا کہ اِسے اپنے چند دُشمن رشتہ داروں سے قتل کا سخت اندیشہ ہے۔ فرمایا سُورۃ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ گیارہ مرتبہ اوّل آخر بائیس مرتبہ دُرُود شریف بائیس روز پڑھے۔ اِس عمل کے چودھویں روز دُشمن فریق وفد لے کر صلح کرنے آئے۔ اور حاجی صاحب کے لڑکے سے اپنی لڑکی کا رِشتہ کر دیا۔

ٹُوٹے ہُوئے رِشتے جوڑ دینا

سیّد احمد شاہ صاحب (پنڈ براچہ داخلی جھنگی سیّداں) بیان کرتے ہیں کہ میرے خُسر نے اپنی لڑکی کی نسبت مجھ سے توڑ کر ایک فوجی صُوبیدار کے ساتھ کر دی تھی۔ اِس پر ہمارے گاؤں کے اِمام مسجد جو حضرت قبلہ عالم گولڑہ شریف قدس سرّہٗ کے مُرید تھے افسوس ظاہر کرنے کے لیے آئے اور والد صاحب سے کہنے لگے "احمد شاہ کو میرے ساتھ گولڑہ شریف بھیجو۔ اگر حضرتؒ متوجہ ہو گئے تو سمجھو ابھی کچھ نہیں بگڑا۔" ہمارا خاندان شیعہ عقائد اختیار کر چکا تھا۔ اور اس سے پہلے حضرتؒ کے ساتھ کوئی راہ و رسم نہ تھی۔ مگر والد صاحب نے مجھے مولوی صاحب کے ساتھ بھیج دیا۔ حضرت قبلہ عالم قدس سرّہٗ مولوی صاحب سے واقعات سُن کر خاموش رہے اور ہم دونوں نے خیال کیا کہ آپؒ متوجہ نہیں ہُوئے۔ جب مجلس برخاست ہوئی اور سب لوگ باہر جانے لگے تو حضرتؒ نے مجھے روک لیا، اپنے دستِ مُبارک سے ایک تعویذ لکھ کر دیا اور فرمایا اسے پہن لو۔ ہم عصر کے قریب گاؤں میں

واپس آئے۔ شام کے وقت معلوم ہوا کہ میرے خسر اور صوبیدار کے درمیان سخت اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔ کچھ دیر بعد ایک عزیز نے آکر کہا کہ جلدی کرو منگنی کے واپس کیے ہوئے زیور اور کپڑے لے چلو، صوبیدار کو جواب مل گیا ہے۔ چنانچہ عشا کے قریب دوبارہ منگنی کی گئی اور چند روز بعد شادی ہو گئی۔ اس واقعہ کے بعد اگلی ہی صبح میں اور میرا والد حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کی بیعت میں داخل ہو گئے اور اس طرح بزرگوں کے صحیح مسلک کا ٹوٹا ہوا رشتہ بھی جڑ گیا۔

ایک زائر کی حکماً واپسی کی حکمت

حافظ غلام حسین صاحب (علاقہ روات) بیان کرتے تھے کہ میں ایک دفعہ چودہ پندرہ میل کا سفر پیدل طے کر کے شام کے بعد گولڑہ شریف پہنچ کر قدمبوس ہوا تو حضرتؒ نے دعا فرما کر ارشاد کیا کہ "حافظ صاحب آپ کو اجازت ہے ابھی واپس چلے جایئے"۔ میں حیران ہو کر اسی طرح پیدل واپس چل پڑا۔ آدھی رات کے وقت راستے میں گھر سے ایک آدمی آتا ہوا ملا جو میرے لیے یہ پیغام لا رہا تھا کہ والد قریب المرگ ہیں۔ چنانچہ میرے گھر پہنچنے کے تھوڑی دیر بعد اُن کا انتقال ہو گیا۔

ایسا ہی ایک واقعہ حضرت بابوجی مدظلہ العالی کے ایک ارادت مند محمد اقبال صاحب سکنہ میرا بادیہ کے ساتھ پیش آیا۔ وہ آپ کے ساتھ کراچی گئے تھے جہاں اگلے ہی روز حضرت بابوجی صاحب نے اصرار کر کے واپس بھیج دیا۔ ان کے واپس پہنچتے ہی اُن کے والد نے وفات پائی۔

اپنا بچا ہوا پانی پلا کر نمازی بنا دیا

ملک خدا بخش صاحب ٹوانہ کا بیان ہے کہ انگریزی تعلیم اور انگریزوں کی ملازمت کا مجھ پر یہ اثر ہو گیا تھا کہ نماز کی پابندی بالکل جاتی رہی۔ ایک مرتبہ حضرتؒ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا تو آپ نے پینے کے لیے پانی منگوایا۔ دو گھونٹ خود نوش فرما کر باقی مجھے پلا دیا۔ اُس کا اثر یہ ہوا کہ پھر نماز کبھی نہیں چھوٹی۔

الغرض بے نماز، بے عمل اور بے ریش فیشن زدگان کے حق میں آب نوش کردہ اور پس خوردہ، تریاق اور دامِ الفت کا کام دیتے تھے، نظرِ مبارک وعظ کہتی تھی اور محبت اپنا کر راہِ راست پر لے آتی۔ کبھی شاذ ہی زبانِ مبارک سے یہ فرمانے کی ضرورت پیش آئی کہ ایسا کیوں کرتے ہو اور ایسا کیوں نہیں کرتے۔ جو شخص قریب آیا اور کچھ وقت قریب رہا۔ جس نے بیعت کی اور پھر گاہے گاہے خدمت میں حاضر ہوتا رہا وہ اسی رنگ میں رنگا گیا۔ اخلاص، محبت، استغنا اور دل کی تونگری میں وہ اثر تھا کہ جس نے آپ کے ہاتھ میں ہاتھ دیا متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا، بلکہ آپؒ کی مجلس میں پہنچ کر خدا یاد آتا تھا اور دنیا بھول جاتی تھی۔

حضرت شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیر کامل کے نشان گنوا کر فرماتے ہیں۔ "اے مُرید! اگر تجھے ان نشانات کی شناخت میں دقت واقع ہو تو سُن لے کہ جس شخص کے حضور میں پہنچ کر تجھے دنیا کا خیال بھول جائے اور خدا یاد آنے لگے وہی کامل ہے۔ حضرت شیخ کے اس ارشاد کا ماخذ وہ ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے جو مقبولانِ خدا کی شان میں فرمایا کہ اذا رؤ ذکر اللہ (جب ان پر نظر پڑتی ہے خدا یاد آتا ہے)۔ حضرتؒ کی مجلس میں پہنچ کر مثنوی شریف کے اس شعر کا مفہوم دل پر نقش ہو جاتا تھا ؎

یک زمانہ صحبتے با اولیاء

بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

نجیبُ الطّرفین سیادت کا اِمتحان

کھروڑپکا ضلع مُلتان کے فقیر دوست ذیلدار ملک پیربخش خان صاحب کا نجو اُچ شریف کے آستانہ سے متعلق تھے بیان کرتے تھے کہ ہم اُچ شریف کے سادات کے مُریدوں میں مُدت سے دُوسرے مشائخ کے دعویٰ سیادت کی تحقیق کا خبط چلا آ رہا تھا۔ جب حضرت قبلۂ عالم پیر صاحب گولڑہ شریف قدس سرہٗ کی شہرت ہمارے وطن میں پہنچی تو ایک بار حضرت مخدوم صدرالدین شاہ صاحب گیلانی سجادہ نشین درگاہ حضرت مُوسیٰ پاک شہید صاحب رحمۃ اللہ علیہ مُلتان شریف نے مجھ سے ذکر فرمایا کہ جناب پیر صاحب گولڑوی رزّاقی گیلانی سیّد ہیں۔ پھر میرے اپنے شیخ حضرت مخدوم اللہ بخش صاحب گیلانی ایک مرتبہ گولڑہ شریف گئے اور واپسی پر حضرت پیر صاحب کے کمالات کا تذکرہ فرماتے رہے۔ چنانچہ آپ کی سیادت کے بارے میں تسلی ہونے کے بعد مجھے اپنے بزرگوں کی اس کہاوت کو آپ پر آزمانے کا خیال پیدا ہوا کہ صحیح النّسب اور نجیبُ الطّرفین سیّد کی پُشت پر دُرود شریف پڑھ کر پھُونک دیا جائے تو وُہ مُنہ پھیرنے پر مجبُور ہو جاتا ہے۔ ایک بار اطّلاع مِلی کہ پیر صاحب پاک پتن شریف کے عُرس پر آئے ہُوئے ہیں۔ مَیں کھروڑ سے ریل پر سوار ہو کر وہاں پہنچ گیا اور کوشش کر کے ظہر کی نماز کے وقت آپ سے پچھلی صف میں جگہ لے لی۔ جب آپ نماز سے فارغ ہو کر چلے تو اِس جمِ غفیر میں آہستہ سے دُرود شریف پڑھ کر آپ کی پُشت مُبارک پر پھُونک دیا۔ جس کے ساتھ ہی آپ مُڑ کر کھڑے ہو گئے اور غور سے میری طرف دیکھنے لگے۔ مَیں نے شرمندہ اور خوفزدہ ہو کر گردن جُھکا دی اور سلام کے لیے ماتھے پر ہاتھ رکھ لیے اور اُس وقت تک سر نہ اُٹھایا جب تک آپ پھر چل نہ پڑے۔ اِسی شرم اور رُعب کی وجہ سے میں حاضر نہ ہوا اور پہلی گاڑی سے واپس آ گیا۔

مایُوس اور جاں بلب مریضوں کا احیاء

سلُوک کے تمام تذکرے اولیائے کاملین سے احیائے موتیٰ کے تصرّف کو روا رکھتے ہیں۔ اِن سے واضح ہوتا ہے کہ انبیاء اللہ علیہم السّلام کے مُعجزات میں تو ایسے لوگ زندہ ہوتے رہے ہیں جن کی موت پر ایک زمانہ گذر چکا ہوتا تھا۔ اور اولیاء اللہ رحمہمُ اللہ کی کرامات سے تازہ مرنے والے یا عالمِ نزع کے مریض باذن اللہ جی اُٹھتے رہے ہیں۔ اِس صنف میں حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی بعض کرامات کو مُستثنیات میں شمار کیا جاتا ہے۔ ہمارے حضرت کی برکت سے مایُوس مریضوں کے شفایاب ہونے کے تو بے شمار واقعات رُونما ہُوئے ہیں لیکن نزع کے عالم میں جب کہ موت کے فرشتے بھی نظر آنے لگ گئے تھے زندگی پا لینے کے بعض مصدّقہ واقعات کی بھی خبر مِلتی ہے۔ جن میں سے چند یہاں نقل کیے جاتے ہیں :-

خان بہادر مولوی شیر محمد صاحب کا واقعہ

خان بہادر مولوی شیر محمد صاحب لاہوری کی موت اور سوال و جواب کے بعد زندہ ہو جانے کا واقعہ جو باب "جذب و سیاحت" میں مذکور ہوا ہے، اگرچہ براہِ راست حضُور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے معجزات کی سلک میں آتا ہے لیکن بوجہ اُن کے حضرت کے ایک مقبول مُرید اور دیرینہ خادم ہونے کے یہ آنجناب کی دُعا اور توجہ ہی کا ثمرہ تھا۔ ظاہر ہے کہ اولیاء اللہ کے تمام تصرّفات اور کرامات کا مدار اور مرکز اور معدن وُہی ذاتِ کریم علیہ الصّلوٰۃ والتّسلیم ہی تو ہے جس کے (صلی اللہ علیہ وسلّم) معجزات خود اللہ تعالیٰ

کے افعال شمار کیے جاتے ہیں۔

حافظ نور محمدؒ صاحب قوّال کو نئی زندگی ملنے کا واقعہ

اِس سلسلہ میں ایک اور واقعہ حضرتؒ کے مقبول قوّال حافظ نُور محمد کی نئی زندگی پانے کا ہے۔ حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کے وصال کے دو برس بعد حافظ صاحب اپنے گاؤں لاوا ضلع میانوالی میں ڈبل نمونیہ میں مُبتلا ہوئے اور ڈاکٹر نے مایُوسی کا اظہار کر دیا۔ اِن کا بیٹا خادم حسین باپ کا سر گود میں لیے بیٹھا تھا کہ پچھلی رات سخت بے چینی اور کرب کی حالت میں مریض پر غنودگی طاری ہوگئی اور تھوڑی دیر بعد وُہ اچانک یہ شعر گنگنانے لگے ؎

آتشِ شوقِ بُتاں در دل و جانم باقی ست
اَے اجل باش کہ با یار بیانم باقی ست

(یعنی مجازی محبت کی آگ ابھی میرے دِل وجان میں موجُود ہے۔ اَے اجل رُک جا کہ مجھے اپنے دوست سے کچھ کہنا ہے)

بیٹے نے متعجب ہوکر سبب دریافت کیا تو کہا "ابھی حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ تشریف لائے تھے۔ فرمایا۔ حافظ آنا چاہتے ہو یا ابھی رہنے کا اِرادہ ہے؟ میں نے عرض کیا۔ خادم اور عبدالرحمٰن کا بیاہ کر چکا ہوں مگر فرید کے بیاہنے کی حسرت باقی ہے۔ فرمایا یہ شعر پڑھو۔ اور جب میں نے پڑھا تو آنکھ کھل گئی"۔

جب صُبح ڈاکٹر نے معائنہ کیا تو دونوں پھیپھڑے صاف تھے۔ حافظ سات برس اور زندہ رہا۔ اور اپنے تیسرے بیٹے غُلام فرید کے دو بچے دیکھ کر فوت ہُوا۔

پشاور میں مریضہ کو گولڑہ شریف سے دمِ شفا

میاں فضل الٰہی صاحب سیٹھی (پشاور) کی اہلیہ بیمار ہوکر لاعلاج قرار دی گئیں۔ ہزار ہا رُوپے صرف ہُوئے۔ ڈاکٹروں کا بورڈ بٹھایا گیا۔ اور اُنہوں نے فیصلہ دیا کہ زندگی کی کوئی اُمّید نہیں۔ حضرت بابُوجی مدظلہ العالی کو خط لکھا کہ مریضہ کو گولڑہ شریف لا رہا ہُوں تاکہ اُسے اِسی خاکِ پاک کی قبر نصیب ہو۔ حضرتؒ نے خط سُن کر فرمایا "فضل الٰہی کو تار دے کر منع کرو"۔ پھر فرمایا "شاید تار دیر سے پہنچے"۔ فقیر عبداللہ صاحب کو روانہ فرما کر ہدایت کی کہ مریضہ کی چارپائی اپنے ماموں کریم بخش صاحب سیٹھی مرحوم کے گھر اُس کمرہ میں جہاں حضرتؒ پشاور جانے پر قیام فرمایا کرتے تھے نو سے ساڑھے نو بجے صبح اور نو سے ساڑھے نو بجے شام رکھ دیا کریں آپ یہیں سے دم کر دیا کریں گے۔ چند روز ایسا ہی کیا گیا اور مریضہ کُلّی طور پر شفایاب ہوگئی۔ میاں فضل الٰہی صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک روز گھڑی پر ساڑھے نو بجے، تو میں نے مریضہ کو جو غنودگی کے عالم میں تھی ہاتھ سے چھُو کر کہا کہ وقت ہوگیا ہے اَب چلیں۔ تو اُس نے کہا کہ اِس وقت حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ میرے پاس بیٹھے ہُوئے دم فرما رہے تھے آپ نے ناحق مجھے جگا دیا۔

جاں بلب مریض کا شفا پانا

ملک غُدام صمدانی صاحب ٹوانہ ایک مُہلک مرض میں مُبتلا ہُوئے جس میں حلق اور ناک سے بے تحاشا خُون جاری ہوگیا اپنے گاؤں سے میو ہسپتال لاہور پہنچائے گئے۔ جہاں میڈیکل افسر نے لاعلاج قرار دیا۔ اِن کے عزیز کپتان ملک

محمد صادق صاحب اِن امراض کے ایک ماہر ڈاکٹر کو وہاں لے گئے۔ اُس نے کہا حالت خطرناک ہے مریض کو میرے کلینک میں لے چلو۔ خُون کثرت سے بہہ رہا تھا اور اِنتہائی ضُعف کی حالت تھی لیکن اچانک مریض نے آنکھیں کھول دیں اور ہاتھ سے اشارہ کیا کہ سامنے سے ہٹ جاؤ، کمرہ کے دروازہ کی طرف دونوں ہاتھ پیشانی پر رکھ کر سلام کیا۔ پھر ایک جھرجھری لے کر اُٹھ بیٹھے۔ خُون اُسی لمحے بند ہو گیا۔ اور ضُعف اِس حد تک جاتا رہا کہ باتیں کرنے لگے۔ کہا۔ میرا معالج پہنچ گیا ہے۔ اَب کسی اور علاج کی ضرورت نہیں۔ اور بیان کیا کہ حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ تشریف لائے تھے۔ دروازہ میں کھڑے ہو کر دریافت فرمایا" او ئے! تدھاں کے ہو گیا؟" (تمہیں کیا ہو گیا ہے؟) مَیں نے سلام کیا تو ہاتھ اُٹھا کر دُعا فرمائی اور ہاتھ سے اشارہ فرمایا۔ گویا کہہ رہے ہیں کہ یہاں سے چلے چلو۔ اور پھر میری نظروں سے غائب ہو گئے۔ یہ حضرتؒ کے وصال سے تیئیس برس بعد ۱۹۶۰ء کا واقعہ ہے۔

نزع کے عالم میں احیا کا ایک کتابی واقعہ

ملک غلام صمدانی کے عم زاد بھائی ملک محمد خدا بخش صاحب ٹوانہ نے رسالہ "نُورِ اسلام" شرق پُور شریف میں حضرتؒ کی اس طرح کی کرامت کا ایک بر خود آزمُودہ واقعہ اِس طرح رقم کیا ہے:-

۱۹۴۳ء میں میری اہلیہ ایک شدید بیماری میں مُبتلا ہو کر لیڈی اِروِن ہسپتال کے پرائیویٹ وارڈ میں داخل ہُوئی اور ایک ہفتہ کے اندر مایُوسانہ حالت کو پہنچ گئی۔ سردی کا موسم تھا۔ اُس کی والدہ چار بجے رات گھر آئیں اور کہا ڈاکٹروں نے جواب دے دیا ہے۔ آخری وقت ہے بچّوں کو لے چلو۔ اِنہیں دیکھنے کی حسرت دِل میں نہ رہ جائے۔ جب میں پہنچا تو اُس پر نزع کی سی کیفیت تھی۔ تین چھوٹے بچے مجھ سے پہلے پہنچ کر بستر سے لگے بیٹھے تھے۔ اِتفاق سے میرا مُنہ گولڑہ شریف کی طرف تھا۔ حضرتؒ کا تصور آیا اور میں نے کہا۔" الٰہی! ہم تیرے ولی کے دامن گرفتہ ہیں، اُس کا صدقہ رحم فرما"۔ کوئی دو منٹ بعد مریضہ نے آنکھیں کھول دیں۔ مجھے پہچانا اور اشارہ سے قریب بُلا کر نحیف آواز میں کہا۔" مجھے ابھی اپنے پیر کی زیارت ہُوئی ہے اور کہا گیا ہے کہ تم اِس مرض سے نہیں مروگی، زیادہ بات نہیں کر سکتی پھر بتاؤں گی"۔ بعد میں بتایا کہ" دو شخص آئے اور مجھے اپنی گرفت میں لے لیا جس سے بڑی گھبراہٹ پیدا ہُوئی۔ اِتنے میں دیکھا کہ حضرت صاحبؒ سامنے کھڑے ہیں۔ مَیں نے اُن دونوں سے کہا کہ اگر مجھ سے کوئی نیکی اپنی عمر میں ہُوئی ہے تو اُس کے بدلے اپنے پیر سے بات کر لینے دو۔ اُنھوں نے مجھے چھوڑ دیا۔ میں نے حضرتؒ کا دامن پکڑ لیا اور کہا میں آپ کی مُریدہ ہُوں، میری مدد فرمائیے۔ حضرتؒ صاحب اُس وقت مغموم معلوم ہوتے تھے اور خاموش رہے۔ مگر اُن میں سے ایک شخص نے کہا۔ دیکھو تمہارے مُرشد کو تم لوگوں کی وجہ سے کتنی تکلیف ہو رہی ہے۔ جاؤ اور ہوش کرو تم اِس بیماری میں نہیں مروگی"۔

حضرتؒ کے وصال کو اُس وقت پانچ برس ہو چکے تھے۔ مجھے آپؒ کے اِس غم و حُزن کی بات سے اُس شفقتِ بے پایاں کے پے در پے واقعات یاد آنے لگے جو آپؒ اپنے مِلنے والوں کے حال پر فرماتے تھے۔ کسی ایک شخص کی مُصیبت پر مطلع ہوتے تو بار بار آہِ سرد مُنہ سے نکل جاتی۔ وُہ شفقت اور رحمت جو آپؒ کو "عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ" کے موصُوف صلی اللہ علیہ وسلم سے ورثے میں ملی تھی جن کی شان ہے کہ ؎

دو عالم بہ کاکل گرفتار داری — بہ ہر مو ہزاراں سیہ کار داری

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ وَّارْحَمْ مُحَمَّدًا وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ بِقَدْرِ رَحْمَتِھِمْ وَشَفْقَتِھِمْ عَلٰی خَلْقِکَ "

اس کتابی واقعہ کے مطالعہ سے درد گردہ کے ایک مریض کی فوری شفایابی

ملک محمد صادق خان صاحب ٹوانہ بیان کرتے ہیں کہ میں درد گردہ کی مرض میں مبتلا ہو گیا تھا جو بعض اوقات بڑی تکلیف دہ صورت اختیار کر لیتی تھی ۱۹۶۴ء میں ایک روز ملک خدا بخش صاحب کا وہ مقالہ پڑھ رہا تھا جس میں اُن کی اہلیہ کی معجزنما شفایابی کا ذکر ہے۔ میں نے کہا "یا الٰہی میں بھی آپ کے اُسی ولی اللہ کا دامن گرفتہ ہوں۔ مجھے بھی اُن کا صدقہ اِس دردناک مرض سے شفا عطا فرمائیے۔" اور یہ کہہ کر مجھ پر رقت طاری ہو گئی۔ چند منٹ بعد مجھے پیشاب کی حاجت ہوئی جس میں ایک بڑی سی پتھری خود بخود بغیر کسی تکلیف کے باہر نکل گئی اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے میں بکلّی شفایاب ہو گیا۔

اولیاء اللہ کی کرامات کا سلسلہ موت سے منقطع نہیں ہوتا بلکہ بڑھ جاتا ہے

واضح ہو کہ علمائے محققین کے نزدیک اولیائے کرام کی کرامات کا سلسلہ موت سے منقطع نہیں ہوتا بلکہ بعد وصال انہیں روحانی تصرف اور زیادہ حاصل ہو جاتا ہے۔ اِس موضوع پر حضرت شیخ الاسلام شہاب الدین احمدؒ کا رسالہ "نفحات القرب والاتصال باثبات التصرف لاولیاء اللہ تعالیٰ والکرامۃ بعد الانتقال" قابل دید ہے۔

موت کے وقت مریدوں کی دستگیری

ملک سلطان محمود خان صاحب ٹوانہ فرمایا کرتے تھے کہ اِس قسم کے بیسیوں خط حضور کی ڈاک میں موصول ہوا کرتے تھے جن میں آپؒ کے مرحوم مریدوں کے ورثا نے لکھا کہ موت کے وقت مرحومین نے ہاتھ اُٹھا کر سلام کیا اور اپنے حسب استطاعت عزیزوں سے چارپائی یا کرسی لانے کو کہا کہ میرے حضرتؒ تشریف لائے ہیں۔ اِن واقعات سے علم سلوک کے اُس مسئلہ کی تائید ہوتی ہے جس میں آیا ہے کہ نزع کے وقت مرید صادق کو پیر کامل کی مدد پہنچتی ہے۔ خود راقم الحروف نے اپنے والد صاحب مرحوم کو بوقتِ وفات بار بار کہتے سُنا کہ "دیکھو حضرت صاحبؒ تشریف فرما ہیں"۔

حضرت بابوجی مدظلہ العالی کی علالت اور شفایابی

خود حضرت بابوجی صاحب قبلہ مدظلہ العالی کی علالت کا واقعہ مشہور ہے کہ بیماری شدت پکڑ رہی تھی اور قبلۂ عالم قدس سرہٗ کی طبع مبارک پر تشویش کے مطلق کوئی آثار نہ تھے۔ درس و تدریس اور ارشاد و اشغال میں وہی انہماک تھا۔ بلکہ یوں معلوم ہوتا تھا۔ جیسے اپنے اکلوتے صاحبزادے اور اس دربارِ غوثیہ اور خاندانِ عالیہ کے اکیلے چشم و چراغ وارث کی اِس خطرناک حالت کی طرف بالکل توجہ ہی نہیں۔ خدام رو رو کر عرض کرتے تو فرما دیتے تھے کہ علاج کراؤ۔ کسی اور بڑے طبیب کو بُلوا لو۔ آخر ایک روز ڈاکٹروں نے کہہ دیا کہ اب دوا کی نہیں دُعا کی ضرورت ہے۔ گھر سے مخدرات عالیہ آ کر رو رو کر وداع کر گئیں۔ بابوجی صاحب قدیم مہمان سرائے

میں باغ کے سامنے والے کمرے میں صاحبِ فراش تھے۔ اچانک ہوش میں آکر پیغام بھجوایا کہ تشریف لاکر مجھے آخری وقت بیعت فرما جایئے۔ تشریف لائے اور بیعت فرمایا۔ اُسی وقت اِن پر نزع کے سے آثار طاری ہوگئے اور حاضرین میں کہرام مچ گیا۔ حضرتؒ اس حالت میں اُٹھ کھڑے ہُوئے اور اکیلے اپنے حجرۂ شریف میں تشریف لے گئے۔ کہتے ہیں کہ اُدھر آپؒ حجرہ شریف میں پہنچے اِدھر بابُوجی صاحب قبلہ اُٹھ کر بیٹھ گئے اور دو آدمیوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر حجرہ شریف میں حاضر ہُوئے اور قدمبوسی کی۔

اِطّلاع بر غیب اور اِس قبیل کے بعض واقعات

کراماتِ حِسیہ کی یُوں تو کئی اقسام ہیں لیکن ان میں امُورِ غیب پر باِذنِ الٰہی مطلع ہوجانا ایک خصُوصی اہمیت رکھتا ہے۔ اور پھر کسی کے دِل میں پوشیدہ بات کو معلوم کرلینا اور بھی زیادہ اہم ہے۔ کیونکہ جس چیز کا عالمِ شہادت میں ابھی تک ظہُور نہیں ہُوا اُس پر مطلع ہونا نسبتہً زیادہ مشکل ہے۔ گو یہ چیزیں بعض علُومِ لطیفہ کے ذریعے بھی حاصل ہوجاتی ہیں مگر اولیائے کرام کے اِلہامی اور کشفی علوم اور علُومِ لطیفہ کے ذریعے حاصل کردہ امُور میں کافی فرق ہے۔ کیونکہ ولیِ کامل کی صفاتِ کاملہ علم، سمع، بصر، حسبِ حدیثِ قُدسی بِی یَسْمَعُ وَبِی یُبْصِرُ ایک خصُوصی شان کی حامل ہوتی ہیں جس پر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا یہ اِرشاد شہادت دے رہا ہے اِتَّقُوْا فِرَاسَۃَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّہٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰہِ۔ (مومنِ کامل کی فراست سے ڈرتے رہو کیونکہ وُہ خُدا تعالیٰ کے نُور سے دیکھتا ہے) اِس سلسلہ میں حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کے متوسّلین سے کئی واقعات منقُول ہیں جن میں سے چند ایک ایسے واقعات ذِکر کیے جاتے ہیں جو راقم الحرُوف نے قبلہ بابُوجی مدظلّہ العالی اور اپنے والد مرحُوم سے بارہا سُنے۔

مقبُولانِ خُدا کے آثار کی تعظیم مگر اولاد سے تغافل

قبلہ بابُوجی فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک ہندوستانی شخص حضرت گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی شہرتِ فقر و ولایت سے متاثّر ہوکر اِس خیال سے پاک پتن شریف حاضر ہُوا کہ آپ کے سجّادہ نشین سے بیعت کروں گا لیکن وہاں پہنچ کر دِل میں صاحبِ سجادہ حضرت دیوان صاحب پر معترض ہوکر حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ آپؒ نے اس شخص کو دیکھ کر مجلس میں اِرشاد فرمایا کہ تعجب ہے بعض لوگ حضرات مقبُولانِ خُدا کی محبت اور تعظیم میں اُن کے مشاہد و مقابر اور آثار و تبرکات کا تو اِحترام کرتے ہیں مگر اُن کی اولاد کا اِحترام نہیں کرتے جن کے رگ و ریشہ میں ان حضرات کا خُون جاری و ساری ہے۔ حالانکہ ایک مجازی مُحبّ مجنوں، لیلیٰ کے نام کی نسبت سے لیل یعنی رات اور ہر سیاہ چیز سے محبّت کرتے ہُوئے کہتا ہے ؎

أُحِبُّ لِحُبِّهَا السُّوْدَانَ حَتّٰی

أُحِبُّ لِحُبِّهَا السُّوْدَ الْكِلَابَ

یعنی میں لیلیٰ کی محبّت کی وجہ سے ہر سیاہ چیز کو دوست رکھتا ہُوں یہاں تک کہ اس کی محبت میں مجھے کالے کُتے بھی پیارے لگتے ہیں۔

یہ سُن کر وُہ شخص نادم ہُوا اور اپنی غلطی کا برملا اعتراف کیا۔ اِس سلسلہ کا ایک اور واقعہ جس میں دیوان صاحب پاک پتن شریف کے مافی الضمیر پر مطلع ہوکر حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ نے آپ کے شبہ کا ازالہ فرمایا تفصیلاً باب پنجم میں گذر چکا ہے۔

اِرادتمند کے ضمیر پر مطلع ہو کر اُس کی پسند کے سلسلۂ طریقت میں بیعت فرمایا

والدِ مرحوم فرماتے تھے کہ "ہمارے اسلاف جو شمالی سندھ کے بلوچ قبائل سے تھے، گھوٹکی ضلع سکھر کے ایک گیلانی بزرگ حضرت مخدوم مُوسیٰ شاہ صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ کے اِرادتمند تھے جو حضرت سُلطان العارفین باہُو رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے اس لیے مجھے ابتدا ہی سے سلسلۂ قادریہ میں بیعت ہونے کا شوق تھا متعدد خانقاہوں پر حاضری دی مگر کہیں اطمینان نہ ہوا۔ ایک دفعہ ایک خلوت نشین صد سالہ معمر بزرگ بابا نور صاحب قادری کی خدمت میں حاضر ہوا جو ڈیرہ اسمٰعیل خان سے شمال کی طرف ایک قصبہ خسُور میں رہتے تھے اور بڑے صاحبِ کشف مشہور تھے۔ اُنہوں نے فرمایا ابھی کچھ وقت باقی ہے خاطر جمع رکھو تمہیں ایک گیلانی بزرگ سے سلسلۂ قادریہ میں بیعت کا شرف حاصل ہو گا جو اپنے وقت کا غوث ہو گا۔" بابا صاحب کی اس پیش گوئی نے میرے شوق کو اور بھی تیز کر دیا کچھ عرصہ بعد جب میرے چھوٹے بھائی حافظ اللہ بخش صاحب قصبہ گھوٹہ ضلع مُلتان میں بغرضِ تعلیم مولانا غلام محمد صاحب گھوٹوی کے درس میں داخل ہُوئے تو میری آمدورفت بھی اُدھر زیادہ ہونے لگی اِس اثنا میں حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کا ذکرِ خیر بکثرت سُننے میں آتا۔ اور آپ کی طرف دِل کھنچنے لگا چنانچہ ایک مرتبہ میں اُس علاقہ میں تھا کہ حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ خان گڑھ تشریف لائے اور مجھے پہلی بار شرفِ زیارت حاصل ہوا۔ لوگوں کا بڑا ہجوم تھا جوق در جوق بیعت ہو رہے تھے۔ میں نے بھی بیعت ہونے کی درخواست کی تو فرمایا۔ ٹھہرو کل ملنا۔ مجھے آپ کے اِس اِرشاد کے بعد سخت پریشانی ہُوئی خصُوصاً جب یہ معلوم ہُوا کہ آپ سلسلۂ چشتیہ کے بزرگ حضرت اعلیٰ سیالوی رحمۃ اللہ علیہ سے مجاز ہیں تو اور بھی زیادہ فکر دامنگیر ہُوئی کہ شاید میری منزل حسبِ پیش گوئی مذکورہ بالا ابھی دُور ہے۔ دُوسرے دِن حاضر ہُوا تو خُود ہی فرمانے لگے، تمہارے اِسلاف سلسلۂ عالیہ قادریہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ مجھے اپنے مشائخ کرام سے سلسلۂ چشتیہ اور قادریہ ہر دو میں بیعت کرنے کی اجازت ہے تمہیں سلسلۂ عالیہ قادریہ میں بیعت کیا جائے گا۔ پھر نہایت شفقت سے بیعت فرما کر اَوراد و وظائف تلقین فرمائے۔ جب گھر واپس آیا تو اپنے والد حافظ غلام اِسحٰق صاحب سے ذِکر کیا۔ چُونکہ اُنہیں حضُور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذاتِ والاصفات سے نہایت محبت تھی، یہ سُن کر بہت خُوش ہُوئے اور فرمایا خُدا کرے کبھی مجھے بھی حضرتؒ کی زیارت نصیب ہو۔ چُنانچہ ایک دفعہ جب پاک پتن شریف سے واپسی پر حضرت بھکر سے گذرے تو والد صاحب اسٹیشن پر آپؒ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ جس کے بعد بارہا فرمایا کرتے تھے کہ "حافظ تمہارے پیر صاحبؒ کے متعلق جس طرح سُنا اُس سے بدرجہا زیادہ پایا۔ اَولیاء اللہ میں ایسے مقتدر حضرات بہت کم ہوتے ہیں۔ یہ صحیح معنوں میں حضُور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جانشین ہیں۔" راقم کے خاندان کے مورثِ اعلیٰ اعلیٰ حضرت میاں محمود قادریؒ اور دیگر اسلاف کا ذِکر کتاب مناقبِ سُلطانی میں بھی آچکا ہے۔

قُطبُ الوقت کے اَوصاف کا بیان اور اُس کا مشاہدہ

والدِ مرحوم فرماتے تھے "ایک سال پاک پتن شریف سے واپسی پر حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کروڑ (لعل عیسن) ضلع مظفر گڑھ میں خان غُلام رسُول خان صاحب ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس کی دعوت پر تشریف فرما ہُوئے۔ مجھے بھی حاضری نصیب ہُوئی۔ مجلس میں قُطبُ الوقت کا تذکرہ فرماتے ہُوئے ارشاد فرمایا کہ لوگوں کے دِل بہ اذنِ الٰہی قُطبُ الوقت کے تصرّف میں ہوتے ہیں۔ چاہے اپنی طرف متوجہ کرے چاہے ہٹا دے میرے دل میں خیال آیا کہ آنجنابؒ سے بڑھ کر اس وقت کون اس مقام پر فائز ہو سکتا ہے کیا ہی اچھا ہو تا کہ آپؒ کی بیان کردہ علامات کا مشاہدہ ہو جاتا۔ جب روانگی کا وقت آیا تو آپؒ کی جیپ ڈاک بنگلہ سے ریلوے اسٹیشن

کو روانہ ہوئی۔ اُس وقت میرے ایک دوست اور پیر بھائی سید غلام یحییٰ شاہ صاحب جو ایک ذاکر و شاغل بزرگ تھے صُوبہ سرحد کے علاقہ سے دریائے سِندھ عبور کرکے اہلِ خانہ سمیت زیارت کے لیے حاضر ہُوئے۔ شاہ صاحب نے مجھے کہا کہ میں بڑی تکلیف اُٹھا کر اہلِ خانہ کو زیارت کے لیے لایا ہُوں حضرتؒ سے عرض کریں۔ مَیں نے کہا۔ اب تو گاڑی کا وقت قریب ہے اور لوگوں کا اژدحام اِس قدر ہے کہ جیپ کو چلنے نہیں دیتے۔ لیکن شاہ صاحب کے زیادہ اصرار پر بڑی مشکل سے آپؒ کے پاس پہنچ کر عرض کیا۔ پہلے تو آپؒ نے فرمایا کہ اب موقعہ نہیں لیکن چُونکہ آپؒ ساداتِ کرام کا خصُوصی خیال فرماتے تھے آپؒ نے تھوڑا سا تامّل فرما کر جیپ رُکوا دی۔ جُونہی آپؒ اُترے لوگ اُمنڈ آئے اور آپؒ کا چلنا دُشوار ہو گیا۔ شاہ صاحب کے اہلِ خانہ کافی فاصلہ پر تھے۔ ہم نے لوگوں کو شِدّت سے ہٹانا شروع کیا تو آپؒ نے فرمایا "کُچھ نہ کہو ٹھہر جاسن"۔ بس آپؒ کا اتنا ہی فرمانا تھا کہ جہاں بھی کوئی آدمی تھا طلسم بن کر رہ گیا۔ اور کسی کو آپؒ کے پاس پھٹکنے کی جرأت نہ ہُوئی۔ یہاں تک کہ آپؒ نے باطمینان شاہ صاحب کے اہلِ خانہ کو بیعت فرمایا اور پھر واپس آکر جیپ میں سوار ہُوئے۔ اِس اثنا میں گاڑی اسٹیشن پر پہنچ چکی تھی لیکن قدرتی طور پر کسی وجہ سے اُسے بھی رُکنا پڑا یہاں تک کہ آپؒ سوار ہُوئے اور کافی دیر بعد گاڑی روانہ ہُوئی۔ اِس حیرت انگیز واقعہ کو دیکھتے ہی مجھے یقین ہو گیا کہ حضرتؒ نے میرے خیال پر مطلع ہو کر مُشاہدہ کرا دیا۔

راقم الحرُوف کی بیعت اور اُس کے متعلّق ایک مجذُوب کی اِطلاع بر غیب

نیاز مند مؤلف جب صفر ۱۳۵۶ھ میں حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کے وصال سے چند روز پہلے بعمر ۱۶ سال پہلی بار گولڑہ شریف حاضر ہو کر آپؒ کی زیارت اور بیعت سے مشرف ہوا تو اُن دنوں والد صاحب صُوبہ سرحد کی طرف گئے ہُوئے تھے۔ میرے گولڑہ شریف سے واپس ہونے کے بعد جب گھر تشریف لائے اور میرے متعلّق گولڑہ شریف جانے کا ذکر سُنا تو فرمانے لگے۔ مَیں نے تو مجنُونانہ کلام سمجھ کر چنداں خیال نہ کیا تھا مگر بات سچّی نکلی"۔ پھر سارا واقعہ بیان فرمایا کہ "ڈیرہ اسمٰعیل خان میں ایک مجذُوب صُورت شخص نے مجھے کہا تمہیں اپنے پیر صاحب یاد کر رہے ہیں۔ مَیں نے اس کی بات پر چنداں توجہ نہ دی اور چلا گیا۔ دُوسرے روز پھر وہاں سے گذرا تو وُہ کہنے لگا تم نے میری بات نہ سُنی، تمہارا لڑکا تو پیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہو گیا ہے۔ لیکن مجھے پھر بھی یہ بات قرینِ قیاس معلوم نہ ہُوئی۔ کیونکہ تمہارے متعلّق مجھے یہ خیال بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ پہلی بار ایسے دُور دراز سفر پر اکیلے چلے جاؤ گے۔ اور نہ کوئی اور ساتھ جانے والا آدمی خیال میں تھا"۔ پھر مجھ سے سفر کی کیفیت اور گولڑہ شریف کے حالات پُوچھے۔ مَیں نے عرض کیا کہ ۲۳ صفر بروز آخری چہار شنبہ قبل دوپہر اچانک کسی کو اطلاع کیے بغیر گھر سے روانہ ہو گیا۔ قریب زوال اسٹیشن بہل سے ریل پر سوار ہو کر ۲۴ صفر بروز جمعرات صبح گولڑہ شریف حاضر ہوا۔ جب لوگ حضرتؒ کی مجلس میں جانے لگے تو مَیں بھی مجلس خانہ میں حاضر ہوا۔ دیکھا تو آپؒ چارپائی پر ایک بڑے تکیہ سے پُشت مُبارک لگا کر آرام فرما ہیں۔ اور ایک شخص قرآن شریف تلاوت کر رہا ہے۔ باقی سب مجلس خاموش ہے۔ بعد ازاں دُعا ہُوئی اور لوگ آپؒ کی زیارت کرنے لگے۔ مَیں نے حاضر ہو کر آپؒ کے پاس بیٹھے ہُوئے ایک سفید ریش شخص کو کہا مَیں بیعت ہوتا ہُوں۔ اُس نے میرا ہاتھ حضرتؒ کے سینہ مُبارک پر رکھا اور آپؒ کا مُبارک ہاتھ میرے ہاتھ پر رکھا۔ اُس وقت آپؒ نے قدرے چشم مُبارک کھول کر نظر فرمائی۔ پھر اُس شخص نے کہا اپنا ہاتھ مُنہ پر پھیر لو۔ پانچ وقت نماز پڑھتے رہنا۔ اور دس بار کلمہ شریف لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ اور دس بار دُرود شریف اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ وَسَلِّمْ صُبح کی نماز کے بعد پڑھا کرنا۔

یہ سُنتے ہی والد صاحب پر رقت طاری ہوگئی اور فرمایا سبحان اللہ میرے حضرتؒ کو اللہ تعالیٰ نے بڑی طاقت عطا فرمائی ہے۔ مجھے کئی بار تمہیں گولڑہ شریف لے جانے کا خیال ہوا مگر پورا نہ ہو سکا۔ الحمد للہ کہ آپؒ نے میری اس دلی تمنا کو پورا فرمادیا۔" پھر فرمانے لگے کہ "میرا خیال تھا کہ آج کل بعض آدمی نقلی مجذوب بن کر دُنیا کو دھوکہ دیتے ہیں مگر ڈیرہ اسمٰعیل والا شخص واقعی صاحب کشف مجذوب تھا جس دن اُس کی میرے ساتھ بات ہوئی، تمہارے بیان کے مطابق اُسی دن تمہارا گولڑہ شریف جانا ہوا۔" پھر فرمایا کہ حضرتؒ کی مجلس میں قرآن خوانی غالباً آپؒ کے پیرومرشد حضرتِ اعلیٰ سیالویؒ کے یوم وصال کے سلسلے میں ہوگی جو ۲۴ صفر کو ہوتا ہے اور وُہ سفید ریش شخص آپؒ کے مصاحب خاص مولوی محبوب عالم صاحب ہوں گے۔" اس کے چند روز بعد آں جناب ۲۹ صفر کو دارِ فانی سے انتقال فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ یہ آنجناب کی نظرِ کرم کا نتیجہ تھا کہ راقم نے جامعہ فتحیہ اچھرہ لاہور میں مولانا حافظ مہر محمد صاحب سے درسِ نظامیہ کی تکمیل کے بعد ۱۹۶۰ء سے جامعہ غوثیہ گولڑا شریف میں خطابت، تدریس اور افتاء کے فرائض سنبھالے ہیں۔

حضرتؒ جس قدر غریب نواز تھے اُسی قدر غیور بھی تھے

والد صاحب نے ایک روز فرمایا کہ ہمارے حضرتؒ جس قدر مہربان اور غریب نواز تھے اُسی قدر غیور بھی تھے۔ چنانچہ میرے ایک پیر بھائی نے جو مُراد آباد ضلع مظفر گڑھ کے رہنے والے تھے بیان کیا کہ حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کی مجھ پر بڑی مہربانی تھی۔ اور میں ذوق وشوق اور سیر وسلوک میں کافی ترقی پر تھا۔ کچھ خانگی مجبوریوں اور دُوری کی وجہ سے گولڑہ شریف کی بجائے حضرت سُلطان العارفین باہُو رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر کثرت سے آنا جانا شروع کر دیا۔ ایک دن بحالتِ مراقبہ کیا دیکھتا ہُوں کہ حضرت سُلطان صاحبؒ مجھے اپنی بغل میں لے کر پرواز فرمارہے ہیں۔ جب چوتھے آسمان سے آگے نکلے تو سامنے سے حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ بڑے جلال میں نمودار ہُوئے اور جوش میں مجھے مخاطب کر کے فرمایا میں دیکھوں گا تجھے سُلطان صاحبؒ کہاں اُڑائے جاتے ہیں۔ یہ سُنتے ہی میں سُلطان صاحبؒ کی بغل سے جُدا ہو کر ایک گندے پانی کے گڑھے میں جا گرا اور وُہ سب کیفیاتِ رُوحانی سلب ہوگئیں کافی آہ وزاری کی مگر حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کی وُہ عنایت نہ رہی۔" اس کے بعد والد صاحب نے فرمایا کہ اپنے شیخ کے ساتھ عقیدت میں ہرگز فرق نہیں آنے دینا چاہیئے۔ اِس پر ایک واقعہ بیان فرمایا کہ ایک دفعہ مجھے حضرتؒ کے وصال سے کچھ عرصہ بعد سِلسلۂ نقشبندیہ کے ایک مشہور شیخ کی مجلس وعظ میں حاضر ہونے کا اتّفاق ہُوا۔ وُہ ہمارے خاندان کو جانتے تھے۔ وعظ کے بعد مصافحہ کیا تو بڑے جوش سے مجھے مخاطب کر کے کہا۔ حافظ جی! ولایتِ صُغریٰ کی ضرُورت ہے تو ابھی اس مقام پر پہنچائے دیتا ہُوں۔ میں نے کہا آپ کی مہربانی، مجھے اپنے حضرتؒ کی نظر ہی کافی ہے۔ اِس واقعہ کے بعد خواب میں مَیں نے حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کی وُہ عنایت اور مہربانی مشاہدہ کی جو بیان سے باہر ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس شیخ سے بات کرتے وقت حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ یہ سب کچھ مشاہدہ فرما رہے تھے۔

دستِ پیر از غائباں کوتاہ نیست
دستِ اُو جز قبضۂ اللہ نیست

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہ یہ مُبارک تصنیف مسمّٰی بہ "مہرِ منیر" اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے بخیر وخوبی اختتام کو پہنچی۔

مؤلّفِ ناچیز ونیاز مند بارگاہ مہریہ

فیض احمد فیض عفی عنہ آستانہ عالیہ غوثیہ گولڑا شریف ضلع اسلام آباد

تتمّہ

اگرچہ حُسنِ تو از مہرِ غیر مستغنی است
من آں نیم کہ ز ایمانِ خویش آیم باز

حضرتِ شیخِ اکبر سیّدنا مُحی الدّینؒ ابن العربیؒ "فصُوص الحکم" میں فرماتے ہیں کہ ولی در حقیقت وُہ ہے جو فنا فی اللہ ہو جائے کیونکہ ولایت حق تعالیٰ میں بندہ کے فنا ہو جانے کو کہتے ہیں۔ اور فنا کا مطلب یہ ہے کہ بندہ اپنی بشریّت کی جہت کو رُبُوبیّت کی جہت میں بالکل نیست و نابُود کر دے۔ پھر فرماتے ہیں کہ ولایت کی ابتدا سفرِ اوّل کی انتہا سے ہوتی ہے۔ اور سفرِ اوّل یہ ہے کہ خلق سے حق کی جانب، مظاہر اور اغیار سے تعیّن کو زائل کر کے سَیر کرے، تقیّدات اور حجابات سے بچے اور منازل و مقامات کو طے کرتے ہُوئے مراتب و درجات حاصل کرے۔ یہ سب کچھ حق تعالیٰ کی تجلّی ہی سے حاصل ہو سکتا ہے۔ اور حق تعالیٰ کی تجلّی اُس پر ہوتی ہے جس سے اُس کے اپنے نشانات مِٹ گئے ہوں اور اُس سے اُس کا اپنا اسم زائل ہو گیا ہو۔ آگے چل کر فرماتے ہیں کہ اہلِ سُلوک نے جُملہ مقامات کو تین اقسام میں تقسیم کیا ہے۔ "عِلمُ الیقین"، "عینُ الیقین" اور "حقُ الیقین"۔ "عِلمُ الیقین" یہ ہے کہ اِنسان شئے کو اُس کی اصلی حالت سے تصوّر کرے۔ "عینُ الیقین" یہ ہے کہ شئے کو اُس کی اصلی حالت سے مشاہدہ کرے۔ اور "حقُ الیقین" یہ ہے کہ اِنسان حق میں فنا ہو جائے۔ اور عِلم، مشاہدہ اور حال ہر تین میں حق تعالےٰ کے ساتھ بقا حاصل کرے۔

حضرت سیّدنا مِہر علی شاہ صاحبؒ اُن اَولیائے عظام میں سے تھے جنھوں نے اپنے مجاہدہ، مشاہدہ، عِلم اور فضلِ الٰہی سے حقُ الیقین میں ایک نہایت ارفع و اعلیٰ مقام حاصل کیا۔ اللہ تعالےٰ نے آپؒ کو جمالِ ظاہری کے ساتھ ساتھ کمالِ رُوحانی بھی بدرجۂ اتم عطا فرمایا۔ آپ اپنے جدِّ امجد، سرچشمۂ کمالات حضرت غوث الاعظم سیّدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور سلسلہ چشتیہ اہلِ بہشت کے گوہرِ صد انوار حضرت خواجہ غریب نواز معینُ الدّین چشتی اجمیریؒ کے صحیح جانشین اور مظہر تھے۔ عِلمِ لدُنّی کا گنجِ بے کراں آپ کو عنایت ہوا تھا۔ آپ کا وجُودِ اقدس بیسویں صدی کے مسموم زمانہ میں بنی نوعِ انسان کی ایک کثیر تعداد کو گمراہی سے بچانے کا مُوجب ہوا اور لاکھوں افراد آپ کے فیضانِ رُوحانی سے مستفید ہُوئے۔ آپ کے اَوصاف و کمالات کو صحیح طور پر بیان کرنا ممکن نہیں کیونکہ آپ متّصف باوصاف اللہ تھے۔ تاہم مولانا فیض احمد صاحب کی یہ کوشش اس لحاظ سے قابلِ ستائش ہے کہ اُنھوں نے اِس مردِ کامل کی زندگی کے حالات بڑی کاوش اور تحقیق کے ساتھ مرتّب کر کے سپردِ قلم کیے۔ اللہ تعالےٰ اُنہیں جزائے خیر بخشیں اور پڑھنے والوں کے لیے اس کتاب کو مشعلِ راہ بناتے ہُوئے اس کی برکت سے اُنہیں راہِ راست پر چلنے کی توفیق بخشیں۔

فیضانِ الٰہی کا جو چشمہ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحبؒ کی ذاتِ بابرکات سے جاری ہوا تھا وُہ ان کے وصال کے بعد بھی بدستُور رواں ہے اور خلقِ خدا روز افزوں تعداد میں آستانۂ عالیہ پر حاضر ہو کر فیض یاب ہو رہی ہے۔ حضرتؒ کے

سراپا اخلاق و محبت اور منکسر المزاج فرزند حضرت بابوجی قدس سرۂ اپنی زندگی میں اور اُن کے وصال کے بعد اُن کی اولادِ محترم ہر وقت اور ہر طرح سے زائرینِ آستانہ اور مہمانوں کے آرام و آسائش کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرتؒ کے اس گلشن کو سدا سرسبز رکھیں اور آلِ اطہر کا یہ گھرانہ ہمیشہ آباد رہے۔

ع این دُعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

آخر میں قصیدہ مہر نما کے چند چیدہ اشعار کے ساتھ اس مختصر گزارش کو ختم کیا جاتا ہے۔

محمد حیات خان

محمد فاضل خان

قصیدہ مہر نما[1]

شہسوارِ وُسعتِ میدانِ ھُوْ — پاک طینت سیّدِ پاکیزہ خُو
گوش دارے بر صدائے فاسجُدوا — شرح سازِ آیۂ لاتقنطوا

معدنِ انوارِ مہرِ عالمیں
آخر آمد گشت فخرِ اوّلیں

خاصہ حق آلِ ختم المرسلینؐ — نورِ ابصارِ امیر المومنینؓ
جانِ جانِ پیرِ کامل نذرِ دیںؒ — جلوہ گاہِ نورِ شمس العارفینؒ

معدنِ انوارِ مہرِ عالمیں
آخر آمد گشت فخرِ اوّلیں

کامل و اکمل حصولِ مدعا — سالکِ دل لعلِ کہسارِ ہُدا
کوہِ حِلم و مصدرِ رحم و عطا — مہرِ عالم مہرِ دل مہرِ سما

معدنِ انوارِ مہرِ عالمیں
آخر آمد گشت فخرِ اوّلیں

گوہرِ نایاب بحرِ چشتیا — خُوش نوائے طوطیٔ باغِ رضا
قبلۂ دیں کعبۂ صدق و صفا — خواجۂ مہرِ علی شاہ مقتدا

معدنِ انوارِ مہرِ عالمیں
آخر آمد گشت فخرِ اوّلیں

---

[1] یہ قصیدہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں منشی رجب علی صاحب جوہر مرحوم و مغفور نے لکھا تھا۔

سَیِّدِی مِہرِ علیؒ صاحبِ عطا — اَنْتَ ہَادِی اَنْتَ مَولیٰ حق نُما
اَنْتَ مَاوٰی اَنْتَ مَلْجَا فِی الرَّجَا — عَالِمِ سِحرُ الْبَیان نَشْرُ الْهُدٰے

معدنِ انوار مہرِ عالمیں
آخر آمد گشت فخرِ اوّلیں

مسلکِ او جادۂ تحقیق گشت — مثلِ حاتم وا درِ توفیق گشت
از عمل علمِ الٰہ تصدیق گشت — بر کمال و فضلِ او تطبیق گشت

معدنِ انوار مہرِ عالمیں
آخر آمد گشت فخرِ اوّلیں

اَلْغِیَاث اے مظہرِ نورِ قدیم — اَلْغِیَاث اے کاشفِ سرِّ علیم
اَلْغِیَاث اے مہر و اکرامِ کریم — کُن خدارا چارۂ قلبِ سقیم

معدنِ انوار مہرِ عالمیں
آخر آمد گشت فخرِ اوّلیں

بندۂ مہرِ علی جوہر گدا — بر در آمد اے شہِ عقدہ کُشا
کُن دوائے دردِ دل بہرِ خدا — تا شود حاصل مرا کامل شفا

معدنِ انوار مہرِ عالمیں
آخر آمد گشت فخرِ اوّلیں

بندۂ[1] عاجز غلامِ مُحیِ دین — ملتجی ہے تجھ سے ربّ العالمین
سُن دُعا یہ بہرِ ختم المرسلینؐ — تا ابد حضرت رہیں مسند نشین

معدنِ انوار مہرِ عالمیں
آخر آمد گشت فخرِ اوّلیں

---

[1] یہ اشعار حضرتؒ کے فرزند قبلہ بابُوجی قدس سرّہٗ کی فرمائش پر لکھے گئے۔

کوائفِ وصال حضرت بابُوجی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت قبلۂ عالم پیر سیّد مہر علی شاہ صاحب قدس سرہ العزیز کے اکلوتے فرزندِ جلیل حضرت سیّد غلام محی الدّین شاہ صاحب المعرُوف بہ "بابُوجی" کے مختصر حالاتِ زندگی اس کتاب کے چھٹے باب کی آٹھویں فصل میں تحریر کیے جا چکے ہیں۔ ۳۷ برس تک گولڑہ شریف کی مسندِ ارشاد پر جلوہ فرما رہنے کے بعد ۲۲۔ جُون ۱۹۷۴ء (۲۔ جمادی الثانی ۱۳۹۴ھ) کو حضرت بابُوجی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی وصال فرمایا۔ چنانچہ "مہرِ منیر" کے اس تازہ ترین ایڈیشن میں نہایت اجمالی طور پر آپ کے کچھ باقی ماندہ حالات اور آپ کے وصال کے کوائف ایک علیحدہ فصل کی صُورت میں شامل کیے جا رہے ہیں۔ حضرت بابُوجی کی حیاتِ مُبارکہ کے کماحقہٗ تفصیلی حالات بیان کرنے کے لیے ایک مستقل کتاب درکار ہے۔ بارگاہِ ایزدی میں دُعا ہے کہ وُہ ایسی کتاب کی تحریر، تدوین و اشاعت کے اسباب جلد از جلد پیدا فرمائے۔

جب قبلۂ عالم حضرتِ اعلیٰؒ نے خلقِ خدا کو ایک طویل مدت تک اپنے بے نظیر علمی اور رُوحانی کمالات سے مُستفیض کرنے کے بعد بالآخر ۱۱ مئی ۱۹۳۷ء (۲۹ صفر ۱۳۵۶ھ) کو رفیقِ اعلیٰ کی جانب سفر فرمایا تو آستانۂ عالیہ گولڑہ شریف کے معاملات کی دیکھ بھال اور حضرت کے سلسلۂ رُشد و ہدایت کو جاری رکھنے کی ذمہ داری کُلیتہً حضرت بابُوجیؒ کے (بقول اُن کے "ضعیف") کندھوں پر آن پڑی۔ جیسا کہ اس کتاب کے صفحہ ۳۶۸ پر لکھا جا چکا ہے۔ حضرت بابُوجیؒ نے حضرتِ اعلیٰؒ کی اجازت کے باوجود اُن کی زندگی میں بیعت و ارشاد کی ذمہ داری اُٹھانے میں عرصہ تک تامل فرمایا تھا اور اُس وقت تک اس پر آمادہ نہ ہُوئے تھے جب تک کہ حضرتؒ نے آپ کی پیہم درخواست پر یہ وعدہ نہ فرمایا کہ "اچھا جو شخص تمہارے ہاتھ پر بیعت کرے گا اُس کا ذمہ دار میں ہُوں۔" تاہم حضرتؒ کے وصال کے بعد خلقِ خُدا نے جلد ہی دیکھ لیا کہ اپنے عالی مرتبت والد سے تربیت یافتہ اس مردِ عظیم نے اپنے گراں بار فرائض کس عزم، حوصلہ اور خوش اسلوبی سے انجام دیئے اور اپنے حضرتؒ کے شروع کردہ سلسلۂ فیضان کو کس خُوبی سے جاری رکھا۔ یہاں تک کہ ایک وقت ایسا بھی آیا جب آستانۂ عالیہ گولڑہ شریف حضرت بابُوجیؒ کی ذاتِ گرامی کے گرد بالکل اُسی طرح گھُومنے لگا جیسے کہ خُود حضرتِ اعلیٰؒ کے گرد آپ کے دَورِ مُبارک میں گھُوما کرتا تھا۔

اسلامی اقدار کی ترویج

اپنے والدِ بزرگوار کی طرح اسلامی اقدار اور اخلاق کی ترویج و ترقی کو حضرت بابُوجیؒ نے ہمیشہ اپنا اوّلین مقصدِ حیات سمجھا۔ جہاں تک دُنیوی معاملات کا تعلق ہے قیامِ پاکستان سے پہلے آپ نے صحیح اسلامی روایات اور سلفِ صالحین کے مسلک کے عین مُطابق راستہ اختیار فرمایا یعنی نہ ہی اُس وقت کی انگریز حکومت کا آلۂ کار بننا گوارہ کیا اور نہ ہی ہندو کانگرس کے اختراع کردہ "واحد ہندوستانی قومیت" کے نعرہ کو تسلیم کیا بلکہ برِّصغیر میں ایک علیحدہ آزاد مسلمان مملکت کے حصُول و قیام کے لیے جس کا مقصدِ اولیٰ ایک مثالی اسلامی معاشرہ کی تشکیل تھا، آل انڈیا مُسلم لیگ کے منشُور کی پُرزور حمایت فرمائی۔ یہاں تک کہ اپنے بعض اکابر متعلقین کے نظریات کی پرواہ بھی نہ کی جو اُس کے برعکس تھے اور اپنے تمام ملنے والوں کو یہی مشورہ دیا کہ اِس وقت مُسلمانان

برصغیر کی بہتری اِسی میں ہے کہ مسلم لیگ کی مکمل اور متفقہ حمایت کی جائے۔ تاہم جماعتی سطح پر اپنے اِس نظریہ کے باوجود پاکستان بن جانے کے فوراً بعد ہندوستانی باشندوں کی طرف سے پہل کے نتیجہ میں جب ہر طرف فرقہ وارانہ قتل وغارت کا بازار گرم ہوا تو آپ نے عظیم اسلامی روایات پر عمل کرتے ہوئے گولڑہ شریف کے غیر مسلم باشندوں کے جان و مال کی حفاظت کا نہ صرف پورا پورا انتظام فرمایا بلکہ وقت آنے پر انہیں اپنی ذاتی نگرانی میں ہندوستان رخصت فرمایا۔

تحریکِ ختمِ نبوّت

حضرت بابوجیؒ کے متذکرہ بالا اقدامات خالصتہً جذبۂ اخوتِ اسلامی کی بنا پر تھے۔ ورنہ ملکی سیاست میں آپ نے براہِ راست عملی حصّہ کبھی نہ لیا اور نہ ہی کسی سیاسی جماعت سے منسلک ہوئے۔ البتہ جب کبھی اسلامی اقدار کی حفاظت کی ضرورت پیش آئی آپ نے اپنی تمام تر کوششیں اس مقصد کے لیے وقف کر دیں۔ چنانچہ ۱۹۵۳ء کی تحریکِ ختمِ نبوّت میں آپ نے نہایت سرگرمی سے حصّہ لیا اور اُس وقت کی مسلم لیگی حکومت کے اس رویّہ سے سخت شاکی رہے جو اُس نے اس تحریک کو کچلنے کے لیے اختیار کیا۔ فرمایا کرتے تھے کہ جو ملک محض حضور خاتم النبیینؐ کی نظرِ کرم کے صدقے میں معرضِ وجود میں آیا۔ اُس کے عمائدین حضورؐ کی ختمِ نبوّت کے شیدائیوں سے کیسا بے دردانہ سلوک کر رہے ہیں۔ لاہور ختمِ نبوّت کانفرنس میں بھی آپ نے تمام مکاتیبِ فکر کے راہنماؤں کو متحد کرنے میں اہم کردار ادا کیا اور جلسے جلوس میں اصولاً احتراز کے باوجود اس کانفرنس کے کئی اجلاس میں شریک ہوئے۔ علاوہ ازیں اُس وقت کے گورنر جنرل غلام محمدؒ، وزیرِ اعظم خواجہ ناظم الدین اور دُوسرے زعمائے حکومت سے اِس مسئلہ کے مناسب اور مستقل حل کے سلسلہ میں ملاقاتیں کیں۔ ۱۹۷۴ء کے شروع میں جب ختمِ نبوّت کی تحریک نے پھر زور پکڑا اُس وقت حضرت بابوجیؒ اپنی علالت کے باوجود اُس میں بہت دلچسپی لیتے رہے۔ ہسپتال میں بھی جو شخص عیادت کے لیے آتا اُس سے تحریک کے متعلق باتیں پوچھتے۔ الحمدللہ کہ جمہور اہلِ اسلام کا متفقہ مطالبہ جس کی ابتدا حضرت پیر مہر علی شاہ صاحبؒ نے اپنے زمانے میں موجودہ عیسوی صدی کی ابتدا میں رکھی تھی کہ مرزائیوں کو غیر مسلم قرار دیا جائے بالآخر ان مقبولانِ خدا کی کاوشوں سے ۱۹۷۴ء میں تسلیم کر لیا گیا۔

جنگِ بھارت و پاکستان

۱۹۶۵ء کی جنگِ بھارت و پاکستان کے دوران بھی جب ملک کی سلامتی کو شدید خطرہ لاحق تھا حضرت بابوجیؒ نے ملک و ملت کی بھرپور اعانت فرمائی اور علاوہ اور باتوں کے آپ نے خلافِ عادت ریڈیو پاکستان راولپنڈی سے تمام اہلِ پاکستان کو بالعموم اور اپنے متعلقین کو بالخصوص ان الفاظ میں خطاب فرما کر اس جہاد میں حصّہ لینے کی ہدایت فرمائی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۔ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَعِتْرَتِهِ الطَّاهِرِيْنَ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ ط

امّا بعد، برادرانِ ملت السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

میں اب تک اگرچہ سیاسیات اور دُنیاوی جھمیلوں سے دُور رہا ہوں مگر آج جب کہ ملک و ملت کو نہایت ہی پُرخطر اور

مشکل حالات کا سامنا ہے کسی طرح بے تعلق نہیں رہ سکتا۔ مُلک و مِلّت کی خدمت اور اعانت ہر مُسلمان کا فرضِ اوّلین ہے۔

اِرشاد و اعلانِ خداوندی ہے لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ فی الحقیقت ازلی ابدی غیر متزلزل اور لافانی حکُومت اور ستائش صرف اور صرف اُسی ذات کی ہے اور وُہ پُوری طرح ہر چیز پر قادر ہے۔ اُسی حاکمِ مُطلق و برحق کا اِرشاد ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ۔

بے شک و شبہ اللہ تعالیٰ نے مومنین سے اُن کی جانوں اور مالوں کا جنّت کے بدلے سودا کر لیا ہے۔ اِسی بنا پر فرزندانِ اِسلام کے ہر فرد پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وُہ اپنے مُلک و مِلّت کی سالمیت کے لیے تن من دھن پیش کر دے اور اِس سودے میں پُورا اُترے۔ موجُودہ حالات کے پیشِ نظر ہم سب پر ضروری ہو گیا ہے کہ اِس جہاد میں کسی قربانی سے دریغ نہ کریں اور اپنی ساری صلاحیتوں کو برُوئے کار لائیں۔ میں اپنے متعلقین اور مخلصین کی اُن خدمات پر جو وُہ لِلّٰہ دامے، درمے، قدمے بری، بحری ہوائی حفاظتی اور معاشرتی شعبہ جات میں نہایت اخلاق، بلند حوصلگی، بُردلی اور پامردی سے سرانجام دے رہے ہیں نہایت ہی مسّرت اور اطمینان کا اِظہار کرتے ہُوئے اُنھیں مُبارکباد دیتا ہُوں۔ اِس مِلّی و قومی جدّ و جہد اور شدید آزمائش کے وقت حکُومت کے ساتھ ہر تعاون کے لیے تیار اور ہر طرح سے شریکِ حال ہُوں۔ پُوری قوم خصُوصاً میرے مُخلصین کی جانفروشانہ اور بے لوث خدمات کی ہر آواز میرے کانوں تک پہنچ کر میری خُوشیوں اور مسّرتوں میں اضافے کا سبب بنتی ہے اور دل سے اَللّٰهُمَّ زِدْ فَزِدْ کا نعرہ نکلتا ہے۔ ہماری کامیابیاں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا نتیجہ ہیں۔ ہم کو ہمہ وقت اُس ربِّ اکبر کا شکر ادا کرتے رہنا چاہیئے۔ حقیقی شکر تو یہ ہے کہ ہم ہمیشہ کے لیے عہد کریں کہ اُس کے اوامر کا اِحترام اور نواہی سے اِجتناب کریں گے۔

میں دست بدُعا ہُوں کہ اللہ تعالیٰ تمام اُمّتِ مُسلمہ کا عموماً اور مُسلمانانِ پاکستان کا خصُوصاً حامی و ناصر ہو اور اپنے حبیبِ پاک کے صدقے میں اور اپنے مقبولین کے طفیل ہمیں فتح و کامیابی ارزانی فرمائے۔ آمین۔ اِیں دُعا از من و از جُملہ جہاں آمین باد۔

ویسے بھی حضرت بابُوجی پاکستان کی سلامتی اور بہبُود کے لیے دِل سے خواہش مند اور دُعا گو رہتے تھے اور اِسی وجہ سے آزادی کے بعد کے مختلف پُر آشوب اَدوار میں نامساعد حالات، سیاسی تعطّل و بحرانات، اِسلامی نظام اور اقدار کے نفاذ میں مسلسل اِلتوا، کنُبہ پروری اور اقربا نوازی میں اضافہ، ذاتی مفاد پر قومی بہبُود کی قربانی اور اِس طرح کے دیگر مایُوس کُن کوائف کی بنا پر اکثر اِظہارِ تاسّف فرماتے اور قوم اور عوام کی اِصلاح کے لیے دردمندانہ دُعا فرمایا کرتے تھے۔

حضرت بابُوجیؒ نے اصولاً کبھی عمائدینِ حکُومت سے راہ و رسم نہ بڑھائی اور اپنے اجدادِ کرام کی سُنّت پر عمل کرتے ہُوئے کبھی سربراہانِ مملکت کی مُلاقات کو نہ گئے۔ یہ بات عمائدینِ حکُومت کو پسند نہ آئی اور ۱۹۶۱ء میں باوجُود اِس کے کہ دربارِ عالیہ گولڑہ شریف حُسنِ نظم و نسق کے اِعتبار سے مُلک بھر میں ایک مسلّمہ مثالی حیثیت رکھتا تھا اور کسی طرح سے بھی اوقاف ایکٹ کی زد میں نہ آتا تھا۔ حکُومتِ وقت نے اُسے محکمۂ اوقاف کی تحویل میں دینے کا فیصلہ کر دیا۔ اِس کے بعد بھی آپ نے مرکزی یا صُوبائی حکُومت کے سربراہان سے اِس سلسلہ میں جا کر مِلنا گوارا نہ فرمایا بلکہ قانونی چارہ جوئی کا معرُوف راستہ اِختیار کرنے کو ترجیح دی۔ چنانچہ ایک مردِ مجاہد سیشن جج سیّد مُحسن ترمذی کے عدالتی فیصلہ کے تحت ہی دربار گولڑہ شریف کو محکمۂ اوقاف سے واگذار کیا گیا۔

سیاسیات کے متعلق آپ کا نظریہ

جیسا کہ اُوپر لکھا جا چُکا ہے آپ نے کبھی عملی طور پر مُلکی سیاسیات میں حصّہ نہ لیا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اِسلام بذاتہٖ ایک

مکمّل نظریۂ حیات ہے۔ عدل و اِنصاف کے جو اُصول اِسلام نے پیش کیے ہیں اُن کے سامنے دُنیا کے تمام دیگر نظام ہیچ ہیں۔ کیونکہ اِسلام خود اُس خالقِ کائنات جلّ جلالہٗ کا تجویز کردہ ہے جو علّام الغیوب ہے اور اِنسان کی فطرت اور روایات سے خُوب واقف ہے۔ مخلوق کے بنائے ہُوئے نظام بھلا اُس کا کہاں مقابلہ کر سکتے ہیں۔ آپ نے اپنی زندگی کے آخری دَور میں اِسلامی نظام کی ترویج کے لِیے مُسلمانوں کو متحد کرنے کے لِیے حتی الوسع کوشش فرمائی اور اس سِلسلہ میں متعدد مقامات پر پریس کانفرنسوں اور جلسوں میں بھی شرکت فرمائی۔

روزمرّہ کے معمُولات

حضرت بابُوجیؒ کا قیام آستانہ عالیہ سے قریباً سَو گز پر اپنے رہائشی گھر کے قریب بیٹھک پر رہتا تھا جس کا تفصیلی ذکر اِسی کتاب کے صفحہ ۳۶۷ پر آچکا ہے۔ بیٹھک پر آپ کی ذاتی ضرُوریات کی دیکھ بھال، پہلے مخلص محمّد حیات عرف جرنیل کیا کرتے تھے۔ جرنیل صاحب عُرس شریف اور دیگر تمام اہم تقاریب پر مجالس کا اِنتظام بھی کراتے تھے۔ وُہ موتیا بند کی وجہ سے بینائی سے معذُور ہُوئے تو مخلص غلام مُصطفےٰ چشتی نے یہ ڈیوٹی سنبھالی۔ بیٹھک کے دروازے ماسوائے رات کے چند گھنٹوں کے ہمیشہ ہر کِہ و مِہ پر کھُلے رہتے تھے۔ شام کے وقت آنے والے مہمانوں سے سب سے پہلے آپ یہ پُوچھتے کہ کھانا کھایا ہے۔ اگر نہ کھایا ہوتا تو فوراً اُن کے کھانے کا اِنتظام فرماتے۔ اگر اُنہوں نے رات رہنا ہوتا تو لنگر شریف پر رہائش کے لِیے ہدایات جاری فرماتے۔ بیرُونِ مُلک سفروں کے دوران بھی آپ کے روزانہ کے معمُولات میں کوئی فرق نہیں آتا تھا۔ ایسے سفروں پر اکثر مُلتان کے خواجہ منظور حسین صاحب کے صاحبزادے خواجہ خُدا بخش جنہیں آپ کے ساتھ ایک خاص نسبت تھی آپ کے ہمراہ رہ کر آپ کی ذاتی ضروریات کا خیال رکھتے۔ سفر کے دوران بھی مُلاقات کا دروازہ ہر وقت کھُلا رہتا۔

پابندیٔ معمُولات کا حد درجہ اہتمام اور التزام تھا۔ ۳۷ برس کے طویل عرصۂ اِرشاد میں کِسی دِن معمولات میں تبدیلی آتے کِسی نے نہ دیکھی۔ تہجّد سے لے کر تقریباً صبح ۹، ۱۰ بجے تک نماز اور وِرد و وظائف اور تلاوتِ کلامِ پاک میں مصرُوف رہتے۔ گولڑہ شریف میں موجُودگی کے دوران مجلسِ سماع کا روزانہ اہتمام فرماتے جو روزانہ ۱۰ بجے سے لے کر ۱۲ بجے دوپہر تک جاری رہتی۔ اپنے خصُوصی قوال حاجی محبُوب علی صاحب کی تربیت آپ نے اُن کی اوائلِ عُمر ہی سے ذاتی طور پر نہایت محنت اور اِنہماک سے فرمائی اور اُنہیں اِس پایہ تک پہنچا دیا کہ اُن کی مجلسِ قوالی تصوّف کے اہم مسائل بالخصوص وحدتِ وجُود میں ایک درس اور وعظ کا مقام حاصل کر گئی۔ آستانہ عالیہ گولڑہ شریف حضرتِ اعلیٰ سیّدنا پیر مہر علی شاہ صاحبؒ کے زمانہ ہی سے وحدتِ وجُود کی تعلیم و اشاعت کا گہوارہ بن چکا تھا۔ سیّدنا شیخ اکبرؒ کی "فتُوحاتِ مکیہ" اور "فصُوص الحکم" کا درس حضرت کی محفل کا ایک خاصہ تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ اُس زمانہ میں اِس موضوع پر روشنی ڈالنے کے لِیے حضرتؒ کی ذاتِ مُبارک اپنی مثال آپ تھی۔ اِس بات کا اعتراف علامہ ڈاکٹر محمد اقبال مرحُوم نے بھی اپنے اُس خط میں کیا ہے جس میں اُنہوں نے حضرتؒ کی خدمت میں حضرت شیخ اکبرؒ کے نظریۂ زمان و مکان پر روشنی ڈالنے کے سِلسلہ میں اِستدعا کی تھی۔ اِس خط کا متن اِس کتاب کے صفحہ ۳۲۶ پر درج کیا جا چُکا ہے۔ وحدتِ وجُود کا مسئلہ اِسلامی فلسفۂ رُوحانیّت کا ایک نہایت ہی نازک مسئلہ ہے جسے صحیح طور پر سمجھنے کے لِیے نہ صرف ظاہری علم بلکہ وجدان کا ہونا بھی ازحد ضرُوری ہے اور وجدان ایک ایسی شے ہے جو اہل اللہ کے قرب و توجّہ اور اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ حضرت بابُوجیؒ فرمایا کرتے تھے کہ حضرتِؒ اعلیٰ کے زمانہ میں اِس مسئلہ کے متعلق طالب علموں کے شوق کی بھی یہ حالت تھی۔

اور حضرتؒ کی صحبت اور تدریس نے اُنہیں اس حد تک گرما دیا تھا کہ عام پنجابی ماہیا کے شعروں سے بھی وحدت وجود کے معانی نکالا کرتے تھے۔ حضرتؒ کے وصال کے بعد اس نظریہ کی اشاعت حضرت باؤجیؒ نے قوالی کے ذریعہ کروائی ایک روز اس مسئلہ پر دوران گفتگو یوں ارشاد فرمایا کہ میرے حضرت کا شعر ہے ۔

قَدْ کَانَ وَ مَا مَعَہٗ مَا کَانَ مِنَ الْاَکْوَانِ　　اَلْآنَ کَمَا کَانَ مشہود دل زارم

حدیث قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کُنْتُ کَنْزًا مَخْفِیًا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ میں ایک مخفی خزانہ تھا پھر میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں۔ تب وحدت سے کثرت کا ظہور ہوا۔ پہلے محض ذات تھی۔ اب اس قدر ظہور کے بعد بھی وہ ذات اُسی طرح ہے جیسے پہلے تھی۔ اُس میں کوئی کمی نہیں آئی۔ وہ ایک ایسا منبع ہے کہ اُس میں سے یہ سب کچھ ظہور میں آتا ہے اور آتا رہے گا لیکن اُس میں کمی نہیں آئے گی۔ پھر فرمانے لگے کہ محبوب قوال کو جب میں نے شروع شروع میں یہ مضمون سنانے کو کہا تو اُس کی سمجھ میں نہ آیا اور مجھے پوچھنے لگا کہ وحدت وجود کیا چیز ہے۔ میں نے کہا وقت آنے پر تمہیں معلوم ہو جائے گا۔ دوسرے روز صبح اُس سے ملاقات ہوئی تو کہنے لگا کہ رات میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں حضرت اعلیٰؒ کے مزار مبارک پر حاضر ہوتا ہوں۔ قبر شق ہو جاتی ہے اور آپ کی شکل مبارک ظاہر ہوتی ہے اُس میں سے اُسی قسم کی لاتعداد شکلیں نکلتی ہیں اور فنا ہوتی ہیں اور یہ سلسلہ جاری ہے اور اصل شکل ویسے کی ویسی رہتی ہے۔ میں نے اُسے کہا کہ یہی وحدت الوجود ہے۔ اس خواب کے بعد محبوب کو قدرت نے اس مضمون کے بیان کرنے میں ایسا ملکہ عطا فرمایا جس کا اندازہ اُس کی قوالی سننے کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ حضرت باؤجیؒ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ محبوب کی قوالی کو سمجھنا ہر ایک کا کام نہیں۔ اسے صرف صاحب علم و نسبت ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اور علم بھی یہ ظاہری علم نہیں بلکہ باطنی علم۔ مثنوی مولانا رومؒ، مولانا جامیؒ کے نعتیہ کلام اور فارسی زبان کے دیگر اکابر شعراء بالخصوص حضرت شیخ سعدیؒ، خواجہ حافظ شیرازیؒ اور حضرت امیر خسروؒ کے صوفیانہ اور عارفانہ کلام کو حضرت باؤجیؒ کی مجالس سماع میں ایک خاص مقام حاصل تھا۔ پنجابی زبان میں حضرت بُلھے شاہ صاحبؒ، خواجہ غلام فرید صاحبؒ اور حضرت علی حیدر صاحبؒ کے کلام کو بھی بڑے اشتیاق سے سنتے نعت رسولؐ، عشق و محبت، درد و سوز اور وحدت الوجود کے مضامین کو آپ بالخصوص پسند فرماتے۔ محبوب قوال کو سفر و حضر میں اپنے ہمراہ رکھتے۔ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ حضرتِ اعلیٰؒ کے تشریف لے جانے کے بعد محبوب ہی کی وجہ سے وقت کچھ اچھا کٹ گیا ہے۔

سماع کے متعلق آپ کا نظریہ

سماع کے متعلق قبلہ باؤجیؒ کا وہی نظریہ تھا جو آپ کے والد ماجد حضرت قبلۂ عالم قدس سرہ کا تھا جس کا ذکر اسی کتاب کے صفحات نمبر ۱۵۵ تا ۱۶۲ پر تفصیلاً آ چکا ہے۔ فرماتے تھے کہ ایک دفعہ سفر بغداد شریف میں وہاں کے مقتدر عُلمائے کرام سے اس مسئلہ پر گفتگو ہوئی تو سیدنا غوث اعظم قدس سرہٗ کی خانقاہ شریف کی جامع مسجد کے خطیب علامہ قاسم القیسیؒ نے فقہ حنفی کے مشہور محقق علامہ ابن عابدین شامیؒ کے اُستاد علامہ عبدالغنی نابلسی رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ ایضاح الدلالات کا ایک نسخہ مجھے دیا اور فرمایا کہ اس سے بڑھ کر اس موضوع پر لکھنا مشکل ہے۔ چنانچہ وہ رسالہ عموماً آپ کے زیر مطالعہ رہتا تھا۔ علامہ موصوف کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ سماع فی ذاتہٖ ممنوع اور حرام نہیں البتہ اس کے ساتھ بعض غیر شرعی اور ممنوعہ

عوارض شامل ہونے کی وجہ سے اُسے ممنوع قرار دیا گیا ہے مثلاً غیر محرم عورتوں سے سُننا۔ فحش اور غیر شرعی کلام سُننا۔ شراب وغیرہ کی مجالس میں راگ رنگ کا ہونا وغیرہ۔ اگر ان عوارض سے مجلس سماع پاک ہو اور توحید خداوندی، اسلام کی عظمت، بانیِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلّم اور مقبولانِ خُدا کی مدح و ثنا ہو تو اس کے ممنوع ہونے پر کوئی قطعی نص دلالت نہیں کرتی۔

یادِ الٰہی

حضرت بابوجیؒ نے اپنے والدِ بزرگوارؒ کے فیضِ رُوحانی کو بھی بالکل اُسی طرح جاری رکھا جیسا کہ اُن کے اپنے وقت میں تھا۔ جہاں تک عبادت اور یادِ الٰہی کا تعلق ہے آپ کی حیاتِ اقدس ایک مُستقل مجاہدہ تھی۔ آپ کے شب و روز کا تقریباً تین چوتھائی حصّہ بیداری، نماز، وِرد و وظائف اور ذِکرِ الٰہی میں گزرتا۔ ہر وقت باوضُو رہتے۔ تمام نمازیں با جماعت اوّل وقت میں ادا فرماتے۔ اُٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے ذِکر و تسبیح کا ظاہری شغل جاری رہتا۔ ذِکرِ قلب و باطن کی صحیح کیفیت تو اللہ تعالےٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ تاہم اِس پر آپ کا یہ اپنا جُملہ دال ہے کہ "یادِ الٰہی سے ایک لمحہ بھی غافل رہنے سے بہتر ہے کہ اِنسان کو موت آجائے"۔ غرض ہر لحاظ سے مثنوی مولانا رُومؒ کے اِن اشعار کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔

غفلت از وَے یک زماں صد مرگ داں ۔۔۔ زندگی یاد است نزدِ عارفاں

ترجمہ۔ اُس ذاتِ پاک کی یاد سے ایک لمحہ کی بھی غفلت کو سَو موتوں کے برابر سمجھ کیونکہ عارفوں کے نزدیک اُس کی یاد ہی زندگی ہے۔

ایں جہان و آں جہاں فانی بُود ۔۔۔ غیرِ یادش جُملہ نادانی بُود

ترجمہ۔ یہ جہاں اور وُہ جہان دونوں فانی ہیں۔ بس اُس کی یاد کے علاوہ سب نادانی ہی نادانی ہے۔

یادِ اُو سرمایۂ ایماں بوَد ۔۔۔ ہر گدا از یادِ اُو سُلطاں بوَد

ترجمہ۔ اُس کی یاد ہی ایمان کا سرمایہ ہے اور ہر گدا اُس کی یاد ہی سے سُلطان بن جاتا ہے۔

یادِ اُو گر مُونسِ جانت بوَد ۔۔۔ ہر دو عالم زیرِ فرمانت بوَد

ترجمہ۔ اگر اُس کی یاد تیری جان کی مُونس بن جائے تو دونوں جہان تیرے تابع فرمان ہو جائیں۔

رسُولِ مقبولؐ سے والہانہ محبّت

حضرت بابوجیؒ کا ایک اِمتیازی وصف آپ کا مسلکِ اَدب تھا جسبِ مرتبہ و مقام اِس اَدب کے مورد اعلےٰ سرکارِ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی ذات والاصفات سے لے کر اہلِ بیتِ کرام اور تمام اکابرین و اولیائے اُمّت رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے۔ حضور رسالت پناہؐ سے تو حضور بابوجیؒ کو حقیقی اور والہانہ عشق تھا جو فنائیّتِ تامّہ تک پہنچا ہوا تھا اور جس کی گہرائی کا اندازہ لگانا ممکن نہیں۔ حضورؐ کا نامِ اطہر سُنتے ہی فرطِ اَدب سے آپ کا سر جُھک جاتا اور اکثر رِقّت طاری ہو جاتی۔ قوّالی کی مجالس میں حضورؐ کی تعریف و توصیف اور عرضِ سلام و نیاز روزانہ کا مُستقل معمول تھا۔ حضرت مولانا جامیؒ کے نعتیہ کلام کو بالخصوص پسند فرماتے اور بسا اوقات اُن کی کسی منتخب نعت کی کئی کئی روز تک مجلس میں تکرار رہتی۔ حج کا زمانہ نزدیک آتا تو محبُوب آپ کے ذوق کے پیشِ نظر حضرت جامیؒ کی اِس نظم کو اکثر دُہراتا۔

احنّ شوقاً الا دیارٍ لقیت فیھا جمال سلمیٰ

ترجمہ۔ میں اُس دیار کے شوق میں گریاں ہُوں جہاں مجھے سلمیٰ یعنی اپنے محبُوب کا وصال حاصل ہوا تھا۔

حضرت باُبوجیؒ اسے سُنتے جاتے اور آنکھوں سے سیلاب اشک جاری ہوجاتا۔ اِسی شوق میں سالہاسال تک تقریباً ہر حج کے موقعہ پر دیارِ حبیبؐ کی حاضری دیتے رہے۔ ایک دفعہ جب سفرِ ارضِ مقدس میں کچھ سرکاری موانع درپیش آئے تو حسرت بھرے لہجے میں فرمایا کہ جی تو یہ چاہتا ہے کہ مدینہ شریف کے راستہ پر آنے جانے ہی میں عُمر گذر جائے لیکن اربابِ اقتدار کو ہماری اِتنی سی خواہش کا پُورا ہونا بھی گوارا نہیں۔ مدینہ طیبہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم کی حاضری کے دوران آپ پر ایک عجیب کیفیتِ نیاز طاری رہتی۔ وہاں کے جانوروں تک کا اَدب اَور مدارات فرماتے۔ بارگاہِ رسالتؐ سے رُخصت ہوتے وقت بہت روتے۔ مدینہ شریف سے تقریباً دس میل باہر جدّہ کی سڑک پر ایک ایسی جگہ آتی ہے جہاں سے روضۂ اقدس کے مینار آخری مرتبہ نظر آتے ہیں۔ اس رُوح پرور نظارہ کی جگہ پر موٹروں کو رُکوا کر محبُوب قوال سے پنجابی کا ایک فراقیہ ماہیا پڑھواتے جس کے آخری بول یہ ہیں:-

بازار وکیندا اکلفا۔ خوش وَس ماہی دیا ٹلکا۔ تے اسیں پردیسی جی وے ڈھولا
ڈھول جانی ساڈی گلی آویں تینڈی مہربانی

ترجمہ۔ بازار بکے ہے کُلفا۔ خُوش بَس سجَن کے ٹلکا۔ ہم ہیں پردیسی، جیو جانی
دیس ہمارے آنا، مہربانی

اُس کے بعد وہاں کی زمین چُومتے اَور اشکبار واپس روانہ ہوجاتے۔

۱۹۴۹ء سے میلادُ النبیؐ کے موقع پر ولادتِ مُبارکہ کی شب کو آپ نے ایک ایسی مجلس کا اہتمام فرمانا شروع کیا جس کی کیفیت کا اندازہ صرف اُس میں شریک ہونے والے ہی لگا سکتے ہیں۔ گولڑا شریف میں بجلی آجانے کے بعد حضرت باُبوجیؒ کے ایک پُرانے سنگی کے فرزند سیّد صفت علی شاہ نہایت اخلاص و محنت کے ساتھ اسے اِس خوبصُورتی سے سجاتے ہیں کہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ درُود و صلوٰۃ اَور مدح و ثنائے رسُولؐ پر مشتمل یہ مجلسِ سعید رات بھر جاری رہتی اَور حضُورؐ کی ولادت کے معرُوف وقت، صُبح صادق پر ایک سو ایک گولوں سے حضُورؐ کی بارگاہِ اقدس میں سلامی پر ختم ہوتی۔ الحمد للہ کہ یہ مجلسِ مُبارک حضرت باُبوجیؒ کے وصال کے بعد بھی اُن کے فرزندانِ ارجمند کے زیرِ اہتمام اُسی اِحتشام و اِحترام سے مُنعقد کی جارہی ہے۔

سرکارِ بغدادؓ، خواجہ غریب نوازؒ اَور مولانا رُومؒ سے نسبت و تعلّق

حضُور رسالتمآبؐ کے بعد سرکارِ بغداد حضرت غوث الاعظم سیّد عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت خواجہ غریب نواز خواجہ مُعین الدین چشتی اجمیریؒ، حضرت مولانا جلال الدین رُومیؒ، حضرت باوا فرید الدّین مسعُود گنج شکرؒ اَور حضرت داتا گنج بخش مخدُوم سیّد علی ہجویریؒ سے آپ کو خصُوصی عقیدت اور نیاز تھا۔ حضرت سیّدنا غوث الاعظمؓ سے آنجناب کے مسلّمہ طور پر سُلطان الاولیا ہونے کے علاوہ خود جیلانی النسب ہونے کی بنا پر حضرت باُبوجیؒ کو اپنے حضرتِ اعلیٰؒ کی طرح ایک خاص "خاص نسبت اَور تعلّق تھا۔ چنانچہ گولڑہ شریف کا لنگر ہمیشہ لنگرِ غوثیہ کہلاتا رہا اَور اب بھی کہلاتا ہے۔ اَور جس شان و اہتمام سے حضرت سیّدنا غوث الاعظمؓ کا عُرس مُبارک نو تا گیارہ ربیعُ الثانی کو یہاں منایا جاتا ہے شاید ہی کسی اَور جگہ

منایا جاتا ہوگا۔ حضرت بابُوجیؒ نے بغداد شریف کئی دفعہ حاضری دی۔ ۱۹۷۲ء میں آخری حج مُبارک کے بعد بھی بغداد شریف حاضر ہو کر واپس تشریف لائے۔ وہاں آستانہ عالیہ کے مہمان خانہ میں آپ کا اور آپ کے رُفقاء کا قیام ہوتا۔ صبح کی نماز کے بعد مزارِ مُبارک کے باہر والے کمرہ میں بالکل جالی مُبارک کے سامنے حضرت بابُوجیؒ بیٹھ کر حسبِ معمول اپنے وظائف میں مشغُول رہتے۔ پھر قریباً آٹھ بجے محبُوب قوّال سیّدنا غوث الاعظمؓ کی خدمتِ اقدس میں سلام اور منقبت اور دیگر نعتیہ کلام پیش کرتا اور پھر دُعا کے بعد یہ مجلس ختم ہوتی۔ وہاں قیام کے دوران بغداد شریف کے مختلف دینی مدارس کے اساتذہ کرام سے ملاقات رہتی۔ اکثر اُن کی دعوت کا بھی انتظام فرماتے۔ کربلائے معلّیٰ، نجفِ اشرف، کاظمین شریفین، حضرت امام اعظمؒ، حضرت جنید بغدادیؒ، حضرت سرّی سقطیؒ، حضرت معرُوف کرخیؒ، حضرت بہلول داناؒ، حضرت ابراہیم خواص رحمہا اللہ تعالےٰ، حضرت نبی یوشع علیہ السّلام اور حضرت شیخ شہاب الدین سُہروردیؒ کے مزاراتِ مُبارکہ پر حاضری دیتے۔ بصرے میں حضرت خواجہ حسن بصریؒ اور حضرت رابعہ بصریؒ کے مزاراتِ مُبارکہ کی زیارت کے لیے کئی بار حاضر ہوتے۔ کربلائے معلّیٰ اور نجفِ اشرف میں بھی مزاراتِ مُبارکہ کے سامنے محبُوب قوّال سلام پیش کرتا۔ حضرت یُوسف صاحب گیلانی جو آستانہ عالیہ کے متولی ہیں اکثر حضرت بابُوجیؒ کے پاس تشریف لاتے اور مجلس فرماتے۔

قونیہ شریف ترکی میں حضرت مولانائے رُومیؒ کے مزارِ پاک پر بھی آپ نے چار مرتبہ حاضری دی۔ حضرت مولاناؒ کو آپ "قافلہ سالارِ عشق" کے لقب سے یاد فرماتے اور اُن کے مزارِ مُبارک پر لکھے ہُوئے اس شعر کو اکثر دُہراتے تھے ؎

کعبۃ العشّاق باشد ایں مقام　　ہر کہ ناقص آمد ایں جا شد تمام

ترجمہ۔ یہ مقام عاشقوں کا کعبہ ہے۔ یہاں جو ناقص بھی آیا وُہ کامل بنا

حضرت مولاناؒ کے مزارِ مُبارک کو اَب بطور ایک عجائب گھر کے رکھا جاتا ہے۔ جب آپ پہلی دفعہ وہاں حاضر ہُوئے تو وہاں کے مدیر اَور گورنر کے ساتھ بھی مُلاقاتیں کیں۔ وُہ لوگ آپ کے اخلاقِ حسنہ کے اس قدر گرویدہ ہُوئے کہ آپ کو عجائب گھر کے اَوقات کے بعد اندر حاضر ہو کر قوّالی کرانے کی نہ صرف اجازت دی بلکہ خود بھی شامل ہُوئے اور باوجُود اِس بات کے کہ فارسی نہیں سمجھتے تھے، بے اختیار روتے رہے۔ محبُوب نے اسی اُوپر لکھے ہُوئے شعر سے اپنی قوّالی کی ابتدا اس طرح سے کی۔

ببیں تفاوتِ راہ از کجاست تا بہ کجا　　کجا گولڑا کجا قونیہ ؎

نہ من بیہُودہ گردِ کُوچہ و بازارمے گردم

کعبۃ العشّاق باشد ایں مقام　　ہر کہ ناقص آمد ایں جا شُد تمام

یعنی دیکھئے کہاں گولڑا، کہاں قونیہ۔ کتنا طویل فاصلہ ہے۔ مگر میں (اتنا سفر بے مقصد طے کر کے نہیں آیا اور) نہ بے ہُودہ کُوچہ و بازار میں گرداں ہُوں بیں تو اِس لیے آیا ہُوں کہ یہ مقام عشّاق کا کعبہ ہے اور یہاں جو ناقص بھی آیا، کامل ہو کر گیا۔

حضرت احمد مھنّا رعطاس المدنی بھی اِس سفر کے دوران حضرت بابُوجیؒ کے ہمراہ تھے۔ انہیں خواب میں حضرت مولاناؒ نے حضرت بابُوجیؒ کی دعوت کرنے کا اِشارہ فرمایا۔ مدیر صاحب نے یہ خواب سُنا تو وُہ اصرار کرنے لگے کہ یہ دعوت مَیں کروں گا۔ حضرت بابُوجیؒ نے فرمایا کہ اچھا آپ دعوت کریں مگر اس شرط پر کہ دعوت کا خرچ ہم دیں گے کیونکہ ہمارے پاس جو کچھ ہے وُہ بھی تو حضرت مولانا ہی کا ہے۔ مدیر صاحب بمشکل اِس شرط پر راضی ہُوئے اور جو دعوت ہُوئی اُس کی کیفیت بھی عجیب تھی حضرت بابُوجیؒ فرماتے تھے کہ کھانے سے بالکل طبیعت پر کوئی گرانی یا بوجھ محسُوس نہیں ہوتا تھا بلکہ ایک قسم کی فرحت حاصل ہوتی تھی

اور یہی جی چاہتا تھا کہ اِنسان کھاتا چلا جائے۔ اِس سفر کے دوران آپ استنبول بھی گئے۔ وہاں حضرت ایوبؓ انصاری کی مسجد میں نمازِ جمعہ پڑھی تو لوگوں نے آپ کو گھیر لیا۔ آپ کے ہاتھ چُومتے تھے اور دُعا کے لیے اِستدعا کرتے۔ پُورا ڈیڑھ گھنٹہ آپ وہاں اِس طرح رُکے رہے۔ یہ پہلے ہی لکھا جا چکا ہے کہ مثنوی شریف کا درس آپ کی مجلس سماع کا ایک لازمی جزو تھا۔

تقسیمِ مُلک سے پہلے حضرت بابُوجیؒ ہر سال اجمیر شریف کے عُرس مُبارک پر حاضری دیتے تھے۔ پاکستان بننے کے بعد بھی آپ کئی مرتبہ تشریف لے گئے۔ حضرت باوا صاحب فریدالدین مسعود گنج شکرؒ کے مزار مُبارک پر پاک پتن شریف بھی ہر سال حاضر ہوتے۔ حضرت مولانا جامیؒ کے مزار شریف پر بھی اکتوبر ۱۹۷۱ء میں وصال سے قریباً تین سال قبل ایک مرتبہ حاضر ہُوئے اور وہاں چار پانچ روز قیام فرمایا۔ یہ پہلے بھی لکھا جا چکا ہے کہ حضرت جامیؒ کا نعتیہ کلام آپ کو بہت مرغوب تھا اِس کے علاوہ اپنے سلسلۂ عالیہ چشتیہ کے تمام بزرگان کا اِنتہائی ادب فرماتے یہاں تک کہ اُن کے خاندانوں کے کم سِن بچوں کی آمد پر بھی احتراماً کھڑے ہو جاتے اور یُوں اپنے متعلقین کو درسِ ادب دیتے۔

لنگر شریف کا اِنتظام

اپنی تمام مذکُورہ مصرُوفیاتِ ذکر و شغل کے باوجُود حضرت بابُوجیؒ لنگر شریف کے اِنتظام و اِنصرام میں جہاں روزانہ سینکڑوں اور حضرت سیّدنا غوث الاعظمؓ اور حضرت اعلیٰؒ کے اعراس مبارکہ کے موقع پر ہزاروں مہمانوں کو قیام و طعام مہیا کیا جاتا ہے گہری اور ذاتی دلچسپی لیتے۔ یہاں تک کہ عُرس کے دَوران بسا اوقات تمام دِن کُچھ کھائے بغیر گذر جاتا۔ حضرت سیّدنا غوث الاعظمؓ کے مہمانوں کے آرام و آسائش کو اپنے آرام پر مقدم سمجھتے اور اِس بات سے خائف رہتے کہ خُدانخواستہ اُس ذاتِ عالیہؓ کے مہمانوں کو کوئی تکلیف پہنچے۔ یہ اسی ذاتی دلچسپی اور توجہ کا نتیجہ تھا کہ دربار گولڑہ شریف ہمیشہ حسنِ انتظام کا ایک قابلِ تقلید نمُونہ رہا اور آج تک ہے۔

آستانۂ عالیہ پر زائرین کی تعداد میں مسلسل اضافہ کے پیشِ نظر حضرت بابُوجیؒ نے دو نئے مہمان خانے بنوائے۔ ایک بڑا مجلس خانہ تعمیر کروایا۔ مسجد کی از سرِ نو دو منزلہ تعمیر و توسیع فرمائی۔ مدرسہ اور طلباء کی رہائش و تعلیم کے اِنتظام کو نئی صُورت دی۔ تمام آستانۂ عالیہ پر بجلی فراہم کروائی۔ حکومت نے آستانۂ عالیہ ہی کی وجہ سے راولپنڈی سے دربار شریف تک پختہ سڑک کی تعمیر کا اِنتظام کروایا اور اومنی بس سروس بھی جاری کروائی تاکہ لوگوں کو آنے جانے میں سہولت ہو۔

عجز و اِنکسار

جیسا کہ سابقہ فصل میں لکھا جا چکا ہے حضرت بابُوجیؒ کا ممتاز ترین وصف آپ کا عجز و اِنکسار اور اخفائے حال تھا۔ اسی وصف کے تحت آپ نہ تو خود کبھی تعلّیانہ کلمات فرماتے تھے اور نہ کسی اور کی زبان یا قلم سے اپنی تعریف کسی صُورت سُننا پسند فرماتے۔ اِنسان کی صفتِ عجز کے متعلق اکثر فرمایا کرتے تھے کہ یہ بارگاہِ الٰہی میں سب سے زیادہ مقبول ہے اِس لیے کہ اُس ذاتِ بزرگ و برتر میں سب منصورہ صفات کاملہ موجُود ہیں۔ صرف عجز ہی ایک ایسی چیز ہے جو اُس کے یہاں نہیں ہے اور نہ ہی اُسے اُس کے ساتھ منسُوب کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ جیسے اِنسان کی دُنیاوی زندگی میں بالعمُوم اُسی تحفے کی قدر زیادہ کی جاتی ہے جو تحفہ لینے والے کے پاس پہلے سے موجُود نہ ہو۔ اسی طرح بارگاہِ ایزدی میں بھی عجز و اِنکسار کا تحفہ

بدرجہ اولےٰ قابلِ قدر و قبولیت ہے۔

حُسنِ اخلاق

اِسی عجز و انکسار کا ایک اور مظاہرہ حضرت بابُوجیؒ کا عدیم المثال حُسنِ اخلاق تھا۔ آپ کے نزدیک کسی بھی انسان کی قدر و منزلت اس کے دُنیاوی جاہ و مرتبہ کی بناء پر نہیں بلکہ اُس کے اخلاص و محبت اور شرافت و نجابت کی بناء پر ہوا کرتی تھی۔ اِسی وجہ سے آپ کی مجلس میں غریب و امیر سب شامل ہوا کرتے تھے اور آپ سے یکساں توجہ پاتے تھے بلکہ غُربا کے ساتھ آپ کی طبیعت زیادہ لگتی تھی اور آپ اکثر اُن سے خوش طبعی بھی فرماتے۔ اپنے ادنیٰ سے ادنیٰ ملنے والے کو بھی "سنگی" (یعنی ساتھی) یا "آشنا" کہہ کر پکارتے۔ آپ کے بچپن کے کئی غریب ساتھی تادمِ آخر آپ کی خصوصی محبت کا مرکز بنے رہے اور بالآخر موت نے جب اُنہیں آپ سے جُدا کر دیا تو آپ ایسے ہی متاثر اور متاسف ہوئے جیسے اپنے عزیزِ افراد کی جُدائی سے ہوتے تھے۔ نتیجتاً آپ سے وابستہ ہر شخص یہ خیال کرتا تھا کہ آپ اُسی پر سب سے زیادہ مہربان ہیں۔ حالانکہ آپ کے متعلقین کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی تھی اکثر اپنے مخلصین کی عیادت، تعزیت یا شرکتِ جنازہ کے لیے طویل سفر اختیار فرماتے متوفیٰ متعلقین کے پسماندگان کی مسلسل خبرگیری فرماتے۔ اگر کوئی قریبی تعلق والا کسی وجہ سے کچھ دُوری بھی اختیار کر لیتا تو آپ کی طرف سے تعلق اور توجہ میں مطلقاً کمی نہ آنے پاتی جس کی وجہ سے بسا اوقات وُہ خود ہی پشیمان ہو کر دوبارہ نزدیک آ جاتا۔ ایسے مواقع پر آپ اکثر یہ بھی فرماتے کہ غالباً دیر تک میرے ساتھ رہنے سے یہ صاحب میرے عیوب سے پُوری طرح واقف ہو گئے ہیں اس لیے اب ملنا پسند نہیں کرتے۔ مُخالفین کی معاندت کا جواب ہمیشہ حُسنِ خُلق سے دیتے اور وقت پڑنے پر اُن کی بھی اُسی طرح دلجوئی اور امداد فرماتے جیسے اپنے مخلصین کی۔ چنانچہ مخالفین باوجود اپنی مخالفت کے آپ کی وُسعتِ اخلاق کے ہمیشہ معترف رہے۔ حضرت بابُوجیؒ کا حُسنِ اخلاق غیر مسلموں کے لیے بھی ایسا ہی تھا جیسا کہ مُسلمانوں کے لیے۔ ۱۹۴۷ء کے فسادات کے دوران گولڑہ شریف کے غیر مسلموں سے آپ نے جو مشفقانہ سلُوک فرمایا اُس کا ذِکر اُوپر ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ غیر مسلم صاحبان آپ کی مجالس سماع میں بھی شریک ہوتے اور اُن سے لُطف اندوز ہوتے تھے اور بحالتِ کیف "اللہ اللہ" اور "محمد محمد" کے اسمائے پاک کی تکرار بھی کیا کرتے۔ کچھ ہندُو اور سکھ صاحبان اپنی قیام گاہوں پر بھی محبوب قوال کی مجلس قوالی منعقد کرواتے۔ الغرض حضرت بابُوجیؒ کا وجُودِ مبارک سلف الصالحین کے اِس ارشاد کی زندہ تصویر تھا کہ "تصوّف سارے کا سارا حُسنِ اخلاق ہے اِس کے علاوہ کچھ نہیں"۔ اِس موضوع پر حضرت داتا گنج بخشؒ نے فرمایا تھا کہ اگر کوئی تصوّف کے اِن معانی اور معارف کا انکار کرے تو جنابِ رسُولِ پاکؐ کی پُوری شریعت اور آنجنابؐ کے اخلاقِ حسنہ کا مُنکر ہے۔"

رحم دِلی و غریب نوازی

حضرت بابُوجیؒ کی ذاتِ مُبارک میں قُدرت نے رحم دِلی اور بے سہارا لوگوں کے لیے جذبۂ ہمدردی کُوٹ کُوٹ کر بھرا تھا محبت اور آشنا پروری آپ کا خاصہ تھا۔ ملنے والوں اور لنگر شریف کے مہمانوں کے آرام و سہولت کو آپ ہمیشہ اپنے ذاتی آرام پر فوقیت دیتے رہے۔ مُلاقات کے دروازے ہر ایک پر ہر وقت کُھلے رہتے تھے۔ صُبح کے وقت وظائف اور اوراد

کے دَوران بھی مُلاقات کا سلسلہ جاری رہتا۔ ہر کہ و مہ کی رُوداد بڑی توجّہ سے سُنتے اَور بیان کرنے والے کی تکلیف کو حقیقی طور پر محسُوس فرماتے اِنسان تو اِنسان حیوانوں کی تکلیف سے بھی آپ متاثر ہُوئے بغیر نہ رہتے۔ ایک مرتبہ دسمبر کی سخت سرد رات میں بارش ہو رہی تھی۔ راولپنڈی سے واپسی پر آپ نے ایک عُمر رسیدہ گدھے کو سڑک کے کنارے کھڑے دیکھا۔ فرمایا کہ جب تک بے چارہ کام کرنے کے قابل تھا اِس کی نگہبانی ہوتی رہی۔ اَب جب اِس قابل نہیں رہا تو اِس کی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ اُسی وقت آدمی بھیج کر اُسے ایک محفُوظ سایہ دار جگہ پہنچایا۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ؎

طریقت بجز خدمتِ خلق نیست   بہ تسبیح و سجّادہ و دلق نیست

یہ حقیقت ہے کہ باؤجیؒ کے پاس بیٹھ کر اَور آپ کی صُورت مُبارک دیکھنے سے ایسا سکُون حاصل ہوتا تھا کہ اِنسان اپنی تمام تکالیف اَور پریشانیاں بھُول جاتا تھا۔ ایک روز جھنگ کے علاقہ کا ایک سادہ لوح دیہاتی آپ کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ آپ نے دریافت فرمایا "خیر اے؟" یعنی خیریت ہے؟ اُس نے جو جواب دیا وُہ آپ کے تمام مِلنے والوں کے جذبات کی صحیح عکّاسی کرتا ہے۔ اپنی بولی میں اُس نے عرض کیا "تُساڈے ڈِٹھیاں خیر اے" یعنی آپ کو دیکھ لیا بس خیر ہی خیر ہے۔

جُود و سخا

خلقِ خُدا کے ساتھ ہمدردی اَور رحم دِلی کا ایک اَور مظاہرہ آپ کی صفتِ جُود و سخا تھا۔ سینکڑوں بیواؤں اَور یتیموں کو نہایت خاموشی سے مالی امداد پہنچاتے۔ غریب سادات خاندان اَور دُوسرے ایسے اچھے خاندان جو اِنقلاباتِ زمانہ کی وجہ سے عُسرت کا شکار ہو گئے تھے، خاص طور پر آپ کی توجّہ سے مُستفید ہوتے۔ ۱۹۴۳ء میں جب آپ دُوسری جنگِ عظیم کے بعد حج پر تشریف لے گئے اُن دنوں عرب میں ابھی تیل کی دریافت نہیں ہُوئی تھی اَور کئی سال جنگ کے باعث باہر سے حجّاج نہ آنے کی وجہ سے وہاں پر لوگوں کی مالی حالت سخت تشویش ناک ہو گئی تھی۔ اُس موقعہ پر آپ نے وہاں کے لوگوں کی اِتنے وسیع پیمانے پر مالی اِمداد فرمائی جس کی مثال نہیں ملتی۔ غرضیکہ جو بھی سائل دروازہ پر آیا خالی ہاتھ نہ گیا۔

بیماری کی اِبتدا اَور اسباب

حضرت باؤجیؒ کی صحت بفضلہٖ اُن کی عُمر کے بیشتر حصّہ میں قابلِ رشک رہی۔ میانہ قد پر سفید لباس، گندمی رنگ، کالی پُرپیچ زُلفیں اَور سُرمگیں مدبھری آنکھیں ایک ایسا نقشہ پیش کرتی تھیں کہ جی چاہتا تھا اِنسان دیکھتا ہی رہے۔ اپنے چہرے بُشرے سے آپ اپنی اصل عُمر سے بہت کم عُمر کے نظر آتے تھے۔ سادہ غذا آپ کو بہت مرغُوب تھی۔ کھانے اَور پینے کے لیے مٹّی کے برتن پسند فرماتے۔ دَورانِ سفر جب اپنے کسی مِلنے والے کے ہاں قیام ہوتا تو وہاں کھانوں کی بُہتات دیکھ کر آپ ناپسندیدگی کا اظہار فرماتے۔ بسا اَوقات کسی مِلنے والے کے اصرار پر اُس کے ہاں کھانے کی دعوت اِس شرط پر قبول فرماتے کہ دال یا صرف ایک سالن پکایا جائے گا۔ ایسا اِتفاق بھی ہوتا کہ آپ کسی کے ہاں کھانے کے وقت بِلا اِطلاع پہنچ جاتے اَور جو کچھ اُس وقت گھر میں پکا ہوتا آپ کے سامنے رکھ دیا جاتا۔ اُس وقت آپ فرمایا کرتے تھے کہ دیکھو اپنے لیے تو کیسا اچھا کم مرغن کھانا پکاتے ہو اَور ہمیں بیمار کرنے کے لیے کھانے میں اِتنا سارا گھی ڈال دیتے ہو۔ سہل پسندی سے آپ ہمیشہ دُور رہے۔ جسم کو مشقت کا ایسا

عادی بنایا تھا اور پیدل اتنا تیز چلتے تھے کہ اپنے سے بہت کم عمر والوں کو پیچھے چھوڑ جاتے۔ گھوڑے کی سواری کو بھی آپ پسند فرماتے اور بسا اوقات صبح کے وقت گھوڑے پر سوار ہو کر آپ ساتھ کے گاؤں میرا بادیہ تشریف لے جاتے۔ شام کے وقت آپ عموماً راولپنڈی تشریف لے جاتے۔ وہاں شروع میں آپ حاجی محمد شفیع صاحب کی دوکان واقع پرانا قلعہ پر قیام فرماتے اور عشاء کی نماز پڑھ کر واپس تشریف لے جاتے۔ پرانے قلعہ سے آپ تھوڑی دیر کے لیے اپنے ایک اور مخلص منشی رحیم بخش صاحب کے گھر لال کرتی بھی تشریف لے جاتے۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران جب پٹرول کا راشن تھا تو آپ پنڈی کا یہ روزانہ سفر تانگے پر فرماتے کچی سڑک پر یہ ۲۰ میل کا سفر خاصا کٹھن ہوتا تھا۔ لنگر شریف سے گولڑہ شریف کے ریلوے سٹیشن تک آپ دو میل پیدل تشریف لے جاتے اور وہاں سے تانگے پر سوار ہوتے۔ حاجی محمد شفیع صاحب سے آپ کا پرانا تعلق تھا۔ دوسرے باثروت لوگوں نے کئی بار کوشش کی کہ آپ حاجی شفیع صاحب کے ہاں جانے کی بجائے اُن کے ہاں جایا کریں۔ مگر پرانے تعلق کو چھوڑنا آپ کے مسلک میں نہ تھا۔ جب حاجی شفیع صاحب بوجہ بیماری اپنی دوکان پر آنے سے معذور ہو گئے تو پھر آپ نے شام کے وقت منشی رحیم بخش صاحب لال کرتی والوں کے پٹرول پمپ موسومہ چاولہ گیراج مال روڈ پر تشریف لے جانا شروع کیا۔ لال کرتی کا یہ خاندان لنگر شریف سے بڑی عقیدت رکھتا ہے۔ منشی رحیم بخش صاحب کے بھتیجے حاجی غلام قادر صاحب تو اپنی جوانی ہی سے حضرت بابوجی کے ساتھ وابستہ ہو گئے تھے اور سفر و حضر میں آپ کے ساتھ رہے۔ شام کی ان مجالس میں راولپنڈی شہر اور باہر سے آتے ہوئے بڑے بڑے صاحب علم و ذوق حضرات شامل ہوتے اور علمی اور روحانی مسائل زیر بحث آتے۔ حضرت بابوجی کی ذات مبارک کو اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا وقار، تمکنت اور جلال عطا فرمایا تھا کہ آپ کی تمام مجالس نہایت سنجیدہ اور پُروقار ہوتیں۔

اللہ والوں کے پاس بالعموم زیادہ تر وہی لوگ آتے ہیں جو زمانہ کے ہاتھوں ستائے ہوئے ہوں۔ وہ جانتے ہیں کہ اُن کے درد کا درماں اگر کہیں مل سکتا ہے تو وہ انہی نفوس قدسیہ کے ہاں مل سکتا ہے۔ بقول امیر مینائی

ع بلا ہے مہرباں فریاد رس فریاد کرتے ہیں

پاکستان کے وجود کے ابتدائی سالوں میں حاکمان وقت کی غلط روی، اقرباپروری، ذاتی مفاد کی خاطر بھاگ دوڑ اور غریب عوام کے مسائل کی طرف انتظامیہ کی بے توجہی وغیرہ نے خلق خدا کو مختلف النوع تکالیف میں مبتلا کر دیا۔ جو بھی آتا ایک نئے ستم کی سرگزشت سناتا۔ حضرت بابوجی کی حد درجہ حساس طبع مبارک پر ان داستان ہائے غم کا شدید اثر ہوتا۔ ۱۹۷۱ء کے مشرقی پاکستان کے المیہ اور پاکستانی افواج کے ہتھیار ڈالنے کو آپ نے اس شدت سے محسوس کیا کہ بیان سے باہر ہے۔ جنگی قیدیوں کے اقربا جب دعا کے لیے حاضر ہوتے تو آپ کی آنکھیں اشکبار ہو جاتیں۔ ان سب باتوں کا اثر آپ کے قلب پر ہونا لازمی تھا۔ ۱۹۷۱ء حج کے دوران آپ نے حج سے واپسی پر حضرت جامیؒ کے مزار مبارک پر حاضری دینے کا پروگرام بنایا اور ستمبر ۱۹۷۱ء کے آخر میں موٹروں پر یہ سفر فرمایا۔ موٹروں کے اس قافلہ میں آپ سب سے آخر میں مخلص عزیز الحق قریشی جو نوابزادہ محمد سعید قریشی کے فرزند اور نوابزادہ محمد ذاکر قریشی صاحب کے بھتیجے ہیں، کی موٹر میں سفر فرماتے رہے۔ سرگودھا کا یہ قریشی خاندان صاحب ثروت ہونے کے ساتھ ساتھ اہل اللہ کے ساتھ نہایت عقیدت رکھتا ہے۔ اور ان کے جدِ امجد محمد حیات صاحب قریشی کا حضرت جدِ اعلیٰ کے ساتھ خاص تعلق تھا۔ اُن کا ذکر اس کتاب کے صفحہ ۲۹۸ پر آ چکا ہے۔ عزیز الحق قریشی صاحب حضرت بابوجیؒ کو فی الواقعہ بہت عزیز تھے۔ جاتے ہوئے قندھار میں قیام کے دوران آپ نے سخت کمزوری اور دل کے مقام پر بے چینی محسوس فرمائی۔ ٹھنڈے پسینے بھی آئے۔ مگر آپ نے رفقاء کو پریشان نہ کرنے کے خیال سے اس کو زیادہ اہمیت نہ دی اور سفر جاری رکھا۔ راستہ میں پھر اسی تکلیف

کا اِعادہ ہوا اور ہرات پہنچنے پر رُفقا کے اصرار پر ڈاکٹر کو دکھایا گیا۔ اُس نے فوری طور پر مکمل آرام کرنے کی ہدایت کی اور دوائیاں بھی دیں۔ مگر آپ جس مقصد کے لیے وہاں تشریف لے گئے تھے اُس کی تکمیل کے بغیر آرام ناممکن تھا۔ آپ روزانہ تین چار گھنٹے حضرت جامیؒ کے مزارِ مبارک پر حاضری دیتے۔ ہرات میں ۵ روز قیام کے بعد آپ کابل اور مزار شریف سے ہوتے ہوئے ۱۱ اکتوبر ۱۹۷۱ء کو واپس تشریف لائے۔ بگر واپس آتے ہی آپ کو مٹھہ ٹوانہ ضلع سرگودھا ایک شادی کے سلسلہ میں جانا پڑا۔ وہاں سے براستہ ستیانہ و مگھیانہ ضلع جھنگ مُلتان تشریف لے گئے۔ مگھیانہ میں ملنے والوں کے اصرار پر آپ کو متعدد جگہوں پر پیدل چلنا پڑا۔ اور ایک جگہ ایک نالے کو چھلانگ لگا کر عبور کیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ مگھیانہ سے آگے راستے ہی میں کبیر والہ کے مقام پر آپ نے دوبارہ دل کے قریب تکلیف محسوس فرمائی۔ اور وہ دوائی دُوسری موٹر سے منگوا کر مُنہ میں رکھی جو ڈاکٹر کرنل شفیع صاحب نے ایسے موقع پر اِستعمال کے لیے دی تھی۔ ملتان پہنچنے پر آپ پر نقاہت کا ایک زبردست حملہ ہوا۔ ملتان میں آپ خواجہ مظفر محمود صاحب کے صاحبزادے خواجہ محمد مسعود کی کوٹھی پر قیام فرمایا کرتے تھے۔ اُنہیں آپ بوجہ اُن کی مِٹی ہُوئی طبیعت کے "فقیر صاحب" کے لقب سے خطاب فرماتے تھے۔ مُلتان کے مخلصین نے وہاں کے تمام اچھے ڈاکٹر بُلا لیے اور اُنہوں نے آپ کو وہاں دو تین روز زبردستی آرام فرمانے کے لیے رکھا اور گولڑہ شریف واپسی کے لیے موٹر کے سفر سے منع کیا۔ لہٰذا آپ کو لاہور سے آگے ہوائی جہاز میں راولپنڈی لایا گیا۔ ڈاکٹروں نے مکمل آرام کا مشورہ دیا مگر آپ نے اپنے روزمرہ کے مشاغل میں سرِ مُو فرق لانا گوارہ نہ فرمایا۔ صاحبزادگان مدظلہما العالی کے اصرار پر صرف اِتنا کیا کہ مجلس سے واپس مکان کو جاتے ہُوئے راستہ میں چڑھائی ہونے کی وجہ سے آپ پیدل جانے کی بجائے موٹر پر تشریف لے جانے لگے۔ فرماتے تھے کہ تم لوگ آرام آرام کہہ کر مجھے بالکل معذور بنا دو گے۔ دِل کی تکلیف سے ذرا افاقہ ہوا تو مسلسل ہچکی کی تکلیف شروع ہو گئی جس نے جسم مُبارک کو اَور بھی کمزور کر دیا۔ اس دوران حج کا زمانہ آگیا۔ ڈاکٹروں کی شدید مخالفت کے باوجُود آپ نے حج پر جانے کا پروگرام بنا لیا اور دسمبر ۱۹۷۲ء میں آپ اپنے تمام اہلِ خاندان اَور متعدد دُوسرے متعلقین کے ہمراہ حج پر تشریف لے گئے۔ وہاں سے واپسی پر بغداد شریف، کربلائے معلیٰ نجفِ اشرف اَور کاظمین شریفین بھی حاضری دی۔ ایسے سفروں کے دَوران آپ ہمیشہ اپنے سب رُفقا کو سوار کرا کے پھر سوار ہوتے اَور منزل پر پہنچ کر ہر ایک کے لیے قیام کا اِنتظام فرما کر پھر اپنے لیے جگہ ڈھونڈتے۔ بسا اَوقات ایسا بھی ہوا کہ سب رفقا اپنے "ڈیروں" پر متمکن ہیں اَور آپ باہر میدان میں تشریف فرما ہیں۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ ایسے سفروں میں چُونکہ طبیعت کا رُجحان یکسُوئی سے منزلِ مقصُود کی جانب ہوتا ہے اِس لیے دورانِ سفر کسی تکلیف یا کمزوری کا بالکل احساس نہیں ہوتا۔

حج سے واپسی اَور اِستغراق

مندرجہ بالا سفر آپ کا آخری سفرِ حجاز و عراق تھا۔ اِس سفر کے بعد حضرت بابُوجیؒ کی طبع مُبارک میں نمایاں تبدیلی واقع ہُوئی۔ آپ اب اکثر و بیشتر خاموش رہنے لگے۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ آپ کا جسم تو یہاں ہے مگر قلب و رُوح کسی نہایت ہی ارفع مقام پر ہیں بعض مرتبہ اِستغراق کا یہ عالم بھی دیکھنے میں آیا کہ آپ نے پاس بیٹھے ہُوئے آدمی سے پُوچھا کہ اب مجھے کیا کرنا ہے۔ ان دنوں آپ اکثر محبُوب قوّال کو مثنوی شریف مولانا رُومؒ کے مندرجہ ذیل اشعار پڑھنے کے لیے فرمایا کرتے تھے ؎

چند باشی عاشقِ صُورت بگو طالبِ معنیٰ شو و معنیٰ بجو

ترجمہ ــــ تو کب تک صُورت کا عاشق رہے گا۔ معنی کی طلب اور تلاش کر

صُورتِ ظاہر فنا گردد بداں   عالمِ معنیٰ بماند جاوداں

ترجمہ ــــ یہ جان لے کہ ظاہری صُورت تو فنا ہو جائے گی لیکن معنیٰ کی دُنیا ہمیشہ رہنے والی ہے

گُفت المعنیٰ ھُوَاللہ شیخ دیں   بحرِ معنی ہاست ربّ العالمیں

ترجمہ ــــ شیخِ دیں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ معنی ہی معنی ہے۔ اُس کی ذاتِ پاک معانی کا ایک سمندر ہے

ایسے لگتا تھا کہ آپ کو اپنے سفرِ آخرت کے قریب ہونے کا علم ہو گیا ہے اور ان اشعار کے اعادہ سے آپ اپنے مِلنے والوں کو اپنی جُدائی کے لیے تیار کرنا چاہتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ اپنے مِلنے والوں کے لیے حضرت باؤجی کی ذاتِ مُبارک ایک ایسا محبوب ملجا و ماوا تھی جس کا بیان ممکن نہیں۔ اُن کی تو کائنات ہی آپ کے دم قدم سے آباد تھی اور اُن کی زندگی کی رونق آپ کے وجُود ہی سے تھی۔ ایک دُنیا آپ کی گرویدہ تھی۔ اور خود آپ سے بھی یہ بات مخفی نہ تھی۔ اپنی تمام زندگی رہگزرِ عشق میں گزارنے کی بناء پر آپ یہ جانتے تھے کہ جُدائی کیسی تکلیف دِہ چیز ہوتی ہے۔ بقول عارفِ رُومی رحمۃ اللہ علیہ ؎

از فراقِ تلخ می رانی سخن   ہر چہ خواہی کُن ولیکن ایں مکُن

ترجمہ ــــ تم تلخ جُدائی کا ذِکر کر رہے ہو (خُدارا) سب کچھ کرنا مگر یہ نہ کرنا

چُنانچہ آپ خُوب سمجھتے تھے کہ آپ کے تشریف لے جانے کے بعد پیچھے رہ جانے والوں پر کیا گزرے گی۔ آپ کے ایک دیرینہ نیاز مند مہر احمد نواز خان نے جو اکثر اپنی پُر مزاح باتوں سے آپ کی طبیعت بہلایا کرتے تھے، مندرجہ بالا اشعار سُن کر آپ کی خدمت میں ایک روز عرض کیا کہ آپ ہمیں معنی کی باتیں سُنا سُنا کر دُوسرے راستہ پر نہ لگائیں ہم جانتے ہیں کہ معنی بہت اچھی چیز ہے تاہم ہمیں تو صُورت ہی بڑی پیاری ہے آپ اِسی کو ہمارے پاس رہنے دیں۔" ۵۔ نومبر ۱۹۷۳ء کو آپ اپنے دیرینہ نیاز مند ریاست امب کے نواب صاحب کے اِنتقال پر ایبٹ آباد سے ہوتے ہُوئے شیر گڑھ تشریف لے گئے اور ۶۔ نومبر کو واپسی پر ریحانہ ضلع ہزارہ میں بھی سردار بہادر خان کی والدہ کی تعزیت کے سلسلہ میں رُکتے ہُوئے اُسی رات واپس گولڑہ شریف تشریف لے آئے۔ ۸۔ نومبر ۱۹۷۳ء صُبح کے وقت ناشتہ کے بعد آپ نے حسبِ معمول محبوب قوال سے کلف لگوائی اُس کے لگاتے ساتھ ہی آپ نے زبان کی روانی میں رُکاوٹ محسُوس فرمائی۔ محبُوب قوال جب بیٹھک سے نیچے اُترا تو اُس نے آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت لالہ جی مدظلہ العالی سے عرض کیا کہ حضرت باؤجیؒ کی زبان کی روانی میں فرق معلوم ہوتا ہے۔ تھوڑی دیر بعد حضرت باؤجی بھی نیچے تشریف لائے اور آپ نے بھی لالہ جی سے یہی ذکر فرمایا۔ لالہ جی مدظلہ العالی نے بھی گفتگو کے دوران زبان کی روانی میں فرق کو محسُوس کیا اور اُسی وقت آپ کے خصُوصی معالج ڈاکٹر کرنل محمد شفیع صاحب کو ٹیلیفون پر اِطلاع دی۔ وُہ فوراً آئے اور دیکھ کر بتایا کہ زبان پر فالج کا اثر ہے اور مکمل آرام کے لیے عرض کیا۔ مگر آپ نے اپنے معمولات میں مزید صرف اتنی تبدیلی فرمائی کہ موٹر کا استعمال مجلس سے گھر تشریف لے جانے کے علاوہ گھر سے مجلس کے لیے بھی ہونے لگا۔ ایلوپیتھک دوائیوں کے ساتھ ساتھ ہومیو پیتھک اور یُونانی ادویہ بھی استعمال کی گئیں جن سے تھوڑے ہی عرصہ میں کافی افاقہ ہو گیا تاہم زبان کی روانی کلیتہً بحال نہ ہُوئی۔

حضرت مدنی صاحب کی آمد

اُدھر حج کا زمانہ پھر آن پہنچا اور آپ اپنی کمزوری اور تکلیف کے باوجُود دیارِ پاک کی حاضری کے لیے تیار ہونے لگے۔

ڈاکٹر صاحبان نے شدت سے منع فرمایا۔ بالآخر یہ ارادہ فرمایا کہ حج کے بعد عمرہ کے لیے جائیں گے جب وہاں بھیڑ ذرا کم ہوگی۔ اور حضرت مدنی صاحب کو بھی اُن کی آنکھ کے اپریشن کے لیے اپنے ساتھ پاکستان لے آئیں گے۔ ابھی یہ پروگرام بن ہی رہے تھے کہ ۵۔ مارچ ۱۹۷۴ء کو اچانک اطلاع ملی کہ حضرت مدنی صاحب کراچی پہنچ چکے ہیں۔ یہ اطلاع ملنے پر حضور باؤجیؒ بمعہ ڈاکٹر کرنل محمد شفیع، مشتاق قوال، خواجہ خدا بخش و خواجہ محمد اعظم ملتانی کے ۶۔ مارچ کو بذریعہ ہوائی جہاز حضرت مدنی صاحب کے استقبال اور انہیں ساتھ لانے کے لیے کراچی پہنچ گئے۔ حضرت مدنی صاحب کا تعارفی ذکر اس کتاب کے صفحہ ۳۳۹ پر حاشیہ میں گذر چکا ہے۔ حضرت باؤجیؒ سے انہیں بے حد نیاز اور حقیقی معنوں میں عشق تھا۔ آپ جو خط بھی حضرت باؤجیؒ کی خدمت میں تحریر فرماتے انہیں اِن الفاظ سے شروع کرتے :-

من مسقط راس المدینۃ المنورہ الیٰ مسقط قلبی گولڑا شریف

ترجمہ ـــــ یہ خط جا رہا ہے اُس دیارِ پاک سے جہاں میرا سر گرا ہے۔ طرف اُس دیارِ گولڑا شریف کے جہاں میرا دل گرا ہے۔

افسوس کہ حضرت باؤجیؒ کے وصال کے تھوڑے ہی عرصہ بعد حضرت مدنی صاحب بھی یکم رمضان المبارک ۱۳۹۴ھ کو اس جہانِ فانی سے دارِ بقا کی طرف تشریف لے جا کر حضرت باؤجیؒ سے جا ملے۔

کراچی میں حضرت باؤجیؒ شروع میں صادق ٹریڈرز کے دفتر میں قیام فرمایا کرتے تھے۔ بعد میں آپ کے ایک اور ملنے والے مخلص احمد داؤد نے جب اپنا مکان بنوایا تو بڑے اصرار سے التجا کر کے آپ کو وہاں قیام کرنے پر راضی کیا۔ احمد داؤد صاحب کا حضرت باؤجیؒ سے پاکستان بننے سے پہلے بمبئی میں تعارف ہوا تھا۔ تقسیمِ ملک کے بعد یہ کراچی آ گئے۔ حضرت باؤجیؒ سے بے حد محبت کرتے تھے اور کراچی اور بیرونِ ملک سفروں کا تمام انتظام اُن کے سپرد ہوتا تھا۔ دل کے مریض تھے مگر لنگر شریف کے کاموں کے لیے پیدل دوڑتے پھرتے تھے۔ حضرت باؤجیؒ بمعہ مدنی صاحب ۹۔ مارچ کو کراچی سے واپس تشریف لے آئے۔ آپ کی واپسی کے دوسرے ہی روز اطلاع ملی کہ احمد داؤد صاحب کا انتقال ہوگیا ہے۔ اس خبر سے آپ کو نہایت دلی صدمہ ہوا اور اپنے بڑے صاحبزادے حضرت لالہ جی کو جنازہ میں شمولیت کے لیے کراچی بھیجا۔

کمزوری اور علالت کے باوجود حضرت باؤجیؒ کی مصروفیات اور معمولات میں کوئی فرق نہ آیا۔ آپ کی بیماری کی خبریں سُن کر ملنے والوں کا ہجوم بڑھتا گیا۔ ۲۲۔ مارچ ۱۹۷۴ء کو بغداد شریف سے درگاہ حضرت غوث الاعظمؒ کے متولی سید یوسف الگیلانی تشریف لائے۔ اُن کی خاطر مدارات میں بھی حضرت باؤجیؒ ذاتی طور پر شمولیت فرماتے رہے۔ ۳۰۔ مارچ ۱۹۷۴ء کو مائی سارا صاحبہ ترکی سے حضرت باؤجیؒ کی بیمار پرسی کے لیے تشریف لے آئیں۔ یہ ترکی کے مشہور جرنیل انور پاشا کی اولاد سے ہیں اور حضرت مولانائے رُوم سے بڑی عقیدت رکھتی ہیں۔ حضرت باؤجیؒ سے ان کی ملاقات قونیہ شریف حضرت مولاناؒ کے مزار مبارک کے باہر ہوئی اور چونکہ یہ کچھ تھوڑا بہت انگریزی سمجھتی ہیں اس لیے وہاں پر یہ حضرت باؤجی اور مدیر صاحب و دیگر ترکی انتظامیہ کے ملازمین کے درمیان بطور مترجم کام کرتی رہیں۔ حضرت باؤجی کے اخلاق سے اس قدر متاثر ہوئیں کہ انہیں اپنا بھائی کہنے لگیں اور اس سے قبل بھی ایک دفعہ آپ کو ملنے کے لیے پاکستان آئی تھیں۔ ۱۶۔ اپریل ۱۹۷۴ء کو یوم عید میلاد النبیؐ تھا۔ اس موقعہ پر آستانہ عالیہ پر جو خاص تقریب ہوتی ہے اُس کا ذکر اسی فصل کے شروع میں آچکا ہے۔ حضرت باؤجیؒ پہلی بار اس مجلس میں بذاتہ شامل نہ ہو سکے کیونکہ رات تقریباً گیارہ بجے آپ کو سردی کے ساتھ شدت کا بخار آگیا۔ آپ کے تشریف نہ لانے کا اثر ساری مجلس پر تھا۔ حضرت باؤجیؒ کی جگہ آپ کے صاحبزادگان نے مجلس کی تقاریب کو سرانجام پہنچایا

مگر وُہ خود بھی اپنے والدِ بزرگوار کی غیر شمولیت پر غمزدہ نظر آتے تھے۔

حضرت مدنی صاحب کی تشریف آوری سے حضرت بابُوجیؒ کی طبیعت کچھ سنبھل گئی تھی۔ مدنی صاحب کو موتیا بند کی تکلیف تھی اَور پہلے بھی آپ کی ایک آنکھ کا اپریشن پاکستان ہی میں ہو چکا تھا۔ اب دُوسری آنکھ میں تکلیف تھی۔ اور حضرت بابُوجیؒ کا خیال تھا کہ اُس کا اپریشن بھی یہیں ہو جائے کیونکہ یہاں تسلی بخش اپریشن کے علاوہ آپ کی دیکھ بھال کا خاطر خواہ اِنتظام ہو سکتا تھا غرضیکہ مدنی صاحب کی دُوسری آنکھ کا اپریشن بھی کامیابی سے ہو گیا۔ آپ ابھی زیرِ علاج تھے کہ سیدنا غوث الاعظمؓ کا عرس مبارک ۲، ۳، ۴ مئی ۱۹۷۴ء کو آن پہنچا۔ اِس موقعہ پر گولڑہ شریف میں خلقِ خدا کا اِس قدر ہجوم ہوتا ہے اور اُن سے مُلاقات کا تو اِتراتنا وقت طلب اَور اِس قدر تھکا دینے والا ہوتا ہے کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ ڈاکٹروں کے منع کرنے کے باوجُود آپ نے مُلاقاتوں کا یہ سِلسلہ بدستور جاری رکھا۔ اِس کے علاوہ حضرت بابُوجیؒ عُرس کی سہ روزہ باقاعدہ مجالس میں عموماً دوزانو بیٹھا کرتے تھے اَور بہت کم پہلو بدلتے۔ اِنہی تقریبات کے دوران جمعہ کے روز ختم شریف کی مجلس میں دیر تک بیٹھے رہنے کے بعد آپ نے محسوس فرمایا کہ آپ کی ایک ٹانگ بالکل بے حِس ہو گئی ہے۔ مجلس کے خاتمہ پر آپ بڑی مشکل سے سہارا لے کر قیام گاہ پر تشریف لے گئے۔ اِس تکلیف کے باوجُود آپ نے جمعہ کی نماز مسجد میں جا کر باجماعت ادا فرمائی۔

ہسپتال میں داخلہ اور حضرت مدنی صاحب کی واپسی

عُرس مُبارک کے تھوڑے ہی دِنوں بعد ۱۱ مئی بروز ہفتہ آپ کو غدُود مثانہ بڑھ جانے کی وجہ سے پیشاب میں رُکاوٹ کی تکلیف ہو گئی۔ ڈاکٹروں نے غدُود کے اپریشن کا مشورہ دیا جس کے لیے آپ کو کمبائنڈ ملٹری ہسپتال میں جمعرات ۱۶ مئی ۱۹۷۴ء کو کمرہ نمبر ۴ میں داخل کرا دیا گیا۔ حضرت مدنی صاحب نے جب حضرت بابُوجیؒ کی اِس تکلیف کو دیکھا تو آپ واپس وطن جانے کے لیے اصرار کرنے لگے۔ غالباً وُہ نہیں چاہتے تھے کہ اُن کی موجُودگی کی وجہ سے حضرت بابُوجیؒ کے علاج کی طرف توجہ میں کمی واقع ہو۔ حضرت بابُوجیؒ کو جب مدنی صاحب کے اصرار کا علم ہوا تو آپ نے بار بار اُن کی خدمت میں یہی کہلوایا کہ ابھی تشریف نہ لے جائیں مگر مدنی صاحب بدستور مُصر رہے۔ آخر اُن کی خواہش کے سامنے سب کو جُھکنا پڑا۔ اور وُہ ۲۶ مئی ۱۹۷۴ء بروز اتوار رات ساڑھے آٹھ بجے تشریف لے گئے۔ اُن کی روانگی سے ایک روز قبل حضرت بابُوجیؒ ڈاکٹر صاحبان سے اجازت لے کر اُنہیں خیرباد کہنے کے لیے گولڑہ شریف تشریف لے گئے۔ دُوسرے روز آپ کا پروگرام انہیں ہوائی اڈہ پر جا کر رُخصت کرنے کا بھی تھا۔ مدنی صاحب کو معلوم ہوا تو اُنہوں نے گزارش کی کہ آپ ہوائی اڈہ پر تشریف نہ لے جائیں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ میرا اِرادہ تو آپ کو مدینہ شریف تک چھوڑ کر آنے کا تھا آپ مجھے ہوائی اڈہ تک جانے سے بھی منع فرما رہے ہیں۔ جب مدنی صاحب نے دوبارہ وُہی گزارش کی تو آپ نے مُسکرا کر فرمایا کہ کیا آپ نے یہاں مزید قیام فرمانے کے متعلق میرا کہا مانا ہے کہ میں آپ کا کہا مانوں؟ غرض آپ ہوائی اڈہ پر تشریف لے گئے۔ واپسی پر حسرت بھرے لہجے میں فرمایا کہ میری خواہش تھی کہ مدنی صاحب میرا جنازہ پڑھا کر جاتے مگر افسوس کہ یہ خواہش پُوری نہ ہُوئی۔ مدنی صاحب کے اپنی واپسی پر غیر معمولی اصرار کرنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اُنہیں بھی حضرت بابُوجیؒ کے عنقریب اِس دُنیا سے تشریف لے جانے کا علم ہو گیا تھا۔ اور وُہ یہ نہ چاہتے تھے کہ یہ جانکاہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔

علالت کے دوران ملنے والوں کی بے چینی

حضرت بابوجیؒ کی علالت نے آپ کے تمام ملنے والوں کو بے چین کیا ہوا تھا جس کسی کو علم ہوا اُس نے حتی الوسع کوشش کی کہ بیمار پرسی اور زیارت کے لیے ہسپتال میں حاضری دے۔ دُور دراز سے لوگ آنا شروع ہو گئے۔ نتیجتاً ہسپتال میں پوچھنے والوں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ ملاقات کے اوقات کے دوران وہاں باہر باجماعت نمازیں ادا کی جاتیں۔ اور کھانے کے وقت ایک لمبا دستر خوان بچھا ہوتا۔ آپ کی علالت کے اس دَور میں آغا شورش کاشمیری نے "چٹان" مورخہ ۲۰ مئی ۱۹۷۴ء میں ایک نظم لکھی جو آپ کے ملنے والوں کے احساسات کی ترجمان ہے۔ آغا شورش بقول خود کسی اور میدان یعنی میدان سیاست کے شاہسوار تھے۔ تحریکِ ختم نبوت میں اُنہیں حضرت بابوجیؒ کے قریب آنے اور دیکھنے کا موقعہ ملا اور آپ کے اخلاق حسنہ اور اوصاف حمیدہ سے ایسے متاثر ہوئے کہ اپنی اکثر مجالس میں اس کا ذکر تے۔ حضرت بابوجیؒ اُنہیں منع فرماتے کہ آپ جن الفاظ میں میرا ذکر کرتے ہیں میں اُن کے بالکل قابل نہیں ہُوں۔ آپ ایسا نہ کیا کریں۔ مگر وُہ بھلا کہاں رُکنے والے تھے۔ مندرجہ ذیل نظم بھی جب آپ کو ہسپتال میں سُنائی گئی تو آپ نے پھر شورش صاحب کی طرف پیغام بھجوایا کہ ایسا نہ کیا کریں۔

گولڑہ کے معتقد اس درد سے لاچار ہیں
اُن کے مُرشد اک مہینہ ہو گیا بیمار ہیں
تندرستی دے انہیں اے مالکِ ہر دو جہاں
ہم فقیروں کے لیے وُہ ابرِ گوہر بار ہیں
قرنِ اوّل کے صحابہ کی عزیمت اُن سے ہے
بالیقیں حلقہ بگوش سیّد الابرار ہیں
اُن کے دل میں حضرتِ صدیقِ اکبرؓ کی لگن
حضرتِ فارُوقؓ کی شمشیر جوہر دار ہیں
مظہرِ عثمانؓ ذوالنُّورین از راہِ سخا
حیدرِؓ کرار کی خیبر شکن تلوار ہیں
مَیں نے دیکھا ہے اُنہیں مستِ مئے یوم الست
خواجۂ بطحاؐ کی دعوت کے علمبردار ہیں
میکدے میں تشنہ کاموں کے لیے ساغر بدست
بتکدہ میں غیرتِ اسلام کی للکار ہیں
فقر و استغنا کا پیکر ارضِ پاکستان میں
ایشیا میں لشکرِ اسلام کے سالار ہیں
اس غریب الحال پر اُن کی عنایت بے حساب
لرزہ بر اندام شورشؔ سے دسیسہ کار ہیں

آخری ایام

حضرت بابوجیؒ مسلسل ۱۹ روز تک ہسپتال میں ڈاکٹر بریگیڈیر آئی۔ ڈی حسن اور ڈاکٹر کرنل اکرم کے زیرِ علاج رہے۔ دونوں ڈاکٹر صاحبان نے خصوصاً ڈاکٹر کرنل اکرم نے بڑی توجّہ سے علاج کیا۔ مگر آپ کی انتہائی کمزوری کے باعث اپریشن کرنے سے ہچکچاتے رہے۔ اس دوران عیادت کرنے والوں کا تانتا لگا رہتا تھا۔ ہسپتال کا عملہ اُنہیں مُلاقات سے منع کرتا تھا۔ اس سے حضرت بابوجیؒ کی طبع مُبارک پر بوجھ پڑتا تھا۔ آپ فرماتے تھے کہ یہ بے چارے دُور دراز کا سفر کر کے یہاں آتے ہیں اور یہاں اُنہیں ملنے میں اتنی دُشواری ہوتی ہے۔ چنانچہ آپ باصرار ۳ جُون ۱۹۷۴ء کو گولڑہ شریف واپس تشریف لے آئے۔ سب گھر والوں سے اور تمام خویش و اقارب سے مُلاقات فرمائی۔ اپنے دونو صاحبزادگان کو اور اپنے سارے پوتوں کو بُلا کر

نصیحت فرمائی کہ دیکھنا آپس میں اتفاق رکھنا۔ اپنے آپ کو صاجزادہ نہ بنانا بلکہ لوگوں کا خادم بنے رہنا۔ ایسا نہ ہو کہ تم کمروں میں آرام سے بیٹھے رہو اور ملنے والے باہر تکلیف میں کھڑے رہیں۔ آرام طلب نہ بننا مشقت اور تکلیف سہنے کی عادت ڈالنا۔ مالک کی یاد سے ایک لمحہ بھی غافل نہ ہونا اُس کے حقوق ادا ہوں گے تبھی منزلِ مقصود کو پہنچو گے۔ ایک روز اپنے بڑے صاحبزادے حضرت لالہ جی کو مثنوی مولانائے رُوم کے یہ شعر لکھوائے۔

صُورتِ ظاہر چہ جوئی اَے جواں — رو معانی را طلب اَے پہلواں

ترجمہ۔ اَے جوان ظاہری صُورت کو کیوں تلاش کرتا ہے۔ جا اور معنی کی جستجو کر۔۔۔!

صُورت و ہیأت بُد چوں قشر و پوست — معنی اندر وَے چوں مغز اَے یار دوست

ترجمہ۔ ظاہرا صُورت مثل چھلکے کے ہے۔ معنی اُس کے اندر مثل مغز موجود ہے

در گزر از نام و بنگر در صفات — تا صفاتت راہ نماید سُوئے ذات

ترجمہ۔ نام کو چھوڑ اور صفات کو دیکھ تاکہ صفات تمہیں ذات کی طرف رہنمائی کریں

گُم شوی در ذات و آسائی زِ خُود — چشمِ تو یک رنگ بیند نیک و بد

ترجمہ۔ اپنے آپ کو چھوڑ اور اُس کی ذات میں گُم ہو تاکہ تیری آنکھ، نیک و بد کو ایک رنگ سے دیکھے

کارِ او با بندگانِ بد چُناں — او کرم فرما بود بر عاصیاں

ترجمہ۔ وُہ اپنے گناہگار بندوں سے اس طرح سلوک کرتا ہے کہ اُن پر اپنا کرم فرماتا ہے

گر نہ عاصی آمدے اندر جہاں — رحمتِ ایزد کُجا بُودے عیاں

ترجمہ۔ اگر دُنیا میں گناہ گار نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کیسے ظاہر ہوتی

گولڑا شریف آنے کے بعد آپ نے پھر اُن تمام لوگوں سے ملنا شروع فرما دیا جو بیمار پُرسی کے لیے آتے تھے۔ اس سے طبیعت کی کمزوری میں اضافہ ہوا اور مثانہ کی تکلیف زیادہ ہوگئی۔ ساتھ ہی ۹۔ جون ۱۹۷۴ء کو آپ کو شدید بخار آ گیا۔ اس پر حضرت صاحبزادگان نے ڈاکٹروں سے مشورہ کرنے کے بعد آپ کو دوبارہ ہسپتال پہنچانے کا پروگرام بنایا۔ جب آپ سے اِس بارہ میں عرض کیا گیا تو فرمانے لگے "تمہاری مرضی ہے تو لے چلو مگر وہاں جانے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔" ۱۱۔ جُون ۱۹۷۴ء کو آپ کو دوبارہ دِن کے تین بجے ہسپتال لے جایا گیا۔ ڈاکٹروں نے پہلے فوری طور پر اپریشن کرنا چاہا لیکن پھر آپ کی کمزوری کے پیشِ نظر رُک گئے۔ اس کے بعد کے چند ایام آپ نے نہایت تکلیف میں گذارے۔ دفعِ نقاہت کی غرض سے گلوکوز لگانے کے لیے خون کی رگ تلاش کرنے میں کئی کئی بار آپ کے جسمِ مُبارک میں سُوئیاں چبھوئی پڑتیں مگر زبان پر شکرِ خداوندی کے علاوہ کبھی کوئی جُملہ نہ آیا۔ ڈاکٹر صاحبان جب دیکھنے کے لیے آتے اور حال دریافت کرتے تو آپ ہمیشہ فرماتے "الحمد للہ اللہ کا بڑا شکر ہے۔" آپ کی اِس بے پناہ قوّتِ برداشت پر ہسپتال کا سارا عملہ حیران تھا۔ انہوں نے بھی اپنی زندگی میں ایسا راضی برضا مریض پہلی بار دیکھا تھا۔ اِن دنوں مخلصین عبدالرزاق مٹھیالوی، راجہ غلام سرور، محمد نثار صدیقی اور ملک غلام ربّانی آپ کی مسلسل دیکھ بھال کرتے رہے۔ دونوں صاحبزادہ صاحبان بھی ہر وقت موجُود رہتے اور مہمانوں اور عیادت کرنے والوں سے ملتے رہتے۔ چونکہ اِتنے آدمیوں کا کمرہ کے اندر جانا محال تھا اِس لیے جب کبھی آپ تکیہ لگا کر چارپائی پر بیٹھتے تو سامنے والی کھڑکی کھول دی جاتی تاکہ آنے والے دُور ہی سے کھڑے ہو کر اپنے پیارے بابوجی کی زیارت کر لیں۔

سفرِ آخر

۱۹ جُون کو آپ نے محبوب اور مُشتاق قوالوں کو بُلوایا اور اُن سے آخری بار سیدنا غوث الاعظمؓ کی مندرجہ ذیل منقبت سماعت فرمائی اور اُنہیں بہت دُعائیں دے کر رُخصت فرمایا۔

حضرتِ محبُوبِ سُبحانی شہِ پیرانِ پیر — شاہ بازِ لامکانی مظہرِ ربِّ قدیر
تاجدارِ مُلکِ قُدرت مظہرِ ربِّ قدیر — اب مدد فرمایئے قیدِ خُودی میں ہُوں اسیر
یا قُطب یا غوث الاعظمؓ یا ولی روشن ضمیر

ہے بھروسہ جس پہ مجھ کو آپ ہی کی ذات ہے — بحرِ عصیاں میں تلاطم اور اندھیری رات ہے
ہاتھ پر تیرے بکا ہُوں لاج تیرے ہاتھ ہے — زادِ راہِ آخرت کُچھ بھی نہ میرے پاس ہے
بندہ ام درماندہ ام جُز تو نہ دارم دستگیر

ربط ہو جائے مدامی عبد کا معبُود سے — ہو اگر آزاد اپنی قیدِ ہست و بُود سے
دامنِ اُمید کو بھر دو گُلِ مقصُود سے — دیجیے ناسُوتی کو بھی صدقہ کچھ اپنے جُود سے
خاطرِ ناشاد را کُن شاد یا پیرانِ پیر

زندگی اپنی نظر آتی ہے مجھ کو اک سُراب — ہستیِ فانی پہ ہے میری یقینی کا حُباب
بر درِ درگاہِ والا سائم اے آفتاب — دیجیے اجداد کا اپنے تصدق بے حساب
جاؤں گا خالی نہ در سے آپ کے پیرانِ پیر

اُس سے اگلے روز کمزوری اور زیادہ ہو گئی اور بالکل اِستغراق کی کیفیت طاری رہی۔ اِس کے باوجُود آپ تمام نمازیں وقت پر اشاروں سے ادا فرماتے رہے۔ اِس مرتبہ ہسپتال والے آپ کو وُہ کمرہ نہ دے سکے تھے جو پہلی مرتبہ دیا تھا۔ چنانچہ آپ نے کئی مرتبہ پُوچھا کہ وُہ کمرہ کب خالی ہو گا۔ ۲۱ جُون ۱۹۷۴ء بروز جمعہ جمادی الثانی کا چاند نظر آیا اور ۲۲ جُون کو وُہ کمرہ یعنی کمرہ نمبر ۴ خالی ہوا تو آپ کو اُس میں منتقل کر دیا گیا۔ اُس کمرہ میں آجانے کے تھوڑی ہی دیر بعد طبع مُبارک میں دفعۃً بے حد کمزوری واقع ہُوئی۔ بلڈ پریشر تشویشناک حد تک گر گیا اور بالآخر اُسی روز جمادی الثانی کی ۲ تاریخ کو گیارہ بجے شب آپ نے اپنے رفیقِ اعلیٰ کو لبّیک کہا۔

صُورت از بے صُورتی آمد بروں — باز شُد اِنّا اِلیہِ رَاجِعُوْن

نمازِ جنازہ و تدفین

اُس وقت کمرہ کے اندر آپ کے پاس ڈاکٹر کرنل محمد شفیع صاحب، ڈاکٹر میجر شہاب الدین، ڈاکٹر کرنل آصف جشتی غُلام مُصطفےٰ، راجہ غلام سرور، عبد الرزاق مٹھیالوی، ملک غلام ربّانی اور سیٹھی محمد اسمٰعیل پشاوری موجُود تھے۔ صاحبزادہ صاحبان اور دیگر خاص متعلقین باہر حاضر تھے۔ اُسی وقت آپ کے جسدِ مُبارک کو ایمبولنس میں گولڑہ شریف لے جایا گیا۔ جہاں رات کے دو بجے مولانا فیض احمد، مولانا عبد الرزاق، ملک غلام ربّانی، راجہ غلام سرور، عبد الرزاق مٹھیالوی اور مولانا اللہ بخش صاحبان

نے غسل دیا۔ اُس کے بعد جسدِ مُبارک کو حرم سرا میں لے جایا گیا تاکہ اہلِ خانہ زیارت سے مشرف ہو سکیں۔ رات ہی کو بذریعہ ٹیلیفون آپ کے وصال کی اطلاع ہر طرف بھیج دی گئی تھی۔ قُرب وجوار کے لوگ تو رات ہی سے آنا شروع ہو گئے تھے۔ ریڈیو پر آپ کے وصال کی خبر صُبح کی خبروں میں نشر کی گئی۔ صُبح ۹ بجے حضرت بابُوجیؒ کے دونوں فرزندانِ ارجمند شاہ غلام مُعین الدین اور شاہ عبدالحق مدظلہما العالی مجلس خانہ میں تشریف لائے۔ باوجُود ضبط کے تمام اہلِ مجلس اشکبار تھے۔ مولانا فیض احمد صاحب نے حضرت بابُوجیؒ کی پاکیزہ زندگی کا مختصر خاکہ اور بزرگانِ خُدا کے وصال کے خواص بیان کیے۔ محبُوب قوّال نے مولانا فیض احمد صاحب کا اُسی روز کا کہا ہُوا مندرجہ ذیل فارسی مرثیہ پڑھا جسے سُن کر ساری مجلس زار و قطار رو رہی تھی۔

مرثیہ

واحسرتا کہ خواجۂ حق آشنا برفت ۔۔۔ مقبُولِ بارگاہِ شہِ دوسرا برفت

سبطِ جنابِ حیدرؓ و دلبندِ غوث پاکؓ ۔۔۔ فرزندِ شاہ مہر علیؒ حق نُما برفت

آں مخزنِ محبّت و آں معدنِ سخا ۔۔۔ خواجہ غلام محی دینؒ پیرِ ہُدیٰ برفت

شُد آسماں بگریہ و نالد زمیں بسوز ۔۔۔ آں خیر خواہ و مُونسِ خلقِ خُدا برفت

اے دردِ عشق خاک بسر ریز و اشکبار ۔۔۔ اے حُسن گریہ کُن کہ بہارِ شما برفت

تاریک گشت عالمِ وجد و سماع و ذوق ۔۔۔ آں مردِ پاکباز سرِ اصفیا برفت

سنِ وصال فیض شنیدم زِ ہاتفے
آں کمال پیکرِ مہر و وفا برفت

۱۳۹۴ھ

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہجُوم میں اضافہ ہوتا گیا۔ اگرچہ موسمِ گرما کا شباب تھا۔ تاہم تمام دن بادل چھائے رہے اور کبھی کبھی نہایت ہلکی بُوندا باندی بھی ہوتی رہی گویا آسمان بھی اہلِ دُنیا کے ساتھ اِس جانکاہ واقعہ پر اشکبار تھا۔ نمازِ ظہر کے بعد قریباً ½۲ بجے جنازہ حرم سرا سے باہر لایا گیا۔ ہجوم اِس قدر تھا اور ہر شخص جنازہ کو کندھا دینے کے لیے اِس قدر بے قرار تھا کہ جنازہ کو بڑی مشکل سے گیراج تک پہنچایا گیا۔ اُس وقت جنازہ کے اُوپر ابابیلوں اور چڑیوں کے جُھنڈ فضا میں پرواز کرتے ہُوئے دیکھے گئے۔ جنازہ مہمان خانہ نمبر ۱ کے صحن میں ایک تخت پوش پر رکھ دیا گیا تاکہ عوام النّاس زیارت سے مشرف ہو سکیں۔ نمازِ عصر کے بعد جنازہ کو دربار شریف کے جنوب مغرب میں ایک کھُلے میدان میں بذریعہ ویگن پہنچایا گیا کیونکہ لوگوں کے فرطِ شوقِ زیارت اور ہجُوم کے باعث چارپائی پر لے جانا ناممکن تھا۔ اس وقت حاضری کی تعداد اخباری اطلاعات کے مُطابق اڑھائی تین لاکھ تھی۔ پشاور سے کراچی تک کے لوگ جنازہ پر پہنچ چکے تھے جن میں کثیر تعداد عُلمائے کرام، مشائخ عظام، سجّادہ نشین صاحبان اور معتقد حضرات کی تھی۔ ۶ بجے شام حضرت سید عبدالقادر گیلانی رحمۃ اللہ علیہ سابق سفیر حکومت عراق کی امامت میں جو بارگاہِ غوثیہ بغداد شریف کے موجُودہ متولّی کے بھائی اور حضرت سیّدنا غوث الاعظمؓ کی اولاد و امجاد میں سے تھے۔ چھ بجے شام نمازِ جنازہ پڑھائی گئی اور پھر بذریعہ ویگن ہی جنازہ واپس لا کر آپ کو اپنے والدِ بزرگوار قبلۂ عالم سیّد پیر مہر علی شاہ قدس سرّہٗ کے مزارِ اقدس کے اندر اُن کے مشرقی پہلو میں نمازِ مغرب کے قریب دفن کیا گیا۔ وُہ چاند جس نے عرصہ سے ایک

عالم کو اپنے نُور سے منوّر کر رکھا تھا مخلوق کی نگاہوں سے زیرِ زمین رُوپوش ہو گیا۔ رحمۃ اللہ علیہ

وصال کے بعد کے حالات

۲۳ جُون ۱۹۷۴ء اور اُس کے بعد کئی روز تک مُلک کے تمام اخبارات میں حضرت بابُوجیؒ کے متعلق مضامین نظمیں اور مرثیہ جات شائع ہوتے رہے۔ ریڈیو پاکستان سے آپ کی زندگی کے مختصر حالات اور متقدر حضرات کے تاثرات نشر کیے گئے۔ آل انڈیا ریڈیو نے بھی آپ کے متعلق ایک خاص بلیٹن نشر کیا۔ اُدباء اور شعراء نے تاریخ ہائے وصال اور مرثیے لکھے۔ ہر مکتبِ فکر کے عُلماء اور ہر سلسلۂ رُوحانیہ کے مشائخ اور سجادہ نشین تعزیت کے لیے تشریف لاتے رہے۔ مدیر "چٹان" لاہور نے اپنی اشاعت مؤرخہ ۳۰ جولائی میں مُلک کے مختلف مکاتیبِ فکر کے رہنماؤں کے اُن بیانات کو یکجا کیا جو اُنہوں نے حضرت بابُوجیؒ کے وصال پر دیئے۔ ہم یہ بیانات ناظرین کے مطالعہ کے لیے نقل کیے دیتے ہیں۔

اِرادت کے موتی حضرت سیّد غُلام مُحی الدّین شاہ علیہ الرحمۃ کی یاد میں

وزیرِ اعظم ذُوالفقار علی بھٹّو
"بلاشبہ آپ کا وجُود ایک رُوحانی عظمت تھا۔"

ملک غُلام مُصطفےٰ کھر ایم۔ این۔ اے
"قرنِ اوّل کی دینی حمیّت کا مجسمہ تھے۔"

ائیر مارشل اصغر خاں
"اسلاف کی آخری تصویر تھے۔"

نواب زادہ نصرُ اللہ خاں
"فقر و استغناء کا نمُونہ کامل تھے۔"

چودھری ظہُور الٰہی ایم۔ این۔ اے
"اہل اللہ کی مُعجز نمائیوں کا مجسّمہ تھے۔"

حضرت مفتی محمُود ایم۔ این۔ اے
"فی الواقعہ تحریکِ ختمِ نبوّت کے مورُوثی راہنما تھے۔"

خان عبدالولی خان ایم۔ این۔ اے
"علم و تقویٰ کا نادرۂ روزگار وجُود تھے۔"

پروفیسر غفُور احمد ایم۔ این۔ اے
"اُن کا وجُود آئینۂ رحمت تھا۔"

حضرت شاہ احمد نُورانی ایم۔ این۔ اے
"اساطیرِ اولیٰ کی تصویر تھے۔"

میاں طفیل محمد امیر جماعتِ اسلامی پاکستان
"اُن کے رُوئیں رُوئیں میں اسلام ہی اسلام تھا۔"

چودھری غلام جیلانی امیر جماعتِ اسلامی پنجاب
"اُن کا وجُود صداقتِ اِسلام کی دلیل تھا۔"

علاّمہ عبدالعزیز خالد
"اُنہیں دیکھا تو گویا دیکھ لی رحمت پیمبرؐ کی"

ملک خضر حیات خاں ٹوانہ
"وُہ قطبُ الاقطاب تھے۔"

پیر دیول شریف
"شیخ العصر تھے۔"

علاّمہ محمُود رضوی (حزبُ الاحناف)
"آپ تربیت یافتگانِ رسالت مآبؐ کا مجسمہ تھے۔"

مولانا ابُوالبرکات
"تھا اُن میں رنگِ علیؓ اور اُن میں بُوئے رسُولؐ"

مولانا تاج محمُود صاحب لائل پُور
"قامت اُن کی غیرتِ اِسلام کی تصویر تھی"

مولانا علام اللہ خاں راولپنڈی
"وُہ خانوادۂ طریقت کا لعلِ شب چراغ تھے۔"

مجید نظامی ایڈیٹر "نوائے وقت" لاہور

"اس خدا کی سرزمیں پر نور کا پیکر تھے وُہ"

اقبال زبیری ایڈیٹر "مشرق" لاہور

"فقرِ اسلام کی دلیلِ محکم تھے"۔

ہارُون سعد ایڈیٹر "امروز" لاہور

"اُنہیں دیکھتے ہی مادیّت کا طلسم خانہ پاش پاش ہو جاتا تھا"

شاعرِ اسلام حضرت احسان دانش

"وُہ آدمی تھا مگر دیکھنے کی تاب نہ تھی"

حضرت شفیق کوٹی

"اِس وطن کے بُتکدے میں نعرۂ تکبیر تھے"

خواجہ عبدُالرّحیم بار ایٹ لاء

"وُہ سچّے دِلوں کے فاتح تھے"۔

ملک عباس حسین الخبر سعُودی عربیہ

"سخاوت کا آبشار تھے"

عزیز انصاری گوجرانوالہ

"فی الواقعہ اُن کا وجُود عطیۂ ربانی تھا"

بیگم شورش کاشمیری

"ہادیٔ کامل، مُرشدِ دَوراں، جُود وسخا کا چشمۂ صافی"

سردار شوکت حیات خاں ایم این۔اے

"اُٹھ گئے تو ایک رُوحانی خلا پیدا ہوا"

نواب ذاکر حسین قریشی ایم این۔اے

"اُن کے اوصافِ حسنہ بیان کرنے سے قلم قاصر ہے"۔

مولانا غلام علی اوکاڑوی

"قُدرتِ حق آدمی کے رُوپ میں"

سیّد مظفر علی شمسی

"ایک اِنساں امر بالمعروف کی آواز تھا"

سیّد خلیل احمد قادری خلفُ الرّشید مولانا ابُوالحسنات مرحُوم

"مظہرِ حق وصداقت حُجّتِ دینِ ہُدیٰ"

حضرت بابُوجیؒ کے وصال کے بعد کئی ہفتہ تک ہر جمعرات کے روز ایصالِ ثواب کے بعد ہزارہا لوگوں کو کھانا کھلایا جاتا رہا۔ ۱۱۔رجب ۱۳۷۴ھ کو جہلم شریف ہوا اور اُس روز بھی بیشتر اخبارات نے آپ کے حالاتِ زندگی اور بعض نے خاص نمبر شائع کیے۔ اِس موقع پر بالعمُوم سب سے بڑے بیٹے کی دستاربندی کی جاتی ہے۔ مگر چُونکہ حضرت قبلۂ عالم کے وصال کے بعد حضرت بابُوجیؒ نے یہ رسم ادا نہیں فرمائی تھی اِس لیے آپ کے صاحبزادہ صاحبان نے بھی اپنے والدِ بزرگوار کی اِتباع میں اِس رسم کی اجازت نہ دی۔ حضرت سیّد عبدالقادر گیلانی سابق سفیر حکومتِ عراق اِس تقریب پر بھی تشریف لائے تھے۔ حضرت بابُوجیؒ کو اُن کے ساتھ اُن کے آستانۂ عالیہ بغداد شریف کے تعلّق کی بنا پر بہت نیاز تھا اور انہیں اپنے عُہدہ سے سُبکدوش ہونے کے بعد بھی سفیر صاحب کے لقب سے ہی یاد فرماتے تھے۔ سفیر صاحب دونوں صاحبزادگان کو لے کر مزار شریف پر حاضر ہُوئے اور ایک سفید رنگ کا جُبّہ نکال کر حضرت لالہ جی کے کندھوں پر ڈالنا چاہا حضرت لالہ جی نے اپنے چھوٹے بھائی شاہ عبدالحق صاحب کو بھی جُبّہ کے نیچے لینا چاہا تو سفیر صاحب نے فرمایا کہ میں اُن کے لیے بھی الگ جُبّہ لایا ہُوں۔ دونوں بھائیوں نے روتے ہُوتے دونوں جُبّے تبرّک کا قبول فرمائے۔

حضرت بابُوجیؒ نے اپنے دونوں صاحبزادگان کو مذہبی تعلیم جامعہ اسلامیہ بہاول پُور میں مشہُور عالمِ دین مولانا غلام محمد صاحب گھوٹوی شیخ الجامعہ کے زیرِ نگرانی دلائی تھی۔ تعلیم سے فراغت کے بعد آپ اُنہیں ہمیشہ سفر وحضر میں اپنے ساتھ رکھتے تھے رُوحانی تعلیم وتربیت کے علاوہ لنگر شریف کی تمام ذمہ داریوں سے بھی اُنہیں اچھی طرح رُوشناس کرا دیا تھا خلوت وجلوت میں بار ہا خصُوصی نصائح اور وصیتوں سے اُن کی تربیت فرمائی۔ خدمتِ خلق، مہمانوں کی رعایت، خاطر اور دیکھ بھال اور اتباعِ شریعت و طریقت کی خصُوصی تعلیم دی اور خود نمائی سے یکسر دُور رہنے کی ہمیشہ پُرزور تاکید فرمائی۔ دونوں کو بیعت وارشاد کی اجازت اپنے

وصال سے کافی عرصہ پہلے عطا فرما دی تھی۔ اگرچہ آپ کی زندگی میں اِن دونوں میں سے کسی نے بھی کبھی کسی کو بیعت کرنے کی جرأت نہ فرمائی۔ دونوں بھائی اَب اپنے والدِ بزرگوار کی سُنّت کو اُسی خوش اسلوبی سے پُورا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں جس طرح خُود حضرت بابُوجیؒ نے حضرت قبلۂ عالمؒ کے وصال کے بعد فرمائی تھی۔ لنگر شریف پر مہمانوں کی دیکھ بھال اور ان کی آسائش میں اضافے کے لیے ہر دم کوشاں ہیں۔ خلقِ خُدا کی گذارشات بڑی توجہ سے سُنتے اور ان کی دِلجوئی فرماتے ہیں۔ دُنیاداری اور سیاست سے اُسی طرح الگ تھلگ ہیں جیسے اُن کے اجدادِ کرام تھے۔ اللہ کریم اُنہیں ہمّت و توفیق بخشے کہ اس پُرآشوب زمانہ میں آستانۂ عالیہ کے فیض کو اپنے آبا کی طرح جاری رکھ سکیں اَور بے سہارا اور بے آسرا لوگوں کا یہ ملجا و ماوےٰ تا ابد قائم و سلامت رہے۔ آمین۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا حضرت بابُوجیؒ کی ذاتِ مُبارک کے اَوصاف و کمالات بیان کرنا آسان نہیں اس کے لیے ایک دفتر درکار ہے اور اس کے باوجود بھی شاید بیان تشنۂ تکمیل ہی رہے۔ یہاں ہم آغا شورش کاشمیری مرحوم کے مضامین سے چند اقتباسات اِس اُمید پر نقل کیے دیتے ہیں کہ شاید قارئینِ کرام کو حضرت بابُوجیؒ کی ذاتِ مُبارک کی رفعت، علوِ مقام اور معیّت اَوصاف کا کچھ تھوڑا سا اندازہ ہو جائے۔

حضرت بابُوجی رحمۃُ اللہ علیہ

یاد اُن کی صرفِ جاں ہے آج تک

حضرت پیر سیّد غلام محی الدّین شاہ (گولڑہ شریف) سیّدنا مہر علی شاہ نوّر اللہ مرقدہٗ کے لختِ جگر تھے اور معرفتِ الٰہی کے وُہ تمام اَوصاف آپ کی ذاتِ ستوُدہ صفات میں جمع تھے جن کی بدولت آپ کے مایۂ ناز والد کا وجُودِ گرامی عقیدت عوام کا مرجع تھا۔ احقر نے آپ کو پہلی دفعہ ۱۹۵۸ء کے اواخر میں دیکھا۔ سب سے بڑی چیز جو دِل پر نقش ہُوئی وُہ یہ تھی کہ اللہ والے کیا ہوتے ہیں۔ راقم کو اپنے مزاج کی اُفتاد کے باعث رزم و بزم سے تعلّق رہا اَور ہمیشہ اُن لوگوں کی رفاقت حاصِل کی جن کی زندگی کے شب و روز سیاسی معرکہ آرائیوں میں گذرتے رہے۔ راقم کے لیے مشائخ کی صُحبتیں اور اہل اللہ کی محفلیں بالکل اجنبی رہیں۔ بلکہ احقر نے اپنی نِگاہ کی نارسائی کے باعث ان حلقوں کے شب و روز کو گریز و فرار کا نام دیا۔ لیکن سیّدنا غلام محی الدّین شاہ (بابُوجیؒ) کے فیض نے راقم کے تصوّرات کی اُڑانیں ہی بدل دیں اَور وُہ خانقاہی سلسلے جو فہم سے ماوریٰ تھے کچھ اس طرح دِل پر نقش ہو گئے کہ پُرانی تصویریں مُنہدم ہو گئیں اَور نئی تصویریں پیدا ہُوئیں۔ راقم اپنے رب کے اس کرمِ بے پایاں کا عُمر بھر شکر ادا نہیں کر سکتا کہ اس کو بارگاہِ ایزدی سے قلم و زبان کی نعمتیں عطا ہُوئیں اَور کسی چیز کو تقریر و تحریر میں بیان کرنا دُشوار نہیں رہا لیکن جو تاثر، کیف، وجد اَور سُرور بابُوجیؒ کی صُحبت میں حاصِل ہوا اَور اُن کی نگاہ کو جس طرح مہربان پایا حقیقت یہ ہے کہ نہ تو قلم میں بیان کی طاقت ہے اَور نہ زبان اظہار پر قادر ہے۔ جس اِنسان پہ آپ نگاہ کرتے اُس کی کایا پلٹ جاتی۔ آپ کے رُوبرُو ہونے سے یہ نعمت حاصِل ہوتی کہ عظیم اِنسانوں سے قُربت کے فاصلے کیونکر طے کیے جاتے ہیں۔ اَور عام اِنسان اہل اللہ کی صُحبت میں کیونکر تاثر حاصِل کرتا پھر اس تاثر سے اُنس کا دروازہ کس طرح کھُلتا۔ اِس سے پہلے رغبت کیسے پیدا ہوتی جب اُنس اپنے نشو کو پہنچتی ہے تو محبت کے عُنوان کیا ہوتے ہیں اور محبت کی معراج کا نام عشق ہے۔ پھر عشق میں خُود سپردگی جنُون پیدا کرتی ہے۔ بابُوجیؒ اپنے اللہ کے تھے۔ حضُور سرورِ کائنات کی ذاتِ اقدس سے آپ کا عشق اِس معراج کو پہنچ چکا تھا کہ حضُور کی صُحبت میں ہوتے تو ہر لحظہ اِس تلاش میں رہتے

کہ اُن کے گرد وپیش رہ کر جان کیونکر دی جا سکتی ہے۔ باؤجیؒ کو حضورؐ سے ایک ایسا لگاؤ تھا کہ اُن کے ذکر سے بے خود ہو کر اُن کے تصور میں تحلیل ہو جاتے۔ یہ عالم کیا ہوتا، راقم اِس کا نقشہ کھینچنے سے قاصر ہے لیکن آنکھیں اِس منظر کو دیکھ چکی ہیں۔

کئی الفاظ ذہن میں اپنے مطالب کے ساتھ نقش ہو جاتے ہیں لیکن الفاظ اُن کی شرح و تفسیر نہیں کر سکتے۔ مثلاً فقر و اِستغنا، جُود و سخا، مِہر و وفا، غیرت و حمیت، عفت و حیا، قناعت و شرافت، اِیمان و عرفان، اِیقان و احسان اَور خُودی و بے خُودی۔ اِن الفاظ کی تصویریں اِنسانی وجُود کے تجربے ہی سے معلوم ہوتی ہیں۔ باؤجیؒ اِن الفاظ ہی کی معنوی خصوصیتوں اَور رُوحانی کیفیتوں کا مجسمہ تھے۔ احقر نے زندگی میں جید عُلماء، نامور فضلاء، معرُوف فقراء اور بڑے بڑے صف آرا انسانوں کی ہم نشینی اَور خوشہ چینی کا فیض حاصل کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ وُہ لوگ اپنے محاسن کا نادرۂ روزگار مجموعہ تھے لیکن باؤجی قدس سرہٗ کا عالم ہی دُوسرا تھا۔ اُن کی زبان میں کسی کے لیے آزار نہ تھا۔ وُہ عیب بینی، عیب چینی اَور عیب گوئی سے خِلقی طور پر نا آشنا تھے۔ سب سے بڑی بات کہ اُن میں کسی عنوان سے کوئی تمرّد نہ تھا۔ وُہ ایک بہت بڑے باپ کے نُورِ نظر اَور خود بہت بڑے اِنسان تھے لیکن دارا و سکندر سے اولیٰ تھے۔ اُن کی فقیری میں بُوئے اسدُ اللّٰہی تھی۔ اُن میں صدیقؓ کا عشق، فارُوقؓ کی سطوت اَور عثمانؓ کی سخاوت تھی۔ اُن کی نگاہ بلند، سخن دلنواز اَور جان پُرسوز تھی۔ وُہ قرنِ اوّل کے حجازی تھے لیکن فی زمانہ پاکستان میں ولایتِ عشق کے سرخیل تھے۔ حضُور سرورِ کائناتؐ کی سخاوت سے متعلق جتنی حدیثیں ہیں اُن کی چلتی پھرتی تصویر تھے۔ اُن کی دُعا کا انداز یہ تھا کہ اللہ کریم اپنے بندوں کو اپنی رحمت سے نواز، تیرے در کے سوا اَور کوئی دروازہ سائلوں کے لیے نہیں ہے۔ اِن کی مُرادیں پُوری کر جو تیری بارگاہ میں دُعا کے ہاتھ اُٹھا کر حاضر ہیں۔ تیرے سوا کوئی دُوسرا ستار و غفار نہیں۔"

باؤجیؒ علیہ الرحمۃ کی تصویر کھینچنا اپنے قلم کی تمام وُسعتوں کے باوجود نا ممکن ہے۔ وُہ پاکستان کی طویل ترسیاہ رات میں قرنِ اوّل کا اُجالا تھے۔ وُہ ایک عظیم رُوحانی چراغ تھے جو گرد وپیش دُور دُور تک اپنی روشنی سے صبحِ خنداں کو شہ مات دیتا تھا۔ وُہ عظیم اِنسان ہونے کے باوجود دُنیاوی معاملات کی مبادیات سے بھی نا آشنا تھے۔ اُنہیں سیاسی مسئلوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی فرماتے: مُسلمان سیرتِ محمدیؐ کا اتباع کر لیں تو اُن کی تمام مشکلیں آنِ واحد میں حل ہو سکتی ہیں۔" وُہ دُوسرے بزرگانِ کرام کی طرح مسندِ طریقت پر بیٹھ کر خُدائی نہ کرتے تھے۔ وُہ فنا فی الرسولؐ اہل اللہ تھے۔ اُن کا مسلک محبت تھا۔ عشق کی جوت جلاتے اَور شریعت کی چمن بندی پر زور دیتے۔ اُن کے رُوئیں رُوئیں میں محمد عربیؐ کا عشق بھرا ہوا تھا۔ وُہ سرورِ کائناتؐ کے سوا ہر چیز سے بے نیاز تھے۔ فرماتے:- "اپنے اللہ سے لو لگاؤ اَور یہ لو محمدؐ سے نسبت پیدا کیے بغیر نا ممکن ہے۔"

ہم لوگ جب کبھی دُعاؤں کے لیے عرض کرتے تو فرماتے:-

"مَیں بھی ہاتھ اُٹھاتا ہُوں، تم بھی ہاتھ اُٹھاؤ۔ اللہ دیتا ہے اَور ہم لیتے ہیں۔ جس خلُوص سے مانگو گے، اُسی نسبت سے پاؤ گے۔"

حقیقت یہ ہے کہ وُہ اللہ کی رضا میں کھوئے ہُوئے اِنسان تھے، اُنہیں دیکھ کر اللہ یاد آتا اَور قرنِ اوّل کے اسلام کی تصویر کھنچ جاتی۔ وُہ عطیۂ الٰہی اَور حجتِ ربانی تھے۔ اُن کی رحلت پر ہندوستان، آکاش وانی کے ایک سٹیشن سے آپ کے سوانح پر جو نقشہ پیش کیا گیا اُس میں ایک بول تھا کہ حضرت سید غلام محی الدین شاہ فی الواقعہ ایک ایسے بزرگ تھے جن سے ہندستان میں شمعِ اسلام روشن ہُوئی، بُت کدوں میں اذانیں گُونجیں اَور تعصبات فنا ہو کر انسانیت کا طغریٰ ہو گئے۔ اگر برِّعظیم اِن جیسے سپُوت پیدا کرتا تو انسان کبھی تقسیم نہ ہوتے اَور اِسلام اِس سُرعت سے پھیلتا کہ نصف آبادی دو تین دہائیوں ہی میں حلقہ بگوشِ اسلام ہو جاتی۔"

آخر میں ہم حضرت باؤجیؒ کے فراق میں لکھے ہُوئے دو مرثیے تحریر کیے دیتے ہیں۔ پہلا مرثیہ آغا شورش کاشمیری مرحوم نے کہا تھا اور دُوسرا حضرت باؤجیؒ کے جواں سال پوتے سیّد غلام نصیر الدّین شاہ صاحب کا فرمُودہ ہے۔ جو اپنی کم عمری کے باوجود شاعری میں ایک منفرد مقام حاصل کر چکے ہیں اور نہایت ہی پُختہ اور ارفع کلام کہتے ہیں۔

محمد حیات خان
محمد فاضل خان

قرنِ اوّل کا اُجالا

حضرت قبلہ سیّد غلام محی الدّینؒ شاہ گولڑا شریف کی وفاتِ حسرت آیات

(از شورش کاشمیری)

اِس مملکت کا مردِ مسلماں چلا گیا
روتا ہُوں میں کہ پیکرِ ایماں چلا گیا

بے دست و پا تھے ہم سرِ بازار لُٹ گئے
ناموسِ مصطفےٰ کا نگہباں چلا گیا

اے مرگِ ناگہاں ترا شکوے کریں تو کیا
جائیں کہاں کہ درد کا درماں چلا گیا

رویا کرُوں گا اُن کی جُدائی میں روز و شب
میرے لیے تو منبعِ عرفاں چلا گیا

اُن کا وجُود آیۂ ربِّ ودُود تھا
میرے اُمم کے عشق کا عُنواں چلا گیا

یہ سوچتا ہُوں اُن سے مُلاقات اب کہاں
رختِ سفر لپیٹ کے سُلطاں چلا گیا

دینِ ہُدیٰ کی جوت جگاتا تمام عمر
طاعت گزارِ خواجۂ گیہاں چلا گیا

اُس کی نظیر کُرّۂ ارضی پہ اب کہاں
اُبھرا، اُبھر کے نیّرِ تاباں چلا گیا

دیکھے ہیں میں نے اُس کی لحد پر ملائکہ
خُلدِ بریں میں یُوسفِ کنعاں چلا گیا

مرثیہ از شاہ غلام نصیر الدّین شاہ صاحب

سُنے کون قصّۂ دردِ دل میرا غمگسار چلا گیا
جسے آشناؤں کا پاس تھا وُہ وفا شعار چلا گیا

وُہ سخن شناس وُہ دُور بیں وُہ گدا نواز وُہ مہ جبیں
وُہ حسیں وُہ بحرِ علُوم دیں مرا تاجدار چلا گیا

جسے نُورِ مہرِ علیؒ کہیں وُہ کہ جس کا نام ہے محی الدّینؒ
مجھے کیا خبر کہاں لُوٹ کر وُہ میری بہار چلا گیا

وُہی بزم ہے وُہی دُھوم ہے وُہی عاشقوں کا ہجوم ہے
ہے کمی تو بس اُسی چاند کی جو تہہِ مزار چلا گیا

کہاں اب سخن میں وُہ گرمیاں کہ نہیں رہا کوئی قدرداں
کہاں اب وُہ شوق کی مستیاں کہ وُہ پُروقار چلا گیا

میں جسے سُناتا تھا دردِ دل وُہ جو پُوچھتا تھا غمِ دروں
وُہ گدا نواز چلا گیا وُہ وفا شعار چلا گیا

بہیں کیوں نصیرؔ نہ اشکِ غم کروں کیوں نہ نالہ و زاریاں
مجھے بے قرار وُہ چھوڑ کر سرِ رہگذار چلا گیا

حضرت بابُوجیؒ کی وِلادت، عُمر اور وصال کی تواریخ

(از شاہ غُلام نصیر الدّین شاہ صاحب)

تولّدِ شہِ والا حضُور بابُو جیؒ — طلُوعِ بدرِ ہدایت زِ بُرجِ مہر علیؒ

۱۳۰۸ھ

غرُوبِ نجمِ وفا آہ اِرتحالش داں — حیاتِ او بجلالِ ودُود گشت جلی

۱۳۹۴ھ — ۸۶ سال

حضرت قبلۂ عالم سیدنا خواجہ پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی قدس سرہٗ

کی

تصنیفات

۱۔ تحقیق الحق فی کلمۃ الحق یہ کتاب کلمۂ طیبہ کی تشریح اور مسئلہ وحدت الوجود کے بیان میں ہے۔ جو حضرتؒ نے لکھنؤ کے مشہور صوفی مولانا سید عبدالرحمٰن صاحب مرحوم کی کتاب کلمۃ الحق کے جواب میں تحریر فرمائی۔ شاہ صاحب لکھنوی نے مسئلہ وحدت الوجود کو کلمۂ طیبہ کا مدلول ثابت فرما کر تمام اُمتِ محمدیہ کو اس کشفی مسئلہ کے ساتھ مکلف فرما دیا تھا حضرت پیر صاحبؒ نے اپنی خداداد علمی و عرفانی قابلیت سے نہ صرف شاہ صاحب کے اس خطرناک نظریہ کی تردید فرمائی بلکہ صوفیائے کرام کے مسلک کے مطابق مسئلہ مذکورہ کی ایسی مدلل تشریح فرمائی جو اربابِ علم و ذوق کے لیے خضرِ راہ ہے۔ کتاب کے آخر میں صوفیائے وجودیہ کے طریقہ سلوک و توجہ کو عمدہ انداز میں بیان فرما کر سرکارِ دو عالم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مختصر سیرتِ طیبہ کا بھی بیان فرمایا ہے۔ ۱۱۲ صفحات پر مشتمل تیسرا ایڈیشن جس میں عربی اور فارسی کی عبارات کا اُردو ترجمہ کر دیا گیا ہے۔

۲۔ شمس الہدایہ یہ کتاب حضرت مسیح ابن مریم کے زندہ آسمان پر تشریف لے جانے اور قیامت کے قریب واپس زمین پر نزول فرمانے کے موضوع پر قرآن و سنت کی روشنی میں تحریر فرمائی گئی اور اس میں ختمِ نبوت جیسے متفقہ اور اجماعی عقیدہ کے متعلق تمام اعتراضات اور شکوک و شبہات کی مدلل تردید تحریر ہے۔ ۲۶ صفحات پر مشتمل تیسرا ایڈیشن

۳۔ سیفِ چشتیائی ہر طبقہ کے علمائے کرام کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ حیاتِ مسیح علیہ السلام اور ختمِ نبوت کے موضوع پر اس سے بہتر اور مستند کتاب کبھی نہیں لکھی گئی۔ قوتِ استدلال اور طرزِ بیان بے نظیر ہے علم دوست اصحاب میں بے حد مقبول ہے۔ ۲۳۰ صفحات پانچواں ایڈیشن

۴۔ اعلاءِ کلمۃ اللہ یہ کتاب وما اُھل بہ لغیر اللہ کی تفسیر ہے جس میں حضرتؒ نے مسائل نذر و نیاز، سماع موتٰی، استمداد اولیائے کرام کو نہایت شستہ انداز میں بیان فرمایا ہے اور ان مسائل میں اہلِ اسلام میں جو اختلافات مدت سے چلے آرہے ہیں اُنہیں اعتدال و انصاف کے ساتھ ختم کرانے کی کوشش فرمائی ہے۔ ۱۴۶ صفحات، پانچواں ایڈیشن

۵۔ مکتوباتِ طیبات یہ کتاب آنجنابؒ کے خطوط اور تحریرات کا مجموعہ ہے جو آپ نے وقتاً فوقتاً اپنے احباب اور متعلقین کی طرف تحریر فرمائے ان میں بہت سے مسائل شریعت و طریقت کا حل موجود ہے۔

۶۔ الفتوحات الصمدیہ اس کتاب میں مخالفین کی طرف سے حضرت پر کئے گئے ان دس مشکل سوالات کے جوابات دیئے گئے جن پر مخالفین کو بہت ناز تھا۔ کتاب کے آخر میں حضرتؒ کی طرف سے پوچھے گئے بارہ سوالات بھی درج ہیں جن کے جوابات مخالفین آج تک نہ دے سکے۔

۷۔ تصفیہ مابین سنی و شیعہ اپنی اس تصنیف لطیف میں حضرت نے خلافتِ راشدہ کی حقانیت کے ساتھ ساتھ اہلِ بیتِ کرام کے فضائل کو از روئے کتاب و سنت انتہائی متوازن انداز میں ثابت فرمایا ہے۔ یہ کتاب توازن و استدلال مسلک کا شاہکار ہے۔

۸۔ ہدیۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم فارسی زبان میں لکھی گئی یہ کتاب حضرت قبلۂ عالم کی طرف سے مرزائیت کی مکمل تردید پر مشتمل ہے۔ اسکے مندرجات کی تفصیل پہلے شمس الہدایہ اور سیفِ چشتیائی کے عنوان سے شائع شدہ کتابوں کی صورت اُردو زبان میں منظرِ عام پر آچکی ہیں۔ اب اصل کتاب فارسی بھی فارسی دان حضرات کیلئے شائع ہو چکی ہے اور دستیاب ہے۔

۹۔ مہرِ منیر } آنجناب کی شہرۂ آفاق سوانح عمری، آپ کے مصدقہ حالاتِ زندگی، علمی و رُوحانی مجاہدات و کمالات کا تفصیلی تذکرہ، تصنیفات کا مختصر خُلاصہ۔ قادیانیت کے خلاف آپ کے معرکہ کی داستان نیز آپ کے صاحبزادہ و جانشین حضرت بابُوجی رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر حالاتِ وصال ساتواں ایڈیشن، ۶۳۰ صفحات، بہترین کاغذ، آفسٹ طباعت، خُوبصورت جلد

۱۰۔ ملفُوظاتِ طیّبات } آپ کے علمی اِرشادات و ملفُوظات کا مجمُوعہ، بارِ چہارم، آفسٹ طباعت، مجلّد نیا ایڈیشن

۱۱۔ مرآۃُ العرفان } آپ کا عارفانہ اور رُوحانی کیفیات سے بھرپُور منظُوم کلام۔ مرصّع ایڈیشن۔ دو رنگوں میں آفسٹ طباعت،

ملنے کا پتہ:۔ **آستانۂ عالیہ غوثیہ۔ گولڑا شریف، ضلع اسلام آباد**